

قرآن کریم کی مستند عربی تفسیر پہلی مرتبہ اردو میں

# تفسیر الخوی

المعروف معالم التنزيل

از امام الکبیر ابو محمد حسین بن مسعود الفراء بغوی شافعی رحمہ اللہ متوفی ۵۱۶ھ

جلد چہارم... سورة مريم تا سورة العنكبوت



بشمول قرآنی فضائل و خواص

از ابو محمد عبد اللہ یافعی رحمہ اللہ (متوفی ۷۶۸ھ)  
و حضرت مولانا عاشق الہی میرٹھی رحمہ اللہ  
(تلمیذ رشید حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ)

تعارف تفسیر

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ادارة تالیفات اشرفیہ

پتھوک فوارہ ملتان پاکستان

{0322-6180738, 061-4519240}

خصوصیات

قرآنی متن ترجمہ اور تفسیر جلی حروف میں  
ترجمہ از حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ  
فقہی احکام اور مسائل کا التزام  
مفسرین کے متعدد اقوال ایک ہی جگہ پر  
تفسیر کے علاوہ قرآنی الفاظ کی علیحدہ تشریح و تفسیر  
قرآنی واقعات کی متعدد روایات یکجا  
صرفی نحوی لغوی تحقیق کے ساتھ مستند تحقیقی تفسیر  
تفسیر کے مطابق قرآنی متن و ترجمہ اپنی جگہ پر

قرآن کریم کی مستند عربی تفسیر پہلی مرتبہ اردو میں

# تفسیر بغوی اردو

المعروف معالم التنزيل

از امام الکبیر محی السنۃ ابو محمد حسین بن مسعود الفراء بغوی شافعی رحمہ اللہ متوفی ۵۱۶ھ

جلد چہارم... سورۃ مريم تا سورۃ العنكبوت

بشمول قرآنی فضائل و خواص

از امام ابو محمد عبداللہ یافعی رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۸ھ)  
و حضرت مولانا عاشق الہی میرٹھی رحمہ اللہ  
(تلمیذ رشید حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ)

تعارف تفسیر

شیخ الاسلام حضرت علامہ مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ  
کے قلم سے

ترجمہ از  
اشرفیہ مجلس علم و تحقیق

خصوصیات

- قرآنی متن ترجمہ اور تفسیر جلی حروف میں
- آسان ترجمہ از حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ
- فقہی احکام اور مسائل کا التزام
- مفسرین کے متعدد اقوال ایک ہی جگہ پر
- عام تفسیر کے علاوہ قرآنی الفاظ کی علیحدہ تشریح و تفسیر
- قرآنی واقعات کی متعدد روایات یکجا
- صرفی نحوی لغوی تحقیق کے ساتھ مستند تحقیقی تفسیر
- تفسیر کے مطابق قرآنی متن و ترجمہ اپنی جگہ پر
- منتخب قرآنی آیات کے فضائل و خواص



چوک فوارہ گلستان پاکستان

{ 0322-6180738, 061-4519240 }

ادارہ تالیفات اشرفیہ

# نفسِ لغوی

تاریخ اشاعت..... رمضان المبارک ۱۴۳۶ھ  
ناشر..... ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان  
طباعت..... سلامت اقبال پریس ملتان

## انتباہ

اس کتاب کی کاپی رائٹ کے جملہ حقوق محفوظ ہیں

قانونی مشیر

محمد اکبر ساجد

(ایڈووکیٹ ہائی کورٹ ملتان)

## قارئین سے گزارش

ادارہ کی حتی الامکان کوشش ہوتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔  
الحمد للہ اس کام کیلئے ادارہ میں علماء کی ایک جماعت موجود رہتی ہے۔  
پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو برائے مہربانی مطلع فرما کر ممنون فرمائیں  
تا کہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاکم اللہ

ادارہ تالیفات اشرفیہ..... چوک نوارہ..... ملتان

مکتبہ سید احمد شہید..... اردو بازار..... لاہور  
مکتبہ عالمیہ..... اکوڑہ خٹک..... پشاور  
اسلامی کتاب گھر..... خیابان سرسید..... راولپنڈی  
دارالاشاعت..... اردو بازار..... کراچی  
مکتبہ رشیدیہ..... سرکی روڈ..... کوئٹہ  
مکتبہ دارالاطلاص..... قصہ خوانی بازار..... پشاور

ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K 119-121- HALLIWELL ROAD  
(ISLAMIC BOOKS CENTER) BOLTON BL1 3NE. (U.K.)

ملتان  
پشاور

## فہرست عنوانات

سُورَةُ مَرْيَمَ	
۱۲	وراثت کے متعلق ائمہ کے اقوال
۲۰	یا اخیوت ہارون سے کون مراد ہیں؟
۲۴	قیامت کے دن موت کو مینڈھے کی شکل میں ذبح کیا جائیگا
۲۹	مکانات علیا کی مختلف تفسیروں
۳۰	آسمان پر کون سے انبیاء زندہ ہیں
۳۲	غیا کی تفسیر
۳۳	ما بین ابدینا وما خلفنا کی مختلف تفسیروں
۴۷	وان منکم الا واردھا کی مختلف تفسیروں
۴۰	سب سے آخر میں جنت میں داخل ہونے والے شخص کا رب کے ساتھ مکالمہ
۴۱	سب سے ادنیٰ جنتی کو بھی جنت میں دس گنا عطا کیا جائیگا
سُورَةُ طه	
۵۰	سورہ اخفی کی تفسیر
۷۶	بطریقتم المثلی کی تفسیر
۸۴	آدم علیہ السلام کے جنت سے زمین پر آنے کا واقعہ
۸۵	اللہ کے ذکر سے اعراض رزق کی تنگی کا باعث ہے
۸۸	آیت کا شان نزول
سُورَةُ الْأَنْبِيَاءِ	
۹۸	ففتنناہما کی مختلف تفاسیر
۱۰۵	فرقان کا مصداق



۱۰۸	الیہ بر جعون کی ضمیر کا مرجع
۱۰۹	حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بتوں کو توڑنے کا واقعہ..... حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تین جگہ ذومعنی کلام کیا
۱۱۱	ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالے جانے کا قصہ
۱۱۳	حضرت ابراہیم علیہ السلام کیلئے آگ کا ٹھنڈا ہو جانا
۱۱۴	ارض شام کی فضیلت
۱۱۷	حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا ایک کھیت کے بارے میں فیصلہ
۱۱۹	داؤد اور سلیمان علیہما السلام کا دو عورتوں کے درمیان فیصلہ
۱۲۱	حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت
۱۲۳	حضرت ایوب علیہ السلام کا واقعہ
۱۲۹	ایوب علیہ السلام کا بارگاہ الہی میں دعا..... اللہ تعالیٰ کی طرف سے دُعا کی قبولیت اور خوشخبری
۱۳۰	حضرت ایوب علیہ السلام نے کتنے عرصے بعد دُعا کی
۱۳۳	ایلیس کا حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی کے پاس آنے کا واقعہ
۱۳۶	ذالکفل کون تھے؟
۱۳۸	حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ
۱۴۰	ظلمات جمع کا صیغہ ذکر کرنے کی وجہ
۱۴۲	حضرت یونس بن مתי کو کب پیغمبر بنایا؟
۱۴۸	سجّل سے کیا مراد ہے
<b>سُورَةُ الْحَجِّ</b>	
۱۵۲	یا جوج ماجوج کا قصہ
۱۶۲	ہذان خصمان کی تفسیر..... بدر کے روز حضرت علی حمزہ اور عبیدہ رضی اللہ عنہم کا کافروں سے مقابلہ کرنا
۱۶۶	الماکف فیہ والباد کی تشریح
۱۶۷	الحاد کی تفسیر
۱۷۰	واجب ہدی حاجی کیلئے کھانا جائز ہے کہ نہیں..... تفہم کی تفسیر
۱۷۱	طواف کی اقسام
۱۷۲	عتیق کے معنی میں مفسرین کے اقوال

۱۷۶	قانع اور معتر کی مختلف تفاسیر
۱۸۵	ایک شبہ اور اس کا جواب
۱۸۷	یوم عقیم کی تفسیر
۱۹۳	مابین ایدیہم و ماخلفہم کی مختلف تفاسیر
۱۹۴	یہاں پر سجدہ تلاوت ہے کہ نہیں ائمہ کے اقوال
۱۹۵	وجاہدوا فی اللہ حق جہادہ کی تفسیر
۱۹۶	شبہ اور اس کا ازالہ
<b>سُورَةُ الْمُؤْمِنُونَ</b>	
۱۹۷	خشوع کی مختلف تفسیریں
۲۱۱	ربوہ مقام کی تفصیل
۲۱۴	متر فیہم بالعذاب سے کونسا عذاب مراد ہے
۲۲۲	دو سوال اور ان کے جوابات
۲۲۳	دوزخیوں کی پکار داروغہ جہنم کا جواب
<b>سُورَةُ النُّورِ</b>	
۲۲۸	ولا تاخذکم بہما رافعة کی مختلف تفاسیر
۲۲۹	زانی کی سزا کا بیان
۲۳۱	زنا کی تہمت لگانے والے کی سزا کا بیان..... کیا جھوٹی تہمت لگانے والے کی گواہی قابل قبول ہوگی یا نہیں
۲۳۲	شبہ اور اس کا ازالہ
۲۳۳	شان نزول اور عویر عجلانی کا واقعہ
۲۳۴	ہلال بن امیہ کا واقعہ
۲۳۷	محصن وغیر محسن کی سزا کا حکم
۲۴۰	واقعہ اٹک
۲۵۲	آیت الْخَیْثُ الثَّلَاثِیْنَ کی تفسیر
۲۵۳	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت

۲۵۴	کسی کے گھر میں داخل ہونے سے پہلے اجازت لینی چاہئے
۲۵۶	غیر مسکونہ سے کون سے گھر مراد ہیں
۲۵۷	اچانک نظر پڑ جائے تو اس کا حکم
۲۵۸	الا ماظہر منها کی مختلف تفاسیر
۲۵۹	مرد مرد کو اور عورت عورت کے کون سے بدن کو دیکھ سکتی ہے
۲۶۰	کیا عورت کا غلام اپنی آقا کا محرم ہے..... غیر اولی الاربہ سے کیا مراد ہے
۲۶۲	ران ستہ عورت میں شامل ہے یا نہیں؟
۲۶۳	عبادت میں مشغول ہونا افضل ہے یا نکاح کرنا
۲۶۴	آیت کا شان نزول
۲۶۶	غلام سے بدل کتابت میں کچھ حصہ چھوڑ دے اس کی حقدار کا بیان
۲۶۷	آیت ولا تکرہوا فتیاتکم کا شان نزول
۲۶۸	اللہ نور السموات کی تفسیر
۲۶۹	مثل نورہ میں نور کا مصداق
۲۷۰	لا شرقیہ ولا غربیہ کی تفسیر
۲۷۱	تمثیل کی وضاحت
۲۷۲	نور علی نور کی تفسیر
۲۷۶	من فوقہ ظلمات کی تفسیر
۲۸۳	کسری بن ہرمل کے فتح کی پیشین گوئی
۲۸۵	آیت مبارکہ کا شان نزول
۲۸۶	آیت مبارکہ کا حکم
۲۸۸	لیس علی الاعمی کی مختلف تفاسیر
<b>سُورَةُ الْفُرْقَانِ</b>	
۳۰۴	ویوم بعض الظالم کی تفسیر
۳۰۷	ترتیب کی تفسیر
۳۰۸	اصحاب الرسول کی تفصیل

۳۱۱	ماءِ طہوراً کی تفسیر
۳۱۲	پانی ماءِ مستعمل کب ہوتا ہے
۳۱۵	نسباً و صہراً کی تفسیر
۳۱۶	بروج کی تفسیر
۳۱۸	عباد الرحمن کی تفسیر
۳۲۰	اسراف اور اتقار کی تفسیر
۳۲۲	لایشہدون الزور کی تفسیر
۳۲۳	قرۃ العین کی تفسیر
۳۲۵	لزما کی تفسیر
<b>سُورَةُ الشُّعْرَاءِ</b>	
۳۲۷	خاضعین کی تفسیر
۳۳۰	حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کو دعوت دینے اس کے گھر پہنچ گئے
۳۳۱	”ان عبدت بنی اسرائیل“ کی تفسیری اقوال..... خطاء سے کیا مراد ہے
۳۳۳	آیت فککبوا میں تفسیری اقوال
۳۳۹	لفظ ہضم کی مختلف تفسیریں
۳۵۷	وَالَّذُرَّعَشِيرَتِكَ الْأَقْرَبِينَ کی تفسیر
۳۵۸	آیت والذر عشیرتک الاقربین کا شان نزول
۳۶۲	شعراء کی تفسیر..... الغاؤن کا مصداق
۳۶۳	جہاد میں اشعار کہنا تیروں جیسا اثر رکھتا ہے
<b>سُورَةُ النَّمْلِ</b>	
۳۶۶	بورک من فی النار کی تفسیر..... ومن حولہا کا مصداق
۳۶۸	الامن ظلم کے استثناء میں ائمہ کرام کی آراء
۳۷۰	پرندوں کی زبان
۳۷۳	وادی نمل کوئی جگہ ہے
۳۷۴	شہ اور اس کا ازالہ



۳۷۵	ہدید کے غائب ہونے کا واقعہ
۳۷۶	عذاباً شدیداً سے کونسا عذاب مراد ہے
۳۷۷	ہدید کی غیر حاضری کا سبب..... سلیمان علیہ السلام کے ہدید کی ملکہ بلقیس سے ملاقات
۳۷۸	ہدید کے بغیر کوئی بھی پانی تلاش نہ کر سکا
۳۸۰	ہدید کی کارگزاری ملکہ بلقیس سے متعلق
۳۸۲	حضرت سلیمان علیہ السلام کا ملکہ بلقیس کو اسلام کی دعوت پر خط لکھنا
۳۸۳	بلقیس نے خط کو کریم کہا مختلف وجوہ سے
۳۸۵	ملکہ بلقیس کے ہدایا کی تفصیل
۳۸۷	حضرت سلیمان علیہ السلام کا ہدایا واپس لوٹا دینا
۳۸۸	بلقیس کے تخت کو حاضر کرنے کا حکم
۳۸۹	علم من الکتاب کی مختلف تفسیریں
۳۹۰	حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کے تخت کی تبدیلی کیوں کی
۴۰۳	علامات قیامت سے قبل چھ اعمال کر لو
۴۰۳	دابة الارض کا خروج..... دابة الارض مومن و کافر کی نشاندہی کرے گا
۴۰۴	دابة کی کیفیت..... دابة کا خروج کہاں سے ہوگا
۴۰۶	ففضع من فی السموات کی تفسیر..... الا من شاء اللہ سے کون لوگ مراد ہیں
<b>سُورَةُ الْقَصَصِ</b>	
۴۱۳	حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے موسیٰ علیہ السلام کو کتنا عرصہ دودھ پلایا
۴۱۳	حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بچپن میں فرعون کے پاس کیسے پہنچے
۴۱۸	وہم لہ ناصحون کی تفسیر
۴۲۰	قبطی کے قتل کا واقعہ
۴۲۳	مدین کے سفر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا درختوں کے سبز پتے نوش کرنے کا واقعہ
۴۲۳	موسیٰ علیہ السلام کا حضرت شعیب علیہ السلام کی بکریوں کو کنویں سے پانی پلانے کا واقعہ
۴۲۷	حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹیوں کے نام کے متعلق مختلف اقوال
۴۲۸	بکریاں چرانے کو نکاح کا مہر مقرر کرنا

۴۲۸	حضرت شعیب علیہ السلام کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لالچی عطا کرنا
۴۲۹	لالچی کہاں سے آئی تھی..... حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کچھ بکریاں عنایت کرنا
۴۳۸	آیت ولقد وصلنا لهم القول کی تفسیر
۴۳۹	آیت کا شان نزول
۴۴۰	دو ہر اجر ملنے والے افراد
۴۴۶	قارون کا مختصر تعارف
۴۴۷	عصبہ کی تعین میں مختلف اقوال..... قارون کے خزانے کی کنجیاں اٹھانے والے
۴۵۰	قارون حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے بعد سب سے بڑا قاری تھا اس کی سرکشی نے اس کو تباہ کر دیا
۴۵۱	قارون کی تباہی کا آغاز زکوٰۃ نہ دینے کا عزم کیا
۴۵۲	موسیٰ علیہ السلام کی بددعا سے قارون کا زمین میں دھنس جانا
۴۵۵	معاد کی تفسیر میں مختلف اقوال
<b>سُورَةُ الْعَنْكَبُوتِ</b>	
۴۵۷	آیت کے مختلف شان نزول
۴۵۹	آیت ووصینا الانسان بوالدیه کا شان نزول
۴۷۲	نماز بے حیائی اور برائی سے بچاتی ہے..... ذکر اللہ کے فضائل
۴۷۸	آیت کا شان نزول
۴۷۹	لا تحمل رزقها کی تفسیر
۴۸۳	اضافہ مفیدہ از ناشر
۴۸۳	الدرر المنظم فی فضائل القرآن والآیات والذکر الحکیم
۴۸۳	سورة مریم
۴۸۳	خاصیت آیت ۲۶۲۵
۴۸۳	سورۃ طہ
۴۸۵	خاصیت آیت ۱۰۷ تا ۱۰۵..... خاصیت آیت ۱۱۲ تا ۱۰۸..... خاصیت آیت ۱۳۱ تا ۱۳۲
۴۸۵	سورة انبیاء
۴۸۵	خاصیت آیت ۸۷
۴۸۶	خاصیت آیت ۳۰..... خاصیت آیت ۸۸ تا ۸۷

۴۸۷	خاصیت آیت ۱۰۳ تا ۱۰۱
۴۸۸	سورة الحج
۴۸۸	خاصیت آیت ۳۶ تا ۳۳..... خاصیت آیت ۷۳ تا ۷۴
۴۸۸	سورة المؤمنون
۴۸۸	خاصیت آیت ۱۲ تا ۱۳
۴۸۹	خاصیت آیت ۲۸ تا ۲۹..... خاصیت آیت ۶۳ تا ۶۵..... خاصیت آیت ۱۱۵ تا ۱۱۶
۴۸۹	سورة نور
۴۹۰	خاصیت آیت ۱۶ تا ۱۸..... خاصیت آیت ۳۳ تا ۳۴..... خاصیت آیت ۳۵ تا ۳۸
۴۹۱	سورة فرقان
۴۹۱	خاصیت آیت ۲۸ تا ۲۹
۴۹۱	سورة شعراء
۴۹۲	خاصیت آیت ۵۱..... خاصیت آیت ۷۸ تا ۸۹..... خاصیت آیت ۱۹۲ تا ۱۹۷
۴۹۳	سورة نمل
۴۹۳	خاصیت آیت ۱۰ تا ۱۳..... خاصیت آیت ۷۴ تا ۸۱..... خاصیت آیت ۹۳
۴۹۳	سورة قصص
۴۹۴	خاصیت آیت ۲۳ تا ۲۵..... خاصیت آیت ۶۸ تا ۷۰
۴۹۵	سورة عنكبوت
۴۹۵	خاصیت آیت ۶۸ تا ۷۰
۴۹۵	حضرت مولانا عاشق الہی میرٹھی رحمہ اللہ (تلمیذ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ)
۴۹۵	فضیلت سورہ ط
۴۹۵	سورہ ط آیت 25 تا 28 کی خاصیت..... سورہ انبیاء آیت 87 کی خاصیت
۴۹۶	سورہ مومنون خاصیت آخری چار آیات
۴۹۶	فضیلت سورہ نمل..... سورہ نمل خاصیت آیت 62



## سُورَةُ مَرْيَمَ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مکی سورت ہے اور اس کی اٹھانوے آیات ہیں

كَهَيِّصَ ۱ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهُ زَكْرِيَّا ۲ اِذْ نَادَى رَبَّهُ نِدَاءً خَفِيًّا ۳ قَالَ رَبِّ اِنِّى وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّى وَاشْتَعَلَ الرَّاسُ شَيْئًا وَّلَمْ اَكُنْ بِدُعَائِكَ رَبِّ شَقِيًّا ۴ وَاِنِّى خِفْتُ الْمَوَالِىَ مِنْ وَّرَآءِى وَرَكَانَتِ اِمْرَاَتِى عَاقِرًا فَهَبْ لِى مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا ۵ يٰرَبُّنِّى وَاِتْرِكْ مِنْ اِلٍ يَعْتُقُوْبٍ وَاَجْعَلْ لِّى رَاحَةً ۶

تفسیر: کھیتص یہ تذکرہ ہے آپ کے پروردگار کی مہربانی فرمانے کا اپنے بندہ زکریا پر جبکہ انہوں نے اپنے پروردگار کو پوشیدہ طور پر پکارا (جس میں) عرض کیا کہ اے میرے پروردگار میری ہڈیاں (بوجہ پیری) کے کمزور ہو گئیں اور سر میں بالوں کی سفیدی پھیل گئی اور (اس کے ثقل کبھی میں) آپ سے مانگنے میں اے میرے رب ناکام نہیں رہا ہوں اور میں اپنے بعد (اپنے) رشتہ داروں کی طرف سے اندیشہ رکھتا ہوں اور میری بی بی بانجھ ہے سو (اس صورت میں) آپ مجھ کو خاص اپنے پاس سے ایک ایسا وارث (یعنی بیٹا) دے دیجئے کہ وہ (میرے علوم خاصہ میں میرا وارث بنے یعقوب کے خاندان کا وارث بنے اور اس کو اے میرے رب (اپنا) پسندیدہ بنا دے

تفسیر: ۱ "کھیتص" ابو عمرو نے ہاء کے کسرہ اور ی کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابن عامر اور حمزہ نے دونوں کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ کسائی، ابوبکر اور دوسرے قراء نے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے۔ قتادہ کا قول ہے کہ یہ قرآن کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ سورۃ کا نام ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ قسم ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے قسم اٹھائی تھی۔

سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ "کھیتص" میں کاف سے مراد کریم، کبیر ہے اور ہاء سے مراد ہاد (ہدایت دینے والا) اور ی سے رحیم، عین سے علیم و عظیم اور صاد سے صادق ہے۔ کلبی کا بیان ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنی مخلوق کو کافی ہے اور اپنے بندوں کو ہدایت دینے والا، ان کے ہاتھوں پر اُس کا ہاتھ، تمام عالم کو جاننے والا اور اپنے وعدہ میں صادق ہے۔

۲ "ذِکْرُ" وہ جو ہم آپ کے سامنے ذکر کریں گے۔ "رَحْمَتِ رَبِّكَ" اس میں تقدیم و تاخیر ہے۔ "ذِکْرُ رَبِّكَ"

تمہارے رب کا ذکر "عَبْدَهُ زَكْرِيَّا" ان کو اپنی رحمت ملنے کی وجہ سے عبد کہا۔



③ "إِذْ نَادَىٰ" جب پکارا "رَبِّهِ" محراب سے "نِدَاءٌ خَفِيًّا" آہستہ آوازرات کے نصف حصے میں۔

④ "قَالَ رَبِّ إِنِّي وَهَنٌ" جب وہ بوڑھے اور کمزور ہو گئے۔ "الْعَظْمُ مِنِّي" ہڈیاں بوڑھی ہو گئیں۔ قتادہ کا قول ہے کہ اس سے مراد دانتوں کا گر جانا ہے۔ "وَأَشْتَعَلُ الرَّأْسُ" جب سر کے بال سفید ہو گئے۔ "شَيْبًا" وہ سفید ہو گیا۔ "وَلَمْ أَكُنْ مَبْدُوعًا نِكَ رَبِّ شَقِيًّا" پہلے زندگی میں جو میں نے تجھ سے دُعائیں مانگیں تو نے قبول فرمائیں، میری دُعا کو قبول کرنا تیرا معمول رہا ہے اس معاملے میں تم نے مجھے رسوا نہیں کیا۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ جب تو نے مجھے ایمان کی طرف دعوت دی، میں نے تیری دعوت قبول کی، ایمان کو ترک کر کے بد بخت اور نامراد نہیں ہوا۔

⑤ "وَإِنِّي خِفْتُ الْمَوَالِيَ" موالی چچا کے بیٹوں کو کہتے ہیں یا وہ لوگ جو میرے بعد میری اُمت کے درنگلی کے متولی ہوں گے۔ مجاہد کا بیان ہے کہ اس سے مراد عصبات ہیں۔ ابوصالح کہتے ہیں کہ اس سے مراد کلالہ ہے۔ کلبی کا قول ہے کہ اس سے مراد ورثہ ہیں۔ "مِنْ وَرَاءِ نِي" میری موت کے بعد۔ ابن کثیر نے "مِنْ وَرَاءِ نِي" یاء کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ "وَوَكَّأْتِ أَمْرَاتِي عَاقِرًا" جو بچے نہ جنتی ہو۔ "فَهَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ" اپنی طرف سے مجھے عطا کیجئے۔ "وَلِيًّا"

⑥ "يُؤْتِي وَيُورِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ" ابو عمرو اور کسائی نے ثاء کے جزم کے ساتھ دُعا کے جواب میں فرمایا اور دوسرے قراء نے رفع کے ساتھ پڑھا ہے حال اور صفت ہونے کی وجہ سے یعنی "وَلِيًّا وَارثًا"

## وراثت کے متعلق ائمہ کے اقوال

وراثت میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ حسن رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ جو میرے مال اور آل یعقوب کا وارث ہو جو ان کا ذمہ دار اور متولی ہو اور خاندان یعقوب کا بھی صحیح متولی ہو۔ بعض نے کہا کہ میراث سے مراد نبوت اور علم کی میراث ہے۔ اور بعض حضرات نے کہا کہ اس سے مراد اجبار کی وراثت ہے کیونکہ حضرت زکریا علیہ السلام اجبار کے بڑے تھے۔ زجاج کا قول ہے کہ اولیٰ یہ ہے کہ یہاں اس کو محمول کیا جائے غیر مال پر کیونکہ تمام نسل یعقوب کا میراث کا وارث ہونا تو ممکن ہی نہیں تھا اور حضرت زکریا علیہ السلام نبی برحق تھے آپ علیہ السلام کی شان سے بعید تھا۔ اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ میں خوف کرتا ہوں کہ اللہ کا دین ان کے ہاتھوں متغیر نہ ہو جائے اور احکام کو تبدیل نہ کر لیں جس طرح کہ بنی اسرائیلیوں نے اللہ کے احکام کو تبدیل کر کے پھر انبیاء علیہم السلام کو بھی قتل کیا۔ میں اپنے رب سے نیک صالح اولاد کا سوال کرتا ہوں جس سے ان کی اُمت محفوظ و سلامت رہے اور وہ میری نبوت کا وارث ہو اور اس پر عمل کا وارث ہو۔ "وَأَجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا" یعنی تو اس کو اپنا پسندیدہ بنانا اور ان کے قول و عمل کو پسند فرمانا۔

يُؤْتِي وَيُورِثُ إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلْمٍ ۖ اسْمُهُ يَحْيَىٰ لَمْ نَجْعَلْ لَهُ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ⑦ قَالَ رَبِّ إِنِّي

يَكُونُ لِيْ عَلْمٌ وَكَانَتْ اَمْرَاتِيْ عَاقِرًاوَقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ⑧ قَالَ كَذٰلِكَ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلٰى هَيِّنٍ وَقَدْ خَلَقْتِكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا ⑨ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْ اٰتَةً ۙ قَالَ اَيْتُكَ اِلَّا تَكْتَلِمَ النَّاسَ ثَلَاثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ⑩

⑧ اے زکریا ہم تم کو ایک فرزند کی خوشخبری دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہوگا اس کے قبل ہم نے کسی کو اس کا ہم صفت نہ بنایا ہوگا زکریا نے عرض کیا کہ اے میرے رب میرے اولاد کس طور پر ہوگی حالانکہ میری بی بی بانجھ ہے اور (ادھر) میں بڑھاپے کے انتہائی درجہ کو پہنچ چکا ہوں ارشاد ہوا کہ حالت (موجودہ) یونہی رہے گی (اور پھر اولاد ہوگی اے زکریا) تمہارے رب کا قول ہے کہ یہ (امر) مجھ کو آسان ہے اور میں نے تم کو پیدا کیا حالانکہ تم (پیدائش کے قبل) کچھ بھی نہ تھے (تب) زکریا نے عرض کیا کہ اے میرے رب میرے لئے کوئی علامت مقرر فرما دیجئے ارشاد ہوا کہ تمہاری (وہ) علامت یہ ہے کہ تم تین رات (اور تین دن تک) آدمیوں سے بات نہ کر سکو گے حالانکہ تندرست ہو گے۔

تفسیر ⑦ ”يٰۤاَيُّهَا زَكَرِيَّا اِنَّا نُبَشِّرُكَ“ اس میں اختصار ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ نے ان کی دعا کو سن لیا اور فرمایا اے زکریا! (علیہ السلام) ہم آپ کو اس غلام کی خوشخبری دیتے ہیں۔ ”بِغَلْمٍ“ اس سے مراد لڑکا ہے۔ ”اِسْمُهُ يٰحْيٰى لَمْ نَجْعَلْ لَّهِ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا“ قنادہ اور کلیسی کا بیان ہے کہ اس کا معنی ہم نام ہے اور صراحت کی ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام سے پہلے کسی کا نام یحییٰ نہیں رکھا۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ اور عطاء کا قول ہے کہ اس سے شبیہ اور مثل مراد ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ”هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا“ اس کی مثال اور اس کی شبیہ کو جانتے ہو۔ معنی اس کا یہ ہے کہ اس کا کوئی مثل نہیں کیونکہ اس نے نہ کبھی نافرمانی کی اور نہ ہی نافرمانی کا ارادہ کیا اور بعض نے کہا کہ انہوں نے کبھی عورتوں کی طرف میلان نہیں کیا کیونکہ یہ سید اور حضور ہیں۔

علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا تفسیری قول نقل کیا ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام سے پہلے کسی بانجھ کے ایسا لڑکا پیدا نہیں ہوا جو حضرت یحییٰ علیہ السلام کے مثل ہوتا اور بعض نے کہا کہ جو فضائل حضرت یحییٰ علیہ السلام کے اندر موجود تھے وہ فضائل کسی اور نبی میں نہیں تھے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ بحیثیت مجموعی تمام گزشتہ انبیاء سے افضل ہوں گے کیونکہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور موسیٰ کلیم اللہ ان سے پہلے گزر چکے تھے جو ان سے افضل ہیں۔

⑧ ”قَالَ رَبِّ اٰتِنِيْ“ وہ کہاں سے آئے گا۔ ”يَكُونُ لِيْ عَلْمٌ وَكَانَتْ اَمْرَاتِيْ عَاقِرًاوَقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا“ انتہا کی بڑھاپے کو پہنچ چکا ہوں۔ قنادہ کا قول ہے کہ کیا ہماری ہڈیوں کو واپس جو ان کیا جائے گا۔ جیسے کہا جاتا ہے ”عنا الشیخ یعنو عتیا“ جب وہ انتہائی بڑھاپے میں پہنچ جائے تو اس کے اعضاء وغیرہ کام کرنا چھوڑ دیتے ہیں۔ عتیا وہ بوڑھا آدمی جس کی ہڈیاں خشکی کی طرف مائل ہو جائیں، سو کھٹے لگیں ”عنا الشیخ“ اس بوڑھے کی عمر انتہا کو پہنچ گئی۔

⑨ ”قَالَ كَذٰلِكَ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلٰى هَيِّنٍ“ بمعنی آسان ہے۔ ”وَقَدْ خَلَقْتِكَ“ حمزہ اور کسائی نے ”خلقناک“

پڑھا ہے۔ نون اور الف کے ساتھ تعظیم کے معنی میں ہے۔ ”مَنْ قَبْلُ“ حضرت یحییٰ علیہ السلام سے پہلے۔ ”وَلَمْ تَكُ شَيْئًا“  
 ⑩ ”قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِي آيَةً“ میری بیوی کے حمل کی کوئی نشانی بتلا دیجئے۔ ”قَالَ اِنَّكَ اِلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ فَلَنْ يَكُوْنُ لَكَ سُوْرًا“ ایسی حالت میں کہ وہ صحیح سالم ہوگا۔ یعنی کوئی بیماری لاحق نہ ہوگی گو نگاہیں نہیں ہوگا۔ مجاہد نے کہا کہ کلام سے روکنے والا کوئی مرض نہیں ہوگا۔ بعض نے سویا کا ترجمہ کیا ہے مسلسل متواتر، اول ترجمہ صحیح ہے۔ روایات میں آتا ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام تین دن تین رات کسی سے بات نہیں کر سکے، صرف اللہ کا ذکر کرتے تھے۔

فَخَرَجَ عَلَى قَوْمِهِ مِنَ الْمِحْرَابِ فَأَوْحَىٰ إِلَيْهِمْ أَنْ سَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَعَشِيًّا ⑪ يٰحٰی  
 خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ۚ وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَ صَبِيًّا ⑫ وَحَنٰنًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوَةً ؕ وَاٰتَيْنٰهُ تَقِيًّا ⑬ وَبَرًّا  
 مِّنْ وٰلِدَيْهِ وَاٰتَيْنٰهُ حَبْرًا عَصِيًّا ⑭ وَسَلَّمْ عَلٰیہِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ⑮  
 وَاذْكُرْ فِی الْكِتٰبِ مَرْيَمَ اِذْ اٰتٰبَدَتْ مِنْ اٰهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ⑯

⑮ پس حجرے میں سے اپنی قوم کے پاس برآمد ہوئے اور ان کو اشارے سے فرمایا کہ تم لوگ صبح اور شام خدا کی  
 پاکی بیان کیا کرو اسے تمہاری کتاب کو مضبوط ہو کر لو اور ہم نے ان کو (ان کے) لڑکپن ہی میں (دین کی) سمجھ اور خاص  
 اپنے پاس سے رقت قلب اور پاکیزگی (اخلاق کی) عطا فرمائی تھی اور وہ بڑے پرہیزگار اور اپنے والدین کے  
 خدمت گزار تھے اور وہ (حق کے ساتھ) سرکشی کرنے والے (یا حق تعالیٰ کی) نافرمانی کرنے والے نہ تھے اور ان  
 کو (اللہ تعالیٰ کا) سلام پہنچے جس دن کہ وہ پیدا ہوئے اور جس دن کہ وہ انتقال کریں گے اور جس دن (قیامت میں)  
 زندہ ہو کر اٹھائے جاویں گے اور (اسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اس کتاب میں مریم کا ذکر بھی کیجئے جبکہ وہ اپنے گھر  
 والوں سے علیحدہ (ہو کر) ایک ایسے مکان میں جو مشرق کی جانب میں تھا (غسل کے لئے) گئیں پھر ان (گھر  
 والے) لوگوں کے سامنے سے انہوں نے پردہ ڈال لیا۔

⑮ ”فخرج علی قومہ من المِحْرَابِ“ لوگ مسجد کے باہر منتظر تھے کہ زکریا علیہ السلام اندر سے دروازہ  
 کھولیں تو وہ اندر جا کر نماز پڑھیں۔ اچانک زکریا علیہ السلام دروازہ کھول کر باہر آئے، چہرے کا رنگ بدلہ ہوا تھا، لوگوں نے  
 کیفیت دریافت کی تو آپ نے اشارے سے ان کو تسبیح و تہنیر کا اشارہ دیا۔ ”فأوحى الیہم“ مجاہد فرماتے ہیں کہ وحی کا مطلب یہ  
 ہے کہ زمین پر لکھ دیا۔ ”ان سبحوه“ کہ اللہ کے لیے نماز پڑھو۔ ”بکرة وعشيا“ میرے ساتھ۔ جب حضرت  
 زکریا علیہ السلام صبح و شام اپنی قوم پر نکلے تو وہ ان کو تسبیح و صلوة کا حکم دیتے۔ جب ان کی زوجہ کو حمل ہوا تو ان کو بات کرنے سے روکا  
 گیا۔ پھر یہ نماز وغیرہ کا حکم اشارے کے ساتھ کرتے تھے۔

⑯ ”یا حی“ اس میں حذف کلام ہوا ہے۔ پورا کلام اس طرح تھا زکریا علیہ السلام کی بیوی حاملہ ہوئی، پھر یحییٰ علیہ السلام

پیدا ہو گئے، پھر جب وہ بولنے کے قابل ہوئے تو ہم نے ان کو خطاب کیا۔ ”خذ الكتاب“ تورات کو پکڑو۔ ”بقوة“ کوشش کے ساتھ۔ ”وايناه الحکم“ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس سے مراد نبوت ہے۔ ”صیبا“ اور وہ تین سال کے تھے۔ بعض نے کہا کہ حکم سے مراد کتاب کی سمجھ، وہ تورات پڑھتے تھے بچپن میں۔ بعض سلف و صالحین کا قول ہے کہ جس نے بلوغت سے پہلے قرآن یاد کر لیا، سیکھ لیا، وہ ان میں سے شمار ہوگا جن کو بچپن میں حکمت عطا کی گئی۔

13 ”وحناناً من لدنا“ ہماری طرف سے رحمت۔ ”وزكاة“ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ زکوٰۃ سے مراد اخلاص اور فرمانبرداری ہے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اس سے عمل صالح مراد ہے۔ یہی امام ضحاک کا قول ہے۔ آیت کا معنی ہوگا کہ ہم نے اس کو اپنی طرف سے رحمت عطا فرمائی، وہ اپنے بندوں پر دل کی نرمی سے پیش آتے ہیں تاکہ وہ لوگوں کو اس کی طاعت کی طرف بلائیں اور ان کے ذریعے لوگوں سے عمل صالح کروائیں۔

کلبی کا بیان ہے کہ زکوٰۃ سے مراد ہے محض عطیہ الہی جو حضرت یحییٰ علیہ السلام کے والدین کو بصورت یحییٰ عطا ہوا تھا۔ ”وکان تقیاً“ وہ اطاعت شعار، طاعت گزار جس نے نہ کبھی گناہ کیا نہ گناہ کا ارادہ کیا۔

14 ”ویؤا بو الدیہ“ والدین کے ساتھ نیک سلوک کرنے والا، ان پر بوجھ بننے والا نہیں تھا بلکہ ان پر احسان کرنے والا۔ ”ولم یکن جباراً عصیاً“ اس سے مراد جبار متکبر ہے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ جبار وہ شخص ہے جو شدت غضب سے مارتا اور قتل کرتا ہو۔

15 ”وسلام علیہ“ ہر دکھ اور اذیت سے اللہ کی طرف سے اس کے لیے سلامتی ہے۔ ”یوم ولد ویوم یموت ویوم یبعث حیاً“ سفیان بن عیینہ کا قول ہے کہ انسان کے یہ ہی تین عجیب احوال ہوتے ہیں۔ ماں کے پیٹ کو چھوڑ کر باہر اس دُنیا میں آتا ہے دُنیا سے نکل کر دوسرے عالم میں پہنچتا ہے جہاں اس کو وہ اشخاص ملتے ہیں جو اس دُنیا میں اس کو کبھی نظر نہیں آئے۔ زندہ ہو کر میدان حشر میں پہنچے گا اور ایسا میدان اور اجتماع اس نے کبھی نہ دیکھا ہوگا۔ ان تینوں حالات و مقامات میں محفوظ رہنے کی خصوصیت اللہ تعالیٰ نے یحییٰ علیہ السلام کو عطا فرمائی۔

16 ”واذکر فی الكتاب“ کتاب سے مراد قرآن مجید ہے۔ ”مریم اذا انتبلت“ الگ ہو گئیں اور دور ہو گئیں۔ ”من اهلها“ اپنی قوم سے ”مکاناً شرقیاً“ مکان کے مشرقی حصہ میں ایک جگہ چونکہ سردی کا زمانہ اور سرد دن تھا۔ اس لیے حضرت مریم علیہا السلام مکان کی مشرقی جانب سر میں کنگھا کرنے کے لیے بیٹھیں اور بعض نے کہا کہ حیض سے طہارت کا غسل کرنے کے لیے سب سے الگ اور دور چلی گئیں۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس وجہ سے عیسائی مشرق کی طرف منہ کر کے عبادت کرتے ہیں۔

فَا تَخَذَتْ مِنْ ذُوْنِهِمْ حِجَابًا فَا رُسَلْنَا اِلَيْهَا رُوْحًا فْتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا 17 قَالَتْ اِنِّي  
اَعُوْذُ بِالرُّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتُ تَقِيًّا 18 قَالَ اِنَّمَا اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكَ لِاَهَبَ لَكَ غُلَامًا  
زَكِيًّا 19 قَالَتْ اِنِّي يَكُوْنُ لِي غَلَمٌ وَلَمْ يَمَسُّنِي بَشَرٌ وَلَمْ اَكُ بِعِيًّا 20 قَالَ كَذٰلِكَ



قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَلِنَجْعَلَ آيَةً لِلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِنَّا وَكَانَ أَمْرًا مَّقْضِيًّا ۝۱۷ فَحَمَلَتْهُ فَاتَّبَذَتْ بِهِ مَكَانًا قَفِيًّا ۝۱۸

**تفسیر** پس (اس حالت میں) ہم نے ان کے پاس اپنے فرشتہ جبرئیل کو بھیجا اور ان کے سامنے ایک پورا آدمی بن کر ظاہر ہوا کہنے لگیں کہ میں تجھ سے (اپنے خدائے) زمین کی پناہ مانگتی ہوں اگر تو (کچھ) خدا ترس ہے (تو یہاں سے ہٹ جاوے گا) فرشتہ نے کہا کہ میں تمہارے رب کا بھیجا ہوا (فرشتہ) ہوں تاکہ تم کو ایک پاکیزہ لڑکا دوں وہ (تجبا) کہنے لگیں کہ (بھلا) میرے لڑکا کس طرح ہو جاوے گا حالانکہ مجھ کو کسی بشر نے ہاتھ تک نہیں لگایا اور نہ میں بدکار ہوں فرشتہ نے کہا کہ یونہی (اولاد) ہو جاوے گی تمہارے رب نے ارشاد فرمایا ہے کہ یہ بات مجھ کو آسان ہے اور اس طور پر اس لئے پیدا کریں گے تاکہ ہم اس فرزند کو لوگوں کے لئے ایک نشانی (قدرت کی) بنادیں اور باعثِ رحمت بنائیں اور یہ ایک طے شدہ بات ہے (جو ضرور ہوگی) پھر ان کے پیٹ میں لڑکا رہ گیا پھر اس حمل کو لئے ہوئے (اپنے گھر سے) کسی دور جگہ میں الگ چلی گئیں۔

**تفسیر** ۱۷ "فاتخذت" پس ڈال دیا۔ "من دونہم حجابا" ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ حجاب سے مراد پردہ ہے۔ بعض نے کہا کہ وہ دیوار کی اوٹ میں بیٹھ گئیں۔ مقال کا بیان ہے کہ وہ پہاڑ کی اوٹ میں بیٹھ گئیں۔ عکرمہ کا قول ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام مسجد میں رہتی تھیں لیکن ایام حیض میں مسجد سے ہٹ کر اپنی خالہ کے گھر چلی جاتی تھیں اور فراغت کے بعد پھر مسجد میں آ جاتی تھیں۔ اتفاقاً ایک روز کپڑے اُتارے، غسل کر رہی تھیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام ایک خوش رو بے ریش و برودت، روشن چہرہ، گھنگھریالے بال متناسب القامت نوجوانوں کے بھیس میں آ کھڑے ہوئے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "فارسلنا الیہا روحنا" اس سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ "فتمثل لہا بشرا سويا" بعض لوگوں نے کہا کہ روح سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح ہے جو بشر کی شکل میں آ گئی تھی۔ پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ مریم علیہا السلام نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو اپنی طرف بڑھتے دیکھا اور ان کو آدمی ہی خیال کیا تو دور سے ہی پکارا۔

۱۸ "قالت انی اعوذ بالرحمن منک ان کنت تقیا" اگر تو مومن مطیع ہے۔ سوال یہ ہے کہ فاجر شخص سے تعوذ طلب کیا جاتا ہے پھر حضرت مریم علیہا السلام نے کیسے فرمایا۔ "انی اعوذ بالرحمن منک ان کنت تقیا" اس کا جواب دیا گیا۔ یہ اس قول کی طرح ہے جیسے کوئی کہنے والا یہ کہے کہ اگر تو مومن ہے تو تم مجھ پر ظلم نہیں کرو گے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مناسب ہے کہ تمہارا ایمان ظلم سے مانع ہو۔ اسی طرح یہاں بھی ہے کہ مناسب یہ ہے کہ تمہارا تقویٰ تمہارے لیے فوج سے مانع ہو۔ خلاصہ جواب کا یہ ہوا کہ اگر تو پرہیزگار بھی ہے تب بھی میں تجھ سے اللہ کی پناہ چاہتی ہوں اور اگر پرہیزگار نہیں ہے بدکار ہے تب تو اللہ کی پناہ کی خواستگار بدرجہ اولیٰ ہوں۔

۱۹ "قال" حضرت مریم علیہا السلام کو جبرئیل علیہ السلام نے کہا۔ "انما انا رسول ربک لاهب لک" مانع اور اہل

بصرہ کی یہی قرأت ہے ”لیہب لک“ تاکہ تجھے تیرے رب کی طرف سے ہبہ کروں۔ دوسرے قراء نے ”لاہب لک“ پڑھا ہے فعل کی نسبت رسول کی طرف کی ہے۔ اللہ کی طرف ہبہ کی نسبت اس لیے کی کیونکہ فرشتہ اللہ کی طرف سے بھیجا گیا تھا۔ ”غلاماً زکیا“ نیک صالح لڑکا جو گناہوں سے پاک ہے۔

②۰ ”قالت“ حضرت مریم علیہا السلام نے کہا ”اُمّی“ وہ کہاں سے آئے گا۔ ”ہکون لی غلام ولم یمسنی بشر“ مجھے کسی بشر نے نہیں چھوا، یعنی میرا کوئی شوہر نہیں جس نے میری قربت کی ہو۔ ”ولم اک بغیاہم اور نہ ہی میں گناہ گار عورت ہوں۔ حضرت مریم علیہا السلام کی مراد یہ تھی کہ لڑکے کا ہونا یا تو نکاح کی وجہ سے ہوتا ہے یا بے کام سے جبکہ یہاں دونوں نہیں۔

②۱ ”قال“ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جواب دیا ”کذلک“ بعض نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اے مریم! (علیہا السلام) جس طرح آپ کہتی ہو اسی طرح ہوگا لیکن ”قال رب تک“ تمہارے رب نے کہا ”هو علیٰ ہین“ کہ وہ بغیر باپ کے پیدا کرنا میرے لیے آسان ہے۔ ”ولنجعله ایۃ“ علامت بنا دیں گے۔ ”للناس“ جو ہماری قدرت پر دلالت کرنے والی ہوگی۔ ”ورحمة منا“ اور نعمت بنا دیں گے جو اس کے دین کی تابعداری کرے گا۔ ”وکان“ اور یہ کام ”امراً مقضیاً“ یہ فیصلہ ہو چکا اور لوح محفوظ میں لکھ دیا جا چکا نہ اس کام کو رد کیا جائے گا اور نہ ہی تبدیل کیا جائے گا۔

②۲ ”فحملته“ بعض حضرات کا قول ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے گرتے کے گریبان کو چنگلی سے پکڑ کر کھینچا اور پھر گریبان پر پھونک مار دی، جب انہوں نے وہ گرتا پہنا تو وہ حاملہ ہو گئیں اور بعض نے کہا کہ حضرت مریم علیہا السلام کے دوپٹے کو انگلی سے پکڑ کر کھینچا اور اس پر پھونک مار دی۔ بعض نے کہا کہ قیص کی آستین میں پھونک مار دی۔ بعض نے کہا کہ حضرت مریم علیہا السلام کے منہ میں پھونک مار دی اور بعض حضرات نے کہا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے دور سے ان کے گریبان میں پھونک مار دی۔ ”فانبتذت بہ“ جب وہ حاملہ ہو گئیں تو حمل کو لیے ہوئے گھر سے دور چلی گئیں۔ ”مکاناً قصیاً“ اپنے گھر والوں سے دور ہو گئیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ وادی بیت المقدس کے آخری حصے میں چلی گئیں تاکہ لوگ بدنام نہ کریں تہمت سے بچنے کے لیے وہ سب سے علیحدہ چلی گئیں۔ ان کے مدت حمل اور وضع حمل میں آئمہ کے مختلف اقوال ہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ حمل اور ولادت ایک ہی گھڑی میں ہوئی۔ بعض کا قول ہے کہ ان کی مدت حمل نو ماہ ہوئی جیسے عام عورتوں کی مدت حمل ہوتی ہے اور بعض نے کہا کہ آٹھ ماہ حمل کی مدت رہی۔ دوسری آیت میں ہے کہ کوئی بچہ اپنی ماں کے پیٹ میں آٹھ ماہ زندہ نہیں رہتا۔ صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ رہے، اتنی مدت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی والدہ کے پیٹ میں رہے اور پیدا ہوئے۔ بعض نے چھ ماہ کا قول نقل کیا ہے۔ مقاتل بن سلیمان کا قول ہے کہ وہ ایک ساعت میں حاملہ ہوئیں۔ دوسری ساعت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صورت بنی اور تیسری ساعت میں زوال کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہو گئے۔ اس وقت حضرت مریم علیہا السلام کی عمر دس سال کی تھی اور حاملہ ہونے سے پہلے دو بار حیض ہو چکا تھا۔

فَاجَاءَهَا الْمَخَاضُ إِلَى جِذْعِ النَّخْلَةِ قَالَتْ يَلَيْحِي مَتَّ قَبْلَ هَذَا وَكُنْتُ نَسِيًا مَنِيًّا ۚ  
فَنَادَاهَا مِنْ تَحْتِهَا أَلَا تَحْزَنِي قَدْ جَعَلَ رَبِّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ۚ وَهَزَّتْ يَدَاكَ بِيَدِ النَّخْلَةِ  
تُسْقِطُ عَلَيْكَ رَطْبًا جَنِيًّا ۚ فَكَلِمَىٰ وَشَرِبِي وَقَرِّي عَيْنًا فَمَا تَرِينَ مِنَ الْبَشَرِ أَحَدًا فَقَوْلِي إِنِّي  
نَذَرْتُ لِلرَّحْمَنِ صَوْمًا فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنْسِيًّا ۚ فَاتَتْ بِهِ قَوْمَهَا تَحْمِلُهُ قَالُوا يَا مَرْيَمُ لَقَدْ  
جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا ۚ يَا نُحْتُ هَزُونَ مَا كَانَ أَبُوكَ إِفْرَاسُوءَ وَمَا كَانَتْ أُمُّكَ بَغِيًّا ۚ

**ترجمہ** پھر دردزہ کے مانسے کھجور کے درخت کی طرف آئیں (گھبرا کر) کہنے لگیں کاش میں اس (حالت) سے پہلے  
ہی مرگئی ہوتی اور ایسی غیبت و نابود ہو جاتی کہ کسی کو یاد بھی نہ رہتی پس جبرئیل نے ان کی (اس) پائیں (مکان) سے ان  
کو پکارا کہ تم مغموم مت ہو تمہارے رب نے تمہاری پائیں میں ایک نہر پیدا کر دی ہے اور اس کھجور کے تنہ کو (پکڑ کر) اپنی  
طرف کو ہلاؤ اس سے تم پر خرمائے تر و تازہ جھڑیں گے پھر (اس پھل کو) کھاؤ اور (وہ پانی) پیو اور آنکھیں ٹھنڈی کر دو پھر  
اگر تم آدمیوں میں سے کسی کو بھی (اعتراض کرتا) دیکھو تو کہہ دینا کہ میں نے تو اللہ کے واسطے روزے کی سنت مان رکھی  
ہے سو آج میں کسی آدمی سے نہیں بولوں گی پھر وہ ان کو گود میں لئے ہوئے اپنی قوم کے پاس لائیں لوگوں نے کہا ایسے  
مریم تم نے بڑے غضب کا کام کیا اے ہارون کی بہن تمہارے باپ کوئی برے آدمی نہ تھے اور نہ تمہاری ماں بدکار تھیں۔

**تفسیر** ۲۱) ”فاجاءها“ درد و لذت نے ان کو مجبور کیا اور ان کو لے آیا۔ ”المخاض“ ولادت کا درد ”الی جذع  
النخلة“ یہ کھجور کا درخت صحرا میں سخت گرمی کی وجہ سے خشک کھڑا تھا اور اس پر کوئی پتہ وغیرہ نہیں تھا کہ جس سے سایہ حاصل  
کر سکیں اور بعض نے کہا کہ درد ان کو لے آیا، درخت کے ایک تنے کی طرف تاکہ وہ اس کے ساتھ سہارا بھی لگائیں اور اس  
سے پردہ بھی کریں۔ ”قالت ياليتنى مت قبل هذا“ وہ موت کی تمنا کرنے لگیں، لوگوں سے حیا کرنے کی وجہ سے اور  
زسوائی کے خوف سے ”وکنت نسیا“ حمزہ اور حفص نے (نسیا) نون کے فتوح کے ساتھ پڑھا ہے۔ دوسرے قراء نے کسرہ  
کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس میں دونوں لغتیں ہیں جیسے وتر اور وتر، جسر، جسر، وہ چیز جو بھولی جا چکی ہو، لغت میں کسی وہ چیز جو  
پھینک دی گئی ہو اور حقیر ہونے کی وجہ سے ذکر کے قابل نہ ہو۔ ”منسیا“ چھوڑی ہو (بھولی بسری) ایسی چیز جو نہ پہچانی جائے  
اور نہ ہی اس کا تذکرہ کیا جائے۔ عکرمہ اور ضحاک کا قول ہے اور مجاہد کا قول ہے کہ مردار جو پھینک دیا گیا ہو۔ بعض نے کہا کہ اس  
کا مطلب یہ ہے کہ کاش! میں پیدا ہی نہ ہوتی۔

۲۲) ”فناداها من تحتها“ ابو جعفر، نافع، حمزہ اور کسائی نے ”من تحتها“ کے معنی و تاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے اس  
سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ حضرت مریم علیہا السلام ایک ٹیلہ پر تھیں اور حضرت جبرئیل علیہ السلام ٹیلے سے پیچھے نشی  
جانب سے حضرت مریم علیہا السلام کی بے صبری اور بے قراری سن کر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آواز لگائی تم لگین نہ ہو۔

بعض حضرات نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب حضرت مریم علیہا السلام کے لطن سے پیدا ہوئے اس وقت حضرت جبریل علیہ السلام نے آواز لگائی ”الا تحزنی“ یہ قول مجاہد اور حسن کا ہے۔ اول قول ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے۔ یہی قول امام سدی، قتادہ، ضحاک کا بھی ہے اور ایک جماعت کا قول ہے کہ جب حضرت مریم علیہا السلام کی جرز نزع فرج سنی۔ اس وقت حضرت جبریل علیہ السلام نے آواز لگائی کہ ”تمکین نہ ہو۔“ ”قد جعل ربک تحتک سریاً“ والسری چھوٹی نہر کو کہتے ہیں اور بعض نے کہا کہ اس کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ اگر تو حکم دے گی تو چشمہ جاری ہو جائے گا اور رُکنے کا حکم دے گی تو رُک جائے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے زمین پر اپنا پاؤں مارا جس سے شیریں پانی کا چشمہ برآمد ہو گیا اور بیٹے لگا اور بعض حضرات نے کہا کہ وہاں پر خشک نہر تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس نہر کو جاری کر دیا اور اس نہر کی وجہ سے خشک کھجور کا درخت تر و تازہ ہو گیا اور پھل دار ہو گیا۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سری تھے یعنی عالی قدر دار تھے۔

25 ”وہزی الیک“ حضرت مریم علیہا السلام کو کہا گیا کہ وہ اس کو حرکت دیں۔ ”بجدع النخلة“ عرب کہتے ہیں کہ ”ہزہ و ہزہ“ جیسا کہ کہا جاتا ہے ”حز رأسہ و حز برأسہ“ اس نے سر ہلایا اور اس نے اپنے سر کو جھکایا۔ ”تساقط علیک“ تاء کے فتح کے ساتھ معروف قرأت ہے۔ تاء اور کاف کے فتح کے ساتھ اور سین کی تشدید کے ساتھ۔ یہ اصل میں ”تساقط“ یہاں پر دو تائیں میں ادغام کیا۔ مطلب یہ ہوگا کہ اس کھجور کے تنہ کو ہلاؤ گی تو اس سے تر کھجوریں گریں گی۔ ہزہ نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اور تاء کو حذف کیا ہے۔ حضرت حفص نے تاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے اور قاف کے کسرہ کے ساتھ تفاعل کے وزن پر اس صورت میں تساقط بمعنی ”اسقط“ کے ہوگا۔ اس میں تانیث نخلۃ کے مؤنث ہونے کی وجہ سے ہے۔ یعقوب نے (یسا قط) پڑھا ہے یاہ کی تشدید کے ساتھ اس صورت میں یہ جذع کی طرف راجع ہوگی۔ ”رطباً جنیاً“ بمعنی ”مجنیاً“ کے معنی میں ہے۔ بعض نے کہا کہ جنی اس کو کہتے ہیں جو انتہائی درجہ تک پہنچ جائے۔ ربیع بن خثیم کا قول ہے۔

26 ”لکلی و اشربی“ اے مریم! ان تر کھجوروں سے کھاؤ اور اس پانی کی نہر سے پیو۔ ”وقری عیناً“ اس سے اپنے آپ کو خوش کر بعض نے کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے ذریعے سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کر۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے ”قر اللہ عینک“ اللہ تیری آنکھ کو قرار دے۔ یعنی آنکھ کو صاف رکھے یا اللہ تیرے دل کو قرار دے خوش کرے اور خوش کن مناظر دکھائے۔ بعض نے کہا کہ تمہیں اللہ اس سے سلا دے۔ کہا جاتا ہے کہ ”قرّ یقرّ اذا سکن“ جب آنکھ سے خوشی کے آنسو نکلتے ہیں تو ٹھنڈے ہوتے ہیں اور وحی کے آنسو گرم ہوتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ اللہ نے ان کی آنکھ ٹھنڈی، یعنی سلا دیا۔ ”فاما توین من البشر احدًا“ اس پر نون تاکید داخل ہو گیا تو یاہ کو کسرہ دے دیا۔ ”التقاء ساکنین“ کی وجہ سے۔ ”فقولی انی نذرت للرحمن صوماً“ اس سے مراد خاموش رہنا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ صوم لغت میں مطلق رکنے کو کہتے ہیں کھانے پینے اور کلام سے۔ سدی کا قول ہے کہ بنی اسرائیل میں جو لوگ زیادہ مجاہدہ کرتے تھے وہ جس طرح روزہ میں کھانا نہیں کھاتے تھے، کلام بھی کسی سے نہیں کرتے تھے

شام تک خاموش رہتے تھے۔ بعض حضرات کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مریم کو یہ بات اشارہ سے کہنے کا حکم دیا تھا۔ بعض حضرات نے کہا کہ زبان سے صرف اتنی ہی بات کہنے کا اللہ کی طرف سے حکم ہوا تھا اس کے بعد خاموش رہنے کی ہدایت کی گئی تھی۔ ”فلن اکلّم الیوم انسیا“ کہا جاتا ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام ملائکہ سے بات کرتی تھی انسان سے بات نہیں کرتی تھی۔

27 ”فاتت بہ قومہا تحملہ“ بعض نے کہا کہ ولادت کے بعد فوراً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اٹھائے قوم والوں کے پاس حضرت مریم علیہا السلام آئی تھیں۔ حضرت کلبی کا بیان ہے کہ یوسف نجار نے حضرت مریم علیہا السلام اور ان کے بیٹے عیسیٰ کو ایک غار میں لے جا کر رکھا تھا وہاں آپ چالیس دن تک رہیں جب ایام نفاس ختم ہو گئے تو عیسیٰ علیہ السلام کو لے کر نکلیں، راستے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا، اماں تم کو بشارت ہو میں اللہ کا بندہ اور مسیح ہوں جب وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اٹھائے ہوئے قوم والوں کے پاس پہنچیں، وہ لوگ بڑے دیندار اور نیکو کار تھے۔ مریم علیہا السلام کے پاس بچے کو دیکھ کر اتنے رنجیدہ ہوئے کہ رو پڑے اور ان کے گھر والے صالحین میں سے تھے۔

”قالوا یا مریم لقد جئت شیئاً لہویاً“ بڑا منکر کام۔ ابو عبیدہ کا قول ہے کہ کلام ہو یا عمل جو بھی فائق یا عجیب ہو اس کو فری کہا جاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا: ”فللم اری عبقریا یفری لہویۃ“ کہ میں نے کوئی کامل حاذق ایسا نہیں دیکھا جو عمر کے عمل کی طرح عجیب تعجب آفریں عمل کرتا ہو۔

28 ”یا اخت ہارون“ مراد اس سے حضرت ہارون علیہ السلام کے ساتھ تشبیہ دینا۔

## یا اخت ہارون سے کون مراد ہیں؟

تبادلہ کا قول ہے کہ بنی اسرائیل میں ہارون بہت نیک صالح شخص تھا۔

روایت میں آتا ہے کہ جب یہ نیک صالح شخص مر اتوا اس کے جنازے میں چالیس ہزار ہارون نام کے شامل ہوئے دوسرے لوگوں کے علاوہ۔ حضرت مریم علیہا السلام بھی بڑی عبادت گزار تھیں، نیکی اور عبادت کی وجہ سے ان لوگوں نے مریم علیہا السلام کو ہارون کی بہن کہہ دیا۔ نسبی بہن مراد نہیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے ”ان المبلدین کانوا اخوان الشیاطین“ فرمایا ہے اور فضول مال برباد کرنے والوں کو شیطان کا بھائی کہا گیا۔ یعنی شیطانوں کی طرح نہ کہ شیطان کا نسبی بھائی۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب میں خراسان پہنچا تو اہل خراسان نے مجھ سے کہا کہ تم قرآن میں ”یا اخت ہارون“ پڑھتے ہو حالانکہ موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ عیسیٰ علیہ السلام سے اتنا اتنا (یعنی بہت مدت) پہلے تھا۔ میں نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ لوگ اپنے انبیاء اور گزشتہ نیک لوگوں کے ناموں پر اپنا نام رکھتے تھے۔

کلبی کا بیان ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کے علاقے بھائی کا نام ہارون تھا۔ بنی اسرائیل میں وہ بہت ہی بزرگ اور نیک آدمی تھا۔ سدی کا قول ہے کہ اخت ہارون کہنے سے ان کی مراد تھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام



کی نسل میں سے ہوتا۔ حمیم کے قبیلہ کے فرد کو اخو حمیم کہا جاتا ہے۔ بعض نے کہا کہ بنی اسرائیل میں ایک بڑا بد چلن آدمی تھا جس کا نام ہارون تھا۔ ”ما کان ابوک“ اس سے مراد حضرت عمران ہیں ”امراً سوء“ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس کا معنی زانیہ ہے ”وما کانت امک“ ماں سے مراد حضرت حنا ہیں ”بعیا“ اس سے مراد زانیہ ہے تو یہ بچہ کہاں سے لائی ہو۔

فَأَشَارَتْ إِلَيْهِ ؕ قَالُوا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ۝۲۹ قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ ؕ

الْكِتَابِ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا ۝۳۰

پس مریم نے بچہ کی طرف اشارہ کر دیا وہ لوگ کہنے لگے کہ بھلا ہم ایسے شخص سے کیونکر باتیں کریں جو ابھی گود میں بچہ ہی ہے خود بھی بات چیت کرتا ہو اور یہ بچہ بات چیت پر قادر نہیں اس سے کیا بات کریں وہ بچہ (خود ہی) بول اٹھا کہ میں اللہ کا (خاص) بندہ ہوں۔ اس نے مجھ کو کتاب (یعنی انجیل) دی اور اس نے مجھ کو نبی بنایا (یعنی بنا دے گا)

**تفسیر** 29 ”فأشارت“ حضرت مریم علیہا السلام نے اشارہ کیا۔ ”الیہ“ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف تاکہ وہ کلام کریں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کے پاس کوئی دلیل نہیں تھی اس لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اشارہ کیا تاکہ عیسیٰ علیہ السلام کا کلام ان کی صداقت کی دلیل بن جائے۔ روایت میں آتا ہے جب حضرت مریم علیہا السلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اشارہ کیا تو قوم والے غصہ ہونے لگے اور کہنے لگے کہ ایک تو تم نے جرم کیا اور دوسرا ہمارے ساتھ مذاق کر رہی ہو۔ پھر فرمایا ”قالوا کیف نکلّم من كان في المهد صبيًا“ آپ کی گود میں کون ہے؟ مہد سے مراد گود ہے۔ کان بمعنی ہو کے ہے۔ ابو عبیدہ کا قول ہے کہ کان صلہ ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ بچہ گود میں کیسے کلام کرے گا۔ بعض جگہ آیا کہ کلام میں یہ زائد معنی کا اعتبار ہے، اس کا کوئی معنی نہیں۔ جیسا کہ ان کا قول ”هل كنت الا بشرًا رسولًا“ اس کا مطلب ہے ”هل أنا“ کیا میں ہوں۔ سدی کا قول ہے کہ جب حضرت مریم علیہا السلام نے ان کا کلام سنا تو دودھ پینا چھوڑ دیا اور قوم کی طرف رخ کر کے بول اُٹھے اور بعض روایات میں آتا ہے کہ جو نبی حضرت مریم علیہا السلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اشارہ کیا تو آپ نے فوراً منہ پستان سے ہٹا لیا اور بائیں طرف کو ذرا سہارا لے کر قوم کی طرف متوجہ ہو کر دائیں ہاتھ سے اشارہ کیا۔

30 ”قال انی عبد اللہ“ وہب نے کہا جب حضرت مریم کی قوم سے گفتگو ہو رہی تھی تو حضرت زکریا علیہ السلام آگئے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا، اگر تجھے حکم دیا گیا ہے تو اپنی دلیل بیان کر اور بول اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام بول اُٹھے، اس وقت آپ چالیس دن کے تھے۔ حضرت مقاتل کا بیان ہے کہ پیدا ہوتے ہی آپ نے اپنی عبدیت کا اظہار کیا اور سب سے پہلے یہی کلام کیا تھا تاکہ لوگ آپ کو اللہ نہ سمجھنے لگیں۔

”انانی الكتاب وجعلنی نبیاً“ بعض حضرات نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ہم آپ کو عنقریب کتاب دیں گے اور آپ کو اپنا نبی منتخب کریں گے۔ بعض نے کہا کہ یہ وہ خبر ہے جو لوح محفوظ میں لکھی گئی ہے۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب

دریافت کیا گیا کہ آپ نبی کب ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں اس وقت نبی تھا جب آدم روح اور جسم کے درمیان تھے۔ اکثر علماء کے نزدیک اس سے مراد انجیل ہے کہ بچپن میں ہی آپ کو انجیل عطا کر دی گئی تھی جب کہ آپ مردانہ عقل کی حد تک پختہ بھی نہ تھے اور حسن رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ان کو تورات اس وقت عطا کی گئی تھی جب یہ اپنی والدہ کے پیٹ میں تھے۔

وَجَعَلْنِي مُبْرَأًا مِّنْ مَا كُنْتُ بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ وَمَا دُمْتُ حَيًّا ۝۱۱ وَبَرًّا بِوَالِدَتِي وَلَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّارًا شَقِيًّا ۝۱۲ وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا ۝۱۳ ذَلِكِ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِي فِيهِ يَمْتَرُونَ ۝۱۴ مَا كَانَ لِلَّهِ أَنْ يَتَّخِذَ مِنْ وَلَدٍ سُبْحَانَهُ إِذْ قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۝۱۵ وَإِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۚ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ۝۱۶ فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِنْهُمْ بَيْنَهُمْ قَوْلَ لِّلَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ مُّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝۱۷

اور مجھ کو برکت والا بنایا میں جہاں کہیں بھی ہوں اور اس نے مجھ کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا جب تک میں (دنیا میں) زندہ ہوں اور مجھ کو میری والدہ کا خدمت گزار بنایا اور اس نے مجھ کو سرکش بد بخت نہیں بنایا اور مجھ پر (اللہ کی جانب سے) سلام ہے جس روز میں پیدا ہوا اور جس روز مروں اور جس روز میں (قیامت میں) زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا یہ ہیں عیسیٰ ابن مریم میں بالکل سچی بات کہہ رہا ہوں جس میں یہ لوگ جھگڑ رہے ہیں اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ (کسی کو) اولاد اختیار کرے وہ (بالکل) پاک ہے وہ جب کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو بس اس کو ارشاد فرماتا ہے کہ ہو سو وہ ہو جاتا ہے اور بیشک اللہ میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے سو (صرف) اسی کی عبادت کرو یہی (دین کا) سیدھا راستہ ہے سو (پھر بھی) مختلف گروہوں نے (اس بارے میں) باہم اختلاف ڈال دیا سو ان کافروں کیلئے ایک بڑے دن کے آنے سے بڑی خرابی (ہونے والی) ہے جس روز یہ لوگ (حساب و جزا کے لئے) ہمارے پاس آویں گے۔

۱۱ "وَجَعَلْنِي مُبْرَأًا مِّنْ مَا كُنْتُ بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ وَمَا دُمْتُ حَيًّا" جس طرف آپ متوجہ ہوں گے اس جانب کو ہم آپ کیلئے نافع بنا دیں گے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس سے معلم خیر ہونا مراد ہے۔ عطاء نے کہا اللہ کی توحید و عبادت کی طرف بلانے والا، بعض نے کہا مجھے اللہ نے ان لوگوں کے لیے جو میری پیروی کریں مبارک بنایا ہے۔ "وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ" مجھ ان دونوں کا حکم دیا گیا۔

سوال: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس مال نہیں تھا، پھر زکوٰۃ کا حکم کیسے دے دیا؟

جواب 1: بعض حضرات نے کہا کہ اگر آپ مال دار ہوتے تو پھر زکوٰۃ ہوگی۔

2: آپ کو زکوٰۃ کا حکم دیا گیا۔ مطلب یہ ہے کہ آپ اس کا حکم آگے جاری کریں۔ جو صاحب استطاعت ہوں وہ اپنی

زکوٰۃ نکالیں۔ 3: بعض نے کہا زکوٰۃ سے مراد اس جگہ مالی زکوٰۃ نہیں بلکہ بکثرت بھلائی کرنا مراد ہے۔ "مَا دُمْتُ حَيًّا"

۱۵) ”وَبُرَّ ابْنُ الْمَرْيَمِ“ اور مجھے اپنے والدین کے ساتھ نیکی کرنے والا بنا۔ ”وَلَمْ يَجْعَلْنِي حِجَابًا شَقِيحًا“ اور اپنے رب کا نافرمان نہ بنا اور بعض نے کہا کہ شقی وہ ہے جو گناہ تو کرے لیکن توبہ نہ کرے۔

۱۶) ”وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُ“ پیدائش کے وقت شیطان کی چونک سے محفوظ رہے۔ ”وَيَوْمَ أُمُوتُ“ موت کے وقت شرم سے حفاظت کروں گا۔ ”وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا“ اور اٹھائے جانے والے ہول سے حفاظت کروں گا۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کلام کیا تو اس کلام کے بعد سب لوگ سمجھ گئے کہ مریم گناہ سے پاک ہیں۔ اس کے بعد عیسیٰ علیہ السلام خاموش ہو گئے اور اس عمر تک کوئی بات نہیں کی جس عمر تک معمولانچے بات نہیں کرتے۔

۱۷) ”فَلَمَّا عَيْسَىٰ بْنِ مَرْيَمَ“ زجاج کا قول ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا ”انی عبد اللہ عیسیٰ بن مریم“..... ”قَوْلِ الْحَقِّ“ ابن عامر عام، یعقوب نے لام کے نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ نصب مصدر کی وجہ سے ہے۔ بعض نے کہا کہ اس نے حق کہا۔ ”الَّذِي فِيهِ يَمْتَرُونَ“ اس کا معنی ہے اس میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔ کہنے والے نے کہا کہ نعوذ باللہ وہ اللہ کا بیٹا ہے اور بعض کہنے والوں نے کہا کہ وہ نعوذ باللہ اللہ ہے اور بعض نے نعوذ باللہ کہا کہ وہ ایک جادوگر ہے اور دوسرے قراء نے لام کے رفع کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی وہی حق ہے۔ قول کی اضافت حق کی طرف کر دی۔ جیسے کہا جاتا ہے ”حَقُّ الْيَقِينِ، وَوَعْدُ الصَّدَقِ“ اور بعض نے کہا کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صفت ہے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کا کلمہ برحق ہیں۔ وہ جس میں لوگ شک کرتے ہیں اور اس میں وہ اختلاف کرتے ہیں اور وہ اس کو ناحق سمجھتے تھے۔ پھر اپنے سے ولد کی نفی کرتے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں:

۱۸) ”مَا كَانَ لِلَّهِ أَنْ يَتَّخِذَ مِنْ وَلَدٍ“ اللہ کے لیے کسی طرح زبیا نہیں کہ وہ اپنے لیے کوئی اولاد اختیار کرے۔ بعض حضرات نے کہا کہ یہ لام منقول ہے۔ ”أَيُّ مَا كَانَ لِلَّهِ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا“..... ”سُبْحَانَهُ إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا“ جب وہ کسی کام کے کرنے کا ارادہ کرتا ہے۔ ”فَاتِمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ“

۱۹) ”وَإِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ“ اہل حجاز اور ابو عمرو نے ”إِنَّ اللَّهَ“ الف کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس صورت میں یہ ماقبل جملہ کی طرف لوٹے گا۔ ”وَإِصْنَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ“ اور اس وجہ سے کہ اللہ میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔ اہل شام کوفہ، یعقوب نے الف کے کسرہ کے ساتھ جملہ متانہ نقل کیا ہے۔ ”فَاعْبُدُوهُ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ“

۲۰) ”فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ“ اس سے مراد یہودی و عیسائی یا نصاریٰ کے تینوں فرقے مراد ہیں۔ عیسائیوں کے تین فرقے فرتے ہوئے گئے۔ نسطوریہ، مکیانہ، یعقوبیہ۔ ”فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيمٍ“ یوم سے قیامت کا دن مراد ہے۔

أَسْمِعْ بِهِمْ وَأَبْصِرْ يَوْمَ يَأْتُونا لَكِنِ الظَّالِمُونَ الْيَوْمَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۳۹ وَأَنْذِرْهُمْ يَوْمَ

الْحَسْرَةِ إِذْ قُضِيَ الْأَمْرُ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ وَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۴۰

کیے شنو اور بیٹا ہو جاویں گے لیکن یہ ظالم آج (دنیا میں کیسی) صریح غلطی میں ہیں اور آپ ان لوگوں کو

جائے گا۔ تاکہ اس کو معلوم ہو جائے کہ اگر وہ نیکی کرتا (تو اس کو یہ ملتا) اس کو اس پر حسرت ہوگی۔ حضرت یحییٰ بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے اُبی سے کہا کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر مرنے والے کو پشیمانی ضرور ہوگی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا پشیمانی کیسی؟ فرمایا اگر نیکو کار ہوگا تو اس کو اس بات کی پشیمانی ہوگی کہ اس نے اس سے زیادہ نیکی کیوں نہیں کی اور بدکار کو اس بات کی پشیمانی ہوگی کہ وہ بدکاری سے باز کیوں نہ رہے۔ ”وہم فی غفلة“ آخرت میں ان سے جو معاملہ کیا جائے گا اس کی طرف سے بھی غافل ہیں۔ ”وہم لا یؤمنون“ اس کی تصدیق نہیں کرتے۔

إِنَّا لَنَحْنُ نَرِثُ الْأَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَإِنَّا يُرْجَعُونَ ﴿۱۰﴾ وَادْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِبْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ إِنِّي قَدْ جَاءَنِي مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ فَاتَّبِعْنِي أَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ﴿۱۱﴾ يَا أَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلرَّحْمَنِ عَصِيًّا ﴿۱۲﴾ يَا أَبَتِ إِنِّي أَخَافُ أَنْ يَمَسَّكَ عَذَابٌ مِنَ الرَّحْمَنِ فَتَكُونَ لِلشَّيْطَانِ مَلِيًّا ﴿۱۳﴾ قَالَ أَرَأَيْتَ إِنْ تَوَلَّيْتَهُ يَٰ إِبْرَاهِيمُ لَأُنزِلَنَّكَ فِي الْوَادِي الْأَخْطَرِ تَلَوَّيْتَهُ بِاللِّسَانِ أَلَمْ تَرَ أَنِّي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ الْكَلِمَ الدَّالَّةَ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿۱۴﴾

﴿۱۰﴾ تمام زمین اور زمین کے رہنے والوں کے ہم ہی وارث (یعنی آخر مالک) رہ جاویں گے اور یہ سب ہمارے پاس لوٹائے جاویں گے اور اس کتاب میں ابراہیم کا (قصہ) ذکر کیجئے وہ بڑے راسخی والے اور پیغمبر تھے جبکہ انہوں نے اپنے باپ سے (جو کہ مشرک تھا) کہا اے میرے باپ تم ایسی چیز کی کیوں عبادت کرتے ہو جو نہ کچھ سنے اور نہ کچھ دیکھے اور نہ تمہارے کچھ کام آسکے اے میرے باپ میرے پاس ایسا علم پہنچا ہے جو تمہارے پاس نہیں آیا تو تم میرے کہنے پر چلو تم کو میں سیدھا راستہ بتاؤں گا اے میرے باپ تم شیطان کی پرستش مت کرو بیشک شیطانِ رحمن کا نافرمانی کرنے والا ہے اے میرے باپ میں اندیشہ کرتا ہوں کہ تم پر رحمن کی طرف سے کوئی عذاب نہ آ پڑے پھر تم (عذاب میں) شیطان کے ساتھی ہو جاؤ باپ نے جواب دیا کہ تم میرے محبوبوں سے پھرے ہوئے ہو اے ابراہیم اگر تم باز نہ آئے تو میں ضرور تم کو مارے پھروں کے سنگسار کروں گا اور ہمیشہ ہمیش کے لئے مجھ سے برکنار رہو۔

﴿۱۱﴾ ”إِنَّا لَنَحْنُ نَرِثُ الْأَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا“ جب زمین میں رہنے والے سب کو موت دی جائے گی اور سب کو ہلاک کر دیا جائے گا اللہ رب العزت اکیلے رہ جائیں گے جس طرح مورث کے مرنے کے بعد وارث رہ جاتا ہے۔ ”وَاللَّيْسَاءُ يَرِثُونَ“ ان کو ان کے اعمال کا بدلہ دیں گے۔

﴿۱۲﴾ ”وَادْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِبْرَاهِيمَ“ انہ کان صدیقاً نبیاً“ صدیق کہا جاتا ہے جو بہت سچ بولنے والا ہو اور اس پر وہ قائم ہو۔ بعض نے کہا کہ صدیق اس کو کہا جاتا ہے جو اللہ کی وحدانیت اور انبیاء اور رسولوں کی تصدیق کرتا ہو اور قیامت پر بھی ایمان رکھتا ہو اور

جن امور کے کرنے کا حکم دیا ہے اس کو بجالائے، وہ صدیق ہے، نبی وہ ہوتا ہے جس کو براہ راست اللہ کی طرف سے خبر دی جاتی ہے۔

42 "اذ قال" جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا "لابیہ" اپنے والد آذر سے جو بتوں کی پوجا کرتے تھے "یا اہت لم تعد مالا یسمع" جو آواز نہیں سنتے۔ "ولا یبصر" اور کوئی چیز نہیں دیکھتے۔ "ولا یغنی عنک" نہ وہ ان کو کفایت کرے۔ "شیئاً"

43 "یا اہت انی قد جاءنی من العلم" اللہ کی ذات و صفات کا جو علم مجھے ملا ہے "عالم یا اہتک فاتبعنی" میرے دین پر "اہلک صراطاً سویاً" اس سے صراط مستقیم مراد ہے۔

44 "یا اہت لا تعبد الشیطان" آپ شیطان کی پیروی نہ کریں کیونکہ وہ آپ کے سامنے کفر و شرک کو مزین کر کے پیش کرتا ہے۔ "ان الشیطان کان للرحمن عصیا" اس سے مراد نافرمان ہے۔ کان حال کے معنی میں ہے یعنی وہ اسی طرح ہے۔

45 "یا اہت انی اُخاف" میں جانتا ہوں۔ "ان یمسک" آپ کو پکڑ جائے۔ "عذاب من الرحمن" اگر آپ کفر پر قائم رہیں۔ "فلتکون للشیطان ولیاً" وہ دوزخ میں سانسٹی ہوگا۔

46 "قال" ان کے والد نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جواب دیتے ہوئے عرض کیا: "اراعب أنت عن الہتی یا ابراہیم لئن لم تنتہ" اگر تو میرے لیے خاموش نہ ہو اور میرے معبودوں کے عیوب کا تذکرہ کیا یا ان کو برا بھلا کہا "لا رجمک" کلبی مقابل اور ضحاک کا قول ہے کہ میں تجھے گائیاں دوں گا اور سخت ست کہوں گا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ تجھے بہت سخت ماروں گا۔ حسن کا قول ہے کہ میں تمہیں پتھروں سے زخمی کر دوں گا۔ "واھجونی ملیاً کلبی کا بیان ہے کہ مجھ سے الگ ہو جاؤ طویل مدت تک۔ مجاہد اور عمر مرجمہما اللہ کا قول ہے کہ ملیکا ترجمہ ہے وقت، سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس کا معنی ہے ہمیشہ، اس کا اصل معنی ہے ٹھہرنا اور اسی لیے کہا جاتا ہے "عملیت حیناً" ملوان کہا جاتا ہے دن و رات۔ قتادہ اور عطاء کا قول ہے صحیح سالم الگ ہو جا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ میرے پاس سے صحیح سالم چلا جا ورنہ تجھے میری طرف سے ڈکھنچے گا۔

قَالَ سَلَّمَ عَلَيْكَ سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّي ۖ إِنَّهُ كَانَ بِي حَفِيًّا ۗ وَأَعْتَزِلُكُمْ وَمَا نَدَّعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۖ وَادْعُوا رَبِّي عَسَىٰ أَلَّا أَكُونَ بِدُعَاءِ رَبِّي شَقِيًّا ۗ فَلَمَّا اعْتَزَلْتَهُمْ وَمَا يَعْزُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۖ وَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ ۖ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ۗ وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِنْ رَحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ۗ وَادُّكُرُ فِي الْكِتَابِ مُوسَىٰ إِنَّهُ كَانَ مُخْلَصًا ۖ وَكَانَ رَسُولًا نَبِيًّا ۗ وَنَادَيْنَاهُ مِنْ جَانِبِ الطُّورِ الْأَيْمَنِ وَقَرَّبْنَاهُ نَجِيًّا ۗ

47 ابراہیم نے کہا میرا اسلام لو تمہارے لئے اپنے رب سے مغفرت کی (اس طرح) درخواست کروں گا بیشک وہ مجھ پر بہت مہربان ہے اور میں تم لوگوں سے اور جن کی تم خدا کو چھوڑ کر عبادت کر رہے ہو ان سے کنارہ کرتا ہوں اور (علیحدہ ہو کر اطمینان سے) اپنے رب کی عبادت کروں گا امید ہے کہ اپنے رب کی عبادت کر کے محروم نہ رہوں گا۔

پس جب ان لوگوں سے اور جن کی وہ لوگ خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے ان سے علیحدہ ہو گئے (تو) ہم نے ان کو اسحاق (بیٹا) اور یعقوب (پوتا) عطا فرمایا اور ہم نے (ان دونوں میں) ہر ایک کو نبی بنایا اور ان سب کو ہم نے اپنی رحمت کا حصہ دیا اور (آئندہ نسلوں میں) ہم نے ان کا نام نیک اور بلند کیا اور اس کتاب میں موسیٰ علیہ السلام کا بھی ذکر کیجئے وہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے خاص کئے ہوئے (بندے) تھے اور وہ رسول بھی تھے نبی بھی تھے اور ہم نے ان کو کوہ طور کی راہی جانب سے آواز دی اور ہم نے ان کو راز کی باتیں کرنے کے لئے مقرب بنایا۔

**تفسیر** ﴿۱۶﴾ ”قال سلام عليك“ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ کو مجھ سے سلامتی ہو میں آپ کو کوئی ناپسندیدہ امر (جس سے آپ کو تکلیف ہو) نہیں پہنچاؤں گا۔ یہ اس لیے فرمایا کہ ان کو اس وقت ان کے کفر کی وجہ سے قتال کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔ بعض حضرات نے کہا کہ یہ جدائی اور مفارقت کا سلام تھا۔ بعض حضرات نے کہا کہ یہ سلام نیکی اور لطف کا تھا۔ یہ جوابِ حلم ہے جو بے وقوف کو دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ”واذا خاطبهم الجاهلون قالوا سلاماً“..... ”سأستغفر لک ربی“ اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں اللہ سے شرک باپ کی مغفرت کی دعا کروں گا بلکہ مطلب یہ ہے کہ میں اپنے رب سے دعا کروں گا کہ وہ آپ کو شرک و کفر سے توبہ کرنے اور اسلام و ایمان اختیار کرنے کی توفیق دے جو امر موجب مغفرت ہو اس کے حاصل ہونے کی توفیق ملنے کی دعا شرک کے لیے کی جاسکتی ہے۔ ”انہ کان ہی حفیاً“ وہ مجھ پر بڑی مہربانیاں اور کرم کرنے والا ہے۔ کلبی کا قول ہے کہ وہ عالم ہے میری دعا کو جانتا اور قبول فرماتا ہے۔ مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس نے مجھے دعا کا عادی بنا دیا ہے۔

﴿۱۷﴾ ”واعترزکم وما تدعون من دون اللہ“ میں کنارہ کشی کرتا ہوں ان معبودوں کی جن کی تم پوجا کرتے ہو۔ مقاتل کا بیان ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے جدائی اختیار کر کے ارض مقدسہ کی طرف چلے گئے۔ ”وادعوارتی“ کہ میں اپنے رب کی عبادت کروں گا۔ ”عمسی ان لا اکون بدعاء ربی شقیاً“ جس طرح تم اپنے بتوں کی پوجا کر کے اور ان کو پکارنے کے بعد بھی ناکام رہتے ہو اس طرح میں اپنے رب کو پکار کر اور اس کی عبادت کر کے نامراد نہیں رہوں گا۔ بعض نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مجھے امید ہے کہ جب میں اس سے دعا کروں تو وہ میری دعا قبول کرے گا اور تمہارے معبود تمہاری دعا قبول نہیں کرتے۔

﴿۱۸﴾ ”فلما اعترزہم وما یعبدون من دون اللہ“ وہ یہاں سے ہجرت کر کے چلے گئے۔

﴿۱۹﴾ ”ووهبنا لہم من رحمتنا“ ہمیں انعام دیا۔ کلبی کے نزدیک رحمت سے مال اور عزت مند اولاد مراد ہے۔ بعض نے

کہا کہ کتاب و نبوت مراد ہے۔

”وجعلنا لہم لسان صدق علیا“ یعنی وہ باتیں جن کی تمام مذاہب والے تعریف کرتے ہیں اور ان پر فخر کرتے ہیں

ان کی ایسی خوبیاں ہیں جو امتداد زمانہ کے باوجود پوشیدہ نہیں ہیں۔

﴿۲۰﴾ ”واذکر فی الکتاب موسیٰ انہ کان مخلصاً“ اللہ عزوجل کی خالص عبادت جس میں کسی قسم کا کوئی دکھاوانہ ہو۔ اہل کوفہ نے

”مخلصاً“ لام کے فتح کے ساتھ ذکر کیا ہے اور بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ان کو کسی دغ وغیرہ سے خالص کر دیں گے۔ ”وکان رسولاً نبیاً“



52 "وَنَادِيَاهُ مِنْ جَانِبِ الطُّورِ الْاَيْمَنِ" وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دائیں جانب تھا۔ مصر اور مدین کے درمیان ایک پہاڑ تھا جس کو طور کہا جاتا ہے۔ بعض علماء نے اس پہاڑ کا نام زیر کہا ہے۔ حضرت موسیٰ مدین سے واپس آ رہے تھے۔ مصر کی طرف جانے کا ارادہ تھا، دور سے آپ نے آگ روشن دیکھی اور ندا آئی "یا موسیٰ اِنِّی اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ"..... "وَقَرِیْبَاهُ نَجِیًّا" ان کے ساتھ مناجات کی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے معنی اس کا یہ ہے کہ اس کو قریب کیا اور ان کے ساتھ کلام کیا۔ تقرب کا معنی ہے کہ اس کا کلام انہوں نے سنا اور بعض نے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اتنے مقرب ہوئے کہ قلم سے لکھنے کی آوازیں آئیں۔

وَوَهَبْنَا لَهُ مِنْ رَحْمَتِنَا اٰخَاهُ هَارُوْنَ نَبِیًّا 53 وَاذْكُرْ فِی الْكِتٰبِ اِسْمٰعِیْلَ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ

الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَبِیًّا 54 وَكَانَ یَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِیًّا

55 وَاذْكُرْ فِی الْكِتٰبِ اِدْرِیْسَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّیْقًا نَبِیًّا 56 وَرَفَعْنَاهُ مَكَاٰنًا عَلِیًّا 57

اور ہم نے ان کو اپنی رحمت سے ان کے بھائی ہارون کو نبی بنا کر عطا کیا اور اس کتاب میں اسماعیل کا بھی ذکر کیجئے بلاشبہ وہ وعدے کے (بڑے) سچے تھے اور وہ رسول بھی تھے نبی بھی تھے اور اپنے متعلقین کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم کرتے رہتے تھے اور وہ اپنے پروردگار کے نزدیک پسندیدہ تھے اور اس کتاب میں ادریس کا بھی ذکر کیجئے بیشک وہ بڑے راستی والے نبی تھے اور ہم نے ان کو (کمالات میں) بلند مرتبہ تک پہنچایا۔

تفسیر 53 "ووهبنا له من رحمتنا اخاه هارون نبيا" جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعاء کی اور کہا "واجعل لی وزیرا من اهلی ہارون انخی" اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعاسن لی اور ان کو حضرت ہارون علیہ السلام عطا کیے اور اسی وجہ سے ان کو بہہ کیے گئے تھے۔

53 "وَاذْكُرْ فِی الْكِتٰبِ اِسْمٰعِیْلَ" اس سے حضرت اسماعیل علیہ السلام مراد ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا ہیں۔ "انه كان صادق الوعد" مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ آپ وعدے کے سچے تھے جب بھی کوئی وعدہ کرتے اس کو پورا کرتے۔ مقاتل کا بیان ہے کہ حضرت اسماعیل نے ایک شخص سے وعدہ کیا کہ جب تک تو واپس نہیں آئے گا میں اس جگہ سے نہیں ہوں گا، وہ شخص تین روز میں یا بقول کلبی سات سال کے بعد واپس آیا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اس جگہ منظر پایا۔ "وكان رسولاً" جرہم قبیلہ کی طرف بھیجا گیا تھا۔ "نبیا" اللہ عزوجل نے اس کی خبر دی۔

54 "وكان يامر اهله" انہوں نے اپنی قوم کو حکم دیا۔ بعض نے کہا کہ آپ نے اپنے اہل و عیال اور پوری امت کو حکم دیا۔ "بالصلاة والزكاة" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر جو شریعت فرض کی ہے اور جس کی تعمیل اللہ تعالیٰ نے اسماعیل علیہ السلام پر فرض کی تھی اور وہی ملت حنیفہ ہم پر بھی فرض ہے۔ "وكان عند ربه مرضيا" اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر قائم اور اعمال و افعال کی استقامت کے پابند تھے۔ اس لیے اللہ ان سے راضی تھا۔

56 "واذکر فی الكتاب ادریس" یہ حضرت نوح علیہ السلام کے پردادا تھے۔ ان کا نام اخنوخ تھا۔ کتب کے زیادہ پڑھنے کی وجہ سے ان کا نام ادریس پڑ گیا۔ حضرت ادریس علیہ السلام قلم سے لکھنے اور کپڑے سینے اور سلاہوا کپڑا پہننے کے موجد ہیں۔ آپ سے پہلے لوگ کھالوں کو بطور لباس استعمال کرتے تھے۔ آپ ہی نے سب سے پہلے ہتھیار بنائے اور کافروں سے جنگ کی۔ علم نجوم اور اس کے حساب کے بھی آپ ہی موجد تھے۔ "اللہ کان صدیقاً نبیاً"

## مکاناً علیاً کی مختلف تفسیریں

57 "ورفعناه مکاناً علیاً" اس سے مراد جنت ہے اور بعض حضرات کے نزدیک دُنیا میں بلند مرتبہ کا حاصل ہو جانا ہے۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد چوتھے آسمان پر اٹھایا گیا یہ ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ شب معراج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات ادریس علیہ السلام کو چوتھے آسمان پر دیکھا تھا۔ یہ حدیث سورۃ بنی اسرائیل اور سورۃ نجم میں بیان کر دی گئی۔

کعب احبار کا بیان ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام ایک روز دن بھر چلے اور دھوپ کی تیزی اور تپش سے آپ کو تکلیف ہوئی۔ بارگاہ الہی میں عرض کیا، میرے رب ایک روز دھوپ کی تپش میں چلنے سے مجھے اتنی تکلیف ہوئی، پانچ سو برس کی مسافت جو ایک دن میں چلنے پر مجبور ہوا اس کی کیا حالت ہوگی؟ اے میرے رب! اس سورج کی گرمی ہلکی کر دے اور جو فرشتہ اس کو چلاتا ہے اس کا بار کم کر دے۔ دوسری صبح کو فرشتہ کو محسوس ہوا کہ سورج میں گرمی ہلکی ہوگئی جو روز کے معمول کے خلاف تھی۔ عرض کیا اے میرے رب! تیرے اس حکم (تحقیق) کی کیا وجہ ہے؟ اللہ نے فرمایا، میرے بندے ادریس نے درخواست کی تھی کہ میں سورج کی گرمی کم کر کے تیرے اوپر سے اس کا بار ہلکا کر دوں، میں نے اس کی دعا قبول کر لی، فرشتہ نے عرض کیا، پروردگار! میری اس سے دوستی کرادے، اللہ نے اجازت دے دی، آفتابی فرشتہ حضرت ادریس علیہ السلام کے پاس آیا۔ ادریس علیہ السلام نے اس سے دریافت کیا اور کہا مجھے معلوم ہوا ہے کہ تو بڑا معزز فرشتہ ہے اور ملک الموت کے پاس تیری بڑی عزت ہے تو ملک الموت سے میری سفارش کر دے کہ وہ میری موت میں کچھ مدت ڈھیل کر دے تاکہ میں اللہ کے شکر و عبادت میں مزید اضافہ کر سکوں۔ فرشتے نے کہا آئی ہوئی اجل کو تو اللہ کسی کے لیے نہیں نالتا۔ بہر حال میں ملک الموت سے کہوں گا۔ اس کے بعد آفتابی فرشتہ ادریس علیہ السلام کو آسمان پر اٹھا کر لے گیا اور طلوع آفتاب کے مقام کے قریب ان کو ٹھہرایا۔ پھر ملک الموت سے جا کر کہا، میرا آپ سے ایک کام ہے بنی آدم میں سے میرا ایک دوست ہے جس نے مجھ سے سفارش کرائی ہے کہ آپ اس کی موت کو کچھ پیچھے کر دیں۔

ملک الموت نے کہا مجھے اس کا اختیار نہیں، ہاں اگر تم چاہتے ہو تو اتنا کر سکتا ہوں کہ اس کو اس کے مرنے کی اطلاع پہلے سے دے دوں تاکہ وہ پہلے سے تیاری کر لے۔ آفتابی فرشتے نے کہا اچھا ملک الموت نے اپنے رجسٹر میں ادریس علیہ السلام کا نام دیکھا، دیکھ کر بولا، آپ نے مجھ سے ایسے شخص کے متعلق گفتگو کی ہے جو میرے خیال میں آئندہ کبھی نہیں مرے گا (کیونکہ اس کا

نام زندوں کے اس رجسٹر میں نہیں ہے جو مرنے والے ہیں) آفتابی فرشتے نے کہا یہ کیسے ملک الموت نے کہا، میں نے اپنے رجسٹر میں یہ بات پائی کہ وہ آدمی طلوع آفتاب کے قریب مرے گا (چنانچہ وہ مر گیا اب زندہ نہیں ہے) آفتابی فرشتے نے کہا میں جو آپ کے پاس آیا ہوں تو اس کو چھوڑ کر آیا ہوں ملک الموت نے کہا اب جا کر دیکھو تم اس کو مردہ پاؤ گے اس کی زندگی کا کوئی حصہ باقی نہیں ہے، فرشتے نے جا کر دیکھا تو ادریس علیہ السلام کو مردہ پایا۔

## آسمان پر کون سے انبیاء زندہ ہیں

وہب بن منبہ نے کہا آسمان پر ادریس علیہ السلام زندہ ہیں یا مردہ علماء کے اقوال اس کے متعلق مختلف ہیں۔ ایک جماعت نے کہا وہ آسمان پر زندہ موجود ہیں اور صرف وہی ہی نہیں بلکہ چار انبیاء زندہ ہیں خضر اور الیاس زمین پر اور ادریس و عیسیٰ علیہم السلام آسمان پر۔ وہب نے بیان کیا آسمان پر روزانہ ادریس علیہ السلام کی اتنی عبادت پہنچتی تھی جتنی ساری زمین کے باشندوں کی، فرشتوں کو اس پر تعجب ہوا اور ملک الموت کو ادریس علیہ السلام سے ملنے کا شوق ہوا اور اللہ سے اجازت لے کر وہ ادریس علیہ السلام کی ملاقات کو آدمی کی شکل میں آیا۔ ادریس علیہ السلام ہمیشہ روزے رکھتے تھے جب افطار کا وقت آیا تو ملک الموت کو بھی انہوں نے کھانے پر بلایا، ملک الموت نے کھانے سے انکار کر دیا، تین روز ایسا ہی ہوتا رہا، اب ادریس علیہ السلام کو ملک الموت کا انکار تا گوار ہوا اور تیسری شب کو ملک الموت سے پوچھا میں جاننا چاہتا ہوں کہ آپ کون ہیں؟

ملک الموت نے کہا میں موت کا فرشتہ ہوں، اپنے رب سے آپ کے ساتھ رہنے کی اجازت لے کر آیا ہوں۔ ادریس علیہ السلام نے کہا میرا آپ سے ایک کام ہے، ملک الموت نے کہا کیا کام ہے؟ ادریس علیہ السلام نے کہا کہ آپ میری روح قبض کر لو، فرشتے نے روح قبض کرنی، پھر تھوڑی دیر کے بعد اللہ نے روح واپس کر دی۔ ملک الموت نے پوچھا، آپ نے جو روح قبض کرنے کی درخواست کی تھی اس کی غرض کیا تھی؟ ادریس علیہ السلام نے کہا میں موت کی تکلیف اور گہرائی کا مزہ چکھنا چاہتا تھا (بالکل مرجانا میرا مقصد نہیں تھا) تاکہ موت کے لیے میری قابلیت زیادہ قوی ہو جائے (یعنی آئندہ جب مجھ پر موت آئے تو میرے اندر اس کی تکلیف اٹھانے کی صلاحیت کامل ہو اور کیفیت موت سے میں آشنا ہو چکا ہوں) اس کے بعد حضرت ادریس علیہ السلام نے ملک الموت سے کہا میرا آپ سے ایک کام اور ہے، ملک الموت نے پوچھا وہ کیا ہے؟

ادریس علیہ السلام نے کہا آپ مجھے آسمان پر لے جائیں تاکہ میں وہاں کے احوال دیکھ لوں اور جنت و دوزخ کی طرف بھی لے جائیں۔ اللہ نے ملک الموت کو ادریس علیہ السلام کی درخواست پوری کرنے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ ملک الموت ادریس علیہ السلام کو لے گئے، دوزخ پر پہنچے تو ادریس علیہ السلام نے ملک الموت سے کہا، آپ مالک (دوزخ کے داروغے) سے کہہ کر دوزخ کے دروازے کھلو دیجئے کہ میں (اندر جا کر اور) اتر کر دیکھ لوں؟ ملک الموت نے ایسا ہی کر دیا۔ ادریس علیہ السلام نے کہا دوزخ تو آپ نے دکھا دی اب جنت بھی دکھا دیجئے؟ ملک الموت جنت کی طرف لے گئے اور جنت کے

دروازے کھلوا کر اندر لے گئے، اندر پہنچ گئے تو فرشتے نے کہا اب یہاں سے باہر نکلو اور اپنی اصلی قرار گاہ پر واپس جاؤ، اور یس علیہ السلام ایک درخت کی ٹہنی پکڑ کر چٹ گئے اور بولے اب میں یہاں سے باہر نہیں جاؤں گا (دونوں میں گفتگو کا رد و بدل ہونے لگا) اللہ نے فیصلہ کرنے کے لیے ایک فرشتہ کو بھیجا۔

فرشتے نے آ کر اور یس علیہ السلام سے پوچھا، آپ باہر کیوں نہیں جاتے؟ اور یس علیہ السلام نے جواب دیا وجہ یہ ہے کہ اللہ نے فرمایا ہے ہر شخص موت کا مزہ چکھنے والا ہے، میں موت کا مزہ چکھ چکا اور اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ تم میں سے ہر شخص دوزخ میں ضرور اترے گا تو میں دوزخ میں اتر چکا اور اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ وہ جنت سے باہر کبھی نہیں نکالیں گے اس لیے میں اب نہیں نکلوں گا۔ اللہ نے ملک الموت کے پاس وحی بھیجی، میری اجازت سے یہ جنت میں داخل ہوا اور میری اجازت (حکم) سے باہر نکلے گا (تم نکلنے کی کوشش مت کرو) یہی وجہ ہے کہ اور یس علیہ السلام وہاں زندہ ہیں۔  
”وَرَفَعْنَا مَكَانًا عَلِيًّا“ کی یہی تشریح ہے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيِّنَ مِنْ ذُرِّيَةِ اٰدَمَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ وَمِنْ ذُرِّيَةِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرٰءَٓىلَ وَمِمَّنْ هَدٰىنَا وَاجْتَبٰىنَا ؕ اِذَا تَتَلٰٓى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبٰكِيًا (آیت سجدہ) 56

یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے (خاص) انعام فرمایا ہے منجملہ (دیگر) انبیاء کے آدم کی نسل سے اور ان کی نسل سے جن کو ہم نے نوح کے ساتھ سوار کیا تھا اور ابراہیم اور یعقوب کی نسل سے اور (یہ سب حضرات) ان لوگوں میں سے ہیں جن کو ہم نے ہدایت فرمائی اور ان کو مقبول بنایا جب ان کے سامنے (حضرت) رحمن کی آیتیں پڑھی جاتی تھیں تو سجدہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے (زمین پر) گر جاتے تھے۔

تفسیر 56 ”اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيِّنَ مِنْ ذُرِّيَةِ اٰدَمَ“ یعنی حضرت اور یس اور حضرت نوح علیہما السلام ”وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ“ جو میرے ساتھ کشتی میں سوار ہوئے خصوصاً خود نوح علیہ السلام کی نسل سے جیسے ابراہیم و اسرائیل جو سام بن نوح کی نسل سے تھے۔

”وَمِنَ ذُرِّيَةِ اِبْرٰهِيْمَ“ اس سے مراد حضرت اسماعیل، حضرت اسحاق علیہما السلام اور یعقوب علیہ السلام ہیں۔  
”وَاِسْرٰءَٓىلَ“ اسرائیل کی اولاد میں سے موسیٰ، ہارون علیہما السلام، زکریا اور یحییٰ علیہما السلام ہیں۔ ”وَمِمَّنْ هَدٰىنَا وَاجْتَبٰىنَا“ یہ وہ شخصیات ہیں جن کو ہم نے چنا اور ہم نے ان کو اعزاز نبوت سے نوازا۔

”اِذَا تَتَلٰٓى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبٰكِيًا“ سجداً ساجد کی جمع ہے اور ”بکيا“ جمع ہے ”ہاک“ کی۔ اللہ کی رحمت کی طلب میں سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور عذاب کے ڈر سے روتے ہیں۔

فَخَلَفَ مِنْ مَّ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلَاةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهْوَاتِ فَسُوفَ يَلْقَوْنَ غِيًّا 59 إِلَّا  
 مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُولَئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ شَيْئًا 60 جَنَّتِ  
 عَدْنٍ الَّتِي وَعَدَ الرَّحْمَنُ عِبَادَهُ بِالْغَيْبِ إِنَّهُ كَانَ وَعْدُهُ مَأْتِيًّا 61 لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا  
 لُعَاوًا إِلَّا سَلَامًا وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيهَا بُكْرَةٌ وَعِشْيًا 62

پھر ان کے بعد (بعضے) ایسے ناخلف پیدا ہوئے جنہوں نے نماز کو برباد کیا اور (نفسانی ناچاز) خواہشوں کی  
 پیروی کی سو یہ لوگ عنقریب (آخرت میں) خرابی دیکھیں گے ہاں مگر جس نے توبہ کر لی۔ اور ایمان لے آیا اور نیک  
 کام کرنے لگا سو یہ لوگ جنت میں جاویں گے اور ان کا ذرا نقصان نہ کیا جاوے گا وہ ہمیشہ رہنے کے باغ جن کا  
 رحمان نے اپنے بندوں سے عاقبتاً وعدہ فرمایا ہے (اور) اس کے وعدے کی ہوئی چیز کو یہ لوگ ضرور پہنچیں گے اس  
 (جنت) میں وہ لوگ کوئی فضول بات نہ سنے پاویں گے بجز سلام کے اور ان کو ان کا کھانا صبح و شام ملا کرے گا۔

تفسیر 59 "فخلف من بعدهم خلف" پھر ان مذکورہ انبیاء کے بعد ایسے ناخلف پیدا ہوں گے، برے لوگ آئیں گے  
 "خلف" لام کے فتح کے ساتھ اچھا جانشین اور لام کے جزم کے ساتھ برا جانشین مراد ہے۔ سدی کا قول ہے اس سے مراد یہودی  
 ہیں۔ مجاہد اور قتادہ رحمہما اللہ کا بیان ہے کہ اس اُمت کے لوگ ہیں۔ "اضاعوا الصلوة" جنہوں نے فرض نماز چھوڑ دی تھی۔ ابن  
 مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کا ترجمہ کیا ہے، نماز وقت کو نال کر پڑھی۔ سعید بن مسیب نے اس کی تشریح میں فرمایا کہ ظہر کی  
 نماز عصر کی نماز آنے سے پہلے نہ پڑھی جائے اور عصر کی نماز اس وقت پڑھی جائے جب سورج غروب ہونے لگے۔ "واتبعوا  
 الشهوات" اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کی نافرمانی کی اور شراب پی۔ انہوں نے اپنی خواہش نفس کا اتباع کیا اور اللہ  
 کی اطاعت سے منہ موڑا۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس قوم کا ظہور آخری زمانہ میں ہوگا۔

## غیا کی تفسیر

"فسوف يلقون غيا" وہب بن منبہ کا قول ہے کہ غی جہنم کے اندر ایک بہت گہری وادی کا نام ہے۔ حضرت ابن عباس  
 رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ جہنم کے اندر ایک ایسی وادی ہے کہ جہنم بھی اس کی گری سے پناہ مانگتی ہے۔ عادی زنا کاروں کے  
 لیے، دوائی شراب خوروں کے لیے اور ان سود خوروں کے لیے جو سود خوری سے باز نہیں آتے اور ماں باپ کی نافرمانی کرنے  
 والوں کے لیے اور جھوٹے گواہوں کے لیے اس کو تیار کیا گیا ہے۔ ابن مردودہ نے یہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی  
 روایت سے مرفوعاً نقل کی ہے۔ بغوی نے عطاء کا قول نقل کیا ہے کہ غی جہنم کے اندر ایک وادی ہے جس کے اندر بجائے پانی کے  
 پیپ اور خون بہتا ہے۔ کعب نے کہا غی جہنم کے اندر ایک بہت ہی گہری اور گرم ترین وادی ہے جس کے اندر ایک کنواں ہے

کنویں کو بہیم کہا جاتا ہے۔ دوزخ کی آگ جب کچھ بجھنے لگتی ہے تو اس کنویں کا منہ کھول دیا جاتا ہے جس کی آگ سے دوزخ پھر بھڑکنے لگتی ہے۔ بغوی نے بروایت زکریا بن ابومریم خزاعی بیان کیا کہ حضرت ابوانامہ باہلی نے فرمایا، جہنم کے بالائی کنارہ سے گہرائی تک اتنی دوری ہے کہ سوئی دس ماہ عظیم الجثہ اونٹنیوں کے برابر اگر کوئی پتھر یا چٹان اوپر سے نیچے کوڑھکائی جائے تو ستر برس کی مسافت طے کر کے نیچے پہنچے۔ یہ سن کر عبدالرحمن بن خالد بن ولید کے آزاد کردہ غلام نے دریافت کیا حضرت کیا اس کے نیچے بھی کچھ ہے؟ حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہاں غمی اور اٹام ہے۔

ضحاک نے کہا کہ اس سے مراد گمراہی اور خسارہ ہے۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد ہلاکت ہے اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد عذاب ہے۔ ”لسوف یلقون غیا“ اس کا معنی یہ نہیں کہ فقط وہ دیکھیں بلکہ معنی یہ ہے کہ اجتماع ملاہست ہے رویت کے ساتھ ساتھ۔

60 ”الامن تاب وامن وعمل صالحا فاولئک یدخلون الجنة ولا یظلمون شیئا“

61 ”جنات عدن التي وعد الرحمن عباده بالغیب“ جو انہوں نے نہیں دیکھی۔ ”انه كان وعده مانبا“ مفعول بمعنی فاعل کے ہے۔ یہاں امتیاز کر نہیں کیا کیوں کہ جو آتا ہے وہ پہنچ ہی جاتا ہے۔ عرب کے ہاں بھی کہنے والے کا قول کے اعتبار میں کوئی فرق نہیں جیسے کوئی کہے ”انت علی خمسون سنة“ اور اس قول کے درمیان کہ وہ کہے ”الیت علی خمسین سنة“ کہ مجھ پر پچاس سال گزر گئے یا میں پچاس سال پر گزر گیا اور اس طرح کوئی کہے ”وصل الی النخیر ووصلت الی النخیر“ ابن جریر کا قول ہے کہ وعدہ کا معنی ہے موعود پورا کیا ہوا اور وہ جنت ہے جس میں اولیاء اور فرمانبردار ضرور آئیں گے۔

62 ”لا یسمعون فیہا“ اس جنت میں نہیں سنیں گے۔ ”لغو“ باطل فحش لفظ کلام۔ مقاتل کا بیان ہے وہ جھوٹی بات نہیں سنیں گے۔

”الاسلاما“ غیر جنس سے استثناء ہے۔ صرف جنت میں سلام ہی سنیں گے ان کا قول سلام ہی ہوگا۔ سلام خیر کے لیے جامع نام ہے کیونکہ یہ سلامتی کو تضمن ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ جنتی لوگ گناہ کی کوئی بات نہیں سنیں گے بلکہ وہ سنیں گے جو ان کو سلام کریں گے۔ وہ اللہ کی طرف فرشتوں کی طرف سے اور باہم ایک دوسرے کی طرف سے سلام کی آواز سنیں گے۔ ”ولہم رزقہم فیہا بکرة وعشیا“ بعض اہل تفسیر کا قول ہے کہ جنت میں رات نہیں ہوگی جس کی وجہ سے صبح یا شام کا ادراک کیا جاسکے بلکہ ان کے لیے نوری نور ہوگا بلکہ ان کو دن کے بقدر رزق دیا جائے گا اور بعض نے کہا کہ جنتی وقت کا ادراک کر لیں گے، پردے کے اٹھنے کے بعد اور رات کا وقت پردے کے پڑ جانے کے ساتھ پہچان لیں گے۔ بعض نے کہا کہ اس سے عیش و آرام ہے اور رزق کا کشادہ ہونا ہے بغیر تنگی کے۔ حضرت حسن کی روایت بیان کی گئی ہے، عرب لوگ اس عیش کو نہیں جانتے جو رزق سے افضل ہو، صبح و شام سے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کو اس کے ساتھ موصوف کیا۔

تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي نُورِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا 63 وَمَا نَنْزِلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ لَهُ مَا

بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذَلِكَ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا 64

تہجہ یہ جنت (جس کا ذکر ہوا) ایسی ہے کہ ہم اپنے بندوں میں سے اس کا مالک ایسے لوگوں کو بنادیں گے جو کہ خدا سے



ڈرنے والا ہوا اور ہم (یعنی فرشتے) بدوں آپ کے رب کے حکم کے وقتا فوقتا نہیں آسکتے اسی کی (ملک) ہیں ہمارے آگے کی سب چیزیں ہمارے پیچھے کی سب چیزیں اور جو چیزیں ان کے درمیان میں ہیں اور آپ کا رب بھولنے والا نہیں۔

**تفسیر 63** "تلك الجنة التي نورت من عبادنا" جو ہم ان کو دیتے ہیں اور جو ان پر نازل کرتے ہیں۔ بعض علماء کا بیان ہے کہ مؤمنوں کو جنت کے اندر بعض ایسے مکان بھی ملیں گے جو واقع میں ان دوزخیوں کے لیے تھے۔ اگر وہ کفر نہ کرتے تو ان مکانوں کے مالک و قابض ہوتے "من كان تقيا" اس سے مراد اپنے متقین بندے ہیں۔

"وما تنزل الا بامر ربك" سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے جبرئیل علیہ السلام کس چیز نے آپ کو ہم سے زیارت کرنے سے روکا آپ تو ہماری کثرت سے زیارت کرتے تھے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ "وما تنزل الا بامر ربك له ما بين ايدينا وما خلفنا" یہی جواب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے فرمایا۔ ضحاک، عکرمہ، مقاتل اور کلبی کا بیان ہے کہ جب قوم والوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اصحاب کہف اور ذوالقرنین اور روح کے متعلق سوال کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں کل کو بتاؤں گا، اس وعدے کے ساتھ ان شاء اللہ نہیں فرمایا۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کافی مدت تک نہیں آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جبرئیل علیہ السلام کے نہ آنے کی وجہ سے تکلیف ہونے لگی۔ پھر کچھ دنوں کے بعد جب جبرئیل علیہ السلام آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا، آپ نے بہت دیر کر دی؟ میرا خیال تو خراب ہونے لگا تھا، میں آپ کا بے چینی کے ساتھ انتظار کرتا رہا۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا میں بھی آپ سے ملنے کا مشتاق تھا لیکن میں حکم کا بندہ ہوں، مجھے جب بھیجا جاتا ہے، آجاتا ہوں، روک دیا جاتا ہوں، تو رُک جاتا ہوں۔ اس پر یہ آیت اور "والضحى والليلة اذا سجدى ما ودعك" پڑھی۔ "له ما بين ايدينا وما خلفنا وما بين ذلك" اس کے پاس وہ علم ہے جو ان کے درمیان ہے۔

## ما بين ايدينا وما خلفنا کی مختلف تفسیریں

اس معنی میں مفسرین کرام کا آپس میں اختلاف ہے کہ سعید بن جبیر، قتادہ اور مقاتل کا بیان ہے کہ "ما بين ايدينا" سے مراد آخرت کا امر ثواب اور عقاب ہے۔

"وما خلفنا" سے مراد جو دنیا میں گزر چکا اور ان کے درمیان فی الحال جو کچھ ہو رہا ہے اور بعض نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ "ما بين ايدينا" سے مراد جو کچھ آخرت کے امور میں سے ہے اور "وما خلفنا" سے مراد دنیاوی امور ہیں۔ "وما بين ذلك" سے مراد دونوں فحشوں کے درمیان کا وقت ہے۔ ان دونوں کے درمیان چالیس سال کا عرصہ مراد ہے۔

اور بعض نے کہا کہ "ما بين ايدينا" سے مراد جو دنیا میں باقی ہے۔ "وما خلفنا" سے مراد جو دنیا میں گزر گیا۔ "وما بين

ذٰلِكَ“ سے مراد دُنیاوی زندگی ہے اور بعض نے کہا کہ ”ما بین ایدینا“ سے مراد مرنے کے بعد ”وما خَلفنا“ سے مراد پیدائش سے پہلے ”وما بین ذٰلِكَ“ سے مراد ان دونوں کے درمیان کی زندگی ہے اور بعض نے کہا کہ ”ما بین ایدینا“ سے مراد زمین ہے کہ جب اس زمین پر انسان کا نزول ہوا۔ ”وما خَلفنا“ سے مراد آسمان ہے جب اس سے اترے ”وما بین ذٰلِكَ“ سے مراد ہوا ہے۔ مراد اس سے ہر چیز ہے کوئی بھی اس پر قادر نہیں مگر اللہ ہی کے حکم سے۔ ”وما کان رَبِّکَ نَسِیًا“ وہ بھولنے والا کہا جاتا ہے کہ آپ کا رب آپ کو بھولا نہیں۔ مطلب یہ کہ اس نے آپ کو نہیں چھوڑا اور جو بھولنے والا ہوتا ہے وہ چھوڑ دینے والا ہوتا ہے۔

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهِ ۗ هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِیًّا 65  
 وَيَقُوْلُ الْاِنْسَانُ ؕ اِذَا مَاتَ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَیًّا 66 اَوْ لَا يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ  
 وَلَمْ يَكُ شَیْئًا 67 فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّیْطٰنِ ثُمَّ لَنَحْضُرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِیًّا 68  
 ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِیْعَةٍ اٰیٰتُهُمْ اَشَدُّ عَلٰی الرَّحْمٰنِ عِیًّا 69 ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِیْنَ هُمْ  
 اَوْلٰی بِهَا صِلِیًّا 70 وَاِنْ مِنْكُمْ اِلَّا وَاِرِدْهَا كَانَ عَلٰی رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضٰیًّا 71 ثُمَّ نُنَجِّی  
 الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَنَذَرُ الظَّالِمِیْنَ فِیْهَا جِثِیًّا 72

تجسس وہ رب ہے آسمانوں اور زمین کا اور ان سب چیزوں کا جو ان کے درمیان میں ہیں سوائے مخاطب تو اس کی عبادت کیا کر اور اس کی عبادت پر قائم رہ بھلا تو کسی کو اس کا ہم صفت جانتا ہے اور انسان (منکر بعث) یوں کہتا ہے کہ میں جب مر جاؤں گا تو کیا پھر زندہ کر کے (قبر سے) نکالا جاؤں گا کیا (یہ) انسان اس بات کو نہیں سمجھتا کہ ہم اس کو اس کے قبل (عدم سے) وجود میں لائے ہیں اور یہ (اس وقت) کچھ بھی نہ تھا سو قسم ہے آپ کے رب کی ہم ان کو (اس وقت میں) جمع کریں گے اور شیاطین کو بھی پھر ان کو دوزخ کے گرداگرد اس حالت سے حاضر کریں گے کہ گھٹنوں کے بل گرے ہوں گے پھر (ان کفار کے) ہر گروہ میں سے ان لوگوں کو جدا کریں گے جو ان میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے سرکشی کیا کرتا تھا پھر ہم (خود) ایسے لوگوں کو خوب جانتے ہیں جو دوزخ میں جانے کے زیادہ (یعنی اول) مستحق ہیں اور تم میں کوئی بھی نہیں جس کا اس پر سے گزر نہ ہو یہ آپ کے رب کے اعتبار سے لازم ہے جو (ضرور) پورا ہو کر رہے گا پھر ہم ان لوگوں کو نجات دیں گے جو خدا سے ڈر کر ایمان لاتے تھے اور ظالموں کو اس میں ایسی حالت میں رہنے دیں گے کہ (مارے رنج و غم کے گھٹنوں کے بل گر پڑیں گے۔

تفسیر 65 ”رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهِ“ آپ کو جس بات کا حکم دیا گیا ہے، اس پر صبر کریں اور جس سے روکا گیا۔ ”هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِیًّا“ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس سے مراد مثال ہے۔ سعید

بن جبر رحمة اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس کا معنی عدل ہے۔ کلبی کا بیان ہے کہ کیا تم کسی کو جانتے ہو، اللہ کے سوا جو اس کا ایسا نام ہو، یا ایسا مثل جو عبادت کیے جانے اور الہ کہلانے کا مصداق ہو۔

66 "وَيَقُولُ الْإِنْسَانُ" اس سے مراد ابی بن کعب جمحی ہے جو بخت کا منکر تھا۔ یہ کہتا تھا "اذا مامت لسوف اخرج حيا" قبر سے زندہ کر کے اٹھایا جائے گا، یہ بطور استہزاء اور بخت کی تکذیب کے طور پر کہی۔

67 "اولا یدکر" اس کو یاد کرو اور اس پر غور و فکر کرو۔ یہ ذکر تخفیف کے ساتھ ہے۔ "الانسان" اس سے ابی بن خلف مراد ہے۔ "انا خلقناه من قبل ولم یک شیئا" اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اس پر غور و فکر نہیں کرتے کہ تم اس کے پیدا کرنے پر انکار کرتے ہو جس نے ابتداء پیدا کیا، کیا وہ دوبارہ زندہ کرنے پر قادر نہیں۔ پھر اپنے نفس کی قسم کھائی اور پھر ارشاد فرمایا۔

68 "فورتک لنحشر نهم" ہم ان کو جمع کر دیں گے وعدہ کے دن۔ مشرکین اور منکرین بخت کو۔ "والشیاطین" شیاطین کے ساتھ یہ اس وجہ سے کیونکہ اس دن ہر کافر کو اس کے شیطان کے ساتھ زنجیروں میں جکڑ کر لایا جائے گا۔ "ثم لنحشر نهم حول جہنم" بعض نے کہا کہ ان کو جہنم میں جمع کیا جائے گا۔ "جشیا" ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس سے مراد جماعت در جماعت ہے جسوۃ کی جمع ہے۔ حسن اور ضحاک کا قول ہے کہ جاٹ کی جمع ہے۔ زانو کے ٹل بیٹھے ہوئے سدی نے ترجمہ کیا تنگی مقام کی وجہ سے زانو کے ٹل کھڑے ہوئے۔

69 "ثم لننزعن" پھر ہم ان کو ضرور بصر و نکالیں گے۔

"من کل شیعة" ہر امت میں سے اور کفار میں سے سب اسی میں شامل ہوں گے۔ "ایہم اشد علی الرحمن عتیا" بے جا غرور کو کہا جاتا۔ یہ اصل میں "عتوا" تھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس کا معنی جرأت ہے۔ مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس کا ترجمہ فحور ہے۔ کلبی کا بیان ہے کہ ان کا قائد اور ان کے سردار شریع ہوں گے، ان کو جہنم میں داخل کریں گے اور آخر میں بہت سخت ہیں اور بعض آثار میں آیا ہے کہ وہ سب کے سب جہنم کے کنارے حاضر ہوں گے پھر کافر پھر ان کے بعد کافر جمع کیے گئے (یعنی کفر کے بقدر ان کو جہنم کے باہر کھڑا کیا جائے گا)..... "ایہم" کا معنی "المدی" ہے۔ ان کو کہا جاتا ہے کون ہے سخت جو جسٹن پر زیادہ سرکشی کرتا تھا اور بعض نے کہا کہ جملہ مستانفہ ہے۔

70 "ثم لنحن اعلم بالذین ہم اولیٰ بہا صلیا" آگ میں داخل ہونے کا زیادہ حق دار ہے۔ کہا جاتا ہے "صلیٰ یصلی صلیا" یہ ایسے ہے "لقی یلقی لقی" اور "صلیٰ یصلی صلیا" جیسے معنی "یعضی یعضی" جب وہ آگ میں داخل ہوں گے اور جل جائیں گے۔

71 "وان منکم الا واردها" نہیں ہے کوئی جو اس کے اوپر سے نہ گزرے اور بعض نے کہا کہ اس میں قسم پوشیدہ ہے اس کا معنی ہے "واللہ ما منکم من أحد الا واردها"

## وان منکم الا واردھا کی مختلف تفسیریں

وارد کہتے ہیں مکان کا موافق آجانا۔ ورد کے معنی میں آئمہ مفسرین کا آپس میں اختلاف ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے اور اکثر مفسرین کا قول ہے کہ ورد کا معنی دخول ہے اور کنایہ یہ راجح ہے، آگ میں دخول کے ساتھ اور ان لوگوں نے کہا کہ معنی یہ ہوگا کہ اس آگ میں نیک اور فاجر سب داخل ہوں گے۔ پھر اللہ متقین کو نجات دے دیں گے اور اس آگ سے نکال دیں گے۔ اس دلیل کا حاصل یہ ہوگا کہ ورد سے مراد دخول ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرعون کے بارے میں کہا ”یقدم قومہ یوم القیامة فاوردھم النار“ ابن عیینہ سے مروی ہے کہ عمرو بن دینار کی روایت سے بیان کیا کہ نافع بن ارزق نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ورد کے معنی کی تشریح میں کچھ اختلاف کیا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک کہ اس کا معنی دخول ہی ہے۔ نافع کا قول ہے وہ کہتے ہیں کہ یہاں ورد سے مراد دخول نہیں۔ اس پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کے استشہاد کے لیے یہ آیت تلاوت کی ”انکم وما تعبدون من دون اللہ حسب جہنم انتم لہا واردون“ کہ اس میں وہ داخل ہوں گے یا داخل نہیں ہوں گے۔ پھر فرمایا، اے نافع! تم اور میں سب اس میں داخل ہوں گے مجھے تو اُمید ہے کہ اللہ مجھے نکال لے گا لیکن میرا خیال ہے کہ تجھے نہیں نکالے گا کیونکہ تو داخل ہونے کا ہی منکر ہے۔

ایک قوم کا قول ہے کہ اس سے مراد دخول ہے اور وہ یہ کہتے ہیں کہ مومن کبھی دوزخ میں داخل نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ”ان الذین سبقت لہم منا الحسنی اولئک عنہا مبعدون لایسمعون حسیسہا“ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ جن کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا وہ کبھی باہر نہ نکل سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان ”وان منکم الا واردھا“ کا یہی مطلب ہے۔ اس سے اس میں حاضر ہونا اور دیکھنا مراد ہے نہ کہ اس میں داخل ہونا ہے۔ جیسا کہ اللہ کا فرمان ”ولما ورد ماء مدین“ اس سے مراد وہاں حاضر ہونا ہے۔ عکرمہ کا بیان ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آیت مذکورہ کی تشریح میں فرمایا، دوزخ میں داخل ہوئے بغیر کوئی نہیں رہے گا۔ اس سے کنایہ یہ مراد لیا ہے کہ اس کی طرف لوٹے گا۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے آیت ”وان منکم الا واردھا“ کے متعلق بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب لوگ دوزخ پر اتریں گے۔ اس کے بعد اپنے اپنے اعمال کے موافق وہاں سے نکال لیے جائیں گے۔ اول شخص بجلی چمکنے کی طرح پھر ہوا کی طرح، پھر گھوڑے کی تیز دوڑ کی طرح، پھر اونٹ کی دوڑ کی طرح جس پر سامان لدا ہوا ہو، پھر آدمی کے دوڑنے کی طرح، پھر آدمی کی معمولی رفتار کی طرح۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ فرماتے ہیں کہ ”وان منکم الا واردھا“ سے مراد قیامت ہے۔ اول زیادہ صحیح ہے۔

اہل سنت والجماعت کا مسلک ہے کہ پہلے سب کو دوزخ میں داخل کیا جائے گا۔ پھر اہل ایمان کو دوزخ سے نکال دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے ”ثم ننجی الذین اتقوا“ جو شرک سے بچتے رہے وہی مومنین ہیں اور نجات کسی چیز کے

دخول کے بعد ہوتی ہے نہ کہ اس کے اوپر سے گزرنے کے ساتھ۔ سعید بن مسیب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایسا نہیں ہوگا کہ کسی مسلمان کے تین بچے مرجائیں اور وہ آگ میں داخل ہو۔ وہاں صرف تم پوری کرنے کے لیے اس کے بعد یہ آیت تلاوت فرمائی۔ ”وان منکم الا واردھا“

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ دوزخ سے اس شخص کو بھی نکالا جائے گا جو لا الہ الا اللہ کہے اور اس کے دل میں ایک جو کے دانے کے برابر نیکی ہو اور آگ سے اس شخص کو بھی نکالا جائے گا جس نے لا الہ الا اللہ کہا اور اس کے دل میں گندم کے ایک دانے کے برابر خیر ہو اور اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ سے نکال دیں گے جس نے لا الہ الا اللہ کہا اور اس کے دل میں نیکی کا ایک ذرہ موجود ہو۔ ابان عن قتادہ سے منقول ہے کہ ان کے نزدیک من ایمان کی جگہ من خیر ذکر کیا ہے۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص دوزخ میں ایک ہزار سال تک آواز دیتا رہے گا، اے حنان! اے منان! اللہ عزوجل جبرئیل علیہ السلام کو فرمائیں گے کہ جاؤ اور اس شخص کو میرے پاس لے آؤ۔ کہتے ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام اس شخص کو پائیں گے جو رو رہے ہوں گے۔ فرماتے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام واپس لوٹیں گے۔ اللہ عزوجل کو اس کے متعلق بتلائیں گے۔ فرمایا کہ جاؤ وہ فلاں فلاں جگہ پر ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ جائیں گے۔

پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام اس شخص کو لے کر اللہ رب العزت کے پاس پہنچیں گے۔ اللہ رب العزت اس شخص سے کہیں گے کہ تم نے اپنی جگہ اور اپنے ٹھکانے کو کیسے پایا، وہ کہے گا اے میرے رب! وہ ہر امکان اور برا ٹھکانا ہے۔ اللہ تعالیٰ کہیں گے میرے بندے کو واپس لوٹا دو، وہ بندہ کہے گا کہ میں امید کرتا ہوں کہ جس شخص کو ایک دفعہ دوزخ سے نکال دیا جائے۔ اس کو واپس نہیں لوٹایا جاتا۔ اللہ عزوجل فرمائیں گے فرشتوں سے کہ میرے بندے کو بلاؤ۔ اللہ عزوجل کے فرمان ”لا یسمعون حبیبھا“ کا یہی مطلب بیان کیا ہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے جنت میں اس وقت کا تذکرہ کیا کہ جنت میں لوگ اس وقت بری بات نہیں سنیں گے اور یہ بات جائز ہے کہ وہ یہ بات جنت میں دخول سے پہلے سن لیں کیونکہ اس بات کا تذکرہ نہیں کہ وہ بری بات نہیں سنیں گے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جنت میں دخول کے وقت یہ بات سن لیں کیونکہ جنت میں دخول کے بعد ان کو سلامتی ہی سلامتی ہوگی۔

خالد بن معدان کا قول ہے کہ اللہ رب العزت جنتیوں سے فرمائیں گے کہ کیا تمہارے رب نے وعدہ نہیں کیا تھا کہ تمہیں آگ پر سے وارد ہونا ہے۔ ان کو کہا جائے گا کیوں نہیں لیکن تم اس کے اوپر سے گزر گئے ہو اور ایک حدیث میں منقول ہے کہ آگ مؤمنین سے کہے گی کہ تمہارا یہ بدلہ ہے کہ تمہیں بچانے کے لیے ہمارے نور (تپش) کو ختم کر دیا گیا۔ مجاہد سے مروی ہے کہ اللہ عزوجل کا قول ہے ”وان منکم الا واردھا“ کہ مسلمانوں کے لیے اس گرمی کو ٹھنڈا کر دیا جائے گا۔ اور ایک حدیث میں آیا ہے کہ حمی بخار کو کہتے ہیں جو جنیموں کو دیا جائے گا اور مؤمنین کو بھی تھوڑا سا آئے گا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ بخار، جنم کی تپش ہے، اس کو پانی سے بھجھاؤ۔ ”کان علی ربک حمما مقصیا“ کہ تمہارا دوزخ کے اوپر سے گزرتا پختہ ہے اور اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

② ”ثم ننجي الذين اتقوا“ شرک سے بچو۔ کسائی نے نسجی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی نے تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ ”ونذر الظالمين فيها جثيا“ اس کا معنی ہے ”جمیعاً“ بعض نے کہا کہ وہ گھٹنوں کے بل آئیں گے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس میں سب داخل ہوں گے۔ پھر اس سے متقین کو نکالا جائے گا اور دوزخ میں ظالمین اور مشرکین کو چھوڑ دیا جائے گا۔

سعید بن مسیب اور عطاء بن یزید کا قول ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان دونوں نے خبر دی کہ لوگ کہتے ہیں کہ اے اللہ کے رسول! کہ کیا ہم قیامت کے دن اپنے رب کو دیکھ سکیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کیا تم چودھویں رات کے چاند کو دیکھتے ہو جب کوئی بادل نہیں ہوتا تو لوگوں نے کہا جی ہاں اے اللہ کے رسول! پھر فرمایا کہ کیا تم سورج کو دیکھتے ہو، جب بادل نہ ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم اسی طرح قیامت کے دن اس کو دیکھو گے قیامت کے دن لوگوں کو جمع کیا جائے گا جو شخص جس کی عبادت کرتا تھا وہ اسی کو اپنے ساتھ لائے گا۔ ان میں سے بعض وہ ہوں گے جو سورج کی پوجا کرتے ہیں اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو چاند کی پوجا کرتے ہیں اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو بتوں کی پوجا کرتے ہیں اور اس امت کے منافقین رہ جائیں گے ان کو اللہ تعالیٰ کے پاس لایا جائے گا۔ اللہ فرمائے گا میں تمہارا رب ہوں۔

جب اللہ عزوجل ان کے سامنے آئیں گے تو وہ پہچان لیں گے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ فرمائیں گے میں تمہارا رب ہوں، وہ کہیں گے آپ ہمارے رب ہیں اور پل صراط ان کے پیچھے ہوگی۔ میں اس امت میں سے پہلا شخص ہوں گا جس کو قیامت کے دن بولنے اور شفاعت کی اجازت ملے گی اور اس دن کوئی بھی بات نہیں کر سکے گا۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اس دن رسولوں کا کلام مسلم سلم ہے اور جنم میں کلایب ہوں گے۔ نیز جنم میں سعدان کے کانٹوں جیسے آنکڑے ہوں گے، ان آنکڑوں کی لمبائی اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ کیا تم نے ”شوک السعدان“ دیکھے ہیں۔ وہ کہیں گے جی ہاں! پھر فرمایا ”شوک السعدان“ کے مثل ان کی عظمت کی قدر اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں ہوگی۔ لوگوں کو ان کے اعمال کے مناسب اٹھایا جائے گا۔ ان میں سے بعض جو اپنے اعمال کی وجہ سے منہ کے بل گریں گے اور ان میں بعض جو تھوڑی دیر اس میں گریں گے پھر نجات پالیں گے۔ یہاں تک کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ کرے گا اور اللہ تعالیٰ اس شخص کو بھی نکالنے کا ارادہ کرے گا جس نے یہ کہا ہوگا ”اشهد ان لا اله الا الله“ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے کہیں گے ان کو دوزخ سے نکالو جو میری عبادت کرتے تھے۔

چنانچہ فرشتے ان لوگوں کو دوزخ سے نکالیں گے اور ان کی پیشانیوں پر جمدے کائنات کے ذریعہ ان کی شناخت کریں گے اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے دوزخ کی آگ پر یہ جرم کر دیا ہے کہ وہ جمدے کے نشان کو کھالے اس لیے دوزخ کی آگ بن آدم کے سارے جسم کو کھال جائے گی مگر جمدوں کے نشان کو نہیں کھائے گی۔ بہر حال وہ لوگ دوزخ سے اس حالت میں باہر لائے جائیں گے کہ وہ آگ میں جل کر سیاہ ہو چکے ہوں گے پس ان پر آب حیات چھڑکا جائے گا اور وہ اس طرح تازہ ہو جائیں گے جس طرح سیلاب کے کڑے کجرے میں پڑا ہلاک مانگ آتا ہے۔



## سب سے آخر میں جنت میں داخل ہونیوالے شخص کا رب کے ساتھ مکالمہ

اور ایک شخص جو روزخیزوں میں سے جنت میں داخل ہونے والا آخری شخص ہوگا، جنت اور دوزخ کے درمیان کھڑا رکھا جائے گا، اس کا منہ دوزخ کی طرف ہوگا، وہ عرض کرے گا کہ میرے پروردگار میرا منہ دوزخ کی طرف سے پھیر دے، دوزخ کی آگ کی بد بونے مجھے سخت اذیت میں مبتلا کر رکھا ہے اور اس کے شعلوں کی تیزی و گرمی مجھے بھسم کیے دے رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اگر میں ایسا کروں تو ہو سکتا ہے کہ تو پھر کچھ اور بھی مانگنے لگے۔ وہ شخص عرض کرے گا کہ تمہیں تمہاری عزت کی قسم! میں اور کچھ نہیں مانگوں گا، پھر وہ کچھ عہد و پیمان کرے گا جو اللہ تعالیٰ چاہے گا اور اللہ تعالیٰ اس کا منہ دوزخ کی طرف سے پھیر دے گا مگر جب اس کا منہ جنت کی طرف پھیر دے گا اور وہ جنت کی زیبائش و آرائش اور تروتازگی دیکھے گا تو اس وقت تک خاموش رہے گا جب تک خدا چاہے گا اور پھر عرض کرے گا کہ میرے پروردگار! مجھے جنت کے دروازے تک پہنچا دے۔

اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تو نے عہد و پیمان نہیں کیا تھا کہ تو اپنی اس درخواست کے علاوہ کوئی درخواست پیش نہیں کرے گا، وہ گڑگڑائے گا کہ میرے پروردگار! تو مجھے اپنی مخلوق میں سب سے زیادہ بد نصیب نہ بنا مگر جب وہ جنت کے دروازے تک پہنچے گا اور جنت کی چمک دمک اور اس کے اندر کی چیزوں کے ٹھاٹھ باٹ دیکھے گا تو پہلے اس وقت تک خاموش رہے گا جب تک خدا چاہے گا اور پھر عرض کرے گا کہ میرے پروردگار! مجھے جنت کے اندر پہنچا دیجئے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔

ابن آدم! افسوس تو کس قدر عہد شکن ہے اور وعدہ فراموش ہے؟ کیا تو نے عہد و پیمان نہیں کیا تھا کہ تو اپنی اس درخواست کے علاوہ جو تیری خواہش کے مطابق منظور کر لی گئی تھی کوئی اور درخواست پیش نہیں کرے گا۔ وہ عرض کرے گا کہ میرے پروردگار! مجھے اپنی مخلوق میں سب سے زیادہ بد نصیب نہ بنا! غرضیکہ وہ اسی طرح گڑگڑاتا رہے گا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ جب راضی ہو جائے گا تو اس کو جنت میں داخل ہونے کی اجازت دے دے گا۔ پھر فرمائے گا کہ تو اور جو کچھ آرزو اور خواہش رکھتا ہو تو اس کو ظاہر کر اور جو کچھ مانگنا چاہتا ہے مانگ لے۔ چنانچہ وہ اپنی آرزوئیں بیان کرے گا اور جب اپنی آخری آرزو بھی پوری کرالے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ فلاں فلاں چیز کی بھی خواہش کیوں نہیں ظاہر کرتا! گویا پروردگار اس کو یاد دلانا چاہے گا کہ تو نے فلاں فلاں چیز تو مانگی ہی نہیں، ان چیزوں کو بھی مانگ لے، میں آج تجھے ہر چیز عطا کروں گا، یہاں تک کہ جب وہ آرزوئیں بھی پوری ہو جائیں گی تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ نہ صرف یہ تمام چیزیں تیرے لیے ہیں بلکہ ان ہی جیسی مزید نعمتیں تجھے عطا کی جاتی ہیں اور حضرت ابوسعید کی روایت میں یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا نہ صرف یہ تمام چیزیں تیرے لیے ہیں بلکہ ان کے ساتھ دس گنا اور نعمتیں تجھے عطا کی جاتی ہیں۔

اس پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حدیث کے یہ الفاظ بہت خوب یاد ہیں کہ آپ نے فرمایا تھا (لک ذلك) ”و مثله معہ“ ابوسعید فرماتے ہیں کہ میں نے اسی طرح سنا اور میں نے

آپ سے یہ الفاظ اس طرح نقل کیے ”لک وعشرة امثاله“ اور محمد بن اسماعیل بخاری نے یہ روایت اس طرح نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے پاس آئیں گے۔ ایسی صورت کے ساتھ جس سے وہ پہچان نہیں سکیں گے۔ اللہ ان سے کہے گا میں تمہارا رب ہوا۔ وہ کہیں گے ہم اس جگہ سے پناہ مانگتے ہیں۔

یہاں تک کہ ان کو رب کے پاس پہنچایا جائے گا۔ جب وہ اللہ رب العزت کے پاس آئیں گے ان کو پہچان لیں گے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ اس صورت میں ان کے سامنے آئیں گے کہ یہ لوگ ان کو پہچان لیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے میں تمہارا رب ہوں تو وہ کہیں گے کہ تو ہمارا رب ہے تو اس کی پیروی کرنے لگیں گے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اہل توحید کو جہنم میں سزا دی جائے گی۔ یہاں تک کہ وہ کوئلہ ہو جائیں گے۔ پھر ان پر رحمت پڑے گی۔ فرماتے ہیں کہ وہ جہنم سے نکلیں گے اور جنت کے دروازوں کے سامنے ان کو ڈال دیا جائے گا۔ فرمایا کہ اہل جنت ان پر پانی پھینکیں گے تو وہ اس طرح اُگیں گے جس طرح گارے سے دان اُگتا ہے۔ پھر ان کو جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔

## سب سے ادنیٰ جنتی کو بھی جنت میں دس گنا عطا کیا جائیگا

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں جانتا ہوں جس شخص کو سب سے آخر میں دوزخ سے نکالا جائے گا۔ اس کو کہا جائے گا اس طرف سے پھر جا اور جنت میں چلا جا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، وہ جائے گا تا کہ جنت میں داخل ہو جائے، وہ دیکھے گا کہ لوگوں نے تو اپنی اپنی جگہیں سنبھال لی ہیں، وہ لوٹ آئے گا اور کہے گا اے میرے رب! لوگوں نے تو اپنی اپنی جگہیں سنبھال لی ہیں، اس کو کہا جائے گا کہ کیا تمہیں وہ زمانہ یاد ہے جس زمانے میں تو نے گزارا کیا، وہ کہے گا جی ہاں، اس کو کہا جائے گا کہ تو تمنا کر، پس وہ تمنا کرے گا اس کو کہا جائے گا وہ تیرے لیے ہے جو تو نے تمنا کی اور اس سے دس گنا تیرے لیے ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ کہے گا اے میرے رب! تو مجھ سے مذاق کرتا ہے حالانکہ تو بادشاہوں کا بادشاہ ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے۔ یہاں تک کہ ان کے دانت مبارک ظاہر ہو گئے۔

حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں اُمید کرتا ہوں کہ اگر اللہ چاہے تو شہداء بدر اور حدیبیہ والے دوزخ میں داخل نہیں ہوں گے۔ فرماتی ہیں کہ میں نے کہا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا اللہ تعالیٰ نے ارشاد نہیں فرمایا ”وان منکم الا واردھا کان علی ربک حتما مقضیا“ فرمایا کہ کیا تو نہیں سنتی یہ کہتے ہوئے ”ثم ننجی الدین اتقوا ونذر الظالمین فیہا جثیا“

وَإِذَا تُلِيٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا أَيُّ الْفَرِيقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَأَحْسَنُ نَدِيًّا ﴿٦٥﴾ وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْنٍ هُمْ أَحْسَنُ أَثْنَاوَرِنِيًّا ﴿٦٦﴾ قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلَالَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمَنُ مَدَدًا حَتَّىٰ إِذَا رَأَوْا مَا يُوعَدُونَ إِمَّا الْعَذَابَ وَإِمَّا السَّاعَةَ. فَسَيَعْلَمُونَ مَنْ هُوَ شَرُّ مَكَانًا وَأَضَعْفُ جُنْدًا ﴿٦٧﴾ وَيَزِيدُ اللَّهُ الَّذِينَ اهْتَنَوْا هُدًى مَوَالِبِئِنَّهُ الصَّلَاحُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ مَرَدًّا ﴿٦٨﴾ أَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتِيَنَّ مَالًا وَوَلَدًا ﴿٦٩﴾

**ترجمہ** اور جب ان (مکفر) لوگوں کے سامنے ہماری کھلی کھلی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو یہ کافر لوگ مسلمانوں سے کہتے ہیں دونوں فریقوں میں مکان کس کا زیادہ اچھا ہے اور محفل کس کی اچھی ہے اور ہم نے ان سے پہلے بہت سے ایسے ایسے گروہ ہلاک کئے ہیں جو سامان اور نمود میں ان سے بھی (کھیں) اچھے تھے آپ فرمادیجئے کہ جو لوگ گمراہی میں ہیں (یعنی تم) حزن ان کو ڈھیل دینا چلا جا رہا ہے یہاں تک کہ جس چیز کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے جب اس کو دیکھ لیں گے خواہ عذاب کو (دنیا میں) خواہ قیامت کو (دوسرے عالم میں) سو (اس وقت) ان کو معلوم ہو جاوے گا کہ برا مکان کس کا ہے اور کمزور مددگار کس کے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہدایت والوں کو ہدایت بڑھاتا ہے اور جو نیک کام ہمیشہ کے لئے باقی رہنے والے ہیں وہ تمہارے رب کے نزدیک ثواب میں بھی بہتر ہیں اور انجام میں بھی بہتر ہیں بھلا آپ نے اس شخص (کی حالت) کو بھی دیکھا جو ہماری آیتوں کے ساتھ کفر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھ کو (آخرت میں) مال اور اولاد ملیں گے۔

**تفسیر** ﴿٦٥﴾ ”وَإِذَا تُلِيٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ“ اس سے مراد واضح آیات ہیں۔ ”قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا“ اس سے مراد ظہر بن حارث اور قریش کے بڑے سردار ہیں۔ ”لِلَّذِينَ آمَنُوا“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غریباً صحابہ جو پراگندہ خشک بال، زندگی بد حال، فرسودہ لباس اور مشرک مال دار تھے۔ بالوں میں تیل ڈالتے، کتکھا کرتے اور اعلیٰ لباس وعدہ لباس پہنتے۔ ان لوگوں نے مومنین سے کہا ”ای الفریقین خیر مقاماً“ ان کی جگہ اور ان کا مقام اور اقامت کی جگہ بہتر ہے۔ ابن کثیر نے ”مقاماً“ میم کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ جائے اقامت ”واحسن لندیا“ ندیا بمعنی مجلس کے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے قول کی تردید کرتے ہوئے جواب دیا:

﴿٦٦﴾ ”وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْنٍ هُمْ أَحْسَنُ أَثْنَاوَرِنِيًّا“ اس سے سامان اور اموال ہیں۔ مقاتل نے کہا کپڑے اور لباس ”ورء یا“ اکثر قراء نے پڑھا منظر اور دکھاوٹ۔ ابن عامر، ابو جعفر اور نافع نے ”ی“ مشدّد کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس کا معنی سیرابی ہے یعنی نعمتوں سے سیری۔

﴿٦٧﴾ ”قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلَالَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمَنُ مَدَدًا“ یہ امر بمعنی خبر کے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص گمراہی میں اندھا ہوا ہوتا ہے، اللہ اس کو اور ڈھیل دیتا ہے اور گمراہی کے اندر اس کو بڑھاتا ہے اور مہلت دیتا رہتا ہے۔ ”حَتَّىٰ إِذَا رَأَوْا مَا يُوعَدُونَ إِمَّا الْعَذَابَ“ ان کو قید کرنا اور دنیا میں قتل کرنا ہے۔ ”وَإِمَّا السَّاعَةَ“ اس سے قیامت مراد ہے وہ دوزخ میں داخل ہوں گے۔ ”فَسَيَعْلَمُونَ“

اس وقت وہ جان لیں گے ”من هو شر مکاننا“ وہ جگہ ”واضع جنڈا“ ان کے مددگار کم ہوں گے اور مؤمنین امن میں ہوں گے کیونکہ کفار تو دوزخ میں اور مؤمنین جنت میں ہوں گے۔ بیان پر رڈ ہے۔ ”ای الفریقین خیر مقاما و احسن نلیا“

76 ”ویزید اللہ الدین اھتدوا ھدی“ اللہ ان کے ایمان اور یقین میں مزید اضافہ کریں گے۔ ”والباقیات الصالحات“ اس سے مراد اذکار اور اعمال صالحہ ہیں جن کا فائدہ کرنے والوں کو ہمیشہ ہمیشہ پہنچتا رہے گا۔ یعنی کافروں کو جو نعمتیں اللہ نے عطا فرمائی ہیں وہ فانی بھی ہیں۔ ”خیر عند ربک ثوابا و خیر مردا“ ان کا انجام اور ان کا ٹھکانا۔

77 ”الفرایت الذی کفر بایاتنا وقال لاوتین مالا وولدا“ سروق سے روایت ہے کہ وہ خواب نے بیان کیا۔ حضرت خواب نے بیان کیا کہ میں لوہاری کا کام کرتا تھا۔ میں نے عاص بن وائل کا کچھ کام بنایا اور میری مزدوری اس کے پاس جمع ہوگئی۔ ایک روز مزدوری مانگنے میں اس کے پاس گیا۔ عاص نے جواب دیا، خدا کی قسم! جب تک تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا انکار نہیں کرے گا میں تیرا قرض ادا نہیں کروں گا۔ میں نے کہا خوب سن لے، خدا کی قسم! جب تک تو مرد دوبارہ زندہ ہو کر اٹھے گا اس وقت تک میں بھی کفر نہیں کروں گا۔ عاص بولا کیا میں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ”الفرایت الذی کفر بایاتنا وقال لاوتین مالا وولدا“

أَطَّلَعَ الْغَيْبَ أَمْ آتَخَذَ عِنْدَ الرَّحْمَنِ عَهْدًا 78 كَلَّا ۖ سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ وَنَمُدُّهُ مِن  
الْعَذَابِ مَدًّا 79 وَنَرِيثُهُ مَا يَقُولُ وَيَأْتِينَا فَرْدًا 80 وَآتَخَذُوا مِن دُونِ اللَّهِ إِلَهَةً لِّيَكُونُوا لَهُمْ  
عِزًّا 81 كَلَّا ۖ سَيَكْفُرُونَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُونُونَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا 82 أَلَمْ تَرَ أَنَّا أَرْسَلْنَا  
الشَّيْطِينَ عَلَى الْكٰفِرِينَ تَؤْوُهُمْ آرًا 83

78 کیا یہ شخص غیب پر مطلع ہو گیا ہے یا اس نے اللہ تعالیٰ سے کوئی عہد (اس بات کا) لے لیا ہے ہرگز نہیں محض غلط کہتا ہے (اور) ہم اس کا کہا ہوا بھی لکھے لیتے ہیں اور اس کے لئے عذاب بڑھاتے چلے جائیں گے اور اس کی کمی ہوئی چیزوں کے ہم مالک رہ جائیں گے اور وہ ہمارے پاس (مال و اولاد سے) تنہا ہو کر آوے گا اور ان لوگوں نے خدا کو چھوڑ کر اور معبود تجویز کر رکھے ہیں تاکہ ان کے لئے وہ (عند اللہ) باعث عزت ہوں (ایسا) ہرگز نہیں (ہوگا بلکہ) وہ تو ان کی عبادت ہی کا انکار کر بیٹھیں گے اور ان کے مخالف ہو جائیں گے کیا آپ کو معلوم نہیں کہ ہم نے شیاطین کو کفار پر (انتلاء) چھوڑ رکھا ہے۔

تفسیر 78 ”اطلع الغیب“ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ کیا اس نے لوح محفوظ میں دیکھ لیا ہے۔ مجاہد کا قول ہے کہ کیا اس کو علم غیب حاصل ہو گیا ہے کہ وہ آخرت میں مال و اولاد حاصل ہونے کا دعویٰ کر رہا ہے۔

”ام اتخذ عند الرحمن عهدا“ عہد سے مراد لا الہ الا اللہ ہے۔ قتادہ نے کہا کہ عہد سے مراد ہے کہ اس نے جو نیک

عمل کیا اور اس کو آگے بھیجا۔ کبھی کا قول ہے کہ عہد سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل فرمائیں گے۔

80 "کَلَّا" ہرگز ایسا نہیں ہے۔ "سَنُكَبُّ" ہم اس کو محفوظ کریں گے۔ "مَا يَقُولُ" ہم اس کو آخرت میں بدلہ دیں گے اور بعض نے کہا کہ ہم ملائکہ کو حکم دیا ہے کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں ان کو لکھ دو۔ "وَنَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا" ہم ان کے لیے عذاب کو مزید زیادہ کریں گے اور بعض نے کہا کہ ہم ان کے مدت عذاب کو مزید طویل کریں گے۔

81 "وَنُرِثُهُ مَا يَقُولُ" ان کے پاس جو مال و اولاد ہے اور جن کی ملکیت کا دعویٰ ہے ہم اس کو ہلاک کر کے وہ مال و اولاد ہم اپنے قبضہ میں لے لیں گے کیونکہ ان کا یہ گمان تھا کہ یہ مال و اولاد ہمیں آخرت میں کام آئیں گے۔ ہم نہ قیامت کے دن ان کو یہ مال عطا کریں گے اور نہ ہی اس کے علاوہ کوئی اور کو دیں گے اور بعض نے کہا کہ ان کے اس قول کا معنی "وَنُرِثُهُ مَا يَقُولُ" کہ جو کچھ وہ کہتے ہیں ہم اس کو اپنے پاس محفوظ رکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ ہم ان کو بدلہ دیں گے۔ "وَيَاتِينَا فَرْدًا" ان کو قیامت کے دن اکیلے اکیلے لائیں گے نہ تو ان کے پاس مال ہوگا اور نہ ہی اولاد۔

82 "وَاتَّخِذُوا مِن دُونِ اللَّهِ آلِهَةً" اس سے مراد مشرکین قریش ہیں جنہوں نے بتوں کو اپنا معبود بنا رکھا ہے۔ "لِيَكُونُوا لَهُمْ عِزًّا" ان کو روکنے والے۔ یہ لوگ ان بتوں کی اس وجہ سے پوجا کرتے ہیں کہ انہوں نے ان کو سفارشی بنایا ہوا ہے کہ قیامت کے دن یہ بت ان کے گمان کے مطابق ان کی سفارش کریں گے۔

83 "کَلَّا" ایسا امر نہیں جیسا کہ ان لوگوں کا گمان ہے۔ "سَيَكْفُرُونَ بِعِبَادَتِهِمْ" اس وقت یہ بت اور معبودان سے انکار کر لیں گے اور ان سے برأت کر لیں گے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی "سَبْرًا أَلَيْكَ مَا كَانُوا يٰۤاِنَّا يَعْبُدُونَ" "وَيَكُونُونَ عَلَيْهِمْ حِزًّا" کافروں کے باطل معبود قیامت کے دن ان کے دشمن اور مخالف ہو جائیں گے۔ ان کی تکذیب اور ان پر لعنت کریں گے اور بعض نے کہا کہ قیامت کے دن یہ کافر اپنے اللہ کے مخالف ہو جائیں گے۔ دُنیا میں تو ان کی پوجا کرتے تھے لیکن آخرت میں مکر ہو جائیں گے۔

84 "الْم تَرٰنَا اِرْسَلْنَا الشَّيَاطِينَ عَلٰى الْكَافِرِينَ" یعنی شیطانوں کو ہم نے کافروں پر مسلط کر رکھا ہے۔ یہ اس وقت ہے جب شیطان سے فرمایا "وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَفْزَعْتْ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ" ..... "تَوَزَّهْمُ اِزًّا" یعنی جھوٹ فریب دے کر گناہوں پر آمادہ کرنا اور بہکا کر خواہشات کے پیچھے لگا دینا۔ "اِزًّا" اور "وَالهَزُّ" حرکت دینے کو کہتے ہیں۔ یعنی ان کو حرکت دیتے، آمادہ کرنے اور گناہوں پر آمادہ کرنا۔

فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ؕ إِنَّمَا عُدَّ لَهُمْ عَذَابٌ ۙ ۞ يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمَنِ وَفَدًا ۙ ۞

وَنَسُوقُ الْمُجْرِمِينَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ وِرْدًا ۙ ۞ لَا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمَنِ

عَهْدًا ۙ ۞ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا ۙ ۞ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا ۙ ۞ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ

مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۝۹۰ أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمَنِ وَلَدًّا ۝۹۱

﴿۹۰﴾ کہ وہ ان کو (کفر و ضلال پر) خوب ابھارتے رہتے ہیں سو آپ ان کے لئے جلدی نہ کیجئے، ہم ان کی باتیں خود شمار کر رہے ہیں اور جس روز ہم متقیوں کو رحمن (کے دارالنعیم) کی طرف مہمان بنا کر جمع کریں گے اور مجرموں کو دوزخ کی طرف پیاسا ہانکیں گے (وہاں) کوئی سفارش کا اختیار نہ رکھے گا مگر ہاں جس نے رحمن کے پاس (سے) اجازت لی ہے اور (کافر) لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد (بھی) اختیار کر رکھی ہے (اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ) تم نے (جو) یہ (بات کہی تو) ایسی سخت حرکت کی ہے کہ اس کے سبب کچھ بعید نہیں کہ آسمان پھٹ پڑیں اور زمین کے ٹکڑے اڑ جائیں اور پہاڑ ٹوٹ کر گر پڑیں اس بات سے کہ وہ لوگ خدا کی طرف اولاد کی نسبت کرتے ہیں۔

﴿تفسیر﴾ ۹۰ ”ولا تعجل علیہم“ ان کی سزا کو نہ طلب کرو۔ ”انما نعدلہم عذاباً بکلی کا قول ہے کہ اس سے مراد اہل حق، دن اور مہینے ہیں اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد انفاں ہے کہ دنیا میں اپنی زندگی کی بقدر وہ سانس لیتے ہیں، اپنے عذاب کے آنے تک۔

﴿۹۱﴾ ”یوم نحشر المتقین الی الرحمن ولفدا“ یاد کیجئے اے محمد! اس وقت کو جس دن سب لوگوں کو جمع کیا جائے گا جس شخص نے دنیا میں رحمن کی اطاعت کو اختیار کیا وہ جنت میں گروہ درگروہ جائیں گے۔ وفد بمعنی جماعت کے ہے۔ جیسے راکب جمع ہے رکب کی۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس کا معنی سوار ہو کر کرنے سے کرتے ہیں۔

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ وہ اونٹوں پر سوار ہو کر جنت میں جائیں گے۔ حضرت علی بن ابی طالب نے فرمایا خدا کی قسم! کہ ان کو پیدل نہیں لیجایا جائے گا بلکہ ایسی اونٹنیوں پر جن کے کجاوے سونے کے ہوں گے، سوار کیا جائے گا اور ان اصیل گھوڑوں پر سوار کر کے لیجایا جائے گا جن کی زینیں یا قوت کی ہوں گی، اگر اہل جنت چاہیں گے تو سوار یاں اڑنے لگیں گی۔

﴿۹۲﴾ ”ونسوق المجرمین“ جھوٹے کافروں کو ”الی جہنم وردا“ اس کا معنی پیدل ہے اور بعض نے کہا کہ وہ پیاسے آئیں گے کہ شدت پیاس سے ان کی گردنیں ٹوٹ رہی ہوں گی، ورد کہتے ہیں پانی پرائے والی جماعت کو۔

﴿۹۳﴾ ”لا یملکون الشفاعة الا من اتخذ عند الرحمن عهداً“ اس سے مراد لا الہ الا اللہ ہے۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ شفاعت نہیں کریں لیکن وہ جن کا اللہ کے ہاں عہد ہے اور وہ مؤمنین ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ”لا یشفعون الا لمن ارتضیٰ من رسول“ اور بعض نے کہا کہ کوئی شفاعت نہیں کر سکتا مگر جس شخص نے یہ گواہی دی لا الہ الا اللہ۔ الحاصل مؤمن کے بغیر کوئی گواہی نہیں دے سکتا۔

﴿۹۴﴾ ”وقالوا اتخذ الرحمن ولداً“ اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں اور وہ لوگ جن کا یہ گمان تھا کہ ملائکہ اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ حمزہ اور کسائی نے ”ولنا“ واؤ کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے اس جگہ پر اور سورۃ زخرف اور سورۃ نوح میں۔ ابن کثیر، ابو عمر و ابو یعقوب قراء کے ساتھ سورۃ نوح میں ان کی متابعت کی ہے اور دوسرے قراء نے واؤ کے فتح سے پڑھا ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں جیسے عرب و العرب اور عجم و العجم ہے۔



89 "لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اٰذَا" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے "اٰذَا" کا ترجمہ منکر سے کیا ہے۔ یعنی بُری، مجاہد اور قتادہ نے اس کا معنی سخت بُری کیا ہے۔ مقال نے اس کا معنی کیا ہے بہت بڑا، عربی زبان میں اِذْ کا معنی ہے بہت بڑا حادثہ۔

90 "تَكَادُ السَّمَوَاتُ" نافع اور کسائی نے (تکاد) پڑھا ہے اور "حَمَعَسِقُ" نفل کی تقدیم کی وجہ سے اس طرح پڑھا ہے اور باقی قراء نے (تکاد) تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔

"يَتَفَطَّرُونَ مِنْهُ" یہاں پر اسی طرح ہے جبکہ "حَمَعَسِقُ" میں نون کے ساتھ (انفطار) ذکر کیا ہے۔ ابو عمرو، یعقوب، ابو بکر نے ابن عامر اور حمزہ کی موافقت کی ہے اور باقی قراء نے تاء کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ تَفَطَّرَ سے ان دونوں کا معنی ایک ہی ہے۔ "انفطر الشيء وتفطر" وہ ٹوٹ جائیں گے۔

"وتنشق الارض وتخر الجبال هُذًا" وہ ٹوٹ جائیں گے بکھر جائیں گے۔ بعض نے کہا کہ "تنشق الارض" سے مراد زمین میں وھنس جانا۔ "انفطار في السماء" آسمان پھٹ کر اس پر گر جائے اور پہاڑ ٹوٹ کر گر جائیں گے۔

"ان دعوا" تاکہ ان کو بنا لے "للرحمن ولذا" ابن عباس و کعب رضی اللہ عنہم کا قول ہے سوائے جن وانس کے آسمان، زمین، پہاڑ اور ساری مخلوق اس قول سے خوف زدہ ہو گئی۔ قریب تھا کہ سب اپنی جگہ سے ہٹ جائیں۔ فرشتے بھی غضبناک ہو گئے اور جہنم بھی بھڑک اُٹھی۔ جب انہوں نے کہا "اتخذ الله ولدا" پھر آنے والی آیات میں اس کی نفی فرمائی۔

وَمَا يَنْبَغِي لِلرَّحْمَنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ۗ اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّا اَتِي  
الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ۗ لَقَدْ اَحْصٰهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ۗ ۙ وَكُلُّهُمْ اَتِيهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ۗ اِنْ  
الدِّينَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ۗ ۙ فَاِنَّمَا يَسْرُنٰهُ  
بِلِسٰنِكَ لِتُبَشِّرَ بِهٖ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ۗ ۙ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَوْمٍ  
هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ۗ ۙ

تسکین) حالانکہ خدا تعالیٰ کی شان نہیں کہ وہ اولاد اختیار کرے (کیونکہ) جتنے بھی کچھ آسمانوں اور زمین میں ہیں سب خدا تعالیٰ کے روبرو غلام ہو کر حاضر ہوتے ہیں (اور) اس نے سب کو (اپنی قدرت میں) احاطہ کر رکھا ہے اور سب کو شمار کر رکھا ہے اور قیامت کے روز سب کے سب اس کے پاس تہا تہا حاضر ہوں گے۔ بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے اللہ تعالیٰ ان کے لئے محبت پیدا کر دے گا سو ہم نے اس قرآن کو آپ کی زبان (عربی) میں اس لئے آسان کیا ہے کہ آپ اس سے متقیوں کو خوشخبری سادیں اور (نیز) اس سے جھگڑالو آدمیوں کو خوف دلادیں اور ہم نے ان کے قبل بہت سے گروہوں کو (عذاب و قہر سے) ہلاک کر دیا ہے (سو) کیا آپ ان میں سے کسی کو دیکھتے ہیں یا ان کی کوئی آہستہ آواز سنتے ہیں۔

تفسیر 92 ”وما ینبغی للرحمن ان یتخذ ولدا“ مناسب یہ ہے کہ اس کے لیے ولد قرار نہ دیا جائے اور نہ ہی اس کی طرف نسبت کی جائے۔

93 ”ان کل من فی السموات والارض الا اتی الرحمن“ وہ آئے گی قیامت کے دن۔ ”عبدا“ ذلیل و رسوا ہو کر کیونکہ ساری مخلوق اسی کی غلام ہے۔

94 ”لقد احصاهم وعلہم عدا“ سب کو اس نے گن کر رکھا ہے ان کے نفسوں کو ان کے دنوں کو اور ان کے آثار کو شمار کر رکھا ہے اس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔

95 ”وکلہم آتیہ یوم القیامۃ فردا“ وہ اکیلا آئے گا اس کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔

96 ”ان اللدین آمنوا و عملوا الصالحات سیجعل لہم الرحمن ودا“ اس سے مراد محبت ہے۔ مجاہد کا قول ہے کہ اللہ ان سے محبت کرتا ہے اور وہ بھی اپنے مؤمن بندوں سے محبت رکھتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ جب اللہ اپنے بندے سے محبت کرتے ہیں تو جبرئیل علیہ السلام سے کہتے ہیں کہ میں فلاں شخص سے محبت کرتا ہوں۔ آپ بھی اس کے ساتھ محبت کرو، اس کے ساتھ حضرت جبرئیل علیہ السلام محبت کرتے ہیں۔ پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام آسمان میں آواز لگاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص کے ساتھ محبت کرتے ہیں۔ آپ بھی ان کے ساتھ محبت کرو، آسمان والے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر اس کی قبولیت آسمان میں سے زمین کی طرف ڈالی جاتی ہے۔

ہرم بن حیان کا قول ہے جس بندے کا دل اللہ کے نزدیک مقبول ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس بندے کی دل کی محبت مؤمنین کے دل میں ڈال دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس کو محبت دی جاتی ہے۔

97 ”فانما یسرناہ بلسانک“ کہ ہم نے قرآن کو آپ کی زبان پر آسان کر دیا اے محمد! ”لتبشر بہ المتقین“ اس سے مؤمنین مراد ہیں۔ ”وتندر بہ قومالذنا“ سخت جھگڑالو، یہ الکی جمع ہے۔ حسن کا قول ہے کہ حق سے بہرا ہونا مجاہد کا قول ہے کہ اللہ ظالم کو کہتے ہیں جو کبھی راہ راست پر نہ آئے۔ ابو عبیدہ کا قول ہے اللہ وہ شخص ہے جو باطل کا مدعی ہو اور حق کا منکر ہو۔

98 ”وکم اہلکنا قبلہم من قرن هل نحس“ بعض نے کہا کہ کیا تم دیکھتے ہو۔ بعض نے کہا کہ کیا تم پاتے ہو۔ ”منہم من احد او تسمع لہم دکترا“ آواز کو کہا جاتا ہے اور یہ پست آواز کو کہتے ہیں۔ حسن کا قول ہے وہ سب ظاہر ہو جائیں نہ ان میں کوئی باقی بچ جائے گا اور نہ ہی ان کا کوئی نشان باقی ہوگا۔



## سُورَةُ طه

کی سورت ہے۔ اس میں ۱۵۳ آیات ہیں۔

### بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

طه ۱ مَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقَى ۲ إِلَّا تَذَكُّرَةً لِّمَنْ يُّخْشَى ۳ تَنْزِيلًا مِّمَّنْ خَلَقَ  
الْأَرْضَ وَالسَّمَوَاتِ الْعُلَى ۴ الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى ۵ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا  
فِي الْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرَى ۶

﴿طہ﴾ (کے معنی تو اللہ کو معلوم ہیں) ہم نے آپ پر قرآن (مجید) اس لئے نہیں اتارا کہ آپ تکلیف اٹھائیں بلکہ  
ایسے شخص کی نصیحت کے لئے (اتارا ہے) کہ جو (اللہ سے) ڈرتا ہو یہ اس ذات کی طرف سے نازل کیا گیا ہے جس  
نے زمین کو اور بلند آسمانوں کو پیدا کیا ہے (اور) وہ بڑی رحمت والا عرش پر قائم ہے اسی کی ملک ہیں جو چیزیں آسمانوں  
میں ہیں اور جو چیزیں زمین میں ہیں اور جو چیزیں ان دونوں کے درمیان میں ہیں اور جو چیزیں تختِ اعرشی میں ہیں۔

﴿تفسیر﴾ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ  
مجھے سورت دی گئی جو سورۃ بقرہ سے پہلے ذکر کی گئی اور مجھے ط اور طوا سین دی گئی جو موسیٰ علیہ السلام کے الواح میں سے تھی اور مجھے  
فاتحہ القرآن اور خواتیم السورۃ دی گئی۔ سورۃ بقرہ عرش کے خزانوں میں سے ہے اور مفصلات زائد عطا کی گئیں۔

① ”طہ“ ابو عمرو نے ط کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے اور ہاء کے کسرہ کے ساتھ۔ حمزہ، کسائی، ابوبکر نے دونوں کے کسرہ کے  
ساتھ ذکر کیا اور دوسرے قراء نے دونوں کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ لفظ قسم ہے۔ بعض نے کہا کہ اللہ کے اسماء  
میں سے ہے۔ مجاہد، عطاء، ضحاک کا قول ہے کہ ”طہ“ کا معنی ہے اے مرد! قتادہ نے کہا کہ یہ سیرانی زبان میں اس کا معنی ہے اے مرد!  
کلبی کا قول ہے کہ قبیلہ عک کے محاورے میں ”طہ“ کا ترجمہ ہے اے انسان! مقاتل کا بیان ہے کہ طہ کا معنی ہے زمین کو  
اپنے دونوں قدموں سے پامال کرو یعنی تہجد کی نماز میں۔ محمد بن کعب قرظی کا قول ہے کہ یہ قسم ہے جو اللہ تعالیٰ نے اٹھائی ہے۔ سعید  
بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ طہ سے ظاہر اور ہاء سے مراد ہاد ہے۔ کلبی کا بیان ہے کہ جب مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

بروحی نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم عبادت میں زیادہ سرگرم رہنے لگے۔ نماز میں طویل قیام کی وجہ سے کبھی ایک پاؤں سکتے کبھی دوسرا اٹھاتے اور دوسرا سکتے تو پہلا اٹھالیتے تھے اور رات بھر نماز میں مشغول رہتے تھے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور حکم ہوا کہ اپنے نفس کیلئے تخفیف کریں۔

② "ما انزلنا عليك القرآن لتشقى" بعض نے کہا کہ جب مشرکین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عبادت میں بہت زیادہ مشغول دیکھا تو وہ کہنے لگے کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کے اوپر قرآن نازل ہوا، آپ کو اس نے مشقت میں ڈال دیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ ہم نے اس قرآن کو آپ کی مشقت کے لیے نازل نہیں فرمایا۔ شقی اصل میں سختی اور تنگی کو کہتے ہیں۔

③ "الا تذكرة لمن يخشى" اس کا نازل ہونا نصیحت ہے جو شخص ڈرا اور بعض نے کہا کہ تقدیری عبارت یوں ہوگی کہ ہم نے اس کو اس وجہ سے نازل نہیں کیا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں بلکہ اس لیے نازل کیا تاکہ اس سے نصیحت حاصل کرے وہ شخص جو ڈرے۔

④ "تنزيلا" تذکرۃ کے بدلے میں ذکر کیا۔ "ممن خلق الارض" اس ذات کی طرف سے ہے جس نے زمین کو پیدا کیا۔ "والسموات العلی" اور بلند آسمانوں کو پیدا کیا۔ "العلی" جمع ہے علیا کی جیسے کبری جمع ہے کبر کی۔.....

⑤ "الرحمن علی العرش استوی"

⑥ "له ما فی السموات وما فی الارض وما بينهما" اس سے مراد ہوا ہے۔ "وما تحت الثرى" ثری سے مراد نناک جوٹی کے نیچے ہوتی ہے۔ ضحاک کا قول ہے جوٹی کے نیچے چھپی ہوئی ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ زمینیں مچھلی کی پشت پر ہیں اور مچھلی سمندر پر اور مچھلی کی ڈم اور سرعرش کے نیچے باہم مل گئے ہیں۔ سمندر پتھر کی ایک آسمانی رنگ کی چٹان پر ہے۔ یہ چٹان وہی ہے جس کا ذکر حضرت لقمان کے قصہ میں اللہ نے کیا ہے "فتکن فی صحرة" چٹان تیل کے سینگ پر رکھی ہوئی ہے اور تیل ثری پر قائم ہے اور ثری سے نیچے کیا ہے۔ اسے سوائے اللہ کے اور کوئی واقف نہیں۔ تیل منہ کھولے ہوئے ہے جب اللہ سب سمندروں کو ملا کر ایک سمندر کر دے گا تو یہ سب سمندر اس تیل کے منہ کے اندر جا کر ہیٹ میں اتر کر خشک ہو جائیں گے۔

وَأَنَّ تَجَهَّرَ بِأَقْوَابِهِ فَإِنَّهُ يَعْلَمُ السِّرَّ وَأَخْفَى ⑦ أَلَلَّهُ لَأَلِ اللَّهِ الْإِلَهُ. لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى ⑧

وَهَلْ أُنَبِّئُكَ حَدِيثَ مُوسَى ⑨ إِذْ رَأَى نَارًا فَقَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا إِنِّي آنَسْتُ نَارًا لَعَلِّي آتِيكُمْ

مِنْهَا بِقَبَسٍ أَوْ أَجْدَ عَلَى النَّارِ هُدًى ⑩ فَلَمَّا أَتَاهَا نُودِيَ يَمْوَسَى ⑪ إِنِّي آنَأْتُكَ فَاخْلَعْ

نَعْلَيْكَ إِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ⑫ وَأَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوحَى ⑬ إِنِّي

أَنَا اللَّهُ لَأَلِ اللَّهِ الْإِلَهُ أَنَا فَاعْبُدْنِي وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي ⑭

⑭ اور (علم کی یہ شان ہے کہ) اگر تم پکار کر بات کہو تو وہ چپکے سے کہی ہوئی بات کو اور اس سے بھی زیادہ غشی کو جانتا ہے وہ اللہ ایسا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اس کے اچھے اچھے نام ہیں اور کیا آپ کو موسیٰ (علیہ السلام کے قصہ)

کی خبر بھی پہنچی ہے جبکہ انہوں نے (مدین سے آتے ہوئے رات کو) ایک آگ دیکھی سواپنے گھر والوں سے فرمایا کہ تم ٹھہرے رہو میں نے ایک آگ دیکھی ہے شاید میں اس میں سے تمہارے پاس کوئی شعلہ لاؤں یا (وہاں) آگ کے پاس رستہ کا پتہ مجھ کو مل جاوے سو وہ جب اس (آگ) کے پاس پہنچے تو ان کو مغناہ اللہ) آواز دی گئی کہ اے موسیٰ میں تمہارا رب ہوں پس تم اپنی جوتیاں اتار ڈالو (کیونکہ) تم ایک پاک میدان یعنی طوی میں ہو (یہ اس کا نام ہے) اور میں نے تم کو (نبی بنانے کے لئے) منتخب فرمایا ہے سو (اس وقت) جو کچھ وحی کی جا رہی ہے اس کو سن لو (وہ یہ ہے کہ) میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں تم تو میری ہی عبادت کرو اور میری ہی یاد کی نماز پڑھا کرو۔

تفسیر 7..... ”وان تجهر بالقول“ اگر تم اس کا اعلان کرو گے۔ ”فانه يعلم السر واخفى“

## سر اور اخفی کی تفسیر

حسن کا قول ہے کہ سر وہ خفی بات ہے جو آدمی چپکے سے دوسرے سے کہہ دیتا ہے اور اخفی وہ پوشیدہ بات جس کو اپنے دل ہی میں چھپائے رکھتا ہے۔

حضرت ابن عباس اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہم نے فرمایا سر وہ پوشیدہ بات ہے جو آدمی اپنے دل میں رکھتا ہے اور اخفی وہ بات جو آئندہ اللہ دل میں پیدا کرتا ہے اور اس وقت کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ آئندہ اللہ کی طرف سے دل میں کیا بات پیدا ہوگی ہم آج جس چیز کو اپنے دل میں پوشیدہ رکھتے ہیں اس سے تو واقف ہوتے ہیں لیکن کل کو ہمارے دل میں کیا بات آئے گی اس سے ناواقف ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ آج کے پوشیدہ خیال سے بھی واقف ہے اور آئندہ جو کچھ ہم دل میں پوشیدہ رکھیں گے اس سے بھی واقف ہے۔

علی بن طلحہ کی روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول اس طرح آیا ہے کہ سر وہ پوشیدہ بات ہے جو آدمی اپنے دل میں چھپائے رکھتا ہے اور اخفی وہ بات ہے جو آدمی کو خود بھی نہیں معلوم کہ وہ آئندہ کیا کرے گا جب تک کہ نہ لے، اس کو معلوم نہیں ہوتی۔

مجاہد کا قول ہے سر وہ پوشیدہ کام ہے جس کو تم لوگوں سے چھپاتے ہو اور اخفی سے مراد وہ سوسہ ہے۔ بعض علماء نے کہا سر سے مراد ہے عزیمت کسی بات کا پختہ ارادہ اور اخفی وہ خیال ہے جو دل میں گزرتا ہے مگر اس کا پختہ ارادہ نہیں ہوتا۔

زید بن اسلم نے کہا کہ اللہ پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے اور اپنے بندوں سے ان کو پوشیدہ رکھا ہے۔ کسی کو اپنے اسرار پر واقف نہیں۔

8..... ”اللہ لا الہ الا هو له الاسماء الحسنی“.....

9 ”وہل انک حدیث موسیٰ“ استفہام تقریری ہے۔ یقیناً موسیٰ علیہ السلام کا قصہ تمہیں پہنچ گیا ہے۔

10 ”اذ رای ناراً“ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت شعیب علیہ السلام سے مصر لوٹ کر جانے کی اجازت طلب کی تاکہ اپنی والدہ اور بہن کی زیارت کر سکیں۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے اجازت دے دی۔ آپ اپنی بی بی کے ساتھ چل پڑے

سردی کا موسم تھا، بادشاہان شام کے خوف سے آپ عام راستے کو چھوڑ کر دوسرے راستے پر چلنے لگے۔ بیوی ایام سے تھیں، صبح شام کا بھروسہ نہ تھا، راستوں سے واقف نہ تھے، صحرا میں بغیر جانے ایک راستے پر چل پڑے، وہ راستہ کوہ طور کے دائیں مغرب جانب جاتا تھا، رات تاریک اور فضا ٹھنڈی تھی، راستہ میں بیوی کو دردزہ ہونے لگا۔ آپ نے چھماق کو گرٹا، اس سے آگ نہیں نکلی۔ بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام غیرت مند آدمی تھے چونکہ بی بی ساتھ تھی اس لیے رفقائے سفر کے ساتھ رات کو چلنے تھے اور دن کو علیحدہ ہو جاتے تھے۔ ایک مرتبہ اتفاقاً راستہ بھٹک گئے، تاریک رات تھی اور برف زدہ بھی، چھماق کو گرٹا، آگ نہیں نکلی، نظر اٹھائی تو دور آگ روشن دکھائی دی جو طور کی جانب سے راستہ کے بائیں طرف تھی۔

”فقال لا اهلہ امکتوا“ آپ یہیں ٹھہرو۔ حمزہ نے حا کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ ”انی آنست“ کہ میں نے دیکھی ہے۔ ”نارا لعلی آتیکم منها بقبس“ آگ کا ایک ٹکڑا لے آؤں۔ قبس کہتے ہیں آگ کے انکارے کو۔ آگ کا وہ تھوڑا حصہ جو زیادہ آگ سے حاصل کیا جائے۔ ”او اجد علی النار ہدی“ یا میں اس آگ کے پاس کسی سے راستہ کا پتہ معلوم کر لوں۔

11 ”فلما اتاہا“ جب موسیٰ علیہ السلام وہاں پہنچے آپ نے ایک درخت کو دیکھا جو اوپر سے نیچے تک بالکل سبز تھا اور اس کے گرد گرد شفاف سفید، آگ اس کو گھیرے ہوئے تھی جو بہت زیادہ روشن تھی نہ درخت کی سبزی آگ کی روشنی اور سفیدی میں غل آتی، نہ آگ کی نورانیت درخت کی سبزی نمایاں ہونے سے مانع تھی۔ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ درخت کا رنگ گندمی سبز تھا۔

قنادہ، مقاتل اور کلبی کا بیان ہے کہ وہ عوج کا درخت تھا اور بعض نے کہا کہ وہ عناب کا درخت تھا۔ یہی ابن عباس سے بھی مروی ہے۔ اہل تفسیر یہ کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے جس کو آگ سمجھا تھا وہ آگ نہ تھی نور تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس کو آگ ہی خیال کیا تھا اس لیے اللہ نے بھی اس کو نار ہی فرمایا۔ اکثر مفسر اس بات کے قائل ہیں کہ وہ نور رب تھا۔ یہ قول ابن عباس، عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما وغیرہ کا تھا۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ وہ حقیقت میں آگ ہی تھی۔ آگ ہی چہرہ خداوندی کا حجاب ہے جس پر حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس کا حجاب آگ ہے، اگر اس حجاب آتھیں کو کھول دے تو اس کی تجلی جمال اس تمام مخلوق کو سوختہ کر دے جو اس کی حد نگاہ تک ہو۔

اس قصہ میں آیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کچھ خشک گھاس لے کر آگ کی طرف بڑھے تو آگ دور ہو گئی جس قدر اس کے قریب جاتے تھے وہ اور دور ہٹ جاتی تھی اور جب موسیٰ علیہ السلام پیچھے ہٹ جاتے تھے تو آگ قریب آ جاتی تھی۔ موسیٰ علیہ السلام حیران ہو کر کھڑے ہو گئے۔ آپ نے وہاں ملائکہ کی تسبیح کی آواز سنی، اس وقت آپ کے اوپر سیکینہ کا القاء ہوا۔ (نوددی یا موسیٰ)

12 ”انی انا ربک“ ابو جعفر، ابن کثیر، ابو عمرو نے اسی طرح پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے الف کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ کہا گیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا گیا کہ میں تمہارا رب ہوں۔ وہب کا بیان ہے کہ درخت سے آواز آئی کہ میں تیرا رب ہوں۔ جب کہا گیا اے موسیٰ! تو انہوں نے بہت جلدی جواب دیا، وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ ان کو کہاں سے پکارا جا رہا ہے۔ کہاں آپ کی آواز سن رہا ہوں لیکن آپ کی جگہ معلوم نہیں، آپ کہاں ہیں؟ آواز آئی میں آپ کے اوپر، آپ کے ساتھ، آپ کے سامنے اور آپ کے



پچھو اور آپ کے نفس کے زیادہ قریب ہوں، اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یقین ہوا کہ یہ اللہ ہے، یہ شان تو اسی کی ہے۔

”فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ“ اس کا سبب وہ ہے جو ہم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا ہے۔ بعض نے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جوتے مُردار گدھے کے چڑے سے بنے ہوئے تھے اور ایک روایت میں آتا ہے کہ وہ چڑا غیر مدبوغ تھا۔ عکرمہ اور مجاہد کا قول ہے کہ ننگے پاؤں ہو جانے کا حکم اس لیے دیا گیا کہ اس پاک زمین کی خاک سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قدم محروم نہ رہیں، پاک سرزمین کی برکت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قدموں کو حاصل ہو جائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فوراً جوتے اُتار کر وادی کے دوسری طرف پھینک دیئے۔ ”اَنْكِ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ“ کہ آپ پاک وادی میں ہیں۔ ”طوی“ یہ وادی کا نام ہے۔ اہل کوفہ اور شام نے طوی تنوین کے ساتھ پڑھا ہے اور سورت نازعات میں بھی اور دوسرے قراء نے تنوین کے بغیر پڑھا ہے کیونکہ یہ طبا سے معدول ہو کر آیا۔ ضحاک کا قول ہے کہ وادی طوی گہری تھی اور طوی کی طرح مستدیر تھی۔

15 ”وَاَنَا اخْتَرْتُكَ“ اور ہم نے آپ کی رسالت کو شمار کیا۔ حمزہ نے نون کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ بطور تعظیم کے ہم نے آپ کو چنا۔ ”فَاَسْمِعْ لِمَا يُوحَى“ جو آپ کی طرف وحی کی جاتی ہے اس کو غور سے سنو۔

16 ”اِنْتَنِ اَنَا اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاَعْبُدْنِي“ میرے علاوہ کسی اور معبود کی عبادت نہ کریں۔ ”وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدٰكِرٰى“ مجاہد کا قول ہے کہ نماز قائم کریں تاکہ اس کے ذریعے سے میری یاد ہو۔ مقاتل کا بیان ہے کہ جب تم نماز چھوڑو، پھر مجھے یاد کرو، اس کو قائم کرو۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص نماز سے بھول جائے جب اس کو یاد آئے تو اس کو پڑھ لے، اس کا کفارہ یہی ہے۔ پھر میں نے اس کو یہ کہتے ہوئے فرمایا: ”اقم الصَّلٰوةَ لِدٰكِرٰى“

اِنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا لِتُعْجِزٰى كُلُّ نَفْسٍ مِّمَّا تَسْعٰى 15 فَلَا يَصُدُّنَكَ عَنْهَا مَنْ لَا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰهُ فَتَرٰدٰى 16 وَمَا تَلٰكُ بِبِيْمٰنِكَ يٰمُوسٰى 17 قَالَ هِيَ عَصٰى اٰتَوٰكُنَّوَا عَلٰيْهَا وَاَهْشُ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ وَلِيْ فِيْهَا مَارِبٌ اٰخَرٰى 18

15 اور دوسری بات یہ سنو کہ بلاشبہ قیامت آنے والی ہے میں اس کو (تمام خلایق سے) پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں تاکہ ہر شخص کو اس کے کئے کا بدلہ مل جاوے سو تم کو قیامت سے ایسا شخص باز نہ رکھنے پاوے جو اس پر ایمان نہیں رکھتا اور اپنی (نفسانی) خواہشوں پر چلتا ہے کہیں تم (اس بے فکری کی وجہ سے) تباہ نہ ہو جاؤ اور یہ تمہارے واسطے ہاتھ میں کیا چیز ہے۔ (اے موسیٰ انہوں نے کہا کہ یہ میری لاشھی ہے) کبھی اس پر سہارا لگاتا ہوں اور (کبھی) اس سے اپنی بکریوں پر پتے جھاڑتا ہوں اور اس میں میرے اور بھی کام (نکلتے) ہیں۔

تفسیر 15 ”ان الساعۃ آتیۃ اکاد اخفیہا“ اس کا معنی یہ ہے کہ قیامت آنے والی ہے، میں اس کے مقررہ وقت کو پوشیدہ رکھوں گا۔ اکاد صمد ہے۔ اکثر مفسرین کے نزدیک اس کا معنی یہ ہے کہ میں اس کو اپنے آپ سے بھی پوشیدہ رکھتا۔ اسی طرح ابی بن کعب

رضی اللہ عنہ کے مصحف میں بھی ہے اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مصحف میں بھی اسی طرح ہے کہ اگر میں اس کو اپنے سے بھی پوشیدہ رکھتا تو مخلوق کو کیسے پتہ چلتا اور بعض قرأت میں ہے کہ پھر تمہارے لیے کیسے ظاہر ہوتی۔ عرب کی عادت ہے کہ جب وہ کسی چیز کے پوشیدہ ہونے میں مبالغہ کرتے تو کہتے کہ میں نے اس چیز کو اپنے آپ سے بھی چھپا رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز بھی مخفی نہیں اور کہا اکاد میں ارادہ کرتا ہوں۔ آیت کا معنی یہ ہے کہ قیامت آنے والی ہے۔ میرا ارادہ اس کو مخفی رکھنے کا ہے۔ اس کے چھپانے اور پوشیدہ رکھنے میں یہ حکمت ہے کہ جب لوگ اس کے وقوع کا علم نہیں جائیں گے تو ہر وقت اسی کا خوف ان کے دامن گیر رہے گا۔

حسن نے الف کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس کا معنی ہوگا کہ میں ظاہر کر دوں۔ جیسے کہا جاتا ہے ”خفیت الشيء“ کہ میں نے اس چیز کو ظاہر کر دیا ”اخفیتہ“ میں نے اس کو چھپا دیا۔ ”لنجزی کل نفس بما تسعی تمہارے عمل کا بدلہ دیں خواہ وہ نیک ہوں یا بد۔“  
 16 ”فلا یصدنک عنہا“ قیامت کے بارے میں لوگوں کے مختلف سوالات کی وجہ سے اپنے ایمان سے نہ پھر جانا۔  
 ”من لا یؤمن بہا واتبع ہواہ“ اللہ کے حکم کے خلاف ”فتردی“ اس کی وجہ سے ہلاک ہو جائیں۔

17 ”وما تلک بیمینک یا موسیٰ“ اس سوال میں یہ حکمت ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو مانوس بنانے اور ان کی وحشت خاطر کو دور کرنے کے لیے یہ سوال کیا گیا کیونکہ جب اس لاشیٰ کو سانپ کی شکل دی جائے گی تو یہ معلوم کر لیں کہ یہ عظیم معجزہ ہے۔ عرب کے ہاں بھی یہ عادت تھی کہ کسی کی بات کو پختہ کرنے کے لیے کہا جاتا ہے کہ یہ کیا چیز ہے تاکہ اس کو بعد میں شک نہ ہوتا کہ اس کے ذریعے سے قلب کی معرفت زبان سے ادا ہو۔

18 ”قال ہی عصای“ اس کا بالائی سر اور شاخہ تھا اور چٹلی جانب برجمی پیوست تھی۔ مقاتل نے کہا اس لاشیٰ کا نام تبعہ تھا۔ ”اتو کا علیہا“ کہ جب میں چلتا ہوں تو اس پر ٹیک لگاتا ہوں اور جب میں تھک جاتا ہوں تو اس پر ٹیک لگا کر کھڑا ہوتا ہوں۔ ”واہش بہا علی غنمی“ اس کے ذریعے سے میں درخت پر مارتا ہوں اور اس سے سوکھے پتے جھڑتے ہیں جن کو بھڑ بکریاں کھاتی ہیں۔ عکرمہ اس کو ”اھس“ مہین کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ اس صورت میں اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس کے ذریعے سے بکریوں کو چلاتا ہوں۔ جس کہتے ہیں بکریوں کو زجر کرنا۔ ”ولی فیہا مبارب اخروی“ اس لاشیٰ کے ذریعے اور کام بھی سرانجام دیتا ہوں اور منافع بھی اس سے حاصل کرتا ہوں۔ ”مآرب“ جمع ”مآربہ“ کی راء کے فتح کے ساتھ۔ مآرب سے مراد وہ امور ہیں جو سفر میں استعمال کیے جاتے ہیں۔ مثلاً اس کے ذریعے سے زاد اور اہلۃ کا لٹکانا اور اس کے ساتھ رسی کا باندھ دینا اور کنویں سے پانی نکالنا اور اس کے ذریعے سے موذی جانور سانپ اور وردندوں کو مارنا اور اس کے ذریعے سے گرمی میں سر پر چھاؤں کرنا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس لاشیٰ پر اپنا زاد و راحلہ اور پانی کا مشکیزہ بھی لٹکایا کرتے تھے۔ اس کے ذریعے سے وہ ٹیک لگا کر چلتے اور اسی سے اور کام بھی سرانجام دیتے تھے۔ اس لاشیٰ کو زمین پر مارتے تھے اور اس سے اس دن کا طعام نکل جاتا اور اس کو گاڑتے تھے، اس کے ساتھ اس سے پانی لکھتا تھا۔ جب اس کو اٹھاتے تھے تو وہ پانی بند ہو جاتا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کسی پھل کے کھانے کی خواہش کرتے تو اس کو گاڑتے تو وہ

سر سبز ٹہنی بن جاتی اور اس پر پتے لگتے اور پھل لگتے اور جب پیاس لگتی تو کنویں سے پانی نکالنے کے لیے اس لاشی کو کنویں میں ڈالتے تو اس لاشی میں اس طرح پانی آ جاتا جیسے ڈول میں آ جاتا ہے۔ پھر اس سے پیتے تھے اور رات کے وقت وہ لاشی چراغ کا کام دیتی اور جب کوئی دشمن آ جائے تو اس لاشی کے ذریعے اس دشمن کو مار دیتے۔

قَالَ أَلْقَهَا يَمْوَسِي ۱۹ فَأَلْقَهَا فَاذَاهِيَ حَيَّةٌ تَسْعَى ۲۰ قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا الْأُولَى ۲۱ وَاضْمُمْ يَدَكَ إِلَى جَنَاحِكَ تَخْرُجُ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ آيَةً أُخْرَى ۲۲ لِنُرِيكَ مِنْ آيَاتِنَا الْكُبْرَى ۲۳

﴿تفسیر﴾ ارشاد ہوا کہ اس کو (زمین پر) ڈال دو اے موسیٰ سو انہوں نے اس کو ڈال دیا کیا ایک وہ (خدا کی قدرت سے) ایک دوڑتا ہوا سانپ بن گیا ارشاد ہوا کہ اس کو پکڑ لو اور ڈرو نہیں ہم ابھی اسکو اس کی پہلی حالت پر کر دیں گے اور تم اپنا (داهنا) ہاتھ اپنی (بائیں) بغل میں دے لو (پھر نکالو) وہ بلا کسی عیب (یعنی) بلا کسی مرض (غیرہ) کے نہایت روشن ہو کر نکلے گا کہ یہ دوسری نشانی ہوگی۔ تاکہ ہم تم کو اپنی (قدرت کی) بڑی نشانیوں میں سے بعض نشانیاں دکھلائیں۔

﴿تفسیر﴾ ۱۹ "قال" اللہ تعالیٰ نے فرمایا "الْقَهَا يَمْوَسِي" اس کو ڈال دے۔ دہب کا بیان ہے کہ پھینک دینے کا حکم سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سمجھے کہ اس لاشی کو بھی جو توں کی طرح پھینک۔

۲۰ "فَالْقَاهَا" جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو پھینک دیا، پھر تعویل حکم کے بعد نظر موڑ کر دیکھا تو کیا "فَاذَاهِيَ حَيَّةٌ" زرد رنگ کا بڑا سانپ "تَسْعَى" وہ زمین پر بڑی تیزی کے ساتھ چل رہا تھا۔ دوسری جگہ میں اس طرح ذکر کیا گیا "كَانَهَا جَانًّا" چھوٹے سانپ کو کہا جاتا ہے جو بہت خفیف الحُرکت ہوتا ہے اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا "ثَعْبَان" اس کا ترجمہ ہے اڑدھا جو سانپوں میں سب سے بڑا ہوتا ہے۔ لفظ "حَيَّةٌ" کا اطلاق سانپ پر ہوتا ہے، بڑا ہوا یا چھوٹا ہو یا مادہ ہو یا نر۔ جان سانپ کی ابتدائی حالت کو کہتے ہیں، پھر وہ لاشی کی طرح بڑا ہونے لگا، پھر وہ بڑھتا گیا اور پھولتا گیا حتیٰ کہ اڑدھا بن گیا اور ثعبان انتہائی حالت کی وجہ سے کہا اور بعض نے کہا کہ بڑا جسٹ ہونے کے اعتبار سے اس کو ثعبان کہا اور تیزی میں چلنے کی وجہ سے جان کہا۔

محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب اپنی لاشی کو دیکھا تو ان کو بجائے لاشی کے ایک بڑا اڑدھا نظر آیا۔ لاشی کا دو شاخہ سانپ کی دو باجھیں بن گیا تھا اور لاشی کی موٹھ سانپ کی گردن ہو گئی تھی جس کے سر پر بال بھی تھے، انگارے کی طرح اس کی دونوں آنکھیں دکھ رہی تھیں اور اس کے دانتوں کے رگڑنے کی کرکر کی طرح آواز سنائی دے رہی تھی۔ تیزی کے ساتھ ادھر ادھر دوڑ رہا تھا، بڑی چٹان پر منہ مارتا تھا تو اس کو بھی لقمہ بنا لیتا تھا اور بڑے بڑے درختوں کو گلڑے گلڑے کر دیتا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام یہ دیکھ کر ڈر کر پشت پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے لیکن پھر ان کے دل میں اپنے رب کا خیال آیا تو شرمندہ ہو کر رُک کر کھڑے ہو گئے، آواز آئی۔

21 "قال خذها" دائیں ہاتھ سے اس کو پکڑ لیجئے "ولا تخف سعيها سيرتها الاولى" ہم اس کو پہلی حالت پر لوٹا دیں گے۔ اس کو عصا بنا دیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس وقت اونچی چغہ پہنچے ہوئے تھے، جب حکم ہوا "خذها" اس کو پکڑ لو تو آپ نے چغہ کا دامن ہاتھ کو لپیٹ کر پکڑنا چاہا، اللہ نے حکم دیا کہ ہاتھ کھول دو، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہاتھ سے اس کو کھول دیا۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہاتھ پر دامن کا چغہ لپیٹ لیا تو فرشتے نے کہا، دیکھو آپ کو کس بات کا خوف ہے؟ اگر اس کے واقع ہو جانے کا اللہ حکم دے دے تو کیا یہ چغہ اس کو دور کر سکتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا نہیں لیکن میں کمزور ہوں اور میرا ضعف خلقی ہے اس کے بعد آپ نے ہاتھ کھول کر سانپ کے منہ میں دے دیا۔ یکدم سانپ لاشمی بن گیا اور ویسی ہی کھڑی ہو گئی جیسے پہلے تھی اور لاشمی کا وہ دو شاخہ سرا ہاتھ میں آ گیا جس پر سہارا دے کر آپ کھڑے ہوتے تھے۔ مفسرین کا قول ہے کہ اللہ نے یہ نشان قدرت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس لیے دکھایا کہ جب فرعون کے سامنے موسیٰ علیہ السلام یہ معجزہ دکھائیں تو خود خوف زدہ نہ ہو جائیں۔ "سیرتہا" منصوب ہے الی کے حذف ہونے کے ساتھ۔

22 "واضمم يدك الي جناحك" اپنی بغل سے اپنے ہاتھ نکالیں۔ مجاہد کا بیان ہے کہ اپنے پہلو سے نکالو۔ جناح آدمی کا بازو بغل کے اندر تک جناح کہلاتا ہے۔ "تخرج بيضاء" وہ چمکتا ہوا نظر آئے گا۔ "من غير سوء" بغیر کسی کے عیب سے سوء سے مراد یہاں برص ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے روشن، چمک دار نور برآمد ہوتا تھا جو دن میں یارات میں ہر وقت چاند سورج کی طرح جھلکتا تھا۔ "آية اخري" یہ دوسری نشانی ہے آپ کی صداقت پر عصا کے علاوہ۔

23 "لنريك من آياتنا الكبرى" کبر ذکر نہیں کیا اور بعض نے کہا کہ اس میں اضمار ہے۔ اس کا معنی یہ ہوگا تا کہ ہم اس کے ذریعے سے بڑے بڑے معجزے دکھائیں۔ اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر بڑی بڑی نشانیاں واضح ہوئیں۔

اِذْهَبْ اِلَى فِرْعَوْنَ اِنَّهُ طَغٰى 24 قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي 25 وَيَسِّرْ لِي اَمْرِي 26  
وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِي 27 يَفْقَهُوا قَوْلِي 28 وَاَجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِي 29 هَرُوْنَ  
اٰخِي 30 اَشْدُّدِيْۤ اَزْرِي 31 وَاَشْرِكْهُ فِىْ اَمْرِي 32

﴿تجوید﴾ (اب یہ نشانیاں لے کر) تم فرعون کے پاس جاؤ وہ بہت حد سے نکل گیا ہے عرض کیا کہ اے میرے رب میرا حوصلہ فراخ کر دیجئے اور میرا (یہ) کام (تبلیغ کا) آسان فرما دیجئے اور میری زبان پر سے بنگلی (کننت کی) ہٹا دیجئے تاکہ لوگ میری بات سمجھ سکیں اور میرے واسطے میرے کنبہ میں سے ایک معاون مقرر کر دیجئے۔

تفسیر 24 "اذهب الی فرعون انه طغی" وہ نافرمانی میں حد سے تجاوز کر چکا ہے۔ اس کو میری عبادت کی طرف دعوت دو۔

25 "قال" حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا "رب اشرح لی صدری" حق کے لیے میرے سینے کو کشادہ کر دے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ کہنا چاہتے تھے کہ میں تیرے سوا کسی سے بھی نہ ڈروں۔ بات یہ تھی کہ فرعون اور اس کے لشکر اور اقتدار کی وہ شان و شوکت تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی اس سے خوف محسوس ہوتا تھا۔ اس لیے آپ نے شرح صدر اور بے خوف ہو جانے کی دُعا کی۔

26 "ویسر لی امری" فرعون کو تبلیغ و دعوت دینے کے امر میں میری مدد اور آسانی فرما۔ "واحلل عقدة من لسانی" یہ اس وجہ سے کہ بچپن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کی پرورش میں تھے کہ آپ نے اس کے منہ پر ایک زوردار طمانچہ مارا اور اس کی داڑھی نوج ڈالی۔ فرعون نے اپنی بیوی آسیہ سے کہا کہ یہ میرا دشمن ہے میں اس کو قتل کروائے دیتا ہوں۔ آسیہ نے کہا کہ یہ بچہ ہے، بے سمجھ، اس کو کچھ تیز نہیں، اچھے اور برے کو نہیں پہچانتا۔

27 ایک روایت میں آتا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے آپ کو دودھ چھڑایا تو واپس لا کر آسیہ کو دے دیا۔ چنانچہ آپ علیہ السلام نے فرعون اور اس کی بیوی کی گود میں پرورش پائی۔ دونوں نے آپ کو بیٹا بنا لیا۔ ایک روز فرعون کے سامنے کھیل رہے تھے اور ہاتھ میں ایک چھڑی تھی، یکدم چھڑی فرعون کے سر پر مار دی، فرعون نے غضبناک ہو کر قتل کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ آسیہ نے کہا بادشاہ سلامت یہ بے سمجھ بچہ ہے، اگر آپ چاہیں تو تجربہ کر لیں۔ چنانچہ آسیہ نے دو طشت منگوائے، اس میں ایک کے اندر انگارے بھر دیئے اور دوسرے میں جواہرات اور یاقوت وغیرہ اور دونوں طشت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے رکھ دیئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے ہاتھ بڑھا کر جواہرات کے طشت میں ڈالنا چاہا لیکن حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ علیہ السلام کا ہاتھ پکڑ کر انگاروں والے طشت میں ڈال دیا، آپ نے انگارا پکڑ کر منہ میں رکھ لیا جس سے آپ کی زبان جل گئی اور زبان میں گرہ پیدا ہو گئی۔

28 "یفقهوا قولی" میری اس گرہ کو کھول دیجئے تاکہ وہ میرا کلام سن سکیں۔

29 "واجعل لی وزیراً" میرے لیے وزیر اور مددگار بنا دیجئے۔ "من اہلی" وزیر یوازہ رک سے ہے۔ ایسا وزیر جو میرے ساتھ کچھ بوجھ اٹھالے۔ پھر بیان کیا کہ وہ وزیر کون ہوگا۔

30 "ہارون اخی" حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے چار سال بڑے تھے اور وہ فصیح لسان تھے اور خوبصورت تھے۔ سفید رنگ کے تھے اور موسیٰ علیہ السلام حضرت آدم کی طرح۔

31 "اشدہ اذری" اس کے ذریعے سے میری کمر کو مضبوط کر دے۔

32 "واشركہ فی امری" میری نبوت اور تبلیغ رسالت میں ہارون کو میرا ساتھی بنا دے۔ بعض قراء نے ہمزہ کے نکتہ سے پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے اس کو دُعا اور سوال پر محمول کیا۔ جیسا کہ ما قبل میں گزرا ہے۔ "رب اشرح لی صدری ویسر لی امری"

كَمْ نَسَبَحَكَ كَثِيرًا 30 وَنَذْكُرَكَ كَثِيرًا 31 اِنَّكَ كُنْتَ بِنَابِصِيرًا 32 قَالَ لَقَدْ اُوتِيْتُ

سُؤْلَكَ يَمْوَسِي ۞۳۶ وَ لَقَدْ مَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرَى ۞۳۷ اِذْ اَوْحَيْنَا اِلَى اُمِّكَ مَا يُوحَى ۞۳۸  
 اَنْ اَقْدِفْ فِيهِ فِي التَّابُوتِ فَاَقْدِفِيهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَأْخُذْهُ عَدُوْلِي وَعَدُوْلُهُ  
 وَالْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّي وَلِتُصْنَعَ عَلَيَّ عِنِّي ۞۳۹ اِذْ تَمْشِي اُخْتِكَ فَيَقُولُ هَلْ اَدُلُّكُمْ  
 عَلٰى مَنْ يَّكْفُلُهُ فَرَجَعْنَاكَ اِلَى اُمِّكَ كَمَا تَقَرُّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنُ وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنَاكَ  
 مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنَّاكَ فُتُوْنًا. فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْ اَهْلِ مَدْيَنَ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ يَمْوَسِي ۞۴۰

یعنی ہارون کو کہ میرے بھائی ہیں ان کے ذریعہ سے میری قوت کو مستحکم کر دیجئے اور ان کو میرے (اس تبلیغ کے) کام میں شریک کر دیجئے تاکہ ہم دونوں آپ کی خوب کثرت سے پاکی (شرک کے نقائص سے) بیان کریں اور آپ کا خوب کثرت سے ذکر کریں بیشک آپ ہم کو خوب دیکھ رہے ہیں ارشاد ہوا کہ تمہاری (ہر) درخواست منظور کی گئی اے موسیٰ اور ہم تو ایک دفعہ اور بھی (اس کے قبل بے درخواست ہی) تم پر احسان کر چکے ہیں جبکہ ہم نے تمہاری ماں کو وہ بات الہام سے بتلائی جو الہام سے بتلانے کی تھی (وہ) یہ کہ موسیٰ کو (جلادوں کے ہاتھوں سے بچانے کیلئے) ایک صندوق میں رکھو پھر ان کو دریا میں ڈال دو پھر دریا ان کو (مع صندوق کے) کنارے تک لے آوے گا (آخر کار) ان کو ایک شخص پکڑ لے گا جو (کافر ہونے کی وجہ سے) میرا بھی دشمن ہے اور ان کا بھی دشمن ہے اور میں نے تمہارے اوپر اور اپنی طرف سے ایک اثر محبت ڈال دیا (تاکہ جو تم کو دیکھے پیار کرے) اور تاکہ تم میری نگرانی میں پرورش پاؤ (یہ قصہ اس وقت کا ہے) جبکہ تمہاری بہن چلتی ہوئی آئیں پھر کہنے لگیں کیا تم کو ایسے شخص کا پتہ دوں جو اس کو اچھی طرح پالے رکھے پھر (اس تدبیر سے) ہم نے تم کو تمہاری ماں کے پاس پھر پہنچا دیا تاکہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور ان کو غم نہ رہے اور تم نے (غلطی سے) ایک شخص (قبیلی) کو جان سے مار ڈالا پھر ہم نے تم کو اس غم سے نجات دی اور ہم نے تم کو خوب خوب نعمتوں میں ڈالا پھر (مدین پہنچے اور) مدین والوں میں کئی سال رہے پھر ایک خاص وقت پر تم (یہاں) آئے اے موسیٰ۔

تفسیر ۳۶ "کمی نسب حک کثیراً" کلبی کا قول ہے کہ تسبیح سے نماز پڑھنا۔

۳۷ "وند کمرک کثیراً" ہم تیری حمد کرتے ہیں اور تیری ثناء کرتے ہیں جن نعمتوں کا ولی بنایا۔

۳۸ "انک کنت بنا بصیراً" احوال کو جاننے والا۔

۳۹ "قال" اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "قد اوتیت" تو نے عطا کیا۔ "سوء لک" وہ تمام اشیاء جن کا میں نے تم سے سوال کیا۔ "ياموسى"

۴۰ "ولقد مننا عليك" ہم نے آپ پر نعمت دی۔ "مرّة اخرى" یعنی اس سے پہلے ایک اور وقت بعض

نے کہا کہ یہ ایک ہی بار مراد ہے۔ ۳۸ "اذ اوحينا الى امك" یہ وحی الہام ہے۔ "ما يوحى" جو الہام ہوتا ہے۔ پھر الہام کی تفسیر بیان کی اور آپ پر جو نعمتیں کی ہیں ان کو شمار کیا۔



④۹ ”ان اقلد فيه فى الثابوت“ ہم نے ان کو الہام کیا کہ اس کو تابوت میں ڈال دو۔ ”فاقلد فيه فى الميم“ اس کو نیل کے سمندر میں ڈال دے۔ ”فليلقه الميم بالساحل“ دریا اس کو نہر میں لا ڈالے گا یہ امر ہے بمعنی خبر کے۔ یعنی دریا اس کو لا ڈالے گا۔ ”ياخذہ عدولى وعدوله“ فرعون جو اس کا اور میرا دشمن ہے اس کو لے لے گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے ایک صندوق لے کر اس کے اندر دھنی ہوئی روئی بچھائی اور موسیٰ علیہ السلام کو اس میں رکھ کر سرپوش ڈھانک کر تمام درازیں اور شکاف روغن قیر سے بند کر کے صندوق کو نیل میں ڈال دیا، نیل سے ایک نہر نکل کر فرعون کے مکان کے اندر جاتی تھی۔ صندوق بہتا بہتا اس شاخ کے اندر چلا گیا، فرعون اپنی بی بی آسیہ کے ساتھ اس وقت نہر کے دہانے پر بیٹھا تفریح کر رہا تھا کہ بہتا ہوا صندوق اندر آ گیا۔ فرعون نے باندیوں اور غلاموں کو حکم دیا کہ اس کو نکال لائیں۔ خادم صندوق کو پکڑ لائے، سرپوش کھول کر دیکھا تو اندر سے ایک نہایت گھٹتہ رنگ کا خوبصورت بچہ برآمد ہوا۔ فرعون دیکھتے ہی اس پر فریفتہ ہو گیا اور ایسا بے قابو ہو کر ضبط نہ کر سکا۔ اس آیت میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ”والقیبت علیک محبة منی“ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے کہ میں نے اس سے محبت کی۔ پس مخلوق کی نظر میں بھی اس کو محبوب بنا دیا۔ عکرمہ کا قول ہے جو بھی اس بچے کو دیکھتا تھا پیار کرنے لگتا تھا۔ قتادہ کا قول ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی آنکھوں میں عجب ملاحظت تھی کہ جو بھی آپ علیہ السلام کو دیکھتا عاشق اور فریفتہ ہو جاتا۔ ”ولتصنع علی عینی“ اس کی خوب خدمت کی اور نگہداشت کی۔ ابو جعفر نے جزم کے ساتھ پڑھا ہے۔

⑤۰ ”اذ تمشی اختک“ ان کا نام مریم تھا۔ ان کی خبر لینے کے لیے ان کے پیچھے پیچھے چلتی تھیں۔ ”فتقول هل اذکم علی من یکفله“ ایسی عورت پر جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دودھ پلائے اور اس کو اپنے ساتھ لائے کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کسی عورت کا دودھ نہیں پی رہے تھے تو جب انہوں نے ان کی بات سنی تو کہنے لگے کہ ان کو لے آئیں۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ آئیں انہوں نے دودھ پلایا تو وہ پینے لگے۔

”فرجعناک الی أمک کئی تفرعینہا“ تمہاری ملاقات سے ”ولا تحزن“ تاکہ اس سے غم چلا جائے۔ ”وقتلت نفساً“ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ فرمایا کہ ایک قبلی کا فر کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قتل کروا دیا۔ کعب احبار کا بیان ہے اس وقت آپ کی عمر بارہ سال کی تھی۔ ”فنجیناک من الغم“ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس کے قتل کرنے کے بعد اللہ کا خوف تھا۔ ”وفتناک فتونا“

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس کا ترجمہ کیا ہے کہ ہم نے آپ کی خوب آزمائش کی۔ ضحاک اور مقاتل کا بیان ہے کہ ہم نے آپ کی خوب جانچ کرنی۔ مجاہد کا قول ہے کہ ہم نے خالص بنا لیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے جو سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا قول نقل کیا کہ فتون سے مراد ہے مصیبتوں میں پڑنا جن سے بلا خرا اللہ نے آپ کو نجات عطا فرمادی۔ پہلی مصیبت یہ تھی کہ آپ اس سال ماں کے پیٹ میں آئے جو سال فرعون کی طرف سے نوزائیدہ لڑکوں کے قتل کا تھا۔ دوسری مصیبت یہ تھی کہ آپ کو صندوق میں رکھ کر دریا میں پھینک دیا گیا۔ تیسرا امتحان کا موقع وہ تھا کہ آپ نے ماں کے سوا کسی اور

عورت کی پستان منہ میں بھی نہیں لی۔ چوتھا نزول مصیبت وقت وہ تھا کہ آپ نے فرعون کی داڑھی پکڑ لی تھی اور فرعون نے آپ کو قتل کر دینے کا ارادہ کر لیا تھا لیکن آسیہ کی سفارش سے جب آپ کے پاس ایک طشت میں انگارے اور ایک میں یا قوت لائے گئے اور آپ نے انگارہ پکڑ لیا تھا۔ پانچویں مصیبت قبطی کو قتل کرنے اور مدین کی طرف بھاگ کھڑے ہونے کی تھی۔

سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ قصہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے۔ اس جگہ ”فتناک“ کا معنی ”خلصناک“ سے کیا۔ ان مشکلات سے جیسا کہ سونے کو آگ سے پگھلانے سے اس کی ساری کھوٹ دور ہو جاتی ہے، فتون مصدر ہے۔ ”فلبت“ پھر وہ کچھ عرصہ وہاں ٹھہرے رہے۔ پھر وہ مصر کی سرزمین سے نکل کر مدین کی طرف آئے وہاں رہے۔ ”سنین فی اہل مدین“ انہوں نے دس سال وہاں بکریاں چرائیں۔ مدین حضرت شعیب علیہ السلام کا شہر تھا اور یہ مصر سے آٹھ کوس دور تھا۔ وہب کا بیان ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس اٹھائیس برس رہے۔ دس سال تو مہر زوجہ کے عوض اور اٹھارہ سال اس کے بعد، آپ کی اولاد وہیں ہوئی۔ ”ثم جئت علی قدر یا موسیٰ“ مقاتل کا بیان ہے یہ ہمارا ان کے ساتھ وعدہ ہے اور یہ مقررہ مدت کا وعدہ اللہ کی تقدیر میں تھا۔

محمد بن کعب کا بیان ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے پاس وحی بھیجنے کا اندازہ عمر جو مقرر کر دیا گیا تھا تم اس کو پہنچ گئے۔ انبیاء علیہم السلام کے پاس وحی چالیس سال کی عمر میں آتی تھی جبکہ ان کے پاس اس عمر سے کم میں سوائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کسی کے پاس نہیں آئی۔ یہی قول عبدالرحمن بن کیسان کا ہے اور یہ معنی اکثر مفسرین رحمہم اللہ کا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ اور اس کی قدرت یہی ہے کہ وہ اپنے بندوں کو رسالت چالیس سال کے بعد دیتا ہے۔

وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِي ﴿١٤﴾ اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوكَ بِالنِّبِيِّ وَلَا تَبْيَا فِي ذِكْرِي ﴿١٥﴾ اِذْهَبَا اِلَى فِرْعَوْنَ اِنَّهُ طَغٰى ﴿١٦﴾ فَقَوْلَا لَهُ قَوْلًا لِّبِنَا لَعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ﴿١٧﴾ قَالَا رَبَّنَا اِنَّا نَخَافُ اَنْ يُقْرَطَ عَلَيْنَا اَوْ اَنْ يُطْغٰى ﴿١٨﴾ قَالَ لَا تَخَافَا اِنِّي مَعَكُمْ اَسْمَعُ وَاَرٰى ﴿١٩﴾ فَاْتِيَهُ فَقَوْلًا اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا نَبِيًّا اَسْرَآئِيْلَ. وَلَا تَعَذِّبْهُمْ قَدْ جِئْنَاكَ بِبَيِّنَاتٍ مِّنْ رَبِّكَ. وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ﴿٢٠﴾ اِنَّا قَدْ اُوْحٰى اِلَيْنَا اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلٰى ﴿٢١﴾

﴿١٤﴾ اور (یہاں آنے پر) میں نے تم کو اپنے لئے منتخب کیا (سواب) تم اور تمہارے بھائی دونوں میری نشانیاں (یعنی معجزات) لے کر جاؤ اور میری یادگاری میں سستی مت کرنا دونوں فرعون کے پاس جاؤ وہ بہت نکل چلا ہے پھر اس سے نرمی کے ساتھ بات کرنا شاید وہ (برغبت) نصیحت قبول کر لے یا (عذاب الہی سے) ڈر جائے دونوں نے عرض کیا کہ ہمارے پروردگار ہم کو یہ اندیشہ ہے کہ (کہیں) وہ ہم پر زیادتی نہ کر بیٹھے یا یہ کہ زیادہ شرارت نہ کرنے لگے ارشاد ہوا کہ تم اندیشہ نہ کرو (کیونکہ) میں تم دونوں کے ساتھ ہوں سب سنتا دیکھتا ہوں سو تم اس کے پاس جاؤ اور

(اس سے) کہو کہ ہم دونوں تیرے پروردگار کے فرستادے ہیں (کہ ہم کو نبی بنا کر بھیجا ہے) سو نبی اسرائیل کو ہمارے ساتھ جانے دے اور ان کو تکلیفیں مت پہنچا ہم تیرے پاس تیرے رب کی طرف سے (اپنی نبوت کا) نشان (یعنی معجزہ بھی) لائے ہیں اور ایسے شخص کے لئے سلامتی ہے جو (سیدھی) راہ پر چلے ہمارے پاس یہ حکم پہنچا ہے کہ (اللہ کا) عذاب اس شخص پر ہوگا جو (حق کو) جھٹلا دے اور (اس سے) روگردانی کرے۔

**تفسیر 41** ”واصطنعتک نفسی“ یعنی ہم نے آپ کو اپنے لیے منتخب کر لیا اور جن لیا اپنی وحی اور اپنی رسالت کو۔ یہ سب کچھ آپ کو اس لیے دیا کہ آپ نے کامل محبت صرف اللہ ہی سے کی۔ زجاج کا قول ہے کہ آپ نے ہمارے حکم کو اختیار کیا اور تمہیں اپنی حجت کے لیے قائم کر دیا اور مخاطب ہمارے اور مخلوق کے درمیان آپ کو بنایا۔

**42** ”اذہب انت و اخوک ہایاتی“ میری دلالت سے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ آیات سے مراد وہ نو معجزات ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیئے گئے تھے۔ ”ولامنیا“ اور تم دونوں میرے ذکر میں سستی نہ کرنا۔ سدی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ میرے ذکر میں کمی نہ کرنا۔ محمد بن کعب کا بیان ہے کہ سستی نہ کرنا۔ ”فی ذکرى“

**43** ”اذہبا الی فرعون انه طفی“ ابو عمرو اور اہل جاز نے اسی طرح پڑھا ہے۔ ”لنفسی اذہب“..... ”فی ذکرى اذہبا“..... ”ان قومى اتخلدوا“..... ”من بعدى اسمہ“ سب مقامات میں یاء کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی قراء نے اس کو یاء ساکن کے ساتھ پڑھا ہے۔

**44** ”فقولا له قولنا“ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ بات کرنے میں درستی نہ کرنا۔ سدی اور عکرمہ کا بیان ہے کہ کنیت کہہ کر کلام کرنا چونکہ فرعون کی کنیت ابو العباس یا ابو الولید تھی۔ مقاتل نے کہا کہ نرم کلام کرنے سے مراد یہ ہے کہ اس طرح کہنا ”هل لک الی ان تزکحی و اهدیک الی ربک فتخشنی“ اور بعض نے کہا کہ نرم کلام کرنے کی وجہ یہ ہے کہ فرعون کے زیر پرورش موسیٰ علیہ السلام رہ چکے تھے اسی کو حق تربیت حاصل تھا۔ سدی کا بیان ہے کہ نرم کلام یہ تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے وعدہ کر لیا تھا کہ اگر تم ایمان لے آئے تو تم کو دو بارہ ایسی جوانی مل جائے گی جو کبھی پیری میں تبدیل نہیں ہوگی اور مرتے دم تک تمہاری حکومت قائم رہے گی اور کھانے پینے کی لذت اور صنفی مقاربت کی کیفیت وقت موت تک تم کو حاصل ہوتی رہے گی اور مرنے کے بعد جنت ملے گی۔ فرعون کو موسیٰ علیہ السلام کی یہ بات پسند آگئی لیکن وہ ہامان کے کسی مشورے کے بغیر عمل نہیں کرتا تھا۔ ہامان اس وقت موجود نہیں تھا جب آیا اور فرعون نے اس سے موسیٰ علیہ السلام کی باتیں نقل کیں اور مشورہ لیا اور قبول کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو ہامان نے کہا کہ میں آپ کو دانش مند اور صاحب رائے سمجھتا تھا، کیا آپ رب ہو کر مر بوب بنا چاہتے ہیں۔ اب تک آپ کی پوجا ہوتی ہے تو کیا آپ دوسرے کی عبادت کرنے کے خواہش مند ہیں۔ غرض ہامان نے فرعون کی رائے پلٹ دی۔

حضرت ہارون علیہ السلام اس دن مصر میں تھے۔ ان کی طرف اللہ تعالیٰ نے وحی کی کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ملاقات کریں اور وہ موسیٰ علیہ السلام سے ایک منزل دور تھے اور ان کو خبر دو کہ میری طرف اللہ نے وحی کی ہے۔ ”لعلہ یتذکر او یخشی“ اس کو

نصیحت کریں شاید کہ وہ اللہ کے خوف سے ڈر جائے اور اسلام لے آئے۔ سوال کیا جائے کہ یہ کیسے فرمایا ”لعلہ یبذکو“ حالانکہ ما قبل میں یہ بات گزر چکی ہے کہ نہ اُس کو نصیحت کام کرے گی اور نہ ہی وہ اسلام لائے گا۔ اس کا جواب بعض حضرات نے دیا کہ تم دونوں اس کے پاس جاؤ، شاید کہ اس پر تمہاری سچائی ظاہر ہو جائے اور وہ طمع کرنے لگ جائے، آپ دونوں کے کام کے پیچھے اللہ کا فیصلہ ہے۔

حسین بن فضل کا بیان ہے کہ شاید وہ غیر فرعون کی طرف لوٹ جائے۔ مطلب یہ کہ وہ نصیحت حاصل کر لے یا ڈر جائے۔ جب وہ آپ کی رائے اور آپ کے لطف سے کہ اس کو کس نے پیدا کیا اور اس پر اللہ کی نعمت، پھر اس کو ربوبیت کی دعوت دینا۔ ابو بکر محمد بن عمر الوراق کا بیان ہے کہ ”لعل“ جب اللہ تعالیٰ کیلئے آئے تو وجوب کو ظاہر کرتا ہے اور یقیناً اس کو نصیحت تو آگئی جب اس کو سمندر میں ڈالا گیا تو کہنے لگا کہ ”انہ لا الہ الا الذی آمننت بہ بنی اسرائیل و انا من المسلمین“ یعنی بن معاذ کے سامنے جب یہ آیت پڑھی گئی تو وہ زار و قطار رونے لگے اور عرض کیا اے اللہ! یہ تیری نری تو اس شخص کے ساتھ ہے جو اپنے بارے میں کہتا ہے ”انا اللہ“ کہ میں معبود ہوں اس کے ساتھ تیری نری کا معاملہ کیا ہوگا جو کہتا ہے ”انت الا لہ“ کہ تو میرا معبود ہے۔

45 ”قالا“ حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام دونوں کہنے لگے ”ربنا اننا نخاف ان یفرط علینا“ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ ”ان یفرط علینا“ کا مطلب یہ ہے کہ تکمیل دعوت اور اظہار معجزات سے پہلے ہی کہیں وہ ہم کو قتل کرنے اور عذاب دینے کا حکم نہ دے بیٹھے۔ عربی محاورے میں فرط علیہ کا معنی ہوتا ہے ڈکھ پہنچانے میں، جلدی کرنا۔ اصل میں یہ فرط کا معنی ہے آگے بڑھ گیا، فارط آگے بڑھنے والا۔ ”او ان یطغی“ اس کا مطلب یہ ہے کہ کہیں وہ اور زیادہ سرکش نہ ہو جائے تیری شان میں مزید گستاخی کرنے لگ جائے۔

46 ”قال لا تخافا اننی معكما اسمع و اری“ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اسمع کا معنی ہے کہ میں سننے والا ہوں تمہاری دعاؤں کو ان کو قبول کروں گا۔ ”و اری“ جو تمہارے خلاف ارادہ کیا جائے۔ بس میں رُکاوٹ ڈالنے والا ہوں، میں تمہارے احوال سے بے خبر نہیں تم پر واہ نہ کرو۔

47 ”لاتیہ فقولوا انا رسولا ربک“ ہم دونوں کو تیری طرف بھیجا ہے۔ ”فارسل معنا بنی اسرائیل“ یعنی ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو ملک شام چلے جانے کی اجازت دیں۔ ان کو اپنی ماتحتی سے آزاد کر دے۔ ”ولا تعذبہم“ ان کو سخت تکلیفیں اور ڈکھ نہ دے۔ فرعون بنی اسرائیل سے دشوار ترین مشقت کے کام لیا کرتا تھا۔ ”قد جئناک بایة من ربک“ فرعون نے کہا کہ وہ نشانی کیا ہے؟ اس کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا ہاتھ نکالا، وہ چمکنے لگا جیسے سورج چمکتا ہے۔ ”والسلام علی من اتبع الهدی“ اس سلام سے مراد اسلام تہمیر نہیں ہے بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ جو شخص اسلام لاتا ہے وہ اللہ کے عذاب سے سلامت رہتا ہے۔

48 ”انا قد اوحی الینا ان العذاب علی من کذب وتولى“ بے شک اللہ تعالیٰ اس کو عذاب دیتا ہے جو اس کی طرف سے دی ہوئی نشانیوں کو جھٹلاتا ہے اور اس سے اعراض کرتا ہے۔

قَالَ لَمَنْ رُبُّكُمْ يَا مُوسَى 49 قَالَ رَبُّنَا الَّذِي أَعْطَى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَى 50 قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُونِ الْأُولَى 51 قَالَ عَلِمَهَا عِنْدَ رَبِّي فِي كِتَابٍ لَا يَضِلُّ رَبِّي وَلَا يَنْسَى 52 الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ الْأَرْضَ مَهْدًا وَسَلَكَ لَكُمْ فِيهَا سُبُلًا وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً. فَأَخْرَجْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِنْ نَبَاتٍ شَتَّى 53 كُلُّوا وَارْعَوْا أَنْعَامَكُمْ. إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّأُولِي النُّهَى 54

﴿50﴾ وہ کہنے لگا پھر (یہ بتلاؤ) تم دونوں کا رب کون ہے اے موسیٰ۔ موسیٰ نے کہا (ہمارا سب کا) رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کے مناسب بناوٹ عطا فرمائی پھر رہنمائی فرمائی فرعون نے کہا کہ اچھا تو پہلے لوگوں کا کیا حال ہوا موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا کہ ان لوگوں کا علم میرے پروردگار کے پاس دفتر اعمال میں (محفوظ) ہے میرا رب نہ غلطی کرتا ہے اور نہ بھولتا ہے وہ (رب) ایسا ہے جس نے تم لوگوں کے لئے زمین کو (مثل) فرش (کے) بنایا اور اس (زمین) میں تمہارے (چلنے کے) واسطے راستے بنائے اور آسمان سے پانی برسایا پھر ہم نے اس (پانی) کے ذریعہ سے اقسام مختلفہ کے نباتات پیدا کئے (اور تم کو اجازت دی کہ) خود (بھی) کھاؤ اور اپنے مویشی کو (بھی) چراؤ ان سب چیزوں میں اہل عقل کے واسطے (قدرت الہیہ کی) نشانیاں ہیں۔

﴿51﴾ "قَالَ لَمَنْ رُبُّكُمْ يَا مُوسَى" تم دونوں کا رب کون ہے کس نے تمہیں میرے پاس بھیجا ہے۔

﴿50﴾ "قَالَ رَبُّنَا الَّذِي أَعْطَى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَى" حسن اور قنادہ کا بیان ہے اس نے ہمیں ہر چیز عطا کی ہے جس میں ہماری بھلائی اور بہتری کا سامان تھا۔ پھر اس کو اس چیز کے حصول کا جس میں اس کی بھلائی ہے راستہ بتا دیا۔ مجاہد کا بیان ہے کہ اللہ نے ہر چیز کو اس کے مناسب صورت عطا فرمائی، آدمی کی شکل جانوروں جیسی اور جانوروں کی شکل انسان جیسی نہیں بنائی، پھر کھانے پینے اور قربت صنفی کرنے کی طرف اس کی رہنمائی کی۔

ضحاک کا بیان ہے اس نے ہر چیز پیدا کی وہ ہمیں عطا کی۔ اس سے مراد ہاتھ، چھونے کے لیے پاؤں، چلنے کے لیے زبان، بولنے کے لیے آنکھ، دیکھنے کے لیے اور کان سننے کے لیے بنائے۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے خلق سے مراد ہے ہر چیز کو اس کا ہم جنس جوڑا دیا، مرد کو عورت، اونٹ کو اونٹنی، گدھے کو گدھی اور گھوڑے کو گھوڑی، پھر صنفی قربت کا طریقہ اس کو فطراناً بتا دیا۔

﴿51﴾ "قَالَ" فرعون نے کہا "لَمَّا هَال الْقُرُونِ الْأُولَى" یہاں ہال سے مراد حالت ہے یعنی گزری ہوئی قوموں کا کیا حال ہوا جیسے قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود اور دوسری اقوام کا کیا ہوگا جو بت پرستی اور منکر قیامت تھی ان کے ساتھ کیا سلوک ہوگا۔

﴿52﴾ "قَالَ" حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا "عَلِمَهَا عِنْدَ رَبِّي" ان کے اعمال اللہ کے ہاں محفوظ ہیں وہی ان کو بدل دے گا۔ بعض نے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کی نسبت اللہ کی طرف اس لیے کی کہ وہ اس کے متعلق نہیں جانتے تھے کیونکہ تورات تو فرعون کے غرق ہونے کے بعد نازل ہوئی۔

”ہی کتاب“ لوح محفوظ میں ”لا یضل ربی“ وہ غلطی کرنے والا نہیں اور بعض نے کہا اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔  
 ”ولا ینسی“ وہ ان کے اعمال کو بخوبی جانتا ہے یہاں تک کہ ان کو بدلہ دے گا اور بعض نے کہا کہ وہ انتقام ضرور لے گا وہ انتقام لینے سے نہیں بھولا اور مؤمن کو اچھا بدلہ دے گا۔

58 ”الذی جعل لکم الارض مہذا“ قراء اہل کوفہ نے ”مہذا“ نقل کیا ہے اور سورۃ زخرف میں مصدر ذکر کیا ہے۔  
 اس سے مراد فرش ہے اور دوسرے قراء نے ”مہاذا“ پڑھا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ”الم نجعل الارض مہاذا“ اس کو بچھونا بنایا، یہ اس بچھونے کا نام ہے جیسے باسط اس کا نام ہے جس کو بچھایا جاتا ہے۔

”وسلک لکم فیہا سبلاً“ سلک کہتے ہیں ایک چیز کو دوسری چیز میں داخل کرنا۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ نے تمہارے لیے زمین میں راستے داخل کر دیئے تاکہ تم ان پر چلو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ تمہارے لیے راستہ ہے اس پر تم چلو۔ ”وانزل من السماء ماء“ بارش نازل فرمائی۔ بعض مفسرین رحمہم اللہ کا بیان ہے کہ ”ماء“ تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کلام ختم ہو گیا۔ پھر آگے اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے فرمایا کہ ہم نے پانی سے طرح طرح کا سبزہ پیدا کیا۔ ”فاخر جنا بہ“ اس پانی کے ذریعے ”ازواجاً“ طرح طرح کی اصناف پیدا کیں۔ ”من نبات شتی“ مختلف قسموں کو اور مختلف کھانے پینے کی اشیاء کو اور ان سے منافع پیدا کیے۔ خواہ وہ سفید ہوں، سرخ ہوں، سبز ہوں، ہر ایک صنف کو جوڑا جوڑا بنایا، ان میں سے بعض لوگوں کے لیے فائدہ مند بنایا اور بعض چوپایوں کے لیے بنایا۔

59 ”کلوا وارعوا“ چراؤ اس میں ”انعامکم“ اپنے چوپایوں کو جیسا کہ عرب کا قول ہے ”رعیتم القوم“ میں نے قوم کی حفاظت اور نگہداشت کی۔ فراغت پس وہ محفوظ ہوگی۔ یعنی اس میں تم اپنے جانوروں کو چراؤ۔  
 ”ان فی ذلک“ جو ہم نے ذکر کیا ”لایات لا ولی النہی“ اس سے مراد ذوی العقول ہیں۔ اس کی واحد ”نہیہ“ ہے۔ عقل کو ”نہیہ“ اس لیے کہتے ہیں چونکہ یہ بھی انسان کو بری اور ضرر رساں اور غلط باتوں سے روکتی ہے اس لیے عقل کو ”نہیہ“ کہتے ہیں۔ ضحاک کا قول ہے کہ ”اولی النہی“ ان کو کہتے ہیں جو اللہ کی حرام کردہ اشیاء سے روکتے ہیں۔ تمناہ کا قول ہے کہ اس سے تقویٰ والے لوگ مراد ہیں۔

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نَعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرٰى 58 وَلَقَدْ اَرٰىنٰهُ اٰیٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى 59 قَالَ اٰجِبْتَنِيْ لِتُخْرِجَنِيْ مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوسٰى 57 فَلَنَاتِيَنَّكَ بِسِحْرِ مِّثْلِهِ فَاَجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَا اَنْتَ مَكَانًا سُوٰى 58 قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمَ الزِّيْنَةِ وَاَنْ يُحْشَرَ النَّاسُ ضَحٰى 59 فَتَوَلٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدُهٗ ثُمَّ اٰتٰى 60 قَالَ لَهُمْ مُّوسٰى وَيٰلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلٰى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتْكُمْ بِعَذَابٍ . وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى 61

تم نے تم کو اسی زمین سے پیدا کیا اور اسی میں ہم تم کو (بعد موت) لے جاویں گے اور (قیامت کے روز) پھر



دوبارہ اسی سے ہم تم کو نکال لیں گے۔ اور ہم نے اس (فرعون) کو اپنی سب ہی نشانیاں دکھلائیں سو (جب بھی) وہ جھٹلایا ہی کیا اور انکار ہی کرتا رہا (اور) کہنے لگا کہ اے موسیٰ تم ہمارے پاس اس واسطے آئے ہو (گے) کہ ہم کو ہمارے ملک سے اپنے جادو کے زور سے نکال باہر کرو سو اب ہم بھی تمہارے مقابلہ میں ایسا ہی جادو لاتے ہیں تو ہمارے اور اپنے درمیان میں ایک وعدہ مقرر کر لو جس کو نہ ہم خلاف کریں اور نہ تم خلاف کرو کسی ہموار میدان میں (تا کہ سب دیکھ لیں) موسیٰ نے فرمایا تمہارے (مقابلہ کے) وعدہ کا وقت وہ دن ہے جس میں (تمہارا) میلہ ہوتا ہے اور (جس میں) دن چڑھے لوگ جمع ہو جاتے ہیں غرض (یہ سن کر) فرعون (دربار سے اپنی جگہ) لوٹ گیا پھر اپنا مکر کا (یعنی جادو کا) سامان جمع کرنا شروع کیا پھر آیا اس وقت موسیٰ نے ان (جادوگر) لوگوں سے فرمایا کہ اے کم بخنکی مارو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ و افتراء امت کرو کبھی خدا تعالیٰ تم کو کسی قسم کی سزا سے بالکل نیست و نابود ہی کر دے اور جو جھوٹ باندھتا ہے وہ (آخر کو) ناکام رہتا ہے۔

**تفسیر 55** ”منہا“ اسی زمین سے ”خلقنا کم“ پیدا کیا تم کو اور تمہارے باپ آدم کو بھی۔ عطاء خراسانی نے بیان کیا کہ جس جگہ آدمی دفن ہونے والا ہوتا ہے اسی جگہ کی مٹی فرشتہ لے کر نطفہ پر چھڑکتا ہے۔ پھر اس نطفہ اور مٹی سے آدمی کا جسم بنتا ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ”منہا خلقنا کم“..... ”وفیہا نعیدکم“ اور موت کے بعد اور دفن کے وقت اسی میں واپس لوٹا دیا جائے گا۔ ”ومنہا نخرجکم تارۃ اخری“ قیامت کے دن واپس تمہیں اٹھایا جائے گا۔

**56** ”ولقد اریناہ“ فرعون کو ساری نشانیاں دکھائیں۔ ”آیتنا کلہا“ نون نشانیاں جو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو دی تھیں۔ ”لکذب“ اس نے ان نشانوں کو جھٹلایا کہ وہ جادو ہے۔ ”وابی“ کہ وہ اسلام لائے۔

**57** ”قال“ فرعون نے کہا ”اجتنتا لتعخر جنا من ارضنا“ مصر کی سر زمین ”بسحرک یا موسیٰ“ تو اس بات کا ارادہ کرتا ہے کہ تو ہمارے شہر پر قابض ہو کر ہمیں وہاں سے نکال دے۔

**58** ”للتائبینک بسحر مثله فاجعل بیننا و بینک موعدا“ یعنی ہمارے اور اپنے درمیان ایک میعاد اور وقت مقرر کر لے۔ ”لانخلفه“ ابو جعفر نے ”لانخلفه“ پڑھا ہے۔ اس کا معنی ہوگا کہ تم اس سے تجاوز نہیں کر سکو گے۔ ”نحن ولا انت مکانا سوی“ ابن عامر، عاصم، حمزہ اور یعقوب نے سین کے ضمہ کے ساتھ ذکر کیا ہے اور دوسرے قراء نے اس کو کسرہ کے ساتھ ذکر کیا، اس کی دونوں لغتیں ہیں۔ جیسے عدی و عدی اور طوی و طوی۔ مقاتل اور قتادہ کا بیان ہے کہ اس کا معنی برابر ہے یعنی ہمارے تمہارے درمیان مسافت برابر ہو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول یہی ہے۔ ابو عبیدہ اور قسبی نے بیان کیا دونوں فریقوں کے درمیان مجاہد کا قول ہے کہ اس کا معنی ہے برابر۔ کبھی کا بیان ہے کہ سوی اس جگہ کے علاوہ کوئی دوسرا مقام۔

**59** ”قال موعداکم یوم الزینۃ“ مجاہد، قتادہ، مقاتل اور سدی کا قول ہے کہ مصر والوں کا ایک تہوار سالانہ ہوتا تھا جس میں لوگ آراستہ پیراستہ ہو کر میلہ کی شکل میں جمع ہوتے تھے۔ بعض نے کہا کہ وہ نیر و زکادن تھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس سے یوم عاشوراء مراد ہے۔ ”وأن يحشر الناس ضحی“ چاشت کے وقت دن چڑھتا کہ سب لوگ دیکھ لیں اور کسی کو شک نہ رہے۔

60 "فَعُولِي فِرْعَوْنَ لِمَجْمَعِ كَيْدِهِ" کروجیلہ سے مراد جادوگر ہے۔ "لَمْ اَتَى" وقت مقررہ۔

61 "قَالَ لَهُمْ مُوسَى" یہ ضمیر جادوگروں کی طرف راجع ہے جن کو فرعون نے جمع کیا تھا۔ یہ بہتر (۷۲) جادوگر تھے اور ان میں ہر ایک کے پاس ایک لاشی یا رسی تھی اور بعض نے کہا کہ جادوگروں کی تعداد چار سو تھی۔ کعب کا بیان ہے ان کی تعداد بارہ سو بتائی ہے اور بعض نے اس سے زیادہ کہا ہے۔

"وَلَكُمْ لَاتَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ كَذِبًا لَيْسَ حَتَمُكُمْ بَعْدَاب" حزرہ، کسائی اور حفص "لَيْسَ حَتَمُكُمْ" یاء کے ضمہ کے ساتھ جاء کے کسرہ کے ساتھ اور باقی قراء نے یاء کے فتح کے ساتھ حاء کے فتح کے ساتھ یہ دونوں لغتیں ہیں۔ مقاتل اور کلبی کا بیان ہے کہ تمہیں ہلاک کر دیں گے۔ قتادہ کا قول ہے کہ وہ بخ و بن سے تم کو اُکھاڑ پھینکے۔ "وَقَدْ خَابَ مَنْ افْتَرَى"

فَتَنَّا زَعْوًا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَأَسْرُوا النَّجْوَى 62 قَالُوا إِنَّ هَٰذَا لَسِحْرَانِ يُرِيدَانِ أَنْ يُنْخِرَ جَنكُم مِّنْ أَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيقَتِكُمُ الْمُثَلَّى 63 فَأَجْمِعُوا كَيْدَكُمْ ثُمَّ اتُّخَرُوا صَفًا. وَقَدْ أَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنْ اسْتَعْلَى 64

پس جادوگر (یہ بات سن کر) باہم اپنی رائے میں اختلاف کرنے لگے اور خفیہ گفتگو کرتے رہے (آخری نتیجہ سب متفق ہو کر) کہنے لگے کہ بیشک یہ دونوں جادوگر ہیں۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ اپنے جادو (کے زور سے) تم کو تمہاری زمین سے نکال باہر کریں اور تمہارے عمدہ (مذہبی) طریقہ کا دفتر ہی اٹھا دیں تو اب تم مل کر اپنی تدبیر کا انتظام کرو اور صفیں آراستہ کر کے (مقابلہ میں) آؤ اور آج وہی کامیاب ہے جو غالب ہوا۔

تفسیر 62 "فتنازعوا أمرهم بينهم" کہ وہ آپس میں مناظرہ کرنے لگ گئے اور آپس میں مشورہ کرنے لگے۔ وہ جادوگر موسیٰ علیہ السلام کے معاملے میں فرعون سے مشورہ کرنے لگے۔ کلبی نے اس کا یہ مطلب بیان کیا کہ انہوں نے اس مشورے کو چھپائے رکھا کہ اگر موسیٰ علیہ السلام، ہم پر غالب آ گئے تو ہم ان کا اجماع کر لیں گے۔ محمد بن اسحاق کا بیان ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو مذکورہ بالا نصیحت کی تو جادوگروں نے باہم کہا یہ کلام تو جادوگر کا نہیں ہے۔ بعض نے بعض کے ساتھ کہا کہ یہ بات ساحر کی نہیں ہے۔ "واسروا النجوی" یہ مناجات ہے یہ مصدر ہے "ناجیہ" یعنی اس کا معنی ہے خفیہ بات کی۔

63 "قَالُوا" بعض لوگ بعض کے ساتھ سرگوشی کرنے لگے۔ "ان هذان لساحران" ان دونوں کے متعلق کہ یہ دونوں جادوگر ہیں۔ ابن کثیر اور حفص نے نون کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ "هذان"..... "ای ما هذان" کہ یہ دونوں نہیں مگر جادوگر۔ جیسا کہ اس آیت میں ہے "وان نظنک لمن الکاذبین" یعنی میں ان کو گمان نہیں کرتا مگر جھوٹ۔

ابن کثیر نے نون کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے "هذان" میں اور ابو عمرو کی قرأت کی "ان" مشدہ آیا ہے۔ یہ نحو کے عام ضابطہ کے مطابق آیا ہے لیکن ابو عمرو کے علاوہ حدان ہی جمہور کی قرأت ہے۔ بعض حضرات نے "هذان" کے الف کے ساتھ

ذکر کیا ہے۔ اس کی قرأت میں آئمہ کا اختلاف ہے۔ بشام بن عروہ نے اپنے باپ کے حوالے سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قول نقل کیا ہے کہ یہ کاتب کی غلطی ہے لیکن یہ بعض لوگوں نے کہا یہ قبائل ابوالحارث اور حنم اور کنانہ کے محاورہ کے موافق ہے۔ تثنیہ ہو یا کوئی ایسی ساکن یاء جس سے پہلے فتح ہو۔ ان قبائل نے اس کو الف بہر حال پڑھا ہے۔ "اتانی الرجلان رأیت الرجلان مردت بالرجلان" بہر حال تثنیہ کو الف ہی کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ نصب اور جر کسی بھی حالت میں یاء کو قبول نہیں کرتے۔ مثلاً عصا اور جیسا کہ کہا جاتا ہے "کسرت یداہ و رکبت علاہ" کہتے ہیں "یدیہ و علیہ" نہیں کہتے۔ شاعر کا قول ہے

ان اباہا و اباہا قد بلغا فی المجد غایتها

دوسرے "اباہا" کو الف کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ "ابیہا" نہیں آیا۔ بعض نے اس کی تقدیر میں فرمایا کہ "انہ ہدان" لہذا کو حذف قرار دیا۔ بعض حضرات نے کہا کہ یہاں "ان" نعم کے معنی میں ہے۔ ایک اعرابی نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے کچھ مانگا، آپ نے نہیں دیا، اعرابی نے کہا کہ "لعن اللہ ناقة حملتہ الیک" کہ اللہ کی لعنت ہو اس اونٹنی پر جو مجھے آپ کے پاس سوار کر کے لائی۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا "ان" و صاحبہا" بے شک اور اس کے مالک پر بھی۔ جیسا کہ شاعر کا قول ہے: "ویقلن شیب قد علاک و قد کبرت فقلت انہ" یہاں بھی نعم کے معنی میں ہے۔ "یرید ان یخرجاکم من ارضکم" اس سے مراد مصر کی سرزمین ہے۔ "بسحرهما ویذہبا بطریقکم المثلی" ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ طریقہ سے مراد سرداران قوم بڑے لوگ مثل تانیف الاشیء ہے، وہ افضل ہے۔

## بطریقکم المثلی کی تفسیر

فصیح نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے۔ یعنی لوگوں کا رخ اپنی طرف پھیر دیں گے۔ قنادہ نے کہا کہ اس زمانہ میں بنی اسرائیل تعداد میں بھی ساری قوم سے زیادہ تھے اور مال میں بھی اس لیے طریقہ "مثلی" سے بنی اسرائیل مراد ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں چاہتے تھے کہ بنی اسرائیل کو اپنے ساتھ لے جائیں۔ فرعون کے اس قول کی وجہ یہ تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا۔ بعض مفسرین رحمہم اللہ نے کہا کہ "مثلی" سے مراد دین ہے جس پر اہل مصر قائم تھے جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں طریق مثلی ہے مراد اس سے صراط مستقیم ہے۔

64 "لاجمعوا کیدکم" ابو عمرو نے "اجمعوا" کے الف کو وصل کے ساتھ پڑھا ہے۔ میم کے فتح کے ساتھ جمع سے ہے یعنی تم ان اشیاء کو نہ پکارو یا جمع نہ کرو جو تمہارے ساتھ دھوکہ کرے۔ لیکن صحیح یہی ہے کہ اس کا معنی عزم اور محکم ہو۔ یعنی تم فیصلہ کرو اس کو اجماعی فیصلہ قرار دو یا ہی اختلاف نہ کرو۔ "تم انہوا صفا سب کے سب۔ مقال اور کلیبی نے یہی بیان کیا ہے اور بعض قوم نے کہا کہ تم سب جمع ہو کر ایک قطار میں ہو کر آؤ تاکہ دیکھنے والوں کے دلوں میں بیعت پیدا ہو۔ ابو عبیدہ کا قول ہے کہ صف کا معنی ہے جمع ہونے کی جگہ، جائے نماز کو صف اسی مناسبت سے کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جو مقرر ہے اس جگہ پہنچ جاؤ۔ "وقد افلح الیوم من استعلیٰ بوجعنا ب ہوا کامیاب ہو گیا۔

قَالُوا يُمُوسَى إِمَّا أَنْ تُلْقِيَ وَإِمَّا أَنْ نَكُونَ أَوَّلَ مَنْ أَلْقَى 65 قَالَ بَلْ أَلْقُوا. فَإِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ إِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ أَنَّهَا تَسْعَى 66 فَأَوْجَسَ فِي نَفْسِهِ خِيفَةً مُوسَى 67 قُلْنَا لَا تَخَفْ إِنَّكَ أَنْتَ الْأَعْلَى 68 وَأَلْقِ مَا فِي يَمِينِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوا. إِنَّمَا صَنَعُوا كَيْدٌ سِحْرٍ وَلَا يُفْلِحُ السِّحْرُ حَيْثُ أَتَى 69 فَأَلْقَى السَّحْرَةَ سُجَّدًا قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ هَارُونَ وَمُوسَى 70 قَالَ آمَنْتُمْ لَهُ قَبْلَ أَنْ أَدْنَى لَكُمْ. إِنَّهُ لَكَبِيرُكُمُ الَّذِي عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ. فَلَا قِطْعَنَ أَيْدِيكُمْ وَأَرْجُلِكُمْ مِنْ خِلَافٍ وَلَا وُصَلْبِكُمْ فِي جُذُوعِ النَّخْلِ وَلِتَعْلَمُنَّ أَيُّنَا أَشَدُّ عَذَابًا وَأَبْقَى 71

انہوں نے کہا کہ اے موسیٰ آپ (اپنا عصا) پہلے ڈالیں گے یا ہم پہلے ڈالنے والے بنیں آپ نے فرمایا نہیں تم ہی پہلے ڈالو پس یکا یک ان کی رسیاں اور لائیاں ان کی نظر بندی سے موسیٰ کے خیال میں ایسی معلوم ہونے لگیں جیسے (سانپ کی طرح) چلتی دوڑتی ہوں موسیٰ کے دل میں تھوڑا سا خوف ہوا ہم نے کہا کہ تم ڈرو نہیں تم ہی غالب رہو گے اور (اس کی صورت یہ ہے) کہ یہ تمہارے داہنے ہاتھ میں جو (عصا) ہے اس کو ڈال دو ان لوگوں نے جو کچھ (ساگ) بتایا ہے یہ (عصا) سب کو نگل جائے گا یہ جو کچھ بتایا ہے جادوگروں کا ساگ ہے اور جادوگر کہیں جاوے (معجزے کے مقابلے میں کہیں) کامیاب نہیں ہوتا سو جادوگر سجدہ میں گر گئے اور (بآواز بلند) کہا کہ ہم تو ایمان لے آئے ہاروں اور موسیٰ کے پروردگار پر فرعون نے کہا کہ بدوں اس کے کہ میں تم کو اجازت دوں (یعنی میری خلاف مرضی) تم موسیٰ پر ایمان لے آئے واقعی (معلوم ہوتا ہے کہ) وہ (سحر میں) تمہارے بھی بڑے ہیں کہ انہوں نے تم کو سحر سکھلایا ہے سو میں تم سب کے ہاتھ پاؤں کٹواتا ہوں ایک طرف کا ہاتھ ایک طرف کا پاؤں اور تم سب کو بھوروں کے درختوں پر لٹکواتا ہوں اور یہ بھی تم کو معلوم ہوا جاتا ہے کہ ہم دونوں میں (یعنی مجھ میں اور رب موسیٰ میں) کس کا عذاب زیادہ سخت اور دیر پا ہے۔

تفسیر 65 "قَالُوا" جادوگروں نے کہا "یا موسیٰ اما ان تلقی" اپنی لائیاں ڈالیں۔ "واما ان نکون

اول من القی" جو کچھ ہمارے پاس ہے۔

66 موسیٰ علیہ السلام نے کہا "بل القوا" تم پہلے ڈالو۔ "فاذا حبالہم" اس میں اشارہ ہے کہ تم اپنی لائیاں یا رسیاں ڈالو۔

"وعصیہم" عصا کی جمع ہے۔ "یخیل الیہ" بن عامر اور یعقوب نے تخیل تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ دوسرے قراء نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ پہلی صورت میں ضمیر ان کی رسیوں اور لائیوں کی طرف راجع ہے اور دوسری صورت میں ان کے کمر و فریب اور جادو کی طرف لوٹ رہی ہے۔ "من سحرہم انہا تسعی" ڈالی ہوئی چیزوں کے متعلق تخیل پیدا ہوا کہ وہ چل رہی ہیں اور یہ اس وجہ سے کہ جب انہوں نے لائیاں زمین پر پھینکی تو لوگوں کی نظر بندی کردی اور نظر بندی کی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام کو اور

دوسرے حاضرین کو ایسا محسوس ہونے لگا کہ ایک ایک میل تک سانپوں سے بھر گئی ہے اور سانپ دوڑ رہے ہیں۔

77 ﴿فَاَوْجَسَ فِي نَفْسِهِ خِيفَةً مُّوسَىٰ﴾ اس کو خوف پایا۔ بعض نے کہا کہ انہوں نے اپنے دل میں خوف کو چھپایا۔ اس خوف کے متعلق بعض نے کہا کہ بشریت کے تقاضے کی بناء پر کچھ خفیہ خوف پیدا ہوا۔ مقاتل کا بیان ہے کہ آپ کو یہ اندیشہ ہوا کہ لوگ دھوکہ کھا جائیں گے اور میرے معجزے میں ان کو شک پڑ جائے گا اور حق واضح نہ ہوگا۔

78 ﴿قُلْنَا﴾ ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا ”لا تخف انک انت الاعلیٰ“ آپ غالب رہیں گے۔ غلبہ آپ کے لیے ہے اور کامیابی آپ ہی کی ہے۔

79 ﴿وَالْقَافِيَ يَمِينِكَ﴾ اس عصا کو ڈال دیجئے۔ ”تلقف“ وہ سب کو نگل لے گا اور ہڑپ کر لے گا۔ ”ما صنعوا“ ابن عامر نے ”تلقف“ فاء کے رفع کے ساتھ اور دوسرے قراء نے جزم کے ساتھ پڑھا ہے۔ ”انما صنعوا“ جو انہوں نے بنایا ہے وہ سب جادو ہے۔ ”کید ساحر“ جادو گروں کا حیلہ ہے۔ اسی طرح حمزہ اور کسائی نے سین کے کسرہ کے ساتھ بغیر الف کے ذکر کیا ہے اور دوسرے قراء نے ساحر پڑھا ہے کیونکہ کید کی اضافت فاعل کی طرف ہے۔ ”ولا یفلح الساحر حیث اتی“ یعنی جادو گر جہاں اور جس زمین میں جائے کامیاب نہیں ہوتا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے اس کا حاصل بھی یہی ہے۔ بعض نے ”اتی“ کا ترجمہ حیث احتمال کیا ہے یعنی جوتہمیر جہاں کرے کامیاب نہیں ہوتا۔

70 ﴿فَالْقَى السَّحْرَةَ سَجْدًا فَالُوا اٰمَنًا بِرَبِّ هَارُونَ وَمُوسَىٰ﴾

71 ﴿قَالَ اٰمَنُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذِنَ لَكُمْ اِنَّهٗ لَكَبِيْرٌ كَمٌ﴾ کہ یہ تمہارا سردار اور تمہارا استاد سکھانے والا ہے۔ ”الذی علمکم السحر فلا تقطن ایدیکم و ارجلکم من خلاف ولا صلبکم فی جذوع النخل“ درخت کھجور کے تنوں میں لمبا ہوتا ہے۔ دور سے نظر آتا ہے۔ ”ولتعلمن اینا اشد عذابا“ یعنی میں تم کو اب موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کی زیادہ سخت مزادے سکتا ہوں یا موسیٰ علیہ السلام کا رب تم کو زیادہ سخت عذاب دے سکتا ہے۔ اگر تم اس پر ایمان نہ لاتے۔ ”وابقی“ اس سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔

قَالُوا لَنْ نُؤْتِرَكَ عَلٰی مَا جَاءَنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالَّذِي فَطَرْنَا فَاقْصِ مَا اَنْتَ قَاصٍ. اِنَّمَا تَقْصِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿٧٢﴾ اِنَّا اَمْنَا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطِيْئَاتِنَا وَمَا اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنْ السِّحْرِ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّابْقٰی ﴿٧٣﴾ اِنَّهٗ مَنْ يَّاتِ رَبَّهُ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ. لَا يَمُوْثُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰی ﴿٧٤﴾ وَمَنْ يَّاتِهٖ مُّؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصَّالِحٰتِ فَاولٰئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰی ﴿٧٥﴾

ان لوگوں نے صاف جواب دے دیا کہ ہم تجھ کو کبھی ترجیح نہ دیں گے بمقابلہ ان دلائل کے جو ہم کو ملے ہیں اور بمقابلہ اس ذات کے جس نے ہم کو پیدا کیا ہے تجھ کو جو کچھ کرنا ہو (دل کھول کر) کر ڈال تو بجز اس کے کہ اس

دنیاوی زندگی میں کچھ کر لے اور کر ہی کیا سکتا ہے بس اب تو ہم اپنے پروردگار پر ایمان لائے تاکہ ہمارے (پچھلے) گناہ (کفر وغیرہ) معاف کر دیں اور تو نے جو جادو (کے مقدمہ) میں ہم پر زور ڈالا اس کو بھی معاف کر دیں اور اللہ تعالیٰ (تجھ سے) بدرجہا اچھے ہیں اور زیادہ بقا والے ہیں جو شخص (بغاوت کا) مجرم ہو کر اپنے رب کے پاس حاضر ہو گا سو اس کے لئے دوزخ (مقرر) ہے اس میں نہ مرے ہی گا اور نہ جئے ہی گا اور جو شخص رب کے پاس مومن ہو کر حاضر ہو گا جس نے نیک کام بھی کئے ہوں سو ایسوں کے لئے بڑے اونچے درجے ہیں۔

**تفسیر** 72 "قالوا" جادوگر کہنے لگے۔ "لن نوثرک" کہ تمہیں اختیار نہیں کریں گے۔ "علی ما جاءنا من البينات" ان دلائل کے مقابلے میں مقاتل کا بیان ہے کہ دلائل سے مراد بید بیضاء عصا اور باقی معجزات ہیں اور بعض نے کہا کہ اگر یہ جادو ہے تو پھر ہماری رسیاں اور لٹھیاں کہاں جائیں گی اور بعض نے کہا کہ "بینات" سے مراد یقین و علم ہے۔ قاسم بن ابی ایزی سے حکایت کی جاتی ہے کہ جب جادوگر سجدہ میں گر جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو سجدہ سے اس وقت تک نہیں اٹھائے گا جب تک کہ ان کو سجدہ میں جنت و دوزخ دکھانہ لیں اور جنت کے اہل والوں کو ان کے اعمال کا ثواب اور جو کچھ جنت میں ہے وہ دیکھ نہ لیں۔ اس آیت "قالوا لن نوثرک علی ما جاءنا من البينات" کا مطلب یہی ہے۔ "والدی فطرنا" اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں تجھے ترجیح نہ دیں گے۔ یعنی جس فطرۃ پر پہلے سے ہم ہیں اس کو چھوڑ دیں گے۔ بعض نے کہا کہ یہ قسم ہے۔ "فاهض ما انت قاض" تو کر ڈال جو کچھ تو کرنا چاہتا ہے۔ "انما تقضى فی هذه الحیوة الدنیا" یعنی یہ سب کچھ تو دنیا میں کر سکے گا تیری یہ بادشاہت اور سلطنت دنیا ہی تک ہے جو عنقریب زائل ہونے والی ہے۔

73 "انا امانا لیغفر لنا خطایانا وما اکرهنا علیہ من السحر"

سوال یہ ہوتا جادوگر تو اپنے اختیار سے آئے تھے، فرعون نے ان کو مجبور کیا تھا، خود ہی انہوں نے فرعون کی قسم کھا کر کہا تھا کہ ہم غالب رہیں گے، پھر "ما اکرهنا علیہ من السحر" کہنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟

جواب: حسن رحمہ اللہ کا قول ہے فرماتے ہیں کہ کچھ لوگوں کو فرعون جادو سیکھنے پر مجبور کرتا۔ تاکہ جادو کی جزا قائم رہے۔ "ما اکرهنا" سے یہی مراد ہے۔ مقاتل کا بیان ہے کہ جادوگر بہتر تھے۔ دو قبیل اور ستر اسرائیلی فرعون نے اسرائیلیوں کو جادو سیکھنے پر مجبور کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا یہی مطلب ہے۔ عبدالعزیز بن ابان نے کہا کہ جادوگروں نے فرعون سے درخواست کی کہ پہلے ہم کو موسیٰ علیہ السلام کو سوتے کی حالت میں دکھا دیجئے۔ چنانچہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سو رہے تھے اور لٹھی آپ کا پہرہ دے رہی تھی۔ اس وقت فرعون نے جادوگروں کو بلوا کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معائنہ کروا دیا۔ جادوگر دیکھ کر کہنے لگے یہ تو سحر نہیں ہے کیونکہ جادوگر سو جاتا ہے تو اس کا جادو بھی ختم ہو جاتا ہے۔ فرعون نے جادوگروں کی بات نہیں مانی اور مقابلہ کرنے پر مجبور کیا۔ "ما اکرهنا علیہ من السحر" کا یہی مطلب ہے۔ "واللہ خیر و ابقى" محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ آپ کو بہتر ثواب دیا جائے گا اور ان کے لیے عذاب کو باقی رکھا۔ محمد بن کعب کا بیان ہے کہ تمہارے لیے ثواب بہتر ہے۔ اگر تم ہماری اطاعت کرو گے اور تمہارے لیے عذاب



کو باقی رکھا جائے گا، اگر تم نے ہماری نافرمانی کی۔ گویا اس کا جواب ہے ”ولتعلمن اینا اشد عذابا وابقی“  
 ﴿۷۶﴾ ”انہ من یات ربہ مجرماً“ اللہ تعالیٰ کے کلام کی ابتداء ہے اور بعض نے کہا کہ جادو گروں کا آخری کلام ہے۔ یعنی جو حالت شرک پر مرے گا۔ ”فان له جہنم لایموت فیہا“ اس کو جہنم میں راحت حاصل نہیں ہوگی۔ ”ولا یحیی“ اور نہ ہی ایسی زندگی جس سے ان کو نفع حاصل ہو۔

﴿۷۷﴾ ”ومن یاتہ“ ابو عمرو نے ہا کے سکون کے ساتھ اس کو ذکر کیا ہے۔ دوسرے قراء کے نزدیک اشباع کے ساتھ ہے۔ ”مؤمناً“ جو شخص حالت ایمان پر فوت ہوا۔ ”قد عمل الصالحات فاولئک لهم الدرجات العلی“ ان کے لیے بلند مرتبہ ہے۔ ”العلی“ جمع ہے ”علیا“ کی، تانیث ہے اعلیٰ کی۔

جَنَّتْ عَدْنٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَذَلِكَ جَزَاءُ مَنْ تَزَكَّى ﴿۷۶﴾ وَوَلَقَدْ  
 أَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ أَسْرِ بِعِبَادِي فَاصْرِبْ لَهُمْ طَرِيقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا لَا تَخَفْ دَرَسًا  
 وَلَا تَخَشَى ﴿۷۷﴾ فَاتَّبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُودِهِ فَغَشِيَهُمْ مِنَ اللَّيْلِ مَا عَشِيَهُمْ ﴿۷۸﴾ وَأَضَلَّ فِرْعَوْنُ  
 قَوْمَهُ وَمَا هَدَىٰ ﴿۷۹﴾ بَيْنِي إِسْرَاءِ يَلْ قَدْ أَنْجَيْنَاكَ مِنْ عَدُوِّكَمْ وَعَدَدْنَاكُمْ جَانِبَ الطُّورِ  
 الْأَيْمَنِ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّٰنَ وَالسَّلْوَىٰ ﴿۸۰﴾ كُلُّوْا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيهِ  
 فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِي وَمَنْ يَحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِي فَقَدْ هَوَىٰ ﴿۸۱﴾

﴿۷۶﴾ یعنی ہمیشہ رہنے کے باغات جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ کو رہیں گے اور جو شخص (کفر و معصیت) سے پاک ہو اس کا یہی انعام ہے اور ہم نے موسیٰ کے پاس وحی بھیجی کہ ہمارے (ان) بندوں (یعنی بنی اسرائیل) کو (مصر سے) راتوں رات (باہر) لے جاؤ پھر ان کے لئے دریا میں (عصا مار کر) خشک رستہ بنا دینا تم کو کسی کے تعاقب کا اندیشہ ہوگا اور نہ اور کسی قسم کا خوف ہوگا پس فرعون اپنے لشکروں کو لے کر ان کے پیچھے چلا تو دریا ان پر جیسا ملنے کو تھا آ ملا اور فرعون اپنی قوم کو بری راہ لایا اور نیک راہ ان کو نہ بتلائی اے بنی اسرائیل (دیکھو) ہم نے تم کو تمہارے (ایسے بڑے) دشمن سے نجات دی اور ہم نے تم سے (یعنی تمہارے پیغمبر سے) کوہ طور کی داہنی جانب آنے کا وعدہ کیا اور (وادی تیبہ میں) ہم نے تم پر من و سلویٰ نازل فرمایا (اور اجازت دی کہ) ہم نے یہ نیس چیزیں تم کو دی ہیں ان کو کھاؤ اور اس (کھانے) میں حد (شرعی) سے مت گزرو کہیں میرا غضب تم پر واقع ہو جاوے اور جس شخص پر میرا غضب واقع ہوتا ہے وہ بالکل گیا گزرا ہوا۔

﴿۷۷﴾ ”جنات عدن تجری من تحتها الانهار خالدين فيها و ذلك جزاء من تزكى“ تمہیں گناہوں

سے پاک کر لیں گے۔ کلیبی کا بیان ہے کہ اپنے نفس کی زکوٰۃ ادا کرو۔ لا الہ الا اللہ کے قول کے ساتھ۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اونچے درجات والوں کو نیچے والے اس طرح دیکھیں گے جس طرح تم چمکتے ستاروں کو آسمان کے کنارے پر دیکھتے ہو اور حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما انہی میں سے ہوں گے۔

77 "ولقد اوحينا الى موسى ان اسر بعبادی" ان کو مہر سے راتوں رات باہر لے جاؤ۔ "فاضرب لهم طریفا فی البحر" بنا لو ان کے لیے راستہ سمندر میں لاشی کے مارنے کے ساتھ۔ "یسسا" وہ ایسا خشک ہو جائے گا کہ نہ اس میں مٹی ہوگی اور نہ ہی پانی اور نہ ہی کچھڑ۔ اللہ تعالیٰ سمندر کے پانی کو جام کر دیں گے۔ "لا تخاف درکما" حمزہ نے اس کو "لا تخف" پڑھا ہے۔ مجرم نبی کی وجہ سے اور باقی قراء نے رفع اور الف کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ "ولا تخشی" بعض نے کہا کہ آپ اس وجہ سے خوف نہ کھائیں کہ آپ کے پیچھے فرعون آ گیا اور نہ ہی اس بات سے خوف کھائیں کہ آگے سمندر میں ڈوب جائیں گے۔

78 "فاتبعہم" فرعون اپنا لشکر لے کر ان کے پیچھے چل پڑا۔ "فرعون بجنودہ" بعض نے کہا کہ فرعون نے اپنی قوم کو حکم دیا کہ وہ ان کے پیچھے پیچھے جائیں۔ بعض نے کہا کہ باء زائدہ ہے اور فرعون ان میں شامل تھا۔ "فغشیہم" ان کو پہنچا۔ "من الیم ما غشیہم" اور وہ غرق ہو گیا۔ یعنی فرعون کو ایسی موجوں نے ڈھانپ لیا جو اوپر سے بھی آئیں جن کی مقدار اور حقیقت سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا۔ ایک تو سمندر کا اندھیرا اور دوسرا موجوں کے جوش مارنے کا اندھیرا۔ اور بعض نے کہا کہ ان کو ایسے اندھیرے نے سمندر میں لپیٹا جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو نہیں کیا۔ فرعون کی قوم غرق ہو گئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم بچ گئی۔

79 "واضل فرعون قومہ وما ہدی" فرعون نے اپنی قوم کو بے راہ کر دیا تھا اور ان کو سیدھا راستہ نہیں دکھایا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "وما اھدیکم الا سبیل الرشاد"

80 "یا بنی اسرائیل قد انجیناکم من عدوکم" اس سے مراد فرعون ہے۔ "وواعدنکم جانب الطور الا یمین ونزلنا علیکم المنّ والسلوی"

81 "کلوا من طیبات ما رزقناکم" حمزہ اور کسائی نے "انجیتکم، وواعدتکم، ورزقناکم" تاء کے ساتھ ہے اور دوسرے قراء نے نون کے ساتھ ذکر کیا ہے تعظیم کی بناء پر اور "نزلنا" میں اختلاف نہیں کیا کیونکہ ان کو الف کے ساتھ ہی ذکر کیا ہے۔ "ولا تطھوا فیہ" ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ تم ظلم نہ کرو۔ کلیبی کا بیان ہے کہ تم نعمت کی ناشکری نہ کرو وگرنہ سرکش ظالم بن جاؤ گے۔

بعض نے کہا کہ ہماری پاکیزہ اشیاء برائی میں خرچ نہ کرو۔ بعض نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہماری نعمتوں کو معاصی میں تقویت نہ دو۔ بعض نے کہا کہ تم ہماری نعمتوں کو ذخیرہ نہ کرو۔ "فیحلل" اعمش کسائی نے حاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے اور "ومن یحلل" لام کے ضمہ کے ساتھ ہے۔ اس کا معنی ہے اُترنا اور دوسرے قراء نے کسرہ کے ساتھ پڑھا۔ اس صورت میں اس کا معنی ہے واجب "علیکم غضبی ومن یحلل علیہ غضبی فقد ہوی" تو وہ ہلاک ہو اور آگ میں جاگرا۔

وَاِنِّي لَفَعْفَارٌ لِّمَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدَى ﴿٥٢﴾ وَمَا اَعْجَلَك عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوسٰى ﴿٥٣﴾ قَالَ هُمْ اَوْلَآءِ عَلٰى الْاَرِىِّ وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى ﴿٥٤﴾ قَالَ فَاِنَا قَدْ فَنَّا قَوْمَكَ مِنْ مَّ بَعْدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ﴿٥٥﴾ فَرَجَعَ مُوسٰى اِلَى قَوْمِهِ غَضْبَانَ اَسِفاً قَالَ يَقَوْمِ اَلَمْ يَبْعِدْكُم رَّبُّكُمْ وَعَدَّا حَسَنًا اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُمْ اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّن رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَوْعِدِى ﴿٥٦﴾

**ترجمہ** اور (نیز اس کے ساتھ یہ بھی کہ) میں ایسے لوگوں کے لئے بڑا بخشنے والا بھی ہوں جو توبہ کر لیں اور ایمان لے آئیں اور نیک عمل کریں پھر (اسی راہ پر) قائم (بھی) رہیں اور اے موسیٰ آپ کو اپنی قوم سے آگے جلدی آنے کا کیا سبب ہوا انہوں نے (اپنے گمان کے موافق) عرض کیا کہ وہ لوگ یہی تو ہیں میرے پیچھے پیچھے (آ رہے ہیں) اور میں آپ کے پاس جلدی سے اس لئے چلا آیا کہ آپ (زیادہ) خوش ہوں گے ارشاد ہوا کہ تمہاری قوم کو تو ہم نے تمہارے (چلے آنے کے) بعد ایک بلا میں مبتلا کر دیا اور ان کو سامری نے گمراہ کر دیا غرض موسیٰ (بعد انقضائے میعاد کے) غصہ اور رنج میں بھرے ہوئے اپنی قوم کی طرف واپس آئے (اور) فرمانے لگے کہ اے میری قوم کیا تم سے تمہارے رب نے ایک اچھا وعدہ نہیں کیا تھا کیا تم پر (میعاد مقرر سے کچھ) زیادہ زمانہ گزر گیا تھا یا تم کو یہ منظور ہوا کہ تم پر تمہارے رب کا غضب واقع ہو۔ اس لئے تم نے مجھ سے جو وعدہ کیا تھا اس کو خلاف کیا۔

**تفسیر** ﴿٥٢﴾ ”وانی لفعفار لمن تاب“ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ اس کا معنی ہے شرک سے توبہ کرنا۔ ”وآمن“ ووحده اللہ، اللہ کی وحدانیت اور اس کی تصدیق کرنا۔ ”وعمل صالحا“ غیر انقض کو ادا ”ثم اهتدی“ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس نے ہدایت پائی یعنی جان لیا کہ یہ سب کچھ اللہ کی توفیق سے ملا ہے۔ قتادہ اور سفیان ثوری کا قول ہے کہ اسلام پر مرتے دم تک قائم رہا۔ محض، مقاتل، بکبی کا بیان ہے کہ یعنی یہ جان لیا کہ اللہ کی طرف سے اس کا ثواب مجھے ملے گا۔ زید بن اسلم کا قول ہے کہ اس نے علم حاصل کیا تا کہ اس کے مطابق عمل کرے۔ ضحاک کا قول ہے ہدایت پر قائم رہنا۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کا قول ہے سنت اور جماعت کے مسلک پر قائم رہا۔

﴿٥٣﴾ ”وما اعجلک عن قومک“ قوم کے جلدی آنے کا سبب کیا ہے۔ ”عن قومک“ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے طور پر لے جانے کے لیے بنی اسرائیل میں سے اتر آدیوں کا انتخاب کیا تا کہ طور پر پہنچ کر حسب وعدہ اللہ کی کتاب حاصل کر لیں۔ پھر ان کو پیچھے چھوڑ کر دیدار الہی کے شوق میں خود پہلے آگئے اور ان سے کہہ دیا تم لوگ پیچھے آ جاؤ۔ اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہی سوال کیا ہے کہ تم قوم سے پہلے چلے آئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا وما اعجلک عن قومک (یا موسیٰ) ﴿٥٤﴾ ”قال“ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ رب العزت کو جواب دے رہے تھے۔

”ہم اولاء علی اثری“ اس مقام کی طرف جہاں عزت قرب عطا فرمانے اور تجلیات نازل کرنے اور کلام کرنے کا آپ نے وعدہ کیا تھا۔ ”وعجلت الیک رب لترضی“ تاکہ آپ زیادہ خوش ہوں۔

85 ”قال لانا قد فتنا قومک من بعدک“ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیچھے حضرت ہارون علیہ السلام کو آزمائش میں ڈالا اور وہ ستر ہزار لوگ جنہوں نے پھڑے کی پوجا شروع کر دی تھی۔ بعض نے کہا کہ بنی اسرائیل چھ لاکھ تھے، بارہ ہزار کے علاوہ باقی سب گمراہ اور گوسالہ پرست ہو گئے۔

”وأضلهم السامری“ اس نے لوگوں کو پھڑے کی پوجا کرنے کی طرف پھیر دیا۔ سامری کی طرف اضافت اس لیے کی اس کے سبب سب گمراہ ہوئے۔

86 ”فرجع موسیٰ الی قومہ غضبان أسفا“ غمگین ہو کر۔ ”قال یا قوم ألم يعدکم ربکم وعدًا حسنًا“ اس سے مراد سچائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تورات دی۔

”أفطال علیکم العہد“ آپ سے جدا ہونے کی مدت کتنی تھی۔ ”ام اردتم أن یحل علیکم غضب من ربکم“ اگر تم نے ایسا کرنے کا ارادہ کر لیا تو پھر تم اپنے رب کے غضب کو پہنچ گئے۔ ”فاخلفتم موعدی“

قَالُوا مَا أَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلِكِنَا وَلَكِنَّا حُمِلْنَا أَوْزَارًا مِنْ زِينَةِ الْقَوْمِ فَقَدَفْنَاهَا فَكَذَلِكَ

أَلْقَى السَّامِرِيُّ 87 فَأَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَهُ خُوَارٍ فَقَالُوا هَذَا إِلَهُكُمْ وَاللَّهُ مُوسَى

فَنَسِيَ 88 أَفَلَا يَرَوْنَ إِلَّا يَرْجِعُ إِلَيْهِمْ قَوْلًا وَلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا 89 وَلَقَدْ قَالَ

لَهُمْ هُرُونُ مِنْ قَبْلِ يَوْمِ إِنْمَا فُتِنْتُمْ بِهِ وَإِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمَنُ فَاتَّبِعُونِي وَأَطِيعُوا أَمْرِي 90

تفسیر وہ کہنے لگے کہ ہم نے جو آپ سے وعدہ کیا تھا اس کو اپنے اختلاف سے خلاف نہیں کیا۔ لیکن قوم (قبیلہ) کے

زیور میں سے ہم پر بوجھ لدر ہا تھا سو ہم نے اس کو (سامری کے کہنے سے آگ میں) ڈال دیا پھر اسی طرح سامری نے

(بھی) ڈال دیا پھر اس (سامری) نے ان لوگوں کے لئے ایک پھڑا (بنا کر) ظاہر کیا کہ وہ ایک قالب تھا جس میں

ایک (بے معنی) آواز تھی سو وہ (اسحق) لوگ (ایک دوسرے سے) کہنے لگے کہ تمہارا اور موسیٰ کا معبود تو یہ ہے موسیٰ تو

بھول گئے کیا وہ لوگ اتنا بھی نہیں دیکھتے تھے کہ وہ نہ تو ان کی کسی بات کا جواب دے سکتا ہے اور نہ ان کے کسی ضرر اور نفع

پر قدرت رکھتا ہے اور ان لوگوں سے ہارون نے (موسیٰ علیہ السلام کے لوٹنے سے) پہلے بھی کہا تھا کہ اے سیری قوم تم

اس (گوسالہ) کے سبب گمراہی میں پھنس گئے ہو اور تمہارا رب (حقیقی) رحمن ہے سو تم میری راہ پر چلو اور میرا کہا مانو۔

تفسیر 97 ”قالوا ما اخلفنا موعدک بملکنا“ نافع، ابو جعفر اور عاصم کے نزدیک ”بملکنا“ ہم کے فتوے کے ساتھ

حزہ اور کسائی نے ان دونوں کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے کہ ہم آپ کے حکم کے

مالک ہیں۔ بعض نے کہا کہ ہم نے اپنے اختیار سے ایسا نہیں کیا اور بعض قراء نے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس صورت میں اس کا معنی یہ ہوگا کہ یہ سب کچھ آپ کی قدرت اور اختیار سے کیا۔ بعض نے کہا کہ جب کسی شخص پر کوئی مصیبت یا مشکل افتاد آ پڑے تو پھر اس کو اپنے نفس کی پروا نہیں ہوتی۔ ”ولکننا حملنا“ ابو عمرو، حمزہ، کسائی، ابوبکر، یعقوب نے حاء کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ میم کی تخفیف کے ساتھ، دوسرے قراء نے حاء کے ضمہ کے ساتھ اور میم کی تشدید کے ساتھ

”اوزاراً من زينة القوم“ فرعون کی قوم کے زیورات ان کو اوزار اس لیے کہا کہ انہوں نے فرعون کی قوم سے عاریتہ زیورات لیے۔ یہ اس وجہ سے کہ جب بنی اسرائیل نے قبطیوں سے سونا عاریتہ لیا تو اس وقت قبطی ان کے ساتھ ساتھ مصر سے باہر نکلے اور بعض نے کہا کہ فرعون اور اس کے ساتھی جب دریا میں ڈوب گئے تو دریا نے ان کا زیور باہر پھینک دیا۔ بنی اسرائیل نے بطور مال غنیمت اس کو لے لیا لیکن مال غنیمت ان کے لیے جائز نہ تھا اس لیے انہوں نے اس کو بوجھ ہی کہا۔

”فلقد فشاها“ بعض روایات میں آتا ہے کہ سامری کے کہنے سے انہوں نے ایک گڑھا کھود کر سارا زیور اس میں ڈال دیا تاکہ موسیٰ علیہ السلام جب واپس آئیں تو زیور کے متعلق شرعی حکم بتائیں۔

سدی کا قول ہے کہ ان کو حضرت ہارون علیہ السلام نے کہا کہ جو زیورات تمہارے پاس ہیں یہ غنیمت تمہارے لیے حلال نہیں تو ایک گڑھا کھود کر اس میں ڈال دو۔ یہاں تک کہ موسیٰ علیہ السلام واپس آ جائیں۔ پھر وہ اس کے متعلق رائے دیں۔ پھر انہوں نے ایسے ہی کیا۔ ”فلقد فشاها“ ڈال دیا ہم نے اس زیورات کو گڑھے میں۔ ”فكذلك القى السامري“ اور اس میں سامری نے بھی ڈال دیا اور جو کچھ اس کے پاس تھا وہ بھی ڈال دیا۔

سعید بن جبیر تابعی رحمہ اللہ کی روایت سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان منقول ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام نے آگ جلوا کر بنی اسرائیل کو حکم دیا تھا کہ تم لوگوں کے پاس جو زیور ہے وہ اس میں ڈال دو، حکم کی تعمیل میں بنی اسرائیل نے سارا زیور آگ میں ڈال دیا۔ پھر سامری نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے گھوڑے کے قدم کے نیچے کی خاک (جو اس کے پاس تھی) آگ میں ڈال دی۔ قنادہ کا بیان ہے کہ سامری نے وہ مٹی اپنے عمامے کے گوشے میں رکھی تھی۔

88 ”فأخرج لهم عجلاً جسداً له خوار فقالوا هذا الهكم واله موسى فنسى“ موسیٰ علیہ السلام نے اس کو ترک کر دیا اور خدا کی تلاش میں چلا گیا۔ (نعوذ باللہ) بعض نے کہا کہ سیدھا راستہ چھوڑ کر بھٹک گیا۔

89 ”فلا يرون الا يرجع اليهم قولا“ انہوں نے ایسا سمجھنا نہیں دیکھا جو بولتا بھی ہو اور جواب بھی دیتا ہو، جب اس کو پکارا جائے۔

”ولا يملك لهم ضميراً ولا نفعا“ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ سامری کچھ بنا رہا تھا کہ حضرت ہارون علیہ السلام ادھر سے گزرے اور پوچھا کہ کیا کر رہا ہے۔ سامری نے کہا میں ایسی چیز بنا رہا ہوں جو مفید ہوگی، ضرر رساں نہیں ہوگی، آپ میرے لیے کامیابی کی دُعا کریں۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے دُعا کی کہ اے اللہ! یہ جو کچھ تجھ سے مانگ رہا ہے اس کو اس کی دلی مراد کے مطابق عطا فرما دے۔ آپ علیہ السلام کی دُعا قبول ہوئی اور سامری نے جب کچھڑے کے منہ میں خاک ڈال دی تو وہ بولا چیخا

ہوا پھڑا بن جا۔ چنانچہ ایسا ہی ہو گیا۔ حقیقت میں یہ اللہ کی طرف سے آزمائش تھی جس میں اللہ نے بنی اسرائیل کو مبتلا کر دیا تھا۔  
 90 "وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هَارُونُ مِنْ قَبْلُ "حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واپس لوٹنے سے پہلے ہی کہہ چکے تھے۔ "بقاوم  
 انما فتنتم بہ" کہ تم کس میں مبتلا ہو گئے ہو۔ "وان ربکم الرحمن فاتبعونی" میرے دین پر چلو، میری اتباع کرو۔  
 "واطیعوا امری" اور پھڑے کی پوجا کو چھوڑ کر میرے حکم کی اطاعت کرو۔

قَالُوا لَنْ نُبْرَحَ عَلَيْهِ عَكْفَيْنَ حَتَّىٰ يَرْجِعَ إِلَيْنَا مُوسَىٰ 91 قَالَ يَلُذُّونَ مَا مَنَعَكَ إِذْ رَأَيْتَهُمْ ضَلُّوْا 92  
 إِلَّا تَتَّبِعَنِ الْفَعَصِيَّةَ أَمْرِي 93 قَالَ يَبْتَدُونَ لَا تَأْخُذْ بِذُنُوبِهِمْ وَلَا بِرَأْسِي. إِنِّي خَشِيتُ أَنْ تَقُولَ  
 فَرَأَيْتُ بَيْنَ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِي 94 قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يَا سَامِرِيُّ 95 قَالَ بَصُرْتُ  
 بِمَا لَمْ يَبْصُرُوا بِهِ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ أَثَرِ الرَّسُولِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذَلِكَ سَوَّلَتْ لِي نَفْسِي 96

انہوں نے جواب دیا کہ ہم تو جب تک موسیٰ ہمارے پاس واپس ہو کر آئیں اسی (کی عبادت) پر برابر جے  
 بیٹھے رہیں گے (موسیٰ نے) کہا اے ہارون جب تم نے (ان کو) دیکھا تھا کہ یہ (بالکل) گمراہ ہو گئے تو (اس وقت)  
 تم کو میرے پاس چلے آنے سے کون امر مانع ہوا تھا سو کیا تم نے میرے کہنے کے خلاف کیا ہارون نے کہا کہ اے  
 میرے میا جانے تم میری ڈاڑھی مت پکڑو اور نہ سر (کے بال) (پکڑو مجھ کو اندیشہ ہوا کہ تم کہنے لگو کہ تم نے بنی  
 اسرائیل کے درمیان میں تفریق ڈال دی اور تم نے میری بات کا پاس نہ کیا (پھر سامری کی طرف متوجہ ہوئے) کہا  
 کہ اے سامری تیرا کیا معاملہ ہے اس نے کہا کہ مجھ کو ایسی چیز نظر آئی تھی جو اوروں کو نظر نہ آئی تھی پھر میں نے اس  
 فرستادہ (خداوندی کی سواری) کے نقش قدم سے ایک مٹھی (بھر خاک) اٹھالی تھی سو میں نے وہ مٹھی (اس قالب کے  
 اندر) ڈال دی اور میرے جی کو یہی بات پسند آئی۔

تفسیر 91 "قالوا لن نبرح" ہم ہمیشہ اس پر برقرار رہیں گے جب تک موسیٰ علیہ السلام واپس نہیں لوٹتے۔ "علیہ" اس کی  
 عبادت پر ہمیشہ رہیں گے۔ "عاکفین" اسی پر جے رہیں گے۔ "حتیٰ يرجع الینا موسیٰ" اس جواب کے بعد حضرت ہارون  
 علیہ السلام اپنے ساتھ بارہ ہزار افراد کو لے کر باقی جماعت سے الگ ہو گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس آئے تو آپ نے دور  
 سے کچھ شور و غل کی آواز سنی کیونکہ لوگ پھڑے کے گرد ناچ کود رہے تھے اور شور برپا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جو ستر  
 آدمی گئے تھے انہوں نے کہا کہ یہ آواز تو کسی فتنہ سے خالی نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آ کر لوگوں کو پھڑے کے پاس ناپچتے  
 دیکھا تو غضبناک ہو کر دائیں ہاتھ سے حضرت ہارون علیہ السلام کے سر کے بال اور بائیں ہاتھ سے داڑھی پکڑ لی۔

92 "قال" ان کو کہا "یا ہرون ما منعک اذ رأیتهم ضلوا" کہ تم شرک کرنے لگے ہو۔

93 "الا تتبعن" کہ تم میری پیروی کرتے "لا" صلہ ہے کہ میرے حکم کی پیروی کرتے اور میرا کہنا مانتے اور آپ ان کے



ساتھ قتال کرتے اور تم جانتے ہو کہ اگر میں ان کے درمیان میں ہوتا تو ان کے ساتھ قتال کرتا ان کے کفر کی وجہ سے۔ بعض علماء نے اس کا معنی یہ بیان کیا کہ تمہیں میرے پیچھے آنے اور مجھے اس واقعہ کی اطلاع دینے سے کیا مانع ہوا، تم نے ایسا کیوں نہیں کیا۔ ”افعصیت امری“ کہ تم نے میرے کام کی مخالفت کی۔

94 ”قال يا ابن أم لا تاخذ بلحيتي ولا برأسي“ یعنی میرے سر کے بال پکڑ کر نہ کھینچے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شدت غضب میں حضرت ہارون علیہ السلام کے سر کے بال پکڑ کر کھینچے تھے۔ ”انی خشیت“ مجھے اندیشہ ہوا کہ اگر میں ان کو گوسالہ پرستی سے سختی کرتا تو یہ دو گروہوں میں تقسیم ہو جاتے اور ایک دوسرے کی گردن مارتے تو آپ مجھے کہتے (ان نقول فرقت بین بنی اسرائیل) تو مجھے اس بات سے ڈر لگا کہ اگر ان کو روکوں (تو لا محالہ ان کے دو فرقتے ہو جائیں گے۔ ایک میرا حامی اور دوسرا وہ جس کے ساتھ میں قتال کرتا اور پھر آپ کہتے کہ بنی اسرائیل کے تو نے دو ٹکڑے کر دیئے۔ ”ولم ترقب قولی“ اور میری بات کا لحاظ نہیں رکھا، میں نے تجھ سے کہا تھا کہ میری جگہ تو ان کی ورستی اور اصلاح کرتے رہنا اور ظاہر ہے کہ اصلاح نزی سے سمجھانے سے ہی ممکن ہو سکتی تھی اس لیے میں نے نزی سے ان کو سمجھایا، خون ریزی نہیں کی۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام سامری کی طرف متوجہ ہوئے۔

95 ”قال فما خطبک“ سامری تیرا کیا معاملہ ہے تو نے یہ کس طرح کر دیا۔ (یا سامری)

96 ”قال بصرت بما لم يبصروا به“ میں نے ایسی چیز دیکھی جو اوروں نے نہیں دیکھی اور میں نے وہ چیز پہچانی جو اوروں نے نہیں پہچانی۔ حمزہ اور کسائی نے ”مالم تبصروا“ ساء کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے خبر ہونے کی وجہ سے ”فقبضت قبضة من اثر الرسول“ وہ فرستادہ خداوندی کے گھوڑے کے نقش قدم سے ”فنبذتها“ اور اس کو پھینچنے کے منہ میں ڈال دیا۔ بعض حضرات نے کہا کہ سامری نے وہ خاک حضرت جبرئیل علیہ السلام کے گھوڑے کی ٹاپوں کے نیچے سے اٹھائی تھی کیونکہ اس کی پیدائش اسی سال ہوئی تھی جس سال بنی اسرائیل کے نوزائیدہ قتل کیے جا رہے تھے۔ سامری کی ماں نے اس کو لیجا کر ایک غار میں رکھ دیا تھا۔ اللہ نے اس کی پرورش کے لیے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو مامور کر دیا تھا کیونکہ اس کے ہاتھوں سے ایک فتنہ بنی اسرائیل میں پھا کرنا تھا۔

جبرئیل علیہ السلام اس کی غذائی پرورش کرتے رہے۔ یہاں تک کہ یہ خود اپنے پاؤں پر چلنے لگا، اس وقت سے یہ جبرئیل علیہ السلام کو پہچانتا تھا۔ ”و کذلک سولت“ میرے دل نے یہی بات پسند کی اور میری نظر میں اس فعل کو پسندیدہ بنا دیا۔ ”لی نفسی“

قَالَ فَادْهَبْ فَإِنَّ لَكَ فِي الْحَيَاةِ أَنْ تَقُولَ لَا مِسَاسَ. وَإِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَنْ تُخْلَفَهُ وَانظُرْ إِلَى إِلْهِكَ الَّذِي ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا لَنُحَرِّقَنَّهُ ثُمَّ لَنَنْبِفَنَّ فِيهِ الْإِيمَ نَسْفًا 97 إِنَّمَا إِلَهُكُمُ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَسِعَ كُلُّ شَيْءٍ عِلْمًا 98 كَذَلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ مَا قَدْ سَبَقَ وَقَدْ آتَيْنَاكَ مِنْ لَدُنَّا ذِكْرًا 99 مَنْ أَعْرَضَ عَنْهُ فَإِنَّهُ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وِزْرًا 100 خَلِدِينَ

فِيهِ وَسَاءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حِمْلًا ﴿١٠١﴾ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِينَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا ﴿١٠٢﴾

آپ نے فرمایا تو بس تیرے لئے اس (دنیوی) زندگی میں یہ سزا ہے کہ تو یہ کہتا پھرا کرے گا کہ مجھ کو کوئی ہاتھ نہ لگانا اور تیرے لئے ایک اور وعدہ ہے کہ جو تجھ سے ملنے والا نہیں (یعنی آخرت میں جو عذاب ہوگا) اور تو اپنے اس معبود (باطل) کو دیکھ جس پر تو جما ہوا بیٹھا تھا (دیکھ) ہم اس کو جلا دیں گے پھر اس (کی راکھ) کو دریا میں بکھیر کر بہا دیں گے بس تمہارا (حقیقی) معبود تو صرف اللہ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں وہ (اپنے) علم سے تمام چیزوں کو احاطہ کئے ہوئے ہے (جس طرح ہم نے موسیٰ کا قصہ بیان کیا) اسی طرح ہم آپ سے اور واقعات گذشتہ کی خبریں بیان کرتے رہتے ہیں اور ہم نے آپ کو اپنے پاس سے ایک فیصحت نامہ دیا ہے (یعنی قرآن) جو لوگ اس سے روگردانی کریں گے سو وہ قیامت کے روز بڑا بھاری بوجھ (عذاب کا) لادے ہوں گے (اور) وہ اس (عذاب) میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بوجھ قیامت کے روز ان کے لئے برا (بوجھ) ہوگا۔

**تفسیر 97** "قال فاذهب فان لك في الحياة" جب تک تو اس دنیا میں زندہ رہے گا۔ "ان تقول لامساس" میرے قریب تم میں سے کوئی نہ آئے اور نہ ہی وہ مجھے چھوئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو حکم دے دیا تھا کہ اس سے میل جول نہ رکھنا اور اس کے پاس بھی نہ جانا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ "لامساس" کا معنی ہے نہ تجھے چھونا ہے اور نہ ہی تیری اولاد کو۔ مساس ممانتہ سے ہے اس کا معنی یہ ہے کہ تم میں سے بعض بعض کو نہ مس کرے۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ اللہ نے اس کے دل میں انسانوں سے وحشت پیدا کر دی۔ اس لیے وہ جنگلوں اور ویرانوں میں مارا مارا پھرتا تھا اور اسی حالت میں مر گیا۔ جو شخص بھی اس کے ساتھ ملتا تو سامری کہتا لامساس یعنی میرے قریب نہ آؤ اور نہ ہی مجھے چھوؤ۔ بعض حضرات نے کہا کہ جو شخص اس کو چھولیتا یا جس کو سامری چھولیتا اس کو بخار آ جاتا۔ اس دن وہ سب یہی کہتے کہ لامساس اور ان لوگوں میں سے بھی کوئی شخص سامری کے چھونے والے کو چھوتا تو اس کو بھی بخار آ جاتا۔ "وان لك" تمہارے لیے اے سامری "موعداً" آخرت میں عذاب کا اللہ کی طرف سے مقرر وعدہ ہے۔ "لن نخلفه" ابن کثیر، ابو عمر اور یعقوب نے "لن نخلفه" پڑھا ہے لام کے کسرہ کے ساتھ کہ اس دن نہ تو کسی سے غائب رہ سکے گا اور نہ ہی اس دن بھاگ سکے گا بلکہ اس دن تجھے پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ دوسرے قراء نے لام کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے کہ نہ اس دن تو کسی کی تکذیب کر سکے گا اور نہ ہی تیرا کوئی خلیفہ ہوگا۔ اس دن اللہ تعالیٰ تمہارے فعل کا پورا پورا بدلہ دے گا اور اس کے سامنے کوئی عمل بھی پوشیدہ نہیں ہوگا۔

"وانظر الى الهك" اپنے معبود کو دیکھ۔ "المدى ظلت عليه عاكفا لنحرقنه" جب تک تو اس پر جما بیٹھا رہے اور اس کی عبادت کرتا رہے۔ عرب کہتے ہیں "ظلت الفعل كذا" اس کا معنی ہے کہ مجھے مس نہ کرو۔ ابو جعفر کا قول ہے کہ یہ احراق سے ہے۔ یعنی ہم اس کو جلا ڈالیں گے۔

"ثم لننصفه" خاک اور راکھ کو یا گھسے ہوئے چورے کو بکھیر دیں گے۔ "فهي اليم" سمندر میں "نسفاً" روایت میں آتا

ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس پتھرے کو پکڑا اور اس کو ذبح کر دیا۔ اس سے خون نکلا کیونکہ وہ گوشت اور خون بن چکا تھا۔ پھر اس کو آگ میں جلادیا۔ پھر اس کو سمندر میں ڈال دیا۔ ابن عیین نے ”لنحوقن“ نون کے فتح کے ساتھ اور راء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی پھر ہم اس کو ٹھنڈا کر دیں گے۔ سدی کا قول ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پتھرے کو پکڑا اور اس کو ذبح کر دیا، پھر اس کو جلادیا اور اس کو سمندر میں پھینک دیا۔

98 ”انما الھکم اللہ الذی لا الہ الا هو وسع کل شیء علما“ ہر چیز کا علم اس کے پاس ہے۔

99 ”کذلک نقص علیک من انباء ما قد سبق“ جو امور گزر چکے ہیں۔ ”وقد اتیناک من لدنا

ذکرا“ اس سے مراد قرآن ہے۔

100 ”من اعرض عنہ“ جس نے اس قرآن سے اعراض کیا اس پر ایمان نہیں لایا اور نہ ہی اس پر عمل کیا۔ ”فانہ یحمل

یوم القیامۃ وزرا“ گناہوں کا بھاری بوجھ لے کر آئے گا۔

101 ”خالدین فیہ“ بھاری بوجھ لا کر کھڑے رہیں گے۔ ”وساء لھم یوم القیامۃ حملا“ قرآن سے انکار کے

بسبب وہ برا بوجھ ہوگا جو وہ قیامت کے دن اٹھائے ہوں گے۔

102 ”یوم ینفخ فی الصور“ ابو عمرو نے ”ننفخ“ پڑھا ہے فاء کے ضمہ کے ساتھ ”ولحشر“ دوسرے قراء نے یاء

کے ساتھ پڑھا ہے۔ فاء کے فتح کے ساتھ ”المجرمین“ اس سے مشرکین مراد ہیں۔ ”یومئذ زرقا“ اس سے مراد ہے

نیلی آنکھوں والے آنکھ کی سیاہی میں سبزی کی آسیرش کو زرقت کہتے ہیں اور بعض نے کہا کہ زرقا سے مراد اندھا ہونا ہے اور

بعض نے کہا کہ اس سے مراد پیاسا ہونا ہے۔

يَتَخَفَتُونَ بَيْنَهُمْ اِنَّ لِبِئْسِ الْأَعْشِرَا ۝ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ اِذْ يَقُولُ امثالُهُمْ طَرِيقَةً

اِنَّ لِبِئْسِ الْاَيُّوْمَا ۝ وَيَسْئَلُونَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّي نَسْفًا ۝ فَيَذَرُهَا قَاعًا

صَفْصَفًا ۝ لَا تَرَىٰ فِيهَا عِوَجًا وَّلَا اَمْتًا ۝ يَوْمَئِذٍ يَتَّبِعُونَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهُ وَخَشَعَتِ

الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ۝

تجوید) جس روز صور میں پھونک ماری جاوے گی (جس سے مردے زندہ ہو جاویں گے) اور ہم اس روز مجرم (یعنی

کافر) لوگوں کو (میدان قیامت میں) اس حالت سے جمع کریں گے کہ آنکھوں سے) کرنبے ہوں گے چپکے چپکے

آپس میں باتیں کرتے ہوں کہ تم لوگ (قبروں میں) صرف دس روز رہے ہو گے جس (مدت) کی نسبت وہ بات

چیت کریں گے ہم اس کو خوب جانتے ہیں (کہ وہ کس قدر رہے) جبکہ ان سب میں کا زیادہ صائب الرائے یوں کہتا ہوگا

کہ نہیں تم تو ایک ہی روز (قبر میں) رہے ہو اور لوگ آپ سے پہاڑوں کی نسبت پوچھتے ہیں (کہ قیامت میں ان کا

کیا حال ہوگا) سو آپ فرمادیجئے کہ میرا رب ان کو بالکل اڑا دے گا پھر زمین کو ایک ہموار میدان کر دے گا کہ جس میں تو (اے مخاطب) نہ ناہمواری دیکھے گا اور نہ کوئی بلندی دیکھے گا اس روز سب کے سب (خدائی) بلائے والے (یعنی صورت پھونکنے والا فرشتہ) کے کہنے پر ہولیں گے اس کے سامنے (کسی کا) کوئی ٹیڑھا پن نہ رہے گا اور تمام آوازیں اللہ تعالیٰ کے سامنے (مارے ہیئت کے) دب جاویں گے سو تو (اے مخاطب) بجز پاؤں کی آہٹ کے اور کچھ نہ سنے گا۔

**تفسیر** ﴿۱۱۵﴾ ”یتخالفون بینہم“ وہ آپس میں مشاورت کرتے ہیں اور چپکے چپکے باتیں کرتا ہے۔ ”ان لبثتم“ کہ کتنا عرصہ تم دُنیا میں ٹھہرے رہے۔ ”الا عشراً“ مگر دس راتیں۔ بعض نے کہا کہ قبروں میں دس راتیں ٹھہرے رہے۔ بعض نے کہا کہ دونوں ”نقحوں“ کے درمیان کتنی دیر ٹھہرے رہے۔ وہ چالیس سال کا عرصہ ہے، ان دونوں صورتوں کے درمیان ان پر کوئی عذاب نہیں ہوگا، آرام کی مدت قلیل معلوم ہوگی اس لیے وہ چالیس سال کو دس روز کہیں گے۔

﴿۱۱۶﴾ ”نحن أعلم بما یقولون“ جو وہ آپس میں مشاورت کرتے ہیں۔ ”اذ یقول امثلہم طریقتہ“ یعنی زیادہ سمجھ دار اور بھرپور عقل والا اور سب سے بڑھ کر معتدل العقل یا معتدل العمل ”ان لبثتم الا یوماً“ ان کی آنکھوں کے سامنے اس کی مدت میعاد بہت کم ہوگی کیونکہ اس وقت ان کے دل مرعوب اور ہول زدہ ہوں گے اس لیے چپکے چپکے باہم کہیں گے کہ ہم لوگ دُنیا میں صرف چند دن رہے۔ بعض نے کہا کہ کثرت اور شدت محول کی وجہ سے وہ ٹھہرنے کی مدت کو ہی بھول جائیں گے۔

﴿۱۱۷﴾ ”ویسألونک عن الجبال فقل ینسفھا ربی نسفاً“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ کسی ثقفی شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ قیامت کے دن ان پہاڑوں کا کیا ہوگا، اس کے جواب میں آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ نسف کہا جاتا ہے کسی چیز کو جوڑے سے اکھاڑنا، اس دن یہ پہاڑ اُڑتی ہوئی روٹی کی مانند ہو جائیں گے۔

﴿۱۱۸﴾ ”فیذرھا“ پہاڑوں کو شبلی زمین کے ارد گرد پہاڑیاں اور ٹیلے ہٹ گئے ہوں۔ ”قاعاً صفصفاً“ ہموار زمین جس میں کوئی نباتات نہیں ہوگا۔ قاع نرم شبلی زمین کو کہا جاتا ہے اور صفصف ہموار زمین کو کہا جاتا ہے۔

﴿۱۱۹﴾ ”لا تری فیہا عوجاً ولا امتاً“ مجاہد کا قول ہے کہ نہ اس میں بلندی دکھائی جائے گی اور نہ ہی پستی۔ حسن کا قول ہے کہ عوج کہا جاتا ہے جو زمین سے ذرا نیچے ہو اور امت جو زمین سے اونچی ہو کہ نہ تو اس دن زمین کو نیچے دیکھے گا اور نہ ہی اونچا۔ قتادہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ نہ اس میں کوئی کچی نظر آئے گی اور نہ ہی ابھار۔

﴿۱۲۰﴾ ”یومئذ یتبعون الداعی“ پکارنے والے کی آواز جو قیامت کے دن روز محشر کی طرف جمع ہونے کے لیے پکارے گا۔ وہ حضرت اسرافیل علیہ السلام ہوں گے اور حضرت اسرافیل علیہ السلام صور اپنے منہ میں لیے ہوئے ہے اور وہ کہتے ہیں کہ اے بوسیدہ ہڈیو، اے پارہ پارہ کھالو، اے ٹوٹے ہوئے بالو، تم کو اللہ فیصلے کے لیے جمع ہونے کا حکم دیتا ہے۔ ”لا عوج لہ“ ان کے سامنے کسی کا ٹیڑھا پن نہیں رہے گا اور یہ مقلوب ہے یعنی پکارے جانے پر بلائے والے سے دائیں بائیں کی طرف نہیں مڑیں گے بلکہ سیدھے تیزی کے ساتھ داعی کی دعوت پر آئیں گے۔

”و خشعت الاصوات للرحمن“ رُحْمٰن کی بیعت سے آوازیں پست ہو جائیں گی۔ ”فلا تسمع الا همسا“ بمشركي طرف چلنے کی آواز۔ همس خفیف آواز جیسے چلنے میں اوتوں کے پاؤں کی آواز ہوتی ہے۔ مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ همس کا معنی ہے چپکے چپکے بات کرنا اور پست آواز۔

سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی تشریح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ بغیر بات کیے لب ہلانا۔

يَوْمَئِذٍ لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا ﴿١٠٠﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا ﴿١٠١﴾ وَعَنْتِ الْوُجُوهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّومِ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ﴿١٠٢﴾ وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخْفُظُ ظُلْمًا وَلَا هَضْمًا ﴿١٠٣﴾ وَكَذَلِكَ أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا وَصَرَّفْنَا فِيهِ مِنَ الْوَعِيدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ أَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ﴿١٠٤﴾ فَعَلَى اللَّهِ الْمَلِكُ الْحَقُّ. وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يُقْضَى إِلَيْكَ وَحْيُهُ وَقُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا ﴿١٠٥﴾

﴿١٠٠﴾ اس روز (کسی کو کسی کی) سفارش نفع نہ دے گی مگر ایسے شخص کو کہ جس کے واسطے اللہ تعالیٰ نے اجازت دی ہو اور اس شخص کے واسطے بولنا پسند کر لیا ہو وہ (اللہ تعالیٰ) ان سب کے اگلے پچھلے احوال کو جانتا ہے اور اس کو ان کا علم احاطہ نہیں کر سکتا اور (اس روز) تمام چہرے اس حقیقی و قیوم کے سامنے جھکے ہوں گے اور ایسا شخص تو (ہر طرح) ناکام رہے گا جو ظلم (یعنی شرک) لے کر آیا ہوگا اور جس نے نیک کام کئے ہوں گے اور وہ ایمان بھی رکھتا ہوگا سو اس کو (کامل) ثواب ملے گا) نہ کسی زیادتی کا اندیشہ ہوگا اور نہ کسی کا اور ہم نے اسی طرح اس کو عربی قرآن کر کے نازل کیا ہے اور اس میں ہم نے طرح طرح سے وعید بیان کی ہے تاکہ وہ (سننے والے) لوگ ڈر جائیں یا یہ قرآن ان کے لئے کسی قدر (تو) سمجھ پیدا کر دے سو اللہ تعالیٰ جو بادشاہ حقیقی ہے بڑا عالی شان ہے اور قرآن (پڑھنے) میں قبل اس کے کہ آپ پر اس کی وحی پوری نازل ہو چکے جلالت نہ کیا کیجئے اور آپ یہ دعا کیجئے کہ اے میرے رب میرا علم بڑھا دے۔

﴿١٠١﴾ ”یومئذ لا تنفع الشفاعة“ اس دن لوگوں میں سے کسی کی شفاعت قبول نہیں کی جائے گی۔ ”الا من اذن له الرحمن“ مگر جس کو اللہ رب العزت اجازت فرمائیں گے۔ ”ورضى له قولاً“ جس کی بات سے وہ راضی ہوگا جس کی شفاعت کو وہ پسند کرے گا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ اس سے مراد لا اله الا الله ہے۔ یہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مؤمن کے بغیر کوئی شفاعت کرنے والا نہیں ہے۔

﴿١٠٢﴾ ”يعلم ما بين ايديهم وما خلفهم“ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو اس کے سامنے ہے اور جو کچھ اس کے پیچھے ہے اور جو کچھ یہ دُنیا میں چھوڑ کر آیا ہے۔ بعض نے کہا کہ ”ما بين ايديهم“ سے مراد آخرت کے احوال ہیں اور ”وما خلفهم“

سے مراد اعمال ہیں۔ ”ولا يحيطون به علمًا“ یعنی ان کا علم اللہ کی معلومات کا احاطہ نہیں کر سکتا۔

11 ”وعنت الوجوه للحی القيوم“ ذلیل ہوں گے عاجز ہوں گے۔ جیسے قیدی بادشاہ کے سامنے ذلیل و عاجز ہوتے ہیں۔ طلق بن حبیب کا قول ہے کہ اس دن سارے حی و قیوم کے سامنے جھکے ہوں گے۔ ”وقد خاب من حمل ظلمًا“ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آیت کی تشریح میں فرمایا گھائے میں رہے گا جس نے اللہ کا کسی کو شریک قرار دیا۔

12 ”ومن يعمل من الصالحات وهو مؤمن فلا يخاف“ ابن کثیر نے ”فلا يخاف“ پڑھا ہے جو اب نبی ہونے کی وجہ سے اور دوسرے قراء نے ”فلا يخاف“ خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع پڑھا ہے۔ ”ظلمًا ولا هضمًا“ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس کو اپنی برائیوں کے بڑھ جانے کا خوف نہیں ہوگا اور نہ ہی اپنی نیکیوں کے کم ہونے کا اندیشہ ہوگا۔

حسن رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ نہ اس کو نیکیوں کے ثواب میں کمی ہونے کا اندیشہ ہوگا اور نہ ہی اس امر کا خوف ہوگا کہ دوسرے گنہگار کے گناہ اس پر لاد دیئے جائیں۔ ضحاک کا بیان ہے کہ اس کو تا کردہ گناہ میں پکڑے جانے کا اندیشہ نہیں ہوگا اور نہ ہی کسی عمل کو اچھائی تلف ہونے کا خطر ہضم کا لغوی معنی ہے کم کرنا؛ ہضم الطعام اسی سے بنتا ہے۔

13 ”وكدلك“ اسی طرح ہم نے اس سورۃ میں بیان کیا۔ ”انزلناه“ یعنی نازل کیا اس کتاب کو ”قرآنًا عربیًا“ جو ہم نے قرآن نازل کیا وہ عربی زبان میں پڑھا جاتا ہے، سب کا اسلوب اور طرز ایک ہے۔ ”وصرفنا“ اور ہم نے اس کو بیان کیا۔ ”فیه من الوعد“ ہم نے اس کے قول کو پھیر دیا و وعید کے ذکر کرنے کے ساتھ۔ یعنی بار بار وعید کی آیات کو ذکر کیا تاکہ لوگ شرک و معاصی سے اجتناب کریں۔ ”لعلہم يتقون“ تاکہ وہ شرک سے بچیں۔ ”او يحدث لهم ذکرا“ اور قرآن کو ان کے لیے نصیحت بنایا تاکہ وہ اس سے عبرت حاصل کریں اور نصیحت پکڑیں اور اس میں ماثل اقوام کے عتاب کے ساتھ ذکر کیا۔

14 ”فتعالی اللہ الملک الحق“ جس طرح اللہ تعالیٰ اپنی ذات و صفات میں مخلوق کی مشابہت سے پاک ہے۔ اس طرح اس کا کلام بھی مخلوق کی کلام کی مماثلت سے اعلیٰ اور بالا ہے۔ پس وہ جو برتر اور منزہ ہے۔ مشرکوں کے شرکیہ اقوال سے۔ ”ولا تعجل بالقرآن“ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر حضرت جبرئیل علیہ السلام قرآن نازل کرتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو جلدی جلدی یاد فرماتے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام کی وحی پہنچانے سے پہلے پہلے۔ بھول جانے اور لسیان کے خوف سے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے نبی فرمائی اور فرمایا۔

”ولا تعجل بالقرآن“ اس کو جلدی جلدی نہ پڑھئے۔ ”من قبل ان یقضی الیک وحیہ“ حضرت جبرئیل علیہ السلام کی وحی کے مکمل ہونے سے پہلے اس کی مثال اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ”لا تحروک بہ لسانک لتعجل بہ“ یعقوب نے (نقص) پڑھا ہے نون کے فتح اور ضاد کے کسرہ کے ساتھ، یاء کے فتح کے ساتھ۔

مجاہد اور قتادہ نے آیت کا تفسیری مطلب یہ بیان کیا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو قرآن پڑھانا اور لکھوانا اس وقت تک شروع نہ کیجئے جب تک آپ کے لیے اس کا مطلب اور معنی واضح نہ ہو جائے۔ گویا مکمل بیان آنے سے



پہلے جمل آیات کی تبلیغ کی ممانعت کی گئی۔ ”وقل رب زدنی علماً“ اس سے قرآن اور اس کے معانی مراد ہیں اور بعض نے کہا کہ آپ کو جو علم دیا گیا اس کے حصول تک۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ جب یہ آیت پڑھتے تھے تو فرماتے تھے ”اللہم زدنی ایماناً وبقیناً“ اے اللہ! تو میرے ایمان میں اور یقین میں زیادتی فرما۔

وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَىٰ آدَمَ مِنْ قَبْلِ فَسَىٰ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا ﴿۱۵﴾ وَادْقُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُلُوْا لَادَمَ فَسْجُلُوْا اِلَّا اِبْلِيسَ اَبٰی ﴿۱۶﴾ فَقُلْنَا يَا اٰدَمُ اِنِّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجُكَمٰنَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰی ﴿۱۷﴾ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰی ﴿۱۸﴾ وَاَنْتَ لَا تَظْمُوْا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰی ﴿۱۹﴾

﴿تجلی﴾ اور اس سے (بہت زیادہ) پہلے ہم آدم کو ایک حکم دے چکے تھے سوان سے غفلت (اور بے احتیاطی) ہوگئی اور ہم نے ان میں پختگی نہ پائی اور وہ وقت یاد کر لو جبکہ ہم نے فرشتوں سے ارشاد فرمایا کہ آدم کے سامنے سجدہ (تحت) کرو سب نے سجدہ کیا بجز ابلیس کے (کہ اس نے انکار کیا پھر ہم نے (آدم سے) کہا اے آدم (یا رکھو) یہ بلاشبہ تمہارا اور تمہاری بی بی کا (اس وجہ سے) دشمن ہے (کہ تمہارے معاملہ میں یہ مردود ہوا) سو کہیں تم دونوں کو جنت سے نہ نکلاو اے پھر تم مصیبت میں پڑ جاؤ یہاں جنت میں تو تمہارے لئے یہ (آرام) ہے کہ تم نہ کبھی بھوکے رہو گے اور نہ تنگے ہو گے اور نہ یہاں پیاسے ہو گے اور نہ دھوپ میں چو گے۔

**تفسیر** ﴿۱۵﴾ ”ولقد عہدنا الی آدم من قبل“ ہم نے حضرت آدم علیہ السلام کو حکم دیا اور نصیحت کر دی کہ درخت کے قریب نہ جائے اور اس درخت سے نہ کھائے۔ ”فسی“ حضرت آدم علیہ السلام اس امر کو بھول گئے۔ آیت کا معنی یہ ہوگا کہ انہوں نے عہد کو توڑ دیا اور وہ بھول گئے۔ ”ولم نجد له عزمًا“ حسن کا قول ہے کہ جس چیز سے ان کو روکا گیا اس سے کا حقہ نہ رک سکے بلکہ بھول گئے۔ عطیہ عونی کا بیان ہے کہ جس چیز کا ان کو حکم کیا گیا اس کی حفاظت نہ کر سکے۔ ابن قتیبہ کا بیان ہے کہ شیطان نے آپ کو پختہ عزم دیا جس وجہ سے وہ غلطی کر بیٹھے اور وہ ان کے ساتھ حسد کرتا تھا اور اسی نے آپ کے سامنے سر جھکانے سے انکار کر دیا۔ لغت میں عزم کا معنی ہے کسی کام کو کرنے کا پختہ ارادہ کرنا۔ ابوامامہ باہلی کا بیان ہے کہ اگر حضرت آدم علیہ السلام کے حکم کے ساتھ تمام بنی آدم کے حکم کا وزن کیا جائے تو حضرت آدم علیہ السلام کا حکم راجح ہوگا۔ اسی وجہ سے اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ”ولم نجد له عزمًا“

سوال: کیا حضرت آدم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا حکم بھول گئے، یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟

جواب: ہو سکتا ہے کہ وہ بھول گئے ہوں اور اس وقت نسیان انسان سے معاف نہیں تھا بلکہ قابل مواخذہ تھا بلکہ آپ سے معاف کیا گیا۔ بعض نے یہ جواب دیا کہ وہ مقہوریت کو بھول گئے اور انہوں نے گمان کیا کہ یہ نبی تزییہی ہے۔

﴿۱۶﴾ ”و ادقلنا للملائكة اسجدوا لادم فسجدوا الا ابليس ابي“ اس نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔

﴿۱۷﴾ ”لقلنا يا آدم ان هذا عدو لك ولزوجك“ حضرت حواء علیہا السلام کا بھی دشمن ہے۔ ”فلا یخرجکمنا من الجنۃ“

الجنة فشقى“ پھر تھک جاؤ گے تعب میں پڑ جاؤ گے۔ آپ کی زندگی دائیں ہاتھ کی کمائی سے ہوگی کہ اس ہاتھ سے کما کر پسینہ بہا کر ایک دانہ حاصل کر کے اس پر طرح طرح کی مشقتیں کاٹ کر حاصل کر دو گے۔ سدی کا بیان ہے اس سے مراد کھیتی باڑی کرنا، پھر اس پیداوار کو کٹا، پھر اس کو چس کر آنا گوندھنا، پھر گرم آگ پر اس کو پکانا۔

سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ آدم علیہ السلام کے لیے ایک سرخ تیل بھی پیدا کیا گیا جس کے ذریعے سے وہ زمین کھودتے تھے اور اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھتے تھے۔ یہ تشقی کا مفہوم ہے۔ یہاں خطاب صرف حضرت آدم علیہ السلام کو کیا گیا۔ شقاء سے مراد روزی کی تلاش میں تھکنا اور یہ کام صرف آدم علیہ السلام کا تھا۔ حضرت حوا علیہا السلام کا نہ تھا۔ اس لیے خطاب صرف حضرت آدم علیہ السلام کو کیا گیا۔

﴿۱۱۸﴾ ”اِنَّ لَكَ اَنْ لَا تَجُوعَ لِيْهَا“ جنت میں ”ولا تعرى“

﴿۱۱۹﴾ ”وانك“ نافع ابو بکر نے الف کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ جملہ مستانہ ہے اور دوسرے قراء نے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ ”الا تجوع ليهما“..... ”لانظما“ کہ وہ اپنی پیاس بجھائیں۔

”ليهما ولا تضلّی“ یعنی دھوپ میں تپنا نہ پڑے گا کیوں کہ جنت کے اندر دھوپ ہی نہیں، ہر وقت سایہ پھیلا رہتا ہے۔

فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يَا اٰدَمُ هَلْ اَدْرٰكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَا يَبْلٰى ﴿۱۲۰﴾

فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْآتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفْنَ عَلَيْهِمَا مِنْ وُرْقِ الْجَنَّةِ وَعَصٰى اٰدَمُ

رَبَّهُ فَعَوٰى ﴿۱۲۱﴾ ثُمَّ اجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ﴿۱۲۲﴾ قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيعًا بَعْضُكُمْ

لِبَعْضٍ عَدُوٌّ. فَاِمَّا يٰٓاٰتِيْنٰكُمْ مِّنِّيْ هٰذٰى. فَمَنْ اَتٰبَعْ هٰذٰى فَلَا يَصْلُ وَلَا يَشْفٰى ﴿۱۲۳﴾

﴿۱۲۰﴾ پھر ان کو شیطان نے بہکایا کہنے لگا کہ اے آدم کیا میں تم کو بہکتی (کی خاصیت) کا درخت بتلا دوں اور ایسی

بادشاہی کا کہ جس میں کبھی ضعف نہ آوے سو (اس کے بہکانے سے) دونوں نے اس درخت سے کھا لیا تو ان

دونوں کے ستر ایک دوسرے کے سامنے کھل گئے اور (اپنا بدن ڈھانکنے کو) دونوں نے اپنے اوپر جنت کے (درختوں

کے) پتے چپکانے لگے اور آدم سے اپنے رب کا قصور ہو گیا سو غلطی میں پڑ گئے پھر (جب انہوں نے معذرت کی تو)

ان کو ان کے رب نے (زیادہ) مقبول بنا لیا سو ان پر توجہ فرمائی اور راہ (راست) پر (ہمیشہ) قائم رکھا اللہ تعالیٰ نے

فرمایا کہ دونوں کے دونوں جنت سے اترو (اور دنیا میں) ایسی حالت سے (جاؤ) کہ ایک کا دشمن ایک ہوگا پھر اگر

تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت (کا ذریعہ یعنی رسول یا کتاب) پہنچے تو (تم میں) جو شخص میری اس

ہدایت کا اتباع کرے گا تو وہ (دنیا میں) نہ گمراہ ہوگا اور نہ (آخرت میں) شقی ہوگا۔

﴿۱۲۱﴾ ”فوسوس اليه الشيطان قال يا ادم هل ادلك على شجرة الخلد“ وہ درخت جس کے

کھانے کی وجہ سے انسان ہمیشہ زندہ رہتا ہے۔ ”و ملک لایبلی“ جس کو کبھی زوال نہ ہوگا اور نہ ہی وہ فنا ہوگا۔

11) ”فاکلا“ حضرت آدم علیہ السلام اور حواء علیہا السلام دونوں نے کھالیا۔ ”منہا فبذت لہما سو آتہما وطفقا یخصفان علیہما من ورق الجنة وعصی آدم ربہ“ اس درخت سے کھالیا۔ ”فغوی“ ان سے ایسا فعل صادر ہوا جو ان سے صادر ہونے والا نہ تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام منزل مقصود کے راستے سے بھٹک گئے اور صحیح راستہ کھو دیا۔ بیٹھکی والی زندگی کی خاطر ممنوعہ شجرہ سے کھا کر خسارے میں پڑ گئے اور اس مراد کو نہ پہنچ سکے۔ ابن العربی کا بیان ہے کہ غوی کا معنی ہے کہ ان کی آرام کی زندگی ختم ہوگئی، عزت سے ذلت کی طرف اور سکھ سے ڈکھ کی طرف چلے گئے۔

ابن تیمیہ نے کہا کہ اگرچہ ”عصی آدم ربہ“ کہنا درست ہے لیکن آدم کو عاصی کہنا غلط ہے کیوں کہ عاصی اس شخص کو کہتے ہیں جو عسیان کا عادی اور خوگر ہو۔ اگر کسی نے ایک بار کوئی کپڑا اسی لیا ہو تو یہ کہنا صحیح ہے کہ اس نے کپڑا اسی لیا لیکن جب تک سینے کا اعادہ بار بار نہ کرے اور سینے کا عادی نہ ہو جائے اس کو خیاط نہیں کہا جاسکتا۔

## آدم علیہ السلام کے جنت سے زمین پر آنے کا واقعہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ رب کے سامنے آدم و موسیٰ علیہما السلام کا باہم کچھ مباحثہ ہوا اور آدم علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے آدم علیہ السلام سے کہا، آپ آدم ہیں، آپ کو اللہ نے اپنے دست قدرت سے بنایا، آپ کے اندر اپنی روح پھونکی فرشتوں سے آپ کو سجدہ کروایا اور آپ کو اپنی جنت میں رکھا۔ پھر آپ نے اپنے قصور کی وجہ سے لوگوں کو جنت سے زمین پر اتروا دیا۔ آدم علیہ السلام نے کہا کہ آپ موسیٰ علیہ السلام ہیں، آپ کو اللہ نے اپنی رسالت اور اپنے کلام کے لیے منتخب فرمایا اور آپ کو تختیاں عطا فرمائیں جن کے اندر ہر چیز کا واضح بیان تھا اور آپ کو ہم کلام بنانے کے لیے اپنا قرب عنایت کیا کہ آپ بتا سکتے ہیں کہ میری پیدائش سے کتنی مدت پہلے اللہ نے توریت لکھ دی تھی۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ چالیس برس پہلے آدم علیہ السلام نے کہا کہ کیا اس میں یہ بھی تھا کہ آدم علیہ السلام نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور بھٹک گیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا ہاں آدم نے کہا، پھر آپ مجھے ایسا کام کرنے پر ملامت کر رہے ہیں جس کا مجھ سے صادر ہونا اللہ نے میری پیدائش سے چالیس برس پہلے لکھ دیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، پس آدم موسیٰ علیہما السلام پر غالب آ گئے۔

12) ”ثم اجتباه ربہ“ یعنی ہم نے آپ کو چُن لیا برگزیدہ بنا دیا۔ ”فتاب علیہ“ ہم نے ان سے درگزر کیا۔ ”وہدی“ اور ہم نے ان کی توبہ کی طرف رہنمائی کی۔ یہاں تک کہ وہ کہنے لگے ”ربنا ظلمنا انفسنا“

13) ”قال ابطا منها جمیعا بعضکم لبعض عدو، فاما یاتینکم منی ہدی فمن تبع ہدی“ اس سے مراد کتاب اور رسول ہے۔ ”فلا یضل ولا یسقی“ سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ

جو شخص قرآن پڑھے گا اور جو تعلیم اس میں ہے اس پر چلے گا اللہ اس کو دنیا میں بھی گمراہی سے بچا کر سیدھے راستے پر چلائے گا اور قیامت کے دن بھی حساب کی خرابی سے محفوظ رکھے گا کیونکہ اللہ نے خود فرمایا ہے۔ ”فمن اتبع هداى فلا يضل ولا يشقى“ عسماً رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا قرآن کی پیروی کرنے والے کو اللہ دنیا میں گمراہ اور آخرت میں بد نصیب ہونے سے محفوظ رکھے گا، پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔

وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ أَعْمَى ﴿۲۵﴾ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِي أَعْمَى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيرًا ﴿۲۶﴾ قَالَ كَذَلِكَ أَتَتْكَ آيَاتُنَا فَنَسِيْتَهَا وَكَذَلِكَ الْيَوْمَ تُنْسَى ﴿۲۷﴾ وَكَذَلِكَ نَجْزِي مَنْ أَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِآيَاتِ رَبِّهِ. وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَدُّ وَأَبْقَى ﴿۲۸﴾ أَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنَ الْقُرُونِ يَمْشُونَ فِي مَسْجِدِهِمْ. إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّأُولِي النُّهَى ﴿۲۹﴾ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَكَانَ لِزِمَامًا وَأَجَلٌ مُّسَمًّى ﴿۳۰﴾

اور جو شخص میری اس نصیحت سے اعراض کرے گا تو اس کے لئے تنگی کا جینا ہوگا اور قیامت کے روز ہم اس کو اندھا کر کے (قبر سے) اٹھائیں گے وہ (تجربے سے) کہے گا کہ اے میرے رب آپ نے مجھ کو اندھا کر کے کیوں اٹھایا میں تو (دنیا میں) آنکھوں والا تھا اور شاہد ہوگا۔ کہ ایسا ہی (تجربے سے عمل ہوا تھا اور وہ یہ کہ) تیرے پاس ہمارے احکام پہنچتے تھے تو نے ان کا کچھ خیال نہ کیا اور ایسا ہی آج تیرا کچھ خیال نہ کیا جاوے گا اور اسی طرح (ہر) اس شخص کو ہم (مناسب عمل کے) سزا دیں گے جو حمد (اطاعت سے) گزر جاوے اور اپنے رب کی آیتوں پر ایمان نہ لاوے اور واقعی آخرت کا عذاب ہے بڑا سخت اور بڑا دیر پا کیا ان لوگوں کو (اب تک) اس سے بھی ہدایت نہیں ہوئی کہ ہم ان سے پہلے بہت سے گروہوں کو ہلاک کر چکے ہیں کہ ان (میں سے بعض) کے رہنے کے مقامات میں یہ لوگ بھی چلتے (پھرتے) ہیں اس میں تو اہل فہم کے لئے (کافی) دلائل موجود ہیں اور اگر آپ کے رب کی طرف سے ایک بات پہلے سے فرمائی ہوئی نہ ہوتی اور (عذاب کے لئے) ایک میعاد معین نہ ہوتی۔ (کہ وہ قیامت کا دن ہے تو عذاب لازمی طور پر ہوتا۔

تفسیر ﴿۲۵﴾ ”وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي“ ذکر سے مراد قرآن ہے جو اس پر ایمان نہیں لایا اور نہ ہی اس کی پیروی کی۔ ”فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا“..... ”ضَنْكًا“ کا معنی ہے تنگ کر دینا۔

## اللہ کے ذکر سے اعراض رزق کی تنگی کا باعث ہے

حضرت ابن مسعود، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہم کا قول نقل کیا ہے کہ ”مَعِيشَةً ضَنْكًا“ سے مراد عذاب قبر ہے۔ حضرت ابوسعید نے فرمایا کہ زمین اس کو دبائے گی کہ اس کی پسلیاں اٹھرا ڈھر نکل جائیں گی۔ بعض مسند احادیث میں مرفوعاً منقول ہے۔

ہے کہ اس پر قبر اس طرح سے لگی کہ اس کی پسلیاں ادھر سے ادھر نکل جائیں گی اور قبر سے اٹھائے جانے کے وقت تک برابر یہ عذاب اس پر ہوتا رہے گا۔ حسن کا قول ہے کہ ”معیشتہ ضنگا“ سے مراد ہے زقوم اور ضریح (تھوہر اور سینڈ کے دو زخنی درخت) اور غسلین مراد ہے۔

عکرمہ کا قول ہے کہ اس سے مراد حرام رزق ہے۔ ضحاک نے کہا کہ اس سے ناپاک کمائی مراد ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس سے مراد بدبختی ہے۔ ایک روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا گیا ہے کہ بندے کو جو مال بھی دیا جائے تھوڑا ہو یا بہت اور وہ اس میں تقویٰ اختیار نہ کرے تو ایسے مال میں کوئی بھلائی نہیں ہوتی۔ یہی ”معیشتہ ضنگا“ ہے۔ ایسے لوگوں کو اللہ پر بدگمانی ہوتی ہے وہ خیال کرتے ہیں کہ اللہ اس کی جگہ ان کو دوسری معاش عطا نہیں فرمائے گا۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ہم اس سے قناعت چھین لیتے ہیں کہ کسی طرح وہ مال سے سیر ہی نہیں ہوتا۔

”و نوحشرہ یوم القیامۃ اعمی“ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ ”اعمی“ سے مراد ہے اندھا اور مجاہد کے نزدیک کور بصیرت مراد ہے۔ یعنی اس کو کوئی دلیل بھی کام نہیں دے گی۔

125 ”قال رب لما حشرتني اعمی وقد كنت بصیراً“ آنکھوں سے وہ اندھا ہے یا اس کے پاس کوئی دلیل نہیں۔

اس وجہ سے اس کو اندھا کہا۔

126 ”قال كذلك“ ایسے ہی ہمارے احکام ”انتک آیاتنا فنسیتھا“ اس کو چھوڑ دیا اور اس سے اعراض کیا۔

”و كذلك الیوم تنسی“ تمہیں آگ میں چھوڑ دیا جائے گا اور پھر میں تمہیں اس دن بھول جاؤں گا۔ قنودہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ہم تمہاری بھلائیاں کو بھول جائیں گے اور تمہیں عذاب دینے سے نہیں بھولیں گے۔

127 ”و كذلك“ اور ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں جیسے قرآن سے اعراض کرنے کا بدلہ دیتے ہیں۔ ”نجزی من

اسرف“ جس نے شرک کیا۔ ”ولم یؤمن بآیات ربہ ولعذاب الاخرة اشد“ اس عذاب سے جو تمہیں دُنیا میں اور قبر میں دیا گیا اس سے سخت ہوگا۔ ”وابقی“ اور وہ ہمیشہ والا عذاب ہے۔

128 ”ألهم یهد لهم“ کیا قرآن نے ان کے لیے اور واضح نہیں کر دیا۔ یعنی کفار مکہ کے لیے۔ ”کم اهلکنا قبلہم من

القرون یمشون فی مساکنہم“ ان کے گھروں اور ان کے ٹھکانوں کو ہم نے ہلاک کر دیا۔ یہاں خطاب قریش مکہ کو ہے کہ جب وہ شام کی طرف سفر کرتے ہیں تو وہ ان اقوام کی ہلاک شدہ بستیوں کو دیکھتے ہوں جیسے اصحاب حجر، ثمود اور قوم لوط کی بستیاں ہیں۔ ”ان فی ذلک لآیات لا ولی النہی“ اس سے مراد ذوی العقول ہیں۔

129 ”ولولا کلمۃ سبقت من ربک لکان لزاما واجل مسمی“ اس میں تقدیم دتا خیر ہے۔ تقدیری عبارت یوں

ہے: ”ولولا کلمۃ سبقت من ربک لکان لزاما واجل مسمی“ کلمتہ یہ فیصلہ ہے ان کے تاخیر عذاب کا۔ مطلب یہ ہوگا کہ اگر تاخیر عذاب کا پہلے سے فیصلہ نہ ہو چکا ہوتا تو دُنیا میں فوری عذاب اور وہ عذاب جس کا وقت مقرر کر دیا گیا ہے دونوں لازمی ہو جاتے اور گزشتہ انبیاء کی کافر امتوں کی طرح بالکل ہلاک کر دینا بھی لازم ہو جاتا۔

فَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا. وَمِنْ  
 الْآخِرِ اللَّيْلِ فَسَبِّحْ وَأَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضَىٰ ﴿۱۶﴾ وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ  
 أَزْوَاجًا مِنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا. لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ. وَرِزْقَ رَبِّكَ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ ﴿۱۷﴾

﴿تسبیح﴾ پس (جب عذاب کا آنا یقینی ہے تو) آپ ان کی (کفر آمیز) باتوں پر صبر کیجئے اور اپنے رب کی حمد کے  
 ساتھ (اس کی) تسبیح کیجئے (اس میں نماز بھی آگئی) آفتاب نکلنے سے پہلے (مثلاً نماز فجر) اور اس کے غروب سے  
 پہلے (مثلاً نماز ظہر و عصر) اور اوقات شب میں (بھی) تسبیح کیا کیجئے (مثلاً نماز مغرب و عشاء اور دن کے اول و آخر  
 میں تاکہ (آپ کو جو ثواب ملے) آپ (اس سے) خوش ہوں اور ہرگز ان چیزوں کی طرف آپ آنکھ اٹھا کر بھی نہ  
 دیکھئے جس سے ہم نے کفار کے مختلف گروہوں کو ان کی آزمائش کے لئے متمتع کر رکھا ہے کہ وہ (محض) دنیوی زندگی  
 کی رونق ہے اور آپ کے رب کا عطیہ (جو آخرت میں ملے گا) بدرجہا بہتر ہے اور دیر پا ہے۔

﴿تفسیر﴾ ﴿فاصبر علی ما یقولون﴾ یہ آیت قال سے منسوخ ہے۔ ”وسبح بحمد ربک“ اپنے رب کے حکم  
 سے نماز پڑھے۔ بعض نے کہا کہ اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے اس نے آپ کو نماز اور تسبیح کی توفیق دی۔ ”قبل طلوع الشمس“  
 اس سے مراد صبح کی نماز ہے۔ ”وقبل غروبها“ اس سے مراد عصر کی نماز ہے۔ ”ومن اثناء اللیل“ آثناء ایک گھڑی کو کہتے  
 ہیں۔ ”فسبح“ اس سے مراد مغرب و عشاء کی نماز ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس سے مراد رات کے پہلے حصے کی  
 نماز ہے۔ ”واطراف النهار“ اس سے مراد ظہر کی نماز ہے۔ ظہر کا نام اس وجہ سے دیا کہ یہ دن کے کنارے پر ہوتی ہے اور اس کا  
 وقت دن کے ڈھلنے یعنی زوال کے بعد ہوتا ہے۔ یہ نصف اول ہے دن کے آخری حصے کا اور دن کے اول حصے کا آخر ہے۔

اور بعض حضرات نے کہا ”اثناء اللیل“ سے مراد عشاء کی نماز ہے اور اطراف النهار سے ظہر اور مغرب کی نماز ہے کیوں کہ  
 ظہر طرف آخر اول نہار ہے اور دن کے طرف آخر کی ابتداء ہے چونکہ یہ طرفین کے درمیان ہے اور طرف ثالث غروب شمس  
 ہے۔ اس وقت مغرب کی نماز پڑھی جاتی ہے۔ ”لعلک ترضیٰ“ سنا کہ اللہ کی طرف سے تم کو وہ ثواب مل جائے جس سے تم  
 خوش ہو جاؤ۔ کسائی ابو بکر نے عاصم سے ضاد کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے کہ ان کا ثواب دے دو۔ بعض نے کہا کہ تاکہ اللہ اس  
 سے تمہارے ساتھ راضی ہو جائے۔ جیسا کہ اللہ رب العزت کا فرمان ہے ”وکان عند ربہ مرضیاً“ بعض حضرات نے خوش  
 ہونے سے مراد لیا ہے شفاعت کرنے سے خوش ہونا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ“

جریر بن عبد اللہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے چودھویں  
 رات کے چاند کو دیکھ کر فرمایا یقیناً تم اپنے رب کو اس طرح دیکھو گے جس طرح اس چاند کو دیکھ رہے ہو جس کو دیکھنے میں تمہیں کوئی  
 رکاوٹ نہیں ہوتی۔ پس جہاں تک تم سے ہو سکے طلوع آفتاب اور غروب آفتاب سے پہلے کی تمام نمازیں تمہاری ضائع نہ ہو  
 جائیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ ”وسبح بحمد ربک قبل طلوع الشمس وقبل غروبها“



## آیت کا شان نزول

① "ولا تمدن عينيك" ابورافع کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مہمان آ کر اترآ۔ آپ نے مجھے ایک یہودی کے پاس آتا قرض خریدنے کے لیے بھیج جایا یہ فرمایا کہ مجھے رجب کا چاند دیکھنے تک کے لیے آٹا دے دو۔ یہودی نے کہا کہ بغیر کسی چیز کو رہن رکھے میں نہیں دوں گا، میں نے حاضر خدمت ہو کر یہودی کا جواب عرض کر دیا، ارشاد فرمایا، اگر وہ میرے ہاتھ بیچ ڈالتا یا فرمایا قرض بیچ ڈالتا تو میں ضرور ادا کرتا اور میں بلاشبہ آسمان میں بھی امین ہوں اور زمین میں بھی امین ہوں، جاؤ میرے لوہے کی زرہ اس کے پاس لے جاؤ، میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے باہر نکلنے نہ پایا تھا کہ یہ آیت نازل ہوئی "ولا تمدن عينيك" ان چیزوں کی طرف ہرگز اٹھا کر نہ دیکھنا۔ "الی ما معنا به" ان کو ہم نے دُنیاوی آرائش کے لیے دیا ہے۔ "ازواجاً مختلف قسموں کی چیزیں۔" منہم زهرة الحياة الدنيا "زینت، تروتازگی، یعقوب نے "زهرة" حاء کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے اور عام قراء نے مجزوم پڑھا ہے۔ "لنفتهم فيه" ہم نے ان کو یہ دُنیا کی رونق اس لیے دی ہے تاکہ یہ ان کے لیے مزید فتنہ بنے اور ان کے کفر اور سرکشی میں مزید اضافہ کریں۔ "ورزق ربك" اور تمہارے رب کی طرف سے وعدہ کیا ہوا رزق ہے جنت میں۔ "خیر وابقی" حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کی تسکین دہی اور اطمینان بخشی سے اگر کسی کو تسکین قلبی اور اطمینان خاطر حاصل نہ ہو تو اس کا سانس حسرت دُنیا میں ہی لگتا ہے اور جو لوگوں کے مال کی طرف چشم تناس سے دیکھتا ہے اس پر غم چھایا رہتا ہے اور جو شخص خیال کرتا ہے کہ کھانا پینا اور لباس ہی اللہ کی نعمت ہے تو اس کے اعمال کم ہو جاتے ہیں اور عذاب سامنے آ موجود ہوتا ہے۔

وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا. لَنْ نَسْأَلَكَ رِزْقًا. أَلَمْ نَرْزُقْكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوَى ①  
وَقَالُوا لَوْلَا يَأْتِينَا بَآيَةٍ مِنْ رَبِّهِ. أَوَلَمْ تَأْتِهِمْ بَيِّنَةٌ مَا فِي الصُّحُفِ الْأُولَى ② وَلَوْ أَنَّا أَهْلَكْنَاهُمْ  
بِعَذَابٍ مِنْ قَبْلِهِ لَقَالُوا رَبَّنَا لَوْلَا أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُولًا فَنَتَّبِعَ آيَاتِكَ مِنْ قَبْلِ أَنْ نُنَادِيَ وَنَحْزِي ③  
قُلْ كُلُّ مُتَرَبِّصٍ فَتَرَبُّصًا. فَسَتَعْلَمُونَ مَنْ أَصْحَابُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدَى ④

① اور اپنے متعلقین کو (یعنی اہل خاندان کو یا مومنین کو) بھی نماز کا حکم کرتے رہئے اور خود بھی اس کے پابند رہئے ہم آپ سے معاش (کھانا) نہیں چاہتے معاش تو آپ کو ہم دیں گے اور بہتر انجام تو پرہیزگاری ہی کا ہے اور وہ لوگ (عنادا) یوں کہتے ہیں کہ یہ رسول ہمارے پاس کوئی نشانی (اپنی نبوت کی) کیوں نہیں لاتے۔ (جواب یہ ہے کہ) کیا ان کے پاس پہلی کتابوں کے مضامین کا ظہور نہیں پہنچا اور اگر ہم ان کو قبل قرآن آنے کے (سزائے کفر میں) کسی عذاب سے ہلاک کر دیتے تو یہ لوگ (بطور عذر کے) یوں کہتے کہ اے ہمارے رب آپ نے ہمارے پاس کوئی رسول (دنیا میں) کیوں نہیں بھیجا تھا کہ ہم آپ کے احکام پر چلتے قبل اس کے کہ ہم (یہاں خود) بے قدر

ہوں اور (دوسروں کی نگاہ میں) رسوا ہوں آپ کہہ دیجئے کہ (ہم) سب انتظار کر رہے ہیں سو (چندے) اور انتظار کر لو اب عنقریب تم کو (بھی معلوم ہو جاوے گا کہ راہ راست والے کون ہیں اور وہ کون ہے جو (منزل) مقصود تک پہنچا۔

**تفسیر** ﴿۱۶﴾ ”و امر اہلک بالصلاة“ اہل سے مراد قوم والے ہیں یا قبیلہ والے یا ہم مذہب۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ”و کان یامر اہلہ بالصلوٰۃ“..... ”واصطر علیہا“ نماز پر صبر کریں یعنی اس کی پابندی کریں کیونکہ نماز بے حیائی اور بری باتوں سے بچاتی ہے۔ ”لا تسئلک رزقاً“ ہم آپ کو اس بات کا مکلف نہیں کرتے کہ آپ ہماری مخلوق میں سے کسی کو رزق کہیں سے دیں یا اپنا رزق خود پیدا کریں بلکہ ہم نے آپ کو عمل کرنے کا مکلف بنایا ہے۔ ”نحن نرزقک والعاقبۃ“ اس کے بعد اچھا بدلہ دیں گے۔ ”للتقویٰ المتقین کے لیے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جن لوگوں نے آپ کو سچا جانا اور مانا اور آپ کے بتائے ہوئے راستے پر چلے اور مجھ سے ڈرتے رہے ان کا انجام اچھا ہے۔

بعض سندوں سے روایت منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں کو جب کوئی ذکھ پہنچتا تھا تو آپ ان کو نماز کا حکم دیتے تھے اور یہ آیت تلاوت کیا کرتے تھے۔

﴿۱۷﴾ ”وقالوا“ اور مشرکین کہتے ہیں ”لولا یاتینا ہایۃ من ربہ“ مشرکین محض عناد کی وجہ سے اس نشانی کو نہیں مانتے تھے حالانکہ نشانیاں تو بہت ساری آچکی تھیں۔ ”اولم یتاہم بینۃ“ اہل مدینہ، اہل بصرہ و حفص بن عامر نے ”تاتہم“ پڑھا ہے ”بینۃ“ کے مؤنث ہونے کی وجہ سے اور دوسرے قراء نے اس کو یاء کے ساتھ پڑھا ہے فعل کی تقدیم کی وجہ سے۔ دوسری وجہ یہ کہ ”بینۃ“ بیان سے ہے اس کے معنی کی طرف اس کو لوٹایا گیا۔ ”ما فی الصحف الاولی“ جو کچھ اس میں بیان کیا گیا اس سے مراد قرآن ہے جو دلائل کے اعتبار سے قوی اور آیات کے اعتبار سے ہے اور اس کی واضح ہے اور بعض نے کہا کہ ”اولم یتاہم“ بیان ہے۔ ”ما فی الصحف الاولی“ کا۔ اس سے مراد توریت اور انجیل ہے اور دوسری وہ اخبار جو ماقبل اُمتوں پر نازل ہوئیں اور جن کا انہوں نے انکار کیا اور ان پر ایمان نہیں لائے۔ کیسے وہ عذاب کی جلدی کرتے تھے اور ہم نے ان کو ہلاک کیا جو آیت (نشانی) ان کے پاس آتی اس پر ایمان نہ لاتے، ان کا حال بھی ان کے حال کی طرح تھا۔ ﴿۱۸﴾ ”ولو انا اہلکنا ہم بعدا من قبلہ“ ان پر رسول کو بھیجے سے پہلے اور قرآن کے نزول سے پہلے۔ ”لقللوا ربنا لولا“ بمعنی ہلا کے ہے ”ارسلت الینا رسولا“ کہ ہماری طرف رسول کیوں نہیں بھیجا جو ہمیں ہدایت کی طرف رہنمائی کرتا۔ یہ سب کچھ قیامت کے دن کہیں گے۔ ”فتتبع آیاتک من قبل ان لذل و نخزی“ ان کو عذاب کے ذریعے ذلیل کرتے اور قید اور قتل ہونے کی ذلت اُٹھاتے۔

﴿۱۹﴾ ”قل کل متربص“ ہم منتظر ہیں زمانے کے چلنے کے ساتھ کیونکہ مشرکین کہا کرتے تھے ہم منتظر ہیں کہ محمد پر زمانے کی گردشیں آئیں اور وہ حوادث دہر میں مبتلا ہو جائیں۔ جب وہ مرجائیں گے اسی وقت ہمارا پیچھا چھوٹے گا۔ ”فتربصوا“ تم انتظار کرو۔ ”فستعلمون“ جب اللہ کا حکم آجائے گا اور قیامت واقع ہو جائے گی۔ ”من اصحاب الصراط السوی“ وہ سیدھا راستہ ہے ”ومن اہتدی“ اور گمراہی سے راستہ پانے والے ہم ہیں یا تم۔

## سُورَةُ الْأَنْبِيَاءِ

کی سورۃ ہے اور اس میں ایک سو بارہ آیات ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ مُّعْرِضُونَ ① مَا يَأْتِيهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّن رَّبِّهِمْ مُّحَدَّثٍ إِلَّا اسْتَمَعُوهُ وَهُمْ يَلْعَبُونَ ② لَّأَهِيَّةٌ قُلُوبُهُمْ دُورًا وَسُرُورًا النَّجْوَى الَّذِينَ ظَلَمُوا هَلْ هَذَا إِلَّا بَشْرٌ مِّثْلُكُمْ أَفَتَأْتُونَ السَّحَرَ وَانْتُمْ تُبْصِرُونَ ③ قُلْ رَبِّي يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ④

توجہ دہا ان (منکر) لوگوں سے ان کا (وقت) حساب نزدیک آ پہنچا اور یہ (ابھی) غفلت میں (پڑے) ہیں (اور) اعراض کئے ہوئے ہیں ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے جو نصیحت تازہ (حسب حال ان کے) آتی ہے یہ اس کو ایسے طور سے سنتے ہیں کہ (اس کے ساتھ) ہنسی کرتے ہیں (اور) ان کے دل متوجہ نہیں ہوتے اور یہ لوگ یعنی ظالم اور کافر لوگ آپس میں (چپکے چپکے سرگوشی کرتے ہیں کہ یہ (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) محض تم جیسے ایک معمولی آدمی ہیں تو کیا پھر بھی تم جادو کی بات سننے کو (ان کے پاس جاؤ گے حالانکہ تم جانتے ہو بغیر نے فرمایا کہ میرا رب ہر بات کو خواہ آسمان میں (ہو) اور (خواہ) زمین میں (ہو) جانتا ہے اور وہ خوب سننے والا اور خوب جاننے والا ہے۔

تفسیر ① ”اقترب للناس“ لام بمعنی من کے ہے۔ حسابہم یعنی لوگوں کے ان کے حساب کا وقت قریب ہے۔ وہ اپنے اعمال کے محاسبہ کا وقت جان لیں گے قیامت کے دن۔ یہ آیت بعثت کے منکرین کے بارے میں نازل ہوئی۔ ② ”وہم فی غفلة معروضون“ اور وہ اس سے روگرداں ہوں گے۔

③ ”ما یأتیہم من ذکر من ربہم محدث“ قرآن میں سے جو چیز اللہ تعالیٰ نازل کرے خواہ وہ کوئی وعظ ہو یا نصیحت ہو۔ مقاتل کا بیان ہے کہ ایک حکم کے بعد دوسرا حکم نازل ہونا اور بعض نے کہا کہ ذکر من ربہم محدث سے مراد جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنن اور نصح جو قرآن کے علاوہ ہیں ”من ربہم“ اللہ رب العزت نے جو فرمایا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ رب العزت کے حکم کے بغیر کچھ نہیں بولتے۔ ”وما ینتطق عن الہوی“ ..... ”الا استمعوه وہم یلعبون“ وہ صرف ہنسی مذاق کے لیے سنتے ہیں نہ کہ نصیحت اور عبرت پکڑنے کے لیے۔

③ "لاہیة" وہ بھول جانے اور غافل رہنے والے ہیں۔ "قلوبہم" اللہ کے ذکر سے اعراض کرنے والی "لاہیة" ماقبل اسم کے لیے صفت ہے اور موصوف صفت اعراب میں ایک ہی ہوتے ہیں اور جب موصوف اسم سے مقدم ہو جائے تو اس کی دو حالتیں ہیں، فصل والی اور وصل والی۔ فصل والی حالت میں نصب آئے گا جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "خشعا ابصارہم"..... "وداہیة علیہم ظلالہا"..... "ولاہیة قلوبہم" اور وصل کی صورت میں یہ ماقبل کے اعراب کی طرح ہوگا۔ "ربنا اخرجننا من ہذہ القریة الظالم اہلہا"..... "واسروا النجوی الذین ظلموا" اس سے مراد شرک ہے۔ "واسروا" یہ فعل ہے جو جمع سے مقدم ہے۔

کسائی کا قول ہے کہ یہاں تقدیم و تاخیر ہوئی ہے۔ اس سے مراد جنہوں نے ظلم کیا اور چھپ کر سرگوشی کی اور بعض نے کہا کہ یہ ابتداء (مبتداء) ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ چھپ چھپ کر سرگوشیاں کرتے تھے۔ پھر فرمایا جن لوگوں نے ظلم کیا اور بعض حضرات نے کہا کہ مرفوع ہے بدل ہونے کی وجہ سے۔ "اسروا" کی ضمیر سے بدل ہے۔ مبروکا قول ہے کہ یہ اس قول کی طرح ہے کہ کوئی یوں کہے "ان الذین ہی الدار انطلقوا بنو عبد اللہ" یہ بدل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور یہ "انطلقوا" کی ضمیر سے بدل ہے۔ پھر اس کے بعد ان کی سرگوشی کو بیان کیا جو وہ آپس میں کر رہے تھے۔ "هل هذا الا بشرٌ مذلکم" وہ بشر کی رسالت کے منکر ہو گئے اور ملائکہ کی رسالت طلب کرنے لگے۔ "الفتانون السحر" یعنی تم اس کو جادو مانتے ہو اور وہ یہ کہتے کہ اس کی دعوت کو قبول کرنے جاتے ہو۔ "وانتم تبصرون" حالانکہ تم جانتے ہو کہ وہ جادو ہے۔

④ "قال" ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ربی یعلم القول فی السماء والارض" حمزہ، کسائی اور حفص نے یونہی پڑھا ہے "قال ربی" خبر ہونے کی وجہ سے۔ مبتداء لفظ (محمد) ہے۔ "یعلم القول فی السماء والارض" اس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔ "وهو السميع" وہ تمہاری باتوں کو سننے والا "العلیم" اور تمہارے افعال کا جاننے والا ہے۔

بَلْ قَالُوا اَضْغَاثَ اَحْلَامٍ مَّ بَلِ افْتَرَاهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ۝۵ فَلْيَاْتِنَا بآیةٍ كَمَا اُرْسِلَ الْاَوَّلُونَ ۝۶ مَا اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْیَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ۝۷ اَفْهُمْ یُؤْمِنُونَ ۝۸ وَمَا اُرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوحِیْ اِلَیْهِمْ فَمَسَلُوْا اَهْلَ الدِّمْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝۹ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا یَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ ۝۱۰ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِیْنَ ۝۱۱ ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجٰیْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَاءُ وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِیْنَ ۝۱۲ لَقَدْ اَنْزَلْنَا اِلَیْكُمْ كِتٰبًا فِیْهِ ذِكْرُكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۱۳

﴿۱۳﴾ (بلکہ یوں) بھی کہا کہ یہ (قرآن) پریشان خیالات ہیں بلکہ انہوں نے (یعنی پیغمبر نے) اس کو تراش لیا ہے بلکہ یہ تو ایک شاعرِ فحش ہیں تو ان کو چاہئے کہ ہمارے پاس ایسی کوئی (بڑی) نشانی لاویں جیسا پہلے لوگ رسول بنائے گئے ان سے پہلے کوئی بستی والے جن کو ہم نے ہلاک کیا ہے ایمان نہیں لائے سو کیا یہ لوگ ایمان لے آویں گے اور ہم نے آپ سے قبل صرف آدمیوں ہی کو پیغمبر بنایا جن کے پاس ہم وحی بھیجا کرتے تھے سو (اے منکرو) اگر تم کو (یہ بات)

معلوم نہ ہو تو اہل کتاب سے دریافت کر لو اور ہم نے ان رسولوں کے ایسے جتنے نہیں بنائے تھے جو کھانا نہ کھاتے ہوں (یعنی فرشتہ نہ بنایا تھا) اور وہ حضرات ہمیشہ رہنے والے نہیں ہوئے پھر ہم نے جو ان سے وعدہ کیا تھا اس کو سچا کیا یعنی ان کو اور جن جن کو (نجات دینا) منظور ہوا ہم نے نجات دی اور حد (اطاعت سے) گزرنے والوں کو ہلاک کیا ہم تمہارے پاس ایسی کتاب بھیج چکے ہیں کہ اس میں تمہاری نصیحت (کافی) موجود ہے کیا پھر بھی تم نہیں سمجھتے اور نہیں مانتے۔

**تفسیر 5** ”بل قالوا أضغاث أحلام“ وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ باطل اور پرانے قصے کہانیاں اور مخلوط و گڑبڑ خواہوں کا مجموعہ ہے۔ ”بل افترأه“ اس کو اپنی طرف سے بنایا ہے۔ ”بل هو شاعر“ بعض مشرکین نے کتاب اللہ کو پراگندہ خواب کہا، کچھ لوگوں نے من گھڑت و دروغ بندی قرار دیا اور بعض نے قرآن کو شعر کہا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر ”فلیأمننا“ لے آئیں محمد ”بابۃ“ اگر وہ سچے ہیں۔ ”كما أرسل الأولون“ رسول کو اور ان کے ساتھ معجزوں کو بھیجا۔ اللہ تعالیٰ ان کو جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں: **6** ”ما آمنت قلوبهم“ اس سے پہلے مشرکین مکہ بھی ایمان نہیں لائے۔ ”من قویۃ ہستی والوں کے پاس نشانیاں نہیں آئیں۔ ”أهلکناھا“ تو انہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا پھر ہم نے ان کو ہلاک کیا جھٹلانے کی وجہ سے۔ ”الفہم یؤمنون“ یہ استفہام انکاری ہے یعنی مکہ کے مشرک تو گزشتہ کافروں سے کفر میں سخت ہیں۔ جب گزشتہ کافر ایمان نہیں لائے تو یہ لوگ یقیناً ایمان نہیں لائیں گے۔

**7** ”وما أرسلنا قبلك الا رجالا نوحی الیہم“ یہ اس قول کا جواب ہے۔ ”هل هذا الا بشر مثلکم“ کہ ہم نے پہلے بھی انبیاء فرشتوں میں سے نہیں بھیجے بلکہ ان اقوام کی طرف بھی تم میں سے تمہاری طرح بشر کو نبی بنا کر بھیجتے رہے۔ ”فاسئلوا اهل الذکر“ پس تم سوال کرو تو ریت والوں سے اور انجیل والوں سے ان سے پوچھنے کا حکم دینے کی وجہ یا تو یہ ہے کہ مشرکین مکہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں اہل کتاب پر اعتماد تھا، ان سے مشورہ لیا کرتے تھے یا اس وجہ سے کہ اہل کتاب رسولوں کے منکر نہیں تھے کہ وہ بشر ہی ہوتے ہیں۔ بشر ہونے سے انکار نہ کرتے۔ اگر چہ یہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے منکر تھے۔ مشرکین کو حکم دیا کہ وہ ان سے پوچھیں تاکہ ان کو اس بات کی تصدیق ہو جائے، ان لوگوں سے بھی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لاتے، ان سے زیادہ قریب ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے۔ ابن زید کا بیان ہے کہ ذکر سے مراد قرآن ہے کہ مؤمنین سے سوال کریں جو اہل قرآن میں سے ہیں۔ ”ان کنتم لاتعلمون“

**8** ”وما جعلناہم“ اس سے مراد رسول ہیں۔ ”جسدا“ اجساد نہیں کہا کیونکہ یہ اسم جنس ہے۔ ”لا یاکلون الطعام“ یہ اس قول کی تردید ہے۔ ”ما لہذا الرسول یأکل الطعام“ کافر یہ کہتے تھے کہ یہ رسول کھانا کھاتا ہے، ان کی اس آیت میں تردید ہے۔ ”وما کانوا خالدين“ اور نہ ہی وہ دنیا میں ہمیشہ رہیں گے۔

**9** ”ثم صدقناہم الوعد“ پھر ہم نے جو ان کے ساتھ کفار کے ہلاک کرنے کا وعدہ کیا تھا سچ کر دکھایا۔ ”فان جنیناہم ومن نشاء“ اور ہم نے ان مؤمنین کو نجات دی جنہوں نے تصدیق کی اور ایمان لائے۔ ان کو اپنے عذاب اور کفار کی ایذا رسائیوں سے محفوظ فرمایا۔ ”واهلکنا المسرفین“ مشرکین مکہ کو جھٹلایا اور ہر مشرک اپنے آپ پر زیادتی کرنے والا ہے۔

⑩ "لقد انزلنا اليكم كتاباً" اے قریش کے گروہ "فیہ ذکرکم" ذکر سے مراد فضیلت و بزرگی ہے۔ "وانہ لذكر لک و لقومک" وہ باعث عزت و تعظیم ہیں جو ایمان لائے۔ مجاہد کا قول ہے کہ اس جگہ باتیں مراد ہیں۔ حسن رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ذکر سے مراد دین کی طرف جس کی زیادہ احتیاجیت ہو وہ ہے "افلا تعقلون"

وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَأَنْشَأْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا آخَرِينَ ⑪ فَلَمَّا أَحْسَوْا بِأَسْنَا إِذْهُمْ مِنْهَا يَرُكْضُونَ ⑫ لَا تَرْكُضُوا وَارْجِعُوا إِلَى مَا أُتْرِفْتُمْ فِيهِ وَمَسْكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْتَلُونَ ⑬ قَالُوا يُؤَيِّنَا إِنْ كُنَّا ظَالِمِينَ ⑭ فَمَا زَالَتْ تِلْكَ دَعْوَاهُمْ حَتَّى جَعَلْنَاهُمْ حَصِيدًا خَمِيدِينَ ⑮ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لِعِبِينِ ⑯ لَوْ أَرَدْنَا أَنْ نَتَّخِذَ لَهُمْ آيَةً لَوَلَّوْا أَصْبَاتًا كَمَا كُنَّا فَاعِلِينَ ⑰

تجلی اور ہم نے بہت سی بستیاں جہاں کے رہنے والے ظالم (یعنی کافر) تھے غارت کر دیں اور ان کے بعد دوسری قوم پیدا کر دی سو جب ان ظالموں نے ہمارا عذاب آتا دیکھا تو اس بستی سے بھاگنا شروع کیا بھاگومت اور اپنے سامان عیش کی طرف اور اپنے مکانوں کی طرف چلو شاید تم سے کوئی پوچھے پوچھے اور وہ لوگ (نزول عذاب کے وقت) کہنے لگے کہ ہائے ہماری بستی بیشک ہم لوگ ظالم تھے سو ان کی یہی غل پکار رہی تھی کہ ہم نے ان کو ایسا (نیست و نابود) کر دیا جس طرح کھیتی کٹ گئی ہو اور آگ ٹھنڈی ہو گئی ہو اور ہم نے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے اس کو اس طور پر نہیں بنایا کہ ہم فعل عیب کرنے والے ہوں اور اگر ہم کو مشغلہ ہی بنانا منظور ہوتا تو ہم خاص اپنے پاس کی چیز کو مشغلہ بناتے اگر ہم کو یہ کرنا ہوتا۔

تفسیر ⑪ "وكم قصمنا" اس سے بکثرت ہلاک ہونا ہے قصم کسرہ کے ساتھ ہے۔ "من قرية كانت ظالمة" ظالمتہ سے

مراد کافر بستی ہے اور اس کے اہل خانہ۔ "وانشأنا بعلاھا" ہم نے اس بستی کو تباہ کرنے کے بعد وارث بنا دیا۔ "قومًا آخرین"

⑫ "فلما احسوا باسنا" یعنی جب انہوں نے عذاب کو آنکھوں سے دیکھ لیا۔ "اذا هم منها يركضون" وہ ایزی لگا کر بھاگنے لگے۔

⑬ "لا تركضوا" گویا کہ ان کو کہا گیا کہ نہ بھاگو اور نہ واپس چلو۔ "وارجعوا الى ما اترفتم فيه" جس عیش میں تم پڑے رہے اس کی طرف پلٹو۔ "ومسكنكم لعلكم تستلون" قتل نبی کے متعلق باز پرس کی جائے گی۔ بعض نے کہا کہ شاید تم سے دنیاوی متاع وغیرہ مانگا جائے۔ اس آیت کا نزول حضرت موت کے باشندوں کے متعلق ہوا۔ یہ یمن کی ایک بستی تھی جس کے باشندے عرب تھے، اللہ نے ان کی ہدایت کے لیے ایک نبی کو مبعوث فرمایا۔ پیغمبر نے ان کو توحید کی دعوت دی۔ ان بستی والوں نے نبی کی تکذیب کی اور اس کو قتل کر دیا اور اللہ نے شاہ بخت نصر کو ان پر مسلط کر دیا۔ بخت نصر نے ان کو قتل اور قید



کر دیا۔ جب عام طور پر لوگ قتل ہونے لگے تو پشیمان ہوئے اور بہتی چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ فرشتوں نے ان کو آواز دی بھاگومت اپنے گھروں اور مالوں کی طرف لوٹو، شاید تم سے کچھ مانگا جائے۔

قائدہ کا بیان ہے کہ شاید تم سے کچھ دنیاوی مال و متاع مانگا جائے اور پھر جس کو چاہو تم دے دو اور جس کو چاہو نہ دو، تم بڑے مال دار اور اہل ثروت ہو۔ غرض بخت نصر نے ان کا تعاقب کیا اور بے دریغ قتل کیا اور کسی ہاتف نے اوپر سے آواز دی، انبیاء کا انتقام، یہ حالت دیکھ کر ان کو اپنے کیے پر پشیمانی ہوئی لیکن اقرار تصور نے ان کو کچھ فائدہ نہ دیا۔ یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ بعض لوگوں نے بعض سے کہا بھاگو نہیں لوٹ کر گھروں کو چلو، شاید تم سے بطور تادان مال طلب کیا جائے اور تم مال دے کر قتل ہونے سے بچ جاؤ۔ اس وقت آسمان سے ندا آئی انبیاء کا انتقام، لیکن جب انہوں نے عذاب کو دیکھ لیا تو اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیا لیکن اس وقت ان کو توبہ نے نفع نہیں دیا۔

14 "قَالُوا يَا وَيْلَنَا اِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ"

15 "لَمَّا زَالَتْ تِلْكَ دَعْوَاهُمْ" وہ بار بار یہ کلمہ پکارتے رہے۔ "یا ویلنا" وہ اس طرح پکارتے رہے اور اس کا جواب ان کو اسی وقت ملتا رہا۔ "حَتَّىٰ جَعَلْنَاهُمْ حَصِيدًا" تلوار کے ساتھ اسی طرح کر دیا جیسے کٹی ہوئی کھیتی ہو۔ "حَامِلِينَ" مٹر دے بچھے ہوئے۔

16 "وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لَاعِبِينَ" اس سے مراد عبث اور باطل ہے۔

17 "لَوْ أَرَدْنَا أَنْ نَتَّخِذَ لَهَوًا" لہو کے معنی میں اختلاف ہے۔

عطاء کی روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا لہو سے مراد عورت ہے۔ یہی قول حسن اور قائدہ کا ہے۔ کلبی کی روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ لہو سے مراد اولاد ہے سدی کا بھی یہی قول ہے۔ انظر قول یہی ہے کہ اس سے مراد عورت ہو کیونکہ جماع کو لغت میں لہو کہتے ہیں اور عورت محل جماع ہے۔ "لَا تَخْلُدنَا مِنْ لَدُنَا" جو حور عین سے ہونہ کہ وہ عورتیں جو دنیا میں ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر ہم لہو کرنے والے ہی ہوتے تو اپنی شان کے مطابق ان چیزوں کو ذریعہ لہو بناتے جو ہماری ذات کی مناسب تھیں۔ اس آیت میں نصاریٰ کے عقیدہ کی تردید ہے جو مسیح کو اللہ کا بیٹا اور مسیح کی ماں کو اللہ کی بیوی قرار دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے قول کی تردید کی اور فرمایا "لَا تَخْلُدنَا مِنْ لَدُنَا" اس لیے کہ وہ جانتے ہیں کہ مرد کی بیوی اور بیٹا اس کے پاس ہوتے ہیں نہ کہ کسی اور کے پاس۔ "ان کما فاعلین"

قائدہ، مقاتل اور ابن جریر کے نزدیک "ان" تانیہ ہے۔ یعنی ہم ایسا کرنے والے نہیں۔ گویا یہ جملہ کلام سابق کا نتیجہ ہے اور بعض نے کہا کہ یہ شرط ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ اگر ہم ان میں سے ہوتے جو یہ کرتے ہیں اور ہم ان میں سے نہیں ہیں کیونکہ یہ ہمارے حق میں محال ہے۔

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَلْمُغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُونَ 18 وَ لَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ عِنْدَهُ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَلَا يَسْتَحْسِرُونَ 19 يُسَبِّحُونَ اللَّيْلَ

وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُونَ ﴿۲۰﴾ أَمْ اتَّخَذُوا إِلَهًا مِّنَ الْأَرْضِ هُمْ يُنْشِرُونَ ﴿۲۱﴾ لَوْ كَانَ فِيهِمَا إِلَهًا إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا فَسُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ ﴿۲۲﴾ لَا يُسْئَلُ عَمَّا يُفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُونَ ﴿۲۳﴾

﴿۲۰﴾ بلکہ ہم حق بات کو باطل پر پھینک مارتے ہیں سو وہ (حق) اس (باطل) کا بھیجا نکال دیتا ہے (یعنی اس کو مغلوب کر دیتا ہے) وہ (مغلوب ہو کر) دفعہ جاتا رہتا ہے اور تمہارے لئے اس بات سے بڑی خرابی ہوگی جو تم گھڑتے ہو اور (حق تعالیٰ کی وہ شان ہے کہ) جتنے کچھ آسمانوں اور زمین میں ہیں سب اسی کے ہیں اور (ان میں سے) جو اللہ کے نزدیک بڑے مقبول و مقرب ہیں وہ اس کی عبادت سے عار نہیں کرتے اور نہ تھکتے ہیں (بلکہ) شب و روز (اللہ کی) تسبیح کرتے ہیں (کسی وقت) سو قوف نہیں کرتے کیا (باوجود ان دلائل توحید کے) ان لوگوں نے خدا کے سوا اور معبود بنا رکھے ہیں (بالخصوص) زمین کی چیزوں میں سے جو کسی کو زندہ کرتے ہیں؟ زمین (میں یا) آسمان میں اگر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور معبود (واجب الوجود) ہوتا تو دونوں درہم برہم ہو جاتے سو (ان تقریرات سے ثابت ہوا کہ) اللہ تعالیٰ ان امور سے پاک ہے جو کچھ یہ بیان کرتے ہیں وہ جو کچھ کرتا ہے اس سے کوئی باز پرس نہیں کر سکتا اور اوروں سے باز پرس کی جاسکتی ہے۔

**تفسیر** ﴿۲۰﴾ ”ہل“ ان باتوں کو چھوڑ دیجئے جو انہوں نے کہا کیونکہ یہ جھوٹ اور باطل ہے۔ ”نقدف“ ہم پھینکتے ہیں یا مسلط کر دیتے ہیں۔ ”بالحق حق سے مراد ایمان ہے۔“ ”علی الباطل“ اس سے مراد کفر ہے۔ بعض نے کہا کہ حق سے مراد اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کیونکہ اس کی کوئی اولاد نہیں۔ باطل سے مراد کفر اور جھوٹ ہے۔ ”فلید مغہ“ اس کو فنا کر دیتا ہے۔ دغ اصل میں کہا جاتا ہے سر توڑ دینا، بھیجا کھل دینا جس سے ہلاکت واقع ہو جائے۔ ”فاذا هو زاهق“ ہلاک ہونے والا جس کا نشان بھی باقی نہ رہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کا کذب باطل ہو گیا، حق کے ظاہر ہونے کے ساتھ۔ یہاں تک کہ وہ تباہ اور ہلاک ہو گیا۔ ”ولکم النویل“ اے کفار کے گروہ ”صما تصفون“ جو نامناسب اوصاف تم بیان کرتے ہو اور جو اللہ کی شان کو زبیا نہیں ہیں ان کی وجہ سے تمہارے لیے ہلاکت ہوگی۔

﴿۲۱﴾ ”وله من فی السموات والارض“ جو میرے بندے اور جو بھی میری ملک ہیں۔ ”ومن عنده“ اس سے مراد فرشتے ہیں۔ ”لا یستکبرون عن عبادتہ“ وہ عبادت سے نہیں تھکتے اور نہ ہی اس میں تکبر کرتے ہیں۔ ”ولا یستحسرون“ اور نہ ہی وہ اس سے ہارتے ہیں۔ کہا جاتا ہے ”حسر واستحسر“ جب وہ تھک جائے اور ہار جائے۔ سدی کا قول ہے کہ وہ عبادت میں مشغول رہتے ہیں کبھی بھی نہیں تھکتے۔

﴿۲۲﴾ ”یسبحون اللیل والنہار لا یفترون“ کمزور نہیں پڑتے۔ کعب احبار کا بیان ہے ملائکہ کے لیے تسبیح خداوندی ایسی ہے جیسے آدمیوں کے لیے سانسیں۔

﴿۲۳﴾ ”ام اتخذوا آلهة“ استفہام بمعنی حمد کے ہے کہ خدا کے سوا تم معبود نہ پکڑو۔ ”من الارض“ اس سے مراد بت

ہیں خواہ وہ لکڑی تراشیدہ ہوں یا پتھر کے تراشیدہ ہوں۔ ”ہم ینشرون“ کیا وہ مردوں کو زندہ کر کے اٹھائیں گے اور کہا وہ اللہ کہنے کے مستحق ہیں مگر وہ مستحق عبادت ہے جو زندہ کرنے، مارنے اور کامل نعمتیں عطا کرنے کی قدرت رکھتا ہو اور جب مشرک بتوں کو بھی معبود قرار دیتے ہیں تو گویا اس بات کے مدعی ہیں کہ بت بھی زندہ کرنے مُردہ کرنے اور نعمتیں عطا کرنے کی قدرت رکھتے ہیں اور یہ دعویٰ واقعیت کے خلاف ہے۔

22 ”لو كان ليهما“ زمین و آسمان میں ”آلهة الا الله“ اللہ کے سوا کوئی معبود ہوتا۔ ”لفسدنا“ تو زمین میں بگاڑ پیدا ہوتا اور دونوں پیدا ہی نہ ہوتے اور دونوں کی طرف سے حکم صادر ہوتا اور کراؤ پیدا ہوتا۔ اس طرح نظام میں اکثر بگاڑ پیدا ہوتا۔ اللہ رب العزت نے اس کی تردید فرمائی۔

”لسبحان الله رب العرش عما يصفون“ یعنی مشرکین جو ان کے لیے اللہ کی بیوی، بیٹے اور شرکاء ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہیں۔

23 ”لا يسئل عما يفعل“ وہ اپنی مخلوق پر حاکم ہے کیونکہ وہ رب ہے دونوں جہانوں کا پالنے والا ہے۔ اس لئے اس سے نہیں پوچھا جائے گا ”وہم یسئلون“ اور مخلوقات سے پوچھا جائے گا، ان کے اعمال و افعال کے بارے میں کیوں کہ وہ اس کے بندے ہیں۔

أَمْ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ آلِهَةً ۚ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ هَذَا ذِكْرٌ مِنْ مَعِيَ وَذِكْرٌ مِنْ قَبْلِي ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ الْحَقَّ فَهُمْ مُعْرِضُونَ 23 وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ 24 وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهُ ۚ بَلْ عِبَادٌ مُكْرَمُونَ 25 لَا يَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِأَمْرِهِ يَعْمَلُونَ 26 يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنْ ارْتَضَىٰ وَهُمْ مِنْ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ 27 وَمَنْ يُقُلْ مِنْهُمْ إِنِّي إِلَهٌ مِنْ دُونِهِ فَلَذٰلِكَ نَجْزِيهِ جَهَنَّمَ ۚ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ 28

کیا خدا کو چھوڑ کر انہوں نے اور معبود بنا رکھے ہیں (ان سے) کہیں کہ تم اپنی دلیل (اس دعویٰ پر) پیش کرو یہ میرے ساتھ والوں کی کتاب (یعنی قرآن) اور مجھ سے پہلے لوگوں کی کتابیں (یعنی توراہ و انجیل وغیرہ) موجود ہیں بلکہ ان میں زیادہ وہی ہیں جو امر حق کا یقین نہیں کرتے سو (اس وجہ سے) وہ اعراض کر رہے ہیں اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی ایسا غیر نہیں بھیجا جس کے پاس ہم نے یہ وحی نہیں بھیجی ہو کہ میرے سوا کوئی معبود (ہونے کے لائق نہیں) پس میری ہی عبادت کیا کرو اور یہ (مشرک) لوگ یوں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے (فرشتوں کو) اولاد بنا رکھی ہے وہ (اللہ تعالیٰ اس سے) پاک ہے بلکہ (وہ فرشتے اس کے) بندے ہیں مگر (ہاں) معزز وہ اس سے آگے بڑھ کر بات نہیں کر سکتے اور وہ اسی کے حکم کے موافق عمل کرتے ہیں (وہ جانتے ہیں کہ) اللہ تعالیٰ ان کے اگلے پچھلے

احوال کو جانتا ہے اور وہ بجز اس کے جس کے لئے (شفاعت کرنے کی) خدا تعالیٰ کی مرضی ہو اور کسی کی سفارش نہیں کر سکتے اور وہ سب اللہ تعالیٰ کی بیعت سے ڈرتے رہتے ہیں اور ان میں سے جو شخص (فرضاً) یوں کہے کہ میں علاوہ خدا کے معبود ہوں سو ہم اس کو سزائے جہنم دیں گے (اور) ہم ظالموں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔

**تفسیر 24** ”ام اتخذوا من دونه الهة“ استفہام انکاری توبیح کے لیے ہے۔ ”قل ہاتوا برہانکم“ اس پر حجت اور دلیل لے آؤ۔ پھر جملہ کو دوبارہ ذکر کیا۔ ”ہذا“ اس سے مراد قرآن ہے۔ ”ذکر من معی“ اس میں خبر وہ موجود ہے جو میرے پاس ہے اور یہ میری اُمت کے لیے بھی نصیحت نامہ ہے کہ جنہوں نے اس پر عمل کیا اور اس کی اطاعت کی۔ ان کو ثواب کامل حاصل ہوا۔ ”و ذکر“ خبر ہے۔ ”من قبلی“ ماقبل اُمتوں میں بھی ایسا نہیں ہوا اور نہ ہی آخرت میں اس کا کوئی شریک ہوگا۔ عطاء کی روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول آیا ہے کہ ”ذکر من معی“ سے مراد قرآن ہے اور ”ذکر من قبلی“ سے مراد توریت اور انجیل ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ بتاؤ کہ کسی جگہ میں بھی یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ نے کسی کو اپنا شریک یا بیٹا بنایا ہو یا اپنے سوا کسی اور کی عبادت کا حکم دیا ہو۔ ”بل اکثرہم لا یعلمون الحق فہم معرضون“

**25** ”وما ارسلنا من قبلک من رسول الا نوحی الیہ“ حمزہ، کسائی، حفص نے عاصم کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ ”نوحی الیہ“ نون کے ساتھ اور حاء کے کسرہ کے ساتھ۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ”وما ارسلناک“ اور دوسرے قراء نے یا ع اور حاء کے فتح کے ساتھ نفل مجہول پڑھا ہے۔ ”انہ لا الہ الا انا لعا عبدون“ اس سے مراد توحید ہے۔

**26** ”وقالوا اتخذ الرحمن ولدا“ یہ آیت قبیلہ خزاعہ کے بارے میں نازل ہوئی جو یہ کہتے تھے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ ”سبحانہ“ ان کے اس قول سے برأت اختیار کی۔ ”بل عباد“ ہم اس کے بندے ہیں یعنی فرشتے اللہ کی بیٹیاں نہیں ہیں۔ خدا ان کا باپ نہیں، خالق ہے۔ ”مکرمون“

**27** ”لا یسبقونہ بالقول“ اس کی بات کے آگے کوئی کلام نہ کرتے اور اللہ کی اجازت اور اذن کے بغیر کوئی بات نہیں کہتے اور اللہ جو حکم ان کو دیتا ہے اس کی تعمیل کرتے ہیں۔ اس کے حکم کے خلاف کچھ نہیں کرتے۔ ”وہم بامرہ یعملون“ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ ان کی مخالفت نہیں کرتے نہ قولاً اور نہ ہی عملاً۔

**28** ”یعلم ما بین ایدیہم وما خلفہم“ جو انہوں نے عمل کر لیے اور جو عمل ابھی تک انہوں نے نہیں کیے۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد جو اس سے پہلے پیدا کیا اور جو ان کے بعد پیدا ہوئے۔ ”ولا یشفعون الا لمن ارتضی“ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ اس سے مراد ہے جو شخص لا الہ الا اللہ کہے۔ مجاہد کا بیان ہے کہ جس سے اس کا رب راضی ہو۔ ”وہم من خشیتہ مشفقون“ وہ سب اللہ کی بیعت سے ڈرتے ہیں اور نہ ہی کسی کی طرف سے ڈکھ پہنچنے سے ڈرتے ہیں۔

**29** ”ومن یقل منہم انی الہ من دونه“ مقاتل رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ اس سے مراد ابلیس ہے جو حقیقتاً یا حکماً ملائکہ میں سے تھا کہ جب اس نے لوگوں کو اپنی عبادت کی طرف بلا یا اور اپنے نفس کی طرف اطاعت کرنے کا کہا حالانکہ فرشتوں میں سے

کسی کا کوئی کلام ایسا نہیں کہ کوئی یہ کہہ دے ”انی الہ من دون اللہ“..... ”فلذک نجزيه جهنم کذلک نجزي الظالمين“ جو الوہیت کا دعویٰ کرے اور جس کی عبادت کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس کے علاوہ کی عبادت کرے۔

أُولَٰئِكَ يَرَى الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا فَوَجَعْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ أَفْلا يُؤْمِنُونَ ﴿١٠﴾ وَجَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِهِمْ وَجَعَلْنَا فِيهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ﴿١١﴾ وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَقْفًا مَحْفُوظًا وَهُمْ عَنْ آيَاتِهَا مُعْرَضُونَ ﴿١٢﴾ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ الْإِنسَانَ وَالنَّهَارَ وَاللَّيْلَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ﴿١٣﴾

﴿تجوید﴾ کیا ان کافروں کو یہ معلوم نہیں ہوا کہ آسمان اور زمین (پہلے) بند تھے پھر ہم نے دونوں کو (اپنی قدرت سے) کھول دیا اور ہم نے (بارش کے) پانی سے ہر جاندار چیز کو بنایا ہے کیا (ان باتوں کو سن کر) پھر بھی ایمان نہیں لاتے اور ہم نے زمین میں اس لئے پہاڑ بنائے کہ زمین ان لوگوں کو لے کر ملنے نہ لگے اور ہم نے اس (زمین) میں کشادہ کشادہ رستے بنائے تاکہ وہ لوگ (ان کے ذریعہ سے) منزل (مقصود) کو پہنچ جائیں اور ہم نے (اپنی قدرت سے) آسمان کو (مثل) ایک چھت (کے) بنایا جو محفوظ ہے اور یہ لوگ اس (آسمان کے اندر) کی (موجودہ) نشانیوں سے اعراض کئے ہوئے ہیں (یعنی ان میں تدبیر نہیں کرتے) اور وہ ایسا ہے کہ اس نے رات اور دن اور سورج اور چاند بنائے (وہ نشانیاں یہی ہیں) ہر ایک ایک ایک دائرہ میں تیر رہے ہیں۔

﴿تفسیر﴾ ﴿١٠﴾ ”اولم یر الذین کفروا“ عام قراء نے واؤ کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابن کثیر نے ”لم یور“ پڑھا ہے بغیر واؤ کے۔ اسی طرح ان کے مصحف میں بھی ہے اس کا معنی یہ ہے کہ اگر جان لیتے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا۔ ”ان السموات والارض کانتا رتقا“ ابن عباس رضی اللہ عنہما، ضحاک، عطاء و قتادہ کا بیان ہے کہ آسمان و زمین سب باہم چسپاں اور ایک ہی تھے۔

## ففتقناہما کی مختلف تفاسیر

”ففتقناہما“ پھر ہوا داخل کر کے ہم نے دونوں کو الگ الگ کر دیا۔ ”رتق“ ٹخت میں کہا جاتا ہے بند باندھنا ملا دینا اور فتق کا معنی ہے پھاڑ دینا، کھول دینا۔ کعب نے کہا کہ اللہ نے آسمان و زمین کو اوپر نیچے بنایا تھا۔ پھر ہوا پیدا کر کے اس کو دونوں کے بیچ میں داخل کر کے دونوں کو کھول دیا۔ مجاہد اور سدی نے کہا کہ آسمان و زمین چسپاں اور ایک ہی طبقہ تھے۔ پھر اللہ نے ایک آسمان کے سات کر دیئے اور اسی طرح ایک زمین تھی اس کے سات طبقے بنا دیئے۔ عکرمہ اور عطیہ نے کہا کہ آسمان بند تھا، اس سے بارش نہیں ہوتی تھی اور زمین بھی بند تھی، اس سے کوئی سبزہ نہیں اُگتا تھا۔ پھر اللہ نے بارش کے ذریعے سے آسمان میں شکاف اور سبزہ اُگا کر زمین میں سوراخ بنا دیئے۔ اس مطلب پر ”السموات“ سے مراد ہوگا آسمان دُنیا اور چونکہ اس کے اجزاء بہت ہیں اس لیے

”سموات“ کے لفظ کا اس پر اطلاق کیا یا سماوات سے متعدد آسمان ہی مراد ہیں اور سب آسمانوں کو بارش برسانے میں دخل ہے اور بعض حضرات نے کہا کہ ”رتقا مفرد ہے۔ اس صورت میں یہ صفت ہوگی ”سماوات والارض“ کی کیونکہ یہ مصدر ہے اور مصدر قائم مقام اسم کے ہے جیسے زور اور صوم ہیں۔ ”وجعلنا“ اور ہم نے اس سے پیدا کیے۔ ”من الماء کل شیء حی“ جس کو پانی کے ذریعے زندگی دی جاتی ہے۔ اس کا نزول آسمان سے ہوتا ہے تاکہ اس سے تمام اشیاء کو حیات نو حاصل ہو۔ اس حیات میں انسان، حیوان، شجر وغیرہ ہیں۔ یعنی یہ بارش ان کے لیے زندگی کا سبب ہے۔ مفسرین کا قول ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہر چیز زندہ ہے اور وہ پانی سے پیدا ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ”واللہ خلق کل دابة من ماء“ ابوالعالیہ کا بیان ہے کہ اس سے مراد نطفہ ہے۔

سوال: یہ سوال کیا جائے کہ بعض اشیاء اللہ نے پیدا کیں مگر ان کی پیدائش پانی کے ساتھ نہیں ہوئی؟

جواب: یہ بطور تکفیر کے ہے۔ یعنی زمین پر جتنی اشیاء کو پیدا کیا گیا ان کی پیدائش کا سبب پانی ہی ہے یا ان کی

زندگی کا بقاء پانی ہے۔ ”أفلا یؤمنون“

① ”وجعلنا فی الارض رواسی“ جسے ہوئے پہاڑ اور گڑھے ہوئے پہاڑ ”ان تمید بہم“ تاکہ وہ اپنے باشندوں کو لے کر نہ لرزے۔ ”وجعلنا فیہا“ زمین میں یا پہاڑوں میں ”فججا“ کشادہ راستے بنائے دو پہاڑوں کے درمیان۔ فجج اسی کو کہتے ہیں کہ ہم نے ان پہاڑوں کے درمیان راستے بنا دیئے تاکہ تم اپنے مقاصد اور کام کاج میں لگے رہو۔ ”سبلا“ فجاج کی تفسیر ہے۔ ”لعلہم یہتدون“

② ”وجعلنا السماء سقفا محفوظا“ کہ وہ تم پر گر جائے۔ اس کے گرنے سے محفوظ بنا لیا۔ ”ویمسک السماء ان تقع علی الارض الا باذنہ“ بعض نے کہا کہ آسمان کو محفوظ کر دیا شہاب ثاقب کے ساتھ۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ”وحفظناہا من کل شیطان رجیم“..... ”وہم“ اس سے کفار مراد ہیں۔ ”عن آیاتہا“ یعنی چاند، ستارے، سورج اور ان کے مختلف احوال جو صالح کے وجود و حدوث اور کمال قدرت اور وسعت حکمت پر دلالت کر رہے ہیں۔ ان کی طرف سے وہ لوگ روگرداں ہیں غور نہیں کرتے۔ ”معرضون“ اس میں غور و فکر نہیں کرتے اور نہ ہی عبرت پکڑتے ہیں۔

③ ”وہو الذی خلق الیل والنہار والشمس والقمر کل فی فلک یسبحون“ تیرتے ہیں، تیز چلتے ہیں جیسے سمندر میں تیزی سے بھاگ رہے ہوں۔ ”یسبحون“ غرمایا۔ ”تسبح“ نہیں فرمایا کیونکہ یہ اشیاء ذوی العقول میں سے نہیں ہیں اور ”تسبح“ پڑھنا ذوی العقول کا کام ہے۔ ”فلک“ یعنی مدار نجوم جو سب ستاروں کو اپنے اندر سینٹے ہوئے ہے۔ ”فلک“ کلام عرب میں ہر گول گہرے کو فلک کہا جاتا ہے۔ اس کی جمع افلاک ہے۔ حسن کا قول ہے کہ چکی سے مراد یہ ہے کہ چکی کے گول چکر کی طرح ستارے دائرہ میں چلتے ہیں یعنی ستاروں کی رفتار متدیر ہے۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ چکی کے گول چکر کی طرح چکر کاٹتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ فلک آسمان ہی ہے۔ آسمان دنیا ہی پر سب ستارے چلتے ہیں اور فلک کی توین بتلا رہی ہے کہ ہر ستارہ ایک دائرہ میں چل رہا ہے، تمام ستاروں کے مدار مختلف



متعدد گھیروں پر ہیں جو اس کے لیے مقرر کر دیئے گئے ہیں۔ کبھی نے کہا کہ فلک آسمان کی گولائی کو کہتے ہیں۔ کچھ لوگوں نے کہا آسمان کے نیچے موج بستہ کا نام فلک ہے جس میں چاند، سورج اور ستارے چلتے ہیں۔

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّن قَبْلِكَ الْخُلْدَ إِلَّا أَمَّا نِئِمٌ مِّتَّ فَهُمُ الْخَالِدُونَ ﴿۳۴﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ۖ وَنَبَلُّوكُم بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ۖ وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ ﴿۳۵﴾ وَإِذَا رَاكُ الدِّينَ كَفَرُوا ۖ إِن يَتَّخِذُونَكَ إِلَّا هُزُوًا ۖ أَهَذَا الَّذِي يَذَّكُرُ الْهَيْتَكُمْ ۖ وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُونَ ﴿۳۶﴾ خُلِقَ الْإِنسَانُ مِنْ عَجَلٍ ۖ سَأُورِيكُمْ آيَاتِي فَلَا تَسْتَعْجِلُونِ ﴿۳۷﴾

﴿۳۴﴾ اور ہم نے آپ سے پہلے بھی کسی بشر کے لئے ہمیشہ رہنا تجویز نہیں کیا پھر اگر آپ کا انتقال ہو جائے تو کیا یہ لوگ (دنیا میں) ہمیشہ ہمیشہ کور ہیں گے ہر جاندار موت کا مزہ چکھے گا اور ہم تم کو بری بھلی حالتوں سے اچھی طرح آزما تے ہیں اور پھر (اس زندگی کے ختم پر) تم سب ہمارے پاس آ چلے آؤ گے اور یہ کافر لوگ جب آپ کو دیکھتے ہیں تو بس آپ سے ہنسی کرنے لگتے ہیں (اور آپس میں کہتے ہیں) کہ کیا یہی ہیں جو تمہارے معبودوں کا (برائی سے) ذکر کیا کرتے ہیں اور (خود) یہ لوگ (حضرت) رحمن کے ذکر پر انکار کیا کرتے ہیں انسان جلدی ہی (کے خیر) کا بنا ہوا ہے، ہم عنقریب (اس کے وقت آنے پر) تم کو اپنی نشانیاں (قہر کی یعنی سزائیں) دکھائے دیتے ہیں پس تم مجھ سے جلدی مت چاؤ۔

﴿۳۴﴾ ”وما جعلنا لبشر من قبلک الخلد“ دنیا میں ہمیشہ رہنا۔ ”افان مت فهم الخالدون“ کیا لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ہمیشہ رہیں گے آپ کے وفات پا جانے کے بعد۔ بعض نے کہا کہ اس آیت کا نزول اس وقت ہوا جب کافروں نے کہا تھا ہم تو اس وقت کے منتظر ہیں جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر موت کا چکر پڑے۔

﴿۳۵﴾ ”کل نفس ذائقة الموت ونبلوکم“ ہم تمہارے ساتھ ایسا ہی عمل کریں گے جیسا کہ امتحان لینے والا کرتا ہے۔ ”بالشر والخیر“ سختی کے وقت اور نرمی کے وقت صحت کے زمانے میں اور بیماری کے زمانے میں، امیری کی حالت میں، فقیری کی حالت میں ہر طرح سے ہم تمہاری جانچ پڑتال کرتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ خواہ تم اس چیز کو پسند کرتے ہو اور یا ناپسند کرتے ہو۔ ”فتنة“ تمہیں بتلا کر ویں گے تاکہ یہ بات واضح ہو جائے کہ تم مرغوب و محبوب مقصد کو حاصل کر کے شکر ادا کرتے ہو یا ناشکری اور دکھ پر صبر کرتے ہو یا شکوہ و شکایت و بے صبری ”والینا ترجعون“

﴿۳۶﴾ ”واذا راک الدین کفروا ان یتخذونک“ وہ آپ کا ٹھٹھا نہیں کرتے۔ ”الا هزوا“ مگر مسخرہ کے طور پر سدی کا قول ہے کہ یہ آیت ابو جہل کے متعلق نازل ہوئی کہ یہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہنس پڑا اور کہا کہ یہ عبد مناف کا نبی ہے۔

”اهذا الذی“ وہ بعض، بعض کے ساتھ کہنے لگے کہ یہ ہے وہی۔ ”یذکر آلهتکم“ یعنی کیا یہ ہی وہی شخص ہے جو تمہارے

معبودوں کو برا کہتا ہے۔ چونکہ دشمن کا ذکر برائی کے ساتھ ہوتا ہے اور دوست کا ذکر اچھائی کے ساتھ ہوتا ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے ”فلاناً يدكر فلاناً“ فلاں شخص اس آدمی کی برائی کر رہا ہے۔ ”و فلان يدكر الله“ فلاں شخص اللہ کا ذکر کرتا ہے یعنی اللہ کی اچھی صفات بیان کرتا ہے۔ ”وهم يدكر الرحمن هم كافرين“ اور یہ اس وجہ سے کہ وہ کہتے تھے کہ رحمن یرامہ میلہ کے علاوہ ہم کسی اور کو نہیں جانتے۔ ”وہم“ یہ ثانی صلد ہے۔

67 ”خلق الانسان من عجل“ اس بارے میں اختلاف ہے۔ بعض قوم نے کہا انسان کی سرشت میں جلد بازی ہے اس کا معنی یہ ہے کہ انسان کی نیت اور اس کی خلقت میں عجلت ہے اور اسی کی طبیعت میں سرشت میں داخل ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”وكان الانسان عجولاً“

سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سدی کا قول ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کے سر اور آنکھوں میں روح داخل ہوگئی تو جنت کے پھلوں پر فوراً نظر پڑی۔ اس کے بعد روح پیٹ کے اندر پہنچی تو آپ کو کھانے کی اشتہاء پیدا ہوگئی اور فوراً ناگوں تک روح پہنچنے سے پہلے ہی جنت کے پھل لینے کے لیے اٹھنے لگے لیکن اٹھ نہ سکے اور گر پڑے۔ اسی لیے کہا گیا ”خلق الانسان ضعيفاً..... خلق الانسان من عجل“ انسان سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ ان کی اولاد میں عجلت وراعت میں عطا کی گئی۔ عرب لوگ کہتے ہیں جس چیز کی زیادہ عجلت پسندی ہو تو اس کے بارے میں کہتے ہیں۔ ”خلقت منه“ جیسے کہا جاتا ہے۔ ”خلقت من تعب..... خلقت من غضب“ اس کے وصف میں ”مبالغة“ بولا جاتا ہے۔ اس پر اللہ رب العزت کا فرمان دلالت کرتا ہے۔ ”وكان الانسان عجولاً“

بعض اہل مفسرین کا قول ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے تھوڑے وقت میں پیدا کیا، آدم علیہ السلام کی تخلیق میں عجلت سے کام لیا تھا۔ آپ کی پہلے دن کے آخری حصے تک پیدائش کی جا چکی تھی۔ حضرت آدم علیہ السلام کے سر میں جب روح داخل ہوگئی تو آپ نے عرض کیا الہی غروب آفتاب سے پہلے میری تخلیق پوری کر دے، یہ مجاہد کا قول ہے اور بعض نے کہا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو جلدی میں پیدا کیا گیا۔ ان کو تمام اشیاء کے پیدا کرنے کے بعد جمعہ کے آخری حصے میں پیدا کیا گیا، ان کی پیدائش میں مغرب سے پہلے پہلے جلدی کی۔

اور بعض نے کہا کہ ان کو جلدی اور تیزی سے بنایا بغیر ترتیب کے جیسے کہ دوسرے آدمیوں کو ترتیب سے بنایا۔ پہلے نطفہ، پھر علقہ، پھر مضغہ وغیرہا۔ بعض مفسرین نے کہا کہ عجل کا معنی ہے گیلی مٹی۔ جیسا کہ شاعر کا قول ہے:

والنبع فی صخرة الصماء منبئة والنخل ينبت بين الماء والعجل

ترجمہ:..... (درخت نبج کی پیدائش کا مقام ٹھوس پتھروں میں ہوتا ہے اور کھجور کا درخت پانی اور کچھڑ سے پیدا ہوتا ہے۔)

”ساوریکم آیاتی فلا تستعجلون“ یہ خطاب مشرکین کو ہے۔ مشرکین عذاب کے طلب کرنے میں جلدی کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش برسا اور بعض نے کہا کہ اس کا نزول نصر بن حارث کے متعلق ہوا۔ اللہ تبارک و

تعالیٰ نے فرمایا ”ساوریکم آیاتی“ کہ یہ میری طرف سے وعدہ کیا ہوا ہے اس میں جلدی نہ کریں۔ وقتی عذاب کا مطالبہ نہ کریں۔ پھر اللہ نے بدر کے دن ان کو عذاب دکھا دیا اور بعض نے کہا کہ آخرت کے عذاب میں وہ جلدی کرتے ہیں۔

وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَذَا الْوَعْدِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٣٨﴾ لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا حِيْنَ لَا يَكْفُوْنَ عَنۡ وُجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنۡ ظُهُورِهِمْ وَلَا هُمْ يُنصَرُوْنَ ﴿٣٩﴾ بَلۡ تٰتِيْهِمْ بَغۡتَةٌ فَبَهَتُوْهُمۡ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنظَرُوْنَ ﴿٤٠﴾ وَلَقَدۡ اسْتَهۡزِئۡ بِرُسُلٍ مِّنۡ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمۡ مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهۡزِءُوْنَ ﴿٤١﴾ قُلۡ مَنۡ يَّكَلِّمُكُمۡ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ؕ بَلۡ هُمۡ عَنۡ ذِكْرِ رَبِّهِمۡ مُّعۡرَضُوْنَ ﴿٤٢﴾ اَمْ لَهُمۡ اِلٰهَةٌ تَمْنَعُهُمۡ مِّنۡ دُوْنِنَا ؕ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمۡ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ ﴿٤٣﴾

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کس وقت آوے گا اگر تم (دفع عذاب کی خبر میں) سچے ہو کاش ان کافروں کو اس وقت کی خبر ہوتی جب کہ یہ لوگ (اس) آگ کو نہ اپنے سامنے سے روک سکیں اور نہ اپنے پیچھے سے اور نہ ان کی کوئی حمایت کرے گا بلکہ وہ (آگ) تو ان کو ایک دم سے آلے گی سو ان کو بدحواس کر دے گی پھر نہ اس کے ہٹانے کی ان کو قدرت ہو گی اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی۔ اور آپ سے پہلے جو پیغمبر گزرے ہیں ان کے ساتھ بھی (کفار کی طرف سے) تمسخر کیا گیا تھا سو جن لوگوں نے ان سے تمسخر کیا تھا ان پر وہ عذاب واقع ہو گیا جس کے ساتھ وہ استہزاء کرتے تھے اور یہ بھی (ان سے) کہہ دیجئے کہ وہ کون ہے جو رات میں اور دن میں رحمن (کے عذاب) سے تمہاری حفاظت کرتا ہو بلکہ وہ لوگ اپنے رب کے ذکر سے روگرداں (ہی) ہیں کیا ان کے پاس ہمارے سوا اور ایسے معبود ہیں کہ (عذاب مذکور سے) ان کی حفاظت کر لیتے ہوں وہ خود اپنی حفاظت کی قدرت نہیں رکھتے اور نہ ہمارے مقابلہ میں کوئی اور ان کا ساتھ دے سکتا ہے۔

تفسیر ﴿٣٨﴾ ”وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَذَا الْوَعْدِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ“

﴿٣٨﴾ ”لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا حِيْنَ لَا يَكْفُوْنَ“ نہ وہ پھیر سکیں گے۔ ”عَنْ وُجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنۡ ظُهُورِهِمْ“ بعض نے کہا کہ وہ اپنی پیٹھوں کی جانب سے بھی نہ روک سکیں گے۔ ”وَلَا هُمْ يُنصَرُوْنَ“ اور نہ ہی ان سے عذاب کو روکا جائے گا۔ (لو) کا جواب اس قول میں ہے ”لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ“ یہ محذوف ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ اگر کافر جان لیں اس وقت کو جب کہ ہر طرف سے ان کو آگ اپنے گھیرے میں لے لے گی اور اس کو وہ نہ خود دفع کر سکیں گے نہ کوئی اور ایسا مددگار بنے گا جو عذاب کو دفع کر سکے تو وہ اپنے کفر پر قائم نہیں رہیں گے یا عذاب آنے میں جلدی کریں گے اور یہ نہیں کہیں گے کہ اس کا وعدہ کب آئے گا۔

﴿٤٠﴾ ”بَلۡ تٰتِيْهِمْ“ قیامت کی گھڑی ان پر آ پڑے گی۔ ”بَغۡتَةٌ“ چانک ناگہاں ”فَبَهَتُوْهُمۡ“ اس وقت یہ حیران رہ جائیں گے جیسے کہا

جاتا ہے کہ فلاں تمہیں پریشان ہے یعنی وہ حیران ہے۔ ”فلا يستطيعون ردھا ولا ہم ينظرون“ اور ان کو مہلت نہیں دی جائے گی۔  
 41 ”ولقد استهزئ برسلك فحاق“ جس چیز کی وہ استہزاء کرتے تھے اسی کی سزا اور عذاب ان پر نازل

ہوا۔ ”باللذین سخروا منهم ما كانوا به يستهزءون“

42 ”قل من يكلوكم“ تمہاری کون حفاظت کرتا ہے۔ ”باللیل والنهار من الرحمن“ اگر اس کی طرف سے تم پر عذاب نازل ہو گیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ اگر رحمن تم کو عذاب دینا چاہے گا تو تمہارا بچاؤ کون کرے گا؟ ”بل ہم عن ذکر ربهم“ ذکر سے مراد قرآن اور اللہ تعالیٰ کی نصیحت ہے۔ ”معرضون“

43 ”أم لهم“ یہ صلہ ہے۔ ”الہمة تمنہم من دوننا“ اس میں تقدیم و تاخیر ہے۔ تقدیری عبارت یہ ہوگی کہ کیا ان کے علاوہ کے لیے کوئی معبود ہے جو تمہیں اس عذاب سے روکے گا؟ پھر ان کے معبودوں کے ضعف کو بیان کیا۔ فرمایا ”لا يستطيعون نصر انفسهم“ کہ وہ اپنے آپ سے کوئی اذیت دور نہیں کر سکتے تو اپنے بچاریوں کی حفاظت کس طرح کریں گے؟

”ولاہم منا یصحون“ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کا ترجمہ ”یمنعون“ سے کیا ہے۔ مجاہد نے ”یصحون“ کا ترجمہ کیا ہے ”ینصرون“ کے ساتھ یعنی ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔ قتادہ نے کہا کہ ان کے ساتھ اللہ کی طرف سے، اذن شفاعت اور مدد نہ ہوگی۔

بَلْ مَتَّعْنَا هَؤُلَاءِ وَاَبَاءَهُمْ حَتَّى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ؕ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ اَفَهُمُ الْغَالِبُونَ 44 قُلْ اِنَّمَا اُنذِرُكُمْ بِالرُّوحِ وَلَا يَسْمَعُ الصَّمُّ الدُّعَاءَ اِذَا مَا يَنْذِرُونَ 45 وَلَئِنْ مَسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُولُنَّ يَوَيْلَنَا اِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ 46 وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ؕ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ؕ وَكَفَىٰ بِنَا حَسِيبِينَ 47

44 بلکہ میں نے ان کو اور ان کے باپ دادوں کو (دنیا کا) خوب سامان دیا یہاں تک کہ ان پر (اسی حالت میں) ایک عرصہ دراز گزر گیا کیا ان کو یہ نظر نہیں آتا کہ ہم (ان کی) زمین کو (بذریعہ فتوحات اسلامیہ کے) ہر چہار طرف سے برابر گٹھاتے چلے جاتے ہیں سو کیا یہ لوگ غالب آویں گے آپ کہہ دیجئے کہ میں تو صرف وحی کے ذریعہ سے تم کو ڈراتا ہوں اور یہ بہرے جس وقت ڈرائے جاتے ہیں سنتے ہی نہیں اور (ان کی عالی ہمتی کی کیفیت یہ ہے کہ) اگر ان کو آپ کے رب کے عذاب کا ایک جھونکا بھی ذرا لگ جاوے تو یوں کہنے لگیں کہ ہائے ہماری کم سختی واقعی ہم خطاوار تھے اور (ہاں) قیامت کے روز ہم میزان عدل قائم کریں (اور سب کے اعمال کا وزن کریں گے) کسی پر اصلاً ظلم نہ ہوگا اور اگر (کسی کا) عمل رائی کے دانہ کے برابر بھی ہوگا تو ہم اس کو (وہاں) حاضر کر دیں گے اور ہم حساب لینے والے کافی ہیں۔

تفسیر 45 ”بل متعنا ہولاء“ ہم نے کفار کو خوب مہلت دی۔ ”وآباءہم“ دنیا میں ان کے باپ دادا کو بھی خوب منافع

دیئے اور بعض نے کہا کہ ہم نے ان کو خوب نعمتیں دیں۔ ”حتی طال علیہم العمر“ یعنی ان کی مدت زندگی طویل ہوگئی۔ ”افلا یرون انا ناتی الارض نقصها من اطرافها“ ہم مشرکین کی سر زمین کو گھٹا رہے ہیں اور مؤمنین کے اطراف کو بڑھا رہے ہیں۔ اس سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور اور مشرکین کے علاقوں کو فتح کرنا ہے کہ زمین در زمین، مشرکین کی زمینیں مسلمانوں کے قبضے میں آنے لگیں۔ ”افہم الغالبون“ تو کیا ایسی حالت میں کافر مسلمانوں پر غلبہ پاسکیں گے۔

45 ”قل انما انذرکم بالوحی“ کہ میں تمہیں قرآن کے ذریعے سے ڈراتا ہوں۔ ”ولا یسمع الصم الدعاء“ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے تاء کے ضمہ کے ساتھ اور میم کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ ”الصم“ منصوب ہے۔ خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔ کہ کافر بہرے ہیں آپ کی پکار کو نہیں سمجھتے۔ دوسرے قراء نے یاء کے ساتھ اور ان دونوں کے فتح کے ساتھ اور میم کے فتح کے ساتھ اور اس صورت میں ”الصم“ مرفوع ہوگا۔ ”اذا ما ینذرون“ ان کو ڈرایا جاتا ہے۔

46 ”ولئن مستہم“ اگر ان کو تھوڑا سا عذاب چھو جائے۔ ”نفحة“ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ”نفحة“ کا ترجمہ کیا ہے کنارہ۔ بعض نے کیا تھوڑا سا۔ ابن جریج نے کہا کہ ایک حصہ مراد ہے۔ ”نفح فلان لفلان فلاں نے فلاں“ کو اپنے مال میں سے ایک حصہ دے دیا اور بعض نے ”نفحة“ کا ترجمہ کیا ہے مارنا ”نفحت الدابہ برجلہا“ گھوڑے نے اپنی ٹانگ ماری، بغوی اعتبار سے ”نفحة“ خوشبو کی لپٹ کو کہتے ہیں۔

”من عذاب ربک لبقولن یا ویلنا انا کنا ظالمین“ ہم نے ان کو اس وجہ سے ہلاک کیا کہ وہ مشرکین ہیں۔ جب وہ اپنی ہلاکت کو دیکھ لیں گے تو اس وقت اپنے شرک کا اقرار کر لیں گے۔

47 ”ونضع الموازین القسط“ قسط سے مراد عدل ہے۔ ”لیوم القیامة فلا تمظلم نفس شیئا“ ان کی نیکیوں سے کسی قسم کی کمی نہیں کی جائے گی اور نہ ہی ان کی برائیوں میں اضافہ کیا جائے گا اور بعض احادیث میں ہے کہ میزان کی ایک زبان اور دو پلڑے ہوں گے۔

ردایت میں آتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے رب سے درخواست کی کہ مجھے میزان دکھا دیجئے۔ اللہ نے ان کو میزان دکھا دی کہ اس کا ہر پلڑا اتنا تھا کہ مشرق سے مغرب تک اس کی وسعت تھی۔ حضرت داؤد علیہ السلام اس کو دیکھ کر بہوش ہو گئے۔ جب ہوش آیا تو عرض کیا الہی ایسا کون ہے جو اپنی نیکیوں کے ساتھ اس پلڑے کو بھر سکے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا، داؤد جب میں اپنے بندے سے راضی ہوں گا تو ایک چھوہارے (کو خیرات کرنے سے) اس کی نیکیوں کے پلڑے کو بھر دوں گا۔ ”و ان کان“ اگرچہ وہ چیز ”مشتال حبة“ ایک دانے کے بقدر اس کا وزن ہو۔ ”من خودل“ اہل مدینہ نے مشتال کے لام کے رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔ ایک مدینہ کے قراء نے مشتال لام کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے اور سورۃ لقمان میں بھی اسی طرح ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ اگر وہ ایک مشتال دانے کے برابر بھی ہو۔ دوسرے قراء نے نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ ”انینابھا“ ہم اس کو بھی حاضر کر دیں گے اور اس کا بدلہ دیں گے۔ ”وکفنی بنا حاسبین“ مسدی کا قول ہے کہ اس کا ترجمہ ٹھنن گنتی میں احاطہ کرنے والے سے کیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کا ترجمہ جاننے والے یا درکھنے والے سے کیا ہے، یعنی یاد رکھنے والے جو شخص کسی چیز کی گنتی کرتا ہے۔ یقیناً اس چیز کا اس کو علم ہو جاتا ہے اور وہ چیز اس کو یاد ہو جاتی ہے۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ وَهَارُونَ الْفُرْقَانَ وَضِيَاءً وَذِكْرًا لِّلْمُتَّقِينَ ﴿٤٨﴾ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُونَ ﴿٤٩﴾ وَهَذَا ذِكْرٌ مُّبْرَكٌ أَنْزَلْنَاهُ ؕ وَأَنْتُمْ لَهُ مُنْكَرُونَ ﴿٥٠﴾  
 وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ مِن قَبْلُ وَكُنَّا بِهِ عَلِيمِينَ ﴿٥١﴾ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا هَذِهِ السَّمَائِلُ الَّتِي أَنْتُمْ لَهَا عَاكِفُونَ ﴿٥٢﴾ قَالُوا وَجَدْنَا آبَاءَنَا نَا لَهَا عِبَادِينَ ﴿٥٣﴾ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٥٤﴾ قَالُوا اجْتِنِبِ الْبَلْحَقِّ أَمْ أَنْتَ مِنَ اللَّاعِبِينَ ﴿٥٥﴾ قَالَ بَلْ رَبُّكُمْ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الَّذِي فَطَرَهُنَّ وَأَنَا عَلَىٰ ذَلِكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ ﴿٥٦﴾ وَتَاللَّهِ لَآ كَيْدَنَّ أَصْنَامُكُمْ بَعْدَ أَنْ قُولُوا مُذْبِرِينَ ﴿٥٧﴾

اور ہم نے (آپ کے قبل) موسیٰ اور ہارون کو ایک فیصلہ کی اور روشنی کی اور متقیوں کے لئے نصیحت کی چیز) یعنی توریت) عطا فرمائی تھی جو (متقی) اپنے رب سے بن دیکھے ڈرتے ہیں اور وہ لوگ قیامت سے (بھی) ڈرتے ہیں اور یہ (قرآن بھی) ایک کثیر الفائدہ نصیحت (کی کتاب ہے جس کو ہم نے نازل کیا تو کیا پھر بھی تم اس سے منکر ہو اور ہم نے اس (زمانہ موسوی) سے پہلے ابراہیم علیہ السلام کو ان کی (شان کے مناسب) خوش فہمی عطا فرمائی تھی اور ہم ان کو خوب جانتے تھے ان کا وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے) جبکہ انہوں نے اپنے باپ سے اور اپنی برادری سے فرمایا کہ یہ کیا (واہیات مورتیں ہیں) جن (کی عبادت) پر تم جھے بیٹھے ہو وہ لوگ (جواب میں) کہنے لگے کہ ہم نے اپنے بڑوں کو ان کی عبادت کرتے ہوئے دیکھا ہے ابراہیم نے کہا کہ بیشک تم اور تمہارے باپ دادے (ان کو) لائق عبادت سمجھنے میں صریح غلطی میں ہو وہ کہنے لگے کہ کیا تم (اپنے نزدیک) سچی بات (سمجھ کر) ہمارے سامنے پیش کر رہے ہو یا دل لگی کر رہے ہو ابراہیم نے فرمایا کہ نہیں (دل لگی نہیں) بلکہ تمہارا رب (حقیقی جو لائق عبادت ہے) وہ ہے جو تمام آسمانوں اور زمین کا رب ہے جس نے ان سب کو پیدا (بھی) کیا اور میں اس دعویٰ پر دلیل بھی رکھتا ہوں اور خدا کی قسم تمہارے ان بتوں کی گت بناؤں گا جب تم (ان کے پاس سے) چلے جاؤ گے تو ان کے چلے جانے کے بعد

## فرقان کا مصداق

تفسیر ﴿٤٨﴾ ”وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ وَهَارُونَ الْفُرْقَانَ“ وہ کتاب جو حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والی ہے اور وہ توریت ہے۔ 1 ابن زید کا قول ہے کہ فرقان سے مراد دشمنوں پر مدد کرنا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ”وَمَا أَنْزَلْنَا



علیٰ عبدنا یوم الفرقان“ ② اس سے مراد بدر کا دن ہے اس لیے فرمایا ”وضیاء“ اس میں واؤ داخل کیا ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو نصرت اور روشنی دی اور وہ توریت ہے اور جن حضرات نے کہا کہ فرقان سے مراد توریت ہے وہ کہتے ہیں کہ ”ضیاء“ میں واؤ زائد ہے۔ اس صورت میں معنی ہوگا کہ ہم نے توریت روشن عطا کی اور بعض نے کہا کہ یہ توریت کی دوسری صفت ہے۔ ”و ذکرًا“ اور یہ یاد دلاتی ہے ”للمتقین“

④۹ ”الذین یخشون ربهم بالغیب“ جو بن دیکھے اس سے ڈرتے ہیں۔ ”وهم من الساعة مشفقون“ وہ خوف زدہ ہیں ڈرنے والے ہیں۔

⑤۰ ”وهذا ذکر مبارک“ اس سے مراد قرآن ہے جو اس کو یاد کرے گا اس کے لیے نصیحت ہے اور باعث برکت ہے اس شخص کے لیے جو اس سے برکت حاصل کرے اور اس سے خیر کا طلب گار ہو۔ ”انزلناه افانتم“ اے اہل مکہ ”لہ منکرون“ وہ انکار کرنے والے ہیں۔ استفہام تو بیخ کے طور پر ہے۔

⑤۱ ”ولقد اتینا ابراہیم رشده“ قرطبی نے اس کا معنی اصلاح سے کیا ہے۔ ”من قبل“ موسیٰ و ہارون علیہما السلام سے پہلے۔ بعض اہل تفسیر نے من قبل کی تشریح کی ہے۔ بالغ ہونے سے پہلے جب کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بچہ ہی تھے اور غار سے باہر آئے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نے بچپن ہی میں ابراہیم علیہ السلام کو نبوت عطا کر دی تھی۔ اسی طرح حضرت یحییٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا ”وآتیناه الحکم صبیًا“..... ”و کنا بہ عالمین“ ہم جانتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہدایت اور نبوت کے اہل ہیں۔

⑤۲ ”اذ قال لابیہ وقومہ ما هذه التماثل“ اس سے مراد صورتیں ہیں، صورتیاں ہیں۔ ”النتی انتم لها عاکفون“ جن کی عبادت کرنے پر وہ قائم ہیں۔

⑤۳ ”قالوا وجدنا آباءنا لها عابدين“ پس تم نے ان کی اقتداء کی۔

⑤۴ ”قال“ ابراہیم علیہ السلام نے کہا ”لقد کنتم انتم و آباءکم فی ضلال مبین“ یعنی تم سب کھلی ہوئی غلطی پر ہو۔

⑤۵ ”قالوا اجنتنا بالحق ام انت من اللاعین“ تمہاری بات منی برحق تو نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم دل لگی کر رہے ہو۔

⑤۶ ”قال بل ربکم رب السموات والارض اللدی فطرهن“ ان کو پیدا کیا۔ ”وانا علی ذلکم من الشاہدین“ یہ وہی اللہ ہے جو مستحق عبادت ہے اور بعض نے کہا کہ میں بھی شہادت دینے والوں میں سے ہوں کہ وہ زمین و آسمان کو پیدا کرنے والا ہے۔

⑤۷ ”ونالہ لاکیدن اصنامکم“ ان کو توڑنے کی کوئی تدبیر کروں گا۔ ”بعد ان تولو مدبرین“ یعنی جب ان کو پیچھے چھوڑ کر میلے میں چلے جاؤ گے تو میں ان کو نقصان پہنچانے اور توڑنے کی کوئی تدبیر کروں گا۔

مجاہد اور قتادہ کا بیان ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ بات چپکے سے کہی تھی سوائے ایک شخص کے اور کوئی نہیں سن سکا

تھا، اسی نے یہ بات پھیلا دی کہ اس نے کہا تھا کہ ایک نوجوان جس کا نام ابراہیم ہے، بتوں کا ذکر کر رہا تھا، ہم نے خود سنا تھا۔ سدی نے کہا تو منرود کا سالانہ تہوار ایک میلہ ہوتا تھا جب وہ میلہ سے واپس آتے تھے تو سیدھے بتوں کے پاس آتے تھے، ان کو سجدے کرتے تھے، پھر گھروں کو جاتے تھے۔ حسب معمول جب میلہ کا وقت آیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ان کے باپ نے کہا تم بھی اگر ہمارے ساتھ میلے کو چلو تو بہتر ہے ہمارا دین (رواج، مذہبی دستور) تم کو پسند آئے گا۔ باپ کے کہنے سے حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے ساتھ ہو لیے، کچھ ہی راستہ طے کیا تھا کہ آپ نے خود اپنے کوزمین پر گر لیا اور کہنے لگے میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ آپ کا مطلب یہ تھا کہ میرے پاؤں میں چوٹ آگئی ہے جب سب لوگ چلے گئے اور صرف کمزور لوگ پیچھے رہ گئے تو حضرت نے پکار کر وہ الفاظ کہے جن کا ذکر آیت میں کیا گیا ہے لوگوں نے آپ کے الفاظ سن لیے۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام لوٹ آئے اور بت خانہ کی طرف پہنچے تمام بت ایک بڑے کمرے میں قطار بند رکھے ہوئے تھے، بت خانہ کے دروازے کے سامنے سب سے بڑا بت تھا، اس کے برابر اس سے چھوٹا، پھر اس کے برابر اس سے بھی چھوٹا، اسی طرح سب کی قطار تھی اور سب کے سامنے تیار کھانا بھی رکھا ہوا تھا، کھانا اس لیے سب کے سامنے چنا گیا تھا کہ بتوں کی وجہ سے کھانے میں برکت آجائے اور میلہ سے واپس آ کر سب لوگ اس کو کھائیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بطور استہزاء بتوں سے فرمایا تم کھاتے کیوں نہیں جب کوئی جواب نہیں ملا تو فرمایا تمہیں کیا ہو گیا، تم بولتے کیوں نہیں اس کے بعد بتوں کی طرف مڑے اور دائیں ہاتھ سے اس قسم کی وجہ سے جو بتوں کو توڑنے کے سلسلے میں آپ نے کھائی تھی اور فرمایا تھا "تَاللّٰهِ لَا يَكْفُرُ اَصْنَامُكُمْ" بتوں پر ضرب لگائی۔ آیت میں آیا ہے: "فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِينِ" اور یمن دائیں ہاتھ کو بھی کہتے ہیں اور قسم کو بھی۔

فَجَعَلَهُمْ جُودًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ﴿٥٨﴾ قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِالِهَيْتٰ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٥٩﴾ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتٰى يَذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗ اِبْرٰهِيْمُ ﴿٦٠﴾ قَالُوْا فَاْتَوْا بِهٖ عَلٰى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ﴿٦١﴾ قَالُوْا اَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِالِهَيْتٰ يَا اِبْرٰهِيْمُ ﴿٦٢﴾ قَالَ بَلْ فَعَلَهُ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا اَفْسَلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ﴿٦٣﴾

انہوں نے ان بتوں کو (تمرد وغیرہ سے) ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ بجز ان کے ایک بڑے بت کے کہ شاید وہ لوگ ابراہیم کی طرف (دریافت کرنے کے لئے) رجوع کریں کہنے لگے کہ یہ ہمارے بتوں کے ساتھ کس نے کیا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ اس نے بڑا ہی غضب کیا بعضوں نے کہا کہ ہم نے ایک نوجوان آدمی کو جس کو ابراہیم کر کے پکارا جاتا ہے ان بتوں کا (برائی سے) تذکرہ کرتے سنا ہے (پھر) وہ لوگ بولے کہ (جب یہ بات ہے) تو اچھا اس کو سب آدمیوں کے سامنے حاضر کرو تا کہ وہ لوگ (اس اقرار کے) گواہ ہو جاویں (غرض وہ سب کے روبرو آئے) ان لوگوں نے کہا کہ کیا ہمارے بتوں کے ساتھ تم نے یہ حرکت کی ہے اے ابراہیم انہوں نے (جواب میں)

فرمایا کہ نہیں ان کے اس بڑے (گرد) نے کی سوان (بی) سے پوچھ لو (نا) اگر یہ بولتے ہوں۔

**تفسیر** 58 "فجعلهم جدا اذا" کسائی نے جم کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ جدا جمع کا صیغہ ہے یہ جذ سے ماخوذ ہے۔ جدا کا معنی ہے کاٹنا یہ مثل خفیف و تخاف کے ہے اور دوسرے قراء نے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ مثل طام و رفات کے ہوگا۔ "الا کبیرا لهم" اس بڑے کو نہیں توڑا اور کھاڑا اس کے کندھے پر رکھ دیا۔ بعض نے کہا کہ کھاڑا اس کے ہاتھ کے ساتھ باندھ دیا، وہاں ۷۲ بت تھے ان میں سے بعض سونے کے تھے اور بعض چاندی کے تھے۔ بعض ان میں سے لوہے کے تھے اور بعض پتیل کے تھے اور بعض لکڑی کے تھے اور بعض پتھر کے اور ان بتوں میں سے بڑا بت سونے کا تھا، ان کی آنکھوں میں جواہرات تھے یا قوت کے۔

"لَعَلَّهُمْ إِلَيْهِ يَرْجِعُونَ" کہ شاید وہ لوگ ابراہیم علیہ السلام کی طرف (دریافت کرنے کے لیے) لوٹیں۔

## اليه يرجعون کی ضمیر کا مرجع

① اليه کی ضمیر ابراہیم علیہ السلام کی طرف راجع ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام بتوں سے دشمنی رکھنے اور بت پرستی کی مخالفت کرنے میں مشہور تھے اس لیے حضرت نے بتوں کو توڑ دیا اور بڑے بت کو چھوڑ دیا۔ یہ خیال کر کے جب یہ لوگ واپس آئیں گے تو میرے پاس آئیں گے اس وقت میں ان کو جتلا دوں گا کہ تمہارے معبود ایک آدمی کا بھی مقابلہ نہیں کر سکتے۔

② "إِلَيْهِ" کی ضمیر بڑے بت کی طرف راجع ہے مطلب یہ ہے کہ بت پرست لوگ جب میلہ سے واپس بڑے بت کے پاس آئیں گے تو اس سے دریافت کریں کہ چھوٹے بتوں کی یہ حالت کس نے کی۔ معبود کو علم ہونا اور جواب دینا چاہیے، وہ معبود ہی کیا جو نہ کچھ جانے نہ جواب دے، آخر جواب نہ پا کر خود ہی ذلیل ہوں گے۔

③ اليه کی ضمیر اللہ کی طرف راجع ہے مطلب یہ کہ جب بتوں کی بے بسی ان پر ظاہر ہوگی تو شاید وہ اللہ کی طرف لوٹ آئیں۔

59 "قالوا من فعل هذا بالهتنا انه لمن الظالمين" جس نے بتوں کی یہ حالت کی وہ بڑا مجرم ہے۔

60 "قالوا" وہ لوگ کہنے لگے جن لوگوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے یہ بات سنی تھی "ونالله لا كيدن اصنامكم".....

"سمعنا فتى يدكرهم" ہم ایسے جوان کو جانتے ہیں جو ہمارے معبودوں پر عیب اور برائی کر رہا تھا۔ "يقال له ابراهيم" ان لوگوں کا گمان تھا کہ اسی نے ہی ایسا کیا ہے۔ پھر نمرود اور اس کے بڑے بڑے اشراف اور اس کی قوم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچی۔

61 "قالوا فاتوا به على اعين الناس" نمرود نے کہا کہ اس کو لوگوں کے سامنے لاؤ تاکہ وہ اس کے قول و فعل کی

شہادت دیں۔ "لعلهم يشهدون" کہ یہ کام اس ہی نے کیا، اس پر یہ گواہی دیں کیونکہ ان کے مذہب میں بغیر گواہوں کے کسی کو پکڑا نہیں جاتا۔ یہی حسن، قنارہ اور سدی کا بیان ہے۔ محمد بن اسحاق نے اس کا ترجمہ یوں کیا کہ "يشهدون" کا مطلب یہ ہے کہ لوگ آئیں اور دیکھیں کہ ہم ان کو کیسی سخت سزا دیتے ہیں۔ غرض لوگ جب ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے تو کہنے لگے:

کہ کیا تو نے ہمارے معبودوں کا یہ حشر برپا کیا ہے۔

62 "قالوا" کہنے لگے ان کو "ءَ أَنْتَ فَعَلْتَ هَذَا بِالْهَتْنَا يَا اِبْرَاهِيمَ"

63 "قال" ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ "بل فعلہ کبیرہم ہذا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بڑے بت پر غصہ تھا اور آپ کو اس سے نفرت بھی زیادہ تھی کیوں کہ لوگ اس کی تعظیم زیادہ کرتے تھے اور ابراہیم علیہ السلام کا ارادہ ان پر حجت قائم کرنا تھا۔ اسی وجہ سے انہوں نے پوچھا "فاستلوهم ان كانوا ينطقون" کہ ان سے پوچھو کہ یہ فعل کس کا ہے؟

## حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بتوں کو توڑنے کا واقعہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بڑے بت پر بڑا غصہ تھا اور اس سے آپ کو نفرت زیادہ تھی کیونکہ وہ لوگ اس کی تعظیم زیادہ کرتے تھے اسی لیے بت شکنی کی نسبت آپ نے بڑے بت کی طرف مجازاً کر دی۔ یا یوں کہا جائے کہ آپ نے بت شکنی پر تعریض اقرارنا کی استہزاء کے طرز میں خود بت توڑنے کا اقرار کر لیا۔ گویا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یوں جواب دیا میں نے نہیں کی بلکہ اس بڑے بت نے کی۔ یا یوں کہا جائے کہ بت پرستوں کا یہ اعتقاد تھا کہ بڑے بت کی موجودگی میں چھوٹے بتوں کی پوجا سے بڑا بت ناراض ہوتا ہے، آپ نے ان کے عقیدہ کی نقل کر دی۔ قصی نے کہا کہ معنوی حیثیت سے "كَبِيرُهُمْ هَذَا" کا تعلق "فَسْتَلَوْهُمْ اِنْ كَانُوا يَنْطِقُونَ" سے ہے مطلب یہ ہے کہ اگر یہ بول سکتے ہیں تو ایسا بھی کر سکتے ہیں اور بول نہیں سکتے تو ایسا کر بھی نہیں سکتے۔ گویا اس ضمن میں آپ نے بت شکنی کا اقرار کر لیا (اور بتوں کا مجر ظاہر کر دیا) قصی کی یہ توجیہ غلط ہے کیونکہ کسانے نے کہا ہے جب ابراہیم نے اعراض کیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں نے ایسا نہیں کیا۔ اس کے بعد اگر ضمنی اقرار مانا جائے گا تو ایسا ہوگا جیسے کوئی کہے میں نے یہ کام نہیں کیا بلکہ میں نے کیا اور ظاہر ہے کہ یہ منغی مثبت کا اجتماع غلط ہے، پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کردہ حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ "فَعَلْتَهُ" پر وقف نہیں ہے بلکہ "فَعَلْتَهُ" کا تعلق "كَبِيرُهُمْ" سے ہے۔

## حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تین جگہ ذومعنی کلام کیا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابراہیم علیہ السلام نے تین بار کے علاوہ (صورۃ بھی) جھوٹ نہیں بولا، دو بار ذات خداوندی کے متعلق 1 "اِنِّیْ سَقِیْمٌ" کہا تھا۔ 2 اور "بَلْ فَعَلْتَهُ كَبِیْرُهُمْ" کہا تھا اور (تیسری بار کا واقعہ یہ ہوا کہ) کسی روز ابراہیم علیہ السلام اور سارہ کا گزر کسی ظالم بادشاہ کی طرف سے ہوا۔ بادشاہ سے کہا گیا کہ یہاں ایک شخص (نو وارد) ہے جس کے ساتھ بہت ہی حسین عورت ہے۔ بادشاہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بلوایا اور دریافت کیا کہ یہ کون عورت ہے؟ ابراہیم علیہ السلام نے کہا میری بہن ہے۔ پھر (واپس آ کر) سارہ سے کہا اگر اس ظالم کو معلوم ہو جاتا کہ تم میری بیوی ہو تو وہ تم کو مجھ سے چھین لیتا، اب اگر تم سے وہ دریافت کرے تو تم یہی کہنا کہ میں ابراہیم علیہ السلام کی بہن ہوں۔

واقعہ یہ ہے کہ تم میری اسلامی بہن ہو۔ روئے زمین پر میرے اور تمہارے سوا اور کوئی مؤمن نہیں ہے۔ چنانچہ بادشاہ نے سارہ کو بلوایا اور ابراہیم علیہ السلام نماز پڑھنے کھڑے ہو گئے۔ سارہ کو اس ظالم کے پاس پہنچایا تو اس نے سارہ پر دست درازی کرنی چاہی لیکن فوراً پکڑ لیا گیا (یعنی غیبی پکڑ ہو گئی) یہاں تک کہ پاؤں زمین پر پکڑنے لگا اور سارہ سے درخواست کی میرے لیے اللہ سے دُعا کر دے، میں تجھے (اچھا ہو کر) کوئی دُکھ نہیں دوں گا۔ سارہ نے اللہ سے دُعا کی، اللہ نے بندش کھول دی، دوبارہ پھر اس نے ہاتھ بڑھایا اور پہلے کی طرح یا اس سے بھی زیادہ سختی کے ساتھ پکڑا گیا۔ اس نے پھر دُعا کی درخواست کی اور ضرر نہ پہنچانے کا وعدہ کیا، سارہ نے پھر دُعا کی اور اللہ نے رہائی دے دی۔ رہائی کے بعد بادشاہ نے کسی دربان کو بلایا اور کہا تو میرے پاس انسان کو نہیں بلکہ جن کو لے کر آیا ہے اس کے بعد اس نے ہاجرہ کو خادمہ کے طور پر سارہ کو دے کر رخصت کر دیا۔ سارہ ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچیں تو آپ کھڑے نماز پڑھے رہے تھے، آپ نے ہاتھ کے اشارے سے پوچھا کیا خبر ہے؟ سارہ نے کہا اللہ نے کافر کے فریب کو اسی کے سینہ پر پلٹ دیا اور اس نے خدمت کے لیے ہاجرہ (مجھے) دی ہے؟

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد کہا اے ماء السماء کی اولاد (آسانی پانی مراد خالص نسب کا دعویٰ کرنے والا) یہ (ہاجرہ) ہی تمہاری ماں ہے۔ متفق علیہ۔ جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے آواز دی۔ انہوں نے اپنے بھائیوں سے حالاً تک وہ جو نہیں ہیں۔

فَرَجَعُوا إِلَىٰ أَنفُسِهِمْ فَقَالُوا إِنَّكُمْ أَنْتُمُ الظَّالِمُونَ ﴿٦٤﴾ لَمْ نَكْسُؤْا عَلَىٰ رُءُوسِهِمْ. لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَاهُوَ لَاءِ يَنْطِقُونَ ﴿٦٥﴾ قَالَ أَتَعْبَلُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَلَا يَضُرُّكُمْ ﴿٦٦﴾ أَفَلَا تَعْبَلُونَ ﴿٦٧﴾ قَالُوا احْرَقُوهُ وَانصُرُوا آلِهَتَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ فَاعِلِينَ ﴿٦٨﴾

﴿٦٤﴾ اس پر وہ لوگ اپنے جی میں سوچے پھر (آپس میں) کہنے لگے کہ حقیقت میں تم ہی تاق پر ہو (کہ جو ایسا عاجز ہوگا وہ کیا معبود ہوگا) پھر (شرمندگی کے مارے) اپنے سروں کو جھکا لیا (اور یہ بولے کہ) اے ابراہیم تم کو تو معلوم ہی ہے کہ یہ بت (کچھ) بولتے نہیں ابراہیم نے فرمایا کہ تو کیا خدا کو چھوڑ کر تم ایسی چیز کی عبادت کرتے ہو جو تم کو نہ کچھ نفع پہنچا سکے اور نہ کچھ نقصان پہنچا سکے نف ہے تم پر (کہ باوجود وضوح حق کے باطل پر مصر ہو) اور ان پر جن کو تم خدا کے سوا پوجتے ہو کیا تم (اتنا بھی) نہیں سمجھتے (آپس میں) وہ لوگ کہنے لگے کہ ان کو آگ میں جلاؤ اور اپنے معبودوں کا (ان سے) بدلہ لو اگر تم کو کچھ کرتا ہے۔

تفسیر ﴿٦٤﴾ "فرجعوا الی انفسہم" اس وقت انہوں نے اپنی عقلوں کی طرف رجوع کیا اور غور و فکر کیا کہ ابراہیم علیہ السلام کی بات حق ہے اور ہم غلطی پر ہیں۔ "فقالوا" ہم نہیں دیکھتے جیسا کہ انہوں نے کہا۔ "انکم الظالمون" ان کی عبادت کے ساتھ جو نہ بات کرتے ہیں اور بعض نے کہا کہ تم ظالم ہو اور یہ شخص حاضر ہے اور یہ تمہارے معبود بھی حاضر ہیں لہذا تم ان سے سوال کرو۔

65 "تم نکسوا علی رؤسہم" بعض اہل تفسیر کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی زبانوں پر حق جاری کر دیا۔ پہلی بات میں پھر ان پر بدبختی غالب آگئی۔ یہی اس کا معنی ہے "تم نکسوا علی رؤسہم" پہلے انہوں نے اپنے نفسوں کے ساتھ جو ظلم کیا اس کا اقرار کرنے کے بعد دوبارہ کفر کی طرف لوٹ گئے جیسے کہا جاتا ہے "نکس المریض" جب وہ اپنی پہلی حالت کی طرف لوٹے اور وہ کہنے لگے۔ "لقد علمت ما هولاء ینطقون" پھر ہم کیسے ان سے سوال کریں۔ جب یہ بولتے ہی نہیں۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حجت مکمل ہو گئی تو ان سے کہا۔

66 "قال" ان کافروں کو کہا۔ "افتعبدون من دون اللہ ما لا ینفعکم شیئاً" اگر تم ان کی عبادت کرو گے۔ "ولا یضرکم" اگر تم ان کی عبادت کو چھوڑ دو گے تو وہ تمہیں کچھ ضرر نہیں پہنچائیں گے۔

67 "اف لکم" یعنی ہلاکت ہو اور تمہارے لیے گندگی ہو۔ "ولما تعبدون من دون اللہ افلا تعقلون" کیا تمہارے پاس کوئی عقل و شعور ہے کہ جس کے ذریعے سے تم اس کو پہچان لیتے۔ اب کیسے تمہارے اوپر حجت تام ہو گئی اور جواب دینے سے عاجز آ گئے۔

## ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالے جانے کا قصہ

68 "فالوا حرّ قوۃ وانصروا آلہتکم ان کنتم فاعلین" اور کہنے لگے اس کو آگ میں جلا دو اگر تم اپنے معبودوں کی مدد کرتے ہو۔ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا کہ یہ اس شخص نے کہا جو کراہت کا تھا بعض نے کہا کہ اس کا نام حیزن تھا۔ بعض نے کہا اس کا نام ہنون ہے، اللہ نے اس کو زمین میں دھنسا دیا اور وہ قیامت تک دھنستا چلا جائے گا بعض نے کہا یہ بات نمرود نے کہی تھی۔ جب نمرود اور اس کی قوم کا متفقہ فیصلہ ہو گیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں جھونک دیا جائے تو آپ کو گرفتار کر کے ایک کوٹھڑی میں بند کر دیا گیا اور باڑہ کی طرح کا ایک احاطہ بنایا یا قریہ کوٹی میں ایک بہت بڑا گڑھا کھودا گیا اور ٹھوس قسم کی لکڑیاں آپ کو جلانے کے لیے وہاں اکٹھی کیں اور عوام جوش اس حد تک بڑھ گیا کہ بیمار منت ماننا تھا کہ اگر میں اچھا ہو گیا تو ابراہیم علیہ السلام کو جلانے کے لیے لکڑیاں دوں گا۔ عورتیں اگر مراد مانگتی تھیں تو کہتی تھیں اگر ہماری مراد پوری ہو گئی تو ہم ابراہیم علیہ السلام کو جلانے والی آگ میں لکڑیاں ڈالیں گے، لوگ وصیت کرتے تھے کہ ہمارے بعد لکڑیاں خرید کر ڈھیر میں شامل کر دینا، عورتیں چرخہ کات کر اس کی مزدوری سے لکڑیاں خرید کر باؤمید ثواب ڈھیر میں شامل کرتی تھیں۔

ابن اسحاق کا بیان ہے اس طرح ایک ماہ تک لوگ لکڑیاں جمع کرتے رہے۔ جب حسب منشاء لکڑیاں جمع کر چکے تو ڈھیر میں ہر طرف سے آگ لگادی، آگ بھڑک اٹھی، جب خوب تیز ہو گئی اور اس حد تک پہنچ گئی کہ پرندہ بھی آگ کے اوپر سے نہ اڑ سکتا تھا اس خوف سے کہ کہیں وہ جل نہ جائے تو انہوں نے مزید سات روز تک بھڑکنے دیا اور ابراہیم علیہ السلام کو اس میں ڈالنا چاہا لیکن سمجھ میں نہ آتا تھا کہ آگ میں کیسے پھینکیں، اہلیس نے آ کر منجیت (گوپھن یا چرخی) قائم کرنے کی تدبیر بتائی، لوگوں نے چرخی بنائی اور سب سے اونچی عمارت کی چوٹی پر اس کو قائم کیا اور ابراہیم علیہ السلام کو باندھ کر اس میں بٹھایا، یہ دیکھ کر آسمان وزمین



ملائکہ اور سوائے جن وانس کے ساری مخلوق چیخ پڑی اور عرض کیا، اے ہمارے رب! ابراہیم علیہ السلام تیرا ظلیل ہے اور آگ میں اس کو ڈالا جا رہا ہے اس کے سواروئے زمین پر اور کوئی تیری عبادت کرنے والا نہیں ہے، ہم کو اجازت مل جائے تو ہم اس کی مدد کریں، اللہ نے فرمایا، ابراہیم میرا ظلیل ہے اس کے سوا اور کوئی میرا ظلیل نہیں اور میں ہی اس کا معبود ہوں، میرے سوا اس کا اور کوئی معبود نہیں، اگر وہ تم میں سے کسی کی مدد کا خواستگار ہو یا دعا کرے تو جس سے وہ مدد طلب کرے وہ اس کی مدد کر سکتا ہے میری طرف سے اس کو اجازت ہے اور اگر میرے سوا وہ کسی سے مدد کا طلبگار نہ ہو تو میں اس کی حالت کو خوب جانتا ہوں۔ میں ہی اس کا کارساز ہوں، میرے اور اس کے درمیان تم حائل نہ ہو جو نبی لوگوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینکا چاہا تو وہ فرشتہ جو پانی کا خازن (کارندہ) تھا آیا اور اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا اگر آپ چاہیں تو میں آگ کو بجھا دوں اور ہوا کا موکل بھی آیا، اس نے کہا اگر آپ کا نشاء ہو تو میں آگ کو ہوا میں اڑا دوں، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا مجھے تمہاری مدد کی ضرورت نہیں، میرے لیے اللہ کافی ہے وہی میرا کارساز ہے۔

حضرت ابی بن کعب کی روایت میں آیا ہے کہ جب لوگوں نے ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کے لیے مضبوطی کے ساتھ باندھ دیا تو آپ علیہ السلام نے کہا "لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ لَكَ الْحَمْدُ وَلَكَ الْمُلْكُ لَا شَرِيكَ لَكَ" اس کے بعد مفتوح میں رکھ کر آپ کو آگ کی طرف پھینک دیا گیا۔ اسی دوران میں جبرئیل علیہ السلام نے سامنے آ کر کہا، ابراہیم اگر تمہیں مدد کی ضرورت ہو تو میں موجود ہوں، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا مجھے آپ کی مدد کی ضرورت نہیں۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا تو پھر اپنے رب سے درخواست کیجئے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا مجھے سوال کی کیا ضرورت ہے، میری حالت کا اس کو علم ہے میرے لیے یہی کافی ہے۔

کعب احبار کا بیان ہے ہر چیز نے ابراہیم علیہ السلام کی آگ بجھانے میں حصہ لیا سوائے گرگٹ کے یہ آگ کو پھونکیں مار رہا تھا (تا کہ مزید اشتعال پیدا ہو)۔ سعید بن مسیب نے حضرت ام شریک کی روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گرگٹ کو تپل کر دینے کا حکم دیا اور فرمایا، یہ ابراہیم علیہ السلام پر (بھڑکتی آگ) میں پھونکیں مار رہا تھا (اور آگ کو بھڑکار رہا تھا)۔

قُلْنَا يَا كُنُوزِي بَرِّدَا وَسَلِّمَا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ۖ وَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَخْسَرِينَ ۗ 76

وَنَجَّيْنَاهُ وَلَوْطًا إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَرَكْنَا فِيهَا لِلْعَالَمِينَ ۗ 77

تفسیر (جب انہوں نے متفق ہو کر آگ میں ڈال دیا تو اس وقت) ہم نے (آگ کو) حکم دیا کہ اے آگ تو شہنشاہی اور بے گزند ہو جا ابراہیم کے حق میں اور ان لوگوں نے ان کے ساتھ برائی کرنی چاہی تھی سو ہم نے ان ہی لوگوں کو ناکام کر دیا اور ہم نے ابراہیم کو اور (ان کے برادر زادے) لوط کو ایسے ملک (یعنی شام) کی طرف بھیج کر بچا لیا جس میں ہم نے دنیا جہان والوں کے واسطے (خیر و برکت رکھی ہے۔

## حضرت ابراہیم علیہ السلام کیلئے آگ کا ٹھنڈا ہو جانا

**تفسیر** 69 "قُلْنَا يَا نُوحُيْنِي بُرْدًا وَسَلَّمًا عَلٰی اِبْرٰهِيْمَ" (ہم نے حکم دیا ہے آگ تو ٹھنڈی اور سلامتی بخش ہو جا ابراہیم کے لیے) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اگر اللہ سلیمانہ فرماتا تو آگ کی (انہجائی) سردی کی وجہ سے ابراہیم علیہ السلام مر جاتے۔ بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ سلاماً (کوئی) کی خبر نہیں ہے بلکہ فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے یعنی ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو کامل طور پر سالم رکھا۔ بغوی نے لکھا ہے بعض آثار میں آیا ہے کہ اس روز تمام روئے زمین کی آگ بجھ گئی تھی، دُنیا بھر میں کوئی اس روز آگ سے فائدہ نہ اٹھا سکا۔ اگر اللہ "علی ابراہیم" نہ فرماتا تو ہمیشہ کے لیے آگ ٹھنڈی ہو جاتی۔ میں کہتا ہوں بظاہر آگ کی خاصیت سلب نہیں ہوئی تھی جلانے کی خاصیت حسب معمول موجود تھی لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے وہ ضرور ساں نہیں رہی تھی۔ "علی ابراہیم" کا لفظ اسی پر دلالت کر رہا ہے۔

سردی نے کہا ملائکہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بازو پکڑ کر زمین پر بٹھا دیا۔ آپ نے وہاں اچانک شیریں پانی کا چشمہ اور خوبصورت سرخ گلاب کے پھول (اپنی نظر کے سامنے) دیکھے۔ کعب کا بیان ہے آگ سے حضرت کے جسم کا کوئی حصہ متاثر نہیں ہوا۔ صرف بندھن کی رسی جل گئی۔ اہل روایت نے کہا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام وہاں سات روز رہے۔ منہال بن عمرو کا بیان ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا جس آرام اور راحت کے ساتھ میں چند روز آگ میں رہا اتنے آرام سے کبھی نہیں رہا۔ ابن یسار نے کہا اللہ نے سایہ کے موکل کو ابراہیم علیہ السلام کی صورت عطا فرما کر بھیجا جو آ کر ابراہیم علیہ السلام کے پہلو میں آپ کی وحشت دور کرنے کے لیے بیٹھ گیا اور بحکم خدا حضرت جبرئیل علیہ السلام جنت کی ایک قیص اور مسند لے کر آئے، قیص حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پہنایا اور مسند پر بٹھایا اور خود بھی آپ کے ساتھ مسند پر باتیں کرنے کے لیے بیٹھ گئے اور اللہ کی طرف سے پیام پہنچایا اور کہا آپ کا رب فرماتا ہے کیا تم کو معلوم نہیں کہ میرے دوستوں کو آگ ضرور نہیں پہنچایا کرتی ہے۔

کچھ مدت کے بعد نمرود نے ایک اونچی عمارت کے اوپر سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جھانک کر دیکھا اور آپ کو باغ میں بیٹھا پایا اور ایک فرشتہ کو (بصورت انسان) آپ کے پہلو میں بیٹھا ہوا دیکھا اور آپ کے چاروں طرف آگ ہی آگ تھی جو لکڑیوں کو جلا رہی تھی۔ یہ منظر دیکھ کر پکار کر کہا ابراہیم! (علیہ السلام) تیرا معبود بہت بڑا ہے جس کی قدرت اس حد تک ہے کہ وہ تیرے اور اس (آگ) کے درمیان حائل ہو جو میں دیکھ رہا ہوں۔ ابراہیم علیہ السلام تو اس سے نکل بھی سکتا ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا ہاں۔ نمرود نے کہا تجھے اس بات کا ڈر ہے کہ اگر وہاں رہے گا تو آگ تجھے دکھ پہنچائے گی؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا نہیں۔ نمرود نے کہا تو پھر اٹھ کر وہاں سے نکل آ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اٹھ کھڑے ہوئے اور آگ میں قدموں سے چل کر باہر آ گئے۔ نمرود نے کہا ابراہیم! (علیہ السلام) وہ کون آدی تھا جو تمہارے پہلو میں نے بیٹھا دیکھا تھا؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا، وہ سایہ کا موکل تھا، میرے رب نے آگ کے اندر میری وحشت دور کرنے کے لیے اس کو

میرے پاس بھیج دیا تھا۔ نمرود نے کہا میں تیرے معبود کے لیے کچھ قربانی پیش کرنا چاہتا ہوں کیونکہ میں نے اس کی قدرت اور طاقت کا ظہور تیرے معاملے میں دیکھ لیا ہے کہ جب تو نے اس کے سوا دوسروں کی عبادت سے انکار کر دیا اور اس کی توحید پر قائم رہا تو اس نے تیرے ساتھ کیسا سلوک کیا، میں اس کے نام پر چار ہزار گائیں قربان کروں گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا جب تک تو اپنا مذہب چھوڑ کر میرے مذہب کو نہ اختیار کر لے گا میرا رب تیری قربانی قبول نہیں کرے گا۔ نمرود نے کہا میں اپنی سلطنت تو نہیں چھوڑ سکتا (مذہب تبدیل کروں گا تو سلطنت چھوڑنا پڑے گی) ہاں قربانی ضرور پیش کروں گا۔ چنانچہ نمرود نے چار ہزار گائیں کی قربانی کر دی اور پھر ابراہیم علیہ السلام سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کو محفوظ کر دیا۔ شعیب جبائی کا بیان ہے کہ جس وقت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا اس وقت آپ سولہ سال کے تھے۔

⑦ "وَادِدُوْهُ بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمْ الْاٰخِسْرِيْنَ" بعض نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ان کی کوشش خسارے میں پڑ گئی اور جو کچھ انہوں نے خرچ کیا اس کا کچھ حاصل نہ ہوا اور بعض نے کہا کہ اللہ نے چھروں کی فوج بھیج دی جو اس پر اور اس کے گھروالوں پر عذاب بن گئی جس نے ان کے گوشت کھالیے اور ان کا خون چوس لیا اور ان چھروں میں سے ایک چھھر اس کے دماغ میں گھس گیا جو اس کی ہلاکت کا سبب بنا۔

⑧ "وَنَجِّنَاہُ وَاَلُوْطًا" حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نمرود سے اور ان کی قوم کو عراق کی سرزمین سے نجات دی۔ "الارض النبی بارکنا فیہا للعالمین" اس سے شام مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں برکت عطا فرمائی۔ سرمیزی، کثرت اشجار اور کثرت پھل اور نہروں کے ساتھ اور ان برکتوں میں سے کہ ان کی نسل سے بہت سے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا۔ حضرت ابی بن کعب نے ارض مبارکہ کہنے کی یہ وجہ بیان کی کہ وہاں شیریں پانی کی کثرت ہے اور صحرہ بیت المقدس کے نیچے سے ایک چشمہ جاری ہے۔

## ارض شام کی فضیلت

بروایت قنادہ بیان کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا تم مدینہ میں منتقل کیوں نہیں ہو جاتے وہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام ہجرت ہے اور روضہ مبارک بھی وہیں ہے۔ کعب نے کہا امیر المؤمنین! میں نے اللہ کی کتاب (توریت) میں پڑھا ہے کہ ارض شام تمام زمین میں اللہ کا خزانہ ہے اور وہیں اللہ کے (خاص) بندوں کا خزانہ ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ آئندہ ہجرت ہوگی (لوگ وطن چھوڑ چھوڑ کر بھاگیں گے) پس بزرگ مرتبہ والے لوگ ابراہیم علیہ السلام کے مقام ہجرت کی طرف چلے جائیں گے۔ دوسری روایت میں آیا ہے ابراہیم علیہ السلام کے مقام ہجرت سے جو لوگ چھٹے رہیں گے وہ زمین کے تمام باشندوں میں برگزیدہ ہوں گے اور (باقی) زمین پر برے لوگ رہ جائیں گے۔ ان کی زمینیں ان کو باہر نکال پھینکیں گی، اللہ ان

سے نفرت کرے گا، بندروں اور سوروں کے ساتھ ایک آگ ان کو ہکائے گی جہاں وہ رات کو قیام کریں گے، آگ بھی رات کو ان کے ساتھ رہے گی اور جہاں وہ دوپہر کو ٹھہریں گے آگ بھی دوپہر کو ان کے ساتھ ٹھہرے گی۔ (رواہ ابوداؤد)

محمد بن اسحاق کا بیان ہے اللہ نے جب ابراہیم علیہ السلام کے لیے آگ کو ٹھنڈا اور سلامتی بخش کر دیا تو یہ منظر دیکھ کر آپ کی قوم کے کچھ لوگ ایمان لے آئے لیکن نمرود اور اس کے حکام کا خوف تھا (اس لیے انہوں نے ایمان کا اعلان نہیں کیا) منجملہ ان کے آپ کے بھتیجے لوط بن ہاران بن تارخ بھی ایمان لے آئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام تارخ تھا جو حضرت لوط کا دادا تھا۔ تارخ بن مالٹ تھا، مالٹ کو ناخور بھی کہا جاتا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا کی بیٹی سارہ بنت ہاران بھی ایمان لے آئی تھیں۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قریہ کوئی (علاقہ عراق) کو چھوڑ دیا اور لوط و سارہ کو ساتھ لے کر ترک وطن کر دیا۔ آپ کا یہ ترک وطن اللہ کے واسطے تھا۔ اپنے دین کو محفوظ رکھنے کی غرض سے تھا اور اطمینان سے اپنے رب کی عبادت کرنے کے لیے تھا۔ آپ نے فرمایا تھا ”إِنِّي مُهَاجِرٌ إِلَى رَبِّي“ لوط کے مؤمن ہونے کا ذکر اللہ نے آیت ”فَأَمِنَ لَهُ لُوطٌ“ میں فرمایا ہے۔ کوئی سے چل کر آپ حران پہنچے۔ کچھ مدت وہاں قیام کیا پھر وہاں سے چل کر مصر پہنچے۔ پھر مصر سے شام کی طرف چل دیئے اور علاقہ فلسطین میں سح کے مقام پر اترے۔ یہاں سے موفتکات کی بستیاں (سدوم وغیرہ) جو بحیرہ میت کے ساحل کی پانچ بستیاں تھیں اور حضرت لوط علیہ السلام موفتکہ میں اترے۔ ایک دن اور ایک رات چلے یا اس سے قریب۔ اللہ نے ان کو نبی بنا کر مبعوث کیا۔ یہی مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ ہجرت کے بعد ہجرت ہوگی اور لوگوں میں سے بہترین وہ لوگ ہیں جنہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف ہجرت کی۔

وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ نَافِلَةً ۚ وَكَثَلًا جَعَلْنَا صَالِحِينَ ۗ وَجَعَلْنَاهُمْ أُمَّةً يَهْتَدُونَ  
بِأَمْرِنَا وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَإِقَامَ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءَ الزَّكَاةِ. وَكَانُوا لَنَا عِبْدِينَ ۗ  
وَلَوْ طَآئِفَةٌ حُكْمًا وَعِلْمًا وَنَجِيَّةً مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ تَعْمَلُ الْخَبِيثَ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا  
قَوْمَ سَوِيءٍ فَسِيقِينَ ۗ وَأَدْخَلْنَاهُ فِي رَحْمَتِنَا ۚ إِنَّهُ مِنَ الصَّالِحِينَ ۗ وَنُوحًا إِذْ نَادَى مِنْ  
قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ۗ وَنَصَرْنَاهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَبُوا  
بِآيَاتِنَا ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمَ سَوِيءٍ فَأَغْرَقْنَاهُمْ أَجْمَعِينَ ۗ

اور (ہجرت کے بعد) ہم نے ان کو اسحق (بیٹا) اور یعقوب پوتا عطا کیا اور ہم نے ان سب کو (اعلیٰ درجہ کا) نیک کیا اور ہم نے ان کو مقتدا بنایا کہ ہمارے حکم سے (خلق کو) ہدایت کیا کرتے تھے اور ہم نے ان کے پاس نیک کاموں

کے کرنے کا اور (خصوصاً) نماز کی پابندی کا اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم بھیجا اور وہ (حضرت) ہماری عبادت (خوب) کرتے تھے اور لوط (علیہ السلام) کو ہم نے حکمت اور علم (جو شان انبیاء کے مناسب ہوتا ہے) عطا فرمایا اور ہم نے ان کو اس بستی سے نجات دی جس کے رہنے والے گندے کام کیا کرتے تھے بلاشبہ وہ لوگ بڑے بدذات بدکار تھے اور ہم نے لوط کو اپنی رحمت میں داخل کیا (کیونکہ) بلاشبہ وہ بڑے نیکوں میں سے تھے اور نوح (کے قصہ) کا تذکرہ کیجئے جب کہ اس (زمانہ ابراہیمی) سے (بھی) پہلے انہوں نے دعا کی۔ سو ہم نے ان کی دعا قبول کی اور ان کو اور ان کے تابعین کو بڑے بھاری غم سے نجات دی اور (نجات اس طرح دی کہ) ہم نے ایسوں لوگوں سے ان کا بدلہ لیا جنہوں نے ہمارے حکموں کو (جو کہ نوح لائے تھے) جھوٹا بتایا تھا بلاشبہ وہ لوگ بہت برے تھے اس لئے (ہم نے ان سب کو) غرق کر دیا۔

**تفسیر 72** ”ووهنا له اسحاق و يعقوب نافلة“ مجاہد اور عطاء نے کہا ہے کہ نافلة کا معنی ہے عطیہ، اسحاق اور یعقوب دونوں اللہ کے عطا کردہ ہیں اس صورت میں نافلة دونوں سے حال ہوگا۔ حسن اور ضحاک نے کہا کہ نافلة کا معنی ہے فضل۔ یعنی ہم نے اپنی مہربانی سے ابراہیم علیہ السلام کو (بیٹا) اسحاق اور (پوتا) یعقوب عطا کیا اور فرمایا ”هب لی من الصالحین“ اسحاق علیہ السلام کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام کو زیادہ ذکر کیا، یہ بیٹے کے بیٹے ہیں اور نافلة بھی زیادتی کو کہتے ہیں۔ ”و کلاً جعلنا صالحین“ اس سے مراد ابراہیم، اسحاق اور یعقوب علیہم السلام ہیں۔

**73** ”وجعلناهم آئمة يهدون بأمرنا“ ہم نے ان کو بھلائیوں اور اعمال میں لوگوں کا پیشوا بنایا جو ہمارے حکم کے مطابق لوگوں کو ہدایت کرتے تھے اور ہمارے دین کا راستہ بتاتے تھے۔ ”واوحينا اليهم فعل الخيرات“ وہ عمل جس نے شریعت کو اچھا قرار دیا۔ ”واقام الصلوة“ نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ ”وايتاء الزكوة“ زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا۔ ”وكانوا لنا عابدين“ وہ عبادت کرنے اور موحّد ہونے میں مخلص تھے۔

**74** ”ولوطاً آتيناہ“ اور ہم نے لوط علیہ السلام کو دیا۔ بعض نے کہا کہ یاد کرو لوط علیہ السلام کو کہ ہم نے ان کو عطا کیا۔ ”حکماً“ مقدمات کے درمیان فیصلے کرنے کا علم۔ ”وعلمناً“..... ”ونجيناہ من القرية التي كانت تعمل الخبائث“ اس سے مراد سدوم بستی ہے۔ اس بستی والے لوگ لواطت کرتے تھے اور بڑی بڑی مجلسوں میں دبر سے اونچی آواز (گوز) نکالتے تھے اور یہ لوگ ایسے اعمال کرتے تھے جو شریعت میں منع کردہ ہیں۔ ”انہم كانوا قوم سوء فاسقین“.....

**75** ”و ادخلناہ فی رحمتنا انہ من الصالحین“

**76** ”ونوحاً اذ نادى“ جب اس کو پکارا ”من قبل“ ابراہیم علیہ السلام اور لوط علیہ السلام سے پہلے۔ ”فاستجبنا له“ فنجيناہ واهله من الکرب العظیم“ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے کہ ڈوبنے سے اور قوم کی جانب سے تکذیب سے نجات دی۔ بعض حضرات نے کہا کہ حضرت نوح علیہ السلام کی عمر تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے زیادہ ہوئی اور سختیاں بھی سب سے زیادہ برداشت کیں اور کرب غم سے زیادہ شدید ہوتا ہے۔

77 "وَنصرونا" اور ہم نے ان کی مدد کی ان کو روک دیا۔ "من القوم الذين كذبوا بآياتنا" اور وہ لوگ برائی کے ذریعے سے اس تک پہنچے۔ ابو عبیدہ نے کہا کہ جس قوم میں یہ خرابیاں پائی جائیں۔ "انهم كانوا قوم سوء فاغر فناهم أجمعين" وَدَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ إِذْ يَخُكِمُنِي فِي الْحَرْثِ إِذْ نَفَسَتْ فِيهِ غَنَمُ الْقَوْمِ. وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِينَ 78 فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ. وَكُلًّا آتَيْنَاهُمْ حُكْمًا وَعِلْمًا وَسَخَرْنَا مَعَ دَاوُدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ وَكُنَّا فَاعِلِينَ 79

اور داؤد اور سلیمان (علیہما السلام کے قصہ) کا تذکرہ کیجئے جبکہ دونوں کسی کھیت کے بارے میں فیصلہ کرنے لگے جبکہ اس (کھیت) میں کچھ لوگوں کی بکریاں رات کے وقت جا پڑیں (اور اس کو چرگئیں) اور ہم فیصلہ کو جو لوگوں کے متعلق ہوا تھا دیکھ رہے تھے سو ہم نے اس فیصلہ کی سمجھ سلیمان کو دے دی اور (یوں) ہم نے دونوں کو حکمت اور علم فرمایا تھا اور ہم نے داؤد کے ساتھ تابع کر دیا تھا پہاڑوں کو کہ (ان کی تسبیح کے ساتھ) وہ تسبیح کیا کرتے تھے اور پرندوں کو بھی اور کرنے والے ہم تھے۔

تفسیر 78 "و داود و سلیمان اذ یحکمان فی الحرث" حرث کی تفسیر میں آئمہ مفسرین کا اختلاف ہے۔ ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہم اور اکثر مفسرین کا یہی قول ہے کہ یہ کھیتی انگوروں کی تیل کی تھی جس پر حرث کا لفظ دلالت کر رہا ہے۔ قتادہ کا بیان ہے کہ وہ کھیتی تھی۔ "اذ نفست فیہ غنم القوم" اس نے رات کو بکریاں چرائیں پھر اس کو فاسد کر دیا۔ نقش کہا جاتا ہے رات کو بکریاں چرانا اور حمل کہا جاتا ہے بغیر چروائے کے بکریوں کا چرنا۔ "و کنا لحکمہم شاہدین" اس کا علم ہمیں ہے اور اس کو ہم دیکھتے تھے تو یہ ہم سے کیسے مخفی ہو سکتا ہے۔ فراء نے کہا کہ صرف حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام مراد ہیں۔ جمع کا صیغہ بول کر حثیہ کا صیغہ ہو سکتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا "فان کان لہ اخوة فلامہ السدس" اگر میت کے چند بھائی ہوں تو اس کی ماں کا کل مال کا چھٹا حصہ ہوگا۔ اخوة سے مراد کم از کم دو بھائی ہیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا ایک کھیت کے بارے میں فیصلہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، قتادہ اور زہری نے بیان کیا کہ دو آدمی حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس آئے، ایک کھیت کا مالک تھا اور دوسرا بکریوں کا۔ کھیت والے نے کہا اس کی بکریاں رات کو چھوٹ کر میرے کھیت میں پڑ گئیں اور (سارا کھیت چر گئیں) کچھ بھی باقی نہیں رہا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے فیصلہ کیا کہ کھیت کے عوض وہ بکریاں کھیت والے کو دے دی جائیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس سے دونوں حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس آئے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے پوچھا تم دونوں کے مقدمہ کا کیا فیصلہ ہوا جو فیصلہ حضرت داؤد علیہ السلام نے کیا تھا، دونوں نے بیان کر دیا۔ حضرت سلیمان علیہ



السلام نے فرمایا اگر تمہارا مقدمہ سیرے سپرد کر دیا جاتا تو میرا فیصلہ کچھ اور ہی ہوتا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ بھی کہا تھا کہ میرا فیصلہ دونوں کے لیے فائدہ بخش ہوتا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس قول کی اطلاع حضرت داؤد علیہ السلام کو بھی ہوگئی۔ آپ نے سلیمان علیہ السلام کو بلوا کر فرمایا تم فیصلہ کرو۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنی نبوت اور حق پداری کا واسطہ دے کر فرمایا مجھے بتاؤ وہ کیا فیصلہ ہے جو فریقین کے لیے سود مند ہے؟ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا بکریاں کھیت والے کو دے دیجئے اور کھیت بکریوں کے مالک کے سپرد کر دیجئے۔ کھیت والا بکریوں کے دودھ، اون اور نسل سے اتنی مدت تک فائدہ اندوز ہوتا رہے جتنی مدت تک کھیت بکریوں والے کی سپردگی میں رہے۔ بکریوں کا مالک کھیت کو درست کر کے اس میں بیج بکھیر دے اور جب کھیتی تیار ہو کر اصلی حالت پر آجائے تو تیار کھیت کھیت والے کو دے دے اور اپنی بکریاں واپس لے لے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا صحیح فیصلہ یہی ہے جو تم نے کیا۔ پھر آپ نے یہ فیصلہ جاری کر دیا۔ روایت میں آیا ہے کہ فیصلہ کرنے کے وقت حضرت سلیمان علیہ السلام کی عمر گیارہ سال کی تھی۔

حرام بن سعد بن محیصہ سے روایت ہے کہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی اونٹنی باغ میں داخل ہوگئی۔ اس میں نقصان کر دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ باغ والے دن کے وقت اس کی حفاظت کریں (اور جانوروں والے رات کو اپنے جانوروں کی حفاظت کریں) اگر رات کے وقت کسی کا جانور کسی کو نقصان پہنچا دے تو وہ ذمہ دار ہے۔ اصحاب الرأی کا قول ہے کہ اگر جانور کے ساتھ اس کا مالک نہ ہو تو پھر مالک پر ضمان نہیں ہوگا خواہ وہ دن کو نقصان پہنچائے یا رات کو نقصان پہنچائے۔

۱۷ "فہمناھا سلیمان" ہم نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس فیصلہ کا طریقہ سکھا دیا۔ "و کلاً" اس سے مراد داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام ہیں۔ "اتینا حکماً و علماً" حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ آیت نہ ہوتی تو فیصلہ کرنے والے ہلاک ہو جاتے لیکن ٹھیک تعریف کرنے والوں کی اللہ نے تعریف کی ہے اور اس اجتہاد کی تعریف کی ہے۔ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا فیصلہ اجتہاد سے تھا یا نص کے ساتھ، اسی کے ذریعے سے سلیمان علیہ السلام نے فیصلہ کیا۔ بعض نے کہا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اجتہاد کے ساتھ فیصلہ کیا ہے اور بعض نے کہا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے لیے بھی اجتہاد کرنا جائز ہے تاکہ ان کو بھی مجتہدین کا ثواب حاصل ہو جائے۔

مگر یہاں پر حضرت داؤد علیہ السلام سے خطا ہوگئی اور سلیمان علیہ السلام مصیب ہوئے اور بعض مفسرین نے کہا کہ انبیاء علیہم السلام سے خطا ہو جاتی ہے لیکن اس کو شمار نہیں کیا جاتا اور علماء ان اشیاء میں اجتہاد کرتے ہیں جو قرآن و سنت میں نہیں پاتے۔ پھر اگر اس اجتہاد میں غلطی واقع ہو جائے تو پھر ان پر کوئی گناہ نہیں۔

عمر بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جب فیصلہ کرنے والا فیصلہ کرتا ہے اپنے اجتہاد سے، اگر اس کا اجتہاد درست ہو جائے تو اس کو دوہرا اجر ملتا ہے اور جب اس نے اجتہاد کے ذریعہ فیصلہ کیا اور اس میں غلطی واقع ہوگئی تو اس کے لیے ایک اجر ہے۔ بعض لوگوں کا قول ہے کہ حضرت داؤد

علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام وحی کے ذریعے سے فیصلہ کرتے تھے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ حضرت داؤد علیہ السلام کے فیصلہ کے لیے ناسخ ہوتا تھا۔

بعض حضرات کے نزدیک انبیاء علیہم السلام اجتہاد کے ذریعے فیصلہ کرنے سے مستغنی ہیں کیونکہ ان پر وحی کا نزول ہوتا ہے اور بعض نے کہا کہ اسی وجہ سے فیصلے میں کسی نبی سے غلطی واقع نہیں ہو سکتی۔ بعض حضرات اس آیت کے ظاہر سے کہتے ہیں کہ ہر مجتہد مصیب ہے اور حدیث میں مجتہد کے لیے ثواب کا وعدہ جب ہے کہ وہ خطا کر لے۔ یہی اصحاب الرأی کا قول ہے اور ایک جماعت کا قول ہے کہ ہر مجتہد مصیب نہیں بلکہ جب کسی مسئلہ میں مجتہدین کا اختلاف واقع ہو جائے تو ان میں سے کوئی ایک مصیب ہو گا نہ کہ معین شخص۔ اگر ان میں سے ہر ایک شخص مصیب ہوتا تو پھر تقسیم کا کوئی معنی نہیں۔

آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان کہ مجتہد نے اپنے اجتہاد میں خطا کر دی تو اس کے لیے ایک اجر ہو گا۔ اس پر یہ اشکال وارد نہیں ہو گا کہ اگر اس کا اجتہاد درست ہو گیا تو پھر وہ مصیب ہو گا بلکہ اجتہاد فی نفسہ عبادت ہے۔

## داؤد اور سلیمان علیہما السلام کا دو عورتوں کے درمیان فیصلہ

شیخین نے صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں نے سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے دو عورتیں تھیں، ہر ایک کا ایک ایک بچہ اس کے ساتھ تھا، بھیڑیا آیا، ایک بچہ کو لے گیا، ایک عورت نے دوسری سے کہا، بھیڑیا تیرے بچہ کو لے گیا، میرا بچہ محفوظ ہے۔ دوسری نے اس کی تردید کی اور کہا تیرے بچہ کو لے گیا، میرا بچہ یہ ہے جو موجود ہے، دونوں جھگڑا لے کر حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئیں، آپ نے بڑی کو ڈگری دے دی اور (چھوٹی ہار گئی) اس کے بعد دونوں کا گزر حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف سے ہوا اور آپ سے تفصیل بیان کی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا میرے پاس چھری لے آؤ، میں بچہ کے دو ٹکڑے کر کے دونوں کو بانٹ دوں گا، یہ سنتے ہی چھوٹی بولی آپ پر اللہ کی رحمت ہو، یہ بچہ بڑی کا ہی ہے اسی کو دے دیجئے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بچہ چھوٹی کو لوادیا۔

”وسخرنا مع داؤد الجبال یسبحن والیطیر“ جب حضرت داؤد علیہ السلام تسبیح پڑھنے باہر جاتے تو ان کے ساتھ پہاڑ پر بندے بھی تسبیح پڑھتے تھے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں، وہب نے کہا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی تسبیح کے جواب میں پہاڑ اللہ کی پاکی بیان کرتے تھے اور پرندوں کا بھی یہی حال تھا۔ قنادہ نے کہا یعنی جب داؤد علیہ السلام نماز پڑھتے تھے تو پہاڑ بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا حضرت داؤد علیہ السلام درختوں اور پتھروں کی تسبیح کو سمجھتے تھے۔ بعض لوگوں کا قول ہے کہ یہ ”یسبحن“ سباحت سے ماخوذ ہے اور (سباحت کا معنی ہے تیرنا، چلنا) حضرت داؤد علیہ السلام چلتے تھے تو پہاڑ بھی آپ کے ساتھ چلتے تھے۔

کہا گیا ہے کہ داؤد علیہ السلام جب ذکر کرتے کرتے سست پڑ جاتے تھے اور بدن میں کچھ کسل آ جاتا تھا تو آپ کے ساتھ پہاڑ

تشیخ پڑھنے لگتے تھے تاکہ پہاڑوں کی تشبیح سن کر داؤد علیہ السلام میں ذکر الہی کرنے کی تازہ جستی پیدا ہو جائے اور پرندے بھی آپ کے ساتھ تشبیح میں مشغول رہتے تھے۔ الطیر کا عطف الجبال پر ہے، پرندوں کی تو پھر بھی ظاہری زبان ہوتی ہے وہ کچھ نہ کچھ بولتے ہی ہیں لیکن پہاڑوں کی کوئی زبان بظاہر نہیں ہوتی، پہاڑوں کا تشبیح خداوندی میں مشغول ہونا بہت ہی تعجب آفریں ہے۔ اسی لیے الجبال کا ذکر الطیر سے پہلے کیا۔ ”و کنا فاعلین“ حضرت داؤد علیہ السلام کو علم و حکمت کی فہمائش اور پہاڑوں اور پرندوں کی تشبیح ہمارا فعل ہے۔

وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُوسٍ لَّكُمْ لِيُحْصِنَكُمْ مِّنْ بَأْسِكُمْ. فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ﴿۸۰﴾ ولسليمان

الرِّيحِ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِ اِلٰى الْاَرْضِ الَّتِي بَرَكْنَا فِيْهَا لَكُمْ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ ﴿۸۱﴾

تفسیر اور ہم نے ان کو (زرہ) بنانے کی صنعت تم لوگوں کے (نفع کے) واسطے سکھائی تاکہ وہ (زرہ) تم کو (لڑائی میں) ایک دوسرے کی زد سے بچائے سو تم شکر کرو گے بھی (یا نہیں) اور ہم نے سلیمان (علیہ السلام) کا زور کی ہوا کو تابع بنا دیا تھا کہ وہ ان کے حکم سے اس سرزمین کی طرف کوچلتی جس میں ہم نے برکت کر رکھی ہے (مراد ملک شام ہے) اور ہم ہر چیز کو جانتے ہیں۔

تفسیر ﴿۸۰﴾ ”و علمناہ صناعۃ لبوس لکم“ لبوس ہر پہننے والی چیز کو کہتے ہیں، عرفاً اس کا استعمال اسلحہ کے لیے ہوتا ہے، اس جگہ لوہے کی زرہ مراد ہے۔ قنادہ نے کہا کہ حضرت داؤد علیہ السلام سے پہلے زرہ سپاٹ ہوتی تھی، سب سے اول آپ نے جال دار زرہ بنائی اور کڑیاں جوڑ کر جھول کی شکل دی۔ حدیث صحیح میں ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے۔

”لتحصنکم“ تاکہ وہ صنعت یا زرہ تم کو دشمن کے حملے سے محفوظ رکھے۔ ”من باسکم“ تمہارے دشمن کے حملے سے۔

ابو جعفر، ابن عامر، حفص اور عاصم و یعقوب نے ”لتحصنکم“ تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس سے مراد صنعت کار گیری ہے۔ ابو بکر اور عاصم نے نون کے ساتھ پڑھا ہے اور بعض قراء نے اس کو یاء کے ساتھ پڑھا ہے اور بعض نے ”لیحصنکم اللہ“ پڑھا ہے۔ ”فهل انتم شاکرون“ یہ حضرت داؤد علیہ السلام اور ان کے گھر والوں کو کہا گیا اور بعض نے کہا کہ یہ اہل مکہ کو کہا گیا کہ کیا تم اب بھی شکر نہیں کرو گے، رسول اللہ کی اطاعت والی نعمت پر۔

”ولسليمان الریح عاصفة“ ہم نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا، ہوا ان کے حکم کے مطابق حرکت کرتی تھی۔ ہوا کو قبضہ کرنا ہاتھ میں پکڑنا ممکن نہیں۔ البتہ اس کی حرکت سے اس کا احساس ہوتا ہے۔ ریح مذکر مؤنث بھی ہوتا ہے۔ ”عاصفة“ بہت تیز تند ہوا کو کہا جاتا ہے۔

سوال: بعض جگہ پر آیا ہے کہ ہوا ان کے حکم سے آہستہ اور نرم چلتی تھی؟ اس کا جواب دیا گیا کہ ہوا آپ کے حکم کے تابع تھی۔ جب آپ تیز چلنے کا حکم دیتے تو وہ تیز چلتی۔ اگر حضرت سلیمان علیہ السلام کہتے کہ تیز چلے تو وہ تیز چلتی۔ ”تجری بامرہ

المی الارض التي باركنا فيها“ اس سے مراد شام ہے۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام چاہتے اس کے ذریعے سے کہیں چلے جاتے، پھر واپس ملک شام میں آ جاتے۔ ”و کنا بكل شئی“ ان کو سکھلایا۔ ”عالمین“ اپنی اچھی تدبیر کے ساتھ۔ ہم نے سکھلایا حضرت سلیمان علیہ السلام کو اور ہوا وغیرہ کو سلیمان علیہ السلام کے تابع بنا دینے کی غرض یہ تھی کہ سلیمان علیہ السلام اپنے رب کے سامنے جھک جائیں۔

## حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت

وہب نے کہا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی مجلس پر پرندے چھائے ہوئے ہوتے تھے، جن (صف بستہ) کھڑے ہوتے تھے اور اس شان کے ساتھ آپ جلوہ افروز ہوتے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام بڑے مرد مجاہد تھے۔ دنیا کے جس حصہ میں کسی بادشاہ کے ہونے کی آپ کو اطلاع ملتی آپ فوراً وہاں پہنچ کر اس فرماں رواں کو اطاعت پر مجبور کر دیتے تھے۔ اہل روایت کا قول ہے کہ آپ جب کسی جہاد کا ارادہ کرتے تو آپ کے لیے پہلے تختے (بصورت تخت) بچھائے جاتے، پھر اس پر خیمہ ڈیرہ قائم کیا جاتا، پھر آپ اس پر آدمیوں کو جانوروں کو اور جنگی سامان کو چڑھواتے، پھر حسب الحکم تند ہوا تنوں کے نیچے آ جاتی اور سب کو اوپر اٹھاتی اور اوپر پہنچ کر نرم بن جاتی تھی۔ اتنی نرم رفتار ہوتی کہ کسی بھیقتی کی طرف سے گزرتی تو اس کی پتی بھی نہ ہلتی۔ اس کی رفتار سے گرد و غبار بالکل نہ اُڑتا اور نہ کسی پرندے کو تکلیف ہوتی، سب سیراتی کہ ایک ماہ کی مسافت دن کے نصف اڈل میں اور ایک ماہ کی مسافت پچھلے دن میں طے کر لیتی تھی۔ وہب نے یہ بھی بیان کیا کہ دجلہ کے کسی ساحلی مقام پر ایک کتبہ تھا جس پر حضرت سلیمان علیہ السلام کے کسی ساتھی نے لکھ دیا تھا۔ معلوم نہیں وہ ساتھی جن تھا یا آدمی۔ ہم یہاں اترے، ہم رات کو یہاں نہیں رہے، صبح اُطر سے چلے تھے، دو پہر کو یہاں قیلولہ کیا، پچھلے دن میں ان شاء اللہ یہاں سے چل دیں گے اور رات کو شام میں رہیں گے۔

مقاتل نے بیان کیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے جنات نے سونے اور ریشم کے تاروں سے ایک فرش بنا تھا جس کی لمبائی چوڑائی ایک ایک فرسخ تھی، اس فرش کے وسط میں حضرت کے لیے سنہری منبر رکھا جاتا تھا جس پر آپ تشریف فرما ہوتے تھے اور منبر کے ارد گرد سونے چاندی کی کرسیاں رکھی جاتی تھیں۔ انبیاء علیہم السلام سونے کی کرسیوں پر اور علماء چاندی کی کرسیوں پر فروکش ہوتے تھے، اوپر سے پرندے اپنے پر پھیلائے سایہ لگن ہوتے تاکہ دھوپ کسی پرندے پڑے کرسیوں کے گردا گرد دوسرے آدمی ہوتے اور آدمیوں کے پیچھے جنات ہو اس فرش کو (اور فرش والوں کو) اوپر اٹھاتی تھی اور صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک ایک ایک ماہ کی مسافت تک لے جاتی تھی۔

سعید بن جبیر کا بیان ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں چھ لاکھ کرسیاں رکھی جاتی تھیں۔ اگلی قطاروں میں آدمی اور آدمیوں کے پیچھے جنات بیٹھتے تھے، پرندے اوپر سے سایہ کیے ہوتے تھے اور ہوا ان سب کو اٹھاتی تھی۔ حسن کا بیان ہے کہ جب پیغمبر خدا سلیمان علیہ السلام کی عصر کی نماز گھوڑوں کے معائنہ کی وجہ سے فوت ہو گئی تو آپ کو لوجہ

اللہ غصہ آ گیا اور آپ نے سب گھوڑوں کو قتل کرا دیا۔ پھر اللہ نے مقتول گھوڑوں کے عوض دوسرے بہتر گھوڑے عطا فرمادیئے، ہوا آپ کے حکم سے آپ کی مرضی کے مطابق تیزی سے آپ کو اٹھا کر لے جاتی تھی، صبح کو ایلیا سے چلتے تو قبیلوہ (دوپہر کا قیام) اصطر میں کرتے، پھر پچھلے دن میں اصطر سے چلتے تو شام بابل میں کرتے۔

ابن زید نے بیان کیا تینوں سے بنی ہوئی آپ کی ایک سواری تھی جس کے ایک ہزار پائے تھے، ہر پایہ (کھوکھلا تھا جس) کے اندر ہزار خانے تھے، آپ کے ساتھ اُس وجن سوار ہوتے تھے، ہر پایہ کے نیچے (اٹھانے والے) ایک ہزار جنات ہوتے تھے جو اس تخت کو اٹھائے ہوتے تھے، تخت اونچا ہو جاتا تو نرم ہوا آ کر اس تخت کو اٹھا لیتی (صبح کو چل کر) آپ دوپہر کو ان لوگوں کے پاس قیام کرتے جو ایک ماہ کی مسافت کی دوری پر ہوتے تھے، پھر شام ایسے لوگوں میں کرتے جن کی دوری ایک ماہ کی مسافت کے بقدر ہوتی۔ لوگوں کو پتہ بھی نہ چلتا کہ اچانک آپ لشکر سمیت آ پہنچتے۔

روایت میں آیا ہے کہ ایک بار حضرت سلیمان علیہ السلام عراق سے صبح کو چلے، مرو میں دوپہر کو پہنچے، وہاں قیام کیا، پھر بلخ میں عصر کی نماز پڑھی، پھر بلخ سے روانہ ہو کر ترکستان میں داخل ہو گئے۔ پھر ترکستان سے سرزمین چین تک پہنچ گئے، ہوا کے کندھوں پر بیدار رہے۔ صبح کو اٹھ کر پندرہ سو سال پہلے قلعہ رہے۔ آپ صبح کے دن میں ایک ماہ کی مسافت طے کر لیتے تھے اور شام کے دن میں بھی اتنی دور پہنچ جاتے تھے۔ یہاں سے آپ نے مشرق کی طرف رخ کیا۔ یہاں تک کہ قندھار پہنچ گئے، پھر قندھار سے مکران اور کرمان پہنچے، پھر یہاں سے گزر کر بلاد فارس میں پہنچے اور وہاں چند روز فروکش رہے۔ پھر صبح کو یہاں سے روانہ ہو کر دوپہر کو کسکر پہنچے، پھر شام تک ملک شام میں آ گئے، آپ کی (اصل) قرار گاہ شہر تدمر میں تھی، شام سے عراق کی طرف روانہ ہونے سے پہلے آپ نے جنات کو حکم دیا تھا کہ ایک عمارت بنائیں۔ چنانچہ جنات نے پتھر کی چٹانوں اور ستونوں اور سفید وزرد مرمر سے ایک عمارت تیار کی تھی۔ جیسا کہ شاعر کا قول ہے:

الا سليمان اذ قال المليك له

وجيش الجن انى قد اذنت لهم

(جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے ماتحتوں سے کہا کہ کھڑے ہو جاؤ اور تیزی کے ساتھ ایک تعمیر بناؤ جن کے سردار

نے کہا کہ مجھے اس کا حکم دیا گیا۔ اس نے تعمیر بنائی تدمر شہر میں پتھر کی چٹانوں کے ساتھ اور ستونوں کے ساتھ۔)

وَمِنَ الشَّيْطَانِ مَنْ يُفُوضُونَ لَهُ وَيَعْمَلُونَ عَمَلًا دُونَ ذَلِكَ. وَكُنَّا لَهُمْ حَفِظِينَ 82

وَأَيُّوبَ إِذْ نَادَى رَبَّهُ أَنِّي مَسْنِي الضُّرَّ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّحِيمِينَ 83

اور بعضے شیطان ایسے تھے کہ سلیمان کے لئے (دریاؤں میں) غوطہ لگاتے تھے (تا کہ موتی نکال کر لائیں) اور وہ اور کام بھی اس کے علاوہ کرتے تھے اور ان کے سنبھالنے والے ہم تھے اور ایوب کا تذکرہ کیجئے جبکہ انہوں نے (بعد بتلا

ہونے مرض شدید کے) اپنے رب کو پکارا کہ مجھ کو یہ تکلیف پہنچ رہی ہے اور آپ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہیں۔  
**تفسیر** ﴿۲۷﴾ ”وَمِنَ الشَّيْطَانِ“ اور ہم نے شیطان کو بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے مسخر کر دیا تھا۔ ”مَنْ يَفْعَلْ لَهٗ“ وہ سمندر کے نیچے داخل ہوتے اور وہاں سے موتی نکال کر لاتے۔ ”وَيَعْمَلُونَ عَمَلًا ذُوْنَ ذٰلِكَ“ اور اس کام کے علاوہ دوسرے کام بھی کرتے تھے۔ ”يَعْمَلُونَ لَهٗ مَا يَشَاءُ مِنْ مَّحَارِبٍ وَتَمَالِيْلٍ“..... ”وَكُنَّا لَهٗ حَافِظِيْنَ“ ہم جنات کی نگرانی رکھے ہوئے تھے کہ کہیں وہ آپ کے حکم سے نکل نہ جائیں۔ زجاج نے کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نگرانی رکھتے تھے کہ کہیں بنائی ہوئی چیزوں کو تباہ نہ کر دیں۔

جب حضرت سلیمان علیہ السلام کسی جن کو کسی آدمی کے ساتھ کام پر بھیجتے تو آدمی سے فرما دیتے جب اس کام سے یہ فارغ ہو جائے تو اس کو کسی اور کام پر لگا دینا، ایسا نہ ہو کہ یہ کہے ہوئے کام کو برباد کر دے، جنات کی یہ عادت ہی تھی کہ جب کسی کام سے فارغ ہو جاتے اور دوسرے کام میں مشغول نہ ہوتے تو بے ہوش ہوئے کام کو ہی تباہ کر دیتے۔  
**﴿۲۸﴾** ”وَ اَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى“ اور ایوب کا تذکرہ کیجئے۔ جب اس نے (مصائب میں) اپنے رب کو پکارا۔ اے رب! مجھے دکھ لگ گیا ہے۔ نادئی یعنی ڈعا کی۔

## حضرت ایوب علیہ السلام کا واقعہ

وہب بن منہ نے بیان کیا حضرت ایوب روی تھی، آپ کا جدی نسب اس طرح تھا۔ ایوب ابن ارحس بن رازح بن روم بن عمیس بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام۔ آپ کی والدہ حضرت لوط بن ہاران کی اولاد میں سے تھیں۔  
 آپ اللہ کے برگزیدہ بندے اور نبی تھے، اللہ نے آپ کے لیے دنیا وسیع کر دی تھی، سر زمین شام میں ایک گھائی جس کے اندر میدانی زمین بھی تھی اور پہاڑی بھی، آپ کی ملک تھی اونٹ، گائے، بیل، بھینس، بھیڑ، بکری، گھوڑے، گدھے ہر قسم کے بکثرت جانور آپ کے پاس تھے، پانچ جوڑ بیلوں کے کھیتی کرنے کے لیے بھی آپ کے پاس تھے۔ ہر جوڑ کا خادم ایک غلام تھا اور ہر غلام کے بیوی بچے بھی تھے۔ بیلوں کی ہرجٹ کا (یعنی کھیتی کرنے اور اہل جوتے وغیرہ کا) سامان اٹھانے کے لیے ایک گدھی تھی اور ہر گدھی کے دودو، تین تین، چار چار، پانچ پانچ اور اس سے زیادہ بچے تھے۔ اللہ نے آپ کو اہل وعیال لڑکے اور لڑکیاں بھی عطا کی تھیں۔ آپ بڑے نیک، پرہیزگار، غریبوں پر رحم کرنے والے، مسکینوں کو کھانا کھلانے والے، بیواؤں کی خبر گیری کرنے والے، یتیموں کی سرپرستی کرنے والے اور بڑے مہمان نواز تھے۔ مسافروں کو خرچ دے کر وطن تک پہنچا دیتے تھے، اللہ کی نعمتوں کا شکر اور اللہ کا حق ادا کرتے رہتے تھے، اللہ نے شیطان مردود سے آپ کو محفوظ کر دیا تھا۔ اہلیس دوسرے مال داروں اور عزت یاب لوگوں کو اللہ کی یاد سے غافل بنا دیتا ہے۔ آپ کے ساتھ تین جماعتیں تھیں جو ان پر ایمان لائیں اور ان کی تصدیق کی۔ ایک شخص اہل یمن میں سے تھا اس کو نثر کہا جاتا ہے اور دو شخص ان کے شہری کے تھے۔ ان میں سے ایک کو یلا اور



دوسرے کو صاف کہا جاتا ہے اور یہ سب اویڑ عمر کے تھے اور ابلیس سے آسمان میں رونما ہونے والا کوئی واقعہ پوشیدہ نہیں تھا، وہ دیکھ لیتا تھا، جب بھی یہ ارادہ کرتا، کوئی بات سننا چاہتا تو سن لیتا۔ یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی طرف اٹھالیا۔ پھر اس پر چار آسمانوں کو محبوب کر دیا کہ وہ چار آسمانوں میں سے کسی کی بات سن نہیں سکتا۔

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دُنیا میں تشریف لائے تو باقی تین آسمان سے بھی اس کو روک دیا گیا۔ ابلیس نے سنا کہ ملائکہ حضرت ایوب علیہ السلام پر درود بھیج رہے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کا تذکرہ کیا۔ اس وقت سے ابلیس میں حسد اور سرکشی پیدا ہوئی۔ پھر وہ جلدی سے آسمان کی طرف گیا اور ایک جگہ رُک کر کہنے لگا۔ الہی! میں دیکھتا ہوں تیرے بندے ایوب (علیہ السلام) کو کہ تو نے اس پر خوب انعام کیا اور اس کا شکر ادا کیا اور اس کے ساتھ عافیت والا معاملہ کیا اور تو اس کی تعریف بھی کرتا ہے۔ اگر آپ اس کو کسی تکلیف میں مبتلا کر دیں تو پھر جس حالت میں آپ اس وقت دیکھ رہے ہیں شکر و عبادت میں، وہ ایسی طاعت و عبادت چھوڑ دے گا۔

اللہ عزوجل نے فرمایا کہ جا میں نے تجھے اس کے مال پر مسلط کر دیا۔ وہاں سے ابلیس مڑا اور اس سرزمین میں آ گیا۔ پھر اس نے بڑے جنوں کو جمع کیا اور بڑے بڑے شیطانوں کو جمع کیا اور ان سب کو کہا کہ کیا تمہارے پاس کوئی طاقت ہے، ہمیں ایوب کے مال پر مسلط کیا گیا اور اس پر ایسی مصیبت جو فنا کر دینے والی ہے اور اس پر کوئی شخص صبر نہیں کر سکتا۔

عفریت جس کا تعلق شیطان سے تھا وہ کہنے لگا کہ مجھے اتنی قوت دی گئی ہے کہ اگر میں چاہوں تو آگ بن کر اس کا سب کچھ جلا دوں۔ ابلیس نے اس کو کہا کہ تم اس کے اونٹ اور اس کے چرواہوں کو لے آؤ، وہ اونٹوں کو لے آیا، جب ان اونٹوں کو بانداھا گیا اور لوگوں کو معلوم ہی نہیں ہوا کہ اچانک زمین کے نیچے سے آگ نکلی، اس آگ کے قریب کوئی نہیں جاسکتا تھا، جو بھی اس کے قریب جاتا آگ اس کو جلا ڈالتی۔ اس آگ نے باڑے کے اندر تمام اونٹوں کو جلا دیا۔ یہاں تک کہ آخری اونٹ بھی جل کر راکھ ہو گیا۔ پھر اللہ کا دشمن بری شکل لے کر آیا اور حضرت ایوب علیہ السلام کے گھر کے دروازے پر کھڑا ہو گیا، اس نے حضرت ایوب علیہ السلام کو نماز پڑھتے ہوئے پایا۔ اس نے کہا اے ایوب! (علیہ السلام) آگ آئی، اس نے تمہارے سارے اونٹوں کو گھیراؤ میں ڈالا اور سب کو جلا کر راکھ کر دیا۔ اس کے جواب میں حضرت ایوب علیہ السلام نے کہا ”الحمد لله الذي هو اعطاها وهو اخذها“ تمام تعریفیں اسی ذات کے لیے ہیں جس نے مجھے یہ مال عطا کیا اور اس کو لیا۔ اس کے علاوہ میں اور میرا مال بھی ایک دن فناء ہو جائے گا۔ اس پر ابلیس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے آگ نازل کی اس سے سب کچھ جل گیا اور اس نے لوگوں کو حیران زدہ چھوڑ دیا اور پھر ان لوگوں میں سے بعض کہنے لگے کہ (نعوذ باللہ) حضرت ایوب علیہ السلام جس کی عبادت کر رہے ہیں وہ دھوکہ ہی ہے اور ان میں سے بعض یہ کہتے کہ اگر ایوب علیہ السلام کا ہندا قادر ہوتا (نعوذ باللہ) تو وہ اس آگ سے ان کے مال کو بچاتا اور ان میں سے بعض یہ کہتے، یہ اس کے ساتھ ایسا اس لیے ہوا تا کہ اس کے دشمن ہنسیں اور اس کے دوست غمزدہ ہو جائیں۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے کہا کہ ”الحمد لله حين اعطاني وحين نزع مني“ تمام تعریفیں اس کے لیے ہیں جس نے مجھے یہ مال عطا کیا اور

جس نے مجھ سے چھینا۔ اس نے مجھے اپنی ماں کے پیٹ سے نکال پید کیا اور نکال قبر میں جاؤں گا اور نکال ہی قیامت کے دن اٹھایا جاؤں گا۔ یہ بات میرے لیے مناسب نہیں کہ وہ مجھے کوئی چیز عطا کرے تو میں خوش ہوں اور مجھ سے کوئی چیز چھین لیے تو میں صبر نہ کروں۔ اللہ ہی اس کو خوب بہتر جانتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اس بات کو جانتا ہے کہ بندے کے لیے کوئی چیز بہتر ہے تو اس کو ہمارے لیے خوشی کا سامان کر دیتا ہے اور جو وہ چاہتا ہے کہ یہ چیز میرے بندے کے لیے شر ہے وہ اس کو لے لیتا ہے۔

یہ سن کر اہلیس اپنے ساتھیوں کے پاس آیا، ذلیل و رسوا ہو کر، ان کو کہا کہ تمہارے ساتھ کیا قوت ہے، میں ایوب علیہ السلام کے دل کو تکلیف نہیں پہنچا سکا۔ عفریت نے کہا کہ میرے پاس ایک ایسی قوت ہے کہ میں اگر چیخ ماروں تو میری چیخ ذی روح میں سے جو بھی سن لے گا وہ مر جائے گا۔ اہلیس نے کہا کہ بھیڑ اور ان کے چرواہوں کو لے آؤ۔ پھر وہ چلا گیا اور ان کے درمیان پہنچ گیا اور اتنی زور دار چیخ ماری کہ سب ذی روح مر گئے حتیٰ کہ چرواہے بھی اس چیخ سے مر گئے۔ پھر اہلیس چرواہے کی شکل میں حضرت ایوب علیہ السلام کے پاس آیا، وہ نماز پڑھ رہے تھے، اس نے آپ علیہ السلام کو پہلے کی طرح کہا۔ پھر حضرت ایوب علیہ السلام نے پہلے کی طرح جواب دیا۔ پھر اہلیس اپنے ساتھیوں کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ بتاؤ!

تمہارے پاس کیا طاقت ہے میں تو اب بھی ایوب کے دل کو زخمی نہیں کر سکا۔ ایک خبیث جن کہنے لگا۔ اگر میں چاہوں تو آندھی بن سکتا ہوں جو ہر چیز کو اڑا کر لے جائے گی۔ اہلیس نے کہا تو بیلوں اور کھیتوں کے پاس جا، خبیث جن چلا گیا اور اچانک ایک طوفانی ہوا چلی اور ہر چیز کو اڑا کر لے گئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہاں کچھ تھا ہی نہیں۔ اس کے بعد اہلیس کھیتی باڑی کے ٹیجر کی شکل بنا کر حضرت ایوب علیہ السلام کے پاس آیا، آپ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے، اہلیس نے وہی پہلے والی بات کی اور آپ نے بھی وہی سابقہ کا جواب دے دیا اور مصیبت پر صبر کرنے پر اپنے دل کو جمالیا، آخر جب آپ کے پاس کسی طرح کا مال نہ رہا اور اہلیس نے آپ کا سارا مال تباہ کر دیا تو آسمان پر پھر گیا اور بارگاہ الہی میں عرض کیا، الہی! ایوب علیہ السلام جانتا ہے کہ جب آل و اولاد سے تو نے اس کو بہرہ اندوز کیا ہے تو مال بھی عنایت کر دے گا اس لیے مطمئن ہے کیا تو مجھے اس کی اولاد پر تسلط عطا فرما دے گا، یہ مصیبت ایسی ہے جس پر (بڑے بڑے) آدمیوں کے دل برقرار نہیں رہ سکتے۔ اللہ نے فرمایا (جا) میں نے تجھے ایوب علیہ السلام کی اولاد پر دمترس عطا کی، دشمن خدا چلا آیا۔

حضرت ایوب علیہ السلام کی اولاد ایک قصر کے اندر تھی۔ اہلیس نے اس قصر کے در و دیوار کو جھنجھوڑ ڈالا۔ دیواروں کو باہم نگر ادیا، لکڑیاں اور پتھر اوپر سے پھینکے، یہاں تک کہ جب سب لوگوں کو خوب زخمی کر دیا تو محل کو اٹھا کر الٹ دیا، سب لوگ سرنگوں ہو کر گر پڑے اور ہلاک ہو گئے۔ اس کے بعد بچوں کے اتالیق کی شکل بنا کر حضرت ایوب علیہ السلام کی خدمت میں پہنچا، خود بھی اس وقت زخمی تھا، چہرے پر خراشیں تھیں، خون بہہ رہا تھا، جا کر واقعہ کی اطلاع دی اور کہا اگر آپ وہ منظر دیکھ لیتے جب کہ آپ کے بچے سخت اذیتوں میں مبتلا ہوئے تھے خون بہہ رہا تھا اور دماغ بھی باہر نکلنے لگے تھے، پیٹ پھٹ گئے تھے، انتڑیاں کھری پڑی تھیں، اسی حالت میں قصر الٹ گیا اور سب اُلٹے ہو کر جاں بحق ہو گئے تو آپ کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا۔ اہلیس برابر اسی طرح

کے (دردناک) الفاظ کہتا رہا اور حضرت ایوب علیہ السلام سنتے رہے۔ آخر آپ کے دل میں رقت پیدا ہوئی اور رونے لگے اور ایک مٹی خاک اپنے سر پر ڈالی اور کہا کاش میں پیدا ہی نہ ہوا ہوتا۔ ابلیس نے اس بات کو غنیمت سمجھا اور ایوب علیہ السلام کی بے صبری کو دیکھ کر فوراً آسمان پر چڑھ گیا۔ ادھر حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنے الفاظ سے رجوع کر لیا اور توبہ واستغفار کی اور آپ علیہ السلام کی توبہ واستغفار کو ملائکہ لے کر ابلیس کے پہنچنے سے پہلے ہی چاہنچے اور بارگاہ الہی میں پیش کر دی، اللہ تو پہلے ہی بخوبی واقف تھا (ملائکہ کی پیشی بھی حسب الحکم ہو گئی) ابلیس ذلیل ہو گیا اور کہنے لگا۔ الہی تو نے ایوب علیہ السلام کو تندرستی دی ہے، جسمانی اذیت سے محفوظ رکھا ہے، وہ جانتا ہے کہ اس کی تندرستی ہے تو اللہ مال و اولاد اور عنایت کر دے گا۔ اس لیے مال و اولاد کی ہلاکت کا اس پر اثر نہیں پڑا تو مجھے اس کے جسم پر تسلط عطا کر دے گا (تو اس کا قدم ڈمگنا جائے گا) اللہ نے فرمایا، جا میں نے ایوب کے جسم پر تجھے تسلط عطا کیا لیکن زبان اور دل پر حیرت تسلط نہیں ہے، زبان و دل کے علاوہ باقی جسم کو تیرے زیر تسلط کر دیا گیا۔

اللہ نے ابلیس کو یہ تسلط صرف اس لیے عطا فرمایا تھا کہ ایوب علیہ السلام کے ثواب میں اضافہ ہو، مگر کرنے والوں کے لیے مثال ہو۔ ہر ڈکھ اور مصیبت پر صبر کرنے کی دوسروں کو تلقین ہو اور با امید ثواب ہر اذیت پر ان کو صبر ہو۔ اللہ کا دشمن اجازت پا کر فوراً آیا، ایوب علیہ السلام اس وقت سجدے میں تھے، سر اٹھانے نہ پائے تھے کہ ابلیس آ گیا اور چہرے کی طرف سے آ کر ناک کے سوراخ میں ایک پھونک ماری جس سے حضرت ایوب علیہ السلام کا جسم آگ کی طرح بھڑکنے لگا اور سر کی چوٹی سے پاؤں کی نوک تک ایسے ذمیل نکل آئے جیسے بکری کی کلیجی اور ان میں کھجلی پیدا ہو گئی۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے ناخنوں سے اس کو کھچانا شروع کیا یہاں تک کہ سب ناخن گر گئے، پھر کھر درے ٹاٹ سے کھچایا، ٹاٹ بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا، پھر نوک دار کھر درے ٹھیکروں اور پتھروں سے کھچایا اور اتنا کھچایا کہ گوشت کٹنے لگا۔ بودینے لگا ہر گناہ بستی والوں نے آپ کو بستی سے باہر نکال کر ایک کوڑے پر جھونپڑی بنا کر اس میں ڈال دیا اور سب نے چھوڑ دیا، صرف آپ کی بی بی رحمت بنت افرائیم بن یوسف بن یعقوب نے ساتھ دیا۔ بعض نے رحمت کو حضرت یوسف علیہ السلام ہی کی صاحبزادی کہا ہے۔ رحمت آپ کے پاس آتی رہیں اور آپ کی ضروریات فراہم کر کے لاتی رہیں۔ جب حضرت کے تینوں رفقاء اہل حق، یلد اور صافرنے حضرت ایوب علیہ السلام کی یہ اتلائی حالت دیکھی تو وہ بھی کنارہ کش ہو گئے اور (شرعی جرم کرنے کی) آپ پر ہمت لگائی مگر آپ کے دین کو نہیں چھوڑا۔ جب مصیبت بڑھ گئی تو ایک روز تینوں حضرات ان کے پاس آئے اور خوب سخت ست کہا اور کہنے لگے آپ کو اللہ کی طرف سے یہ گناہ کی سزا دی گئی، اللہ سے توبہ کیجئے۔

راوی کا بیان ہے ایک نوجوان مؤمن بھی ان تینوں کے ساتھ تھا۔ اس نے کہا اے عمر رسیدہ لوگو! آپ لوگ اپنی عمروں کی بیشی کی وجہ سے کلام کرنے کے زیادہ مستحق ہو لیکن آپ لوگوں نے جو کچھ کہا خیال کیا اور جو بات کی اس سے زیادہ اچھا کلام بہترین رائے اور مناسب ترین بات بھی پیش کر سکتے تھے مگر آپ نے ایسا نہیں کیا۔ حضرت ایوب کا تم پر حق ہے، ذمہ داری ہے، کیا تم کو معلوم ہے کہ تم نے کس کی توہین اور بے عزتی کی، وہ کیسی شخصیت ہے جس پر تم نے عیب تھوپے اور نکتہ چینی کی، کیا تم نہیں جانتے کہ وہ اللہ کا پیغمبر ہے، اس وقت تمام اہل ارض سے برگزیدہ اور اللہ کا منتخب بندہ ہے، پھر تم کو یہ بھی نہیں معلوم اور نہ

اللہ نے تم کو بتایا ہے کہ جب سے ایوب علیہ السلام کو پیغمبری ملی کبھی بھی اللہ نے اس کی کسی حرکت کو ناپسند کیا ہو یا جو عزت اس کو عطا فرمائی ہے اس کا کوئی حصہ چھین لیا ہو، نہ یہ کہہ سکتے ہو کہ اس وقت سے جب سے تم اس کے ساتھ ہوئے ہو کبھی بھی آج تک اس نے اللہ کے سلسلہ میں کوئی ناحق بات کہی جس (ڈکھ اور تکلیف) کو تم ایوب علیہ السلام کے لیے اپنے خیال میں باعث تذلیل و تحقیر سمجھتے ہو (وہ ایسا نہیں ہے) اللہ اپنے پیغمبروں، صدیقیوں، شہیدوں اور نیک لوگوں کو ڈکھ میں مبتلا کرنا چلا آیا ہے، اس کی طرف سے یہ ڈکھ اور امتحان اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ وہ اس طبقہ سے ناراض ہے نہ اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اللہ کی نظر میں یہ لوگ ذلیل ہو گئے بلکہ یہ امر تو ان کے لیے مزید عزت افزائی اور فضیلت ہے۔

اور بالفرض اگر ایوب علیہ السلام اللہ کے نزدیک اس مرتبہ پر نہیں بھی ہوں تب بھی وہ تمہارے بھائی تو ہیں، تم نے ان کے ساتھ رہ کر ان سے برادری کی ہے (مطلب یہ ہے کہ اگر تم ان کو پیغمبر نہیں مانتے تو دوست ہی سمجھو، مدت تک تم ان کے ساتھ رہے ہو) اور کسی دانش مند کے لیے جائز نہیں کہ اپنے دوست سے اس کی مصیبت کے وقت کنارہ کش ہو جائے یا اس کو لعنت و ملامت کرے، وہ تو خود غم رسیدہ اور دکھی ہے اس پر نکتہ چینی کرنی اور نکتہ چینی بھی وہ جس کا علم عار دلانے والے کو نہیں، کسی طرح درست نہیں۔ مناسب تو یہ ہے کہ اس سے ہمدردی کی جائے، اس کے رونے میں شرکت کی جائے، اس کے لیے دُعاے مغفرت کی جائے اور جو تہمیریں اس کے معاملے کو درست کرنے والی ہیں وہ بتائی جائیں۔ دانش مند اور ہدایت یافتہ وہ شخص نہیں جو ان باتوں سے ناواقف ہو۔

سن رسیدہ بزرگو! اللہ کی عظمت و جلال کا مطالعہ اور موت کی یاد تمہاری زبانوں کو کاٹ دیتی ہے اور دلوں کو پارہ پارہ کر دیتی ہے، کیا تم کو معلوم نہیں کہ اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں جو بڑے فصیح اللسان، بلیغ البیان، دانش مند اور عالم ہیں نہ گوئیں کہ ان سے بیان سے عاجز، اس کے باوجود اللہ کے خوف نے ان کو خاموش کر دیا ہے۔ جب وہ اللہ کی عظمت کا ذکر کرتے ہیں تو ان کی زبانیں (ماسوا کے تذکرے سے) کٹ جاتی ہیں، روٹ گئے کھڑے ہو جاتے ہیں، دل پارہ پارہ ہو جاتے ہیں اور ہوش و حواس پراں ہو جاتے ہیں اور یہ سب کچھ اللہ کی عظمت کو دیکھنے اور جلال الہی کا مشاہدہ کرنے کے وقت ہوتا ہے لیکن جب (ان کو ہوش آتا ہے اور) استقامت حال نصیب ہوتی ہے تو اس وقت وہ اپنے پاکیزہ اعمال کے ساتھ اللہ کی طرف دوڑتے ہیں مگر اپنا شمار خطا داروں اور ظالموں کے ساتھ کرتے ہیں وہ خود ابرار اور گناہوں سے پاک ہوتے ہیں لیکن قصور داروں اور گنہگاروں کے ساتھ ہوتے ہیں۔ یہی لوگ بڑے دانش مند اور اصحاب قوت ہیں۔

حضرت ایوب علیہ السلام نے اس نوجوان کی یہ تقریریں سن کر فرمایا، اللہ چھوٹے بڑے کے دل میں اپنی رحمت سے حکمت کی حکم پاشی کرتا ہے، پھر دل میں پودا پیدا ہوتا ہے تو زبان پر اللہ اس کو ظاہر فرما دیتا ہے، حکمت کا مدار نہ طول عمر اور بڑھاپے پر ہے نہ تجربے کی فراوانی پر، اگر اللہ کسی کو بچپن میں ہی باحکمت بنا دیتا ہے تو اس کا مرتبہ دوسرے حکماء کے نزدیک کم نہیں ہوتا۔ اہل حکمت جانتے ہیں کہ نور عزت خدا داد ہے اس کے بعد حضرت ایوب علیہ السلام نے ساتھیوں کی طرف سے منہ پھیر لیا اور اپنے رب کی طرف رُخ کر کے فریاد و زاری میں مشغول ہوئے۔ عرض کیا اے میرے رب! تو نے مجھے کس لیے پیدا کیا، کاش تو نے مجھے پیدا

نہ کیا ہوتا، اے کاش! مجھے معلوم ہو جاتا کہ مجھ سے کون سی خطا ہو گئی اور میں نے کون سا ایسا کام کیا جس کی وجہ سے تو نے اپنا مبارک رُخ میری طرف سے پھیر لیا۔ اگر میں نے کوئی گناہ کیا تو مجھے مار ڈالتا اور میرے آباء و اجداد کے ساتھ مجھے ملا دیتا، موت ہی میرے لیے زیادہ مناسب تھی، کیا میں مسافروں کے لیے قیام گاہ اور مسکینوں کے لیے قراقرگاہ نہیں بنا ہوا تھا؟

کیا میں یتیموں کا والی اور یتیموں کا سرپرست نہیں تھا؟ الہی میں تیرا بندہ ہوں، اگر تو مجھ سے بھلائی کرے گا تو تیرا احسان ہے اور اگر میرے ساتھ برائی کرے گا تو مجھے سزا دینے کا تجھے اختیار ہے تو نے مجھے مصیبتوں کی آماجگاہ اور دکھوں کا نشانہ بنا دیا، مجھ پر ایسی مصیبت پڑی ہے کہ اگر تو پہاڑ پر ڈال دیتا تو وہ بھی نہ اٹھا سکتا، پھر میری کمزوری اس کو کیسے برداشت کر سکتی ہے؟ تیرے قطعی حکم نے مجھے ذلیل کر دیا اور تیری ہی حکومت نے مجھے بد حال بنا دیا اور میرے جسم کو ڈبلا کر دیا۔ اگر میرا رب اپنی ہیبت کو نکال دے جو میرے دل میں ہے اور میری زبان کو رواں کر دے کہ میں منہ بھر کر بول سکوں، پھر یہ مناسب بھی ہو کہ بندہ اپنی طرف سے حجت پیش کر سکے تو امید ہے کہ جو مصیبت مجھ پر ہے اس سے مجھے بچاؤ عطا کر دے گا لیکن وہ تو مجھ سے بہت بالا و اعلیٰ ہے، وہ مجھے دیکھتا ہے، میں اسے نہیں دیکھتا، وہ میری بات سنتا ہے، میں اس کی آواز نہیں سنتا، اس کی نظر (عنایت) میری طرف نہیں، نہ وہ مجھ پر رحم کرتا ہے نہ مجھ سے قریب ہے نہ مجھے اپنے قریب کرتا ہے کہ میں اپنا عذر پیش کر سکوں اور اپنی برأت کی بات کر سکوں اور اپنا دفاع کر سکوں۔

حضرت ایوب علیہ السلام اتنی ہی بات کرنے پائے تھے اور آپ کے ساتھی آپ کے پاس ہی بیٹھے تھے کہ یکدم ایک بادل چھا گیا، ساتھیوں نے خیال کیا کہ اس کے اندر کوئی عذاب آیا لیکن اس کے اندر سے آواز آئی اے ایوب! اللہ فرماتا ہے میں تیرے قریب ہوں اور ہمیشہ سے تیرے قریب ہی رہا، اٹھ اپنا عذر پیش کر اور اپنی برأت کی بات کر اور اپنی طرف سے دفاع کر اور کمر کس کر اٹھ کھڑا ہو اور اس مقام پر کھڑا ہو جس مقام پر کوئی طاقت ور کھڑا ہو کر دوسرے طاقتور کا دفاع کرتا ہے۔ اگر تجھ سے ہو سکے۔ مجھ سے وہی جھگڑا کر سکتا ہے جو مجھ جیسا ہو، اے ایوب! تیرے نفس نے تجھے آرزو مند بنا دیا ہے کہ تو اپنی قوت سے اپنے مقصد کو پہنچ جائے گا تو کہاں تھا جس روز میں نے زمین کو پیدا کیا اور اس کی بنیاد پر اس کو قائم کیا، کیا تو میرے ساتھ زمین کے کناروں کو پھیلا رہا تھا؟ کیا تو واقف ہے کہ میں نے کس انداز سے اس کو بنایا؟ کس چیز پر اس کے اطراف کو قائم کیا؟ کیا تیری اطاعت کر کے پانی نے زمین کو اٹھایا ہے کیا تیری حکمت سے زمین پانی کا سرپوش بنی ہوئی ہے؟ تو اس روز کہاں تھا جب میں نے آسمان کو چھت کی شکل میں ہوا میں بلند کیا تھا نہ اوپر سے کوئی رسی ہے کہ آسمان سے بندھا لٹک رہا ہو، نہ نیچے سے ستون اس کو اٹھائے ہوئے ہیں، کیا تو اپنی حکمت سے اس مقام تک پہنچ سکتا ہے کہ آسمان کے نور کو بہا دے یا ستاروں کو چلا دے؟ کیا تیرے حکم سے رات و دن کا ادل بدل ہو رہا ہے؟ جس روز دریاؤں کے فوارے میں نے (زمین سے) نکالے تھے اور سمندروں کو ان کی حدود میں بند کیا تھا تو کہاں تھا؟ کیا تیری قوت سے سمندروں کی لہریں ان کی حدود کے اندر روکی گئی ہیں؟ یا مدتِ صل ختم ہونے پر رحم کا منہ تو کھولتا ہے؟ جب میں نے پانی کو خاک پر روکا تھا اور اونچے پہاڑ پر پائے تھے تو کہاں تھا؟ کیا تجھے علم ہے کہ کس چیز پر میں نے پہاڑوں کو برپا کیا ہے؟ یا کس توازن سے ان کو قائم کیا ہے، کیا تیرے پاس ایسی کلاسیاں ہیں جو ان کا بوجھ اٹھا

سکیں؟ کیا تو جانتا ہے کہ جو پانی میں آسمان سے اُتارتا ہوں وہ کہاں سے آتا ہے؟ کس چیز سے بادل پیدا ہوتا ہے؟ برف کا خزانہ کہاں ہے؟ اولوں کے پہاڑ کہاں ہیں؟ دن کے اندر رات کا خزانہ کہاں ہے؟ اور رات میں دن کا خزانہ کہاں رہتا ہے اور ہواؤں کا خزانہ کہاں ہے؟ درخت کس زبان میں باتیں کرتے ہیں؟ کس نے انسان کے جوف (سینہ یا پیٹ یا سر) میں عقل پیدا کی اور کس نے کانوں اور آنکھوں کو یہ شکاف بنائے؟ فرشتے کس کے اقتدار کے مطیع ہیں اور کس نے اپنی قہاری طاقت سے سب طاقتوروں کو مغلوب کر رکھا ہے اور کس نے اپنی حکمت سے رزق کی تقسیم کی ہے۔ اللہ نے اسی طرح کے کلام میں اپنی آخِر قدرت کا بکثرت اظہار فرمایا۔

## ایوب علیہ السلام کا بارگاہ الہی میں دعا

ایوب علیہ السلام نے عرض کیا، الہی جو تفصیل تو نے بیان فرمائی اس کو سمجھنے (اور جواب دینے) سے (میری حالت اور) میرا مرتبہ حقیر ہے۔ میری زبان گنگ ہو گئی، میری عقل اور دانش کند ہو گئی اور میری قوت کمزور پڑ گئی۔ اے میرے معبود! میں جانتا ہوں کہ جو کچھ تو نے بیان فرمایا، وہ تیرے ہی دست قدرت کی کارگیری اور تیری ہی حکمت کی تدبیر کا نتیجہ ہے بلکہ تیری تدبیر حکمت و صنعت اور قدرت اس سے بھی بڑی ہے، کوئی چیز تجھے بے بس نہیں کر سکتی، کوئی چیز تجھ سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی، میرے معبود مجھ پر ڈکھ ایسے پڑے کہ میں بے قابو ہو کر بول پڑا، مصیبت نے ہی میری زبان چلا دی۔ کاش! زمین پھٹ جاتی اور میں اس میں سما جاتا اور ایسی بات اپنے رب کی شان میں نہ کہتا جو میرے رب کی ناراضگی کا باعث ہوتی۔ کاش! اس سے پہلے ہی سخت ترین ڈکھ سے پیدا ہونے والے غم کی وجہ سے میں مر چکا ہوتا۔ میں نے جو کچھ زبان سے نکالا وہ اس لیے نکالا کہ تو میری معذرت قبول فرما لے اور خاموش رہا تو اس لیے کہ تجھے مجھ پر رحم آ جائے۔ میری زبان سے غلطی سے ایک بات نکل گئی دوبارہ ہرگز ایسا نہیں کروں گا۔ میں نے اپنا ہاتھ اپنے منہ پر رکھ لیا ہے اور اداؤں کے نیچے زبان دہالی ہے اور چہرے پر خاک مل لی ہے۔ آج میں تیرے عذاب سے تیری ہی پناہ چاہتا ہوں اور سخت دکھ سے تیرے ہی جوار رحمت کا خواستگار ہوں، مجھے اپنی پناہ میں لے لے۔

میں تیری سزا سے محفوظ رہنے کے لیے تجھ سے ہی فریاد کرتا ہوں۔ میری فریاد رسی فرما، میں تیری ہی مدد کا طلب گار ہوں، میری مدد کر، میں تجھی پر بھروسہ رکھتا ہوں، میرا کام پورا فرما دے، میں تیرے ہی ذریعہ سے بچاؤ کا خواہاں ہوں، مجھے اپنی حفاظت میں لے لے، میں تجھ سے اپنے قصور کی معافی چاہتا ہوں، مجھے معاف فرما دے، میں آئندہ ہرگز کوئی ایسی بات نہیں کروں گا جو تیری مرضی کے خلاف ہو۔

## اللہ تعالیٰ کی طرف سے دُعا کی قبولیت اور خوشخبری

اللہ نے ایوب علیہ السلام سے فرمایا، تیرے بارے میں میرا علم (پہلے ہی) نافذ ہو چکا تھا اور میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے، میں نے تیرا قصور معاف کیا، تیرے اہل و عیال اور مال کی واپسی کا حکم دے دیا بلکہ جتنا تیرے پاس تھا اتنا ہی مزید



تجھے دے دیا تاکہ پیچھے آنے والوں کے لیے قدرت کی نشانی مصیبت زدہ لوگوں کے لیے عبرت اور صبر کرنے والوں کے لیے باعث عزت ہو جائے، اپنی ایڑی زمین پر مار (دیکھ) یہ ٹھنڈا پینے کا اور نہانے کا پانی ہے، اس میں تیری شفا ہے۔ اپنے ساتھیوں کی طرف سے قربانی پیش کر اور ان کے لیے دُعا سے مغفرت کر، انہوں نے تیرے متعلق میری نافرمانی کی ہے (یعنی تیرے متعلق برا خیال قائم کیا اور تجھے چھوڑ کر چلے گئے) حسبِ الحکمِ ایوب علیہ السلام نے زمین پر اپنی ایڑی ماری، فوراً ایک چشمہ پھوٹ نکلا، ایوب علیہ السلام نے اس میں گھس کر غسل کیا اور فوراً ہی اللہ نے سارے دُکھ دور کر دیئے، آپ چشمہ سے نکل کر آ کر بیٹھ گئے، اتنے میں سامنے سے آپ کی بی بی آگئی اور ایوب علیہ السلام جہاں پہلے پڑے تھے وہاں آپ کو تلاش کرنے لگی اور جگہ خالی پا کر تعجب و یوانی ہو کر ادھر ادھر ڈھونڈنے لگی۔ آخر ایک آدی کو بیٹھا دیکھ کر حضرت ایوب علیہ السلام سے ہی پوچھنے لگی، اللہ کے بندے اتم کو اس بیمار کا کچھ پتہ ہے جو یہاں پڑا ہوا تھا، ایوب علیہ السلام نے جواب دیا جی ہاں (میں اس کو پہچانتا ہوں) نہ پہچاننے کی کوئی وجہ نہیں، یہ کہہ کر آپ مسکرائیے اور فرمایا وہ میں ہی تو ہوں ہنسنے سے بی بی نے پہچان لیا اور (دوڑ کر) گلے لگ گئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا، قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں عبد اللہ (بن عباس) کی جان ہے، بی بی ایوب علیہ السلام کے گلے سے اس وقت تک لپٹی رہی کہ سارے موشی اور اولاد (جو فنا ہو چکی تھی دوبارہ زندہ ہو کر) ان کے سامنے سے گزر گئی۔ اس کا تذکرہ آیت ذیل میں ہے۔

۳۳ "وایوب اذ نادى ربه انى مسنى الضر" وقت ندا میں آئمہ کا اختلاف ہے۔ پکارنے کا سبب یہی تھا کہ ان کو تکلیف پہنچی اور اس کی مدت تکلیف میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔

## حضرت ایوب علیہ السلام نے کتنے عرصے بعد دُعا کی

ابن شہاب نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام اس آزمائش میں آٹھ سال تک رہے۔ وہب کا بیان ہے کہ پورے تین سال جتلا رہے۔ ایک دن بھی زاند نہیں ہوا۔ کعب احبار کے نزدیک حضرت ایوب علیہ السلام سات سال آزمائش میں جتلا رہے۔ حسن بصری کے نزدیک حضرت ایوب علیہ السلام سات سال اور چند ماہ بنی اسرائیل کے کوڑے پر پڑے رہے، آپ کے بدن میں کیڑے ریگتے تھے۔ سوائے بی بی رحمت کے کوئی پاس بھی نہیں جاتا تھا۔ صرف رحمت آپ کے ساتھ جمی رہیں، آپ کے لیے کھانا لاتی تھیں اور جب ایوب علیہ السلام اللہ کی حمد کرتے تھے تو بی بی بھی حمد میں شریک ہوتی تھی، اس حالت میں بھی ایوب علیہ السلام ذکر خدا میں مشغول رہتے تھے۔ اہلبیس یہ بات دیکھ کر حیرت اور اطراف زمین سے اپنے تمام لاؤ لٹکھ کر بلا کر جمع کر کے کہنے لگا، مجھے تو اس بندے نے عاجز کر دیا ہے نہ میں نے اس کا مال چھوڑا نہ اولاد۔ اس حالت میں بھی یہ صبر کرتا رہا بلکہ پہلے سے زیادہ اس نے صبر کا اظہار کیا، پھر مجھے اس کے بدن پر بھی اختیار مل گیا تو میں نے اس کے بدن کو پھوڑا بنا کر چھوڑ دیا کہ یہ کوڑے پر پڑا رہتا ہے اور سوائے اس کی بیوی کے اس کے پاس بھی نہیں پھٹکتا ہے۔ اب میں تم سے فریاد کرتا ہوں تم ہی میری مدد کرو، اب میں کیا کروں؟ اہلبیس کے ساتھیوں نے کہا وہ تدبیر کیا ہوئی جس کی وجہ سے آپ

نے گزشتہ لوگوں کو برباد کر کے چھوڑا۔ ابلیس نے کہا وہ ساری تدبیریں بیکار گئیں، مجھے کچھ اور مشورہ دو، ساتھیوں نے کہا آدم علیہ السلام تک آپ کی رسائی کیسے ہوئی تھی کہ آپ نے اس کو جنت سے نکال دیا ہے۔ ابلیس نے کہا میں نے اس کی عورت کا ذریعہ اختیار کیا تھا، ساتھیوں نے کہا تو اب بھی ایوب علیہ السلام کے سلسلے میں اس کی عورت کے ذریعے سے کچھ تدبیر کیجئے، ایوب علیہ السلام بیوی کے خلاف کچھ نہیں کر سکے گا اور بیوی کے علاوہ کوئی اور اس کے پاس جاتا نہیں ہے۔ ابلیس نے کہا کہ تمہارا مشورہ ٹھیک ہے، اس کے بعد ابلیس حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی کے پاس پہنچا اور مردکی شکل میں ان کے سامنے جا کھڑا ہوا اور دریافت کیا، اللہ کی بندی تیرا شوہر کہاں ہے؟ بیوی نے کہا وہ یہی تو ہیں جو اپنے پھوڑوں سے خارش کر رہے ہیں اور ان کے بدن پر کیڑے ریگ رہے ہیں، شیطان نے بی بی کے منہ سے یہ بات سنی تو اس کو اُمید ہوئی، اس نے خیال کیا کہ شاید یہ الفاظ بے صبری کے ہوں۔ چنانچہ انھوں نے طور پر ان کی بیوی کو وہ دور یاد دلا یا جس سے وہ گزر چکی تھی، مویشیوں کا اور مال کا تذکرہ اور حضرت ایوب علیہ السلام کے گزشتہ شباب کا تذکرہ کیا اور موجودہ ڈکھ اور تکلیف کا بھی بیان کیا اور یہ بھی کہا کہ یہ ڈکھ کبھی ختم ہونے والا نہیں ہے۔

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ یہ سن کر بی بی چیخ پڑی، ان کی چیخ سن کر ابلیس سمجھ گیا کہ اب اس عورت کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ چنانچہ اس نے ایک بکری کا بچہ بی بی کو لاکر دیا اور کہا کہ ایوب علیہ السلام کو چاہیے کہ اس بچے کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کر دے، اس طرح وہ تندرست ہو جائے گا۔ بی بی حضرت ایوب علیہ السلام کی طرف لوٹیں اور چیخنی ہوئی آئی۔ ایوب علیہ السلام کب تک آپ کا رب آپ کو ڈکھ دیتا رہے گا، مال کہاں گیا، اولاد کہاں گئی، دوست کہاں گئے؟ آپ کا خوب صورت رنگ کیا ہوا، آپ کا حسین جسم کہاں چلا گیا؟ بکری کے اس بچے کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کر دیجئے؟ یہ ڈکھ جاتا رہے گا، آپ آرام سے ہو جائیں گے۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے فرمایا، دشمن خدا تیرے پاس جا پہنچا اور تیرے اندر اس نے پھونک مار دی، تیرا براہویہ تو بتا کہ جس مال مویشی، اولاد اور صحت پر تو رو رہی ہے وہ کس نے دی تھی؟ بی بی نے کہا اللہ نے، ایوب علیہ السلام نے کہا اور کتنے زمانے تک ہم مزے اڑاتے رہے؟ بی بی نے کہا اتنی برس تک، ایوب علیہ السلام نے کہا اب کتنے زمانے سے ہم پر یہ مصیبت پڑی ہے۔ بی بی نے کہا سات برس اور چند ماہ سے۔ ایوب علیہ السلام نے کہا تو کیا یہ تیرے انصاف کی بات ہوئی، اگر تو اتنی برس تک مصیبت نہ جھیلے جس طرح ہم اتنی برس تک راحت سے بہرہ اندوز رہے، اگر اللہ نے مجھے شفا دے دی تو میں خدا کی قسم! تجھے سوتا زیا نے ماروں گا تو مجھے مشورہ دے رہی ہے کہ میں اللہ کے سوا دوسروں کے نام پر ذبح کروں تو جو کھا نا پینا لے کر آئی مجھ پر حرام ہے اور آئندہ جو کچھ تولے کر آئے گی اس کو چکھنا بھی میرے لیے حرام ہے، میرے پاس سے تو الگ ہو جا، مجھے صورت نہ دکھا۔ غرض ایوب علیہ السلام نے بی بی کو نکال دیا اور وہ چلی گئی۔ اس کے بعد جب حضرت ایوب علیہ السلام نے دیکھا کہ اب تو میرے پاس نہ تو کچھ کھانے کو ہے، نہ پینے کو، نہ میرا کوئی دوست ہے تو سجدہ میں گر پڑے اور دُعا کی اسے میرے رب! مجھے ڈکھ لگ گیا۔

”وانت ارحم الراحمین“ ان سے کہا گیا کہ آپ اپنا مبارک اٹھائیں۔ اللہ نے آپ کی دُعا قبول کر لی۔ آپ اپنا پاؤں زمین پر ماریں، آپ نے اپنا پاؤں زمین پر مارا، اس سے چشمہ پیدا ہوا، حکم ہوا کہ اس چشمے سے غسل فرمائیں۔ غسل کرتے ہی آپ کی ظاہری

بیماری ختم ہوگئی اور جوانی واپس لوٹ آئی اور اسی طرح خوبصورت ہو گئے۔ پھر دوسرے پاؤں سے زمین پر مارا تو دوسرا چشمہ اُگل پڑا۔ اس سے انہوں نے پیا تو کوئی بیماری باقی نہیں رہی اور آپ علیہ السلام صحیح سلامت کھڑے رہے اور اس کے بعد آپ نے لباس زیب تن کیا اور دائیں بائیں گردن موڑ کر دیکھا تو وہ تمام مال و اولاد جو پہلے ان کے پاس تھی سب موجود پائی بلکہ اللہ نے اس کو ڈگنا کر دیا۔ دولت کی کثرت اتنی ہوگئی کہ جس پانی سے آپ غسل کر رہے تھے اس کی پھینچیں جب سینے پر پڑیں تو وہ سونے کی ٹڈیاں بن گئیں اور حضرت ایوب علیہ السلام ان کو پکڑنے کے لیے ہاتھ مارنے لگے، اللہ نے وحی بھیجی، ایوب کیا میں نے تجھے اس سے مستغنی نہیں کر دیا، آپ علیہ السلام نے عرض کیا، بے شک تو نے مجھے غنی بنا دیا لیکن یہ تو تیری مزید عنایت ہے اور مزید رحمت سے کون سیر ہو سکتا ہے۔

پھر آپ علیہ السلام وہاں سے جا کر ایک بلند مقام پر بیٹھ گئے۔ ادھر بیوی نے اپنے دل میں سوچا کہ اگر ایوب علیہ السلام نے مجھے نکال ہی دیا ہے تو پھر بھی میں کس کے بھروسے پر اس کو چھوڑ سکتی ہوں۔ یوں وہ بھوکے مرجائیں گے اور ان کو درندے کھا جائیں گے۔ یہ سوچ کر بیوی لوٹ آئی تو وہاں نہ کوڑا ملا اور نہ ہی گزشتہ حالت کا نشان، سب اشیاء بدل گئی تھیں۔ جہاں پہلے کوڑا تھا بیماری چکر کاٹنے اور رونے لگی۔ یہ سب واقعہ حضرت ایوب علیہ السلام کے سامنے ہوا اور چونکہ آپ اچھا لباس پہنتے تھے اس لیے وہ بی بی آپ کے پاس آ کر پوچھنے سے ڈر رہی تھی۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے خود ہی اس کو بلایا اور دریافت کیا، اللہ کی بندی تیرا کیا مقصد ہے؟ بی بی رونے لگی اور کہا یہاں کوڑے پر ایک بیمار پڑا تھا، مجھے اس کی تلاش ہے، معلوم نہیں کہ وہ مر گیا یا کیا اس کو واقعہ پیش آیا۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے پوچھا وہ تمہارا کیا تھا؟ بی بی نے رو کر کہا وہ میرا شوہر تھا۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے کہا کہ اگر اس کو تو دیکھ لے تو پہچان لے گی؟ بیوی نے کہا کوئی بھی ایسا نہیں جس نے اس کو دیکھا ہو اور پہچانا نہ ہو، پھر ڈرتے ڈرتے وہ آپ کو تکنے لگی اور کہا جب وہ تندرست تھا تو نقشہ میں آپ کے ساتھ بہت مشابہ تھا۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے فرمایا، میں ہی ایوب ہوں جس کو تو نے ابلیس کے نام پر قربانی کرنے کا مشورہ دیا تھا لیکن میں نے اللہ کا حکم مانا اور شیطان کا کہا نہ مانا، میں نے اللہ سے دُعا کی، اس نے مجھے وہ سب چیزیں لوٹا کر دے دیں جو تیری نظر کے سامنے ہیں۔

وہب کا بیان ہے ایوب علیہ السلام برسوں دکھ میں رہے اور ابلیس پر غالب آئے اور شیطان ان پر بالکل قابو نہ پاسکا تو ایک گھوڑے پر سوار ہو کر حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی کے راستہ میں آکھڑا ہوا، ظاہری شکل آدمی کی بنائی تھی لیکن عجیب ہیبت تھی۔ دوسرے آدمیوں سے جسم، قد اور حسن کے لحاظ سے بالکل ممتاز تھا اور گھوڑے کی جسامت نظر فریبی اور اعضاء کی مکمل ساخت بھی دوسرے گھوڑوں سے اعلیٰ تھی۔ جب حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی ادھر سے گزری تو شیطان نے اس سے کہا کیا تم اس دکھی ایوب کی بیوی ہو؟ بیوی نے کہا ہاں شیطان نے کہا کیا تم مجھے پہچانتی ہو، بیوی نے کہا نہیں، شیطان نے کہا میں زمین کا دیوتا ہوں، میں نے ہی ایوب علیہ السلام کا یہ حال کر رکھا ہے کیونکہ اس نے مجھے چھوڑ کر آسمان کے خدا کی پوجا کی تھی اور مجھے ناراض کر دیا تھا، اب بھی اگر وہ مجھے ایک سجدہ بھی کر لے تو میں نے ایوب کا جو مال و اولاد لے لی ہے وہ تم دونوں کو لوٹا دوں گا، وہ سب چیزیں میرے پاس موجود ہیں۔ یہ کہہ کر شیطان نے وادی کے اندر عورت کو تھما دیا اور دکھا دیئے جو مر چکے تھے۔ وہب کا

بیان ہے میں نے یہ بھی سنا ہے کہ ابلیس نے زوجہ ایوب سے یہ بھی کہا کہ اگر تیرا آدمی بغیر بسم اللہ کے کھانا کھالے گا تو اس کو تندرست کر دیا جائے گا اور جس مرض میں وہ مبتلا ہے وہ ڈکھ دور کرویا جائے گا۔

## ابلیس کا حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی کے پاس آنے کا واقعہ

بعض کتابوں میں آیا ہے کہ ابلیس نے عورت سے کہا تھا تو مجھے ایک سجدہ کر لے، میں تیرا مال و اولاد واپس کر دوں گا اور تیرے شوہر کو بھلا چنگا بنا دوں گا۔ عورت نے واپس آ کر حضرت ایوب علیہ السلام کو اس بات کی اطلاع دی۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے فرمایا، وہ دشمن خدا تیرے پاس دین سے بہکانے کے لیے آ پہنچا۔ پھر آپ نے قسم کھائی کہ اگر اللہ مجھے تندرست کر دے گا تو میں سوتا زیا نے تیرے ماروں گا۔ جب آپ نے دیکھا کہ ابلیس کو اب یہ خیال ہو چکا ہے کہ آپ کی بیوی اس کو سجدہ کر لے گی اور اس نے بیوی کو اور مجھ کو کفر کی دعوت دینے کی جرأت کی ہے اس وقت آپ نے دعا کی ”زَبَّ اِنِّیْ مَسْنِیَ الضُّرُّ“ چونکہ آپ کی بی بی رحمت نے مصیبت میں آپ کا ساتھ دیا اور صبر کیا، اس لیے اللہ نے اس پر رحمت فرمائی اور اس کے لیے حکم میں تخفیف کر دی اور حضرت ایوب علیہ السلام کو قسم پوری کرنے کی یہ تدبیر بتادی کہ (سوشاخوں کا) ایک گٹھالے کر ایک دم رحمت کے مار دو، اس طرح تمہاری قسم پوری ہو جائے گی۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے حکم کی تعمیل کی چھوٹی چھوٹی سوشاخوں کا ایک گٹھا بنا کر بیوی کے ایک مرتبہ مار دیا۔ ”وَ خذ بیدک ضغفًا فاضرب به ولا تحنث“

بعض روایات میں آیا ہے کہ ابلیس ایک صندوقچے میں دوائیں بھر کر (طیب کی ہیئت بنا کر) حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی کے راستہ میں آکھڑا ہوا۔ بی بی ادھر سے گزری اور طیب کو دیکھا تو اس سے کہا میرا ایک بیمار ہے، کیا تم اس کا علاج کر دو گے۔ ابلیس نے کہا ہاں علاج کر دوں گا اور اس کے سوا اور کسی معاوضہ کا طلبگار بھی نہیں ہوں گا کہ جب میں اس کو تندرست کر دوں تو اتنا کہہ دے کہ تم نے مجھے صحت مند کر دیا۔ بیوی نے جا کر حضرت ایوب علیہ السلام سے اس بات کا تذکرہ کیا۔ آپ نے فرمایا وہ ابلیس ہے جس نے تجھے فریب دیا ہے، میں قسم کھاتا ہوں کہ اگر اللہ نے مجھے شفا عطا فرمادی تو میں تیرے سوتلیجاں ماروں گا۔

وہب وغیرہ کا بیان ہے کہ ایوب علیہ السلام کی بیوی کچھ محنت مزدوری کر کے ایوب علیہ السلام کے لیے کھانا لے آتی تھی۔ جب ایوب علیہ السلام کا ڈکھ اور بڑھ گیا تو لوگوں نے آپ کی بیوی کو برا بھلا کہنا شروع کیا اور ایک روز تو یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ کسی نے اس کو کام پر لگایا ہی نہیں، دن بھر اس نے کام کی تلاش کی مگر کوئی کام نہیں ملا، مجبوراً اس نے اپنے سر کے بالوں کی ایک لٹ کاٹ کر ایک روٹی کے عوض اس کو بیچ ڈالا۔ روٹی لے کر ایوب علیہ السلام کے پاس آئی تو آپ نے پوچھا، سر کی لٹ کیا ہوئی؟ بی بی نے واقعہ بیان کر دیا، اس وقت آپ نے کہا ”مَسْنِیَ الضُّرُّ“ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آپ نے یہ الفاظ اس وقت کہے تھے، جب زخموں کے کیڑے آپ کے دل اور زبان کی طرف جانے لگے تھے، آپ کو اندیشہ ہوا کہ اگر ایسا ہو گیا تو میں اللہ کے ذکر و فکر سے بھی جاؤں گا۔

حبيب بن ثابت نے کہا جب تین باتیں حضرت ایوب علیہ السلام کے سامنے آگئیں۔ اس وقت مجبوراً آپ نے ”مَسْنِيّ الضُّرِّ“ کہا۔ ① حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری کی اطلاع پا کر آپ کے دو دوست آئے اور دیکھا کہ آپ کی آنکھیں جاتی رہی ہیں اور عام حال بھی برا ہے، کہنے لگے، اگر اللہ کے ہاں تمہارا کچھ بھی مرتبہ ہوتا تو یہ دُکھ تم کو نہ پہنچتا۔

② بیوی نے آپ کے لیے کھانا تلاش کیا لیکن قیمت موجود نہ ہونے کی وجہ سے میسر نہ آیا، مجبوراً اپنا ایک گیسو کاٹ کر (فروخت کر کے اس کی قیمت سے) کھانا لے کر آئی اور آپ کو کھلایا۔ ③ اہلیس نے کہا تھا کہ میں ایوب علیہ السلام کا علاج کروں گا۔ شرط یہ ہے کہ شفاء پانے کے بعد وہ یہ اقرار کر لے کہ تو نے مجھے تندرست کر دیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اہلیس نے حضرت ایوب علیہ السلام کے دل میں وسوسہ ڈالا کہ (شاید) بیوی نے حرام زنا کیا اور گیسو کاٹ دیا اور اس وسوسہ کے پیدا ہونے پر آپ کے لیے صبر کرنا مشکل ہو گیا اور بیوی کو بلا کر قسم کہا کہ میں تیرے سوتا زیا نے ماروں گا اور پھر دُعا کی۔

”مَسْنِيّ الضُّرِّ“ کا مطلب بعض علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ دشمنوں کی شامت کا مجھے دُکھ لگ گیا ہے۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ تندرست ہو جانے کے بعد جب آپ سے دریافت کیا گیا کہ مصیبت کے زمانے میں سب سے بڑھ کر تکلیف دہ چیز آپ کے لیے کیا تھی، فرمایا میرے دُکھ پر دشمنوں کا خوش ہونا۔ بعض اقوال میں آیا ہے کہ ایک کیزران سے نیچے گر گیا، آپ نے اس کو اٹھا کر پھر اس کی جگہ (ران میں) رکھ دیا اور فرمایا کیا مجھے اللہ نے تیری غذا بنایا ہے اس وقت کیزرے نے ایسا کاٹا کہ جتنے کیزروں نے اس سے پہلے کاٹا تھا سب کی تکلیف سے اس کیزرے کے کاٹنے کی تکلیف بڑھ گئی اور آپ نے (بے ساختہ) ”مَسْنِيّ الضُّرِّ“ کہا۔

سوال: اللہ نے تو ایوب علیہ السلام کو صابر کے خطاب سے سرفراز فرمایا حالانکہ اپنے دُکھ کا شکوہ کیا اور بے صبری کا مظاہرہ کیا ”اِنِّي مَسْنِيّ الضُّرِّ“ بھی کہا اور ”مَسْنِيّ الشَّيْطَانُ بِنَصْبٍ وَعَذَابٍ“ بھی فرمایا؟

جواب: یہ شکایت نہ تھی دُعا تھی کیونکہ اللہ نے اس دُعا کے سلسلہ میں فرمایا: ”فَاَسْتَجَبْنَا لَهٗ“ ہم نے اس کی دُعا قبول کی۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ جزع اور بے صبری تو مخلوق سے بیماری کی شکایت کرنے کی صورت میں ہو سکتی ہے۔ اللہ سے بیماری کے اظہار کا نام جزع اور بے صبری نہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا تھا: ”اِنَّمَا اَشْكُوْا بَيْتِيْ وَحُزْنِيْ اِلَى اللّٰهِ“ میں اللہ سے اپنے اندرونی اندوہ و غم کا شکوہ کرتا ہوں۔

سفیان بن عیینہ کا قول ہے جو شخص فیصلہ خداوندی پر راضی ہو اور لوگوں سے اپنے دُکھ کا اظہار کرے تو یہ بے صبری اور جزع نہیں ہے (بلکہ اپنی حالت کا اظہار ہے) جیسا کہ ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کے زمانہ میں جبرئیل علیہ السلام آئے اور پوچھا آپ اپنے کو کیسا پاتے ہیں؟ (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی حالت کیسی محسوس ہوتی ہے مزاج کیسا ہے؟) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اپنے کو مغموم اور بے چین پاتا ہوں۔ امام احمد نے حضرت (عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے) بیان کیا کہ یثیع سے واپس آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے۔ اس وقت آپ کے سر میں درد ہو رہا تھا اور مجھے بھی سر کا دُکھ تھا (یعنی درد سرتھا) میں نے کہا ہائے سر۔ فرمایا (تم ہی نہیں) میں بھی کہتا ہوں آہ میرا سر۔ الحدیث

فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَكَشَفْنَا مَا بِهِ مِنْ ضُرِّهِ وَآتَيْنَاهُ أَهْلَهُ وَمَثَلَهُمْ مَعَهُمْ رَحْمَةً مِنْ عَلَيْنَا وَذِكْرًا لِلْعَالَمِينَ ﴿۸۴﴾  
 سوہم نے ان کی دعا قبول کی اور ان کو جو تکلیف تھی اس کو دور کر دیا اور (بلا استدعا) ہم نے ان کو ان کا کنبہ عطا فرمایا اور ان کے ساتھ (گنتی میں) ان کے برابر اور بھی اپنی رحمت خاصہ کے سبب سے اور عبادت کرنے والوں کے لئے یادگار رہنے کے سبب سے۔

**تفسیر 84** ”فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَكَشَفْنَا مَا بِهِ مِنْ ضُرِّهِ“ تکلیف سے ان کو دور اس طرح کیا کہ اللہ عزوجل نے حضرت ایوب علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنا پاؤں زمین پر ماریں۔ جب انہوں نے پاؤں زمین پر مارا تو ایک چشمہ جاری ہو گیا جس کا پانی ٹھنڈا تھا، ان کو حکم دیا کہ اس پانی سے غسل کریں۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے ایسا ہی کیا، اللہ تعالیٰ نے ان کی ظاہری بیماری کو دور کر دیا۔ پھر چالیس قدم چلے، پھر حکم ہوا کہ اپنا پاؤں زمین پر ماریں، حضرت نے ایسا ہی کیا، پھر چشمہ نکل پڑا، حکم ہوا کہ اس چشمہ سے پئیں۔ جب انہوں نے اس چشمہ سے پیا، اندرونی تمام بیماریاں ختم ہو گئیں۔ پھر اس کے بعد تمام لوگوں سے حسین و جمیل ہو گئے۔ ”وَآتَيْنَاهُ أَهْلَهُ وَمَثَلَهُمْ مَعَهُمْ“ اس بارے میں مفسرین کا آپس میں اختلاف ہے۔

یہ مسئلہ اختلافی ہے۔ حضرت ابن عباس، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم، قتادہ، حسن اور اکثر مفسرین کا قول ہے کہ اللہ نے بعینہ وہی (مرے ہوئے) اہل و عیال زندہ کر دیئے تھے اور اتنے ہی اور بھی عطا فرمادیئے تھے۔ ظاہر آیت اسی تفسیر پر دلالت کر رہی ہے۔ حسن کا قول ہے کہ اتنے ہی مویشی اور اولاد اسی مویشی اور اولاد کی نسل سے پیدا کر دیئے (جن کو مرنے کے بعد اللہ نے زندہ کیا تھا) اس مطلب کی تائید حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس قول سے ہوتی ہے جو بروایت ضحاک آیا ہے کہ اللہ نے اس بیوی کو دوبارہ جو ان کر دیا اور اس کے لطن سے اس کے بعد چھبیس (۲۶) لڑکے پیدا ہوئے۔ وہب نے کہا سات لڑکیاں اور تین لڑکے پیدا ہوئے۔ ابن یسار نے کہا حضرت ایوب علیہ السلام کے سات لڑکے اور سات لڑکیاں ہوئیں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرفوع روایت ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے دو خرمن تھے۔ ایک گہوں کا دوسرا لٹو کا۔ اللہ نے دو بدلیاں بھیجیں، ایک بدلی نے ایک خرمن پر سونے کی بارش کی اور دوسری بدلی نے دوسرے خرمن پر چاندی بہادی۔ یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے پاس ایک فرشتہ آیا اور اس نے کہا، اللہ نے آپ کو آپ کے صبر کی وجہ سے سلام کہا ہے اور فرمایا ہے کہ اپنے خرمن کو باہر نکل کر دیکھو۔ حسب الحکم آپ باہر نکلے، اللہ نے آپ کے خرمن پر سونے کی ٹڈیاں بھیج دیں۔

ایک ٹڈی جو اڑی تو ایوب علیہ السلام نے اس کا پیچھا کیا اور پکڑ کر واپس لے آئے۔ فرشتے نے کہا جو کچھ (ٹڈیاں) خرمن کے اندر ہیں کیا وہ آپ کے لیے کافی نہیں تھیں۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے کہا یہ تو میرے رب کی برکتوں میں سے ایک برکت ہے اور میں اپنے رب کی نوازشوں سے سیر نہیں ہو سکتا۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ جو مویشی اور اہل و عیال مر چکے تھے، اللہ نے ان کو دوبارہ زندہ نہیں کیا بلکہ ان جیسے دوسرے عطا فرمادیئے۔ عکرمہ کا قول ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام سے کہا گیا کہ تیری اولاد آخرت میں تجھے ملے گی۔ اب اگر تو چاہتا ہے تو ہم اس دنیا میں تیرے پاس بھیج دیں اور اگر تیری خواہش ہو تو وہ اولاد آخرت



میں تیرے لیے رکھ دیں اور ان کی مثل ویسی ہی اولاد تجھے دُنیا میں دے دیں۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے آخری شق کو پسند کیا کہ مرنے والی اولاد تو آخرت میں عطا کر دی جائے اور ان کی مثل دوسری اولاد دُنیا میں مل جائے۔ اس روایت کے بموجب آیت کا مطلب اس طرح ہوگا۔ ہم نے ایوب کو اس کی (مر جانے والی) اولاد تو آخرت میں عطا کرنے کے لیے رکھی اور انہی کی طرح دوسری اولاد دُنیا میں مرحمت فرمادی۔ آیت میں اہل سے مراد ہے اولاد۔

”رَحْمَةٌ مِنْ عِنْدِنَا“ ہم نے حضرت ایوب علیہ السلام کو اپنی طرف سے نعمت سے نوازا۔ ”وَذَكَرَى لِلْعَابِدِينَ، بَصِيحَتِ هِيَ عِبَادَتُ كَزَارُونَ كَلِيَّةٍ اُورِ عِبْرَتِ هِيَ دُوسرے لوگوں کے لیے۔“

وَأَسْمِعِيلَ وَادْرِيسَ وَذَالَكِفْلٍ ۗ كُلٌّ مِّنَ الصَّابِرِينَ ۝۵۵ وَأَدْخَلْنَاهُمْ فِي رَحْمَتِنَا ۗ إِنَّهُمْ مِّنَ الصَّالِحِينَ ۝۵۶ وَذَالنُّونِ إِذْ ذَهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ أَن لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادَى فِي الظُّلُمَاتِ أَن لَّا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ . إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ ۝۵۷

اور اسماعیل اور ادریس اور ذوالکفل کا تذکرہ کیجئے (یہ) سب (احکام الہیہ پر) ثابت قدم رہنے والے لوگوں سے تھے اور ہم نے ان کو اپنی رحمت (خاصہ) میں داخل کر لیا تھا بیشک یہ کمال صلاحیت والے لوگوں میں تھے اور مچھلی والے (پیغمبر یونس علیہ السلام) کا تذکرہ کیجئے جب وہ (اپنی قوم سے) خفا ہو کر چل دیئے اور انہوں نے یہ سمجھا کہ ہم ان پر (اس چلے جانے میں) کوئی دارو گیر نہ کریں گے پس انہوں نے اندھیروں میں پکارا کہ آپ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے آپ (سب نقائص سے) پاک ہیں میں بیشک قصور وار ہوں۔

تفسیر ۵۵ ”واسماعیل“ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے (و ادریس) یعنی اخنوخ ”وذالکفل کل من الصابرين“ اللہ کے حکم پر۔

## ذالکفل کون تھے؟

ذالکفل کون تھے؟ پیغمبر تھے یا نہ تھے، اس کے متعلق علماء کا اختلاف ہے۔ عطاء کا بیان ہے کہ بنی اسرائیل کے ایک پیغمبر کے پاس وحی آئی کہ آپ کے انتقال کا وقت قریب آ گیا ہے۔ بنی اسرائیل کے سامنے اپنی حکومت رکھئے اور جو شخص اس بات کی ذمہ داری لے کہ وہ رات میں نماز پڑھے گا، سستی نہیں کرے گا اور دن کو ہمیشہ روزے رکھے گا، کسل نہیں کرے گا اور لوگوں کے مقدمات کا فیصلہ کرے گا، اس کو غصہ نہیں آئے گا، اس کو حکومت سپرد کر دیجئے۔ پیغمبر نے بنی اسرائیل کے سامنے معاہدہ رکھا، مجلس میں سے ایک جوان اٹھا اور عرض کیا، میں یہ ذمہ داری قبول کرتا ہوں، اس جوان نے ذمہ داری قبول بھی کر لی اور اس کو پورا بھی کیا اور اللہ نے بھی اس کی قدر افزائی کی اور اس کو نبوت سے سرفراز فرمادیا، اسی جوان کا نام ذوالکفل ہوا۔

مجاہد نے کہا جب المسح پیغمبر بوڑھے ہو گئے تو انہوں نے کسی کو اپنی جگہ مقرر کرنا چاہا لیکن یہ طے کر لیا کہ اپنی زندگی میں کسی کو اپنا پورا کام سپرد کر کے دیکھ لوں کہ وہ لوگوں کا انتظام کیسے کرتا ہے۔ چنانچہ آپ نے لوگوں کو جمع کیا اور فرمایا جو شخص میری تین باتیں پوری کرنے کی ذمہ داری لے گا، میں اپنا کام اس کے سپرد کروں گا۔ ① ہمیشہ دن کو روزہ رکھے۔ ② رات کو نمازیں پڑھے۔ ③ اور (لوگوں کے معاملات طے کرنے میں) غصہ نہ کرے۔

یہ سن کر ایک شخص جو دیکھنے میں حقیر سا معلوم ہوتا تھا کھڑا ہوا اور اس نے کہا میں ایسا کر سکتا ہوں۔ حضرت المسح نے اس کو قبول نہیں کیا، پھر دوسرے روز بھی یہی اعلان کیا۔ اس وقت بھی سب لوگ خاموش رہے، صرف وہی جوان کھڑا ہوا اور اس نے کہا میں ایسا کر سکتا ہوں۔ آخر المسح نے اس کو اپنا جانشین بنا دیا۔ جب یہ خلیفہ اپنی خواہ گاہ میں قیلولہ کرنے کے لیے پہنچا اور دن رات میں وہی وقت اس کے سونے کا تھا، فقط قیلولہ کے وقت ہی وہ ایک نیند لے لیتا تھا۔ اچانک ایک کمزور بوڑھے کی شکل میں ابلیس آ پہنچا اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ خلیفہ نے پوچھا کون ہے؟ ابلیس نے جواب دیا ایک بہت بوڑھا مظلوم، خلیفہ نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا، بوڑھے نے کہا میرے اور میری قوم کے درمیان کچھ جھگڑا ہے۔ انہوں نے مجھ پر ظلم کیا ہے اور یہ حرکتیں کی ہیں۔ بوڑھے نے اپنی بات کو اتنا طول دیا کہ قیلولہ کا وقت جاتا رہا اور پچھلا دن آ گیا۔ خلیفہ نے کہا شام کو جب میں جاؤں گا تو تیرا حق دلوا دوں گا، ابلیس چلا گیا اور خلیفہ پچھلے دن میں جب اپنی مجلس میں پہنچا تو اس بوڑھے کو تلاش کرنے کے لیے ادھر ادھر نظر دوڑانے لگا لیکن وہ کہیں نہ دکھائی دیا۔ دوسرے دن صبح کو بھی جب خلیفہ نے لوگوں کے مقدمات طے کرنے کے لیے اجلاس کیا، تب بھی بوڑھے کو تلاش کیا لیکن وہ نظر نہ آیا۔ اجلاس کے بعد قیلولہ کرنے کے لیے جب اپنی خواب گاہ میں پہنچا تو بوڑھے نے دروازہ کھٹکھٹایا، خلیفہ نے دروازہ کھول دیا، بوڑھا آ گیا، خلیفہ نے کہا میں نے تجھ سے نہیں کہہ دیا تھا کہ جب اجلاس کروں اس وقت آنا، بوڑھے نے کہا وہ بہت برے لوگ ہیں، جب آپ اجلاس میں بیٹھے تھے اور ان کو معلوم ہو گیا تو انہوں نے مجھ سے کہہ دیا کہ ہم تجھے تیرا حق دے دیں گے اور جب آپ اجلاس سے اٹھ گئے تو انہوں نے اداء حق سے انکار کر دیا۔ خلیفہ نے کہا اب تو جا پھر جس وقت میں پچھلے دن میں اجلاس کروں تو میرے پاس آنا، اس گفتگو میں اس دوپہر کا آرام بھی خلیفہ کا جاتا رہا اور پچھلے دن میں جب وہ مجلس میں لوٹے تو بوڑھے کو ادھر ادھر دیکھنے لگے لیکن کسی کو نہ پایا، پھر اونٹن سے مغلوب ہو گئے تو (تیسری دوپہر کو) خلیفہ نے گھر والے (خادم) کو حکم دیا کہ کسی کو دروازے کے قریب آنے کی بھی اجازت نہ دینا تاکہ میں سو جاؤں، میرے اوپر نیند کا غلبہ ہو رہا ہے۔

غرض جب (سونے) کا وقت آیا تو وہ بوڑھا آ پہنچا مگر خادم نے اجازت نہیں دی۔ بوڑھا بے بس ہو گیا۔ اسی اثناء میں اس کو کمرے کا روشن دان نظر آیا، فوراً کود کر اس کے اندر داخل ہو گیا اور اندر پہنچ گیا اور اندر سے دروازہ کھٹکھٹانے لگا (تاکہ خلیفہ بیدار ہو جائے) خلیفہ بیدار ہو گیا اور خادم کو آواز دے کر کہا اے شخص! کیا میں نے تجھے حکم نہیں دیا تھا کہ کوئی شخص دروازے پر نہ آئے، خادم نے کہا میری طرف سے تو کوئی آیا ہی نہیں ہے آپ خود دیکھ لیجئے کہ یہ شخص کس طرف سے آیا ہے، خلیفہ نے اٹھ کر دروازہ کو دیکھا تو اس کو متقلب پایا لیکن وہ شخص کمرے کے اندر موجود تھا، وہ کہنے لگا کیا آپ یہاں سوتے رہیں گے ایسی حالت میں کہ اہل

معاملہ دروازے پر موجود ہوں۔ اب خلیفہ نے اس کو پہچانا اور کہا اے خدا کے دشمن تو ہے، ابلیس نے کہا ہاں آپ نے مجھے عاجز کر دیا اور میں نے جو کچھ آپ کے ساتھ کیا وہ محض غصہ دلانے کے لیے تھا لیکن اللہ نے آپ کو مجھ سے محفوظ رکھا۔ اسی خلیفہ کو ذوالکفل کہا گیا کیونکہ انہوں نے ایک کام کا ذمہ لیا تھا اور اس ذمہ کو پورا بھی کر دیا۔

بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ ابلیس ذوالکفل کے پاس آیا اور کہنے لگا، میرا ایک قرض دار ہے جو ادائیگی میں ٹال مٹول کر رہا ہے، آپ میرے ساتھ ذرا اٹھ کر چلے اور میرا حق وصول کر دیجئے۔ آپ اس کے ساتھ اٹھ کر چل دیئے لیکن ابلیس بازار میں پہنچ کر ذوالکفل سے علیحدہ ہو گیا اور آپ کو تنہا چھوڑ کر چل دیا۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ ابلیس نے حضرت ذوالکفل سے معذرت کی اور کہا میرا مدعا علیہ مجھ سے بھاگ گیا۔ بعض اہل روایت نے کہا کہ ذوالکفل وہ شخص تھا جس نے مرتے دم تک ہر رات کو سو رکعت پڑھنے کا عہد کیا تھا اور اس عہد کو پورا کیا۔ بعض علماء نے کہا کہ ذوالکفل نبی تھے، عبارت قرآنی کی رفتار سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے لیکن کون سے نبی تھے (اس کی تعیین نہیں کی جاسکتی) بعض نے ذوالکفل زکریا کو ہی قرار دیا۔ حضرت ابوموسیٰ نے کہا ذوالکفل نبی نہیں تھے، ایک نیک آدمی تھے۔

66 "و ادخلناهم فی رحمتنا" وہ انعامات جو ہم نے ان پر دُنیا میں کیے۔ مثلاً نبوت، جنت کی سیر اور

ثواب۔ "انهم من الصالحین"

67 "و الذالنون" اور یاد کیجئے مچھلی والوں کو۔ اس سے مراد یونس بن متی ہیں۔ "اذ ذهب مغاضبا" اس کے معنی میں

مفسرین کا اختلاف ہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جب وہ انتہائی غصہ سے چل دیئے۔

## حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ

یہی روایت عوفی وغیرہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کی ہے اور فرمایا کہ حضرت یونس علیہ السلام اپنی قوم کے ساتھ فلسطین میں رہتے تھے، کسی بادشاہ نے ان پر حملہ کیا اور ساڑھے نو قبیلوں کو قید کر کے لے گیا، صرف اڑھائی قبیلے باقی رہ گئے۔ اللہ نے شعیا نبی کے پاس وحی بھیجی کہ تم حرقیا بادشاہ کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ وہ کسی طاقت ور نبی کو دشمنوں کے پاس بھیج کر بنی اسرائیل کی قید سے رہا کرائے۔ میں دشمنوں کے دلوں میں بنی اسرائیل کو رہا کرنے کا خیال پیدا کر دوں گا۔ شعیا نبی شاہ حرقیا کے پاس گئے اور پیام پہنچایا۔ حرقیا کی سلطنت میں پانچ پیغمبر تھے۔ حضرت شعیا سے اس نے پوچھا آپ کی کیا رائے ہے کس کو بھیجوں؟ حضرت شعیا نے کہا یونس کو، وہ طاقتور بھی ہے اور امانت دار بھی۔ بادشاہ نے یونس علیہ السلام کو بلوایا اور جانے کا حکم دیا۔ حضرت یونس علیہ السلام نے پوچھا کیا اللہ نے آپ کو میرے بھیجنے کا حکم دیا ہے؟ بادشاہ نے کہا نہیں۔ یونس علیہ السلام نے کہا کیا مجھے اللہ نے تاحرد کیا ہے؟ بادشاہ نے کہا نہیں، یونس علیہ السلام نے کہا تو میرے سوا یہاں دوسرے طاقت ور پیغمبر ہیں، کسی اور کو بھیج دو، لوگوں نے آپ کی بات نہیں مانی اور جانے پر اصرار کیا۔ یونس علیہ السلام بادشاہ اور قوم سے ناراض ہو کر

غصہ کی حالت میں (کسی طرف کو) چل دیئے اور بحر روم پر پہنچ کر کشتی میں سوار ہو گئے۔

عروہ بن زبیر اور سعید بن جبیر اور علماء کی ایک جماعت کا قول ہے کہ یونس علیہ السلام اپنی قوم کو چھوڑ کر اللہ سے ناراض ہو کر چل دیئے تھے اور خدا سے ناراضگی کا سبب یہ تھا کہ یونس علیہ السلام نے حسب حکم خدا کو عذاب سے ڈرایا تھا اور عذاب کا وقت مقرر کر دیا تھا لیکن (جب قوم یونس علیہ السلام نے علامات عذاب کو دیکھ کر توبہ واستغفار کیا تو) اللہ نے عذاب ٹال دیا۔ یونس علیہ السلام کو اس پر ناگواری ہوئی، ان کو خیال ہوا کہ اب لوگ مجھے جھوٹا قرار دیں گے۔ شرم کے مارے قوم کو چھوڑ کر چل دیئے، ان کو کیا معلوم تھا کہ عذاب ٹل جانے کی وجہ کیا ہوئی؟ آپ کی ناراضگی صرف اس سبب سے ہوئی کہ آپ کا جھوٹا ہونا قوم کی نظر میں محقق ہو گیا۔ آپ علیہ السلام کو اندیشہ ہوا کہ آئندہ لوگ مجھے جھوٹا کہیں گے۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کا دستور تھا کہ جھوٹے کو قتل کر دیا کرتے تھے۔ حضرت یونس علیہ السلام کو بھی عذاب ٹل جانے کی وجہ سے یہی اندیشہ ہوا کہ عذاب موعود نہیں آیا، اب لوگ مجھے قتل کر ڈالیں گے۔ ”مغاضبت“ (باب مفاعلتہ) اس جگہ اشتراک طرفین کے لیے نہیں ہے بلکہ مسافرت اور معاقبت کی طرح ٹھلائی مجرد کے معنی میں ہے یعنی ”مغاضبا“ کا معنی ہے غضبان۔ حسن نے کہا اللہ سے حضرت یونس علیہ السلام کی ناراضگی کا سبب یہ تھا کہ اللہ نے یونس علیہ السلام کو حکم دیا کہ فوراً جاؤ اور ان کو ہمارے عذاب سے ڈراؤ اور دعوت ایمان دو، یونس علیہ السلام نے درخواست کی کہ مجھے روانگی کی تیاری کرنے کی مہلت دی جائے۔ جواب ملا معاملہ اس سے بھی جلدی کا ہے، فوراً چلے جاؤ۔ یونس علیہ السلام نے درخواست کی مجھے جو تہ بہن لینے کی تو اجازت دے دی جائے لیکن اللہ کی طرف سے اتنی بھی مہلت نہیں ملی اور فطری طور پر آپ کے اندر قوتِ حلم کی کمی تھی اس لیے روانہ تو ہو گئے مگر غصہ کی حالت میں۔ وہب نے کہا یونس علیہ السلام نیک آدمی تھے۔ پھر جب آپ پر نبوت کا بار ڈالا گیا تو آپ دب گئے اور بھاگ نکلے۔ اسی لیے اللہ نے آپ کو اولوالعزم پیغمبروں کی فہرست سے خارج کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا، آپ اولوالعزم پیغمبروں کی طرح صبر کیجئے، مچھلی والے کی طرح نہ ہو جائیے۔

”لفظن ان لن نقدر علیہ“ قدر کا معنی ہے فیصلہ الہی یعنی یونس علیہ السلام کو خیال ہوا کہ ہم اس کو مزادینے کا فیصلہ نہیں کریں گے۔ یہی قول مجاہد، قتادہ، ضحاک اور کلبی کا ہے اور یہی روایت عوفی سے منقول ہے جو انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کی ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز مقدر کر دی ہے۔ قدر اللہ قدرہ اس کا معنی ایک ہی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ”نحن قلدنا بینکم الموت“ جن لوگوں نے اس کو تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے جو عمر بن عبدالعزیز اور زہری سے منقول ہے۔ ”لفظن ان لن نقدر علیہ“ تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ عطاء اور بہت سے علماء کے نزدیک ایسے ہی ہے اس صورت میں اس کا معنی یہ ہوگا کہ یونس علیہ السلام کا یہ خیال ہوا کہ ہم اس پر بندش کی تنگی نہیں کریں گے۔ قدرت کے معنی اس جگہ تنگی کرنے کے ہیں۔ یہی معنی دوسری آیت میں بھی آئے ہیں۔ ”یسط الزرق لمن یشاء ویقلو“ یہاں اس کے معنی تنگی کے ہیں۔ ابن زید کا قول ہے کہ یہ جملہ سوالیہ ہے۔ حرف استفہام محذوف ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کیا یونس علیہ السلام نے خیال کر لیا کہ ہم اس پر قابو نہیں پائیں گے۔

یعقوب نے یاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس صورت میں یہ مجہول اور بغیر تشدید کے ہوگا۔ حسن کا قول ہے کہ جب مجھے اطلاع ملی ہے کہ یونس علیہ السلام سے گناہ سرزد ہو گیا اور وہ اللہ سے ناراض ہو کر چل دیئے تو شیطان نے ان کو راہ حق سے پھسلانا چاہا۔ یہاں تک کہ انہوں نے خیال کر لیا کہ میں خدا کے قبضہ سے نکل جاؤں لیکن ان کی گزشتہ نیکیاں اور عبادت گزاریاں تھیں اس لیے اللہ نے نہ چاہا کہ ان کو شیطان کے لیے چھوڑ دیا جائے بلکہ مچھلی کے پیٹ میں ان کو ڈال دیا۔ وہاں وہ چالیس دن و رات رہے۔ عطاء کا قول ہے کہ سات روز رہے بعض کے نزدیک تین روز رہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ مچھلی اپنے پیٹ میں اس کو چھ ہزار سال کی مسافت پر لے گئی۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ ساتوں زمین کی حدود تک لے گئی۔ پھر آپ نے اپنے رب سے مچھلی کے پیٹ میں دعا کی اور اپنے آپ کو اس کی طرف رجوع کر لیا اور کہا ”لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ“ جب میں نے تمہاری نافرمانی کی۔ اس کے سوا اور کچھ نہ کیا اور تیرے سوا کسی کی عبادت نہیں کروں گا۔ پھر اللہ رب العزت نے اپنی رحمت سے ان کو مچھلی کے پیٹ سے نکال دیا۔

ماقبل میں جن تاویلات کا تذکرہ کیا گیا یہ ہی بہتر تاویلات ہیں۔ ان برگزیدہ لوگوں کے لیے جن کو اللہ نے مبعوث کیا۔ چونکہ حضرت یونس علیہ السلام اپنی قوم سے غصہ کی حالت میں چلے تھے۔

## ظلمات جمع کا صیغہ ذکر کرنے کی وجہ

”فنادى فى الظلمات أن لا اله الا انت سبحانك انى كنت من الظالمين“

ظلمات جمع کا صیغہ اس وجہ سے ذکر کیا کیونکہ ایک اندھیرا رات کا، دوسرا اندھیرا سمندر کے پانی کا اور تیسرا اندھیرا مچھلی کے پیٹ کا تھا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ اللہ نے مچھلی کو حکم دیا، یونس علیہ السلام کو پکڑ لے لیکن اس کے خراش نہ آئے، نہ کوئی ہڈی ٹوٹے، حسب الحکم مچھلی نے آپ کو لے لیا اور اپنے مقام پر نیچے لے گئی۔ جب سمندر کی تہہ میں لے کر پہنچی تو یونس علیہ السلام نے تسبیح (سبحان اللہ کہنے) کی آواز سنی، دل میں خیال کیا یہ کیسی آواز ہے، اللہ نے وحی بھیجی یہ آواز سمندری جانوروں کی تسبیح کرنے کی ہے۔ یہ جان کر آپ نے بھی مچھلی کے پیٹ کے اندر ہی تسبیح کرنا شروع کر دی۔ ملائکہ نے تسبیح یونس علیہ السلام کی آواز سنی تو عرض کیا، اے ہمارے رب! ہم نے ایک عجیب زمین میں ایک ضعیف آواز سنی۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ فرشتوں نے کہا آواز تو جانی پہنچانی ہے اور زمین انجان ہے، اللہ نے فرمایا یہ ہمارے بندے یونس علیہ السلام کی آواز ہے جس نے میری نافرمانی کی تھی۔ میں نے اس کو مچھلی کے پیٹ میں قید کر دیا، فرشتوں نے کہا کیا یہ وہی نیک بندہ ہے جس کی طرف سے روزانہ کوئی نیک عمل تیری طرف چڑھایا جا رہا تھا۔ اللہ نے فرمایا، ہاں اس وقت ملائکہ نے یونس علیہ السلام کے لیے شفاعت کی اور اللہ نے مچھلی کو حکم دیا کہ یونس علیہ السلام کو اگل وے۔ مچھلی نے کنارے پر آ کر یونس علیہ السلام کو اگل دیا۔ اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ”لَنَبْذُ نَاهُ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ سَقِيمٌ“

فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْغَمِّ ۚ وَكَذَلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِينَ ﴿۸۸﴾ وَرَكَرَبًا إِذْ نَادَى رَبَّهُ  
رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَأَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِينَ ﴿۸۹﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَوَهَبْنَا لَهُ يَحْيَىٰ وَأَصْلَحْنَا لَهُ  
زَوْجَهُ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا يُسْرِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَرَهَبًا ۚ وَكَانُوا لَنَا خَشِيعِينَ ﴿۹۰﴾  
وَالَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهَا مِنْ رُوحِنَا وَجَعَلْنَاهَا وَابْنَهَا آيَةً لِلْعَالَمِينَ ﴿۹۱﴾ إِنَّ هَذِهِ  
أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُونِ ﴿۹۲﴾

سُوہم نے ان کی دعا قبول کی اور ان کو اس گھٹن سے نجات دی اور ہم اسی طرح (اور) ایمان والوں کو (بھی کرب  
و بلا سے) نجات دیا کرتے ہیں اور زکریا (علیہ السلام) کا تذکرہ کیجئے جبکہ انہوں نے اپنے رب کو پکارا کہ اے میرے  
رب مجھ کو لاوارث مت رکھو (یعنی مجھ کو فرزند دیجئے کہ میرا وارث ہو) اور سب وارثوں سے بہتر آپ ہی ہیں سوہم نے  
ان کی دعا قبول کر لی اور ہم نے ان کو یحییٰ (فرزند) عطا فرمایا اور ان کی خاطر سے ان کی بی بی کو (جو کہ بانجھ تھیں) اولاد  
کے قابل کر دیا یہ سب نیک کاموں میں دوڑتے تھے اور امید و بیم کے ساتھ ہماری عبادت کیا کرتے تھے اور ہمارے  
سامنے دب کر رہتے تھے اور اس بی بی (مریم) کا (بھی) تذکرہ کیجئے جنہوں نے اپنے ناموس کو (مردوں سے) بچایا  
(نکاح سے بھی اور ناجائز سے بھی) پھر ہم نے ان میں (یو اسطہ جبرائیل) اپنی روح پھونک دی اور ہم نے ان کو اور ان  
کے فرزند (عیسیٰ) کو دنیا جہاں والوں کے لئے اپنی قدرت کاملہ کی (نشانی بنا دی یہ ہے تمہارا طریقہ کہ (جس پر تم کو رہنا  
واجب ہے اور) وہ ایک ہی طریقہ ہے اور میں تمہارا رب (حقیقی) ہوں سو تم سب میری عبادت کیا کرو۔

تفسیر ﴿۸۸﴾ ”فَاسْتَجَبْنَا لَهُ“ جب ہم نے ان کی پکار کو سن لیا۔ ”وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْغَمِّ“ ان اندھیروں سے نجات دی۔

”وَكَذَلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِينَ“ مؤمنین کو بھی ہر مصیبت سے نجات دیتے ہیں۔ جب وہ ہمیں اخلاص کے ساتھ پکاریں  
اور مجھ ہی سے مدد طلب کریں۔ ابن عامر، عاصم نے ابو بکر کی روایت کے مطابق ایک نون اور جیم کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے اور  
یاء کے سکون کے ساتھ چونکہ ان کے مصاحف میں ایک نون کے ساتھ ہی لکھا ہوا ہے۔

نحویوں کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ ایک نون والی قرآنہ درست ہے کہ نہیں وہ کہتے ہیں کہ بڑی غلطی ہے کیونکہ اگر یہ  
مفعول ”مَالِمَ يَسْمُ فَاعِلُهُ“ ہوتا تو اس کی یاء ساکن نہ ہوتی اور لفظ مؤمنین مرفوع ہوتا اور ان میں سے بعض نے یہ کہا ہے۔ فراء  
نے کہا کہ یہاں ایک اور وجہ ہے اور وہ اضمار مصدر ہے۔ ”ای نجا النجاة المؤمنین“ جیسا کہ ضرب الضرب ”زیداً“۔ پھر  
”زیداً“ کو منصوب پڑھا جائے۔ اضمار مصدر کی وجہ سے۔ یاء ساکن ہے ”نجی“ میں جیسا کہ ”بقی“ میں یاء ساکن ہے۔

قصی کا بیان ہے کہ جن حضرات نے ایک نون اور تشدید کے ساتھ پڑھا ہے اس صورت میں ”نجی“ تجنیہ کے معنی میں  
ہوگا۔ الایہ کہ ان دونوں میں ادغام کیا گیا۔ نون کو تخفیفاً حذف کر دیا گیا لیکن نحویوں کے نزدیک نون اور جیم کا مخرج دور دور ہونے



کی وجہ سے ادغام نہیں ہو سکتا جبکہ ادغام تو اس صورت میں ہوتا ہے جب دونوں قریب المخرج ہوں۔  
عام قراء نے ”نجمی“ دونوں نون کے ساتھ پڑھا ہے۔ انجاء کے معنی میں ہوگا اور جن لوگوں نے ایک نون کے ساتھ ذکر کیا ہے چونکہ دوسرا نون ساکن تھا اور ساکن زبان پر ظاہر نہیں۔ اس لیے اس کو حذف کر دیا تخفیف کی وجہ سے۔

## حضرت یونس بن متی کو کب پیغمبر بنایا؟

حضرت یونس بن متی کو کب پیغمبر بنایا گیا؟ اس بارے میں حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ مچھلی کے پیٹ سے رہائی کے بعد حضرت یونس علیہ السلام کو پیغمبر بنایا گیا کیونکہ سورۃ الصافات میں پہلے ”لنبینناہ بالعرء وهو مسقیم“ کے بعد ”وارسلناہ الی مائۃ الف او یزیدون“ آیا ہے اور دوسرے مفسرین کا قول ہے کہ ان کو نبوت مچھلی کے پیٹ میں جانے سے پہلے ملی۔ اس پر دلیل یہ فرمان باری ہے: ”وان یونس لمن المرسلین اذ ابق الی الفلک المشحون“

89 ”و ذکر یا اذ نادى ربه“ کہ انہوں نے اپنے رب کو پکارا۔ ”رب لا تلونی فرڈا“ ان کو اکیلا چھوڑ دیا کہ میرا کوئی لڑکا نہیں اور میرا وارث بنا۔ ”وانت خیر الوارثین“ اللہ تعالیٰ کی تعریف کی کہ مخلوق کے فنا ہو جانے کے بعد اللہ ہی باقی رہنے والا ہے۔

90 ”فاستجبنا له ووهبنا له یحیی“ اس سے مراد لڑکا ہے۔ ”واصلحنا له زوجہ“ ہم نے آپ کو اولاد دی اس حال میں کہ آپ کی زوجہ بوڑھی ہو چکی تھیں۔ یہی اکثر مفسرین کا قول ہے اور بعض نے کہا کہ وہ پہلے بدخلق تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو حسن خلق سے نوازا۔ ”انہم“ وہ انبیاء علیہم السلام جن کا ذکر ہم نے اس سورۃ میں کیا ہے ”کانوا یسارعون فی الخیرات ویدعوننا رغبا“ رغبا کا معنی ہے طمع۔ ”ورهبنا“ بمعنی خوف اللہ کی رحمت کی طمع رکھتے ہوئے اور اللہ کے عذاب سے ڈرتے ہوئے۔ ”وکانوا لنا خاشعین“ وہ تواضع کرنے والے۔ قادمہ کا قول ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو عاجزی سے کرنے والے۔ مجاہد کا قول ہے کہ ”خاشعین“ سے مراد وہ خوف ہے جو دل کے ساتھ لازم ہے (یعنی دل میں پیدا ہونے والا ڈر)

91 ”والتی احصت لرجھا“ حرام اشیاء سے اس کی حفاظت کی۔ اس سے مراد مریم بنت عمران ہیں۔ ”لفنحنا فیہا من روحنا“ ہم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ اس کے سینہ بند میں پھونک ماریں اور پھر اس پھونک کے ذریعے ہم ان کے پیٹ سے حضرت مسیح علیہ السلام کو پیدا کریں گے۔ روح کی اضافت ان کی طرف کی عیسیٰ علیہ السلام کی شرافت کی وجہ سے۔ ”وجعلناہا وابنھا آیۃ للعالمین“ اپنی کمال قدرت کی دلیل مخلوق کے سامنے واضح کرنا تھی کہ اللہ بخیر باپ کے اولاد دے سکتا ہے۔ یہاں پر ”آیۃ“ واحد کا ذکر کیا، شنیۃ کا ذکر نہیں کیا۔ ”آیتین“ یا ”آیتان“ نہیں فرمایا کیونکہ کلام کا معنی یہ ہے کہ ہم نے ان دونوں کی شان اور دونوں کے حکم کو نشانی بنائی ہے، چونکہ آیت ایک ہی ہے اور یہ نشانی بھی ایسی کہ جو بغیر مرد کے ہے۔

92 ”ان ہدہ امتکم“ تمہاری ملت اور تمہارے دین پر ہی ہیں۔ ”أمة واحدة“ اور وہ ایک دین اسلام ہے۔ اسلام کے علاوہ تمام ادیان باطل ہیں۔ لفظ امت أم سے ماخوذ ہے۔ أم کا معنی ہے قصد کرنا جو جماعت ایک مقصد پر متفق ہو یا

دین و سنت پر متفق ہو، اس کو اُمت کہا جاتا ہے۔ ”وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُون“

وَتَقَطُّعُوا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ ۖ كُلَّ إِلَيْنَا رَاجِعُونَ ﴿۹۵﴾ فَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهِ وَإِنَّا لَهُ كَاتِبُونَ ﴿۹۶﴾ وَحَرَّمَ عَلَيَّ قُرْبَةَ أَهْلِهَا أَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ﴿۹۷﴾ حَتَّىٰ إِذَا فُتِحَتْ يَأْجُوجُ وَمَأْجُوجُ وَهُمْ مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُونَ ﴿۹۸﴾

اور ان لوگوں نے اپنے دین میں اختلاف پیدا کر لیا (سوان کی سزا دیکھیں گے کیونکہ) سب ہمارے پاس آنے والے ہیں سو جو شخص نیک کام کرتا ہوگا اور وہ ایمان والا بھی ہوگا سو اس کی محنت اکارت جانے والی نہیں اور ہم اس کو لکھ لیتے ہیں اور ہم جن بستیوں کو (عذاب سے یا موت سے) فنا کر چکے ہیں ان کے لئے یہ بات ناممکن ہے کہ وہ (دنیا میں) پھر لوٹ کر آویں یہاں تک کہ جب یا جوج ماجوج کھول دیئے جاویں گے۔

تفسیر ﴿۹۵﴾ ”وَتَقَطُّعُوا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ“ وہ دین میں اختلاف کرنے لگے تو وہ ٹکڑے ٹکڑے (فرقہ فرقہ) ہو گئے۔ کلیبی کا بیان ہے کہ انہوں نے اپنے دین میں تفرقہ بازی شروع کر دی۔ ایک دوسرے کو لعن طعن کرنے لگے اور وہ ایک دوسرے پر گناہ ڈالنے لگے۔ تقطع یہاں پر تقطیع کے معنی میں ہے۔ ”کل الینا راجعون“ ہم ان کو ان کے اعمال کا بدلہ ضرور دیں گے۔

﴿۹۶﴾ ”فَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهِ“ اس کی کوشش کا انکار نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی اس کے عمل کو باطل قرار دیا جائے گا بلکہ اس کا ثواب دیا جائے گا۔ ”وَأَنَا لَهُ كَاتِبُونَ“ اس کے عمل کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ بعض نے کہا شکرگزاری کا مطلب ہے ثواب عطا کرنا اور کفران سے مراد ثواب کا نہ ملنا۔

﴿۹۷﴾ ”وَحَرَّمَ عَلَيَّ قُرْبَةَ“ حمزہ، کسائی، ابو بکر نے (حرم) حاء کے کسرہ کے ساتھ بغیر الف کے پڑھا ہے اور باقی قراء نے الف کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس میں دونوں لغات ہیں۔ جیسے ”حله و حلال“ ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جس بستی کو ہم نے تباہ کر دیا اس کا دُنیا میں واپس لوٹنا ممکن نہیں۔ اس مطلب پر ”لایرجعون“ میں لام زائدہ ہوگا۔ ”اهلکناھا“ کہ جس بستی کو ہم ہلاک کر دیں وہ واپس لوٹ کر آئے۔ اس صورت میں ”لاصلۃ“ ہوگا اور دوسرے قراء نے کہا کہ حرام بمعنی واجب کے ہے۔ اس صورت میں ”لا ثابتہ“ ہوگا۔ معنی یہ ہوگا کہ واجب و ضروری ہے کہ ہم ان بستی والوں کو ہلاک کریں اور ان کے نیک اعمال ختم نہ کریں۔ ”انہم لایرجعون“ دُنیا کی طرف نہیں لوٹیں گے۔ زجاج نحوی کا قول ہے کہ آیت کا معنی یہ ہے کہ ناممکن ہے کہ جب ہم کسی بستی کے ہلاک کرنے کا حکم صادر کر دیں اور ان کے نیک اعمال کو قبول کریں وہ تو کبھی لوٹنے والے نہیں ہیں یعنی توبہ کرنے والے نہیں ہیں۔ اس معنی پر دلیل ما قبل والی آیت ہے جو ابھی اوپر گزری ہے۔ ”فَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهِ أَىٰ يَتَقَبَّلُ عَمَلَهُ“ یعنی اس کے عمل کو ہم قبول کر لیں گے۔ پھر اس کے بعد اس آیت کو ذکر کیا کیونکہ کافر کا نیک عمل قابل قبول نہیں۔

96 "حتیٰ اذا فصحت" ابن عامر، ابو جعفر اور یعقوب نے "فصحت" سماء کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس صورت میں اس کا معنی تکثیر سے ہوگا اور دوسرے قراء نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ "یا جوج و ماجوج" اس سے مراد یا جوج و ماجوج کی دیوار کا کھل جانا۔ "وہم من کل حدب"

حدب ہر اونچی جگہ سے اترنے کو کہتے ہیں۔ "ینسلون" وہ جلدی جلدی اتریں گے، اونچے اونچے ٹیلوں جیسے کہ بھیڑ کے بچے نمودار ہو رہے ہوں اور وہ بہت تیز چلنے والے ہوں گے۔ اس کنیت کا ذکر کرنے کے بارے میں آئمہ مفسرین رحمہم اللہ کا اختلاف ہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ اس آیت سے مراد یا جوج و ماجوج ہیں۔ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نقل کرتے ہیں۔ حضرت نو اس بن سمان کی روایت ہے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ یا جوج و ماجوج کو بھیج دے گا اور وہ ہر ٹیلہ کی آڑ سے پھیل پڑیں گے اور بعض حضرات کا قول ہے کہ اس سے مراد تمام مخلوق ہے کہ جب وہ قبروں سے نکل کر میدان حشر کی طرف جمع ہوں گے۔ اس پر دلیل حضرت مجاہد کی قرأت ہے۔ ان کے نزدیک "حدب" نہیں بلکہ "جدب" ہے۔ جیم اور ث کے ساتھ۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "فاذا هم من الاجداث الی ربهم ینسلون"

حضرت حدیفہ بن اسید غفاری کی روایت ہے کہ ہم لوگ کچھ باہم باتیں کر رہے تھے کہ اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برآمد ہوئے اور فرمایا کس چیز کا تذکرہ کر رہے ہو، ہم نے عرض کیا، ہم قیامت کا تذکرہ کر رہے ہیں، فرمایا جب تک قیامت سے پہلے دس نشانیاں نہ دیکھ لو قیامت نہیں آئے گی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دخان کا، خروج دجال کا، دابۃ الارض کا، مغرب کی طرف سے طلوع آفتاب کا، نزول عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا، خروج یا جوج و ماجوج کا، تین مقامات پر زمین کے دھسنے کا، ایک مشرق میں، دوسرا مغرب میں، تیسرا جزیرۃ العرب میں اور آخر میں یمن سے ایک آگ کے برآمد ہونے کا جو لوگوں کو ہنکا کر میدان حشر کی طرف لے جائے گی، اس کا ذکر فرمایا۔

وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَإِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ أَبْصَارِ الَّذِينَ كَفَرُوا ۖ يَوْمَئِذٍ لَقَدْ كُنَّا فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هَٰذَا

بَلْ كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿٩٧﴾ إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ۖ أَنتُمْ لَهَا وَرَثُونَ ﴿٩٨﴾ لَوْ كَانَ

هَٰؤُلَاءِ إِلَهًا مَّا وَرَدُواهَا ۖ وَكُلٌّ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٩٩﴾ لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَهُمْ فِيهَا لَا يَسْمَعُونَ ﴿١٠٠﴾

اور وہ (غایت کثرت کی وجہ سے) ہر بلندی سے (جیسے پہاڑ اور ٹیلہ) نکلتے (معلوم) ہوں گے اور (وہ رجوع و بعثت کا) سچا وعدہ نزدیک آ پہنچا ہوگا تو بس پھر ایک دم سے یہ قصہ ہوگا کہ منکروں کی نگاہیں پھٹی کی پھٹی رہ جاویں گی (اور یوں کہتے نظر آویں گے) کہ ہائے ہماری کم بختی ہم اس (امر) سے غفلت میں تھے بلکہ (واقعہ) یہ ہے کہ ہم ہی قصور وار تھے بلاشبہ تم (اے مشرکین اور جن کو تم خدا کو چھوڑ کر پوج رہے ہو سب جہنم میں جھونکے جاؤ گے (اور) تم سب اس میں داخل ہو گے اور یہ بات سمجھنے کی ہے کہ) اگر یہ (تمہارے معبود) واقعی معبود ہوتے تو اس

(جہنم) میں کیوں جاتے اور سب (عابدین و معبودین) اس میں ہمیشہ ہمیشہ کور ہیں گے (اور) ان کا اس میں شور ہوگا اور وہاں (اپنے غل و شور میں کسی کی) کوئی بات نہیں گے بھی نہیں (یہ تو دوزخیوں کا حال ہوا۔  
**تفسیر** 97) ”واقترّب الوعد الحق“ حق سے مراد قیامت ہے۔

فراء اور ایک علماء کی جماعت کا قول ہے کہ واؤ زائدہ ہے اور اقترّب کو شرط کی جزاء قرار دیا ہے۔ اس کا معنی یہ ہوگا جب یا جوج ماجوج کو کھول دیا جائے گا اور وہ ہر بلندی سے نکل پڑیں گے اور پھیل جائیں گے تو اس وقت قیامت قریب آجائے گی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا بیان ہے ”فلما اسلما وتلّٰہ للجبین و نادیناہ“ ہم نے اس کو آواز دی۔ اس پر دلیل جو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر کسی نے پچھڑا پالا ہوگا تو خردج یا جوج ماجوج کے بعد وہ پچھڑا سواری کے قابل نہیں ہوگا کہ قیامت آجائے گی۔

بعض لوگوں نے کہا کہ یہ واؤ زائدہ ہو اور ما بعد والی واؤ جزاء ہو ایسا نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ جب یا جوج ماجوج کو کھولا جائے گا اس وقت سچا وعدہ قریب آجائے گا۔ اس وقت یہ کہیں گے کہ ہم تو اس سے پہلے غفلت میں پڑے ہوئے تھے۔  
 ”فاذا ہی شاخصۃ ابصار اللدین کفروا“ اس قول میں تین وجوہ جائز ہیں۔

① یہ کتا یہ ہو دیکھنے سے، پھر اس کے بعد ابصار کو بطور بیان کے نقل کیا ہے۔ اس کا معنی یہ ہوگا کہ اس وقت ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔ جیسا کہ کفر کرنے والوں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔

② دوسرا یہ کہ ان کی آنکھیں جان کر پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ”فانہا لامعمی الابصار“

③ تیسرا قول یہ ہے کہ ”ہی“ تک کلام مکمل ہو جائے۔ اس صورت میں اس کا معنی یہ ہوگا کہ وہ قریب اتنی زیادہ ہے گویا کہ وہ حاضر ہے۔ ”شاخصۃ ابصار اللدین کفروا“ خبر مقدم ہے ابتداء ہونے کی وجہ سے۔ اس صورت میں اس کا معنی یہ ہوگا کہ کافروں کی آنکھیں اس وقت پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔ کلی کا قول ہے کہ اس دن کفار کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی شدت خوف کی وجہ سے، وہ ادھر ادھر نہیں دیکھ سکیں گے اور اس وقت وہ یہ کہہ رہے ہوں گے ”یا ویلنا قد کنا فی غفلۃ من ہذا“ آج کے دن ”بل کنا ظالمین“ یہاں ظلم کا معنی بیان کیا ہے۔ عبادت کو اصل مقصود کے علاوہ جگہ پر کرنا۔ اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت کرنا، عبادت کا بے محل استعمال ہے۔ اس لیے اس کو ظلم قرار دیا ہے۔

⑧ ”الکم“ مشرکین کو خطاب ہے۔ ”وما تعبدون من دون اللہ“ اس سے مراد بتوں کی پوجا کرنا ہے۔ ”حصب جہنم“ اس کا ایدھن ہے۔ مجاہد اور قتادہ کا بیان ہے کہ اہل یمن کی لغت میں حصب جلائی جانے والی لکڑیوں کو کہا جاتا ہے۔ عکرمہ کا قول ہے کہ یہ حبشی زبان کا لفظ ہے جس کا معنی ہے جلائی جانے والی لکڑیاں۔ ضحاک کا قول ہے کہ ان کو آگ میں پھینکا جائے گا۔ جیسا کہ لکڑیوں کو آگ میں پھینکا جاتا ہے۔ حصب اصل میں پھینکنے کو کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے ”أرسلنا علیہم حاصبا“ ہم نے ان پر ہوا کے ذریعے پتھر برسائے۔ حضرت علی بن ابی

طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو پڑھا ”حطب جہنم وانتم لها واردون“ وہ اس میں داخل ہوں گے۔  
 99 ”لو کان هولاء“ یہ بات ”الہة“ حقیقی معبود ہوتے۔ ”ماوردوہا“ تو ان کو دوزخ میں داخل نہ کیا جاتا۔ ”وکل فیہا خالدون“ عابد اور معبودین سب کو اس میں داخل کریں گے۔

100 ”لہم فیہا زلفیر“ وہم فیہا لایسہون“ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت نقل کی ہے کہ جب دوزخ کے اندر جس دوام کے جہنمی رہ جائیں گے تو ان کو لوہے کے صندوقوں میں بند کر کے لوہے کی کیلیں ٹھوک دی جائیں گی۔ پھر ان صندوقوں کو آہنی صندوقوں میں بند کر دیا جائے گا اور لوہے کی میخیں ٹھوک دی جائیں گی۔ پھر ان صندوقوں کو جہنم کے نچلے حصے میں پھینک دیا جائے گا اور ہر ایک یہی خیال کرے گا کہ میرے سوا کسی کو عذاب نہیں دیا جا رہا ہے۔ یہ بیان کرنے کے بعد حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے آیت مذکورہ تلاوت فرمائی۔

إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ ﴿۱۰۰﴾ لَا يَسْمَعُونَ حَسِيسَهَا  
 وَهُمْ فِي مَا اشْتَهَتْ أَنفُسُهُمْ خَالِدُونَ ﴿۱۰۱﴾ لَا يَحْزَنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ وَتَتَلَقَّهُمُ الْمَلَائِكَةُ  
 هٰذَا يَوْمُكُمْ الَّذِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ﴿۱۰۲﴾ يَوْمَ نَطْوِي السَّمَاءَ كَطَيِّ السِّجْلِ لِلْكِتَابِ ۖ كَمَا  
 بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ ۖ وَعَعْدًا عَلَيْنَا ۖ إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ ﴿۱۰۳﴾ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزُّبُورِ مِن مَّ بَعْدِ  
 الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ﴿۱۰۴﴾ إِنَّ فِي هٰذَا لَبَلَاغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِينَ ﴿۱۰۵﴾ وَمَا  
 أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِينَ ﴿۱۰۶﴾

توحید اور جن کے لئے ہماری طرف سے بھلائی مقدر ہو چکی ہے وہ لوگ اس (دوزخ) سے (اس قدر) دور رکھے  
 جاویں گے (کہ) اس کی آہٹ بھی نہ سنیں گے اور وہ لوگ اپنی جی چاہی چیزوں میں ہمیشہ رہیں گے (اور) ان کو بڑی  
 گھبراہٹ (یعنی ٹھہرنا سے زندہ ہونے کی) غم میں نہ ڈالے گی اور (قبر سے نکلتے ہی) فرشتے انکا استقبال کریں گے  
 (اور کہیں گے کہ) یہ ہے تمہارا وہ دن جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا وہ دن (بھی) یاد کرنے کے قابل ہے جس روز ہم  
 (ٹھہرے کے وقت) آسمان کو اس طرح لپیٹ لیں گے جس طرح لکھے ہوئے مضمون کا کاغذ لپیٹ لیا جاتا ہے اور ہم  
 نے جس طرح اول بار پیدا کرنے کے وقت (ہر چیز کی) ابتدا کی تھی اسی طرح (آسانی) سے اس کو دوبارہ پیدا کر دیں  
 گے یہ ہمارے ذمے وعدہ ہے (اور) ہم ضرور (اس کو پورا) کریں گے اور ہم (سب آسانی) کتابوں میں لوح محفوظ  
 (میں لکھنے) کے بعد لکھ چکے ہیں کہ اس زمین (جنت) کے مالک میرے نیک بندے ہوں گے بلاشبہ اس (قرآن)  
 میں (ہدایت کا) کافی مضمون ہے ان لوگوں کے لئے جو بندگی کرنے والے ہیں اور ہم نے (ایسے مضامین نافعہ دیکر)  
 آپ کو اور کسی بات کے واسطے نہیں بھیجا مگر دنیا جہان کے لوگوں (یعنی مکلفین پر) مہربانی کرنے کے لئے۔

**تفسیر** ﴿۱۱﴾ ”اِنَّ الدِّينَ سَبَقَتْ لِهَمَّ مَنَا الْحَسَنِي“ بعض حضرات نے کہا کہ یہاں ”اِنَّ“ بمعنی ”الَا“ کے ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ مگر وہ جن کے لیے ہماری طرف سے بھلائی مقدر ہو چکی ہے۔ اس سے مراد نیک نیتی اور جنت میں رہنے کی خوشگوار زندگی یا اللہ کی طرف سے طاعت کی توفیق یا جنت کی بشارت۔ ”اَو لَنْكَ عَنْهَا مَبْعَدُونَ“ بعض حضرات نے کہا کہ یہ آیت اپنے عموم پر ہے۔ یعنی ہر وہ شخص جس کو اللہ کی طرف سے بھلائی حاصل ہو، وہ نیک بخت اور اچھا درجہ پاتا ہے۔ اکثر مفسرین کا قول ہے کہ اس سے مراد ہر وہ شخص جو اپنے معبود کی عبادت کرتا ہے اور پھر وہ اللہ سے امید بھی لگائے رکھتا ہے تو اس کی عبادت کو اللہ تعالیٰ اکارت کر دیتے ہیں۔ یہ اس وجہ سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور سرداران قریشِ حطیم میں موجود تھے اور کعبہ کے ارد گرد (۳۶۰) بت رکھے ہوئے تھے۔ نضر بن حارث گفتگو کرنے کو آگے بڑھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کلام کیا۔ یہاں تک کہ اس کو خاموش کر دیا۔ پھر آپ نے اس کو ”انکم وما تعبدون“ سے تین آیات پڑھ کر سنائیں۔ پھر آپ اٹھ کھڑے ہوئے، اتنے میں سامنے سے ابن الزبیری آ گیا ولید بن مغیرہ نے اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات نقل کر دی ابن الزبیری نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رخ کر کے کہا کیا آپ کہتے ہیں ”انکم وما تعبدون من دون الله حسب جهنم“ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، ہاں ابن الزبیری نے کہا، کیا یہودی عزیر علیہ السلام کی اور عیسائی مسیح علیہ السلام کی اور بنو نوح ملائکہ کی پوجا نہیں کرتے ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، نہیں بلکہ شیطانوں کی پوجا کرتے ہیں، اس پر آیت ”اِنَّ الدِّينَ سَبَقَتْ لِهَمَّ مَنَا الْحَسَنِي“ نازل ہوئی۔ اس سے مراد عزیر علیہ السلام حضرت مسیح علیہ السلام اور فرشتے ہیں۔ ”اَو لَنْكَ عَنْهَا مَبْعَدُونَ“ ابن الزبیری کے حق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”ماضربوہ لک الا جدلاً بل هم قوم خصمون“ اور ایک جماعت کے نزدیک اس آیت سے مراد بت ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ”وما تعبدون من دون الله“ اگر اس سے مراد فرشتے یا انسان ہوتے تو یوں کہتے ”ومن تعبدون من دون الله“

﴿۱۲﴾ ”لَا يَسْمَعُونَ حَسِيسَهَا“ اس کی آواز اور اس کی حرکت بھی نہ سن پائیں گے۔ یعنی ان کو جہنم سے اتنا دور رکھا جائے گا کہ وہ اس کی آہٹ بھی نہیں سن سکیں گے۔ حس اور حسیس صوت خفی کو کہا جاتا ہے۔ ”وهم فيما اشتهدت أنفسهم خالدون“ اس میں وہ مقیم ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ”وفيهما ما تشتهي الانفس وتلد الاعين“

﴿۱۳﴾ ”لَا يَحْزَنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ“ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ فزع اکبر سے مراد صور کا آخری نغمہ ہے کیوں کہ اللہ نے فرمایا ”ونفخ في الصور ففزع من في السموات ومن في الارض“ حسن کا قول ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب بندے کو جہنم میں داخلے کا حکم دیا جائے گا، وہ وقت اس کے لیے فزع اکبر ہوگا۔ ابن جریج نے اس کا معنی بیان کیا جب موت کو ایک مینڈھے کی شکل میں لایا جائے گا اور جنتیوں کو آواز دی جائے گی کہ تم جنت میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہو، تمہیں کبھی موت نہیں آئے گی اور اے دوزخ والو! تم اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہو، تمہیں اس میں کبھی مرنا نہیں ہوگا۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ اور ضحاک کا قول ہے کہ یہ وہ وقت ہوگا جب دوزخ کو اوپر سے سر بند کر دیا جائے گا اور دوزخ کا سرپوش اس وقت بند کیا جائے گا



جب اس کے اندر سے ان لوگوں کو نکالا جا چکا ہوگا جن کو اللہ نکالنا چاہے گا۔ ”وتتلقاهم الملائكة“ اور فرشتے ان کا استقبال کریں گے۔ جنت کے دروازوں پر ان کو مبارکباد دیں گے اور وہ کہیں گے ”هَذَا يَوْمَ كُنْتُمْ توعدون“

101 ”یوم نظوی السماء“ ابو جعفر نے تاء (نظوی) کے ساتھ پڑھا ہے۔ دونوں کے ضمہ کے ساتھ اور واؤ کے فتح کے ساتھ۔ عام قراء نے نون کے ساتھ اور دونوں کے فتح کے ساتھ واؤ کے کسرہ کے ساتھ اور ”السماء“ منصوب ہے ”کطی السجل للکتب“ حمزہ، کسائی اور حفص نے عاصم کے حوالے سے ”للکتب“ جمع کے صیغہ کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے للکتب واحد کے صیغہ کے ساتھ پڑھا ہے۔

## سجل سے کیا مراد ہے

سجل سے کیا مراد ہے؟ اس کے متعلق مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔ سدی کا قول ہے کہ سجل اس فرشتے کا نام ہے جو بندوں کے اعمال لکھا کرتا ہے اور ”للکتب“ میں لام زائدہ ہے۔ ”کطی السجل للکتب“ ہے۔ یہ ”ردف لکم“ کی طرح ہے اس میں لام زائدہ ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور اکثر مفسرین رحمہم اللہ کا قول ہے کہ جس طرح لکھے ہوئے کثیر مضامین کی وجہ سے کاغذ کو پلیٹ دیا جاتا ہے۔ سجل مساجلہ سے مشتق ہے۔ لکھی ہوئی تحریر کو کہتے ہیں جس کو باہم مل کر لکھا گیا ہو۔ یعنی ہم انسانوں کو اس طرح پلیٹ دیں گے جس طرح کاغذ کو لکھنے کے لیے تہہ کیا جاتا ہے اور ”الطی“ پلیٹنا یا نشہ کے مقابل ہے۔ ”کما بداننا اول خلق نعیده“ یعنی جس طرح ابتدائی طور پر ہم نے ان کو ماؤں کے پیٹوں سے پیدا کیا۔ تم اس وقت برہنہ بدن غیر محتون برہنہ پاؤں تھے۔ اسی طرح قیامت کے دن تمہیں واپس اٹھایا جائے گا۔ اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا فرمان ”ولقد جئتمونا لہرادی کما خلقنا کم اول مرة“ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دینے کھڑے ہوئے اور فرمایا، لوگو! تم لوگ برہنہ بدن غیر محتون، برہنہ پاؤں اٹھا کر اللہ کی طرف پیدل لے جائے جاؤ گے۔ پھر آپ نے آیت ”کما بداننا اول خلق نعیده“ تلاوت فرمائی۔ ”وعدا علینا انا کما فاعلین“ یعنی ہم ضرور بضرورد دوبارہ ان کو اٹھائیں گے۔

102 ”ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر“ سعید بن جبیر اور مجاہد کا قول ہے کہ زبور سے مراد تمام کتب الہیہ ہیں اور ذکر سے مراد ہے لوح محفوظ یعنی لوح محفوظ میں لکھنے کے بعد ہم نے اپنی تمام نازل کردہ کتابوں میں لکھ دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ضحاک کا قول ہے کہ زبور سے مراد تورات ہے اور ذکر سے مراد ہیں وہ تمام آسمانی کتابیں جو تورات کے بعد اتاری گئیں۔

فصیحی کا قول ہے کہ زبور سے مراد زبور داؤد ہے جو حضرت داؤد علیہ السلام پر اتاری گئی تھی اور ذکر سے مراد ہے تورات۔ یہ بھی کہا گیا کہ زبور سے مراد ہے زبور، داؤد اور ذکر سے مراد قرآن ہے اور ”بعثہ“ بمعنی قبل کے ہے۔ کقولہ تعالیٰ ”وکان وراء ہم ملک“ ان کے سامنے ”والارض بعض ذالک دحاها“ یہاں بھی بعد بمعنی قبل کے ہے۔ ”ان الارض“

اس سے جنت کی زمین مراد ہے۔ ”یوئھا عبادی الصالحون“ مجاہد کا قول ہے کہ صالحین سے مراد امت محمدیہ ہے۔ اس پر دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ”الحمد لله الذی صدقنا وعدہ واورثنا الارض“ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ الارض سے مراد کافروں کی سرزمین جس کو مسلمانوں نے فتح کیا ہو۔ گویا یہ اللہ کی طرف سے پیشین گوئی ہے کہ دین اسلام غالب آئے گا۔ بعض حضرات کا قول ہے کہ الارض سے مراد ارض مقدسہ ہے۔

⑤ ”ان فی ہذا“ اس قرآن میں ”لبلاغاً“ جن لوگوں نے قرآن کی پیروی کی اور اس پر عمل کیا تو اس کو وہ ثواب حاصل ہو جائے گا اور بعض نے کہا منزل مقصود تک پہنچنا۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے فلاں چیز اس کو پہنچ گئی۔ مطلب اس کو کافی ہوگئی اور قرآن جنت کے لیے زاویہ ہے۔ جیسا کہ مسافر کے لیے کھانا اور سواری زاویہ ہے۔ ”لقوم عابدين“ ان مؤمنوں کے لیے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس سے مراد علماء ہیں۔ کعب احبار کا قول ہے کہ اس سے امت اسلام مراد ہے جو پانچ وقت نمازیں پڑھتے ہیں اور رمضان کے روزے رکھتے ہیں۔

⑥ ”وما ارسلناک الا رحمة للعالمین“ ابن زید کا قول ہے کہ اس سے مراد مؤمنین کے لیے رحمت چونکہ وہ مؤمنین کے لیے خاص طور پر رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے۔ ان لوگوں کے حق میں بھی جو ایمان لائے اور ان لوگوں کے حق میں بھی جو ایمان نہیں لائے۔ جو ایمان لائے ان کے لیے رحمت باس طور پر ہیں کہ دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی شفاعت کریں گے اور کافروں کے لیے باس طور پر رحمت ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر دُنیا میں عذاب نہیں بھیجا۔ صورت کا مسخ ہونا، زمین میں دھنسائے جانا اور بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کے عذاب سے مامون ہو گئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک مجھے رحمت بنا کر بھیجا گیا اور سب کیلئے ہدایت کا ذریعہ بنایا ہے۔

قُلْ اِنَّمَا يُوْحِي اِلَيَّ اِنَّمَا اِلَهُكُمْ اِلَهٌ وَّاحِدٌ فَهَلْ اَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ⑦ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اَدْنَتْكُمْ عَلٰى سَوَاءٍ ۚ وَاِنْ اَدْرِيْ اَقْرَبُ اَمْ بَعِيْدُ مَا تُوعَدُوْنَ ⑧ اِنَّهٗ يَعْزِمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُونَ ⑨ وَاِنْ اَدْرِيْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰى حِينٍ ⑩ قُلْ رَبِّ احْكُم بِالْحَقِّ ۚ وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعٰنُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ⑪

⑦ آپ (بطور خلاصہ مکرر) فرمادیجئے کہ میرے پاس تو صرف یہ وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود (حقیقی) ایک ہی معبود ہے سو اب بھی تم ماننے ہو (یا نہیں یعنی اب تو مان لو) پھر (بھی) اگر یہ لوگ سرتابی کریں تو (بطور اتمام حجت کے) آپ فرمادیجئے کہ میں تم کو نہایت صاف اطلاع کر چکا ہوں اور میں یہ جانتا نہیں کہ جس (سزا) کا تم سے وعدہ ہوا ہے آیا وہ قریب ہے یا دور دراز ہے (البتہ وقوع ضرور ہوگا کیونکہ) اللہ تعالیٰ کو (تمہاری) پکار کر کہی ہوئی بات کی بھی خبر ہے اور جو (بات) تم دل میں رکھتے ہو اس کی بھی خبر ہے اور میں بالیقین نہیں جانتا (کہ کیا مصلحت ہے)

شاید وہ (تاخیر عذاب) تمہارے لئے سورۃ امتحان ہو اور ایک وقت (یعنی موت) تک زندگی سے فائدہ پہنچانا ہو پیغمبر نے (باذن الہی) کہا کہ اے میرے رب فیصلہ کر دیجئے حق کے موافق اور (پیغمبر نے کفار سے یہ بھی فرمایا کہ ہمارا رب (ہم پر) بڑا مہربان ہے جس سے ان باتوں کے مقابلہ میں مدد چاہی جاتی ہے جو تم بتایا کرتے ہو۔

﴿تفسیر﴾ ﴿۱۰﴾ ”قل انما یوحی الی انما الہکم الہ واحد لہل انتم مسلمون“ کہ تم اطاعت کرنے والے ہو۔

﴿۱۱﴾ ”فان تولوا فقل اذنتکم“ اگر وہ آپ کی دعوت سے روگرداں ہو جائیں تو آپ ان سے کہہ دیں کہ جنگ کے معاملے میں تم جان چکے ہو۔ اب ہماری اور تمہاری کوئی صلح نہیں ہوگی۔ ”علی سواہ“ میں نے وحی کی کوئی بات پوشیدہ نہیں رکھی۔ سب کو برابر اطلاع دے دی۔ ”اذنتکم“ کہ ہم اور آپ دونوں برابر ہیں، یہ چیز جاننے میں اور بعض نے کہا کہ تم سب لوگ ایمان میں برابر ہو۔ ”وان ادری“ میں نہیں جانتا۔ ”القریب اُم بعید ما توعدون“ اس سے مراد قیامت ہے۔

﴿۱۲﴾ ”انہ یعلم الجہر من القول ویعلم ما تکتمون“

﴿۱۳﴾ ”وان ادری لعلہ“ شاید کہ تم سے عذاب مؤخر ہو جائے۔ ”فتنة“ یعنی تمہارا امتحان۔ ”لکم“ تاکہ وہ تمہیں آزمانے کہ تم تاخیر عذاب کی وجہ سے کیا کرتے ہو۔ ”ومتناع الی حین“ اس وقت تک تم اس سے فائدہ اٹھاتے رہو۔

﴿۱۴﴾ ”قال رب احکم بالحق“ حفص اور عاصم نے اسی طرح پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے ”قل رب احکم“ پڑھا ہے۔ یعنی ہمارے اور ان لوگوں کے درمیان فیصلہ کیجئے جنہوں نے حق کو جھٹلایا۔

سوال: یہ کیسے فرمایا: ”احکم بالحق“؟

جواب: حق یہاں پر عذاب کے معنی میں ہے کیوں کہ وہ لوگ عذاب آنے کی جلدی کرتے تھے۔ پھر اللہ نے بدر کے دن ان کو عذاب دے دیا۔ اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا فرمان ”ربنا المنح بیننا و بین قومنا بالحق“ اہل معانی نے کہا کہ اس کا معنی ہے ”رب احکم بحکمک الحق“ ہم کو حذف کر کے حق کو اس کا قائم مقام بنا دیا۔

اللہ تعالیٰ ان دونوں کے درمیان حق کا فیصلہ فرمائے گا، خواہ وہ حق کا مطالبہ کریں یا حق کا مطالبہ نہ کریں۔ طلب کا معنی یہ ہے کہ طالب سے حق کے مطابق فیصلہ کرنے کی رغبت رکھنا۔ ”وربنا الرحمن المستعان علی ماتصفون“ جو تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھتے ہو اور ان کی طرف باطل اشیاء کی نسبت کرتے ہو۔



## سُورَةُ الْحَجِّ

یہ سورۃ کی ہے۔ سوائے دو آیات کے ”ومن الناس من يعبد الله اور دوسری ”هلان خصمان“ اس سورت میں ۷۸ آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ. اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ① يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكَرٰى وَمَا هُمْ بِسُكَرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ②

① اے لوگو اپنے رب سے ڈرو (کیونکہ) یقیناً قیامت (کے دن) کا زلزلہ بڑی بھاری چیز ہوگی جس روز تم لوگ (اس زلزلہ) کو دیکھو گے اس دن تمام دودھ پلانے والیاں (مارے ہیبت کے) اپنے دودھ پیتے کو بھول جاویں گی اور تمام حمل والیاں اپنا حمل (پورے دن ہونے سے پہلے) ڈال دیں گی اور (اے مخاطب) تجھ کو لوگ نشہ کی سی حالت میں دکھائی دیں گے حالانکہ وہ (واقع میں) نشہ میں نہ ہوں گے لیکن اللہ کا عذاب ہے ہی سخت چیز۔

② ”یا ایہا الناس اتقوا ربکم“ اس کے عذاب سے ڈرتے رہو اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری میں لگے رہو۔ ”ان زلزلة الساعة شیء عظیم“..... ”والزلزلة والزلزال“ کسی چیز کا شدت سے حرکت کرنا۔ یہ زلزلہ کب آئے گا اس بارے میں علقمہ اور شععی کا قول ہے کہ یہ قیامت سے پہلے آئے گا اور یہ قیامت کی خصوصی نشانی ہوگی۔ حسن اور سدی کا قول ہے کہ یہ زلزلہ قیامت کے دن آئے گا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ قیامت کا زلزلہ اس کے ساتھ ساتھ ہوگا۔

③ ”یوم ترونہا“ اس سے مراد قیامت ہے اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد زلزلہ ہے۔ ”تذهل“ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے کہ اس کا معنی ہے ”تشتغل“ اپنے بچے میں مشغول ہو جائے گی۔ بعض نے کہا کہ وہ اس دن اپنے دودھ پینے والے بچے کو بھول جائے گی۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے۔ ”ذهلت عن کذا“ جب وہ کسی چیز کو چھوڑ دیتے ہیں۔ اس وقت یہ بولتے ہیں اور وہ دوسرے کام میں مشغول ہو جائے۔ ”کل مرضعة عما ارضعت“ ہر وہ عورت جس کے ساتھ دودھ پیتا بچہ ہو جس کو وہ دودھ پلاتی ہو۔ جیسے کہا جاتا ہے ”امراة مرضع“ بغیرہا کے۔ جب کہ اس کی صفت مرادنی جائے۔ اگر چہ فی الوقت وہ دودھ نہ پلا رہی ہو۔ پھر بھی اس کو دودھ پلانے والی عورت کہا جاتا ہے۔ جیسے حائضہ اور حاملہ کہا

جاتا ہے۔ جب کسی چیز کے فعل کا ارادہ کیا جائے تو اس وقت اس پر ہاداغل کی جاتی ہے۔ ”وقضع کل ذات حمل حملها“ یعنی وہ اپنے بچے کو گرا دے گی اس دن کی بیعت کی وجہ سے۔

حسن کا قول ہے کہ اس دن مرضعہ اپنے دودھ پیتے بچے کو دودھ چھڑانے سے غافل ہو جائے گی اور حاملہ کو ناقص اسقاط ہو جائے گا۔ یہ اس بات کی دلالت کرتا ہے کہ یہ زلزلہ دُنیا پر برپا ہو گا نہ کہ قیامت کے دن کیوں کہ قیامت کے دن اٹھ جانے کے بعد کوئی عورت حاملہ نہیں ہوگی اور جو لوگ کہتے ہیں کہ یہ زلزلہ قیامت کے دن آئے گا وہ اس امر کی تعظیم کی وجہ سے کہتے ہیں نہ کہ حقیقت کے طور پر۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ مجھے فلاں کام کی وجہ سے بڑھاپا آ گیا۔ اس سے مراد اس کام کی شدت بیان کرنا مقصود ہوتا ہے۔ ”وتروی الناس سکاری وما ہم بسکاری“

حزہ اور کسائی نے ”سکاری وما ہم بسکاری“ پڑھا ہے بغیر الف کے، اس میں دونوں لغات ہیں۔ یہ سکران کی جمع ہے جیسے کسلی اور کسالی ہے۔ حسن کا قول ہے کہ خوف کی وجہ سے تم کو لوگ سکر کی حالت میں نظر آئیں گے، وہ شراب کا نشہ نہیں ہوگا۔ بعض نے کہا کہ تو لوگوں کو دیکھے گا کہ گویا وہ نشے کی حالت میں ہیں۔ ”ولکن عذاب اللہ شدید“

## یا جوج ماجوج کا قصہ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ عزوجل حضرت آدم علیہ السلام سے کہیں گے، اے آدم! کھڑے ہوں اور جہنم میں جانے والی اولاد میں سے نکالیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام فرمائیں گے، حاضر ہوں میں حاضر ہوں، خیر تیرے ہاتھوں میں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرمائے گا دوزخ میں بھیجا جانے والا حصہ نکالو۔ آدم علیہ السلام عرض کریں گے دوزخ کا کتنا حصہ ہے، اللہ فرمائے گا ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے، اس وقت بچے بوڑھے ہو جائیں گے اور ہر حاملہ عورت اسقاط حمل کر دے گی، تم لوگوں کو متوالا دیکھو گے حالانکہ وہ نشہ میں نہیں ہوں گے بلکہ اللہ تعالیٰ کا عذاب سخت ہوگا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، یا رسول اللہ! وہ ہزار میں سے ایک ہم میں سے کون ہوگا؟ فرمایا تم میں سے (ایک جنتی) ہوگا اور یا جوج و ماجوج میں سے ہزار کم ایک (دوزخی ہوں گے) پھر فرمایا، تم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں اُمید رکھتا ہوں کہ تم جنت والوں کا چہارم حصہ ہو گے۔ ہم نے یہ سن کر تکبیر کہی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مجھے اُمید ہے کہ تم اہل جنت کا ایک تہائی حصہ ہو گے، ہم نے یہ سن کر تکبیر کہی، فرمایا میں اُمید کرتا ہوں کہ تم لوگ اہل جنت کے آدمے ہوں گے، ہم نے اللہ اکبر کہا، فرمایا تم لوگ دوسرے لوگوں کی بنسبت اتنے ہو گے جیسے ایک کالا بال سفید تیل کی کھال پر یا جیسے ایک سفید بال کالے تیل کی کھال پر۔

حضرت عمران بن حصین اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ یہ دونوں آیتیں غزوہ بنی مصطلق کے دوران رات کے وقت نازل ہوئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ندا کر کے سب کو بلوایا اور یہ آیتیں پڑھ کر سنائیں۔ آیات کو سن

کر لوگ اتار دئے کہ اس رات سے زیادہ رونے والے کبھی نہیں دیکھے گئے۔ صبح ہوئی تو لوگوں نے گھوڑوں سے زینیں نہیں اتاریں نہ ڈیرے لگائے نہ ہانٹیاں پکائیں، کچھ لوگ روتے رہے، کچھ تمکین پریشان سوچ میں بیٹھے رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ یہ کون سا دن ہوگا؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی جانتے ہیں، فرمایا یہ وہ دن ہوگا جب اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام سے فرمائے گا اپنی اولاد میں سے دوزخ کا حصہ بھیجو۔ حضرت آدم علیہ السلام عرض کریں گے، کیا سب میں سے، کتنا کتنا اللہ تعالیٰ فرمائے گا، ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے دوزخ کی طرف اور ایک جنت کی طرف۔

یہ بات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر بہت شاق گزری، وہ رونے لگے اور عرض کیا، یا رسول اللہ، پھر کون نجات پائے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم خوش ہو جاؤ اور سیدھی چال رکھو، تمہارے ساتھ دو مخلوقیں اور بھی ہوں گی جو ہر قوم سے زائد ہوں گی۔ یعنی یاجوج و ماجوج۔ پھر فرمایا، مجھے اُمید ہے کہ تم کل اہل جنت کا ایک تہائی حصہ ہو گے، یہ سن کر لوگوں نے اللہ اکبر کہا اور اللہ کی حمد کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مجھے اُمید ہے کہ تم کل اہل جنت میں آدھے ہو گے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ بات سن کر اللہ اکبر کہا اور اللہ کا شکر ادا کیا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، مجھے توبہ یہ اُمید ہے کہ تمہاری تعداد اہل جنت کی دو تہائی ہوگی۔ اہل جنت کی ایک سو بیس قطاریں ہوں گی۔ ان میں سے اسی (۸۰) قطاریں میری اُمت کی ہوں گی۔ کافروں کے مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد اتنی ہوگی جیسے اونٹ کے پہلو پر تل یا گھوڑے کے پاؤں پر دوسرے رنگ کی لیکیر یا (دھبہ) بلکہ جیسے سفید تیل کی پشت پر ایک سیاہ بال یا سیاہ تیل کی پشت پر ایک سفید بال۔ پھر فرمایا میری اُمت کے ستر ہزار آدمی بلا حساب جنت میں جائیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ستر ہزار فرمایا، ہاں اور ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار یہ سن کر عکاشہ بن محسن کھڑے ہوئے اور عرض کیا، اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ دُعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان میں سے کر دے۔ فرمایا، تم ان میں سے ہو، اس کے بعد ایک انصاری کھڑے ہوئے اور انہوں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ سے دُعا فرمائیے کہ اللہ مجھے بھی ان میں شامل کر دے، فرمایا عکاشہ تم سے سبقت لے گئے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَتَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطَانٍ مَّرِيدٍ ③

اور بعض آدمی ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں (یعنی ذات یا صفات میں) بے جا بوجھے جھگڑا

کرتے ہیں اور ہر شیطان سرکش کے پیچھے ہو لیتے ہیں۔

تفسیر ③ ”وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ“ اس آیت کا نزول نصر بن حارث کے حق میں ہوا ہے۔ نصر

بڑا جھگڑا شخص تھا، وہ کہتا تھا کہ ملائکہ خدا کی بیٹیاں ہیں۔ قرآن گزشتہ لوگوں کی لکھی ہوئی (داستان) ہے۔ یہ شخص حشر جسمانی کا منکر تھا اور یہ کہتا تھا جو چیز خاک ہوگی اس کو زندہ کرنا ناممکن ہے۔ ”وَتَتَّبِعُ“ اللہ تعالیٰ کے احکام کے مقابلے میں بغیر دلیل کے وہ لڑتا تھا۔ ”کُلُّ شَيْطَانٍ مَّرِيدٍ“ جو خیر سے خالی ہو اور شر میں ڈوبا ہوا ہو۔



كُتِبَ عَلَيْهِ أَنَّهُ مَنْ تَوَلَّاهُ فَإِنَّهُ يُضِلُّهُ وَيَهْدِيهِ إِلَىٰ عَذَابِ السَّعِيرِ ④ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَإِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِّن تَرَابٍ ثُمَّ مِّن نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِّن عِلْقَةٍ ثُمَّ مِّن مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنَبِّئَنَّ لَكُمْ ۖ وَنُقَرُّ فِي الْأَرْحَامِ مَا نَشَاءُ إِلَىٰ آجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوا أَشُدَّكُمْ. وَمِنْكُمْ مَّن يَمُوتُ وَمِنْكُمْ مَّن يُرْدُّ إِلَىٰ أَرْدَالِ الْأَعْمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِن مَّ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا ۖ وَتَرَىٰ الْأَرْضَ هَامِدَةً فَإِذَا أَنزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَّتْ ۖ وَأَنْبَتَتْ مِن كُلِّ زَوْجٍ مَّ بَهِيْجٍ ⑤

④ جس کی نسبت (خدا کے یہاں سے) یہ بات لکھی جا چکی ہے کہ جو شخص اس سے تعلق رکھے گا یعنی اس کا اتباع کرے گا تو اس کا کام ہی یہ ہے کہ وہ اس کو (راہ حق سے) بے راہ کر دے گا اور اس کو عذاب دوزخ کا راستہ دکھلا دے گا اور لوگو اگر تم (قیامت کے روز) دوبارہ زندہ ہونے سے شک (وانکار) میں ہو تو ہم نے (اول) تم کو مٹی سے بنایا پھر نطفہ سے (جو غذا سے پیدا ہوتا ہے) پھر خون کے ٹوٹھڑے سے پھر بوٹی سے کہ (بعضی) پوری ہوتی ہے اور (بعضی) ادھوری بھی تاکہ ہم تمہارے سامنے (اپنی قدرت) ظاہر کر دیں اور ہم (ماں کے) رحم میں جس (نطفہ) کو چاہتے ہیں ایک مدت معین (یعنی وقت وضع) تک ٹھہرائے رکھتے ہیں پھر ہم تم کو بچہ بنا کر باہر لاتے ہیں پھر تاکہ تم اپنی بھری جوانی (کی عمر) تک پہنچ جاؤ اور (بعضی) تم میں وہ بھی ہیں جو (جوانی سے پہلے ہی) مر جاتے ہیں اور بعضی تم میں وہ ہیں جو کئی عمر (یعنی زیادہ بڑھاپے) تک پہنچا دیا جاتا ہے جس کا اثر یہ ہے کہ ایک چیز سے باخبر ہو کر پھر بے خبر ہو جاتا ہے اور (آگے دوسرا استدلال ہے کہ) اے مخاطب تو زمین کو دیکھتا ہے کہ خشک (پڑی) ہے پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ ابھرتی ہے اور پھولتی ہے اور ہر قسم کی خوشنما نباتات اگاتی ہے۔

⑤ ”کتاب علیہ“ اللہ تعالیٰ نے شیطان کے متعلق یہ لکھ دیا ہے یعنی فیصلہ کر دیا ہے کہ جو شخص اس کے پیچھے چلے گا۔ ”انہ من تولاہ“ اور جو اس شیطان کی پیروی کرے گا۔ ”فانہ“ وہ اسی میں سے ہوگا۔ ”یضلہ“ جو اس کی پیروی کرے گا شیطان ضرور اس کو بھٹکادے گا۔ ”ویہدیہ الی عذاب السعیر“ اپنی حجت تام کر لیتا ہے اور بعثت کا منکر بنا دیتا ہے۔

⑥ ”یا ایہا الناس ان کنتم فی ریب من البعث فانما خلقناکم“ ہم نے تمہاری اصل کو یعنی آدم کو پیدا کیا جس سے تمہاری نسل جاری ہوئی ہے۔ ”من تراب ثم من نطفة“ آدم علیہ السلام کی اولاد کو نطفہ سے پیدا کیا اور وہ نطفہ منی کا تھا۔ اصل میں یہ ماء قلیل پر بولا جاتا ہے اس کی جمع نطاف آتی ہے۔ ”ثم من علقہ“ اور وہ جما ہوا خون جو ایک ٹوٹھڑے کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اس کی جمع علق ہے اور یہ اس وجہ سے کہ نطفہ پہلے خون بنتا ہے، پھر گوشت کا ٹوٹھڑا۔ ”ثم من مضغہ“ یہ گوشت کا چھوٹا سا ٹکڑا۔ ”مخلقة و غیر مخلقة“ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ کا قول ہے کہ مخلقة کا معنی ہے مکمل

بناوٹ والا اور ناقص ساخت والا اور مجاہد کا قول ہے کہ اس سے مراد مصورہ اور غیر مصورہ (جس کی صورت بنا دی گئی یا وہ جس کی صورت ابھی نہیں بنائی گئی) بعض نے لکھا ہے کہ مخلقہ سے وہ بچہ مراد ہے جو اپنی پوری مدت حمل گزار کر اپنے وقت پر پیدا ہوتا ہے اور غیر مخلقہ سے مراد ہے وہ بچہ جو وقت سے پہلے سقط ہو جاتا ہے۔

علاقہ سے روایت ہے وہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کر رہے ہیں کہ رحم کے اندر جب نطفہ کا ٹھہراؤ ہو جاتا ہے تو ایک فرشتہ اس کو اپنے ہاتھ میں لے کر عرض کرتا ہے، اے میرے رب! یہ مخلقہ ہے یا غیر مخلقہ، اگر اللہ فرماتا ہے غیر مخلقہ تو رحم اس کو خون کی شکل میں (باہر) پھینک دیتا ہے اور وہ نمہ نہیں بن سکتا اور اگر اللہ مخلقہ فرماتا ہے تو فرشتہ عرض کرتا ہے، نریا مادہ، بد بخت یا سعید، اس کی مدت زندگی کتنی ہے، اس کا عمل کیسا ہے؟ اس کا رزق کیا ہے؟ حکم ہوتا ہے جالوح محفوظ کو جا کر دیکھ تجھے سب کچھ اس میں مل جائے گا، فرشتہ جاتا ہے اور لوح محفوظ میں سب کچھ لکھا پاتا ہے اور اس کی نقل کر لیتا ہے اور وہ نقل اس کے پاس رہتی ہے حتیٰ کہ اس کے پاس وہ مدت میعاد آ جاتی ہے "لنبتن لکم" ہم ان کو ظاہر کر دیتے ہیں اپنی قدرت کے مطابق اور اپنی حکمت کے مطابق کہ ہم نے ان کو کن کن ادوار سے گزارا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب ابتداء پیدا کرنے پر قدرت مند ہے تو دوبارہ جی اٹھانے پر بھی ہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ ہم تمہارے سامنے یہ کھول کر بیان کر دیں گے کہ تم کیا کرو گے اور کیا نہیں کرو گے اور تم اپنی عبدیت میں کن چیزوں کے ضرورت مند ہو۔

"ونقرّٰہی الارحام ما نشاء" اس مدت میں نہ بچے کو باہر پھینکتے ہیں اور نہ ہی اسقاط حمل کرتے ہیں۔ "الہی اجل مسمیٰ" ایک مدت تک ہم اس کو رحم میں ٹھہرائے رکھتے ہیں۔ جب تک کہ اس کی خلقت پوری نہ ہو جائے اور مدت تام نہ ہو جائے۔ "ثم نخر حکم" پھر تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے نکالتے ہیں۔ "طفلاً" اس سے مراد بچہ ہے۔ اطفال نہیں فرمایا کیوں کہ عرب لوگ جمع کے صیغہ کو واحد کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ مصدر کے ساتھ تشبیہ دی۔

"ثم لتبلغوا اشدکم" جب تم اپنی عقلی اور جسمانی طاقت کے اس کمال کو پہنچ جاؤ جو اللہ کی طرف سے تمہارے لیے مقرر کر دیا گیا ہے۔ "ومنکم من یتوفی" بوڑھا پے سے پہلے۔ "ومنکم من یرد الی ارضہم" اور سن خرافت تک۔ "لکیلا یعلم من بعد علم شیئاً" اتنی عمر تک پہنچ جائے کہ جس عمر میں عقل متغیر ہو جائے اور اس کی سمجھ کمزور پڑ جائے۔ پھر دوسری دلیل بعث پر ذکر کی ہے۔ "وتروی الارض ہامدۃ" وہ خشک زمین تھی اس پر کوئی مہزہ نہ تھا۔ "فاذا انزلنا علیہا الماء" پھر ہم نے اس پر بارش برسائی۔ "اهتزت" وہ مہزہ کی روئیدگی کے سبب ہلنے لگی۔ "وردت" اور وہ بڑھ گئی، ابھر آئی، پھول گئی۔ ابو جعفر نے اس کو "زابت" پڑھا ہے مہزہ کے ساتھ اور اسی طرح حم سجدہ میں پڑھا ہے۔ یعنی وہ بلند ہو گئی اور حرکت کرنے لگی۔ مبرد کا قول ہے کہ زمین کی طرف لہلہانے اور ابھرنے کی نسبت بطور مجازاً کی گئی ہے اس کو مؤنث ذکر کیا الارض کی وجہ سے۔

اور بعض نے کہا کہ اس میں تقدیم و تاخیر ہوئی ہے۔ عبارت اصل میں یوں تھی "زبت اهتزت" ..... "وانبت من کل زوج بھیج" ہر صنف اور ہر قسم کے خوبصورت جوڑے جو دیکھنے میں بھلے لگتے ہیں۔ یہ دوسری دلیل ہے جو بعث بعد الموت پر دلالت کرتی ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاِنَّهُ يُحْيِي الْمَوْتٰى وَاِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۶﴾ وَاَنَّ السَّاعَةَ  
 اٰتِيَةٌ لَا رَيْبَ فِيْهَا وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ ﴿۷﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ  
 عِلْمٍ وَلَا هُدٰى وَلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ﴿۸﴾ ثٰلِي عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ لَهٗ فِي الدُّنْيَا حِزْبٌ  
 وَّ نُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۹﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَلَّمْتَ يَدَكَ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلٰمٍ  
 لِّلْعٰبِدِ ﴿۱۰﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُعْبِدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ لِّاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرٌ ۙ اِطْمٰنًا ۙ وَاِنْ اَصَابَتْهٗ  
 مُّسِيْئَةٌ ۙ اِنْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ خَسِرَ الدُّنْيَا وَاٰخِرَةُ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرٰنُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۱﴾

﴿۶﴾ یہ سب اس سبب سے ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہی ہستی میں کامل ہے اور وہی بے جانوں میں جان ڈالتا ہے اور وہی ہر  
 چیز پر قادر ہے اور (نیز اس سبب سے ہوا کہ) قیامت آنے والی ہے اس میں ذرا شبہ نہیں اور اللہ تعالیٰ (قیامت  
 میں) قبر والوں کو دوبارہ پیدا کر دے گا اور بعض آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں بدوں واقفیت  
 (یعنی علم ضروری اور بدوں دلیل) یعنی علم استدلال عقلی) اور بدوں کسی روشن کتاب (یعنی علم استدلال نقلی) کے تکبر  
 کرتے ہوئے جھگڑا کرتے ہیں تاکہ اللہ کی راہ سے (یعنی دین حق سے) بے راہ کر دیں ایسے شخص کے لئے دنیا میں  
 رسوائی ہے اور قیامت کے دن ہم اس کو جلتی آگ کا عذاب چکھا دیں گے (اور اس سے کہا جاوے گا کہ یہ تیرے  
 ہاتھ کے کئے ہوئے کاموں کا بدلہ ہے اور یہ بات ثابت ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ (اپنے) بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں  
 (پس تم کو بلا جرم سزا نہیں دے گا) اور بعض آدمی اللہ کی عبادت (ایسے طور پر) کرتا ہے (جیسے کسی چیز کے) کنارے  
 پر (کھڑا ہو) پھر اگر اس کو کوئی (دنوی) نفع پہنچ گیا تو اس کی وجہ سے (ظاہری) قرار پایا اور اگر اس پر کچھ آزمائش  
 ہوگئی منہ اٹھا کر (کفر کی طرف) چل دیا (جس سے) دنیا و آخرت دونوں کو کھو بیٹھا یہی کھلا نقصان (کہلاتا) ہے۔

﴿۷﴾ "ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ" کہ جان لو کہ وہی حق ہے۔ "وَاِنَّهُ يُحْيِي الْمَوْتٰى وَاِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ"

﴿۸﴾ "وَاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَا رَيْبَ فِيْهَا وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ"

﴿۹﴾ "وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ" اس سے مراد نصر بن حارث ہے۔ "وَلَا هُدٰى" وہ بیان جو معرفت

الہیہ تک پہنچانے والا ہو۔ "وَلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ"

﴿۱۰﴾ "ثٰلِي عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ لَهٗ فِي الدُّنْيَا حِزْبٌ" وہ گردن پھیرتا۔ ابن جریج کا قول

ہے حق سے پھر جانا تکبر کی وجہ سے۔ عطف ایک جانب کو کہتے ہیں۔ عطف الرجل کہا جاتا ہے جو شخص اپنی گردن دائیں یا بائیں موڑ

دے۔ انسان اعراض کے وقت جس حصہ بدن کو موڑ لیتا ہے اور گھما لیتا ہے اس کو عطف کہتے ہیں۔ اس کی مثال "وَاِذَا تَلٰى عَلَيْهِ

آیاتنا ولی مستکبراً“ اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا: ”وإذا قيل لهم تعالوا يستغفر لكم رسول الله لووارؤسهم“.....”ليضل عن سبيل الله“ تاکہ وہ اللہ کے دین سے لوگوں کو گمراہ کرے۔ ”لله في الدنيا خزئ“ اس سے مراد عذاب ہے جو بدر کے دن قتل کروئے گئے۔ اس دن انصر بن حارث، عقبہ بن ابی معیط بدر کے دن قتل کیے گئے۔ ”ونليقه يوم القيامة عذاب الحريق“

10”ذلك بما قدمت يداك وأن الله ليس بظلام للعبيد“ وہ گناہ کے بغیر سزا دے، یہ اس کی شان نہیں۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں پر تصرف کا اختیار ہے جس طرح چاہے کرے۔ اس کا سارے کا سارا فیصلہ عدل ہی ہے وہ ظالم نہیں۔

11”ومن الناس من يعبد الله على حرف“ ان آیات کا نزول ان بدوی دیہاتیوں کے متعلق ہوا جو صحرا کو چھوڑ کر مدینے میں آ کر مسلمان ہو جاتے اور وہیں رہ پڑتے تھے۔ اگر قیام مدینہ کے زمانے میں ان کی صحت درست رہتی، بیویوں کے لڑکے پیدا ہوتے اور گھوڑیوں کے خوبصورت بچھڑے ہوتے تو کہتے یہ اچھا مذہب ہے اور اس سے مجھے بڑا فائدہ ہوا اور اگر اس کے خلاف ہوتا، یعنی ان کی صحت بگڑ جاتی، عورتوں کے ہاں لڑکیاں پیدا ہوتیں تو کہتے کہ ہم اس مذہب میں داخل ہوئے ہم کو کوئی بھلائی حاصل نہیں ہوئی، یہ کہہ کر اسلام سے مرتد ہو جاتے اور اسلام سے منہ موڑ لیتے۔ یہی فتنہ ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی: ”ومن الناس من يعبد الله على حرف“

بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ حرف کا معنی کنارہ ہے۔ شک کرنے والا، منافق دونوں گروہوں کے کنارے پر ہوتا ہے۔ مؤمنوں کے گروہ کے کنارے پر اور کافروں کے گروہ کے کنارے پر۔ کبھی ادھر مڑ جاتا ہے، کبھی اُدھر اور منافق بھی فوج کے آخری کنارے پر ہوتا ہے اگر فتح محسوس کرتا ہے تو ٹھہرا رہتا ہے اور اگر شکست محسوس کرتا ہے تو بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔

منافق میں ثابت قدمی نہیں ہوتی اور اگر ٹھہر بھی جائے تو پہاڑ کی ایک طرف ٹھہرنے کی طرح ٹھہرتا ہے کہ جو شخص پہاڑ کے نیچے کھڑا ہوتا ہے اور وہ پہاڑ اگر جامد نہ ہو تو پھر خطرہ ہوتا ہے کہ کسی جانب گر جائے تو یہ منافق بھی اسی طرح ہے، ڈرتا رہتا ہے کہ کب میرے اوپر پہاڑ گر جائے گا۔ اگر یہ اللہ کی عبادت کرتے اور خشکی کی حالت میں شکر کرتے اور مصیبت کے وقت صبر کرتے تو یہ ایک طرف (کنارے) نہ رہتے۔

حسن بصری کا قول ہے کہ منافق زبان سے عبادت کرتا ہے نہ کہ دل سے۔ ”فان اصابه خير“ ان کو صحت و عافیت مل جائے اور معیشت زندگی آسان ہو جائے۔ ”اطمان به“ وہ اس پر رضا مند رہتا ہے اور سکون میں رہتا ہے۔ ”وان اصابته فتنه“ اور اگر ان کے جسم میں کوئی آفت آجائے اور ان کو مالی تنگ دستی ہو جائے۔ ”انقلب على وجهه“ تو وہ مرتد ہو جاتے ہیں جیسے کہ پہلے کفر پر تھے۔ ”خسر الدنيا“ یہ اس شک کا انجام ہے کہ دنیا میں بھی خسارہ کہ اس نے جو امیدیں لگائی ہوئی تھیں وہ پوری نہ ہوئیں۔ ”والاخرة“ دین حق کو چھوڑنے کی وجہ سے آخرت میں ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہنا پڑے گا۔ یعقوب نے (خاسر) پڑھا ہے اور ”والاخرة“ کو مجرور پڑھا ہے۔ ”ذلك هو الخسران المبين“ اور اس کا یہ کھلا ہوا نقصان ہے۔

يَدْعُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُ وَمَا لَا نَفْعَ لَهُ ذَلِكَ هُوَ الضَّلَالُ الْبَعِيدُ ﴿۱۲﴾ يَدْعُوا

لَمَنْ ضَرَّهُ أَقْرَبُ مِنْ نَفْعِهِ ۖ لَبِئْسَ الْمَوْلَىٰ وَلَبِئْسَ الْعَشِيرُ ﴿۱۳﴾

خدا (کی عبادت) کو چھوڑ کر ایسے کی عبادت کرنے لگا جو نہ اس کو نقصان پہنچ سکتا ہے اور نہ اس کو نفع پہنچا سکتا ہے یہ انتہا درجہ کی گمراہی ہے وہ ایسے کی عبادت کر رہا ہے کہ اس (کی عبادت) کا ضرر بہ نسبت اس کے نفع کے زیادہ قریب الوقوع ہے ایسا کارساز بھی برا اور ایسا رفیق بھی برا۔

**تفسیر** ﴿۱۲﴾ ”یدعوا من دون اللہ مالا یضرہ“ وہ ایسی چیز کی پوجا کرتا ہے کہ اگر اس کی پوجا نہ کرتے تو وہ چیز ان کو ضرر نہیں پہنچا سکتی۔ ”وما لا یففعہ“ اور اس کو پوجے تو وہ فائدہ نہیں دے سکتی۔ ”ذلک هو الضلال البعید“ حق کا راستہ نہ ملنا، راہ مستقیم سے دور ہو جانا۔

﴿۱۳﴾ ”یدعوا لمن ضرہ اقرب من نفعہ“ یہ آیت مشکلات قرآن میں سے شمار کی جاتی ہے۔ اس میں چند سوالات ذکر کیے جاتے ہیں۔

سوال: پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”یدعوا من دون اللہ مالا یضرہ وما لا یففعہ“ اور اس آیت میں ارشاد فرمایا ”لمن ضرہ اقرب من نفعہ“ ان دونوں آیات میں توفیق کیسے ممکن ہے؟

جواب: پہلی آیت میں ”یدعوا من دون اللہ مالا یضرہ“ اس آیت سے مراد ہے کہ ترک عبادت سے اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ یعنی اگر وہ بتوں کی عبادت نہیں بھی کرے گا تو وہ بت اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے اور دوسری آیت میں اس بات کا تذکرہ ہے کہ اس کا ان بتوں کی عبادت کرنا زیادہ ضرر رساں ہے۔

سوال: یہاں کیسے فرمایا کہ ”لمن ضرہ اقرب من نفعہ“ حالانکہ بتوں سے بالکل ہی نفع حاصل نہیں کیا جاسکتا؟

جواب: یہ عرب کا محاورہ ہے کہ جو چیز بالکل موجود نہ ہو، اس کے بعد متعلق ”بعید“ کا لفظ استعمال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فلاں شئی بعید ہے یعنی معدوم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”ذلک رجوع بعید“ یہ لوٹنا بعید ہے، یعنی ہو نہیں سکتا چونکہ بتوں سے فائدہ حاصل ہونا ممکن نہیں تھا، اس لیے ”ضرہ اقرب من نفعہ“ فرمایا۔ مطلب یہ ہے کہ بت پرستی کا ضرر ضرور ہوگا۔

جواب: بعض حضرات نے کہا کہ کسی چیز کا ضرر اس کے نفع سے بڑھ کر ہے۔

”لمن ضرہ اقرب من نفعہ“ یہ لام کون سا ہے اس کے متعلق مفسرین رحمہم اللہ کا قول ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ صلہ ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ تم ایسے معبود کو پکارتے ہو جس کا نقصان نفع سے زیادہ ہے۔ یہی ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت ہے اور بعض نے کہا کہ ”یدعوا بمعنی یتقول کے ہے۔ اس کی خبر محذوب ہے۔ ”امی یقول لمن ضرہ اقرب من نفعہ هو اللہ“ بعض نے کہا کہ یہاں پر دوسرا ”یدعوا“ محذوف ہے۔ عبارت یوں ہوگی ”یدعوا لمن ضرہ اقرب من نفعہ“

یدعو ایہاں عبارت میں دوسرے یدعو کو محذوف قرار دیں، پہلے یدعو کی بناء پر بعض نے کہا کہ ”یدعو امن“ یہ صلہ ہے۔ ان کا قول ”ذلک هو الضلال البعید“ گویا اس نے یوں کہا ”هو الضلال البعید یدعو“ اس کے بعد جملہ کو دوبارہ ذکر کیا۔ اس صورت میں ”من“ بھل رفع میں مبتداء ہے اور اس کی خبر ”لبس المولی“ ہے۔ مولیٰ کا معنی مددگار ہے۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد معبود ہے۔ ”ولبس العشیر“ اس کا ساتھی اس کا رفیق یعنی بت۔ عرب کے ہاں زوج کو عشیر کہا جاتا ہے کہ وہ ہر وقت کا ساتھی اور رفیق معاشرت ہوتا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ ﴿۱۵﴾ مَنْ كَانَ يَظُنُّ أَنْ لَنْ يَنْصُرَهُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبِ إِلَى السَّمَاءِ ثُمَّ لِيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُنْهَبِنُ كَيْدَهُ مَا يَغِيظُ ﴿۱۶﴾ وَكَذَلِكَ أَنْزَلْنَاهُ آيَاتٍ م بَيِّنَاتٍ وَأَنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يُرِيدُ ﴿۱۷﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّابِقِينَ وَالنَّصَرِيَّ وَالْمَجُوسَ وَاللَّذِينَ أَسْرَكُوا إِنَّ اللَّهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿۱۸﴾

بلاشبہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے (بہشت کے) ایسے باغوں میں داخل فرما دیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اللہ تعالیٰ جو ارادہ کرتا ہے کر گزرتا ہے جو شخص (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخالفت کر کے) اس بات کا خیال رکھتا ہو کہ اللہ تعالیٰ رسول کی دنیا اور آخرت میں مدد نہ کرے گا تو اس کو چاہئے کہ ایک رسی آسمان تک تان لے پھر (اس کے ذریعہ سے آسمان پر پہنچ کر اگر ہو سکے) اس وحی کو موقوف کر دے تو پھر (خوب) غور کرنا چاہئے آیا اس کی یہ تدبیر اس کی ناگواری کی چیز کو (یعنی وحی کو) موقوف کر سکتی ہے ہم نے اس قرآن کو اسی طرح اتارا ہے جس میں کھلی کھلی دلیلیں تعین حق کی ہیں اور بات یہ (ہی) ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے (حق کی) ہدایت کرتا ہے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مسلمان اور یہود اور صابئین اور نصاریٰ اور مجوس اور مشرکین اللہ تعالیٰ ان سب کے درمیان میں قیامت کے روز (عملی) فیصلہ کر دے گا۔ (مسلمانوں کو جنت میں داخل کرے گا اور کافروں کو دوزخ میں) بیشک خدا تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے۔

تفسیر ﴿۱۵﴾ ”ان اللہ یدخل اللذین آمنوا وعملوا الصالحات“ (الآیہ)

﴿۱۵﴾ ”من کان یظن ان لن ینصره اللہ“ جو یہ گمان کرتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد اللہ نہیں کرے گا ”فی الدنیا والآخرۃ فلیمدد بسبب“ رسی تان لے۔ ”الی السماء“ اس سے مراد گھر کی چھت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ چھت کے ساتھ ایک رسی باندھ کر اس کو اپنے گلے میں ڈال لو تا کہ مر جائے۔ ”ثم لیقطع“ پھر اسی رسی کو کاٹ دو۔ بعض نے کہا کہ پھر تو اس کو کاٹ دے۔ یعنی تم اس رسی کو لمبا چھوڑ دو تا کہ اس کے ذریعے سے رگیں کٹ جائیں یا دب جائیں اس سے وہ مر



جائے۔ ”فلینظر هل یذہبن کبدہ“ اس کی کارگیری اور اس کا حلیہ۔ ”مایغیظ“ ما بمعنی مصدر کے ہے۔ کیا اس کا غصہ اور مکر و فریب چلا جائے۔ اس کا معنی ہے کہ وہ غصے کے ساتھ اپنی گردن کو رسی سے باندھ لے تاکہ غصہ کی وجہ سے مر جائے۔ جیسا کہ حاسد کے لیے کہا جاتا ہے اگر تو اس بات پر راضی نہیں تو اپنا گلا گھونٹ کر مر جا۔

ابن زید کا قول ہے کہ آیت میں ”السماء“ سے مراد آسمان دُنیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص خیال کرتا ہو کہ اللہ اپنے نبی کی مدد نہیں کرے گا اس کو چاہیے کہ اس سلسلہ کو جڑ سے ہی کاٹ دے اور رسی تان کر آسمان دُنیا تک پہنچ جائے اور وہاں سے آنے والی خداوندی نصرت کو روک دے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آسمان دُنیا تک پہنچ کر وہاں سے وحی کا آنا بند کر دے۔ تو پھر وہ دیکھ لے کہ وہ اس کے ذریعے سے اپنے غصہ کو ٹھنڈا کر لے۔

بعض روایات میں آتا ہے کہ اس آیت کا نزول بنی اسد اور بنی غطفان کے حق میں ہوا۔ ان دونوں قبیلوں کا یہودیوں سے باہم امداد کا معاہدہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے کہا ہمارے لیے مسلمان ہونا ممکن نہیں کیونکہ ہم کو اندیشہ ہے کہ اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد نہیں کرے گا اور مسلمان ہونے کے بعد ہمارا یہودیوں سے معاہدہ ٹوٹ چکا ہوگا، وہ ہم کو غلہ دیں گے نہ ٹھہرنے کی جگہ، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

مجاہد نے کہا کہ نصر کا معنی ہے رزق اور ہاء راجع ہے من کی طرف اس صورت میں اس کا معنی یہ ہوگا کہ جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ اس کو دُنیا میں اور آخرت میں رزق عطا نہیں کرے گا اس کے برے گمان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی کیوں کہ اس کو یہ خوف ہے کہ اس کو کوئی رزق نہیں دے گا اور تحقیق مدد آ پھنچی۔ اس سے مراد رزق ہے۔ جیسا کہ عرب کا قول ہے ”من یصرنی نصرہ اللہ“ جو کچھ مجھے عطا کیا گیا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کیا گیا۔

ابو عبیدہ کا قول ہے کہ عربی زبان میں ارض منصورہ اس زمین کو کہتے ہیں جس پر بارش ہوگی۔ ابو عمرو، نافع، ابن عامر اور یعقوب نے ”ثم لیقطع“ پڑھا ہے۔ پھر وہ فیصلہ کرے، لام کے کسرہ کے ساتھ اور دوسرے قراء نے جزم کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابن عامر نے ”ولیلوہوا ولیطوہوا“ میں دونوں جگہ لام کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے جو حضرات کسرہ پڑھتے ہیں، وہ یہ کہتے ہیں ”ثم لیقطع، ثم لیقضا“ میں فرق ہے کہ ”ثم“ دونوں کلاموں کے درمیان فاصلہ کرنے کے لیے لایا گیا ہے اور واؤ کے ساتھ کلمہ کا ذکر کرنا ایسا ہے گویا کہ وہ نفس کلمہ ہے، جیسے ”فلینظر“ میں فاء ہے۔

16 ”وکذلک“ جس طرح ہم نے وہ آیات نازل کیں جن سے امکان حشر، توحید صداقت اور دوسری آیات قرآنی مراد ہیں۔ ”انزلناہ“ اس سے مراد قرآن ہے۔ ”آیات بینات وأن اللہ یتدی من یرید“

17 ”ان الدین آمنوا والذین ہادوا والصابئین والنصارئ والمجوس والذین اشرکوا“ شرک سے مراد بتوں کی پوجا کرنا ہے۔

”اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ“ ان کے درمیان ہم فیصلہ کرتے ہیں۔ ”يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ“ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ۗ وَكَثِيْرٌ حَقًّا عَلَيْهِ الْعَذَابُ ۗ وَمَنْ يُهِنِ اللّٰهَ فَمَالَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ۗ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ (آیت سجدہ) 18 هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اِخْتَصَمُوْا فِى رَبِّهِمْ فَاَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا قَطَعَتْ لَهُمْ نِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ ۗ يَصُبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ 19

19 اے مخاطب کیا تجھ کو (عقل سے یا مشاہدہ سے) یہ بات معلوم نہیں کہ اللہ کے سامنے (اپنی اپنی حالت کے مناسب) عاجزی کرتے ہیں جو کہ آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے اور بہت سے (تو) آدمی بھی اور بہت سے ایسے ہیں جن پر (بوجہ منقاد نہ ہونے کے) عذاب ثابت ہو گیا ہے اور (سچ یہ ہے کہ) جس کو خدا ذلیل کرے (اور اس کو توفیق ہدایت نہ ہو) اس کا کوئی عزت دینے والا نہیں (اور) اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے (جو چاہے کرے) (جن کا اوپر آیت میں ذکر ہوا) دو فریق ہیں جنہوں نے اپنے رب کے بارے (دین کے) باہم اختلاف کیا سو جو لوگ کافر تھے ان کے (پہننے کے) لئے (قیامت میں) آگ کے کپڑے قطع کئے جاویں گے اور ان کے سر کے اوپر سے تیز گرم پانی چھوڑا جاوے گا۔

تفسیر 18 ”اَلَمْ“ کیا آپ نہیں جانتے۔ بعض نے کہا ”اَلَمْ“..... ”عَمْرُ“ تم اپنے دل کی آنکھوں سے ”اِنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ“ من فى السموات ومن فى الارض والشمس والقمر والنجوم والجبال والشجر والذواب“ مجاہد کا قول ہے ان کا سجدہ کرنا ان کے سایہ کا دوسری طرف مائل ہونا ہے۔ ابو العالیہ کا بیان ہے آسمان میں جو کچھ بھی ہے ستارے ہوں یا سورج یا چاند غروب شمس کے وقت یہ سب سجدے میں ہوتے ہیں۔ پھر وہ دوسرے دن اس وقت تک طلوع نہیں ہوتا۔ جب تک کہ اس کو اجازت نہ دی جائے۔ بعض حضرات نے کہا کہ سجود سے مراد طاعت و فرمانبرداری ہے۔ جماد میں سے کوئی بھی ایسی چیز نہیں جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہ کرتی ہو۔ اللہ ہی کے لیے عاجزی اور تسبیح نہ کرتی ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کے متعلق خبر دی ہے۔ ”قالنا ائینا طاعتین“ بعض نے پتھر کی وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا ”وان منها لما یهبط من خشية الله“ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ”وان من شیء الا یسبح بحمده ولكن لا تفقهون تسبیحہم“ یہ اہل سنت کے موافق صحیح قول ہے۔

”و کثیر من الناس“ ان تمام اشیاء میں وہ اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہیں۔ اسی طرح انسانوں میں سے بہت سے لوگ (یعنی مسلمان) اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔ ”و کثیر حق علیہ العذاب“ اس سے مراد کفار ہیں۔ ان کے کفر اور ترک سجود کے باعث ان پر اللہ کا عذاب ثابت ہو چکا۔ ”و کثیر حق علیہ العذاب“ اس میں جملہ واؤ متاثر ہے۔ ”ومن ینہن اللہ“ جس کو اللہ ذلیل کر دے۔ ”فمالہ من مکرم“ اس کو کوئی عزت نہیں دے سکتا۔ ”اِنَّ اللّٰهَ یَفْعَلُ مَا یَشَاءُ“ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے

اپنی طرف سے عزت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ذلت دیتا ہے، نیک بختی اور بد بختی اس کے ارادہ اور مشیت سے ہے۔

⑩ ”ہذان خصمان اختصموا فی ربہم“ وہ جھگڑتے ہیں اپنے دین میں اور اس کے حکم میں۔ ”خصم“ اسم شبیہ ہے مصدر کا، اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”اختصموا“ لفظ جمع کے ساتھ۔ جیسا کہ دوسری آیت میں ہے: ”وہل آتاک نبا الخصم اذ تسوروا المحراب“

## ہذان خصمان کی تفسیر

ان دونوں خصمین کے متعلق مفسرین رحمہم اللہ کے مختلف اقوال ہیں۔

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آیت ”ہذان خصمان اختصموا فی ربہم“ کا نزول حضرت حمزہ، حضرت عبیدہ، حضرت علی رضی اللہ عنہم اور شبیبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ۔ عتبہ بن ربیعہ کے متعلق ہوا۔ اول تینوں حضرات مؤمن تھے اور آخری تینوں اشخاص کافر تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہ آیت ہمارے متعلق اور بدر کے دن کافروں سے ہمارے مقابلے کے سلسلے میں نازل ہوئی۔ انہی سے دوسری روایت منقول ہے جو قیس بن عبادہ نے نقل کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا، قیامت کے دن کافروں سے جھگڑا کرنے کے لیے سب سے پہلے میں ہی رحمت (الہی) کے سامنے دوڑاؤ بیٹھو گا۔ قیس نے کہا کہ انہی لوگوں کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی جن لوگوں نے بدر کے دن باہم مقابلہ کیا تھا۔ علی، حمزہ، عبیدہ، شبیبہ بن ربیعہ، عتبہ بن ربیعہ، ولید بن عتبہ انہی کے سلسلے میں اس آیت کا نزول ہوا۔

## بدر کے روز حضرت علی حمزہ اور عبیدہ رضی اللہ عنہم کا کافروں سے مقابلہ کرنا

محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ بدر کے دن عتبہ بن ربیعہ، شبیبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ نکل کر آئے اور صرف تک پہنچ کر انہوں نے اپنے حریفوں کو میدان میں نکل کر آنے کی دعوت دی۔ ان کے مقابلے میں عبد اللہ بن رواحہ اور تین انصاری جوان عوف، معاذ و معوذ نکل کر سامنے آئے۔ مؤخر الذکر تینوں جوان حارث کے بیٹے تھے۔ ان کی ماں کا نام عفرات تھا۔ فریق اول نے پوچھا تم کون لوگ ہو؟ فریق دوم نے کہا ہم انصاری ہیں اور نسب میں تمہارے ہم سفر اور شرفاء ہیں۔ فریق اول کی منادی نے پکارا، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے مقابلے کے لیے ہمارے ہمسروں کو بھیجو جو ہماری قوم میں سے ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عبیدہ بن حارث اٹھو، حمزہ بن عبد المطلب اٹھو، علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم اٹھو۔ حسب الحکم تینوں حضرات نکل کر میدان میں پہنچے۔ فریق اول نے پوچھا تم کون لوگ ہو؟ فریق دوم نے اپنے نام بتائے۔ فریق اول نے کہا ہاں تم ہم سر اور شرفاء ہو۔ عبیدہ سب سے زیادہ عمر رسیدہ تھے۔ انہوں نے عتبہ کو لکارا اور حمزہ شبیبہ کے مقابلہ پر نکلے اور

حضرت علی ولید بن عتبہ کے مقابلے میں پہنچے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے مقابل کو تودم ہی نہیں لینے دیا فوراً ہی شیبہ کو قتل کر دیا اور علی نے ولید کا کام تمام کر دیا۔ البتہ عبیدہ اور عتبہ کے درمیان چوٹیں رہیں۔ دونوں اپنی اپنی جگہ ڈٹے رہے، یہ دیکھ کر حمزہ اور علی اپنی تلواریں لے کر عتبہ پر ٹوٹ پڑے اور قتل کر دیا اور عبیدہ کو اٹھا کر اپنے ساتھیوں کے پاس لے آئے۔ حضرت عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ٹانگ کٹ گئی تھی اور اس سے خون بہہ رہا تھا۔ جب یہ حضرات حضرت عبیدہ کو لے کر خدمت گرامی میں پہنچے تو عبیدہ نے کہا، کیا میں شہید نہیں ہوں گا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیوں نہیں۔ عبیدہ نے کہا کہ اگر حضرت ابوطالب زندہ ہوتے تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ ان کے ان شعروں کا میں ہی زیادہ مستحق ہوں اور ان کے اشعار یہ تھے:

ونذهل عن ابائنا والحلائل ونسلمه حتى نصرع حوله

(ہم اس وقت تک ان کو تمہارے سپرد نہیں کر سکتے جب تک اپنے اہل و عیال کی طرف سے بے پرواہ ہو کر ان کے

گرد ہماری لاشیں نہ پڑی ہوں۔)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور قتادہ نے کہا کہ یہ آیت مسلمانوں کے اور اہل کتاب کے متعلق نازل ہوئی۔ اہل کتاب نے کہا تھا ہم تمہارے مقابلے میں اللہ سے زیادہ قرب رکھتے ہیں۔ ہماری کتاب تمہاری کتاب سے اور ہمارا نبی تمہارے نبی سے مقدم ہے۔ مسلمانوں نے کہا ہم قرب الہی کے زیادہ مستحق ہیں۔ نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور تمہارے نبی پر اور اللہ کی نازل کی ہوئی ہر کتاب پر ایمان رکھتے ہیں اور تم ہمارے نبی کو بھی پہچانتے ہو اور ہماری کتاب کو بھی اور محض حسد کی وجہ سے انکار کرتے ہو۔ فریقین کا اللہ کے معاملہ میں یہی جھگڑا تھا۔

مجاہد اور عطاء بن رباح نے کہا کہ ”ہذان خصمان“ سے تمام مسلمان مراد ہیں۔ بعض علماء نے کہا اس آیت ”ان اللدین امنوا واللدین ہادوا“ میں چھ مذاہب کا تذکرہ کیا گیا۔ ایک مذہب والوں کو جنتی اور پانچ مذاہب والوں کو دوزخی قرار دیا گیا ہے۔ عکرمہ کا قول ہے کہ باہم جھگڑا کرنے والی دو چیزیں جنت اور دوزخ ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت اور دوزخ کا باہم جھگڑا ہوا۔ دوزخ نے کہا کہ میں اعلیٰ ہوں، مجھے تکبر کرنے والوں اور مغروروں کے لیے پسند کیا گیا ہے۔ جنت نے کہا میری کیا حالت ہے، میرے اندر تو سوائے کمزوروں، گرے پڑے لوگوں اور مسکینوں کے اور کوئی بھی داخل نہیں ہوگا، اللہ نے جنت سے فرمایا تو میری رحمت ہے، میں اپنے جس بندے سے چاہوں گا تیرے ذریعہ سے رحم کروں گا اور دوزخ سے فرمایا تو میرا عذاب ہے تیرے ذریعہ سے میں جس کو چاہوں گا عذاب دوں گا۔ تم دونوں میں سے ہر ایک کو ضرور بھرا جائے گا۔ دوزخ تو اس وقت تک نہیں بھرے گی، جب تک اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی ایڑھی مبارک نہ رکھ لیں۔ جب اللہ تعالیٰ اس کے اندر اپنا قدم مبارک رکھ دے گا تو دوزخ بھر جائے گی اور کہے گی بس بس اور وہ باہم سمٹ جائے گی۔ اللہ اپنی مخلوق میں سے کسی پر ظلم نہیں کرے گا اور جنت کے لیے اللہ دوسری مخلوق پیدا کر دے گا۔

”فاللین کفروا قطع لہم ثیاب من نار“ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے کہا پگھلائے ہوئے تانبے کے کپڑے ہوں

گے، کوئی دھات بھی ایسی نہیں کہ تپانے کے بعد اس لباس سے زیادہ گرم ہو چونکہ لباس کی طرح پگھلا ہوا تانبا کافروں کے جسم کو محیط ہوگا، اس لیے اس کو لباس قرار دیا۔

بعض علماء نے کہا کہ دوزخیوں کو آگ کے ٹکڑے پہنائے جائیں گے۔ ”یصب من فوق رؤسہم الحمیم“ جیم سے مراد گرم پانی ہے جو اپنی حرارت میں آخری درجہ تک پہنچ جائے۔

يُصْهَرُ بِهِ مَا فِي بُطُونِهِمْ وَالْجُلُودُ 20 وَلَهُمْ مَقَامِعٌ مِنْ حَدِيدٍ 21 كَلَّمَا أَرَادُوا أَنْ يَخْرُجُوا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ أُعِيدُوا فِيهَا وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ 22 إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَلُؤْلُؤًا 23 وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ 24 وَهَدُّوا إِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ. وَهَدُّوا إِلَى صِرَاطِ الْحَمِيدِ 25

20 (اور) اس سے ان کے پیٹ میں کی چیزیں (یعنی انتڑیاں) اور ان کی کھالیں سب گل جاویں گی اور ان کے (مارنے کے) لئے لوہے کے گرز ہوں گے وہ لوگ جب (دوزخ میں) گھٹے گھٹے (گھبرا جائیں گے) اور اس سے باہر نکلنا چاہیں گے تو پھر اسی میں دھکیل دیئے جاویں گے اور (ان کو) کہا جاوے گا کہ جلنے کا عذاب (ہمیشہ کے لئے) چمکتے رہو (اور) اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو کہ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے (بہشت کے) ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی (اور) ان کو وہاں سونے کے نکلن اور موتی پہنائے جاویں گے اور پوشاک ان کی وہاں ریشم کی ہوگی اور (یہ سب انعام ان کے لئے اس لئے ہے کہ دنیا میں) ان کو کلمہ طیب (کے اعتقاد) کی ہدایت ہوگی تھی اور ان کو اس (خدا) کے راستہ کی ہدایت ہوگی تھی جو لائق حمد ہے (وہ راستہ اسلام ہے)

تفسیر 20 ”یصہر بہ“ وہ گرم پانی کی وجہ سے پگھل جائے گا۔ ”ما فی بطونہم“ جو کچھ ان کے پیٹوں میں ہے ان سب کو جلا دے گی، انتڑیاں اور جربی۔ جب ان پر گرم پانی ڈالا جائے گا تو بیرونی جسم کے ساتھ ساتھ اندرونی جسم بھی پگھل جائے گا۔ ”والجلود“ اس کی گرمی کی وجہ سے ان کی جلد گر جائے گی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، گرم پانی ان کے سروں کے اوپر ڈالا جائے گا اور بہہ کر پیٹ کے اندر داخل ہو کر دونوں قدموں کے درمیان سے نکل جائے گا، صہر کا یہی معنی ہے کہ بار بار ایسا ہی کیا جائے گا۔

”ولہم مقامع من حدید“ لوہے کے گرز ہوں گے اس کی واحد ”مقمعة“ ہے۔ لیٹ کا قول ہے کہ یہ لوہے کے گرز کے مشابہ ہے۔ یہ ”قمتت رأسہ“ کے محاورے سے ماخوذ ہے۔ قمتت میں نے سخت ضرب رسید کی۔ اگر اس گرز کو زمین پر گاڑ دیا جائے، پھر جن وانس جمع ہو جائیں تو اس کو زمین سے نکال نہ سکیں۔

21 ”کلما ارادوا ان یخرجوا منها من غم“ جب بھی وہ آگ سے نکلنے کی کوشش کریں گے تو دوبارہ اسی غم و تکلیف

میں لوٹا دیئے جائیں گے۔ ”اعیدوا فیہا“ ان کو گرزوں کے ذریعے واپس لوٹایا جائے گا۔ تفسیر میں ہے کہ جہنم میں گروہ درگروہ داخل ہوں گے، وہ آگ ان کو اوپر سے ڈھانپ دے گی، وہ اس سے نکلنے کی کوشش کریں گے، ان کو لوہے کے گرزوں کے ساتھ مارا جائے گا تو وہ ستر سال زمین میں دھنستا چلا جائے گا۔ ”وذوقوا عذاب الحریق“ ان کو فرشتے کہیں گے کہ اب چکھو مزہ آگ کا کہ تم جلتے رہو دردناک عذاب اور دردناک تکلیف کے ساتھ۔ زجاج نے کہا یہاں تک ایک فریق کا ذکر تھا، دوسرے فریق کا تذکرہ اگلی حدیث کے ذیل میں آ رہا ہے۔

23 ”ان اللہ یدخل الذین امنوا وعملوا الصالحات جنات تجری من تحتها الانهار یحلبون فیہا من اساور من ذهب“ اساور سوار کی جمع ہے۔ ”ولؤلؤة“ قراء اہل مدینہ اور عاصم نے ”لؤلؤة“ منصوب کے ساتھ پڑھا ہے اور سورۃ الملائکہ میں بھی اس کو نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعقوب نے اس جگہ معنی موافقت کی ہے اور مصاحف میں الف کے ساتھ لکھا ہے اور دوسرے قراء نے اس کو جر کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس صورت میں اس کا عطف ”من ذهب“ پر ہوگا اور پورے قرآن میں ہمزہ اولیٰ کو چھوڑ دیا پورے قرآن میں، ابو بکر و ابو جعفر نے ان کی موافقت کی ہے۔ باقی رہی بات الف کو باقی رکھا جائے گا یا نہیں؟ اس بارے میں بعض حضرات نے کہا کہ اس کے الف کو باقی رکھا جائے گا۔ جیسا کہ قالوا اور کانوا میں الف کو باقی رکھا جاتا ہے۔ کسائی کا قول ہے کہ ہمزہ کو ثابت رکھا جائے گا جیسا کہ ہمزہ کو ثابت رکھا جاتا ہے۔ ”ولباسہم فیہا حریر“ کہ جنت میں لوگ ریشم کا لباس پہنیں گے، وہ لباس دنیا میں ان پر حرام کر دیا گیا تھا۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جو شخص دنیا میں ریشم کا لباس پہنے گا اس کو آخرت میں ریشم نہیں ملے گا اور گروہ جنت میں پہنچ بھی جائے تب بھی اس کو ریشمی لباس نہیں ملے گا۔

24 ”وہدوا الی الطیب من القول“ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا طیب قول سے مراد یہ ہے کہ لا الہ الا اللہ واللہ اکبر والحمد للہ کی شہادت۔ ابن زید کا قول ہے کہ اس سے مراد لا الہ الا اللہ واللہ اکبر والحمد للہ و سبحان اللہ۔ سدی کا قول ہے کہ اس سے مراد قرآن ہے اور بعض نے کہا کہ اہل جنت کا قول الحمد للہ ہے کہ اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا۔ ”وہدوا الی صراط الحمید“ اس سے مراد اللہ کا دین اسلام ہے۔ حمید سے مراد اللہ تعالیٰ ہیں، محمود سے مراد اچھے افعال ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَيَصُدُّوْنَ عَنِ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِیْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَآءٍ  
 الْعَاكِفِ فِيْهِ وَالْبَادِيَةِ وَمَنْ يُرِدْ فِيْهِ بِالْحَادِیْمِ بِظُلْمٍ نُّدِقْهُ مِنْ عَذَابِ الْاَلِیْمِ 25 وَاذْ بَوَّآءَا  
 لِابْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَا تُشْرِكَ بِیْ شَيْئًا وَّطَهَّرَ بَيْتِیْ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَائِمِيْنَ  
 وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ 26 وَاذْنُ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يٰ تُوَكَّ رَجَالًا وَّعَلٰی كُلِّ ضَامِرٍ يَّآتِيْنَ مِنْ  
 كُلِّ فَجٍّ عَمِیقٍ 27 لَیْسَ هٰذِہٗا مَنَافِعَ لَہُمْ وَیَذْکُرُوْا اِسْمَ اللّٰهِ فِیْ اَیَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰی مَا



رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ. فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطِعُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ 28

پیشک جو لوگ کافر ہوئے اور (مسلمانوں کو) اللہ کے راستہ سے اور مسجد حرام (یعنی حرم) سے روکتے ہیں جس کو ہم نے تمام آدمیوں کے واسطے مقرر کیا ہے کہ اس میں سب برابر ہیں اس میں رہنے والا بھی اور باہر سے آنے والا بھی یہ (روکنے والے) لوگ معذب ہوں گے اور جو شخص اس میں (یعنی حرم میں) کوئی خلاف دین کام تصداً ظلم (یعنی شرک و کفر) کے ساتھ کرے گا تو ہم عذاب دردناک کا مزہ چکھائیں گے اور جبکہ ہم نے ابراہیمؑ کو خانہ کعبہ کی جگہ بتلا دی اور حکم دیا کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک مت کرنا (یہ ان کے مابعد والوں کو سنانا ہے) اور میرے (بڑاں) گھر کو طواف کرنے والوں کے اور (نماز میں) قیام و رکوع و سجدہ کرنے والوں کے واسطے پاک رکھنا اور (ابراہیمؑ سے یہ بھی کہا گیا کہ) لوگوں میں حج (کے فرض ہونے) کا اعلان کر دو لوگ تمہارے پاس (حج کو) چلے آویں گے پیادہ بھی اور دہلی اونٹنیوں پر بھی جو کہ دور دراز راستوں سے پہنچی ہوں گی تاکہ اپنے (دینیہ اور دنیویہ) فوائد کے لئے آ موجود ہوں اور (اس لئے آویں گے) تاکہ ایام مقررہ (یعنی ایام قربانی) میں ان مخصوص چوپاؤں پر (ذبح کے وقت) اللہ کا نام لیں (یعنی بسم اللہ اللہ اکبر کہیں) جو اللہ تعالیٰ نے ان کو عطاء کئے ہیں سوان (قربانی کے) جانوروں میں سے تم (کو) بھی (اجازت مع الاستحباب ہے کہ) کھایا کرو اور (مستحب ہے کہ) مصیبت زدہ محتاج کو بھی کھلایا کرو۔

**تفسیر** 28 "ان الذین کفروا ویصدون عن سبیل اللہ" مستقبل کا عطف ماضی پر ہے کیوں کہ یہاں لفظ مستقبل سے ماضی مراد ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ فرمایا "الذین کفروا ویصدوا عن سبیل اللہ" بعض نے کہا کہ اس کا معنی ہے "ان الذین کفروا" سے جو ماقبل میں گزر چکے ہیں "ویصدون عن سبیل اللہ" سے حال مراد ہے۔ یعنی وہ روکنے والے ہیں۔ "والمسجد الحرام" اور وہ مسجد حرام سے روکتے ہیں۔ "الذی جعلناه للناس" ان کے لیے قبلہ بنایا تاکہ اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھیں اور حج کرنے کی جگہ بنائی۔ جیسا کہ اللہ رب العزت کا فرمان ہے "وضع للناس"..... "سواء" حفص نے عاصم و یعقوب کے حوالے سے منصوب پڑھا ہے۔ "سواء" اس صورت میں یہ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوگا۔ "العاکف فیہ والباد" دوسرے قراء نے رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس صورت میں یہ مبتداء ہوگا اور اس کے مابعد والا جملہ خبر کہلائے گا۔ "للناس" تک یہ کلام تام ہو جائے گا۔ عاکف سے مراد شمیمین ہیں۔

## العاکف فیہ والباد کی تشریح

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔ شہری اور دیہاتی دونوں برابر ہیں۔ خانہ کعبہ کی تعظیم اور حرمت میں اور حج کے مناسک ادا کرنے میں اور اس طرف مجاہد، حسن اور ایک جماعت گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ اس سے مراد مسجد حرام ہے اور تسویہ سے مراد کعبہ کی تعظیم اور مسجد حرام میں نماز کی فضیلت افضل ہے اور بیت حرام میں طواف کرنا۔ اس اعتبار سے یہ افضل

ہے۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد پوری مسجد حرام ہے۔ تسویٰ کا معنی یہ ہے کہ مقیم اور بدوی اس میں برابر ہیں، کسی کو کسی پر فوقیت حاصل نہیں، جو شخص بھی حرم کے اندر کسی جگہ پہلے ٹھہر جائے اس کو پیچھے آنے والا نکال نہیں سکتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، سعید بن جبیر، قتادہ اور ابن زبیر رحمہم اللہ کا یہی قول ہے۔

ان حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ مقیم ہو یا مسافر حرم کے اندر مکانوں اور فرودگاہوں پر سب کا حق برابر ہے۔ عبدالرحمن بن سابط کا قول ہے کہ حاجی جب مکہ میں آتے ہیں تو مکہ کے باشندوں کو بھی اپنے مکانوں پر ترجیحی حقوق باقی نہیں رہے۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ موسم حج میں لوگوں کو اپنے گھروں کے دروازے بند رکھنے سے منع فرماتے تھے۔ اسی قول کی بناء پر کہ مکہ کے گھروں کو فروخت کرنا اور ان کو اجارہ پر دینا جائز نہیں۔ یہی قول اول ہے اور یہی صواب کے زیادہ لائق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”الذین اخرجوا من ديارهم بغير حق“ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن فرمایا تھا جو ابوسفیان کے مکان میں چلا گیا۔ اس کے لیے امان ہے، آیت اور حدیث دونوں میں مکان کی اضافت مکان والوں کی طرف کی گئی جو ملکیت پر دلالت کرتی ہے۔ پھر ایک بات یہ بھی ہے کہ اگر مکانوں کے مالک مہاجرین نہ ہوتے تو ان کو مظلوم قرار نہ دیا جاتا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک گھر بطور جیل خانہ کے لیے خرید اچار ہزار دینار کے عوض۔ یہ بات جواز بیع پر دلالت کرتی ہے۔

یہ قول طاؤس، عمرو بن دینار اور امام شافعی رحمہم اللہ کا ہے۔ ”ومن يرد فيه بالحاد بظلم“ فیہ کی ضمیر مسجد حرام کی طرف راجع ہے خواہ اس سے کعبہ مراد ہو یا عام حرم۔ بالحاد میں باء زائد ہے۔ مبرد نے اس بات کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ آیت کا معنی یہ ہے کہ جو شخص حرم میں الحاد کا ارادہ کرے گا ظلم کے ساتھ۔

## الحاد کی تفسیر

الحاد کے بارے میں آئمہ مفسرین رحمہم اللہ کے مختلف اقوال ہیں۔ مجاہد اور قتادہ رحمہما اللہ کے نزدیک اس جگہ شرک اور غیر اللہ کی پرستش مراد ہے۔ بعض علماء نے کہا کہ تمام ممنوعات کا ارتکاب مراد ہے خواہ قولی ہو یا فعلی، یہاں تک کہ خادم کو گالی دینا بھی اس میں داخل ہے۔ عطاء کا قول ہے کہ بغیر احرام کے حرم میں داخل ہونا۔

اور حرم کے اندر خلاف حرمت حرم کوئی کام کرنا، شکار کرنا، درخت کا ثنا مراد ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ حرم میں الحاد یہ ہے کہ جو شخص تم کو قتل نہ کر رہا ہو تم اس کو قتل کر دو اور جو شخص تم پر ظلم نہ کر رہا ہو تم اس پر ظلم کرو، یہ قول ضحاک کا بھی ہے۔ مجاہد کا قول ہے کہ مکہ کے اندر گناہ کا درجہ بھی (باہر کے گناہ کے مقابلے میں) چند گنا ہو جاتا ہے جیسے حرم کے اندر نیکیوں کا درجہ چند گنا ہوتا ہے۔

حبيب بن ابی ثابت کا بیان ہے کہ حرم میں طعام کا ذخیرہ کرنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے مطابق ”من يرد فيه بالحاد بظلم نذقه من عذاب اليم“ کہ جس شخص نے صرف گناہ کا ارادہ کیا اور ارتکاب نہیں کیا تو

اس کے اعمال نامے میں گناہ نہیں لکھا جائے گا لیکن اگر کسی شخص کو مکہ میں قتل کرنے کا ارادہ کسی نے کیا اور جس کو قتل کرنے کا ارادہ کیا ہے وہ عدن میں ہے یا کسی اور شہر میں ہے تو ایسا ارادہ کرنے والے کو عذاب الیم کا مزہ چکھائے گا۔ سدی کا قول ہے اللہ تعالیٰ اس کو عذاب الیم کا مزہ چکھائے گا مگر یہ کہ وہ توبہ کر لے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کے دو خیمے تھے۔ ایک حل میں لگا ہوا تھا، دوسرا حرم کے اندر جب گھروالوں کو آپ کچھ سخت ست کہنا چاہتے تھے تو حل والے خیمہ میں جا کر کہتے تھے، لوگوں نے اس کی وجہ دریافت کی تو فرمایا ہم اپنی گفتگو میں کہا کرتے تھے کہ حرم کے اندر ”کلا واللہ“ اور ”ہلی واللہ“ کہنا بھی الحاد ہے۔

26 ”واذ ہوانا لبراہیم مکان البیت“ ہم نے ان کے لیے اس کو وطن کی جگہ بنایا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کا ترجمہ کیا، ہم نے بنایا اور بعض نے کہا کہ ہم نے ان کے لیے جگہ مقرر کر دی۔ زجاج کے نزدیک اس کا ترجمہ یہ ہے کہ ہم نے ابراہیم کے لیے بیت اللہ کی جگہ معین کر دی۔

مقاتل بن حیان کا قول ہے کہ اس کا معنی ہے ہم نے اس کو بلند کیا، اوپر اٹھالیا۔ حضرت نوح علیہ السلام کے طوفان کے زمانے میں کعبہ کو آسمان کی طرف اٹھالیا گیا تھا۔ پھر جب اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تعمیر کعبہ کا حکم دیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام حیران ہوئے اور آپ کو پتہ بھی نہ چلا کہ کعبہ کا مقام کہاں ہے اور کہاں بناؤں۔ بحکم خدا ایک تند آندھی آئی جس کی وجہ سے کعبہ کے خطوط اساسی پر پڑی ہوئی ریت اور مٹی ہٹ گئی اور آپ کو کعبہ کی بنیادیں معلوم ہو گئیں۔

کلبی کا بیان ہے کہ اللہ نے مسافت کعبہ کے بقدر ایک ہوا بھیجی جو کعبہ کے مقام پر آ کر کھڑی ہوئی۔ اس کے اندر سر تھا جو کہہ رہا تھا ابراہیم علیہ السلام میری قد کے برابر عمارت بناؤ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی مقدار کے بموجب تعمیر کی۔ ”ان لاشرک ہی شیئاً“ ہم نے ابراہیم علیہ السلام سے عہد لیا اور ہم نے اس کو کہا کہ وہ ہماری عبادت میں کسی کو شریک نہیں کرے گا۔ ”وطہر بیتی للطائفین“ جو لوگ اس گھر کا طواف کرتے ہیں۔ ”والقائمین“ اور جو اس میں مقیم ہیں۔

27 ”واذن ہی الناس“ اور لوگوں میں اس کا اعلان کر دو۔ ”بالحج“ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی، اے اللہ! میری آواز کو پوری دنیا تک کون پہنچائے گا؟ حکم ہوا آپ کے اوپر اعلان کرنا ہے، پہنچانا ہمارا کام ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام مقام ابراہیم پر کھڑے ہوئے، فوراً وہ مقام اٹھ کر بلند ترین مقام کے برابر ہو گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی دونوں انگلیاں دونوں کانوں میں رکھ کر چہرے کو دائیں، بائیں اور مشرق کی طرف گھماتے ہوئے کہا لوگو! تمہارے رب نے ایک مکان بنایا ہے اور تم پر اس کا حج کرنا فرض قرار دیا ہے۔ اپنے رب کی دعوت کو قبول کرو۔ سب نے باپوں کی پشت اور ماؤں کے پیٹوں کے اندر سے ”لبیک اللہم لبیک“ کہا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے سب سے پہلے ”لبیک“ کہنے والے اہل یمن تھے۔ اسی لیے یمنی لوگ سب سے زیادہ حج کرتے ہیں۔ یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابراہیم نے کوہ ابا قیس پر چڑھ کر ندا دی تھی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا، اس آیت میں ”النَّاس“ سے مراد اہل قبلہ ہیں۔ حسن کا قول ہے کہ ”اذن فی الناس بالحج“ علیحدہ کلام ہے۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کیا گیا ہے اور حکم دیا گیا ہے کہ حجۃ الوداع میں لوگوں کو حج کے لیے بلائیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، لوگو! تم پر حج فرض کر دیا گیا ہے، حج کرو۔ ”یا توک رجالات“ وہ پیدل چل کر حج کرنے آئیں گے، رجالات جمع ہے راجل کی۔ جیسے قائم قیام اور صائم صیام ہے۔ ”وعلی کل ضامر“ ضمر دبلا لاغر اونٹ جو کثرت سفر کی وجہ سے ڈبلا ہو گیا ہو، اس سے مراد شاق سفر۔ ”یا نین من کل فج عمیق“ وہ دور راستہ سے آئیں گے یا تین جمع کا صیغہ اس وجہ سے ذکر کیا کیونکہ حج کے سفر کے لیے آنے والے اکثر لوگ اونٹ پر ہی آئیں گے۔  
**23** ”لیشهدوا“ تاکہ ان کو حاضر کر دے۔ ”منافع لہم“ سعید بن مسیب کا قول ہے کہ منافع سے اس جگہ مراد ہے عفو و مغفرت۔

سعید بن جبیر رحمہ اللہ کے نزدیک منافع سے مراد تجارت ہے، یہی ایک روایت ابن زید عن ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے اور کہا ہے کہ اس سے مراد بازار ہیں۔ مجاہد نے کہا کہ تجارت بھی مراد ہے اور وہ تمام دنیاوی اور اخروی امور مراد ہیں جن کو اللہ پسند فرماتا ہے۔ ”ویذکر و اسم اللہ فی ایام معلومات“ اس سے مراد عشرہ ذی الحجہ ہے۔ اکثر مفسرین کا قول بھی یہی ہے اور معلومات کہنے سے ان دنوں کی گنتی جاننے کی ترغیب دینا مقصود ہے کیوں کہ اس عشرے کے خاتمے پر حج کا وقت آتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول آیا ہے کہ ان ایام سے مراد ہے قربانی کا دن اور تین روز اس کے بعد کے۔

عطاء سے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت منقول ہے کہ ایام معلومات سے مراد ہے عرفہ کا دن قربانی کا دن اور ایام تشریق۔ مقاتل نے ایام معلومات کو صرف ایام تشریق کہا ہے۔ ”علی ما رزقہم من بہیمۃ الانعام“ اس سے مراد قربانی کے جانور جو کعبہ کی طرف بھیجے جاتے ہیں۔ خواہ قربانی واجب ہو یا مستحب، آیت میں کوئی قید نہیں۔ ہدایہ اور قربانی ”نعم“ سے کی جائے گی۔ نعم سے مراد اونٹ بقر، غنم ہے۔ زجاج نے اسی قول کو اختیار کیا ہے کہ ایام معلومات سے مراد یوم النحر ایام تشریق ہے۔ ”بہیمۃ الانعام“ کا ذکر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اگر ان جانوروں کو نحر کیا جائے تو ان ایام میں جائز ہے۔ ”فکلوا منها“ یہ حکم اباحت کے لیے ہے واجب نہیں۔

زمانہ جاہلیت میں لوگ اپنی قربانی کا گوشت کھانے کو جائز نہیں سمجھتے تھے اس بات میں علماء کا اتفاق ہے کہ ہدی اگر نفلی ہو تو پھر حاجی کے لیے اس سے کھانا جائز ہے اور اسی طرح نفلی اضحیہ سے کھانا بھی جائز ہے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث جو حجۃ الوداع کے بیان میں اس کی شاہد ہے۔ اس روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن سے کچھ اونٹ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے قربانی کے لیے لے کر آئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سواونٹ قربانی کیلئے پیش کئے۔ ان میں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تریسٹھ اونٹ ذبح کیے۔ پھر حسب الحکم باقی اونٹ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ذبح کیے، ذبح کرنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شریک کر لیا تھا۔ پھر

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ہر اونٹ کے گوشت کا ایک ایک ٹکڑا لے کر ہانڈی میں ڈال کر پکایا جائے، حکم کی تعمیل کی گئی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وہ گوشت کھایا اور شور بہا۔

## واجب ہدی حاجی کیلئے کھانا جائز ہے کہ نہیں

واجب ہدی کے متعلق شریعت میں اختلاف ہے، کیا اس سے مہدی کھا سکتا ہے یا نہیں؟ جیسے دم متع، دم قران اور دم واجب اور حج کے فساد ہونے سے جو دم واجب ہوتا ہے اس کے کھانے سے اور شکار کرنے کی صورت میں جو جزء واجب ہوتی ہے اس سے کھانا جائز ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان دموں (قربانیوں) میں سے کھانا جائز نہیں اور اسی طرح جو کسی نے اپنے اوپر خود واجب کی ہوں، ان کو کھانا جائز نہیں۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ شکار کی جزاء اور نذر کے ذبیحہ کا گوشت نہیں کھا سکتا اور اس کے علاوہ کا گوشت کھا سکتا ہے۔

امام احمد و اسحاق اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ وہ متع کی ہدی سے کھا سکتا ہے اور ہر اس قربانی سے کھا سکتا ہے جو اس پر واجب ہوئی ہے لیکن وہ قربانی جو اس کے جرم کے باعث لازم ہوئی یا شکار کے بدلے میں لازم ہوئی یا نذر کے بدلے میں لازم ہوئی اس سے نہیں کھا سکتا۔ اور عام اصحاب الرأی کا قول ہے کہ وہ دم متع اور قران کی قربانی سے کھا سکتا ہے اور اس کے مساوی قربانی سے نہیں کھا سکتا۔ ”واطعموا البائس الفقیر“ جو سخت محتاجی والا ہو جس کے پاس کوئی چیز نہیں اور البائس اس کو کہتے ہیں جس کو سخت احتیاجیت نے گھیر لیا ہو۔ البؤس شدت فقر کو ہی کہتے ہیں۔

ثُمَّ لِيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ﴿٢٩﴾ ذَلِكَ وَمَنْ يُعْظَمْ  
حُرْمَتِ اللَّهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ عِنْدَ رَبِّهِ ۖ وَأَحَلَّتْ لَكُمْ الْأَنْعَامَ إِلَّا مَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا  
الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ ﴿٣٠﴾

پھر لوگوں کو چاہئے کہ اپنا میل پچیل دور کر دیں اور اپنے واجبات کو پورا کریں اور (ان ہی ایام معلومات میں) اس مامون گھر (یعنی خانہ کعبہ) کا طواف کریں یہ بات تو ہو چکی اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے محترم احکام کی وقعت کرے گا سو یہ (وقعت کرنا) اس کے حق میں اس کے رب کے نزدیک بہتر ہے اور ان مخصوص چوپایوں کو باستثناء ان (بعض بعض) کے جو تم کو پڑھ کر سنادیئے گئے ہیں تمہارے لئے حلال کر دیا ہے تو تم لوگ گندگی سے یعنی بتوں سے (بالکل) کنارہ کش رہو اور جو ٹھوٹی بات سے کنارہ کش رہو۔

## تفثہم کی تفسیر

تفسیر ﴿٢٩﴾ ”ثم ليقضوا تفثهم“ تفث میل پچیل کو کہتے ہیں اور قدارہ کہتے ہیں کہ بالوں اور ناخنوں کا لمبا ہونا اور

پراگندہ ہونا۔ عرب کا قول ہے کہ جس چیز کو انسان ناپسند سمجھتا ہو، اس کیلئے یہ لفظ بولتے ہیں یعنی جس سے انسان نفرت کرے اور حاجی بھی پراگندہ بال اور غبار آلود ہوتے ہیں جو اپنے بالوں کو نہ کاٹے اور اپنے ناخنوں کو نہ کاٹے۔ قضاء تفت کہتے ہیں ان تمام اشیاء سے نکلنا ہے تاکہ اپنی میل کچیل کو دور کریں۔ مراد یہاں احرام سے نکلنا ہے، مونچھوں کا کاٹنا اور بغلوں کے بالوں کا لینا اور اپنے ناخنوں کا کاٹنا اور کپڑے پہننا ہے۔ ابن عمرو ابن عباس رضی اللہ عنہم کا قول ہے کہ اس سے مراد حج کے مناسک کو پورا کرنا ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ”تفت“ سے مراد ہیں مناسک حج، لیکن کترنا، زیر ناف اور بغلوں کو صاف کرنا، ناخن تراشا۔

اور بعض نے کہا کہ ”تفت“ اس جگہ رمی جمار ہے۔ زجاج کا قول ہے کہ تفت کا لفظ ہم کو قرآن ہی سے معلوم ہوا۔ یعنی یہ لفظ کلام عرب میں زیادہ مستعمل نہیں۔ ”ولیفوا فلو رھم“ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اس سے مراد حج اور ہدیٰ اور وہ چیز جو انسان دوران حج کسی چیز کی نذر مانتا ہے تاکہ وہ اس کو پورا کرے۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد جو اس نے نذر مانی ہے اس کو پورا کرے۔ بعض نے کہا کہ اس نذر سے خروج ہے خواہ وہ اس نے مانی ہو یا نہ مانی ہو۔ عرب کے نزدیک ہر واجب کو پورا کرنے سے نکلنے کو کہتے ہیں کہ اس نے اپنی نذر کو پورا کیا۔ عاصم نے ابو بکر کی روایت میں یہ پڑھا ہے ”ولیفوا“ واؤ کے نصب اور فاء کی تشدید کے ساتھ ”ولیفوا“ بالیت العتیق“ اس سے مراد طواف واجب ہے اور وہ طواف افاضہ ہے جو یوم النحر کو رمی اور حلق کے بعد کیا جاتا ہے۔

## طواف کی اقسام

طواف کی تین اقسام ہیں: اول طواف قدوم، یہ وہ طواف ہے جب آفاقی مکہ آئے تو اس وقت جو طواف کرتا ہے پہلے تین چکروں میں رمل کرتا ہے اور چار چکروں میں چلتا ہے، یہ طواف سنت ہے اس کو ترک کرنے سے کچھ واجب نہیں ہوتا۔ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کیا جس کی تفصیل حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے مجھے یہ بتائی کہ مکہ پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے وضو کر کے طواف کیا، اس کے بعد کوئی عمرہ نہ تھا، پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حج کیا اور سب سے پہلے کعبہ کا طواف کیا، اب بھی عمرہ نہ تھا اس کے بعد، پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مکہ میں) آ کر سب سے اول حج یا عمرہ کا طواف کیا اس میں پہلے تین چکر لپک کر (تیزی کے ساتھ) کیے اور چار چکر معمولی چال سے، پھر دو بجدے کیے، پھر صفا و مروہ کے درمیان سعی کی۔ الثانی: یہ طواف افاضہ ہے۔ یوم النحر رمی اور حلق کے بعد کیا جاتا ہے یہ طواف افاضہ ہے اسی طواف کے بعد احرام سے نکل کر انسان حلال ہو جاتا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت صفیہ کو مکہ سے روانگی کے دن حیض آنا شروع ہو گیا تو کہنے لگی کہ مجھ روک دیا گیا اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، انہوں نے قربانی کے دن طواف (زیارت) کر لیا، عرض کیا گیا، جی ہاں، فرمایا تو روانہ ہو۔



ثالث: یہ طواف وداع ہے اس میں کوئی رخصت نہیں جو شخص مکہ سے جانے کا ارادہ کرے تو اس کو چاہیے کہ سات چکر لگائے اور جو شخص اس طواف کو چھوڑ دے، اس پر دم واجب ہو جاتا ہے مگر وہ عورت جس کو حیض آجائے تو اس کے لیے طواف وداع ترک کرنا جائز ہے۔ حضرت طاؤس سے روایت ہے کہ لوگوں کو حکم دیا کہ لوگوں کا اپنا آخری کام بیت اللہ کا طواف ہونا چاہیے مگر حائضہ عورت کو رخصت دی ہے۔ پہلے تین چکروں میں رمل یہ طواف قدم کے ساتھ خاص ہے اور طواف افاضہ اور طواف وداع میں ضروری نہیں۔

## عتیق کے معنی میں مفسرین کے اقوال

”بالبیت العتیق“ عتیق کے معنی میں مفسرین رحمہم اللہ کے مختلف اقوال ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت زبیر، مجاہد اور قتادہ کے حوالے سے مذکور ہے۔

① اس کو عتیق کہنے کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ہر جابر اور بادشاہ ظالم کے قبضہ سے اللہ نے اس گھر کو ہمیشہ آزاد رکھا ہے، کوئی جابر حاکم کبھی اس پر قبضہ نہ کر سکا، نہ کر سکے گا، اس لیے اس کو عتیق کہا جاتا ہے۔

② سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ اس کو عتیق کہا گیا کیونکہ اس کا کوئی مالک نہیں ہوگا۔

③ حسن اور ابن زید کا قول ہے کہ عتیق اس وجہ سے کہا گیا کہ یہ قدیم گھر تھا اور سب سے پہلے بنایا گیا ہے جیسے کہا جاتا ہے دینار عتیق یعنی وہ پرانا دینار ہے۔

④ اور بعض نے کہا کہ اس کو عتیق کہا گیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو طوفان نوح سے غرق ہونے سے بچایا۔

”ذلک“ جو ہم نے اعمال حج کے بارے میں ذکر کیا۔ ”ومن يعظم حرمات اللہ“ اللہ کی نافرمانی سے بچو یعنی جن چیزوں سے رُکنے کا حکم دیا، ان سے رُک جائیں۔ لیٹ کا قول ہے کہ حرمت اللہ سے وہ امور مراد ہیں جن کی پابندی لازم ہے یعنی تمام ادا اور نواہی حرمت الہیہ ہیں۔

زجاج نے کہا کہ حرمت وہ چیز ہے جس کو پورا پورا ادا کرنا واجب ہے اور کسی طرح کی اس میں کمی کرنا حرام ہے اور بعض اہل علم نے کہا کہ حرمت اللہ سے مراد ہیں آداب حج۔ ابن زید نے کہا کہ اس جگہ حرمت اللہ سے مراد ہیں بلد حرام اور بیت حرام اور ماہ حرام ”فہو خیر لہ عند ربہ“ ان حرمت کی تعظیمات اللہ کے نزدیک بہتر ہے آخرت میں۔ ”واحللت لکم الانعام“ جب تم ان کو ذبح کرو تو ان کے گوشت سے کھاؤ اس سے مراد اونٹ، گائے اور بھیڑ ہیں۔ ”الا ما یبلی علیکم“ مگر جن کی حرمت ہم نے تمہارے لیے بیان کر دی ہے اس کا ذکر سورۃ مائدہ میں ”حرمت علیکم المیتة والدم“

”فاجتنبوا الرجس من الاوثان“ ان کی عبادت کرنے سے۔ یہ رجس کا سبب ہے، یہ عذاب کا سبب بنتا ہے۔ زجاج کا قول ہے کہ من یہاں پر تجنیس کے لیے ہے کہ تم ان بتوں سے بچو کیوں کہ یہ رجس ہیں۔ ”واجتنبوا قول الزور“ زور سے مراد جھوٹ اور بہتان ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اس سے مراد جھوٹی گواہی ہے۔

روایت میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور فرمایا، اے لوگو! جھوٹی گواہی سے اجتناب کرو، اور اللہ کے ساتھ شرک کرنے سے بچو، پھر یہ آیت تلاوت فرمائی اور بعض نے کہا کہ جھوٹی گواہی سے مراد مشرکین کا تلبیہ کہنا کیونکہ وہ بلیک کہتے وقت یہ کہتے تھے ”لیک لا شریک لک الا شریکا تملکھ وما ملک“ تیرا کوئی شریک نہیں سوائے اس شریک کے جس کا تو مالک ہے وہ تیرا مالک نہیں۔

حُفَاءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهِ ؕ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَأَنَّمَا خَرَمَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوٰى بِهٖ الرِّيْحُ فِىْ مَكَانٍ سَحِيْبٍ ﴿۳۱﴾ ذٰلِكَ وَمَنْ يُعْظِمِ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوٰى الْقُلُوْبِ ﴿۳۲﴾ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَا اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۳۳﴾ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنَسْكَ لِيّذْكُرُوْا اِسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقْتَهُمْ مِنْ مَّ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ؕ فَالِهٰتُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَا اَسْلَمٰوْا ؕ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ﴿۳۴﴾

﴿۳۱﴾ اس طور سے کہ اللہ ہی کی طرف جھکے رہو (اور) اس کے ساتھ شریک مت ٹھہراؤ اور جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے تو گویا وہ آسمان سے گر پڑا پھر پرندوں نے اس کی بوٹیاں فوج لیں یا اس کو ہوانے کسی دور دراز جگہ میں لے جا چکا یہ بات بھی ہو چکی اور (قربانی کے جانور کے متعلق اور سن لو کہ) جو شخص دین خداوندی کے ان (مذکورہ) یادگاروں کا پورا لحاظ رکھے گا تو اس کا یہ لحاظ رکھنا (خدا تعالیٰ سے دل کے ساتھ ڈرنے سے ہوتا ہے تم کو ان سے ایک معین وقت تک فوائد حاصل کرنا جائز ہے پھر (یعنی بعد ہدی بننے کے) ان کے ذبح حلال ہونے کا موقع بیت عتیق کے قریب ہے اور (جتنے اہل شرائع گزرے ہیں ان میں سے ہم نے ہر امت کے لئے قربانی کرنا اس غرض سے مقرر کیا تھا کہ وہ ان مخصوص چوپاؤں پر اللہ کا نام لیں جو اس نے ان کو عطا فرمائے تھے سو (اس سے یہ بات نکل آئی کہ) تمہارا معبود (حقیقی) ایک خدا ہے تو تم ہمہ تن اسی کے ہو کر رہو (یعنی موجد خالص رہو) اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ (ایسے احکام الہیہ کے سامنے) گردن جھکا دینے والوں کو جنت وغیرہ کی) خوشخبری سنا دیجئے۔

تفسیر ﴿۳۱﴾ ”حفاء للہ“ اس کے ساتھ خالص رکھنے والے ”غیر مشرکین بہ“ عقائد کا قول ہے دور شرک میں لوگ حج کرتے تھے لیکن ناؤں، بیٹیوں اور بہنوں کو روکتے تھے اور اپنے کو حنیف کہتے تھے یعنی دین ابراہیمی پر قائم، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ”حفاء للہ غیر مشرکین بہ“ وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں مسلمان موجدین سے لڑتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص شرک کرے وہ موجد نہیں وہ حنیف نہیں۔ ”ومن یشرک باللہ فکانما خر“ وہ گر جاتا۔ ”من السماء“ آسمان سے زمین پر ”فتخطفه الطیر“ اس کو پرندے اچک لیتے اور لے جاتے خطف اور اخطاف کسی چیز کو جلدی کے ساتھ اچک لینا۔ قراء اہل مدینہ نے خاء کے فتح کے ساتھ اور طاء کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے، ”یتخطفه“..... ”او تہوی بہ الریح“

وہ اس کی طرف مائل ہو جائے اور اس کو لے جائے۔ ”فی مکان مسحوق“ دور مکان۔ اس کا معنی یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے کرتے شرک کرنے لگے تو وہ ایسا ہے جیسے کہ وہ آسمان سے گر اور پرندے اس کو لے جائیں یا ہوا کے ذریعے کسی اور جگہ چلا جائے تو وہ اپنی حالت پر نہیں پہنچ سکتی۔

بعض نے کہا کہ مشرک کی حالت کو آسمان سے گرنے کے ساتھ تشبیہ دی کہ جب وہ آسمان سے گرتا ہے تو اس کو اپنے اوپر کوئی اختیار نہیں ہوتا، تو وہ ہوا کے سپرد ہو جاتا ہے اور ہلاک ہو جاتا ہے یا پھر اس کا گوشت پرندے کھاتے ہیں یا کسی گھاٹی میں جا کر گر جاتا ہے۔  
حسن رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ کفار کے اعمال کو اس حالت کے ساتھ تشبیہ دی ہے کہ وہ ان کو ہلاکت کی جگہ لے جاتا ہے وہ اس پر قادر نہیں ہوتے کہ اپنے آپ کو اس آفت سے بچا سکیں۔

② ”ذلک“ جو ہم نے ذکر کیا کہ گندگی اور جھوٹ سے بچنا۔ ”ومن يعظم شعائر الله فانها من تقوى القلوب“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس سے مراد وہ اونٹ اور قربانی کے جانور ہیں جو قربانی کے لیے بھیجے جاتے ہیں اور بعض نے کہا کہ اللہ کے دین کی نشانیاں ہیں کیونکہ انہی کے ذریعے دلوں کا تقویٰ حاصل ہوتا ہے، ان دونوں کی تعظیم دل کا تقویٰ ہی ہے۔

③ ”لکم فیہا“ اس قربانی میں ہدی سے پہلے نام کرنے سے ”منافع“ بہت سارے منافع ہیں۔ یعنی ان پر سوار ہونا ان کی نسل بڑھانا اور ان کے اون اور ان پر بوجھ لا دنا وغیرہ کے کام میں بھی استعمال ہوتے ہیں۔ ”المی اجل مستمی“ ان کو نام رکھنے (قربانی کا جانور مقرر کرنے سے پہلے) اور ان کو ہدیہ کے لیے واجب کرنے سے، جب تم اس جانور کو اس کام کے لیے متعین کر دو تو پھر اس سے یہ منافع حاصل نہیں کر سکتے۔ یہ مجاہد کا قول ہے اور یہی قنادہ اور ضحاک کا قول ہے اور یہی روایت مقسم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کی ہے۔

عطاء بن رباح، امام مالک اور امام شافعی، امام احمد اور اسحاق رحمہم اللہ نے آیت کا یہی مطلب بیان کیا۔ ان حضرات کا مسلک ہے کہ قربانی کے نامزد اونٹوں اور اونٹنیوں پر سوار ہونا بوجھ لا دنا اور ان کا دودھ پینا بشرطیکہ اس عمل سے ان کو ایذا نہ پہنچے جائز ہے۔  
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ خود پیدل چل رہا تھا اور قربانی کے اونٹ کو ہنکا کر لے جا رہا تھا۔ فرمایا اس پر سوار ہو جا، اس شخص نے عرض کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ قربانی کا اونٹ ہے، فرمایا سوار ہو جا، اس نے پھر کہا، قربانی کا اونٹ ہے، فرمایا اس پر سوار ہو جا۔ دوسری یا تیسری مرتبہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیرا برا ہو۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو فرمایا کہ قربانی کے جانور سے دودھ کا استعمال کر لے، جب وہ اپنے بچے کو پلانے کے بعد باقی بچ جائے۔ اصحاب الرأی کا قول ہے کہ قربانی کے جانور پر سوار نہ ہو۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جب تک اس کو ضرر حاصل نہ ہو وہ اس پر سوار نہ ہو۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد شعائر حج اور مکہ میں حاضر ہونا ہے۔ اس میں تمہارے لیے تجارت کے منافع اور بازار ہیں، مقررہ مدت تک یہ جب ہے جب مکہ سے نکل جائیں۔ بعض نے کہا کہ ”لکم فیہا منافع“ سے مراد اجر و ثواب ہے۔ حج کے مناسک مقررہ مدت تک ادا کرنے میں۔ جب تک حج کے دن پورے نہ ہو جائیں

اس وقت تک ثواب ملتا رہتا ہے۔ ”ثم محلها“ اس سے مراد اس کا نحر کرنا ہے۔ ”الھی البیت العتیق“ اس کی قربانی بیت عتیق کے پاس کی اس سے مراد پورا حرم ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ”فلا تقربوا المسجد الحرام“ سارا کا سارا حرم ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس جگہ قربانی کرو اور منیٰ سارا کا سارا قربان گاہ ہے۔ لہذا تم اپنے ٹھہرنے کی جگہ بھی قربانی کر سکتے ہو۔ جن حضرات نے کہا کہ شعائر سے مراد حج کے فرائض ہیں تو اس قول کا معنی ”ثم محلها الھی البیت العتیق“ یہ ہوگا کہ لوگوں کا احرام کھولنا بیت اللہ پہنچ کر۔ اس سے مراد طواف زیارت ہے۔ ﴿۱۷﴾ ”ولکل امة“ ایک صالح قوم یا قبل اقوم میں گزر چکی ہے۔ ”جعلنا منسکاً“ حنظلہ اور کسانے نے سین کے کسرہ کے ساتھ اس جگہ اور اس سورۃ کے آخر میں یہ اسم کے معنی میں ہے جیسے مسجد اور مطلع ہے اور وہ قربان گاہ ہے جہاں پر جانوروں کو ذبح کیا جاتا ہے۔ دوسرے قراء نے سین کے فتح کے ساتھ مصدر پڑھا ہے جیسے مدخل اور مخرج ہے۔ اس کا معنی خون بہانا، اس کو قربت کے لیے ذبح کرنا۔ ”لیلذکروا اسم اللہ علی ما رزقہم من بہیمۃ الانعام“

اس کے نحر کے وقت اور اس کے ذبح کے وقت اس کو ”بہیمۃ“ کے نام سے موسوم کیا کیونکہ یہ کلام نہیں کرتے۔ بعض نے کہا کہ ”بہیمۃ الانعام“ بہیمہ کے ساتھ ”نعم“ کی قید لگائی ہے اور کچھ چوپائے انعام کے علاوہ بھی ہوں گے جیسے گھوڑا، گدھا، خنجر، بہائم تو ہیں لیکن ان کو انعام نہیں کہا جاتا، اسی لیے اس کی قربانی جائز نہیں۔ ”فاللہکم اللہ واحد تم ان جانوروں کو اللہ کے نام پر ذبح کرو جو اکیلا ہے۔ ”فللہ اسلموا“ اسی کی پیروی کرو اور اسی کی اطاعت کرو۔ ”وبشر المعینین“ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ نے اس کا ترجمہ کیا ہے۔ عاجزی کرنے والے تواضع کرنے والے۔ مجاہد کا قول یہ ہے کہ اللہ کی یاد میں لگن، مطمئن، جستجوشی مقام کو کہتے ہیں۔ انہیں نے اس کا ترجمہ کیا شروع کرنے والے۔ ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ترجمہ کیا ہے۔ اہل اخلاص الطینان کلیبی نے اس کا ترجمہ کیا نرم دل لوگ۔ عمرو بن اوس نے کہا کہ ”معینین“ وہ لوگ ہیں جو کسی پر ظلم نہیں کرتے اور اگر ان پر ظلم کیا جائے تو انتقام نہیں لیتے۔

الذین اذا ذکر اللہ وجلت قلوبہم والصابرین علی ما اصابہم والمقیمین الصلوۃ ووما رزقنہم ینفقون ﴿۱۷﴾ والبدن جعلنہا لکم من شعائر اللہ لکم فیہا حبر فاذکروا اسم اللہ علیہا صواف فاذا وجبت جنوبہا فکلوا منها واطعموا القانع والمعترا ط  
کذلک سخرنہا لکم لعلکم تشکرون ﴿۱۸﴾

﴿۱۷﴾ جو ایسے ہیں کہ جب (ان کے سامنے) اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جو ان مصیبتوں پر کہ ان پر بڑتی ہیں صبر کرتے ہیں اور جو نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے (بقدر حکم اور توفیق کے) خرچ کرتے ہیں اور قربانی کے اونٹ اور گائے (اور اسی طرح بھیڑ اور بکری کو بھی) ہم نے اللہ (کے دین) کی یادگار بنایا ہے ان جانوروں میں تمہارے (اور بھی) فائدے ہیں سو تم ان پر کھڑے کر کے (ذبح

کرنے کے وقت) اللہ کا نام لیا کرو پس جب وہ (کسی کروٹ کے بل) گر پڑیں (اور ٹھنڈے ہو جائیں) تو تم خود بھی کھاؤ اور بے سوال اور سوالی (محتاج) کو بھی کھانے کو دو (اور ہم نے ان جانوروں کو اس طرح تمہارے زیر حکم کر دیا تاکہ تم (اس پر اللہ تعالیٰ کا) شکر کرو۔

**تفسیر** ﴿۵۵﴾ "الذین اذا ذکر اللہ وجلت قلوبہم والصابرین علی ما اصابہم"..... "اصابہم" سے مراد بلائیں اور مصائب ہیں۔ "والمقیمى الصلاة" اوقات نماز میں نماز کو قائم کریں۔ "ومما رزقنہم ینفقون" جو وہ صدقہ کرتے ہیں۔ ﴿۵۶﴾ "والبُدن" جمع ہے "بدنۃ" کی۔ اس کو بدنہ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ بدن کی جسامت بڑی ہونے کی وجہ سے اس کو بدن کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے "بدن الرجل بدنًا وبدانۃ" جب وہ خوب موٹا تازہ ہو جائے یا جو زیادہ عمر رسیدہ ہو جائے اور اس کا گوشت ڈھیلا پڑ جائے۔

عطاء اور سدی نے کہا کہ اونٹ گائے بدن ہیں بکریوں کو بدنہ نہیں کہا جاتا۔ "جعلناہا لکم من شعائر اللہ" اللہ کے دین کے خاص نشانات ہیں۔ ان کو شعائر سے سمسکی کیا کیونکہ ان جانوروں کا شعار کیا جاتا ہے اور وہ یہ کہ لوہے کے ساتھ ہدی کے جانور کو نشان لگانا تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ ہدی کا جانور ہے۔ "لکم فیہا خیر" دنیا میں نفع اور آخرت میں اجر۔ "فلاذکروا اسم اللہ علیہا" ان کے نحر کے وقت اللہ کا نام لینا۔ "صواف" جب ان کے تین پائے باندھ دیئے ہوں اور ان کو صف میں کھڑا کریں۔ اس کے اگلے پاؤں کو باندھ دیا جائے یا پچھلے پاؤں کو، پھر اس کو نحر کرے۔

زیاد بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو دیکھا کہ وہ ایک شخص کے پاس آئے کہ انہوں نے اپنے اونٹ کو بٹھایا، پھر اس کا نحر کیا، فرمایا کہ ایک شخص کو کھڑا کیا کہ وہ اس کو قائم کرے کیونکہ یہ سنت محمدیہ ہے۔ مجاہد کا قول ہے کہ صواف اس کو کہتے ہیں جب کہ اس کے دائیں پاؤں کو باندھ دیا جائے اور وہ تین ٹانگوں کے اوپر کھڑا ہو جائے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے "صوافن" پڑھا ہے کہ اس کو باندھا اور پھر اس کا نحر کیا۔ اُبی، حسن اور مجاہد کے نزدیک (صوافی) پڑھا ہے۔ اس کا معنی ہے پاک صاف۔ اس کو خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ذبح کرے، اس میں دوسرا اور کوئی شریک نہ ہو۔ "فاذا وجبت جنوبہا" جب وہ نحر کے بعد گر جائیں۔ وجوب اصل میں کہا جاتا ہے گر جانا۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے "وجبت الشمس" جب سورج غروب ہو جائے۔ "فکلوا منها" یہ امر اباحت کے لیے ہے۔ "واطعموا القانع والمعتر" اس کے معنی میں اختلاف ہے۔

## قانع اور معتر کی مختلف تفاسیر

- ۱ عکرمہ، ابراہیم اور قتادہ کا بیان ہے، قانع وہ ہوتا ہے جو گھر میں بیٹھا رہے۔ متعفف اسے کہتے ہیں جو اسے دیا جائے، اسی پر قناعت کرے اور سوال نہ کرے اور معتر اس کو کہتے ہیں جو سوال بھی کرے۔
- ۲ عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کی ہے کہ قانع وہ ہوتا ہے کہ وہ سوال نہ کرے اور معتر وہ ہے جو

دوسرے پر نظر رکھے کہ اس سے کچھ ملے اور اس سے کچھ سوال نہ کرے، ان دونوں تفسیروں کا حاصل یہ نکلا کہ قانع قناعت سے ہے، ”قنع قناعة“ کہا جاتا ہے وہ راضی ہو جائے جو کچھ اسے تقسیم کیا جائے۔

⑤ سعید بن جبیر، حسن، کلبی کا قول ہے کہ القانع وہ ہے جو سوال کرے، معتز وہ ہے جو ہاتھ تو پھیلائے لیکن سوال نہ کرے۔ اس صورت میں ”قانع، قنع، یقنع، قنوعاً“ سے ہے جب وہ سوال کرے۔

④ حسن نے ”والمعتزى“ پڑھا ہے جو معتز کے مثل ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے ”عزّه واعتزّه وعداه واعتراه اذا اتى يطلب معروفه“ جب وہ معروف چیز کا مطالبہ کرے۔

⑤ ابن زید کا قول ہے کہ القانع سے مراد مسکین ہے اور ”المعتز“ اس کو کہتے ہیں جو مسکین نہیں ہوتا۔ لیکن وہ ایک قوم کے پاس آئے جن کے پاس ذبح شدہ جانور رکھے ہوئے ہوں تو وہ ان کے سامنے جا کر ان کے متعلق مانگے۔

”کذلک“ اسی طرح جس طرح نحر کرنے کے لیے جانوروں کو صاف بستہ کھڑے رکھتے ہیں۔  
 ”سخرناھا لکم“ یہ تمہارے لیے نعمت ہے جن کے ذریعے سے تم ان جانوروں کے نحر کرنے میں قدرت رکھتے ہو۔  
 ”لعلکم تشکرون“ تاکہ تم اس انعام کے سبب شکر ادا کرو۔

لَنْ يَنَالَ اللَّهُ لُحُومَهَا وَلَا دِمَآؤَهَا وَلَكِنَّ يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنْكُمْ ۚ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتَكْبُرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰكُمْ ۚ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِينَ ③٧ اِنَّ اللّٰهَ يُدْفِعُ عَنِ الْاٰمِنُوۡا ۚ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوۡرٍ ③٨ اٰذِنَ لِلَّذِيۡنَ يُقْتَلُوۡنَ بِاَنۡهٰمْ ظَلَمُوۡا ۚ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيۡرٌ ③٩ ۙ الَّذِيۡنَ اُخْرِجُوۡا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّا اَنۡ يَقُوۡلُوۡا رَبَّنَا اللّٰهُ ۚ وَلَوْ لَا دَفَعُ اللّٰهُ النَّاسَ بَعْضُهُمْۢ بَعْضًا لَّفَسَدَتۡ صَوَامِعُ وَبَيْعٌ وَصَلٰوٰتٌ وَّ مَسٰجِدٌ يُّذَكَّرُ فِيۡهَا اِسْمُ اللّٰهِ كَثِيۡرًا ۚ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنۡ يُّنۡصُرُهٗ ۚ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيۡزٌ ④٠

③٧ اللہ تعالیٰ کے پاس نہ ان کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ ان کا خون لیکن اس کے پاس تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو تمہارا زیر حکم کر دیا تاکہ تم (اللہ کی راہ میں ان کو قربانی کر کے) اس بات پر اللہ کی بڑائی (بیان) کرو کہ اس نے تم کو (اس طرح قربانی کرنے کی) توفیق دی اور (اے محمد) اخلاص والوں کو خوشخبری سنا دیجئے بلاشبہ اللہ تعالیٰ (ان مشرکین کے پیغمبر وغیرہ کو) ایمان والوں سے (عنقریب) ہٹا دے گا بیشک اللہ تعالیٰ کسی دغا باز کفر کرنے والے کو نہیں چاہتا (اب) لڑنے کی ان لوگوں کو اجازت دیدی گئی جن سے (کافروں کی طرف سے) لڑائی کی جاتی ہے اس وجہ سے کہ ان پر (بہت) ظلم کیا گیا ہے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کو غالب کر دینے پر پوری قدرت رکھتا ہے (آگے ان کی مظلومیت کا بیان ہے) جو اپنے گھروں سے بے وجہ نکالے گئے محض اتنی بات پر کہ وہ یوں کہتے ہیں کہ ہمارا



رب اللہ ہے اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ (ہمیشہ سے) لوگوں کا ایک دوسرے کے ہاتھ سے زور نہ گھٹواتا رہتا تو اپنے اپنے زمانے میں نصاریٰ کے خلوت خانے اور عبادت خانے اور یہود کے عبادت خانے اور (مسلمانوں کی) وہ مسجدیں جن میں اللہ کا نام بکثرت لیا جاتا ہے سب منہدم ہو گئے ہوتے اور بیشک اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے گا جو اللہ (کے دین) کی مدد کرے گا بیشک اللہ تعالیٰ قوت والا (اور) غلبہ والا ہے (وہ جس کو چاہے غلبہ اور قوت دے سکتا ہے)

**تفسیر** 37 "لَنْ يَنَالَ اللَّهُ لِحُومِهَا وَلَا دِمَائُهَا" زمانہ جاہلیت میں یہ رسم بد تھی کہ مشرک جب کسی جانور کی قربانی کرتے اس جانور کا خون کعبہ کے سامنے لے جاتے اور اس خون کے ذریعے سے کعبہ پر چھینٹے مارتے، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

یعقوب نے "تنال و تنالہ" دونوں کے تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ عام قراء نے اس کو یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ مقاتل نے اس کا یہ مطلب بیان کیا کہ اللہ قربانیوں کے گوشت اور خون کو اٹھا کر اپنے پاس نہیں لے جاتا بلکہ تمہارے اعمال صالحہ اللہ کے پاس پہنچتے ہیں۔ "وَلَكِنْ يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنْكُمْ كَذَلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ" اس سے مراد بدنہ ہے۔ "لَتَكْبِرُوا اللَّهُ عَلٰی مَا هَدَاكُمْ" اس بات پر اللہ کی کبریائی کا اعتراف کرو کہ اس نے اپنے دین کے نشانات اور آداب حج بتلائے۔ جانوروں کو تابع بنا لینے کا راستہ دکھایا اور پھر انہوں نے یوں کہا "اللہ اکبر علی ما ہدانا والحمد لله علی ما ابلانا واولانا"..... "و بشر المحسنین" ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس سے مراد موحّدین ہیں۔

38 "اِنَّ اللّٰهَ يَدْفَعُ عَنِ اللّٰذِيْنَ اٰمَنُوْا" ابن کثیر اور اہل بصرہ نے (یدفع) پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے (یدافع) الف کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس سے مراد بڑے بڑے مشرکین کو مؤمنین سے دور ہٹا دیں گے۔ "اِنَّ اللّٰهَ لَا يَحِبُّ كَلَّ خَوَانٍ كَفُوْرٍ" اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری کرنے والے کو کوئی پسند نہیں کرتا یا خوان کہا جاتا ہے امانت الہیہ میں بڑی خیانت کرنے والا، کفور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرنے والا۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت ہے کہ خوانو اللہ سے مراد یہ ہے کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا اور اس کی نعمت کو ٹھکرانا۔ زجاج کا قول یہ ہے کہ جو شخص ذبح کے وقت اللہ کے سوا دوسرے کا نام لیتا ہے اور دوسرے کے نام پر قربانی کرتا ہے اور پھینٹ چڑھا کر بتوں کا تقرب حاصل کرتا ہے وہ خوان کفور ہے۔

39 "اٰذِنٌ" اہل مدینہ، بصرہ نے اور عاصم نے "اٰذِنٌ" الف کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے حضرات نے دونوں کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی اجازت دی ہے۔ "لِّلَّذِيْنَ يِقَاتِلُوْنَ" اہل مدینہ، ابن عامر و حفص نے "يِقَاتِلُوْنَ" تاء کے فتح کے ساتھ وہ مؤمنین جو مشرکین کے خلاف جہاد کرتے ہیں۔

بعض ایک تفسیر کا بیان ہے کہ مکہ کے مشرک، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بہت زیادہ ایذا میں دیتے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو کسی کا سر پھٹا ہوتا، کوئی زخمی ہوتا، کوئی پٹ کرا آتا، سب لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کرتے کہ ہمارے ساتھ ایک سلوک کیا جا رہا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو تسلی دیتے اور فرماتے صبر کرو، ابھی مجھے لڑنے کا حکم

نہیں دیا گیا ہے۔ اس کے بعد یہ آیت مدینہ میں نازل ہوئی۔ یہ پہلی آیت ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قال کا حکم دیا گیا۔  
مقاتل کا بیان ہے کہ یہ آیت اس قوم کے متعلق نازل ہوئی جو مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کر کے گئے تھے تو یہ مشرکین ان لوگوں کو ہجرت کرنے سے روکتے تھے۔ ان لوگوں کے خلاف ہجرت کرنے کا حکم دیا گیا۔  
”بانہم ظلموا“ اس سبب کے باعث کہ انہوں نے اپنے اور پر ظلم کیا اور مسلمانوں کو ایذا دینے میں حد سے تجاوز کر رہے تھے۔ ”وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ“

④ ”الَّذِينَ اخْرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ“ یہ پہلے الذین سے بدل ہے۔ ”إِلَّا أَنْ يَقُولُوا رَبَّنَا اللَّهُ“ وہ اپنی ہستی سے صرف اسی وجہ سے نکالے گئے کہ وہ یہ کہتے تھے کہ ہمارا رب اللہ ہے۔

”وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ“ اس سے مراد جہاد اور اقامت حدود ہے۔ ”لَهْدَمْتَ قُرَاءِ اہلِ مَدِينَةٍ“ قراء اہل مدینہ نے دال کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ تشدید کے ساتھ پڑھنے والے کثیر ہیں اور تخفیف کے ساتھ پڑھنے والے قلیل ہیں۔ ”صوامع“ مجاہد اور ضحاک کا قول ہے کہ صوامع سے مراد ہیں تارک الدنیا درویشوں کے عبادت خانے اور خانقاہیں۔ قتادہ نے کہا کہ صابیوں کے عبادت گھر مراد ہیں۔ ”وَبِيعَ عِيسَايُوسُ“ کے گرجا گھر۔ ”وَصَلَوَاتُ“ یہودیوں کی عبادت گاہیں۔ عبرانی زبان میں یہودیوں کے عبادت خانوں کو صلوات کہا جاتا ہے۔ ”وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا“ مساجد سے مراد ہیں مسلمانوں کی مسجدیں جو امت محمدیہ میں سے ہیں۔ آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر اللہ بعض کو بعض کے ذریعے سے نفع نہ کرتا تو ہرنبی کے دور میں اس کی امت کے عبادت خانے ڈھا دیے جاتے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں صابیوں کے عبادت گھر، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں عیسائیوں کے گرجے اور صابیوں کے عبادت خانے اور عہد محمدی میں مسجدیں۔

ابن زید کا قول ہے کہ ”بالصلوات“ سے مراد اہل اسلام کی نمازیں ہیں کیوں کہ ان کی صفوں میں دشمن بھی پہنچ جائیں تو اپنی نماز کو توڑتے نہیں۔ ”وَلِيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنْصُرُهُ“ وہ ان کے دین اور اس کے نبی کا مددگار ہے۔ ”إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ“

الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا  
عَنِ الْمُنْكَرِ ۗ وَاللَّهُ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ④ وَإِنْ يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَ  
نَمُودٌ ⑤ وَقَوْمُ إِبْرَاهِيمَ وَقَوْمُ لُوطٍ ⑥ وَأَصْحَابُ مَدْيَنَ وَكَذَّبَ مُوسَىٰ فَأَمَلَيْتُ لِلْكَافِرِينَ  
ثُمَّ أَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ⑦ فَكَأَيِّنْ مِنْ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ  
عَلَىٰ عُرُوشِهَا وَيَبُرُ مُعْتَلِةٍ وَقَاصِرٍ مَّشِيدٍ ⑧

④ یہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو دنیا میں حکومت دے دیں تو یہ لوگ (خود بھی) نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں اور (دوسروں کو بھی) نیک کاموں کے کرنے کو کہیں اور برے کاموں سے منع کریں اور سب کاموں کا انجام تو

خدا ہی کے اختیار میں ہے اور یہ (مجادل) لوگ اگر آپ کی تکذیب کرتے ہوں تو (آپ مغموم نہ ہوئے) (کیونکہ) ان لوگوں سے پہلے قوم نوح اور عاد اور ثمود اور قوم ابراہیم اور قوم لوط اور اہل مدین بھی (اپنے اپنے انبیاء علیہم السلام) کی تکذیب کر چکے ہیں اور موسیٰ کو بھی (قبض کی طرف سے) کاذب قرار دیا گیا سو (تکذیب کے بعد) میں نے (ان) کافروں کو (چندے) مہلت دی پھر میں نے ان کو (عذاب میں) پکڑ لیا سو (دیکھو) میرا عذاب کیسا ہوا غرض کتنی بستیاں ہیں جن کو ہم نے (عذاب سے) ہلاک کیا جن کی یہ حالت تھی کہ وہ نافرمانی کرتی تھیں سو (اب) ان کی یہ کیفیت ہے کہ وہ اپنی چھتوں پر گری پڑی ہیں اور (اسی طرح ان بستیوں میں) بہت سے بیکار کنویں اور بہت سے قلعی چونے کے محل سو کیا یہ (منکر) لوگ ملک میں چلے پھرے نہیں۔

**تفسیر 41** ”الذین ان مکناہم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونہوا عن المنکر“ زجاج کا قول ہے کہ یہ ما قبل نصرت کی صفت ہے۔ ”مکناہم“ کا معنی ہے کہ ہم نے دشمن پر آپ کو مدد دی یہاں تک کہ آپ شہر میں ٹھہرے رہے۔ اس سے مراد صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہیں۔ حسن کا قول ہے کہ اس سے مراد یہی اُمت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ ”وللہ عاقبة الامور“ تمام مخلوقات کا آخری امر اور ان کا لوٹنا ان کی طرف ہوگا اور تمام بادشاہوں کی بادشاہت اس دن ختم ہو جائے گی سوائے اللہ کی بادشاہت کے اور تمام امور کا رجوع اسی کی طرف ہے۔

**42** ”وان یکذبوک“ اگر آپ کو یہ جھٹلاتے ہیں۔ ”فقد کذبت قبلہم قوم نوح و عاد و ثمود“ آپ سے پہلے اقوام بھی اپنے انبیاء کو جھٹلا چکی ہیں اس لیے آپ اس وجہ سے غم نہ کھائیں۔

**43** ”وقوم ابراہیم و قوم لوط“

**44** ”واصحاب مدین و کذب موسیٰ فاملیت للکافرین“ یعنی ہم نے تمہیں مہلت دی اور تمہاری سزاؤں کو مؤخر کر دیا۔ ”ثم اخذناہم“ پھر ہم نے تمہیں پکڑ لیا۔ ”فکیف کان نکیر“ یہ استفہام انکاری ہے۔ یعنی ہماری ان پر کیسی پکڑ ہوئی کہ ہم جھٹلانے والوں کو کس طرح عذاب دیتے ہیں اور کس طرح ہلاک کرتے تھے۔ لہذا اس کے ذریعے سے ہم ان لوگوں کو ڈراتے ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتے ہیں اور ان کی تکذیب کرتے ہیں۔

**45** ”فکاین“ اور ان کے ساتھ۔ ”من قریۃ اہلکنھا“ قراء اہل بصرہ اور یعقوب نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے ”اہلکنھا“ نون اور الف کے ساتھ تعظیم کی بناء پر پڑھا ہے۔

”وہی ظالمة“ اور اس کے اہل والے ظالم تھے۔ ”فہی خواویۃ“ ان کے اوپر گری پڑی ہیں۔ ”علیٰ عروشا“ اس کی چھتیں ”وبشر معطلۃ“ اور بہت سارے کنویں بے کار پڑے رہ گئے، کوئی ان سے پانی نکالنے والا ہی نہیں رہا۔ ”وقصر مشید“ متادہ، ضحاک اور مقاتل کا بیان ہے کہ اس سے مراد اونچے بلند جیسا کہ عربی محاورہ ہے ”شاد بناہ“ اس کی عمارت کو اونچا کیا۔ سعید بن جبیر، عطاء، و مجاہد رحمہم اللہ کا قول ہے کہ شید کا معنی ہے چونا، گچ، مصالحہ، اس لیے مشید کا ترجمہ یہ ہوا چونے اور گچ سے چنے ہوئے۔

بعض نے کہا کہ ”بشر معطلہ“ اور قصر مشید دونوں یمن میں تھے۔ قصر پہاڑ کی چوٹی پر تھا اور کنواں دامن کوہ میں۔ ہر ایک کے مالک کچھ لوگ تھے بڑے عیش و راحت میں غرق لیکن جب انہوں نے کفر کیا تو اللہ نے ان کو تباہ کر دیا، قصر اور کنواں ویران ہو گیا۔ ابوروق نے ضحاک کے حوالے سے بیان کیا کہ وہ کنواں حضرت موت کے ایک شہر میں تھا، شہر کا نام حاصورا تھا۔ یہ شہر چار ہزار مومنوں نے آباد کیا تھا جو حضرت صالح علیہ السلام کے ہم رکاب حضرت موت میں آ گئے تھے۔ اسی حضرت موت میں حضرت صالح علیہ السلام کی وفات ہوئی۔ اسی لیے اس بستی کو حضرت موت کہنے لگے، آپ کی وفات کے بعد لوگوں نے حاصورا کی تعمیر کی اور کنویں پر مستقل قیام کر لیا اور اپنے آدمیوں میں سے ایک شخص کو امیر اور حاکم بنا لیا۔ مدت دراز تک رہتے رہے، نسلیں بڑھیں اور آبادی وسیع ہوئی۔ آخر کچھ لوگ بگڑ گئے اور جنوں کی پوجا کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لیے حظلہ بن صفوان کو نبی بنا کر بھیجا۔ حضرت حظلہ قلی تھے، لوگوں کا بوجھ اٹھایا کرتے تھے، آپ نے نصیحت کی، قوم نے نصیحت نہ مانی، تکذیب کی اور بازار میں ان کو قتل کر دیا۔ نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کو تباہ کر دیا، ان کے محل ویران اور کنویں بیکار پڑے رہ گئے۔

أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا أَوْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا. فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ ﴿٤٥﴾ وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُخْلِفَ اللَّهُ وَعْدَهُ ۗ وَإِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ ﴿٤٦﴾

جس سے ان کے دل ایسے ہو جاویں کہ اس سے سمجھنے لگیں یا ان کے کان ایسے ہو جاویں جن سے سنے لگیں ﴿٤٥﴾ بات یہ ہے کہ (نہ سمجھنے والوں کی کچھ) آنکھیں اندھی نہیں ہو جایا کرتیں بلکہ دل جو سینوں میں ہیں وہ اندھے ہو جایا کرتے ہیں اور یہ لوگ (نبوت میں شبہ نکالنے کے لئے) آپ سے عذاب کا تقاضا کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کبھی اپنا وعدہ خلاف نہ کرے گا اور آپ کے رب کے پاس کا ایک دن (امتداء میں یا ائمتداء میں) برابر ایک ہزار سال کے ہے تم لوگوں کی شمار کے موافق۔

تفسیر ﴿٤٥﴾ ”أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ“ اس سے مراد کفار مکہ ہیں کہ یہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے ما قبل امتوں کا کیا حشر کیا جنہوں نے انبیاء کرام علیہم السلام کو جھٹلایا۔

”فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا أَوْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا“ جو ہم نے ما قبل اقوام کا تذکرہ کیا، ان سے عبرت حاصل کرو۔ ”فإنها لا تعمي الأبصار ولكن تعمي القلوب التي في الصدور“ الٹی فی الصدور کو بطور تاکید کے ذکر کیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے ”بطیر بجناحہ“ اس کا معنی یہ ہے کہ اُچی ضار سے مراد دل کا اندھا اور اُچی الہصر یہ دین کے امور میں ضرر نہیں دیتا۔ قنادہ کا قول ہے کہ آنکھ کی بینائی پہنچنے اور فائدہ اٹھانے کا ایک ذریعہ ہے اور دل کی بینائی حقیقت میں فائدہ بخش بینائی ہے۔

17 "وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ" یہ آیت نصر بن حارث کے متعلق نازل ہوئی جس نے یہ دُعا کی تھی اے اللہ! اگر یہ تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسسا۔ "وَلَنْ يَخْلِفَ اللَّهُ وَعْدَهُ" اس وعید کو بدر کے دن پورا کیا گیا۔

"وَإِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَالْفِ سَنَةِ مَا تَعْدُونَ" ابن کثیر، حمزہ وکسائی نے "يَعْدُونَ" یا ء کے ساتھ پڑھا ہے۔ جیسا کہ پہلے "يَسْتَعْجِلُونَكَ" میں ہے۔ دوسرے قراء نے تاء کے ساتھ "تَعْدُونَ" پڑھا ہے کیونکہ خطاب مستعجلین مؤمنین کے بارے میں ہے اور سورۃ تنزیل السجدہ والی آیت میں ان کے ساتھ تاء سے موافقت کی ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ چھ دنوں میں ایک دن مراد ہے جن میں اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو پیدا کیا۔ مجاہد اور عکرمہ کا قول ہے کہ ایام آخرت میں ایک دن تمہارے ہزار سال کے برابر ہوگا۔ اس کی تائید حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے فقراء، مہاجرین کے گروہ تم کو بشارت ہو کہ قیامت کے دن کو نور کامل حاصل ہوگا، تم جنت کے اندر مال داروں سے آدھادن پہلے داخل ہو گے اور تمہارے رب کا ایک دن تمہارے ہزار سال کے برابر ہوگا۔

ابن زید کا قول ہے "وَإِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَالْفِ سَنَةِ مَا تَعْدُونَ" یہ دن آخرت کے ایام میں سے شمار کیے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان "مقداره خمسين الف سنة مما تعدون" اس سے مراد بھی قیامت کا دن ہے۔ معنی آیت کا یہ ہے کہ جس عذاب کے یہ لوگ فوری طلب گار ہیں۔ اس کا ایک دن شدت تکلیف اور طول میں انسانوں کی گنتی کے ہزار سال کے برابر ہے۔ بعض حضرات نے اس کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اللہ اپنے وعدہ کے خلاف ہرگز نہیں کرے گا لیکن اس نے عذاب کو اس دن تک مؤخر کر رکھا ہے جو تمہارے ہزار سال کے برابر ہوگا۔ تو پھر یہ لوگ کس طرح عذاب میں جلدی کرتے ہیں۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ شدت تکلیف کے دن لے ہیں اور خوشی کے دن بہت مختصر ہیں۔

عطاء کی روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کا معنی یہ بیان کیا کہ اللہ کے پاس ایک دن اور تمہارے ایک ہزار سال مہلت دینے کے برابر ہیں کیونکہ اللہ قادر ہے جب چاہے گا پکڑ لے گا، کوئی چیز اس کے قبضہ سے باہر نہیں۔ تاخیر کی وجہ سے کوئی چیز، اللہ کے دست قدرت سے باہر نہیں ہو سکتی۔ عذاب کو فوراً نازل کر دینا اور کچھ مدت مؤخر کر دینا، دونوں باتیں اس کی قدرت کے لیے مساوی ہیں۔

وَكَأَيِّنْ مِنْ قَرْيَةٍ أَمَلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ أَخَذْتُهَا. وَاللّٰى الْمَصِيرُ 48 قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا آتَاكُمُ نَذِيرٌ مُّبِينٌ 49 فَأَلْدِينِ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ 50 وَالَّذِينَ سَعَوْا فِي آيَاتِنَا مُعْجِزِينَ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ 51 وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ إِلَّا إِذَا تَمَنَّى أَلْقَى الشَّيْطَانُ فِي أُمْنِيَّتِهِ فَيَنسَخُ اللَّهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللَّهُ آيَاتِهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ 52

تسبیح اور بہت سی بستیاں ہیں جن کو میں نے (ان کی طرح) مہلت دی تھی اور وہ (ان ہی کی طرح) نافرمانی کرتی تھیں پھر میں نے ان کو (عذاب میں) پکڑ لیا اور (سب کو) میری ہی طرف لوٹنا ہوگا (اور) آپ (یہ بھی) کہہ دیجئے کہ اے لوگوں میں تو صرف تمہارے لئے ایک آشکارا ڈرانے والا ہوں سو جو لوگ (اس ڈر کو سن کر) ایمان لے آئے اور اچھے کام کرنے لگے ان کے لئے مغفرت اور عزت کی روزی (یعنی جنت) ہے اور جو لوگ ہماری آیتوں کے متعلق (ان کے ابطال کی) کوشش کرتے رہتے ہیں (نبی کو اور اہل ایمان کو) ہرانے کے لئے ایسے لوگ دوزخ (میں رہنے) والے ہیں اور اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے آپ کے قبل کوئی رسول اور کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا جس کو یہ قصہ پیش نہ آیا ہو کہ جب اس نے (اللہ تعالیٰ کے احکام میں سے) کچھ پڑھا (تب ہی) شیطان نے اس کے پڑھنے میں (کفار کے قلوب میں) شبہ ڈالا۔ پھر اللہ تعالیٰ شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات کو (جو بات قاطعہ سے) نیست و نابود کر دیتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اپنی آیات (کے مضامین) کو زیادہ مضبوط کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ خوب علم والا خوب حکمت والا ہے۔

**تفسیر** 48 "و کاتین من قریة املیت لہا" ہم نے ان کو مہلت دی۔ "وہی ظالمة ثم اخذتها والی المصیر"

49 "قل یا یہا الناس انما انا لکم نذیر مبین"

50 "فالذین آمنوا و عملوا الصالحات لہم مغفرة و رزق کریم" رزق کریم سے مراد وہ اشیاء جو کبھی ختم نہ ہونے

والی۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد جنت ہے۔

51 "والذین سعوا فی ایاتنا" اور جو لوگ رد کرنے کے لیے ہماری آیات کے متعلق کوشش کرتے رہتے ہیں۔ "معاجزین"

ابن کثیر اور ابو عمرو نے معجزین تشدید کے ساتھ پڑھا ہے اور سورۃ سبأ میں بھی تاکہ وہ لوگوں کو ان کے ایمان سے درغللا میں اور دوسرے قراء نے معجزین الف کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس سے مراد معاندین ہیں۔ قنادہ نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ وہ اپنے خیال میں ہمیں ہرانا چاہتے ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ نہ قیمت ہوگی نہ دوزخ اور نہ ہی جنت اور "یعجزوننا" کا معنی یہ ہے کہ ہم ان کو فوت کر دیں گے اور وہ ہم پر قادر نہیں ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "أم حسب الذین یعملون السیئات أن یسبقونا"

"اولئک اصحاب الجحیم" کہ وہ ہمیں عاجز کر دیں اور ہم پر غلبہ حاصل کر لیں۔ ہر ایک کے سامنے

دوسرا عاجز ہو جائے، دوسرا ہار جائے۔

52 "وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی الا اذا تمنی القی الشیطان فی امنیته"

حضرت ابن عباس اور محمد بن کعب قرظی کا بیان ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی قوم والوں نے رُخ

پھیر لیا اور کلام اللہ سے ان کا دور دور رہنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شاق گزارا تو آپ کے دل میں یہ تمنا پیدا ہوئی کہ کاش! اللہ کی طرف سے کوئی ایسا طریقہ پیدا ہو جاتا جس سے قوم والے آپ کے قریب آجاتے۔ آپ کو قوم والوں کے مسلمان ہو جانے کی بڑی ہی رغبت تھی۔ چنانچہ ایک روز آپ قریش کے جلسہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ سورۃ نجم نازل ہوئی۔ آپ نے لوگوں کے سامنے



پڑھ کر سائی۔ جب پڑھتے پڑھتے آیت ”اھرائتم الات والعزی ومنوۃ الفالسة الاخری“ پر پہنچے تو شیطان نے وہ دلی خواہش جو آپ کے سینے میں پیدا ہوتی رہتی تھی، زبان سے نکلوا دی اور آپ کی زبان سے آیت مذکورہ کے بعد نکل گیا۔

”تلك الغرائق العلی وان شفاعتھن لترتجلی“

قریش نے جب یہ الفاظ سنے تو بڑے خوش ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تلاوت میں مستغرق رہے اور اسی طرح سورۃ ختم کر لی تو آخر سورۃ میں سجدہ کیا، آپ کے سجدہ کرنے کی وجہ سے تمام مسلمانوں نے بھی سجدہ کیا اور کعبہ میں جو مشرک تھے، انہوں نے بھی سجدہ کیا، کوئی مسلمان یا مشرک بغیر سجدہ کے نہیں رہا، صرف ولید بن مغیرہ اور سعید بن عامر نے سجدہ نہیں کیا اور ایک ایک مٹھی کنکریاں اٹھا کر اپنی پیشانی سے لگالیں۔ بات یہ تھی کہ یہ دونوں بہت بوڑھے تھے، سجدہ کرنے کی ان میں طاقت نہیں تھی۔ اس کے بعد قریش منتشر ہو گئے اور اپنے معبودوں کا ذکر جو سنا تھا، اس سے بڑے خوش تھے اور اب کہہ رہے تھے اب تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ہمارے معبودوں کا ذکر اچھے الفاظ میں کر دیا، ہم کو اقرار ہے اور ہم جانتے ہیں کہ اللہ ہی زندگی اور موت دیتا ہے، وہی پیدا کرتا ہے اور رزق دیتا ہے لیکن ہمارے یہ معبود اللہ کے دربار میں ہماری سفارش کریں گے۔ اب جبکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کو ان کا حصہ دے دیا تو اب ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہیں۔

جب شام ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے یہ کیا کیا کہ جو کلام میں آپ کے پاس اللہ کی طرف سے لایا تھا اس کے سوا دوسرے کلام کی لوگوں کے سامنے آپ نے تلاوت کی؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ بات سن کر بہت غمگین ہوئے اور آپ کو اللہ کا بڑا ڈر لگا۔ اس پر اللہ رب العزت نے یہ آیت ”وہا ارسلنا من قبلک“ نازل ہوئی۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی عطا فرمائی ہے جو صحابی اس زمانہ میں حبش میں تھے ان کو جو اطلاع ملی کہ قریش نے بھی سجدہ کیا اور یہ بھی کہا گیا کہ قریش مسلمان ہو گئے تو ان میں سے اکثر لوگ اپنے اپنے قبائل میں واپسی کے ارادے سے چل دیئے اور بولے مکہ والوں سے ہمیں محبت ہے لیکن جب مکہ کے قریب پہنچے تو ان کو اطلاع ملی کہ اہل مکہ کے مسلمان ہونے کی جو خبر ان کو پہنچی تھی، وہ غلط تھی۔ چنانچہ یہ لوگ مکہ میں چھپ چھپا کر داخل ہوئے یا کسی کی پناہ لے کر۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو قریش نے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس بات پر ندامت ہے کہ انہوں نے ہمارے معبودوں کی تعریف کیوں کی اور یہ دونوں حرف شیطان نے آپ کی زبان پر القا کیے اور ہر مشرک کی زبان پر بھی یہ لفظ تھا۔ اس لفظ کی وجہ سے مشرکین کا اور شر بڑھ گیا اور جو لوگ مسلمان تھے، ان پر بہت گراں گزرا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”وہا ارسلنا من قبلک من رسول“ آپ سے پہلے بھی جن کو ہم رسول بنا کر بھیجتے ہیں ان پر حضرت جبرئیل علیہ السلام وحی لے کر جاتے ہیں اور نبی جس کو نبوت الہام و خواب کے ذریعے سے ہو، ہر رسول نبی تو ہو سکتا ہے لیکن ہر نبی رسول نہیں ہو سکتا۔

بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے جب اس نے پسند کیا، جب اس نے دلی خواہش کی جب اس نے دل ہی دل میں ایسی بات کی جس کا علم اس کو نہیں دیا گیا تھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ ”القی الشیطان“ کا معنی ہے دوسرے کا راستہ پالینا اور مراد نبی

میں (کچھ) ڈال دینا۔ کوئی نبی ایسا نہیں ہوا کہ جب اس نے قوم کے ایمان لانے کی تمنا کی ہو اور شیطان نے اس کی تمنا میں کوئی ایسی بات نہ ڈال دی ہو، جو اس کی قوم کے لیے دل پسند ہو۔

اکثر اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ تمنی کا معنی ہے کہ پڑھا اور اعتبہ کا معنی ہے قرأت یعنی پیغمبر نے جب اللہ کی کتاب پڑھی تو شیطان نے اس کی قرأت میں مداخلت کی۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد ایک شاعر نے کہا:

تمنی کتاب اللہ اوّل لیلۃ و آخرها لاقی حمام المقادر

(شروع رات میں آپ نے کتاب اللہ کی تلاوت کی اور آخر رات میں موت مقدرہ سے ملاقات کی۔)

اس بات میں اختلاف ہے کہ کیا یہ نماز کے اندر تلاوت کی ہے یا باہر۔ بعض حضرات نے کہا کہ نماز میں قرأت کی اور بعض نے کہا کہ نماز کے باہر قرأت کی۔

### ایک شبہ اور اس کا جواب

سوال: یہ بات کیسے ممکن ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تلاوت میں ایسی غلطی واقع ہو جائے؟ حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم معصوم تھے اور اصل دین میں آپ سے غلطی ممکن نہیں تھی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ“ شیطان ان کے پاس نہیں آ سکتا نہ آگے سے نہ پیچھے سے؟  
جواب: علماء نے اس سوال کے مختلف جوابات دیئے ہیں۔

① بعض حضرات نے اس کا یہ جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ نہیں پڑھے اور نہ ہی صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ الفاظ آپ کی زبان سے نکلے سنے۔ صرف شیطان نے (آپ کی آواز بنا کر) مشرکوں کے کانوں میں یہ الفاظ ڈال دیئے، مشرکوں نے خیال کر لیا کہ یہ الفاظ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کہے ہیں۔

② قنادہ کا قول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت اس وقت نیم بیہوشی کی تھی کہ القاء شیطانی کی وجہ سے یہ الفاظ آپ کی زبان سے سہواً نکل گئے لیکن فوراً ہی اللہ نے آپ کو متنبہ فرما دیا۔

③ بعض نے کہا کہ ایک شیطان جس کا نام ایبیس تھا اس نے یہ حرکت کی تھی اور یہ ایک بڑی آزمائش تھی اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی طرح طرح سے آزمائش کرتا ہے۔ ”ثم يحكم الله آياته“ پھر ہم اس کے بعد اپنی آیات کو اور مضبوط کرتے ہیں۔ ”والله عليم حكيم“

لِيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ فِتْنَةً لِلَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ وَالْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُمْ ۗ وَإِنَّ

الظَّالِمِينَ لَفِي شِقَاقٍ م بَعِيدٍ ۝۳۹ وَلَيَعْلَمَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَيُؤْمِنُوا

بِهِ فَتُخَيَّبَ لَهُ قُلُوبُهُمْ ۗ وَإِنَّ اللَّهَ لَهَادٍ لِلَّذِينَ آمَنُوا إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝۴۰ وَلَا يَزَالُ

الَّذِينَ كَفَرُوا فِي مِرْيَةٍ مِنْهُ حَتَّى تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً أَوْ يَأْتِيَهُمْ عَذَابٌ يَوْمَ عَقِيمٍ ۝۴۱

الْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِلَّهِ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ۗ فَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ  
 ۵۵ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فاولئك لهم عَذَابٌ مُهِينٌ ۗ وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي  
 سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ قُتِلُوا أَوْ مَاتُوا ليرزقنهم الله رزقًا حسنًا ۗ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ۗ

﴿تفسیر﴾ اور یہ قصہ اس لئے کیا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات کو ایسے لوگوں کے لئے آزمائش (کا ذریعہ) بنادے جن کے دل میں (شک کا) مرض ہے اور جن کے دل (بالکل) ہی سخت ہیں اور واقعی (یہ) ظالم لوگ بڑی مخالفت میں ہیں اور تاکہ جن لوگوں کو ہم (صحیح) عطا ہوا ہے وہ (ان اچوبہ اور نور ہدایت سے) اس امر کا زیادہ یقین کر لیں کہ یہ (جو نبی نے پڑھا ہے وہ) آپ کے رب کی طرف سے حق ہے سو ایمان پر زیادہ قائم ہو جاویں پھر اس کی طرف ان کے دل اور بھی جھک جاویں اور واقعی ان ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ ہی راہ راست دکھاتا ہے اور (رہ گئے) کافر لوگ (سو وہ) ہمیشہ اس (پڑھے ہوئے حکم) کی طرف سے شک ہی میں رہیں گے یہاں تک کہ ان پر دفعہ قیامت آ جاوے یا ان پر کی بے برکت دن کا (کہ قیامت کا دن ہے) عذاب آپہنچے بادشاہی اس روز اللہ ہی کی ہوگی وہ ان سب (مذکورین) کے درمیان (عملی) فیصلہ فرمائے گا سو جو لوگ ایمان لائے ہوں گے اور اچھے کام کئے ہوں گے وہ چین کے باغوں میں ہوں گے اور جنہوں نے کفر کیا ہوگا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہوگا تو ان کے لئے ذلت کا عذاب ہوگا (وہ فیصلہ یہ ہوگا) اور جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں (یعنی دین کے لئے) اپنا وطن چھوڑا پھر وہ لوگ (کفر کے مقابلہ میں) قتل کئے گئے یا مر گئے اللہ تعالیٰ ضرور ان کو ایک عمدہ رزق دے گا اور یقیناً اللہ تعالیٰ سب دینے والوں سے اچھا (دینے والا) ہے۔

﴿تفسیر﴾ ۵۵ "لیجعل ما یلقى الشیطان فتنۃ" آزمائش اور مصیبت۔ "للذین فی قلوبہم مرض" مرض سے مراد شک اور نفاق ہے۔ "والقاسیۃ" جامد ہیں۔ "قلوبہم" حق کے قبول کرنے سے وہ سخت ہیں اس سے مراد مشرک لوگ ہیں۔ یہ اس وجہ سے کہا کہ مشرکین نے جو کچھ سنا تھا اس سے ان کو خوشی حاصل ہوئی تھی۔ پھر اس کلام کو ختم کر دیا گیا اور اس پڑھنے کی بناء پر ہم نے ان کی دشمنی میں مزید اضافہ ہی کیا اور ان لوگوں نے یہ گمان کیا تھا کہ یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی طرف سے بیان کیا ہے۔ پھر ان کو اس بات سے ندامت حاصل ہوئی۔ "وان الظالمین" ظالمین سے مراد مشرکین ہیں۔ "لفی شقاق" اس سے مراد گمراہی ہے۔ "بعیدۃ" ۵۴ "ولیعلم الذین اتوا العلم" اس سے مراد توحید اور قرآن ہے۔ سدی کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کے منسوخ کردہ احکامات کی تصدیق کرنا۔ "انہ" اس سے مراد محکم آیات قرآنی ہیں۔ "الحق من ربک فیؤمنوا بہ" یہ اعتقاد رکھو کہ یہ اللہ کی جانب سے ہے۔ "فتخب لہ قلوبہم" اس کے ذریعے سے اپنے دلوں میں سکون حاصل کرتے ہیں۔ "وان اللہ لہاد الذین امنوا الی صراط مستقیم" سیدھا راستہ اور وہ اسلام ہے۔

۵۵ "ولا یزال الذین کفروا فی مرۃ منہ" وہ لوگ اس بات میں شک کے اندر پڑے ہوئے ہیں کہ یہ شیطان نے آپ

صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے القا کیا اور وہ لوگ یہ کہتے ہیں۔ پہلے انہوں نے ہمارے بتوں کے متعلق ذکر خیر کیا، پھر اس سے رجوع کر لیا۔ ابن جریج کا قول ہے کہ وہ قرآن کے بارے میں شک کرتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ وہ دین (صراط مستقیم) کے بارے میں شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ ”حتی تأتیہم الساعة بغتة“ اس سے مراد قیامت ہے اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد موت ہے۔ ”او یأتیہم عذاب یوم عقیم“ ضحاک اور عکرمہ کا اس بارے میں یہ قول ہے، ایسا دن جس کی رات نہیں ہوگی۔

## یوم عقیم کی تفسیر

اکثر مفسرین رحمہم اللہ کے نزدیک یوم عقیم سے مراد بدر کا دن ہے اور ساعۃ سے مراد قیامت کا دن ہے۔ یوم بدر کو عقیم اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس دن کفار کو کوئی خیر حاصل نہیں ہوگی اور اسی طرح ریح عقیم بغیر بارش کے ہوا کو کہتے ہیں۔ لغت میں عقیم ممنوع کے معنی میں آتا ہے۔ جیسے کہ کہا جاتا ہے ریح عقیم۔ جب اس کو اپنے بیٹے سے روک دیا گیا ہو۔ بعض نے کہا کہ اس عظیم کام میں اس کا کوئی مثل نہیں کہ وہ فرشتوں کے ساتھ قال کرے۔ ابن جریج کا قول ہے کہ وہ رات تک انتظار نہیں کریں گے جب تک کہ شام سے پہلے پہلے وہ قتل نہ کر دیئے جائیں۔

56 "الملک یومئذ" اس سے مراد قیامت کا دن ہے۔ "لله" اس کے ساتھ کوئی جھگڑنے والا نہیں، اس کی بادشاہت میں کوئی شریک نہیں۔ "یحکم بینہم" پھر ان کے درمیان فیصلہ کرے گا۔ "فالدین آمنوا و عملوا الصالحات فی جنات النعیم"

57 "والذین کفروا و کذبوا بآیاتنا فاولئک لہم عذاب مہین"

58 "والذین ہاجروا فی سبیل اللہ" جو لوگ اپنے وطن سے اور اپنے قبیلہ والوں سے اللہ تعالیٰ کی طاعت و فرمانبرداری میں اور اس کی رضا کے حصول کے لیے ہجرت کی۔ "ثم قتلوا او ماتوا" قتلوا تشدید کے ساتھ بھی ہے۔ "لیرزقنہم اللہ رزقا حسنا" رزق حسن سے مراد جو کبھی ختم ہونے والا نہ ہو اور وہ جنت کا رزق ہے۔ "وان اللہ لہو خیر الرازقین" بعض نے کہا کہ اس قول کا مطلب دوسری آیت سے واضح ہے۔ "بل احياء عند ربہم یرزقون"

لَيُدْخِلْنَهُمْ مُدْخَلَ رِزْوَانِهِ ۗ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيمٌ حَلِيمٌ 59 ذٰلِكَ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا  
عَاقَبَ بِهٖ ثُمَّ يُغْنِ عَلَيْهِ لِيَنْصُرْهُ اللّٰهُ ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ 60 ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوَلِّجُ اِلَيْلَ  
فِي النَّهَارِ وَيُوَلِّجُ النَّهَارَ فِى الْاَيْلِ ۗ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ مَّ بَصِيْرٌ 61 ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ لَحَقُّ  
وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ ۗ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ 62 اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ  
السَّمٰوٰتِ مَآءً فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ 63 لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا  
فِى الْاَرْضِ ۗ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ 64 اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ

وَالْفُلْكَ تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ ۗ وَيُمْسِكُ السَّمَاءَ أَنْ تَقَعَ عَلَى الْأَرْضِ إِلَّا بِإِذْنِهِ

ۛ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرءُؤٌ وَفٌ رَّحِيمٌ 65

**تجسس** (اور رزق حسن کے ساتھ) اللہ تعالیٰ ان کو ایسی جگہ لے جا کر داخل کرے گا جس کو وہ (بہت ہی) پسند کریں گے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر بات (کی مصلحت) کو خوب جاننے والا ہے بہت حلم والا (بھی) ہے یہ (مضمون تو) ہو چکا اور جو شخص (دشمن کو) اسی قدر تکلیف پہنچاوے جس قدر (اس دشمن کی طرف سے) اس کو تکلیف پہنچائی گئی تھی (اور) پھر اس شخص پر زیادتی کی جاوے تو اللہ تعالیٰ اس شخص کی ضرور امداد کرے گا اللہ تعالیٰ کثیر العفو کثیر المغفرت ہے (ایسے) دقائق پر دارو گیر نہیں کرتا) یہ (مؤمنین کا غالب کر دینا) اس سبب سے ہے کہ اللہ رات (کے اجزاء) کو دن میں اور دن (کے اجزاء) کو رات میں داخل کر دیتا ہے اور (نیز) اس سبب سے ہے کہ اللہ تعالیٰ (ان سب احوال و اقوال کو) خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے یہ (نصرت) اس سبب سے (یقینی) ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہستی میں کامل ہے اور جن چیزوں کی اللہ تعالیٰ کے سوا یہ لوگ عبادت کر رہے ہیں وہ بالکل ہی لچر ہیں اور اللہ ہی عالیشان اور (سب سے) بڑا ہے (اور اے مخاطب) کیا تجھ کو یہ خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی برسایا جس سے زمین سرسبز ہو گئی بیشک اللہ تعالیٰ بہت مہربان (اور) سب باتوں کی خبر رکھنے والا ہے سب اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے (یعنی وہ سب کا مالک ہے) اور بیشک اللہ ہی ایسا ہے جو کسی کا محتاج نہیں (اور) ہر طرح کی تعریف کے لائق ہے (اور اے مخاطب) کیا تجھ کو یہ خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے کام میں لگا رکھا ہے زمین کی چیزوں کو اور کشتی کو (بھی) کہ وہ دریا میں اس (خدا) کے حکم سے چلتی ہے اور وہی آسمانوں کو زمین پر گرنے سے تھامے ہوئے ہے۔

**تفسیر** 65 "لیدخلنہم مدخلا بوضونہ" کیوں کہ اس میں ان کی من پسند اشیاء ہوں گی اور ایسی اشیاء ہوں گی جو آنکھوں کو لذت بخشیں۔ "وان اللہ لعليم" ان کی نیتوں کو جانتا ہے۔ "حليم" وہ بڑے تحمل والا ہے، فوری سزا نہیں دیتا۔

66 "ذلك" جو ہم نے آپ کے سامنے بیان کیا۔ "ومن عاقب ہم مثل ما عوقب بہ" ظالم کو اس کے ظلم کے بدلے میں جزا دی جائے گی۔ حسن نے اس کی تشریح اس طرح کی ہے من عاقب جس نے مشرکوں کے ساتھ جنگ کی۔ "ثم بغی علیہ" اس کو گھر سے نکال کر اس کے ساتھ زیادتی کی گئی۔ وہ ظلم و جور جو مشرکین نے مسلمانوں کے ساتھ کیے تھے۔ یہاں تک کہ ان کو ان کے گھروں سے نکالا گیا۔

اس آیت کا نزول مشرکین کی قوم کے بارے میں ہوا کہ کچھ مشرک مسلمانوں کی ایک جماعت پر ۲۸ محرم کو لڑنے کے لیے چڑھ آئے۔ مسلمانوں نے ماہ محرم کے احترام کی وجہ سے لڑنا مناسب نہیں سمجھا اور مشرکوں سے درخواست کی کہ محرم میں جنگ نہ کرو لیکن مشرکوں نے یہ درخواست رد کر دی اور مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ یہ مشرکوں کی طرف سے مسلمانوں پر زیادتی ہوئی، مسلمان

اپنی جگہ قائم رہے اور اللہ کی طرف سے ان کی مدد ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ”لینصرنہ اللہ“ عقابِ اول کی جزاء کے معنی میں ہے۔ ”اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ“ مسلمانوں سے جو غلطی ہوگی اللہ نے ان کے گناہوں کو معاف کر دیا۔

61 ”ذٰلِكَ“ یہ مدد و نصرت ”بِاَنِ اللّٰهِ“ وہ قادر ہے جس پر وہ چاہے اور اس کی قدرت کی یہ بھی ایک نشانی ہے۔ ”یُولِجُ

اللیل فی النہار و یولج النہار فی اللیل و اَنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ بَصِیْرٌ“

62 ”ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنْ مَا یَدْعُوْنَ“ اہل بصرہ، حمزہ، کسائی، حفص نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے اور

دوسرے قراء نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے، اس سے مراد مشرکین ہیں۔ ”مَنْ دُوْنَهُ هُوَ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِیُّ“ وہ ہر چیز سے بلند و بالا ہے۔ ”الکبیر“ وہ عظیم الشان اور عالی مرتبہ ہے۔ ایسا کہ اس کا کوئی مثل نہیں۔

63 ”الْم تَرٰ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَآءً فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً“ اس سے نباتات مراد ہیں۔ ”اِنَّ اللّٰهَ

لَطِیْفٌ“ اپنے بندوں کو رزق دیتا ہے اور اپنے بندوں کے لیے زمین سے سبزہ نکالا۔ ”خَبِیْرٌ“ جو بندوں کے دلوں میں ہے اس کو جانتا ہے جب ان سے بادل (بارش) کو روک لیا جاتا ہے تو بندوں کے دلوں میں اس کے متعلق کیا ہوتا ہے۔

64 ”لَهُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ“ زمین میں خواہ اس کے بندے ہوں یا اور کوئی چیز اس کی ملکیت

میں ہو۔ ”وَ اِنَّ اللّٰهَ لَهُو الْغَنِیُّ“ اپنے بندوں سے ”الحمید“ اس کے افعال میں۔ یعنی وہ اپنے افعال میں خود محمود ہے، خواہ اس کی حمد کوئی بھی نہ کرے۔

65 ”الْم تَرٰ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَا فِی الْاَرْضِ وَاَلْفَلَکَ“ اور تمہارے لیے کشتیوں کو سخر کیا۔ ”تَجْرِی فِی الْبَحْرِ

بِاَمْرِهِ“ اور خشکی میں جو چو پائے ہیں جن پر تم سوار ہوتے ہو۔

اور کشتیاں جن پر تم سوار ہوتے ہو۔ ”وَبِمَسْکِ السَّمَاءِ اَنْ تَقَعَ عَلٰی الْاَرْضِ“ تاکہ وہ زمین پر نہ گرے۔

”اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ بِالنَّاسِ لِرُؤْفِ رَحِیْمٍ“

وَهُوَ الَّذِیْ اَحْیَاکُمْ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَکَفُوْرٌ 66 لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا

مَنْسَاکُمْ اَمْ نَسِکُوْهُ فَلَا یُنَازِعُکَ فِی الْاَمْرِ وَاذْعُ اِلٰی رَبِّکَ ؕ اِنَّکَ لَعَلٰی هٰذِی

مُسْتَقِیْمٍ 67 وَاَنْ جَدَلُوْکَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ 68 اللّٰهُ یَحْکُمُ بَیْنَکُمْ یَوْمَ الْقِیْمَةِ

فِیْمَا کُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ 69 اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمَآءِ وَاَلْاَرْضِ ؕ اِنَّ ذٰلِکَ

فِیْ کِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِکَ عَلٰی اللّٰهِ یَسِیْرٌ 70 وَیَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزَّلْ بِہِ سُلْطٰنًا

وَمَا لَیْسَ لَهُمْ بِہِ عِلْمٌ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ نَّصِیْرٍ 71

71 ہاں اگر اسی کا حکم ہو جائے تو خیر بالیقین اللہ تعالیٰ لوگوں (کے حال) پر بڑی شفقت اور رحمت فرمانے والا



ہے اور وہی ہے جس نے تم کو زندگی دی پھر (وقت موعود پر) تم کو موت دے گا پھر (قیامت میں دوبارہ) تم کو زندہ کرے گا واقعی انسان ہے بڑا بے قدر (جتنی امتیں اہل شرائع گزری ہیں) ہم نے (ان میں) ہر امت کے واسطے ذبح کرنے کا طریق مقرر کر دیا ہے کہ وہ اسی پر ذبح کیا کرتے تھے سوان (معرض) لوگوں کو چاہئے کہ آپ سے اس امر (ذبح) میں جھگڑا نہ کریں اور آپ (ان کو) اپنے رب (یعنی اس کے دین) کی طرف بلا تے رہئے (کیونکہ) آپ یقیناً صحیح راستہ پر ہیں اور اگر (اس پر بھی) یہ لوگ آپ سے جھگڑا نکالتے رہیں تو آپ (اخیر بات یہ) فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو خوب جانتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان قیامت کے روز (عملی) فیصلہ فرما دے گا جن چیزوں میں تم اختلاف کرتے تھے (آگے اس کی تائید ہے کہ) اے مخاطب کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ سب چیزوں کو جانتا ہے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے یقینی بات یہ ہے کہ یہ (سب ان کا قول فعل) نامہ اعمال میں ہے۔ (پس) یقیناً (ثابت ہو گیا کہ) یہ (فیصلہ کرنا) اللہ تعالیٰ کے نزدیک (بہت) آسان ہے اور یہ (مشرک) لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جن (کے جواز عبادت) پر اللہ تعالیٰ نے کوئی حجت (اپنی کتب میں) نہیں بھیجی اور نہ ان کے پاس اس کی کوئی (عقلی) دلیل ہے اور ان ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہوگا

**نفسیہ 66** "وہو الذین احیاکم" تمہیں اس نے پیدا کیا حالانکہ اس سے پہلے تم کچھ نہ تھے۔ "ثم یمیتکم" پھر تمہاری مدت پوری ہونے پر تمہیں موت دے دے گا۔ "ثم یحییکم" پھر وہ تمہیں دوبارہ زندہ کرے گا، قیامت کے دن ثواب اور عقاب کے لیے۔ "ان الانسان لکفور" انسان اللہ کی نعمتوں کا ناشکرا ہے۔

**67** "لکل امة جعلنا منسکاً ہم ناسکوا" ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ہم نے ہر اُمت کے لیے ایک شریعت مقرر کر دی تھی جس پر وہ چلتے تھے۔

بعض نے منسک کا ترجمہ تہوار کے ساتھ کیا ہے۔

مجاہد اور قتادہ کا قول ہے کہ اس سے مراد قربان گاہ ہے جس میں وہ جانوروں کو ذبح کرتے ہیں۔

بعض نے کہا کہ منسک سے مراد عبادت کی جگہ ہے اور بعض نے کہا کہ مرکز انس جس سے وہ مانوس تھے۔ عربی میں منسک اس مقام کو کہتے ہیں جہاں کسی اچھے یا برے کام کے لیے لوگ جمع ہونے کے عادی ہوں۔ مناسک حج کو مناسک اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ لوگ حج کے مقامات پر ہر سال آتے اور جمع ہوتے ہیں۔

"فلا ینازعنک فی الامر" ذبح کرنے کے معاملے میں۔ اس آیت کا نزول بدیل بن ورقاء یزید بن حبیس اور بشر بن سفیان کے متعلق ہوا۔ ان لوگوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کہا تھا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ جس جانور کو تم اپنے ہاتھوں سے قتل کرتے ہو اس کو تو کھاتے ہو اور جس کو خدا براہ راست مار دیتا ہے اس کو نہیں کھاتے۔ زجاج نحوی نے کہا بظاہر نزاع کی ممانعت مشرکوں کو ہے لیکن حقیقت میں ممانعت کا رخ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے۔ عرب کہتے ہیں کہ فلاں شخص تم سے جھگڑا نہ کرے، یعنی تم

اس سے جھگڑانہ کرو لیکن ایسا ان افعال میں ہوتا ہے جو طریفین سے صادر ہوں۔ جب ایک فریق اپنا حق چھوڑ دے تو دوسرے کو اختیار نہیں۔ ”و ادع الی ربک“ اپنے رب کی طرف بلاؤ کہ وہ اللہ رب العزت پر ایمان لائیں۔ ”انک لعلی ہدیٰ مستقیم“

68 ”وان جادلوک فقل اللہ اعلم بما تعملون“

69 ”اللہ یحکم بینکم یوم القیامۃ فیما کنتم فیہ تختلفون“ اس وقت تم لوگ پہچان لو گے کہ حق کیا ہے اور باطل

کیا ہے۔ اختلاف کا معنی ہے دو جھگڑا کرنے والوں میں سے ہر ایک کا دوسرے کے خلاف ہو جانا۔

70 ”الم تعلم ان اللہ یعلم ما فی السماء والارض ان ذلک“ سب کچھ وہ جانتا ہے۔ ”فی کتاب لروح محفوظ میں۔

ان ذلک“ اس کا علم تمام چیزوں میں۔ ”علی اللہ یسیر“

71 ”ویعبدون من دون اللہ مالہم ینزل بہ سلطاناً“ سلطان سے مراد حجت اور دلیل ہے۔ ”وما لیس لہم بہ

علم“ جو کچھ انہوں نے کام کیا، وہ محض جہالت کی بناء پر کیا نہ کہ علم کی بنیاد پر۔ ”وما للظالمین“ اس سے مراد مشرکین ہیں۔

”من نصیر“ ان کے لیے کوئی مددگار نہیں ہوگا جو اللہ کے عذاب سے ان کو بچا سکے۔

وَ اِذَا تُتْلٰی عَلَیْہِمۡ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِیۡ وُجُوٰہِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا الْمُنْکَرُ ؕ یَکَادُوۡنَ یَسْطُوۡنَ

بِالَّذِیۡنَ یَتْلُوۡنَ عَلَیْہِمۡ اٰیٰتُنَا ؕ قُلۡ اَفَاَنْتُنَّکُمۡ بِشَیۡرٍ مِّنۡ ذٰلِکُمۡ ؕ النَّارُ ؕ وَعَدَّهَا اللّٰهُ الَّذِیۡنَ

کَفَرُوۡا ؕ وَبِئْسَ الْمَصِیۡرُ ۗ ۷۲ یٰۤاٰیُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاَسْتَمِعُوۡا لَہٗ ؕ اِنَّ الَّذِیۡنَ تَدْعُوۡنَ

مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ لَنْ یَخْلُقُوۡا ذُبَابًا وَّلَوْ اٰجْتَمَعُوۡا لَہٗ ؕ وَاِنْ یَسْلُبْہُمُ الذُّبَابُ شَیۡئًا لَا یَسْتَفِیۡذُوۡہُ

مِنْہٗ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوۡبُ ۗ ۷۳ مَا قَدَرُوۡا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَقَوِیُّ عَزِیۡزٌ ۗ ۷۴

اور جب ان لوگوں کے سامنے ہماری آیتیں جو کہ (اپنے مضامین میں) خوب واضح ہیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو

تم ان کافروں کے چہروں (بوجہ ناگواری باطنی کے) برے آثار دیکھتے ہو قریب ہے کہ یہ ان لوگوں پر اب حملہ کر نہیں

(گے) جو ہماری آیتیں ان کے سامنے پڑھ رہے ہیں آپ (ان مشرکین سے) کہیے کہ کیا میں تم کو اس (قرآن) سے

زیادہ ناگوار چیز بتلا دوں وہ دوزخ ہے (کہ) اس کا اللہ نے کافروں سے وعدہ کیا ہے اور وہ برا ٹھکانہ ہے اے لوگو ایک

عجیب بات بیان کی جاتی ہے اس کو کان لگا کر سنو (وہ یہ ہے کہ) اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جن کی تم لوگ خدا کو چھوڑ کر

عبادت کرتے ہو وہ ایک (ادنیٰ) مکھی کو تو پیدا کر ہی نہیں سکتے گو سب کے سب بھی (کیوں نہ) جمع ہو جائیں اور (پیدا

کرنا تو بڑی بات ہے وہ ایسے عاجز ہیں کہ) اگر ان سے مکھی کچھ چھین لے جائے تو اس کو (تو) اس سے چھڑا (ہی) نہیں

سکتے ایسا عابد بھی لچر اور ایسا معبود بھی لچر۔ (افسوس ہے) ان لوگوں نے اللہ کی جیسی تعظیم کرنا چاہے تھی (کہ اس کے سوا

کسی کی عبادت نہ کرتے) وہ نہ کی (کہ شرک کرنے لگے) حالانکہ اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا سب پر غالب (بھی) ہے۔

72 "وَاِذَا تَنَلٰی عَلَيْهِمْ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٌ" بیانات سے مراد قرآن مجید ہے۔ "تَعْرِفُ فِیْ وُجُوْهِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا الْمُنْكَرَ" غصہ اور ناگواری و ترش روئی کی وجہ سے آثار انکاران کے چہروں پر نمودار ہو جاتے ہیں۔ "یَكَادُوْنَ یَسْطُوْنَ" پکڑ لیں گے یا ضرر پہنچانے کے لیے تلاوت کرنے والوں کی طرف ہاتھ بڑھائیں گے اور بعض نے کہا وہ پھیلائیں گے۔ "بِالَّذِیْنَ یَتَلَوْنَ عَلَيْهِمْ اٰیٰتُنَا" اس سے مراد محمد اور ان کے صحابہ رضی اللہ عنہم جو آیات پڑھتے ہیں ان پر شدت غصہ کی وجہ سے ان کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہیں۔ کہا جاتا ہے "سَطَا عَلَیْهِ، سَطَابَهُ" دونوں ہم معنی ہیں۔ سَطُوْا اور سَطُوْة مصدر ہے اس پر حملہ کیا یا پکڑنے کے لیے جبر کیا۔ "قُلْ" اے محمد! "اِنَّ اِنۡبِیَّکُمْ بَشَرٌ مِّنۡ ذٰلِکُمْ" یہ تمہارے لیے زیادہ بری اور زیادہ ناگوار ہوگی جو کچھ تم قرآن سے سنتے ہو۔ "النَّارُ" اس سے مراد آگ ہے۔ "وَعَلَّمَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وِیۡسَ الْمَصۡیۡرِ"

73 "یا یہا الناس ضرب مثل" ضرب کا معنی جعل ہے۔ جیسا کہ مقولہ مشہور ہے۔ بادشاہ نے لوگوں کی ایک جماعت بھیجی یا بادشاہ نے ذمیوں پر جزیہ یا زام کیا۔ یعنی ان پر یہ ڈال دیا۔ مشرکین نے بتوں کے ہی ساتھ ساتھ شریک کر لیا اور انہی بتوں کو شریک کر کے ان کی عبادت کرتے ہیں۔ "فاستمعوا لہ" آپ ان کی حالت اور ان کے وصف کو سن لو، پھر اس کو بیان کر دیا اور فرمایا: "اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوۡنِ اللّٰهِ" اس سے مراد بت پرست ہیں جو بتوں کی پوجا کرتے ہیں۔ "لن یخلقوا ذہاباً" ان کے چھوٹا ہونے کی وجہ سے ان کو واحد ذکر کیا۔ وہ کسی چیز پر قادر نہیں ہوتیں۔ اس کی واحد اور جمع بھی استعمال ہوتی ہے، تھوڑی کے لیے "اذبۃ" اور کثیر کے لیے ذباب بولا جاتا ہے۔ جیسے "غراب، وأغرۃ اور غرمان" ہے۔ "ولو اجتمعوا لہ" اس کو پیدا کیا۔ "وان یسلبہم الذباب شیئا لایستقدوہ منہ"

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ وہ اپنے بتوں کو زعفران کے ساتھ لپ کرتے تھے۔ جب وہ خشک ہو جاتا تو کھسی جا کر اس کو اٹھا کر لے آتی۔ سدی کا قول ہے کہ بتوں کے سامنے کھانا رکھا ہوتا تھا اس میں کھسی گر جاتی تو وہ اس کو بھی کھا جاتے۔ ابن زید کا قول ہے کہ وہ اپنے بتوں کو زیورات و جواہرات سے مزین کرتے تھے اور ان پر خوشبو لگاتے تھے۔ بسا اوقات ان سے کوئی چیز گر جاتی تو وہ اس کو لے لیتی یا کوئی کھسی اس کو لے لیتی تو وہ معبود اس سے چھڑانے پر قادر نہیں تھے۔ اسی لیے اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا "وان یسلبہم الذباب شیئا" اگر کھسی بتوں کے اوپر سے کوئی چیز اچک لے تو وہ اس سے چھڑانے کے قادر نہیں۔ "ضعف الطالب والمطلوب"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا طالب سے مراد ہے کھسی جو اس چیز کی طلب گار ہوتی ہے جس کو وہ بت سے چھینتی ہے اور مطلوب سے مراد ہے بت جس سے مٹھائی وغیرہ کھسی طلب کرتی ہے، طالب کمزور اور مطلوب بالکل ہی بے بس اور بعض نے اس کے برعکس تفسیر کی ہے۔ طالب بت اور مطلوب کھسی لیکن بت تو بے جان ہیں وہ کسی چیز کی بھی طلب نہیں رکھتا اس لیے اس کو طالب قرار دینا صرف ظاہری صورت کے لحاظ سے کہا جائے گا اور طالب استغناء فرض کر لیا جائے گا۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ طالب سے مراد بت پرست اور مطلوب سے مراد بت ہیں۔

70 "ما قدروا الله حق قدره" اس طرح اس کی تعظیم نہیں کی جس طرح تعظیم کرنی چاہیے تھی اور اس کے پہچاننے کا جس طرح حق تھا اس طرح اس کو نہیں پہچانا اور جن اوصاف کا حق تھا وہ اوصاف آپ نے بیان نہیں کیے۔ اسی لیے حقیر ترین چیزوں کو اس کی عبادت میں شریک قرار دے لیا۔ "ان الله لقوی عزیز"

اللَّهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ 71 يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ 72 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (آیت سجدہ) 73

تسبیح اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے رسالت کے لئے (جس کو چاہتا ہے) منتخب کر لیتا ہے فرشتوں میں سے (جن فرشتوں کو چاہے) احکام پہنچانے والے (مقرر فرما دیتا ہے) اور اسی طرح آدمیوں میں سے یعنی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے (یعنی وہ ان (سب فرشتوں اور آدمیوں) کی آئندہ اور گزشتہ حالتوں کو (خوب) جانتا ہے اور تمام کاموں کا مدار اللہ ہی پر ہے (یعنی وہ مالک مستقل بالذات ہے اسے ایمان والو تم رکوع کیا کرو اور سجدہ کیا کرو اور اپنے رب کی عبادت کیا کرو اور (تم ایسے) نیک کام (بھی) کیا کرو امید (یعنی وعدہ) ہے کہ تم فلاح پاؤ گے۔

تفسیر 73 "اللہ بصطفی" منتخب کیے۔ "من الملائكة رسلاً" مرسل ملائکہ جبرئیل، میکائیل، اسرافیل، عزرائیل وغیرہ ہیں۔ "ومن الناس" اور انسانوں میں سے رسول منتخب کیے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے علاوہ بھی ایک انبیاء کی جماعت ہے۔

یہ آیت اس وقت آتری جب مشرکوں نے کہا تھا "انزل علیہ الذکر من بیتنا" کیا ہماری جماعت میں سے اس معمولی شخص پر قرآن اُتارا گیا۔ اس کی تردید میں فرمایا کہ پیغمبر بنانے کا اختیار اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ وہی جس کو چاہتا ہے پیغمبری کے لیے منتخب کر لیتا ہے۔ "ان الله سمیع بصیر" ان کے قول کو سننے والا اور بصیر ہے ان کے لیے جن کو رسالت کے لیے منتخب کیا۔

## ما بین ایدہم وما خلفہم کی مختلف تفاسیر

73 "يعلم ما بين ايديهم" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آگے پیچھے کی تشریح میں فرمایا جو کچھ انہوں نے آگے بھیجا۔ "وما خلفهم" اور جو کچھ انہوں نے پیچھے چھوڑا۔ حسن کا قول ہے کہ "ما بین ایدہم" سے مراد جو کچھ وہ عمل کر چکے اور "وما خلفهم" سے مراد جو اس کے بعد وہ عمل کریں گے۔ بعض نے کہا کہ "ما بین ایدہم" سے مراد فرشتے، آسمانی کتابیں اور رسول ہیں جو ان کے پیدا کرنے سے پہلے گزر چکے ہیں اور "وما خلفهم" سے مراد ان پیغمبروں کے بعد کے احوال سے اللہ واقف ہیں۔ "والی اللہ ترجع الامور"

17 "يا ايها الذين آمنوا اركعوا واسجدوا" اس سے مراد نماز پڑھو کیونکہ نماز ہی ایسی عبادت ہے جس میں رکوع اور سجود ہوتے ہیں۔ "واعبدوا ربكم" اور تم اکیلے رب کی عبادت کرو۔ "والفعلوا الخیر" اور نیکی کرو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا، اس سے مراد قرابت داروں سے اچھا سلوک کرنا ان کو جوڑے رکھنا "لعلکم تفلحون" تاکہ تم سعادت مندی اختیار کرو اور جنت کے حصول میں کامیاب ہو جاؤ۔

## یہاں پر سجدہ تلاوت ہے کہ نہیں ائمہ کے اقوال

اس آیت کے پڑھنے کے بعد سجدہ تلاوت واجب ہوتا ہے یا نہیں اس کے متعلق اہل علم کا آپس میں اختلاف ہے۔ بعض حضرات کا قول ہے کہ اس کے بعد سجدہ واجب ہوتا ہے۔ یہ قول عمرو بن عدی و ابن مسعود اور ابن عباس رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا ہے اور فقہاء میں سے ابن المبارک، شافعی، احمد و اسحاق رحمہم اللہ کا قول ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے کہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) کہ کیا سورۃ حج کو یہ فضیلت ہے کہ اس میں دو سجدے ہیں؟ فرمایا، ہاں۔ جو یہ دو سجدے نہ کرے وہ ان آیتوں کو نہ پڑھے اور بعض دوسرے حضرات کا بیان ہے کہ اس جگہ سجدہ تلاوت نہیں ہے۔ یہ قول سفیان ثوری اور اصحاب الرائے کا ہے۔

قرآن پاک کے چودہ سجدے شمار کیے ہیں۔ اکثر اہل علم کے نزدیک ان میں سے تین تو مفصلات اور بعض قوم کے نزدیک مفصل میں سجدہ نہیں۔ یہ قول ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے اور یہی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ صحیح روایت یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سورۃ اقراء میں سجدہ کیا ہے اور "اذا السماء انشقت" میں بھی اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ متراخا لاسلام صحابی ہیں۔

سورۃ صاد کے سجدہ میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سجدہ شکر ہے اور سجود قرآن میں سے نہیں ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور بعض حضرات کا قول ہے کہ اس میں سجدہ ہے اور یہی روایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور یہی قول سفیان ثوری، ابن المبارک، اصحاب الرائے، امام احمد اور اسحاق رحمہم اللہ کا قول ہے۔ ابن المبارک، اسحاق، احمد اور ایک جماعت کا قول ہے کہ سجود قرآن پندرہ ہیں۔ انہوں نے سورۃ حج کے دونوں "سجدوں" اور سورۃ "ص" میں بھی سجدہ کو شمار کیا ہے۔ اس پر دلیل حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن میں پندرہ سجدے شمار کیے ہیں۔

وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ ۗ هُوَ اجْتَبَكُمْ وَ مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ۗ مَلَّةً  
 اَبِيكُمْ اِبْرَاهِيمَ ۗ هُوَ سَمَّكُمُ الْمُسْلِمِينَ ۗ مِنْ قَبْلُ وَ فِي هَذَا لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا  
 عَلَيْكُمْ وَ تَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ ۗ فَاَقِمُوا الصَّلَاةَ وَ آتُوا الزَّكَاةَ وَ اعْتَصِمُوا بِاللَّهِ ۗ

هُوَ مَوْلَاكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ ﴿۷۸﴾

اور اللہ کے کام میں خوب کوشش کیا کرو جیسا کوشش کرنے کا حق ہے اس نے تم کو (اور امتوں سے) ممتاز فرمایا اور (اس نے) تم پر دین (کے احکام) میں کسی قسم کی تنگی نہیں کی تم اپنے باپ ابراہیم کی (اس) ملت پر (ہمیشہ) قائم رہو اس (اللہ) نے تمہارا لقب مسلمان رکھا (نزول قرآن سے) پہلے بھی اور اس (قرآن) میں بھی تاکہ تمہارے (قابل شہادت اور معتبر ہونے کے لئے) رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) گواہ ہوں اور (اس شہادت رسول کے قبل) تم لوگوں کے مقابلہ میں گواہ (تجوین) ہو سوتم لوگ (خصوصیت کے ساتھ) نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ ہی کو مضبوط پکڑے رہو وہ تمہارا کارساز ہے (کسی کی مخالفت تم کو حقیقہً ضرر نہ دے گی) سو کیا اچھا کارساز ہے اور کیا اچھا مددگار ہے۔

## و جاہدوا فی اللہ حق جہادہ کی تفسیر

تفسیر 78 ”و جاہدوا فی اللہ حق جہادہ“ اللہ کے راستے میں دشمن کے خلاف لڑنا جیسا کہ لڑنے کا حق ہے، اتنی طاقت کے ساتھ لڑنا کہ اپنی آخری حد تک کی طاقت لگ جائے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے کہ اللہ کے دین میں کسی برا کہنے والے کی ملامت سے نہ ڈرنا ہی حق جہاد ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ”بجاہدون فی سبیل اللہ ولا یخالفون لومة لائم“ صحاک اور مقاتل کا بیان ہے کہ اللہ کے لیے کام کرو۔ جیسا کہ کام کرنے کا حق ہے اور اس کی عبادت کرو جیسا کہ عبادت کا حق ہے۔ مقاتل بن سلیمان کا بیان ہے کہ یہ اس آیت سے منسوخ ہے۔ ”فلا تقوا اللہ ما استطعتم“

اکثر مفسرین رحمہم اللہ کا قول ہے کہ حق جہاد یہ ہے کہ نیت خالص اللہ کے لیے ہو۔ سدی نے کہا کہ حق جہاد یہ ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے، نافرمانی نہ کی جائے۔ عبداللہ بن المبارک کا بیان ہے کہ نفس اور نفسانی ہوا وہوس سے جہاد کرنا ہی جہاد اکبر ہے اور حق جہاد ہے۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس آئے تو فرمایا ہم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف لوٹ آئے۔ اس صورت میں جہاد اصغر سے مراد جہاد مع الکفار ہے اور جہاد اکبر سے مراد نفس سے جہاد کرنا ہے۔ ”ہو اجتباکم“ تمہیں اپنے دین کے لیے منتخب کیا ہے۔ ”وما جعل علیکم فی الدین من حرج“ کا معنی ہے تنگی۔

بعض اہل تفسیر نے یہ بیان کیا ہے کہ مؤمن جب کسی گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اللہ اس کے لیے گناہ کی سزا سے نکلنے کا راستہ ضرور بنا دیتا ہے۔ توبہ کے ذریعے سے ہو یا دنیاوی سزا یا اداء حقوق کی صورت میں ہو یا کفارہ دے کر ہو۔ بہر حال اللہ نے دین اسلام میں ایسی تنگی نہیں رکھی کہ کسی طرح اس گناہ سے پاک ہونے کی گنجائش ہی نہ ہو۔

بعض اہل علم کا قول ہے کہ تنگی نہ کرنے کا یہ مطلب ہے کہ اللہ نے اداء فرائض کے اوقات میں کوئی اشتہا نہیں رکھا۔ فرائض کو ادا کرنے کے لیے اوقات مقرر فرمادیئے۔ مثلاً ہلال رمضان، ہلال فطر وقت حج وغیرہ۔

مقاتل کا بیان ہے کہ تنگی نہیں کی یعنی ضرورت کے وقت سہولت کا باب کھول دیا۔ مثلاً سفر میں نماز کا قصر، پانی نہ ملنے یا



نقصان رساں ہونے کی صورت میں ختم سخت ضرورت کے وقت مُردار کو کھانا، مجبوری کے وقت بیٹھ کر بلکہ لیٹ کر نماز ادا کرنا یہی قول کلبی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ تنگی نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نبی اسرائیل پر سخت احکام کے جو بار تھے اور سخت بندشیں تھیں، اللہ نے اس اُمت سے اس کو ساقط کر دیا۔ ”ملة ابيکم ابراهيم“..... ”ابیکم منصوب بنزع الخافض“ ہے۔ بعض نے کہا کہ منصوب علی الاغراء ہے۔ یعنی تم پیروی کرو۔ اپنے باپ ابراہیم (علیہ السلام) کے دین کی اور ہم نے ابراہیم علیہ السلام کے دین کی پیروی کا حکم دیا کیونکہ وہ بھی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ملت میں داخل ہیں۔

## شبه اور اس کا ازالہ

سوال: اگر یہ سوال کیا جائے کہ ”ملة ابيکم“ کہنے کی کیا وجہ ہے؟ حالانکہ تمام مسلمانوں کا نسب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف راجع ہے؟

جواب: اس سے خطاب صرف عرب کو ہے کیونکہ وہ ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔ بعض نے جواب دیا کہ یہ خطاب تمام مسلمانوں کو ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سب کے لیے والد کی طرح ہیں۔ لہذا اس معنی کی بناء پر ان کا احترام تمام مسلمانوں پر واجب ہے اور ان کے حقوق کی حفاظت بھی واجب ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ”واذوا جہ امہاتہم“ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد منقول ہے کہ میں تمہارے لیے باپ کی طرح ہوں۔ ”ہو سمامکم“ اللہ تعالیٰ نے تمہارا نام لکھا۔ ”المسلمین من قبل“ قرآن کے نزول سے پہلے کتابوں میں۔ ”وفی ہذا“ اور اس کتاب میں یہی اکثر مفسرین کا قول ہے۔

ابن زید کا قول ہے کہ ہو کی ضمیر ابراہیم علیہ السلام کی طرف راجع ہے یعنی اس زمانے سے پہلے اپنے زمانے میں ابراہیم علیہ السلام نے تمہارا نام مسلمان رکھا۔ اس وقت سے پہلے اور اس وقت میں۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی دُعا میں کہا ”ربنا واجعلنا مسلمین لک ومن ذریتنا امة مسلمة لک“ اے ہمارے رب! ہم کو اپنا مطیع بنادے اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک مسلمان اُمت بنادے۔ ”لیکون الرسول شہیدا علیکم“ اس سے مراد قیامت کا دن ہے کہ قیامت کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہادت دیں گے کہ ہم نے پیغام پہنچا دیا تھا۔ ”وتکونوا“ اور تم ”شهداء علی الناس“ کہ تمہارے رسولوں نے ان تک پیغام پہنچا دیا۔ ”فاقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ واعتصموا باللہ“ اللہ تعالیٰ پر کھل بھروسہ کرو۔ حسن رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے دین کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رکھو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ ایک روایت میں آتا ہے کہ اپنے رب سے مانگو وہ تمام مکروہات سے تم کو محفوظ رکھے گا۔ بعض نے کہا کہ اپنے رب سے دُعا کرو تا کہ وہ دین پر تم کو ثابت قدم رکھے۔ بعض نے کہا کہ اعتصام باللہ سے مراد ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مضبوطی سے تھامے رکھے۔ ”ہو مولکم“ وہی تمہارا ولی اور تمہارا مددگار ہے اور وہی تمہارا محافظ ہے۔ ”فنعم المولیٰ ولنعم النصیر“ جو تمہارا مددگار ہے۔

## سُورَةُ الْمُؤْمِنُونَ

مکی سورت ہے۔ اس میں ایک سو اٹھارہ آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ① الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ ② وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ ③

﴿تجوید﴾ باتحقیق ان مسلمانوں نے (آخرت میں) فلاح پائی جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں اور جو لغو باتوں سے (خواہ قولی ہوں یا فعلی) برکنار رہنے والے ہیں۔

تفسیر حضرت عبدالرحمن بن عبدالقاری سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہم گنگناہٹ کی آواز سنتے جیسے کہ شہد کی مکھیوں کی آواز۔ ہم ان کے پاس کچھ دیر ٹھہر جاتے اور ایک روایت میں یوں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی، میں ان کے پاس ایک گھڑی رُکارا ہوا قبلہ کی طرف رُخ کیا اور اپنے ہاتھوں کو بلند کیا اور فرمایا: "اللهم زدنا ولا تنقصنا واكرمنا واثرونا ولا تؤثر علينا وارض عنا" اے اللہ! ہمیں خوب عطا فرما اور ہمیں نقصان میں مبتلا نہ فرما اور ہمیں عزت دے اور ہمیں عطاء رکھ اور دوسروں کو ہم پر فوقیت عطا نہ فرما اور ہم سے ہمیشہ راضی رہ۔ پھر فرمایا کہ ہم نے آپ پر ایسی دس آیات نازل کیں جو ان کو قائم رکھے گا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی "قد افلح المؤمنون" سے دس آیات تک اور احمد بن حنبل اور علی بن المدینی اور ایک جماعت نے عبدالرزاق سے روایت نقل کی ہے اور کہا "واعطنا ولا تحرمنا وارضنا وارض عنا" اور ہمیں عطا کر محروم نہ کر اور ہم سے راضی ہو جا۔

① "قد افلح المؤمنون" قد حرف تحقیق و تاکید کے لیے ہے۔ محققین کے نزدیک قد ماضی کو حال کے قریب کر دیتا ہے۔ یہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ کامیابی ان کو حاصل ہو چکی ہے۔ فلاح نجات اور بقاء کو کہتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے کہ توحید کی تصدیق کرنے والے سعادت یاب ہوں گے اور جنت میں ہمیشہ رہیں گے۔

### خشوع کی مختلف تفسیریں

② "الذین ہم فی صلاتہم خاشعون" خشوع کے معنی میں مفسرین رحمہم اللہ کا اختلاف ہے۔ ① ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس سے مراد عاجزی کرنے والے اللہ کے سامنے اظہارِ عجز کرنے والے۔ ② حسن اور قتادہ رحمہم اللہ کا قول ہے کہ اس سے مراد ڈرنے والے۔ ③ مقاتل کا قول ہے کہ اس سے مراد تواضع کرنے والے ہیں۔ ④ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول

ہے کہ اس سے مراد نظریں نیچی رکھنے والے اور اپنی آواز کو پست کرنے والے۔ خشوع و خضوع کے قریب قریب ہے۔ فرق یہ ہے کہ خضوع کا تعلق انسان کے ظاہری بدن کے ساتھ ہے اور خشوع کا تعلق انسان کے باطن قلب، بصر اور صوت کے ساتھ ہے۔

جیسا کہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے ”و خشعت الاصوات للرحمن“ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت آئی ہے کہ نماز میں ادھر ادھر التفات نہ کرنا خشوع ہے۔ ⑤ سعید بن جبیر رحمہ اللہ کا قول ہے کہ خشوع یہ ہے کہ یہ معلوم بھی نہ ہو کہ کون دائیں طرف ہے اور کون بائیں طرف اور دائیں بائیں نظر نہ ڈالے۔

مسروق حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کرتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں ادھر ادھر دیکھنے کے متعلق سوال کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، یہ ایک اچکنا ہوتا ہے جو شیطان بندے کی نماز میں سے اچک لیتا ہے۔

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ بندے کی طرف برابر متوجہ رہتا ہے۔ جب تک بندہ نماز میں ادھر ادھر نظر کو متوجہ نہیں کرتا۔ جب بندہ ادھر ادھر التفات کرتا ہے تو اللہ بھی اس کی طرف سے توجہ پھیر لیتا ہے۔ ⑥ عمرو بن دینار نے کہا کہ خشوع سے مراد ہے۔ ⑦ سکون اور حسن ہیئت۔ ابن سیرین رحمہ اللہ کا قول ہے کہ تو اپنی نظر کو سجدہ کی جگہ سے نہ ہٹاتا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نماز میں اپنی آنکھوں کو آسمان کی طرف اٹھاتے تھے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی ”الذین ہم فی صلاتہم خاشعون“ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی نظروں کو سجدے کی جگہ جما کر رکھتے ہیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لوگ نماز کے اندر اپنی نگاہ آسمان کی طرف بلند کیوں کرتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان اس معاملے میں اتنا سخت تھا کہ آپ نے فرمایا تھا کہ لوگوں کو اس حرکت سے باز آنا چاہیے ورنہ ان کی نگاہیں اچک لی جائیں گی۔

⑧ عطاء کا قول ہے کہ اپنے بدن کے کسی حصے کے ساتھ نہ کھیلنا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو نماز کے اندر اپنی داڑھی سے کھیلتے دیکھا۔ فرمایا اگر اس کے دل میں خشوع ہوتا تو اعضاء بدن میں بھی ہوتا۔

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص نماز کے لیے کھڑا ہو تو وہ کنگر یوں کو سچ نہ کرے کیونکہ اس پر اس وقت اللہ کی رحمت متوجہ ہوتی ہے۔

⑨ بعض نے کہا کہ نماز میں خشوع نام ہے توجہ کی یکسوئی کا کہ دوسری طرف خیال نہ جائے اور زبان سے جو الفاظ ادا کر رہا ہے اس پر غور و فکر کرنا چاہیے۔

⑩ ”والذین ہم عن اللغو معرضون“ عطاء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ لغو سے مراد

شرک ہے اور حسن کا قول ہے کہ لغو سے مراد گناہ اور نافرمانیاں ہیں۔ زجاج کا قول ہے لغو سے مراد ہر باطل اور لھو چیز ہے، خواہ اس کا تعلق قول سے ہو یا فعل سے۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد کفار کے ساتھ معارضہ کرنا ہے، برا بھلا کہنے کے ساتھ یا گالی گلوچ کے ساتھ۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ”وَإِذَا مَرُوا بِاللَّغْوِ مَرُوا كِرَامًا“ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب وہ بری بات سنتے ہیں تو خود اس کے اندر گھس نہیں پڑتے۔

وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكَاةِ فَاعِلُونَ ۙ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ۙ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ  
أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۖ فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ  
الْعَادُونَ ۗ وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمْتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ ۙ وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ  
يُحَافِظُونَ ۙ أُولَٰئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ ۙ

﴿تجوید﴾ اور جو (اعمال و اخلاق میں) اپنا تزکیہ کرنے والے ہیں اور جو اپنی شرمگاہوں کی (حرام شہوت رانی سے) حفاظت رکھنے والے ہیں لیکن اپنی بیبیوں سے یا اپنی (شرعی لوزٹیوں سے حفاظت نہیں کرتے) کیونکہ ان پر (اس میں) کوئی الزام نہیں ہاں جو اس کے علاوہ (اور جگہ شہوت رانی کا) طلبگار ہو ایسے لوگ حد (شرعی) سے نکلنے والے ہیں اور جو اپنی (سپروگی میں لی ہوئی) امانتوں اور اپنے عہدوں کا خیال رکھنے والے ہیں اور جو اپنی نمازوں کی پابندی کرتے ہیں (ہاں) ایسے ہی لوگ وارث ہونے والے ہیں۔

﴿تفسیر﴾ 4 ”والذین ہم للزکوٰۃ فاعلون“ جو ان پر زکوٰۃ واجب ہے وہ ادا کرتے ہیں۔ زکوٰۃ ادا کرنے والوں کو فعل کے ساتھ تعبیر کیا کیونکہ فعل کا وقوع نفس مال پر نہیں ہو سکتا بلکہ فعل کا تعلق ادا کرنے سے ہے۔ بعض اہل علم کا قول ہے کہ یہاں زکوٰۃ سے مراد عمل صالح ہے۔ یعنی وہ نیک عمل کرنے والے ہیں۔

5 ”والذین ہم لفروجہم حافظون“ فرج اسم جمع ہے خواہ شرمگاہ مرد کی ہو یا عورت کی۔ حفظ الفرج حرام سے پاک دامن رہنا۔ 6 ”الا علیٰ ازواجہم“ سوائے اپنی بیبیوں کے علیٰ بمعنی من کے ہے۔ ”او ما ملکات ایمانہم“ ما یہاں پر محل خفض (حالت جر) میں ہے۔ یہ آیت خاص طور پر مردوں کے بارے میں ہے۔ اس دلیل کی وجہ سے ”او ما ملکات ایمانہم“ کیونکہ عورت کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے مملوک غلام سے استمتاع بالفرج کرے۔ ”فانہم غیر ملومین“ اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرو مگر اپنی بیوی اور باندی سے کیونکہ ان دونوں سے استمتاع کی صورت میں ملامت کا مستحق نہیں ہوتا شریعت کی حدود میں رہ کر۔ یعنی حالت حیض و نفاس نہ ہو۔

7 ”فمن ابتغی وراء ذلک“ جس نے ان عورتوں کے علاوہ کوئی اور صورت تلاش کی۔ مثلاً متعہ کی یا کسی اور چیز کی۔ ”فاولئک ہم العادون“ ظلم اور زیادتی میں تجاوز کرنے والے ہوں گے یا حلال و حرام میں تجاوز کرنے والے ہوں گے اور یہ آیت

اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ استماع بالید بھی حرام ہے۔ یہی اکثر علماء کا بیان ہے۔ عطاء کا قول ہے کہ کچھ لوگوں کا حشر ایسی حالت میں ہوگا کہ ان کے ہاتھ حاملہ ہوں گے۔ ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ میں نے عطاء سے یہ مسئلہ پوچھا تو انہوں نے کہا کہ وہ ہے۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ کا قول ہے کہ کچھ لوگ اپنے آلات مردی سے خود کھیلتے ہیں، اللہ نے ان پر عذاب نازل فرمایا۔

⑧ "والذین ہم لامانائهم" ابن کثیر نے اس کو مفرد پڑھا ہے اور سورۃ معارج میں بھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "وعہدہم" دوسرے قراء نے اس کو جمع کے ساتھ ذکر کیا۔ جیسا کہ اللہ عزوجل کا فرمان "ان اللہ یأمرکم ان تؤدوا الامانات الی اہلہا" یہاں آیت میں امانات جمع کا صیغہ ذکر کیا۔ "وعہدہم راعون" وہ حفاظت کرنے والے ہیں۔ یعنی اپنی امانتوں کی حفاظت کرنے والے اور وہ قسمیں جو لوگوں کے ساتھ کھاتے ہیں ان کو وہ پوری کرتے ہیں۔ امانتوں کی مختلف اقسام ہیں یا تو امانت بندوں اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہوگی جیسے نماز، روزہ، عبادات جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر واجب کی ہیں اور بعض امانتیں بندوں کے درمیان جیسے کوئی چیز ودیعت رکھی ہے تو اس کا پورا کرنا ضروری ہے۔

⑨ "والذین ہم علی صلواتہم" حزہ اور کسائی نے "صلواتہم" واحد ذکر کیا ہے اور دوسرے قراء نے جمع کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ "یحافظون" اور ان کی ادائیگی میں مداومت اختیار کرتا ہے اور اوقات کی رعایت رکھتے ہیں، نماز کو تکرار کے ساتھ ذکر کرتے ہیں کیونکہ ان کی محافظت واجب ہے۔ جیسا کہ ان میں خشوع واجب ہے۔

⑩ "اولئک" اس صفت والے "ہم الوارثون" دوزخیوں کے جو درجات جنت میں تھے یہ اہل جنتی ان درجات کے وارث ہوں گے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم میں سے ہر ایک کے لیے دو گھر ہیں، ایک گھر جنت میں اور دوسرا دوزخ میں۔ جب کوئی مرد دوزخ میں چلا جاتا ہے تو اہل جنت اس کے جنت والے گھر کے وارث ہو جاتے ہیں، اللہ کے فرمان "اولئک ہم الوارثون" کا یہی مطلب ہے۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ہر ایک کے لیے منزل ہے۔ ایک منزل جنت میں اور ایک منزل آگ میں۔ مؤمن کے لیے جنت میں اس کی جگہ ہے اور اس کے لیے جو دوزخ میں مقام ہوتا ہے اس کو گرا دیا جاتا ہے اور کافر کے لیے جو جگہ جنت میں متعین ہوتی ہے وہ گرا (مٹا) دی جاتی ہے اور دوزخ والی جگہ اس کے لیے مقرر کی جاتی ہے۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ وارث ہونے کا یہ معنی ہے کہ مال کاران کو جنت ملے گی جیسے وارث بالاخر میراث پاتا ہے۔

الذین یرثون الفردوس دہم فیہا خلدون ⑪ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِنْ

طِينٍ ⑫ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَكِينٍ ⑬ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ

مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظْمًا فَكَسَوْنَا الْعِظْمَ لَحْمًا ثُمَّ أَنشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ ⑭ فَتَبَرَّكَ

اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ ۱۴ ثُمَّ إِنَّكُمْ بَعْدَ ذَلِكَ لَمَعْمِتُونَ ۱۵

جو فردوس کے وارث ہوں گے اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ (یعنی غذا) سے بنایا پھر ہم نے اس کو نطفہ سے بنایا جو کہ (ایک مدت معینہ تک) ایک محفوظ مقام (یعنی رحم) میں رہا پھر ہم نے اس نطفہ کو خون کا لوتھڑا بنا دیا پھر ہم نے اس خون کے لوتھڑے کو (گوشت کی) بوٹی بنا دیا پھر ہم نے اس بوٹی (کے بعض اجزاء) کو ہڈیاں بنا دیا پھر ہم نے ان ہڈیوں پر گوشت چڑھا دیا پھر ہم نے (اس میں روح ڈال کر) اس کو ایک دوسری ہی (طرح کی) مخلوق بنا دیا سو کیسی بڑی شان ہے اللہ کی جو تمام صناعتوں سے بڑھ کر ہے پھر تم بعد اس (تمام قصہ عجیبہ) کے ضروری مرنے والے ہو پھر تم قیامت کے روز دوبارہ زندہ کئے جاؤ گے

تفسیر ۱۴ "اللہین یرون الفردوس" فردوس جنت کا اعلیٰ درجہ ہے۔ یہ ہم نے سورۃ کہف میں ذکر کیا ہے۔ "ہم فیہا خالدون" اس میں نہ ان کو موت آئے گی اور نہ وہ اس جہنم سے نکل سکیں گے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تین اشیاء اپنے ہاتھ سے بنائیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھ سے بنایا، توراہ کو اپنے ہاتھ سے لکھا، فردوس کو اپنے ہاتھ سے بنایا، پھر فرمایا میری عزت کی قسم! کہ اس میں کوئی شرابی داخل نہیں ہوگا اور نہ ہی دیوث۔

۱۵ "ولقد خلقنا الانسان" ہم نے جنس انسان آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔ انسان اسم جنس ہے یہ واحد اور جمع دونوں استعمال ہوتے ہیں۔ "من سلالة" ۱ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ "سلالة" سے مراد پانی کا خلاصہ ہے۔ ۲ مجاہد کا قول ہے کہ اس سے مراد بنی آدم ہیں۔ ۳ عکرمہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ "سلالة" سے مراد ہے وہ پانی جو پشت سے کھینچا جاتا ہے عرب نطفے کو "سلالة" کہتے ہیں اور ولد کو سلیل کہتے ہیں کیونکہ وہ ان دونوں سے ہی کھینچا جاتا ہے۔ "من طین" اس سے مراد طین آدم ہیں۔ سلالة کہتے ہیں مٹی سے پیدا ہونا اور حضرت آدم علیہ السلام مٹی سے بنائے گئے تھے چونکہ دوسرے انسان نطفہ سے پیدا ہوتے ہیں اور غذا زمین سے پیدا ہوتی ہے۔

کلبی نے کہا طین سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا گیا ہے اور اسی مٹی سے انسان کے نطفہ کو کھینچا جاتا ہے۔ بعض نے کہا کہ انسان سے مراد آدم علیہ السلام ہیں۔ "من سلالة" ان کی مٹی کو ہر جگہ سے کھینچا گیا تھا۔ ۱۵ "ثم جعلناہ نطفة" یعنی وہ انسان جس کو ہم نے نطفہ سے بنایا۔ "فی قرار مکین" ٹھہرنے کی جگہ اور وہ رحم مادر ہے اور وہ ایک مقررہ مدت تک اس میں قرار پکڑتا ہے۔

"ثم خلقنا النطفة علقۃ فخلقنا العلقۃ مضغۃ فخلقنا المضغۃ عظاما" ابن عامر اور ابو بکر کے نزدیک عظاماً پڑھا ہے۔ "فکسونا العظام" عظام کے سکون کے ساتھ واحد استعمال ہوتا ہے اور دوسرے قراء نے جمع کے صیغہ کے ساتھ نقل کیا ہے کیونکہ انسان کئی عظام پر مشتمل ہے۔ اس آیت میں ہر خلق پر چالیس دن کا وقفہ ہوتا ہے، چالیس دن کے بعد یہ ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ "فکسونا العظام لحمًا" ہم نے ان ہڈیوں پر گوشت کا لباس چڑھایا۔ "ثم انشأناہ"



خلقا آخر“ مفسرین رحمہم اللہ کا اس بارے میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، شعبی، عکرمہ، ضحاک اور ابو العالیہ نے کہا کہ ”خلقا آخر“ سے مراد ہے روح پھولتنا۔ قادمہ کا قول ہے کہ اس سے مراد دانتوں اور بالوں کا اُگ آنا۔ ابن جریج نے مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ کھل جوان ہونا مراد ہے۔ حسن نے کہا کہ نریا مادہ ہونا مراد ہے۔

عوفی کی روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا تفسیری قول نقل کیا ہے کہ ولادت کے بعد انسان کے تدریجی احوال مراد ہیں کہ پیدائش سے لے کر دودھ پینے کے وقت تک اور اس کے بیٹھنے سے لے کر لیٹنے تک، چلنے سے عاقل مند ہونے تک کہ وہ کھائے پئے، یہاں تک کہ وہ حلم کی عمر تک پہنچ جائے اور پھر اس کے بعد ایک شہر سے دوسرے شہر گھومنا سب ہی انشاء خلق کی آخری صورتیں ہیں۔ ”فتبارک اللہ“ کہ وہی تعظیم اور ثناء کا مستحق ہے۔ اسی طور پر کہ نہ اس پر زوال آیا ہے اور نہ آئے گا۔ ”احسن الخالقین“ وہ اچھی صورت بنانے والا اور اندازہ کرنے والا اور خلق لغت میں تقدیر (اندازہ) کو کہتے ہیں۔

مجاہد کا قول ہے کہ بندے بھی بناتے ہیں اور اللہ بھی بناتا ہے اور اللہ سب بنانے والوں میں سے بہتر بنانے والا ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے ”رجل خالق ای صانع“ وہ بنانے والا ہے۔

ابن جریج کا قول ہے کہ خالقین جمع کا صیغہ اس وجہ سے ذکر کیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو بھی حضرت آدم علیہ السلام کی طرح پیدا کیا۔ ”انی اخلق لکم من الطین“ یہاں پر اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف نسبت کر کے کہا کہ وہ سب سے بہتر پیدا کرنے والا ہے۔  
 ﴿۱۵﴾ ”ثم انکم بعد ذلک لمیتون“ میت آشدید کے ساتھ آتا ہے اور مائت جو اس کے بعد کبھی نہ مرے اور ہم عقرب تمہیں موت دے دیں گے۔ ”میت، تخفیف کے ساتھ لیکن اس میں تخفیف جائز نہیں۔

ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ تُبْعَثُونَ ﴿۱۶﴾ وَ لَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَائِقَ وَ مَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غَافِلِينَ

﴿۱۷﴾ وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ فَاَسْكَنَهُ فِي الْاَرْضِ . وَاَنَا عَلٰى ذَهَابٍ بِهٖ لَقَدِرُونَ ﴿۱۸﴾

﴿۱۶﴾ اور ہم نے تمہارے اوپر سات آسمان بنائے اور ہم مخلوق (کی مصلحتوں) سے بے خبر نہ تھے اور ہم نے آسمان سے (مناسب) مقدار کے ساتھ پانی برسایا پھر ہم نے اس کو (مدت تک) زمین میں ٹھہرایا اور ہم اس (پانی) کے معدوم کر دینے پر (بھی) قادر ہیں

﴿۱۸﴾ ”ثم انکم یوم القیامۃ تبعثون“

﴿۱۷﴾ ”ولقد خلقنا فوقکم سبع طرائق“ اس سے مراد سات آسمان ہیں کیونکہ ہر اوپر والا آسمان نیچے والے پر چڑھا ہوا

ہے۔ اگر مٹی چیز بالائی چیز کی طرح ہو تو مٹی کو بالائی چیز کا طریقہ کہا جاتا ہے۔ اس سے طارق المعقل ہے کہ جب کوئی دوسرے شخص کے نشان قدم پر چلے اور بعض نے کہا کہ طرائق کہنے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ آسمانوں کے اندر فرشتوں یا سیاروں کے چلنے کی گزرگاہیں ہیں۔ ”وما کنا عن الخلق غافلین“ ہم ان کے ذریعے سے تمہاری حفاظت کرنے والے ہیں کہ وہ تم پر

گریں گے نہیں کہ تم اس سے ہلاک ہو جاؤ۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ”ویمسک السماء أن تقع على الارض الا باذنہ“ بعض نے کہا کہ ہم نے آپ کو بے کار نہیں چھوڑا بغیر امر ونہی کے۔ بعض نے کہا کہ ہم مخلوق کو پیدا کرنے میں غافل نہیں۔ ہم نے تمہارے اوپر آسمان بنائے اور اس میں شمس و قمر اور ستارے تمہارے فائدے کے لیے لگا دیئے ہیں۔

18 ”وأنزلنا من السماء ماء بقدر“ اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے۔ مقاتل کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کا اندازہ ہے کہ کتنی بارش ہماری معیشت کے لیے کافی ہے۔ ”فاسکناہ فی الارض“ کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے تالابوں اور حوضوں اور گڑھوں میں پانی کو جمع کر دیا تاکہ بارش نہ ہو تو لوگ اس سے کام چلائیں۔ بعض اہل تفسیر نے کہا کہ اس سے زمین کا پانی پینا مراد ہے، پانی کو زمین چوس لیتی ہے، زمین کے مسامات میں پانی گھس جاتا ہے، پھر اس سے چشمے اور سوت پھوٹ نکلتے ہیں، زمین سے جتنا پانی برآمد ہوتا ہے وہ آسمان سے برسا ہوا ہی ہوتا ہے۔

”وانا علی ذہاب بہ لقادرون“ یہاں تک کہ تم پیاسے ہلاک ہو جاتے اور تمہارے موسیٰ ہلاک ہو جاتے اور تمہاری زمین بھی بخر ہو جاتی۔ حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت سے چار دریا نازل کیے ہیں۔ سیحان، جیحان، دجلہ، فرات مقاتل نے عکرمہ سے اور انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جنت کے ایک چشمہ سے جو جنت کے نچلے نشیبی حصہ میں تھا پانچ دریا جبرئیل علیہ السلام کے دونوں بازوؤں پر نازل فرمائے۔ سیحان، جیحون، دجلہ، فرات، نیل۔ جبرئیل علیہ السلام نے یہ دریا بطور امانت پہاڑوں کے سپرد کر دیئے اور زمین میں بہا دیئے اور لوگوں کے لیے فائدہ بخش بنا دیئے۔ جیسا کہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے ”وأنزلنا من السماء ماء بقدر فاسکناہ فی الارض“ سے اس طرف اشارہ ہے پھر جب یا جوج ماجوج کا زمانہ آئے گا تو اللہ جبرئیل علیہ السلام کو بھیج کر زمین سے قرآن اور تمام علم کو اور حجر اسود کو جو بیت اللہ کا رکن ہے اور مقام ابراہیم کو اور تابوت موسیٰ کو مع اس کی اندرونی چیزوں کے اور ان پانچوں دریاؤں کو آسمان کی طرف اٹھالے گا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ”وانا علی ذہاب بہ لقادرون“ جب یہ اشیاء زمین سے اٹھالی جائیں گی تو اہل ارض دنیا اور دین کی ہر بھلائی سے محروم ہو جائیں گے۔

فَأَنشَأْنَا لَكُمْ بِهِ جَنَّتٍ مِّنْ نَّخِيلٍ وَأَعْنَابٍ ۖ لَكُمْ فِيهَا فَوَاكِهُ كَثِيرَةٌ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ 19  
وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُورِ سَيْنَاءَ تَنْبُتُ بِاللِّثْمِ ۖ وَصِبْغٍ لِلْأَكْلِيْنَ 20 وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ  
لَعِبْرَةً ۖ نُّسْقِيكُمْ مِمَّا فِي بُطُونِهَا وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ كَثِيرَةٌ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ 21

پھر ہم نے اس (پانی) کے ذریعہ سے باغ پیدا کئے کھجوروں کے اور انگوروں کے تمہارے واسطے ان میں بکثرت میوے بھی ہیں اور ان میں سے کھاتے بھی ہو اور (اسی پانی سے) ایک (زمین کا) درخت بھی (ہم نے پیدا کیا) جو کہ طور سینا میں (بکثرت) پیدا ہوتا ہے جو اگتا ہے تیل لئے ہوئے اور کھانے والوں کا سالن لئے ہوئے اور

تہارے لئے مواشی میں (بھی) غور کرنے کا موقع ہے کہ ہم تم کو ان کے جوف میں چیز (یعنی دودھ) پینے کو دیتے ہیں اور تمہارے لئے ان میں اور بھی بہت سے فائدے ہیں اور (نیز) ان میں سے بعض کو کھاتے بھی ہو

**تفسیر** 19 "فانسانا لكم به" اس سے مراد پانی ہے۔ "جنات من نخيل و اعناب لكم فيها" ان باغات میں "فواکہ کثیرہ و منها ناکلون" تم گرمیوں اور سردیوں میں اس کو کھاتے ہو۔ نخیل اور اعناب کو ذکر کیا کیونکہ عرب کے اندر یہی کثیر پھل ہیں۔ 20 "و شجرة" اور ہم نے تمہارے لیے ایک اور درخت پیدا کیا۔ "تخرج من طور سيناء" اور وہ زیتون کا درخت ہے۔ قراء اہل تجاز اور ابو عمرو نے "سیناء" سین کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے ان دونوں کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس کے معنی میں اختلاف ہے۔

1 مجاہد کا قول ہے کہ اس کا معنی برکت ہے یعنی برکت والے پہاڑ سے ہم نے زیتون کو پیدا کیا۔  
 2 قتادہ کا قول ہے کہ اس کا معنی ہے حسن، ہم نے زیتون کو اچھے پہاڑ سے پیدا کیا۔ ضحاک کا قول ہے کہ یہ ٹھلی زبان کا لفظ ہے۔  
 3 عکرمہ نے کہا ہے کہ یہ حبشی زبان کا لفظ ہے۔ 4 کلبی نے اس کا معنی یہ نقل کیا ہے کہ "سیناء" کا معنی ہے درختوں والا۔  
 5 بعض نے کہا سریانی زبان میں گھنے درختوں کی جھاڑی کو سیناء کہتے ہیں۔ 6 مقاتل نے کہا کہ جس پہاڑ پر بکثرت پھل دار درخت ہوں اس کو ٹھلی زبان میں سیناء اور سنین کہا جاتا ہے۔ 7 مجاہد کا قول ہے کہ سیناء خاص پتھروں کی ایک قسم ہوتی ہے۔ یہ طور میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ 8 ابن زید کا قول ہے کہ "طور سیناء" پورا نام اس پہاڑ کا ہے جو مصر اور ایلہ کے درمیان واقع ہے جہاں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آواز دی گئی تھی۔ "نسبت بالدھن" ابن کثیر اہل بصرہ، یعقوب نے "نسبت" تاء کے ضمہ اور باء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی قراء نے تاء کے فتح کے اور باء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اگر تاء کے فتح کے ساتھ پڑھیں تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ اس کے پھل سے تیل حاصل کرتے ہیں اور وہ زیتون ہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ نسبت اور اہبت کی دونوں لغات میں معنی دونوں کا ایک ہی ہے۔ زہیر کا قول ہے۔

رأيت ذوى الحاجات حول بيوتهم فطيناهم حتى اذا أنبت البقل

ہم نے زیتون کو غریب گھروں کے ارد گرد پایا، ہم نے ان لوگوں میں سے بہت ہی کم کو پایا کہ وہ اپنے لیے زیتون کو نہ اگاتے ہوں۔ "وصبغ للاكلين" صبغ اور صباغ اس سالن کو کہتے ہیں جس میں روٹی ڈبوئی جاتی ہے اور روٹی پر اس کا رنگ آجاتا ہے اور ادا م عام سالن کو کہتے ہیں جس کو روٹی کے ساتھ کھایا جاتا ہے خواہ اس سے روٹی رنگین ہو یا نہ ہو۔

مقاتل کا بیان ہے کہ اللہ نے اس درخت کو ادا م بھی بتایا ہے اور دھن بھی۔ "رؤغن زيت" ادا م سے مراد زیتون اور دھن سے مراد زيت ہے۔ طور کے ساتھ زیتون کی خصوصیت اس وجہ سے ہے کہ سب سے پہلے طور میں ہی زیتون کا درخت پیدا ہوا۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ طوفان کے بعد زمین پر سب سے پہلے زیتون کا ہی درخت پیدا ہوا۔

21 "وان لكم لفي الانعام لعبرة" یہ نشانی ہے جس کے ساتھ عبرت حاصل کرتے ہیں۔ "تسقيكم" عام قراء نے نون کے ساتھ

ذکر کیا ہے۔ ابو جعفر نے اس جگہ تاء کے ساتھ پڑھا ہے اور فتح کے ساتھ ”مما فی بطونها ولکم فیہا منافع کثیرة ومنها تاكلون“

وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُونَ ﴿۲۲﴾ وَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَقَالَ يٰ قَوْمِ اعْبُدُوا  
اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ ۖ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿۲۳﴾ فَقَالَ الْمَلَأُوا الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ مَا هَذَا إِلَّا  
بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُرِيدُ أَنْ يَتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ۖ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَنْزَلَ مَلَائِكَةً مَّا سَمِعْنَا بِهَذَا فِي  
الْهَابِئَاتِ الْأُولَىٰ ﴿۲۴﴾ إِنَّ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ ۖ بِهِ جِنَّةٌ فْتَرَبَّصُوا بِهِ حَتَّىٰ حِينٍ ﴿۲۵﴾ قَالَ رَبِّ انصُرْنِي  
بِمَا كَدَّبُونِ ﴿۲۶﴾ فَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ أَنْ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا ۖ وَوَحَيْنَا فَإِذَا جَاءَ أَمْرُنَا وَفَارَ  
التُّورُ فَاسْلُكْ فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَئِينٍ وَأَهْلَكَ إِلَّا مَن سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ  
وَلَا تَخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا إِنَّهُمْ مُّغْرَقُونَ ﴿۲۷﴾ فَإِذَا اسْتَوَيْتَ أَنْتَ وَمَنْ مَعَكَ عَلَى  
الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي نَجَّانَا مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿۲۸﴾ وَقُلْ رَبِّ انزِلْنِي مُنْزَلًا  
مُبْرَكًا وَأَنْتَ خَيْرُ الْمُنزِلِينَ ﴿۲۹﴾ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ وَإِن كُنَّا لَمُبْتَلِينَ ﴿۳۰﴾

﴿توحی﴾ اور ان پر اور کشتی پر لدے لدے پھرتے (بھی) ہو۔ اور ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف پیغمبر کر کے بھیجا  
سوا انہوں نے (اپنی قوم سے) فرمایا کہ اے میری قوم اللہ ہی کی عبادت کیا کرو اس کے سوا کوئی تمہارے لئے معبود  
بنانے کے لائق نہیں (اور جب یہ بات ثابت ہے تو) پھر کیا تم (دوسروں کو معبود بنانے سے) ڈرتے نہیں ہو پس  
(نوح کی یہ بات سن کر) ان کی قوم میں دکان فرمیں تھے (عوام سے) کہنے لگے کہ یہ فحش بجز اس کے کہ تمہاری طرح  
کا ایک (معمولی) آدمی ہے اور کچھ نہیں ہے (اس دعویٰ سے) ان کا مطلب یہ ہے کہ تم سے برتر ہو کر رہے اور اگر  
اللہ کو (رسول بھیجنا) منظور ہوتا تو فرشتوں کو بھیجتا ہم نے یہ بات اپنے پہلے بڑوں میں بھی نہیں سنی بس یہ ایک آدمی  
ہے جس کو جنون ہو گیا ہے سوا ایک وقت خاص (یعنی اس کے مرنے کے وقت تک اس کی حالت) کا اور انتظار کر لو  
نوح نے عرض کیا کہ اے میرے رب میرا بدلہ لے بوجہ اس کے کہ انہوں نے مجھ کو جھٹلایا ہے پس ہم نے (اس کی دعا  
قبول کی اور) ان کے پاس حکم بھیجا کہ تم کشتی تیار کر لو ہماری نگرانی میں اور ہمارے حکم سے پھر جس وقت ہمارا حکم  
(عذاب قریب) آپہنچے اور (علامت اس کی یہ ہے کہ) زمین سے پانی ابلنا شروع ہو تو (اس وقت) ہر قسم کے  
جانوروں) میں سے ایک ایک نر اور ایک ایک مادہ یعنی دو دو عدد اس (کشتی) میں داخل کر لو اور اپنے گھروالوں کو بھی  
(سوار کر لو) باستثناء اس کے جس پر ان میں سے (غرق ہونے کا) حکم نافذ ہو چکا ہے اور (یہ سن لو کہ) مجھ سے کافروں  
(کی نجات) کے بارے میں کچھ گفتگو مت کرنا (کیونکہ) وہ سب غرق کئے جائیں گے۔ پھر جس وقت تم اور تمہارے

ساتھی (مسلمان) کشتی میں بیٹھ چکے تو یوں کہنا شکر ہے خدا کا جس نے ہم کو کافر لوگوں سے (یعنی ان کے افعال اور کالیف سے) نجات دی اور یوں کہنا کہ اے میرے رب مجھ کو (زمین پر) برکت کا اتارنا اتار یا اور آپ سب اتارنے والوں سے اچھے ہیں اس (واقعہ مذکورہ) میں بہت سی نشانیاں ہیں اور ہم (یہ نشانیاں معلوم کرا کر اپنے بندوں کو) آزما رہے ہیں۔

**تفسیر 22** ”وعلیہا وعلی الفلک تحملون“ خشکی میں اڈتوں پر سوار ہوتے ہو اور سمندر میں کشتی پر۔

**23** ”ولقد ارسلنا نوحًا الی قومہ لقال یا قوم اعبدوا اللہ“ اسی کی توحید بیان کرو۔ ”مالکم من اللہ غیرہ“ اس کے سوا کوئی اور معبود نہیں۔ ”افلا تتقون“ تم اس کے خوف سے ڈرتے ہو کہ وہ تمہیں غیر اللہ کی پوجا کرنے پر مزادے گا۔

**24** ”لقال الملاء الذین کفروا من قومہ ما ہذا الا بشر مثلکم یرید ان یتفضل علیکم“ اس کو ہم نے تم پر فضیلت بخشی تو وہ تمہارا متبوع اور تم اس کے تابع ہو۔ ”ولو شاء اللہ“ یعنی اگر اللہ کو منظور ہوتا کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کی جائے۔ ”لا نزل ملائکہ“ تو وحی پہنچانے میں ”ما سمعنا بہذا“ جس بات کا حضرت نوح علیہ السلام مدعی ہیں۔ ”لہی ابناء نا الاولین“ بعض نے کہا کہ ہم نے یہ نہیں سنا کہ کسی بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہو۔

**25** ”ان ہو الا رجل بہ جنۃ“ اس سے مراد جنوں ہے۔ ”فتربصوا بہ حتی حین“ یعنی اس کو برداشت کرو اور اس وقت کا انتظار کرو کہ یہ خود ہی مر جائے گا اور راحت پالے گا۔

**26** ”قل رب انصرنی بما کلبون“ یعنی ہم نے ان کو ہلاک کر دیا بسبب ان کی تکذیب کے۔

**27** ”فاوحینا الیہ ان اصنع الفلک باعیننا ووحینا فاذا جاء امرنا وفار التنور فاسلک فیہا“ اس کشتی میں داخل ہو جائیے۔ ”من کل زوجین الثین واهلک الا من سبق علیہ القول منہم“ مگر ان کو اس پر سوار مت کیجئے جن پر ہلاک کرنے والا حکم سبقت کر چکا ہے۔ ”ولا تخاطبنی فی الدین ظلموا انہم مفرقون“

**28** ”فاذا استویت“ جب تم اس میں بیٹھ چکو۔ ”انت ومن معک علی الفلک فقل الحمد للہ الذی نجانا من القوم الظالمین“ اس سے مراد کافر لوگ ہیں۔

**29** ”وقل رب انزلنی منزلا مبارکاً“ ابو بکر نے عاصم کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ ”منزلاً“ میم کے فتح کے ساتھ اور زاء کے کسرہ کے ساتھ اس سے مراد اترنے کی جگہ ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ کشتی ہے جو سوار ہونے کے بعد اترے ہیں۔ بعض نے کہا کہ وہ زمین ہے جس میں طوفان کے بعد اترے ہوں اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد کشتی ہی ہو اور اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ کشتی سے نکلنے کے بعد کشتی میں برکت سے مراد عذاب سے نجات کا حاصل ہونا۔ کشتی سے نکلنے کے بعد ان کی اولاد مٹا دیا میں بہت کثرت سے بڑھا ہے۔ ”وانت خیر المنزلین“

**30** ”ان فی ذلک“ جو ہم نے حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی کشتی کے متعلق ذکر کیا ہے اور ان کے دشمنوں کو ہلاک کرنے کا ذکر کیا۔ ”لایات“ ان کی قدرت کی نشانیاں۔ ”وان کنا لمبتلین“ ہم نے ان کا امتحان لیا نوح علیہ السلام کو بھیج کر،

ان کی نصیحت کے ساتھ اور ہم نے ان کا انتظار کیا کہ وہ نزول عذاب سے پہلے اس پر عمل کریں گے۔

ثُمَّ أَنشَأْنَا مِنْ مَّبْعُدِهِمْ قَرْنًا آخَرِينَ ﴿۳۱﴾ فَأَرْسَلْنَا فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ أَنْ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ ۖ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿۳۲﴾ وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِإِيقَاعِ الْآخِرَةِ وَاتَّرفَنَّهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا مَا هَذَا إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يَأْكُلُ مِمَّا تَأْكُلُونَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُونَ ﴿۳۳﴾ وَلَئِنْ أَطَعْتُمْ بَشَرًا مِثْلَكُمْ إِنَّكُمْ إِذَا لَخَسِرُونَ ﴿۳۴﴾ أَيْعِدْكُمْ أَنْكُمْ إِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَعِظَامًا أَنْكُمْ مُخْرَجُونَ ﴿۳۵﴾ هِيَ هَاتِ هَيْهَاتَ لِمَا تُوعَدُونَ ﴿۳۶﴾ إِنَّ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ ﴿۳۷﴾

پھر ہم نے (قوم نوح کے بعد) دوسرا گروہ پیدا کیا پھر ہم نے ان میں ایک پیغمبر کو بھیجا جو ان ہی میں سے تھے (ان پیغمبر نے کہا) کہ تم لوگ اللہ ہی کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا اور کوئی معبود (حقیقی) نہیں کیا تم (شک سے) ڈرتے نہیں ہو اور ان پیغمبر کی یہ بات سن کر) ان کی قوم میں سے جو نہیں تھے جنہوں نے (خدا اور رسول کے ساتھ) کفر کیا تھا اور آخرت کے آنے کو جھٹلایا تھا اور ہم نے ان کو دنیوی زندگی میں عیش بھی دیا تھا کہنے لگے کہ بس یہ تو تمہاری طرح ایک معمولی آدمی ہیں (چنانچہ) یہ وہی کھاتے ہیں جو تم کھاتے ہو اور وہی پیتے ہیں جو تم پیتے ہو اور اگر تم اپنے جیسے ایک (معمولی) آدمی کے کہنے پر چلنے لگو تو بیشک تم (عقل کے) گھائے میں ہو کیا یہ شخص تم سے کہتا ہے کہ جب تم مر جاؤ گے اور (مر کر) مٹی اور ہڈیاں ہو جاؤ گے تو (دوبارہ زندہ کر کے زمین سے) نکالے جاؤ گے بہت ہی بعید اور بہت ہی بعید ہے جو بات تم سے کہی جاتی ہے بس زندگی تو یہی ہماری دنیوی زندگی ہے کہ ہم میں کوئی مرتا ہے اور کوئی پیدا ہوتا ہے اور ہم دوبارہ زندہ کئے جاویں گے۔

تفسیر ﴿۳۱﴾ "ثُمَّ أَنشَأْنَا مِنْ مَّبْعُدِهِمْ" اس کے ہلاک کرنے کے بعد۔ "قَرْنًا آخَرِينَ"

﴿۳۲﴾ "فَأَرْسَلْنَا فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ" اس سے مراد دھود علیہ السلام اور ان کی قوم مراد ہے۔ بعض نے کہا کہ حضرت صالح علیہ السلام اور ان کی قوم مراد ہے لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ "أَنْ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ أَفَلَا تَتَّقُونَ" ﴿۳۳﴾ "وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِإِيقَاعِ الْآخِرَةِ" جب آخرت میں پہنچ جائیں گے۔ "وَاتَّرفَنَّهُمْ" ہم نے ان پر نعمت کی اور ان پر وسعت کی۔ "فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا مَا هَذَا إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يَأْكُلُ مِمَّا تَأْكُلُونَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُونَ" اس سے وہ پیتے ہیں۔

﴿۳۴﴾ "وَلَئِنْ أَطَعْتُمْ بَشَرًا مِثْلَكُمْ إِنَّكُمْ إِذَا لَخَسِرُونَ" وہ لوگ بے وقوف اور جاہل تھے۔

﴿۳۵﴾ "أَيْعِدْكُمْ أَنْكُمْ إِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَعِظَامًا أَنْكُمْ مُخْرَجُونَ" تمہیں تمہاری قبروں سے زندہ اٹھایا جائے گا اور پھر



اسی میں لوٹایا جائے گا۔ کیا تم اس بات کا وعدہ کرتے ہو کہ جب تم مر جاؤ گے اور مٹی مٹی ہو جاؤ گے اور ہڈیاں بوسیدہ ہو جانے کے بعد دوبارہ اٹھایا جائے گا۔ اس کی نظیر قرآن پاک میں ہے: ”الم يعلموا انه من بحادد الله ورسوله فان له نار جهنم خالدًا فيها“

①6 ”ہیہات ہیہات لما توعدون“ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ بمعنی بعد کے ہے۔ یہ بہت دور ہے۔ ”ہیہات ہیہات“ تاء کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ نھر بن عاصم نے اس کو ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس میں ساری لغات صحیح ہیں۔ یہ اُین اور کیف کی طرح اور جنہوں نے اس کو رفع کے ساتھ پڑھا ہو تو وہ کہتے ہیں کہ وہ مثل منذوقظ اور حیث کی طرح ہے اور جو حضرات اس کو کسرہ پڑھتے ہیں وہ اس کو اس اور حواء کی طرح ہے۔

①7 ”ان ہی“ اس سے مراد دُنیا ہے۔ ”الا حیاتنا الدنیا نموت ونحیا“ اس میں تقدیم و تاخیر ہے۔ یعنی نحیا و نموت۔ ہم ہی زندہ کرنے والے اور موت دینے والے ہیں کیوں کہ وہ بعث بعد الموت کے مکر تھے۔ بعض نے کہا کہ وہ اپنے آباء کو تو مُردہ سمجھتے تھے اور بیٹوں کو زندہ سمجھتے تھے۔ بعض کا قول ہے کہ وہ ایک قوم کو زندہ سمجھتے تھے اور دوسری کو مُردہ۔ ”وما نحن بمبعوثین“ موت کے بعد ان کو دوبارہ زندہ کر کے اٹھائیں گے۔

اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌ ۙ اَفْتَرٰى عَلٰى اللّٰهِ كَذِبًا ۙ وَمَا نَحْنُ لَهُ بِمُؤْمِنِيْنَ ①8 قَالَ رَبِّ انصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنَ ①9 قَالَ عَمَّا قَلِيْلٍ لِّيُصْبِحَنَّ نَدِيْمِيْنَ ①0 فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰبِغَةُ بِالْحَقِّ فَاَجْعَلْنَهُمْ عُنَاۗءَ ۙ فَبَعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ①1 ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ مَّ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخِرِيْنَ ①2 مَا تَسْبِقُ مِنْۢ اُمَّةٍ اَجَلَهَا ۙ وَمَا يَسْتَاخِرُوْنَ ①3 ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرًا ۙ كُلَّمَا جَاءَ اُمَّةٌ رَّسُوْلَهَا كَذَّبُوْهُ فَاَتَّبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا ۙ وَجَعَلْنَاهُمْ اٰحَادِيْثَ فَبَعْدًا لِّلْقَوْمِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ①4

①8 بس یہ ایک ایسا شخص ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے اور ہم تو ہرگز اس کو سچا نہ سمجھیں گے پیغمبر نے دعا کی کہ اے میرے رب میرا بدلہ لے اس وجہ سے کہ انہوں نے مجھ کو جھٹلایا ارشاد ہوا کہ یہ لوگ عنقریب پشیمان ہوں گے چنانچہ ان کو ایک سخت آواز نے (یعنی عذاب نے) موافق وعدہ برحق کے آ پکڑا (جس سے وہ سب ہلاک ہو گئے) پھر ہم نے ان کو خس و خاشاک (کی طرح پامال) کر دیا سو خدا کی مار کا فر لوگوں پر پھر ان (عادیاثمود) کے (ہلاک ہونے کے) بعد ہم نے اور امتوں کو پیدا کیا کوئی امت (ان امتوں میں سے) اپنی مدت معینہ سے (ہلاک ہونے میں) نہ پیش دہی کر سکتی تھی اور نہ (اس مدت سے) وہ لوگ پیچھے ہٹ سکتے تھے پھر (ان کے پاس) ہم نے اپنے پیغمبروں کو یکے بعد دیگرے (ہدایت کیلئے) بھیجا جب کبھی کسی امت کے پاس اس امت کا (خاص) رسول آیا انہوں نے اس کو جھٹلایا سو ہم نے (بھی ہلاک کرنے میں) ایک کے بعد ایک کا نمبر لگا دیا اور ہم نے ان کی کہانیاں بتادیں سو خدا کی مار ان لوگوں پر جو (انبیاء کے سمجھانے پر بھی) ایمان نہ لاتے تھے

**تفسیر** 38 "ان هو" اس سے مراد رسول ہیں۔ "الا رجل افترى على الله كذبا وما نحن له بمؤمنين" بعث بعد الموت کی تصدیق کرتے ہیں۔

39 "قال رب انصرني بما كذبون"

40 "قال عما قليل" اس سے مراد تھوڑے سے ماضی ہے۔ "ليصحن" تو وہ ہو جائیں گے۔ "نادمين" کفر و تکذیب پر۔  
 41 "فاخذتهم الصيحة" عذاب کی چیخ و پکار "بالحق" بعض نے کہا کہ ہلاک کرنے والی چیخ اور بعض نے کہا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے چیخ ماری جس کے ذریعے سے ان کے دل پھٹ گئے۔ "فجعلناهم غشاء" ہم نے ان کو ہلاک کر دیا جیسے سیلاب کے اوپر کوڑا کرکٹ بہہ کر آ جاتا ہے۔ ہم نے اس کوڑے کی طرح ان کو کر دیا۔ "فبعثنا للقوم الظالمين"  
 42 "ثم انشاننا من بعدهم قرونا اخرين" اس کے بعد ہم نے دوسری قومیں پیدا کیں۔

43 "ما سبق من أمة أجلها" جو مدت ان کے لیے مقرر تھی اس سے تقدیم و تاخیر نہیں ہوئی۔ "من صلة" ہے اس کی ہلاکت کے وقت "وما يستأخرون" اور نہ ہی ہلاکت سے پہلے ان کو موخر کیا جاسکتا ہے۔

44 "ثم ارسلنا رسلا تنزي" تو اترا اور متواترہ چیزوں کا پے در پے یعنی ایک کے بعد دوسرے کا اور دوسرے کے بعد تیسرے کا آنا اور بغیر کسی اجتماعیت کے تسلسل قائم ہونا اور اس وجہ سے کہ دونوں نبیوں کے درمیان ایک طویل زمانہ ہے۔ اصمعی کا قول ہے کہ "واترت الخبر" اس وقت کہا جاتا ہے جب ایک کے پیچھے دوسری خبر دی جائے اور دونوں کے درمیان کچھ وقفہ ہو۔ قراء کا اس بارے میں اختلاف ہے۔ ابو جعفر، ابن کثیر، ابو عمرو نے توین کے ساتھ پڑھا ہے اور یعقوب نے الف کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابو عمرو حالت وقف میں آخر الف کے ساتھ نہیں پڑھتے۔ جیسے "رأيت زيدا" میں آخر میں الف ہے اور باقی قراء نے اس کو بلا توین کے ساتھ پڑھا ہے۔ ہمارے نزدیک اس کے آخر میں یاء کے ساتھ وقف ہے اور اسی کی طرف حمزہ اور کسائی گئے ہیں۔ ان کا قول غضبی و سکری کی طرح ہے اور یہ اسم جمع ہے جیسے شتی۔ دونوں قراءتوں کی صورت میں تاء اولی واؤ سے بدل کر آئی ہے۔ "تنزی" اصل تری تھا۔ متواتر قراءتہ کے ساتھ واؤ اور تاء تقویٰ اور تکلان کی طرح ہے۔

"كلما جاء أمة رسولها كذبوه فاتبعنا بعضهم بعضا" بعض کو بعض کے ذریعے سے ہلاک کر دیا۔ یعنی جس طرح ہم نے پیغمبروں کو یکے بعد دیگرے بھیجا۔ اسی طرح اُمتوں کو بھی ایک کے بعد دوسرے کو ہلاک کر دیا۔ "وجعلناهم احاديث" یعنی ہم نے ان کو کہانیاں بنا دیا۔ ان کی داستانیں اور ہلاکت کے قصے رہ گئے جن کو لوگ بطور داستان بیان کرتے ہیں اور عبرت آموز دماغوں والے ان سے عبرت حاصل کرتے ہیں۔ احادیثِ احدثہ کی جمع ہے۔ احدثہ وہ قصہ ہے جس کو لوگ دل بہلانے کے لیے تعجب کے ساتھ پڑھتے اور بیان کرتے ہیں۔

انفش کا بیان ہے یہ لفظ احدثہ اور احادیث کا استعمال شر کے موقع پر ہوتا ہے اور خیر کے موقع پر یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ ہم نے ان کو احادیث بنا دیا بلکہ یوں کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص حدیث (ایک افسانہ یا واقعہ) ہو گیا۔ "فبعثنا للقوم لا يؤمنون"

ثُمَّ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ وَأَخَاهُ هَارُونَ بِآيَاتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِينٍ ﴿۴۵﴾ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا عَالِينَ ﴿۴۶﴾ فَقَالُوا أَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عِبَادُونَ ﴿۴۷﴾ فَكَذَّبُوهُمَا فَكَانُوا مِنَ الْمُهْلَكِينَ ﴿۴۸﴾ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ الْكِتَابَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ﴿۴۹﴾ وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً وَآوَيْنَهُمَا إِلَىٰ رُبُوعَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَ مَعِينٍ ﴿۵۰﴾ يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُّوْا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿۵۱﴾ وَإِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ ﴿۵۲﴾

﴿تفسیر﴾ پھر ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی ہارون کو اپنے احکام اور کھلی دلیل دے کر فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس (بھی پیغمبر بنا کر) بھیجا سو ان لوگوں نے (ان کی تصدیق و اطاعت سے) تکبر کیا اور وہ لوگ تھے ہی تکبر چنانچہ وہ (باہم) کہنے لگے کہ کیا ہم ایسے دو شخصوں پر جو ہماری طرح کے آدمی ہیں ایمان لے آویں (اور ان کے مطیع بن جاویں) حالانکہ ان کی قوم کے لوگ ہمارے زیر حکم ہیں غرض وہ لوگ ان دونوں کی تکذیب ہی کرتے رہے پس ہلاک کئے گئے (اور ان کے ہلاک ہونے کے بعد) ہم نے موسیٰ کو کتاب (یعنی توراہ) عطا فرمائی تاکہ (اس کے ذریعہ سے) وہ لوگ (یعنی قوم بنی اسرائیل) ہدایت پاویں اور ہم نے مریم کے بیٹے (عیسیٰ) کو اور ان کی ماں (حضرت مریم کو بڑی نشانی بنایا اور ہم نے ان دونوں کو ایک ایسی بلند زمین پر لے جا کر پناہ دی جو (بوجہ غلات اور میوہ جات پیدا ہونے کے) ٹھہرنے کے قابل اور شاداب جگہ تھی اے پیغمبر وتم (اور تمہاری امتیں) نفیس چیزیں کھاؤ اور نیک کام (یعنی عبادت) کرو (اور) میں تم سب کے کئے ہوئے کاموں کو خوب جانتا ہوں اور (ہم نے ان سب سے یہ بھی کہا کہ) یہ ہے تمہارا طریقہ کہ وہ ایک ہی طریقہ ہے اور (حاصل اس طریقہ کا یہ ہے کہ) میں تمہارا رب ہوں سو تم مجھ سے ڈرتے رہو۔

﴿تفسیر﴾ ﴿۴۵﴾ ”ثم ارسلنا موسى و اخاه هارون باياتنا و سلطان مبين“ واضح دلیل کے ساتھ یعنی يد بيضاء اور عصی کے ساتھ اور اس کے علاوہ دوسرے معجزات کے ساتھ۔

﴿۴۶﴾ ”الى فرعون و ملاحه فاستكبروا“ وہ ایمان کی تعظیم اور ماننے سے تکبر کرنے لگے۔ ”وكانوا قوما عالين“ یعنی وہ لوگ مغرور تھے، لوگوں پر جبر اور ظلم کیا کرتے تھے۔

﴿۴۷﴾ ”فقالوا انؤمن لبشرين مثلنا“ اس سے حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام ہیں کہ کیا ہم ان پر ایمان لے آئیں۔

”وقومهما لنا عابدون“ وہ ان کی اطاعت کرنے والے اور عاجزی کرنے والے ہیں۔ عرب لوگ ہر اس شخص کو عابد کہہ دیتے ہیں جو کسی کا خدمتی اور حکم بردار ہو۔

﴿۴۸﴾ ”فكذبوهما فكانوا من المهلكين“ وہ سب غرق کر دیئے گئے۔

49 "ولقد اتينا موسى الكتاب" اس سے مراد توریت ہے۔ "لعلهم يهتدون" تاکہ اس کی قوم ہدایت یافتہ ہو جائے۔  
 50 "وجعلنا ابن مريم و امه آية" ہماری قدرت کی نشانی۔ یہاں پر آیتان نہیں۔ فرمایا، بعض نے کہا کہ ان دونوں کی شان یہ ہے کہ ہم نے ان دونوں کو نشانی بنایا اور بعض حضرات نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے ان دونوں کو نشانی بنایا ہے۔  
 "..... كلنا الجنة آت أكلها"..... "و آوينا هما الى ربوة" ربوۃ بلند مقام کو کہا جاتا ہے۔

## ربوہ مقام کی تفصیل

اس میں آئمہ کرام کا اختلاف ہے۔ 1 عبد اللہ بن سلام نے فرمایا کہ یہ دمشق تھا۔ 2 سعید بن مسیب اور مقاتل کا بھی یہی قول ہے۔ 3 ضحاک کا قول ہے کہ غوطہ دمشق مراد ہے۔ 4 حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا "ربوۃ" سے مراد رملہ ہے۔ 5 عطاء کی روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول آیا ہے کہ ربوۃ سے مراد بیت المقدس ہے۔ یہی قول قتادہ اور کعب کا ہے۔ 6 کعب نے کہا کہ ربوۃ کا حصہ بہ نسبت دوسری زمین کے اٹھارہ میل آسمان کے قریب تھا۔ 7 ابن زید کے نزدیک مصر مراد ہے۔ 8 ابن زید کا قول ہے کہ اس سے مراد مصر ہے۔ 9 سدی کے نزدیک فلسطین کی سر زمین مراد ہے۔ "ذات قرار" ہموار زمین جس پر رہنے والے لکھ سکیں۔ "ومعین" معین جاری پانی کو کہتے ہیں جو ظاہر جاری ہوتا ہے۔  
 10 "یا یہا الرسل" حسن، مجاہد اور قتادہ، سدی، کلبی اور ایک جماعت کا قول ہے کہ اس سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ عرب کے نزدیک واحد کا اطلاق جماعت پر ہوتا ہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ اس سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ بعض حضرات نے کہا کہ اس سے تمام انبیاء کرام علیہم السلام مراد ہیں۔ "کلوا من الطيبات" جو تمہارے لیے حلال ہیں۔  
 "واعملوا صالحا" صلاح کہتے ہیں شریعت کے وجوب کردہ احکام کو صحیح طریقے سے چلانا۔ "انی بما تعملون علیم"  
 52 "وان هذه" اہل کوفہ "ان" میں الف کے کسرہ کے ساتھ ہے اور باقی قراء نے الف کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابن عامر نے نون تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اور بعض نے ان کو وصلہ قرار دیا ہے۔ دوسرے قراء نے نون کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہاں پر عبارت محذوف ہے۔ "بان هذه أمتکم" اس سے مراد تمہاری ملت و شریعت جس پر تم ہو۔

"أمتکم أمة واحدة" ملت واحدہ سے مراد اسلام ہے۔ "وانا ربکم فاتقون" یعنی میں چونکہ تمہارا رب ہوں اس لیے مجھ سے ڈرو۔ اس کا معنی یہ ہے کہ میں تمہیں اسی بات کا حکم کرتا ہوں جو حکم پہلے بھیجے ہوئے انبیاء علیہم السلام کرتے تھے ہم سب کا حکم (تبلیغ) ایک ہی ہے۔

فَتَقَطُّوْا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۖ كُلُّ حِزْبٍ مِّمَّا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۖ فَذَرَوْهُمْ فِيْ عَمْرَبِهِمْ  
 حَتَّىٰ حِينٍ ۖ أَيَحْسَبُوْنَ أَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهِ مِنْ مَّالٍ وَبَنِيْنَ ۖ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرَاتِ

طَبْلٌ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۵۶﴾ إِنَّ الَّذِينَ هُمْ مِنْ خَشِيَةِ رَبِّهِمْ مُشْفِقُونَ ﴿۵۷﴾ وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ ﴿۵۸﴾ وَالَّذِينَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُونَ ﴿۵۹﴾ وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوْا وَقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ أَنَّهُمْ إِلَىٰ رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ ﴿۶۰﴾

تجلیکے سوان لوگوں نے اپنے دین میں اپنا طریق الگ الگ کر کے اختلاف پیدا کر لیا ہر گروہ کے پاس جو دین ہے وہ اسی سے خوش ہے سو آپ ان کو ان کی (اسی) حالت میں ایک خاص وقت تک رہنے دیجئے کیا یہ لوگ یوں گمان کر رہے ہیں کہ ہم ان کو جو کچھ مال و اولاد دیتے چلے جاتے ہیں تو ہم ان کو جلدی جلدی فائدے پہنچا رہے ہیں (یہ بات ہرگز نہیں) بلکہ یہ لوگ (اس کی وجہ) نہیں جانتے اس میں کوئی شک نہیں جو لوگ اپنے رب کی ہیبت سے ڈرتے رہتے ہیں اور جو لوگ اپنے رب کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔

تفسیر ﴿۵۹﴾ ”لَتَقَطَعُوا أَمْرَهُمْ“ اپنے اپنے دین میں نئے نئے الگ الگ طریقے ایجاد کر دیئے۔ ”بینہم“ انہوں نے آپس میں تفرقہ پیدا کر دیا تو وہ آپس میں یہودی، نصرانی اور مجوسی ہو گئے۔ ”زبرا“ وہ گروہ گروہ ہو گئے، فرقہ فرقہ، ککڑے ککڑے ہو گئے اس کا واحد زبور ہے۔ زبور کا معنی ہے ککڑا، فرقہ۔ اس سے (زبر الحدید) لوہے کے ککڑے۔ وہ فرقے فرقے ہو گئے جیسے لوہے کے ککڑے ہو جاتے ہیں۔ بعض اہل شام کے قراء نے زبر اباء کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ بعض نے کہا کہ انہوں نے کتاب کے مختلف حصے بنا لیے تھے وہ بعض پر ایمان لاتے اور بعض کا انکار کرتے تھے اور بعض نے کہا کہ بعض کتاب کی تحریف کی۔ ”کل حزب بما لَدَيْهِمْ“ ہر گروہ کے پاس جو کچھ دین ہے وہ اسی پر اترائے ہوئے ہیں۔ ”لرحون“ وہ تعجب اور خوشی کرتے ہیں۔

﴿۵۴﴾ ”لذَرَهُمْ فِي غَمَرَتِهِمْ“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس کا معنی ہے کفر و گمراہی میں اور بعض نے کہا کہ اس کا معنی ہے غفلت۔ ”حتى حين“ ایک مقررہ مدت تک جب تک ان کو موت نہ آجائے۔ ﴿۵۵﴾ ”ايَحْسَبُونَ أَنَّمَا نُمَلِّهِمْ بِهِ مِنْ مَّالٍ وَبَنِينَ“ جو کچھ ہم ان کو مال و اولاد دیتے چلے آتے ہیں تو ہم ان کو جلدی جلدی زیادہ فائدہ دے رہے ہیں۔

﴿۵۶﴾ ”نَسَارِعَ لَهُمْ فِي الْخَيْرَاتِ“ ہم ان کو جلدی جلدی فائدہ دے رہے ہیں اور ان کے ثواب کو مقدم کریں گے۔ ان کے نیک اعمال کے سبب اور ان کی رضامندی کے سبب۔ ”بل لا يشعرون“ ہم ان کو جلدی جلدی فائدہ پہنچا رہے ہیں۔ ﴿۵۷﴾ ”ان الذين هم من خشية ربهم مشفقون“ وہ خوف رکھتے ہیں۔ اشفاق کا معنی خوف سے کیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ مؤمنین جو اللہ سے خوف رکھتے ہیں اور اس کی سزا سے ڈرتے ہیں۔

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ مومن تکلی بھی کرتا ہے اور پھر ڈرتا بھی رہتا ہے اور منافق بدی کرتا ہے اور پھر بے فکر بھی رہتا ہے۔

58 "والذین ہم بایات ربہم یؤمنون" اس کا معنی ہے کہ وہ تصدیق کرتے ہیں۔

59 "والذین ہم برہم لایشرکون"

60 "والذین یؤتون ما آتوا" وہ عطا کرتے ہیں جوڑ کوۃ اور صدقات سے دیتے ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آیت "والذین یؤتون ما آتوا" جو اعمال کرتے ہیں نیک اعمال۔ "وقلوبہم وجلہ" وہ اللہ کے عذاب سے نجات نہیں پاتے اور ان کے اعمال قبول نہیں کیے جاتے۔ "انہم الی ربہم راجعون" اس لیے کہ وہ اس پر یقین رکھتے ہیں کہ اللہ کے حضور ایک دن ضرور حاضر ہوتا ہے۔

حسن بصری کا قول ہے کہ وہ اللہ کی اطاعت کرتے ہیں اور کوشش کے ساتھ کرتے ہیں۔ پھر بھی ڈرتے ہیں کہ کہیں ان کی طاعت رد نہ کی جائے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آیت "والذین یؤتون ما آتوا وقلوبہم وجلہ" کے متعلق دریافت کیا اور عرض کیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو شراب پیتے اور چوری کرتے ہیں، فرمایا نہیں، اے صدیق کی بیٹی! بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو روزے رکھتے ہیں، نماز پڑھتے ہیں اور خیرات کرتے ہیں اور پھر بھی ڈرتے ہیں کہ کہیں ان کی یہ طاعت رد نہ کی جائے، یہی وہ لوگ ہیں جو بھلائیوں میں تیزی کے ساتھ آگے بڑھتے ہیں۔

أُولَئِكَ يُسْرِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ 61 وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا  
كِتَابٌ يَنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ 62 بَلْ قُلُوبُهُمْ فِي غَمْرَةٍ مِنْ هَذَا وَلَهُمْ أَعْمَالٌ مِّنْ  
ذُوْنِ ذَلِكَ هُمْ لَهَا عَمِلُونَ 63 حَتَّىٰ إِذَا أَخَذْنَا مُتْرَفِيهِمْ بِالْعَذَابِ إِذَا هُمْ يَجْتَرُونَ 64  
لَا تَجْتَرُوا الْيَوْمَ إِنَّكُمْ مِنَّا لَا تَنْصُرُونَ 65

تفسیر اور جو لوگ (اس ایمان میں) اپنے رب کے ساتھ شریک نہیں کرتے ہیں اور جو لوگ (اللہ کی راہ میں) دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں اور (باوجود دینے کے) ان کے دل اس سے خوفزدہ ہوتے ہیں کہ وہ اپنے رب کے پاس جانے والے ہیں نہ لوگ (البتہ) اپنے فائدے جلدی جلدی حاصل کر رہے ہیں اور وہ ان کی طرف دوڑ رہے ہیں اور ہم (تو) کسی کو اس کی وسعت سے زیادہ کام کرنے کو نہیں کہتے (بس جو کام بتلا رکھے ہیں سب آسان ہی ہیں) اور ہمارے پاس ایک دفتر (نامہ اعمال کا محفوظ) ہے جو ٹھیک ٹھیک (سب کا حال) بتا دے گا اور لوگوں پر ظلم نہ ہوگا بلکہ ان کفار کے قلوب اس دین کی طرف سے جہالت (اور شک) میں ہیں اور اس کے علاوہ ان لوگوں کے اور بھی (برے برے) عمل ہیں جن کو یہ کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ جب ہم ان کے خوشحال لوگوں کو عذاب (بعد الموت) میں دھر پکڑیں گے تو فوراً چلا اٹھیں گے (اس وقت ان سے کہا جاوے گا) کہ اب مت چلاؤ ہماری طرف سے تمہاری مطلق مدد نہ ہوگی

تفسیر 61 "أُولَئِكَ يُسْرِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ" جو نیک اعمال میں آگے بڑھتے ہیں۔ "وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ"



اور وہ اس کی طرف سبقت کرنے والے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ ”لما نھوا“ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لیے سعادت پہلے ہی سے مقدر ہو چکی ہے۔ کلبی کا بیان ہے کہ یہ تمام امتوں پر اعمال صالحہ کے لحاظ سے سبقت کر گئی۔

62 ”ولا نکلف نفسا الا وسعها“ اس کی طاقت کے بقدر جو شخص قیام پر قادر نہیں تو وہ بیٹھ کر نماز پڑھے اور جو شخص روزے کی طاقت نہ رکھے اسے چاہیے کہ وہ افطار کرے۔ ”ولدینا کتاب ینطق بالحق“ وہ لوح محفوظ ہے وہ حق بات کرتے ہیں اور سچ کو واضح کرتے ہیں۔ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم نے کسی نفس کو اس کی وسعت سے بڑھ کر مکلف نہیں بنایا مگر جس کی وہ قدرت رکھتا ہے اور ہم نے اس کو لوح محفوظ میں ثابت رکھا ہے۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد بندوں کے اعمال ہیں جو حفاظت کے فرشتے لکھتے ہیں۔ ”وہم لا یظلمون“ ان کی نیکیوں کو کم نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی برائیاں بڑھائی جائیں گی۔ پھر اس کے بعد کفار کا تذکرہ کیا۔

63 ”بل قلوبہم فی غمرة“ چھا جانے والی غفلت اور جہالت۔ ”من ہذا“ اس قرآن سے ”ولہم اعمال من دون ذلک“ کفار کے اعمال خبیثہ جو ان مؤمنین کے اعمال سے ہٹ کر ہیں، وہ اعمال جو اللہ تعالیٰ نے پہلے ذکر کیے۔ ”ان الذین ہم من خشية ربہم مشفقون“..... ”ہم لہا عاملون“ ان کے لیے یہ بات ضروری ہے کہ جو وہ اعمال بد کرتے ہیں ان کے بسبب وہ دوزخ میں چلے جائیں کیوں کہ ان پر شقاوت اور بدبختی غالب آگئی۔ یہی قول اکثر مفسرین کا ہے۔

64 ”حتی اذا اخذنا متر فیہم“ کہ ہم ان کو پکڑ لیتے ہیں، ان کے انعیاء اور ان کے سرداروں کو۔ ”بالعذاب“

## متر فیہم بالعذاب سے کونسا عذاب مراد ہے

ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس سے مراد بدر کا دن ہے۔

ضحاک کا قول ہے کہ وہ قتل مراد ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا سے ان پر پڑا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بددعا میں فرمایا تھا، اے اللہ! قبیلہ معزز پر سخت قحط نازل کر دے اور ان پر حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے کے قحط کی طرح قحط ڈال دے۔ نتیجتاً یہ ہوا کہ قحط کی مصیبت میں مبتلا ہو گئے۔ یہاں تک کہ کتوں کو اور مردار کو اور حلی ہوئی ہڈیوں کو بھی کھا گئے۔ ”اذا ہم یجترون“ وہ جزع فزع کرنے لگے اور مدد طلب کرنے لگے۔ جا راصل میں عاجزی کے ساتھ آواز کو بلند کرنے کو کہتے ہیں۔

”لا تجاروا الیوم“ تم لوگ مت چلاؤ۔ ”انکم منا لا تنصرون“ تم سے اس کو کوئی روکنے والا نہیں اور نہ ہی تمہیں وہ نفع دے گا تمہاری اس عاجزی اور چیخ و پکار کو۔

قَدْ كَانَتْ إِلَيْنِ تُلَىٰ عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُونَ 66 مُسْتَكْبِرِينَ بِهِ سِمِرًا تَهْجُرُونَ 67 أَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ أَمْ جَاءَهُمْ مَا لَمْ يَأْتِ آبَاءَهُمُ الْأَوَّلِينَ 68 أَمْ لَمْ يَعْرِفُوا رَسُولَهُمْ فَهُمْ لَهُ مُنْكَرُونَ 69 أَمْ يَقُولُونَ بِهِ جِنَّةٌ بَلْ جَاءَهُمُ بِالْحَقِّ وَآكُفَّرُوهُمْ

لِلْحَقِّ كَرِهُونَ ﴿٦٥﴾ وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ أَهْوَاءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ  
بَلْ اَتَيْنَهُمْ بَدٰلًا مِّمَّا كَفَرُوْا فَاِنَّهُمْ عَنْ ذِكْرِ هِمِّ مُّعْرِضُونَ ﴿٦٦﴾

میری آیتیں تم کو پڑھ پڑھ کر (رسول کی زبانی) سنائی جایا کرتی تھیں تو تم اٹے پاؤں بھاگتے تھے تکبر کرتے ہوئے قرآن کا مشغلہ بناتے ہوئے اس قرآن کی شان میں بیہودہ بکتے ہوئے تو کیا ان لوگوں نے اس کلام (الہی) میں غور نہیں کیا یا ان کے پاس ایسی چیز آئی ہے جو ان کے پہلے بڑوں کے پاس نہیں آئی تھی یا یہ لوگ اپنے رسول سے واقف نہ تھے اس وجہ سے ان کے منکر ہیں یا یہ لوگ آپ کی نسبت جنون کے قائل ہیں (سوان میں تو کوئی وجہ بھی معقول نہیں) بلکہ (ان کی اصلی تکذیب کی وجہ یہ ہے کہ) یہ رسول ان کے پاس حق بات لے کر آئے ہیں اور ان میں اکثر لوگ حق بات سے نفرت رکھتے ہیں اور بفرض مجال اگر دین حق ان کے خیالات کے تابع ہو جاتا تو تمام آسمان اور زمین اور جو ان میں آباد ہیں سب تباہ ہو جاتے بلکہ ہم نے ان کے پاس ان کی نصیحت کی بات بھی سمجھی سو یہ لوگ اپنی نصیحت (نافعہ) سے بھی روگردانی کرتے ہیں

تفسیر 65 "قد كانت آياتي تنلى عليكم" اس سے مراد قرآن ہے۔ "فكنتم على اعقابكم تنكصون" وہ اٹے پاؤں واپس لوٹ جاتے ہیں۔ تم قری کہتے ہیں کہ وہ ایمان سے پیٹھ پھیر کر بھاگتے ہیں۔

66 "مستكبرين به" اس کنایہ میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ ان کے قصے واضح ہیں۔ ان کا مرجع بیت الحرام قرار دیا ہے اور کنایہ مذکور نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ وہ اس بات سے تکبر کرتے کہ ہم ہی بیت اللہ کی تعظیم کرنے والے ہیں اور وہ یہ کہتے کہ ہم ہی اہل ہیں اس کے اور یہ بھی کہتے تھے کہ ہم پر کوئی خوف نہیں اور تمام لوگوں میں سے وہ اپنے آپ کو اس میں سمجھتے تھے۔

بعض نے کہا کہ وہ قرآن سے تکبر کرتے تھے اس پر ایمان نہیں لاتے تھے۔ پہلا قول واضح اور ظاہر ہے۔ "سامرا" منصوب ہے حال ہونے کی وجہ سے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ رات کے وقت داستائیں، قصے، کہانیاں کرتے کعبہ کے ارد گرد حلقے بناتے اور اس میں یہ قصے گویاں کرتے۔ "تہجرون" نافع نے "تہجرون" تاء کے ضمہ جیم کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ "اھجار" سے "کلام" میں بہت زیادہ فحش گوئی، یا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں یا قرآن کی شان میں بیہودہ بکتے تھے۔ بعض نے کہا کہ ہجر سے ہے بمعنی کٹ جانا۔ بعض نے کہا کہ وہ اپنی اپنی زبانوں سے ایسے الفاظ نکالتے تھے جو ان کو خود معلوم نہ ہوتا کہ وہ کیا نکالتے ہیں جیسے کوئی شخص نیند میں بول رہا ہو۔

68 "أفلم يدبروا" وہ اس پر غور و فکر کرے۔ "القول" کیا وہ اس قول پر غور و فکر نہیں کرتے، قرآن پر غور و فکر نہیں کرتے۔ اگر غور و فکر کرتے رہتے تو وہ ان دلائل کی وجہ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی جان چکے ہوتے۔ "ام جاء هم مالم يات آباءهم الاولين" انہوں نے اس کا انکار کر دیا۔ اس سے مراد یہ کہ ہم نے آپ سے پہلے بھی ان کی طرف رسول بھیجے، اسی طرح

آپ کو بھی ان کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا۔ بعض نے کہا کہ اُم یہاں بل کے معنی میں ہے یعنی ہم نے ان کے آباؤ اجداد کی طرف پہلے انبیاء و رسل بھیجے ہیں لیکن ان لوگوں نے ان کا انکار کیا۔

69 "ام لم یعرفوا رسولہم" رسول سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ "فہم لہ منکرون" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ کیا انہوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بچپن، بڑے میں اور ان کے نسب ان کی صداقت اور ان کی امانت اور ان کے عہد و وفا کو نہیں جانتے، ان سب باتوں کے ہوتے ہوئے بھی ان پر ایمان نہیں لاتے۔

70 "ام یقولون بہ جنۃ" وہ آپ کو مجنون زدہ کہتے ہیں حالانکہ آپ ایسے نہیں۔ "بل جاء ہم بالحق" وہ سچی بات لے کر آئے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کسی کے سامنے مخفی نہیں کہ وہ صحیح ہی ہے ہر عاقل شخص اس کو سمجھ سکتا ہے۔ "واکثرہم للحق کارہون"

71 "ولو اتبع الحق اہواءہم" ابن جریج، مقاتل، سدیی اور اہل حق کی ایک جماعت کے نزدیک الحق سے مراد اللہ ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ ان کی مراد کے مطابق عمل کر لیتا۔ بعض نے کہا کہ اگر اللہ ان کی مراد کی موافقت کرتا اور دوسروں کو اپنا شریک بنا لیتا یا اپنے لیے اولاد اختیار کر لیتا۔ جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہیں "لفسدت السماء والارض" فراء اور زجاج کا قول ہے کہ حق سے مراد قرآن ہے کہ اگر میں ان کی مراد کے مطابق قرآن نازل کر دیتا یعنی شریک یا ولد بنا تا ان کے اعتقاد کے مطابق تو آسمان وزمین اور جو کچھ اس میں ہے اس میں فساد برپا ہو جاتا۔ جیسا کہ دوسری آیت میں ہے "لو کان فیہما الہة الا اللہ لفسدتا"..... "ومن فیہن بل اتیناہم بذکرہم" جو کچھ ہم بیان کر چکے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ذکر ہم سے مراد ہے، وہ کتاب جس میں ان کی بزرگی اور شرف کا بیان ہے یعنی قرآن مجید۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "لقد انزلنا الیکم کتابا فیہ ذکرکم" یعنی ہم نے تمہاری طرف ایسی کتاب نازل کی جس میں تمہارے لیے شرف اور بزرگی ہے۔ دوسری جگہ ارشاد فرمایا، اس میں تمہارے لیے بزرگی اور تمہاری قوم کے لیے بھی بزرگی ہے۔ "فہم عن ذکرہم معرضون" وہ ایسی کتاب کی طرف بھی التفات نہیں کرتے جو ان کے لیے باعث شرف ہے۔

أَمْ تَسْأَلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَجَ رَبُّكَ خَيْرٌ وَهُوَ خَيْرُ الرَّزِقِينَ 72 وَإِنَّكَ لَتَدْعُوهُمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ 73 وَإِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنُكِبُونَ 74 وَلَوْ رَحِمْنَاهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِنْ ضُرٍّ لَلَّجُوا فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ 75 وَلَقَدْ أَخَذْنَاهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُونَ 76 حَتَّىٰ إِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِم بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيدٍ إِذَا هُمْ فِيهِ مُبْلِسُونَ 77

توجہ! یا آپ ان سے کچھ آمدنی چاہتے ہیں تو آمدنی تو آپ کے رب کی سب سے بہتر ہے اور وہ سب دینے

والوں سے اچھا ہے اور (خلاصہ ان کی حالت کا یہ ہے کہ) آپ تو ان کو سیدھے راستہ کی طرف (جس کو اوپر حق کہا ہے) بلا رہے ہیں اور ان لوگوں کی جو کہ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے یہ حالت ہے کہ اس (سیدھے) راستہ سے ہٹ جاتے ہیں اور اگر ہم ان پر مہربانی فرماویں اور ان پر جو تکلیف ہے اس کو ہم دور بھی کر دیں تو وہ لوگ (پھر) اپنی گمراہی میں بھٹکتے ہوئے اصرار کرتے ہیں اور ہم نے ان کو گرفتار عذاب بھی کیا ہے سوان لوگوں نے نہ اپنے رب کے سامنے (پورے طور سے) فروتنی کی اور نہ عاجزی اختیار کی یہاں تک کہ ہم جب ان پر سخت عذاب کا دروازہ کھول دیں گے۔ تو اس وقت بالکل حیرت زدہ رہ جاویں گے۔

**تفسیر** 72 "ام تسنلہم" جو لوگ تم لے کر آئے ہو۔ "خروجاً" اجر و سامان۔ "فخرج راج ربک خیر" یعنی جو کچھ اللہ نے تمہیں رزق میں سے اور ثواب میں سے دیا وہ بہتر ہے۔ "وہو خیر الرازقین" ہمزہ اور کسائی نے "خروجاً" پڑھا ہے۔ ان دونوں کو ہمزہ کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ ابن عامر نے ان دونوں کو الف کے بغیر، دوسرے قراء نے بغیر الف کے پڑھا ہے۔

73 "وانک لتلعوہم الی صراط مستقیم" صراط مستقیم سے مراد دین اسلام ہے۔

74 "وان اللدین لا یؤمنون بالآخرۃ عن الصراط" اس سے مراد دین حق ہے۔ "لنکبون" وہ عادل اور ان کی طرف مائل ہوں گے۔

75 "ولو رحمانہم وکشفنا ما بہم من ضر" اس سے مراد قحط ہے۔ "للجوا" تب بھی یہ اڑے رہے۔ "فی طغیانہم یعمہون" اور وہ اس سے چھٹکارا نہیں پا سکیں گے۔

76 "ولقد اخذناہم بالعذاب" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے لیے یہ دُعا کی کہ اللہ ان پر یوسف علیہ السلام کے زمانے کی طرح ان پر قحط نازل فرما۔ اللہ نے ان پر قحط مسلط کر دیا۔ ابوسفیان نے خدمت گرائی میں حاضر ہو کر عرض کیا، محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں تم کو اللہ کا اور قربت داری کا واسطہ دیتا ہوں۔ اب تو ہم اون اور خون بھی کھانے لگے، بھوک سے انتہائی مجبور ہو گئے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی "فما استکانوا لربہم" انہوں نے نہ توبہ کی اور نہ ہی انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کی۔ "وما یتضرعون" یعنی انہوں نے اپنے رب سے عاجزی اور خشوع نہیں کیا۔

77 "حتی اذا فتحنا علیہم بابا ذا عذاب شدید" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس سے مراد یوم بدر میں قتال ہے۔ یہی قول مجاہد کا بھی ہے۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد موت ہے۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد قیامت ہے۔ "اذاہم فیہ ملسون" ہر بھلائی سے مایوس ہے۔

وَهُوَ الَّذِي أَنشَأَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ۗ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ 76 وَهُوَ الَّذِي ذَرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ وَإِلَيْهِ تُحْشَرُونَ 77 وَهُوَ الَّذِي يُعْصِي وَيُؤْمِنُ 78 وَهُوَ الَّذِي يُعْصِي وَيُؤْمِنُ 79 وَهُوَ الَّذِي يُعْصِي وَيُؤْمِنُ 80 وَهُوَ الَّذِي يُعْصِي وَيُؤْمِنُ 81

وَالنَّهَارِ ۚ أَقْلًا تَعْقِلُونَ ﴿۸۰﴾ بَلْ قَالُوا مِثْلَ مَا قَالَ الْأَوَّلُونَ ﴿۸۱﴾ قَالُوا إِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا ۖ إِنَّا لَمَبْعُوثُونَ ﴿۸۲﴾ لَقَدْ وَعَدْنَا نَحْنُ وَآبَاؤُنَا هَذَا مِنْ قَبْلُ ۖ إِن هَذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿۸۳﴾ قُلْ لِمَنِ الْأَرْضُ وَمَنْ فِيهَا ۖ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۸۴﴾ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ ۚ قُلْ أَقْلًا تَذَكَّرُونَ ﴿۸۵﴾ قُلْ مَنْ رَبُّ السَّمَوَاتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ﴿۸۶﴾ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ ۚ قُلْ أَقْلًا تَتَّقُونَ ﴿۸۷﴾ قُلْ مَنْ مِ بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ ۖ وَهُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ ۖ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۸۸﴾

﴿تذکرہ﴾ اور وہ (اللہ) ایسا ہے جس نے تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل بنائے تم لوگ بہت ہی کم شکر کرتے ہو اور وہ ایسا ہے جس نے تم کو زمین پر پھیلایا رکھا ہے اور تم سب (قیامت میں) اسی کے پاس لائے جاؤ گے اور وہ ایسا ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے اور اسی کے اختیار میں ہے رات اور دن کا گھنٹنا بڑھنا سو کیا تم (اتنی بات نہیں سمجھتے بلکہ یہ بھی ویسی ہی بات کہتے ہیں جو اگلے (کافر) لوگ کہتے چلے آئے (یعنی) یوں کہتے ہیں کہ کیا جب ہم مرجائیں گے اور ہم مٹی اور ہڈیاں رہ جاویں گے تو کیا ہم دوبارہ زندہ کئے جاویں گے اس کا تو ہم سے اور (ہم سے) پہلے ہمارے بڑوں سے وعدہ ہوتا چلا آیا ہے یہ کچھ بھی نہیں محض بے سند باتیں ہیں جو اگلوں سے منقول ہوتی چلی آتی ہیں آپ (جواب میں) یہ کہہ دیجئے کہ (اچھا یہ بتلاؤ کہ) یہ زمین اور جو اس پر رہتے ہیں یہ کس کی ہیں اگر تم کو کچھ خبر ہے وہ ضرور یہی کہیں گے کہ اللہ کی ہیں (تو) ان سے کہئے کہ پھر کیوں نہیں غور کرتے (اور) آپ یہ بھی کہئے کہ (اچھا یہ بتلاؤ کہ) ان سات آسمانوں کا مالک اور عالیشان عرش کا مالک کون ہے (اس کا بھی) وہ ضرور یہی جواب دیں گے کہ یہ بھی (سب) اللہ کا ہے (اس وقت) آپ کہئے کہ پھر تم (اس سے) کیوں نہیں ڈرتے آپ (ان سے) یہ بھی کہئے (اچھا) وہ کون ہے جس کے ہاتھ میں تمام چیزوں کا اختیار ہے اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلے میں کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا اگر تم کو کچھ خبر ہے

﴿تفسیر﴾ ﴿۷۹﴾ ”وہو الذی أنشأ لكم السمع“ تمہارے لیے کان سننے کے لیے پیدا کیے۔ ”والابصار والافئدة“

تاکہ تم اس کو سنو اور دیکھو اور پھر اس پر غور و فکر کرو۔ ”قلیلاً ما تشکرون“ ان نعمتوں پر وہ شکر ادا نہیں کرتے۔

﴿۷۹﴾ ”وہو الذی ذرأکم“ تمہارے لیے پیدا کیا۔ ”فی الارض والیہ تحشرون“ تمہیں اٹھائے گا مرنے کے بعد۔

﴿۸۰﴾ ”وہو الذی یحی ویمیت ولہ اختلاف اللیل والنہار“ رات اور دن کی تدبیر زیادتی اور نقصان کے ساتھ۔

فراء کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو مختلف اشیاء پیدا کی ہیں اور دونوں سفید اور کالے میں بھی تفاوت ہے۔ ”افلا تعقلون“ کیا تم

نہیں دیکھتے اللہ کی اس کارکردگی (صنعت) کو اور پھر اس پر غور و فکر نہیں کرتے۔

﴿۸۱﴾ ”بل قالوا مثل ما قال الاولون“ انہوں نے جھٹلایا جیسے کہ پہلوں نے جھٹلایا۔

82 "قالوا اذا متنا وكنا ترابا وعظاما انا لمبعوثون" ہم ان کو جمع کریں گے۔ یہ سوال انکاری بطور تعجب کے ہے۔  
 83 "لقد وعدنا نحن و آباءنا هذا" وعدہ جو ہم نے تم سے پہلے اگلوں سے کیا تھا۔ "من قبل" ان لوگوں کے وہم کے مطابق یہ کہتے تھے کہ ہم سے پہلے ہمارے بڑوں سے بھی یہ وعدہ چلا آ رہا ہے یہ کچھ نہیں محض بے سند باتیں ہیں، اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ "ان هذا الا اساطير الاولين" پہلوں کی من گھڑت کہانیاں ہیں۔

84 "قل" اے محمد آپ اہل مکہ کو جواب دیتے ہوئے کہہ دیجئے "لمن الارض ومن فيها" مخلوقات میں سے "ان كنتم تعلمون" اگر تم اس کی پیدائش اور ملکیت کے بارے میں جانتے ہو۔

85 "سيقولون لله" اور یہ بات ان کے لیے کہنا لازمی ہے کیوں کہ وہ اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ وہ اللہ کی مخلوق ہیں۔ "قل" جب وہ اس بات کا اقرار کریں تو اس وقت آپ ان سے کہہ دیں۔ "افلا تذكرون" وہ یہ جانتے ہیں کہ جو ان سب کو پہلی مرتبہ پیدا کرنے پر قادر ہے اور جو کچھ اس میں ہے وہ مرنے کے بعد دوبارہ ان کو زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔

86 "قل من رب السموات السبع ورب العرش العظيم"

87 "سيقولون لله" عام قراء نے اللہ پڑھا ہے اور اہل بصرہ نے اس کو (اللہ) پڑھا ہے۔ اسی طرح اہل بصرہ اور دوسرے تمام

مصاحف میں الف کے ساتھ لکھا ہے۔ "قل افلا تتقون" اور تم ڈرتے ہو۔

88 "قل من بيده ملكوت كل شيء" ملکوت کا معنی ہے حکومت، عزت، غلبہ، ملکوت میں واؤ اور تاء مبالغہ کے لیے ہے۔ "وهو يجبر" وہ جس کو چاہتا ہے برائی سے بچاتا ہے۔ "ولا يجار عليه" اور جس کو اللہ پناہ نہ دے اس کو کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔ اللہ جس کو ڈکھ پہنچانا چاہے اس کو ڈکھ پہنچنے سے کوئی بچا نہیں سکتا اور کوئی شخص اللہ کو ضرر پہنچانے کی قدرت نہیں رکھتا۔  
 "ان كنتم تعلمون" اس کا معنی یہ ہے کہ تم اگر جانتے ہو تو پھر جواب دو۔

سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ فَأَنَّى تُسْحَرُونَ 89 بَلْ آتَيْنَهُم بِالْحَقِّ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ 90 مَا اتَّخَذَ اللَّهُ

مِنْ وَلَدٍ وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنْ إِلَهٍ إِذَا لَذَّهَبَ كُلُّ إِلَهٍ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَّ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ

سُبْحَنَ اللَّهِ عَمَّا يُصِفُونَ 91 عِلْمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعَلَّىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ 92 قُلْ رَبِّ

إِمَّا تُرِيتُنِي مَا يُوعَدُونَ 93 رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِي فِي الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ 94 وَإِنَّا عَلَىٰ أَنْ نُرِيكَ

مَا نَعِدُهُمْ لَقَدِيرُونَ 95 إِذْفَعُ بِالنَّبِيِّ هِيَ أَحْسَنُ السَّبِيحَةِ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَصِفُونَ 96 وَقُلْ

رَبِّ أَعُوذُ بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيْطَانِ 97 وَأَعُوذُ بِكَ رَبِّ أَنْ يَحْضُرُونَ 98

(تب بھی جواب میں) وہ ضرور یہی کہیں گے کہ یہ سب صفتیں بھی اللہ ہی کی ہیں آپ (اس وقت) کہئے کیا



کہ پھر تم کو کیسا خبط ہو رہا ہے بلکہ ہم نے ان کو سچی بات پہنچائی ہے اور یقیناً یہ جھوٹے ہیں اللہ نے کسی کو اولاد نہیں قرار دیا اور نہ اس کے ساتھ کوئی اور خدا ہے اگر ایسا ہوتا تو ہر خدا اپنی مخلوق کو (تقسیم کر کے) جدا کر لیتا اور ایک دوسرے پر چڑھائی کرتا اللہ ان (مکروہ) باتوں سے پاک ہے جو یہ لوگ (اس کی نسبت) بیان کرتے ہیں جاننے والا ہے سب پوشیدہ اور آشکارا کا غرض ان لوگوں کے شرک سے وہ بالاتر ہے آپ (حق تعالیٰ سے) دعا کیجئے کہ اے میرے رب جس عذاب کا ان کافروں سے وعدہ کیا جا رہا ہے اگر آپ مجھ کو دکھا دیں تو اے میرے رب مجھ کو ان ظالم لوگوں میں شامل نہ کیجئے اور ہم اس بات پر کہ جو ان سے وعدہ کر رہے ہیں آپ کو بھی دکھا دیں قادر ہیں آپ ان کی بدی کا دفعیہ ایسے برتاؤ سے کر دیا کیجئے جو بہت ہی اچھا اور (نرم) ہو ہم خوب جانتے ہیں جو جو کچھ یہ آپ کی نسبت) کہا کرتے ہیں اور آپ یوں دعا کیا کیجئے کہ اے میرے رب میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں شیطانوں کے وسوسوں سے اور اے میرے رب میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ شیطان میرے پاس بھی آویں۔

**تفسیر** 99 "سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ فَاِنِّي تَسْحَرُونَ" وہ اس بارے میں دھوکہ دیتے ہیں اور اللہ کی توحید اور اس کی اطاعت میں اصراف کرتے ہیں یا پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ تو پھر تم حق کو باطل کس طرح خیال کرتے ہو۔

99 "بَلْ اَتَيْنَاهُم بِالْحَقِّ" حق سے مراد صدق ہے۔ "وَاَنهٖم لِكَٰذِبُوْنَ" جو یہ لوگ ہمارے بارے میں شرک اور ولد کے بارے میں دعویٰ کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہیں۔

101 "مَا تَخَذُ اللّٰهُ مِنْ وِلْدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهُ مِنَ اللّٰهِ" وہ شریک سے پاک ہے۔ "اِذَا لَذَهَبَ كَلَّ اللّٰهُ بِمَا خَلَقَ" اس نے مخلوقات کو اکیلے میں پیدا کیا۔ اللہ تعالیٰ اس بات پر راضی نہیں کہ اس کے ساتھ کسی اور کو شریک کیا جائے اور اللہ تعالیٰ اس بات سے بے نیاز ہیں کہ ان کا کوئی مددگار ہو مخلوقات کے پیدا کرنے میں۔ "وَلَعَلَّا بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ لُّغُؤٌ بِرِغْلٍ" جیسا کہ دنیاوی بادشاہوں کا طریقہ ہے، اللہ تعالیٰ نے اس سے برأت کی ہے۔ "سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ"

92 "عَالَمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ" اہل مدینہ کوفہ نے عالم کے مہم پر ضحہ پڑھا ہے مبتداء ہونے کی وجہ سے۔ دوسرے قراء نے مجرور پڑھا ہے۔ اس صورت میں یہ صفت ہوگی ماقبل آیت "سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ" سے "فَتَعَالٰی عَمَّا يَشْرِكُوْنَ" ان چیزوں کی تعظیم کرتے ہیں جن کو وہ لوگ شریک ٹھہراتے ہیں۔ اس آیت کا معنی ہے کہ وہ لوگ جس صفت کے ساتھ موصوف کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے کہیں بلند و بالا ہے۔

93 "قُلْ رَبِّ اَعَا تُرِيْنِيْ مَا يُوْعَدُوْنَ" اگر وہ عذاب مجھے دکھا دے جو ان لوگوں کے ساتھ عذاب کا وعدہ کیا گیا ہے۔

94 "رَبِّ" اے میرے رب! "فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِى الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ" ان کے ہلاک ہونے کے ساتھ مجھے نہ ہلاک کر دینا۔

95 "وَاَنَا عَلٰی اَنْ نُّرِيْكَ مَا نَعِدُهُمْ" ان کو عذاب کے وقت "لقادرون"

96 "ادفع بالتى هي احسن" سب سے اچھی خصلت سے مراد ہے درگزر کرنا، رُخ پھیر لینا، صبر کرنا اور بھلائی کرنا۔

”السینة“ ان کی برائی پر یعنی ان کی برائی کے مقابلے میں اپنی طرف سے ان کے ساتھ بھلائی کرو۔ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی اذیت پر مومنوں کو صبر کرنے اور ان کے ساتھ قتال کرنے سے روکنا یہ آیت سیف سے منسوخ ہے۔ ”نحن اعلم بما یصفون“ وہ اس کو جھٹلاتے ہیں اور وہ اس سے شرک کرتے ہیں۔

97 ”وقل رب اعدو ذبک“ ان کو مجھ سے روک دے اور ان کے شر سے بچا۔ ”من همزات الشیاطین“ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس سے مراد شیطان کے دھوکے ہیں۔ حسن کا قول ہے کہ اس سے مراد وساوس شیطان ہیں۔ مجاہد کا قول ہے کہ ان کا پھونکنا۔ اہل معانی نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ ان کو معاصی کی طرف اغوا کر لینا۔ ”همز“ اصل میں کسی چیز کی سختی کے لیے بولا جاتا ہے یا اس کا معنی ہے زور سے دھکا دینا۔

98 ”واعو ذبک رب ان یحضرون“ اور میں اپنے امور میں ان سے پناہ طلب کرتا ہوں۔ یہاں (حضور) کا لفظ ذکر کیا مطلب یہ ہے کہ شیطان جب بھی حاضر ہوتا ہے تو وہ وسوسہ ڈالتا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کفار کے متعلق خبر دی جو بعث کے منکر ہیں وہ موت کے وقت دنیا میں واپس لوٹنے کا سوال کریں گے۔

حَتَّىٰ اِذَا جَاءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ 99 لَعَلِّيْ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ؕ اِنَّهَا کَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا وَمِنْ وَرَآئِهِمْ بَرَزَخٌ اِلٰی یَوْمٍ یُّبْعَثُوْنَ 100 فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَلَا اَنْسَابَ بَیْنَهُمْ یَوْمَئِذٍ وَّلَا یَتَسَاءَلُوْنَ 101 فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهُ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ 102

یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے سر پر موت آ (کھڑی ہو) تی ہے اس وقت کہتا ہے کہ اے میرے رب مجھ کو (دنیا میں) پھر واپس بھیج دیجئے تاکہ جس (دنیا) کو میں چھوڑ آیا ہوں اس میں (پھر جا کر) نیک کام کروں ہرگز (ایسا) نہیں (ہوگا) یہ (اس کی) ایک بات ہی بات جس کو وہ کئے جا رہا ہے اور ان لوگوں کے آگے ایک (چیز) آڑ (کی آنے والی) ہے مراد اس سے موت ہے (قیامت کے دن تک پھر جب (قیامت میں) صور پھونکا جائے گا تو ان میں (جو) باہمی رشتے تاتے (تھے) اس روز نہ رہیں گے اور نہ کوئی کسی کو پوچھے گا سو جس شخص کا پلہ (ایمان کا) بھاری ہوگا تو ایسے لوگ کامیاب (یعنی ناجی) ہوں گے۔

تفسیر 99 ”حَتَّىٰ اِذَا جَاءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ“ ارجعنی نہیں کہا۔ عرب کی عادت یہ تھی کہ جب وہ رب کو پکارتے تو واحد کا صیغہ ذکر کرتے اور کبھی کبھار واحد کے صیغہ کو جمع کے ساتھ تعظیم کرنے کی وجہ سے ذکر کرتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ رب العزت کا فرمان ہے ”انا نحن الذکر وانا له لحافظون“ اور اسی طرح قرآن میں بہت ساری جگہوں پر واحد کے صیغہ کو جمع کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ بعض حضرات کا قول ہے کہ رب اور روح قبض کرنے والے ملائکہ سب کو خطاب ہے۔ اول سب کو مخاطب بنایا کیونکہ فریاد اصل میں اس سے کی، پھر ملائکہ سے درخواست کی کہ وہ دنیا میں پھر لوٹادیں۔

⑩ ”لعلى اعمل صالحا فيما تركت“ کہ میں نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان لا الہ الا اللہ کو ضائع کر دیا۔ بعض نے کہا کہ اللہ کی اطاعت کروں گا اور اعمال صالحہ بجالاؤں گا۔ قنادہ کا قول ہے کہ وہ اپنے اہل و عیال اور اپنے خاندان کی طرف جانے کی تمنا نہیں کرے گا اور نہ ہی مال جمع کرنے اور نفسانی شہوات کو پورا کرنے کی وجہ سے وہ تمنا نہیں کرے گا بلکہ اس کی تمنا صرف یہی ہوگی کہ وہ اللہ کی اطاعت کے مطابق عمل کرے گا۔ اللہ تعالیٰ ایسے شخص پر رحم کرے جو ایسے عمل کی تمنا کرے جس کی کافر کر رہا ہے جب وہ رب کے عذاب کو دیکھ لیتا ہے۔ ”کلا“ یہ کلمہ روع اور زجر کے لیے ہے۔ یعنی اس کی طرف نہیں لوٹایا جائے گا۔ ”انہا“ اس کے لوٹنے کا سوال ”کلمة هو قائلها“ وہ اس مراد کو نہیں پہنچ سکتا۔ ”ومن ورائهم بوزخ“ اس کے سامنے اور اس کے پیچھے ایک آڑ ہے۔ ”الی یوم یبعثون“ برزخ دو چیزوں کے درمیان رکاوٹ و حائل ہے۔ اس کے معنی میں آئمہ مفسرین کا اختلاف ہے۔ مجاہد نے کہا کہ ان لوگوں کے اور وہابی کے درمیان حجاب ہے۔ قنادہ کا بیان ہے کہ برزخ سے مراد ہے دنیا کی باقی عمر۔ صحاح کا قول ہے کہ اس سے مراد برزخ ہے، موت سے قیامت تک کی مدت، بعض نے کہا کہ برزخ سے مراد قبر ہے۔

⑪ ”فإذا نفع فی الصور فلا انساب بینہم“ اس نغمہ کے متعلق مفسرین آئمہ کے مختلف اقوال ہیں۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ صور پھونکنے جانے سے مراد اس جگہ پہلا نغمہ صور ہے جس کے متعلق ارشاد فرمایا ”ونفع فی الصور فصعق من فی السموات ومن فی الارض“..... ”فلا انساب بینہم“..... ”ولا یتساء لون“ پھر دوسرا نغمہ پھونکا جائے گا۔ اس وقت سب کھڑے کھڑے دیکھ رہے ہوں گے اور ایک دوسرے کے آمنے سامنے سوال کریں گے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا قیامت کے دن بندے یا بندی کا ہاتھ پکڑ کر علی الاعلان سب اگلوں اور پچھلوں کے سامنے کھڑا کیا جائے گا اور ایک منادی ندا دے گا یہ فلاں بن فلاں ہے، اس کی طرف کسی کا حق ہو تو وہ اپنا حق لینے آجائے۔ اس وقت جس شخص کا اپنے باپ یا بیٹے یا بی بی یا بھائی پر کوئی حق ہوگا وہ خوش ہوگا اور اپنا حق وصول کرے گا۔ اس کے بعد حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے آیت ”فلا انساب“ پڑھی۔ عطاء کی روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول بھی آیا ہے کہ اس جگہ نغمہ سے مراد دوسرا نغمہ ہے۔

”فلا انساب بینہم“ یعنی دنیا میں شرافت نسب پر ایک دوسرے پر فخر کرتے تھے۔ قیامت کے دن کوئی کسی پر نسبی فخر نہیں کر سکے گا اور نہ ہی تو اصل والا سوال ایک دوسرے سے کرے گا۔ جیسا کہ دنیا میں ایک دوسرے سے سوال کرتے تھے کہ تو کون ہے، تمہارا کس قبیلہ سے تعلق ہے؟

## دو سوال اور ان کے جوابات

سوال: حدیث میں آتا ہے کہ قیامت کے دن تمام رشتے خواہ سہمی ہوں یا نسبی سب منقطع ہو جائیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے نسبی اور سرالی رشتہ کے علاوہ؟

جواب: بعض حضرات نے اس کا جواب دیا ہے کہ قیامت کے دن کوئی ذریعہ اور نسب سو مند نہیں ہوگا سوائے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اور نسبت کے یعنی سوائے قرآن اور ایمان کے۔

سوال: اس آیت میں فرمایا کہ ”ولا يتساءلون“ جبکہ دوسری جگہ آیت میں ارشاد فرمایا ”واقبل بعضهم على بعض يتساءلون“؟  
جواب: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ قیامت کے احوال اور مواقع مختلف ہوں گے کسی مقام پر تو اتنا خوف طاری ہوگا کہ کوئی کسی کو نہ پوچھے گا اور بعض مواقع ایسے بھی آئیں گے کہ ذرا افادہ اور سکون ہوگا۔ اس وقت ایک دوسرے کی حالت دریافت کرے گا۔ ﴿۱۰۳﴾ ”فمن تقلت موازينه فاولئك هم المفلحون“

وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ فِي جَهَنَّمَ خَالِدُونَ ﴿۱۰۳﴾ تَلْفَحُ  
وَجُوهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيهَا كَالِحُونَ ﴿۱۰۴﴾ أَلَمْ تَكُنْ آيَاتِي تُنطَلِّجُ عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُونَ  
﴿۱۰۵﴾ قَالُوا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَالِّينَ ﴿۱۰۶﴾ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْهَا فَإِنْ عُدْنَا فَإِنَّا  
ظَالِمُونَ ﴿۱۰۷﴾ قَالَ اخْسَرُوا فِيهَا وَلَا تُكَلِّمُونَ ﴿۱۰۸﴾

﴿۱۰۳﴾ اور جس شخص کا پلہ ہلکا ہوگا (یعنی وہ کافر ہوگا) سو یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنا نقصان کر لیا اور جہنم میں ہمیشہ رہیں گے ان کے چہروں کو (اس جہنم کی) آگ جھلکتی ہوگی اور اس (جہنم) میں ان کے منہ بگڑے ہوں گے کیوں کیا تم کو میری آیتیں (دنیا میں) پڑھ کر سنائی نہیں جایا کرتی تھیں اور تم ان کو جھٹلایا کرتے تھے (یہ اس کی سزا مل رہی ہے) وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب واقعی اپنے ہاتھوں ہماری بدبختی نے ہم کو گھیر لیا تھا اور (بیشک) ہم گمراہ لوگ تھے اے ہمارے رب ہم کو اس (جہنم) سے (اب) نکال دیجئے پھر اگر ہم دوبارہ (ایسا) کریں تو ہم بیشک پورے قصور وار ہیں ارشاد ہوگا کہ اسی (جہنم) میں راندے ہوئے پڑے رہو اور مجھ سے بات مت کرو۔

﴿۱۰۴﴾ ”ومن خفت موازينه فالئك خسروا انفسهم في جهنم خالدون“

﴿۱۰۴﴾ ”تلفح وجوههم النار“ ان کو جھلسا دے گا۔ بعض نے کہا کہ آگ ان کو جلا دے گی۔ ”وہم فیہا کالِحون“ ان کی شکلیں بگڑ جائیں گی۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ”وہم فیہا کالِحون“ کہ آگ ان کو بھون ڈالے گی کہ اوپر کا ہونٹ بالائی جانب کو اتنا اٹھ جائے گا کہ سر کے وسط تک پہنچ جائے گا اور نچلا ہونٹ اتنا لٹک جائے گا کہ ناف سے جا کے لگے گا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ کافر کے جسم کی چوڑائی سات رات چلنے کے بقدر ہوگی۔ پس اس کی داڑھ اُحد پہاڑ کے برابر ہوگی اور ان کے ہونٹ ایسے ہوں گے جیسے پکی ہوئی سری جس کے دانت باہر نکل آئے ہوں اور ہونٹ سڑ گئے ہوں اور وہ کالے رنگ کے قبیح شکل والے ہوں گے۔

﴿۱۰۵﴾ ”الم تکن آیاتی تنطلی علیکم“ اس قرآن کے ذریعے ہم تمہیں ڈراتے ہیں۔ ”فکنتم بہا تکذبون“

﴿۱۰۶﴾ ”قالوا ربنا غلبت علينا شقوتنا“ حمزہ اور کسائی نے ”شقوتنا“ پڑھا ہے شین کے فتح کے ساتھ۔ اس میں دونوں لغات

جا رہے ہیں یعنی ہم نے تمہارے لیے بدبختی لکھ دی، پس تمہیں کوئی ہدایت نہیں دے گا۔ ”وَكُنَّا قَوْمًا ضَالِّينَ“ ہدایت سے بہرہ ور ہیں۔

﴿107﴾ ”رَبَّنَا اخْرِجْنَا مِنْهَا“ اس آگ سے ”فَانْ عَدْنَا“ اگر ہم دوبارہ اس کی طرف لوٹے۔ ”فَاِنَّا ظَالِمُونَ“

﴿108﴾ ”قَالَ اخْسِئُوا“ دور ہو جاؤ۔ ”فِيهَا“ جیسا کہ کتے کو دور کرنے کے وقت کہا جاتا ہے۔ ”اخْسِئُوا“ دُر ”ولا

تَكْلُمُونَ“ اور جو عذاب ہم نے تم پر کیے ہیں ان عذاب کو دور کرنے کی بات مت کرو یہ عذاب تم سے کبھی کم نہیں کیا جائے گا، اس کلام کے بعد وہ ہر قسم کی اُمید سے نا اُمید ہو جائیں گے اور ہمیشہ کے لیے مایوس ہو جائیں گے۔

## دوزخیوں کی پکار داروغہ جہنم کا جواب

حسن کا قول ہے کہ دوزخیوں سے یہ آخری کلام ہوگا۔ اس کے بعد وہ کلام نہ کر سکیں گے سوائے دم گھٹنے اور آہیں بھرنے کے اور کوئی بات نہ کر سکیں گے، کتوں کی طرح بھونکیں گے نہ خود بات سمجھیں گے نہ اپنی بات سمجھا سکیں گے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ دوزخی مالک کو پکاریں گے اور کہیں گے مالک۔ جہنم کا داروغہ چالیس سال ان کو جواب نہیں دے گا۔ چالیس سال کے بعد جواب دے گا اور کہے گا ”انکم ما کثون“ تم کو ہمیشہ یہیں رہنا ہے۔ یہ جواب ملنے کے بعد وہ اپنے رب کو پکاریں گے اور کہیں گے ”رَبَّنَا اخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عَدْنَا فَاِنَّا ظَالِمُونَ“ اللہ ان کو دنیا کی مدت سے دُغنی مدت تک کوئی جواب نہیں دے گا یوں ہی پڑا رہنے دے گا۔ اس مدت کے بعد جواب دے گا تو فرمائے گا ”اخْسِئُوا فِيهَا وَلَا تَكْلُمُونَ“ اس وقت وہ بالکل مایوس ہو جائیں گے اور کوئی بات نہیں کر سکیں گے، سوائے دم گھٹنے اور گرگڑ کرنے کے ایک کلمہ بھی ان کے منہ سے نہیں نکلے گا۔ قرطبی کا قول ہے کہ جب ان سے ”اخْسِئُوا فِيهَا وَلَا تَكْلُمُونَ“ کہا جائے گا تو ان کی ساری اُمیدیں کٹ جائیں گی اور ایک دوسرے کی طرف رُخ کر کے بھونکیں گے، اس وقت دوزخ اوپر سے بند کر دی جائے گی۔

إِنَّهٗ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْ عِبَادِي يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّحِيمِينَ ﴿١٠٧﴾

فَاتَّخَذْتُمُوهُمْ سَخِرِيًّا حَتَّىٰ أَنْسَوْكُمْ ذِكْرِي وَكُنْتُمْ مِنْهُمْ تَضْحَكُونَ ﴿١٠٨﴾ إِنِّي جَزَيْتُهُمُ

الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوا إِنَّهُمْ هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿١٠٩﴾ قُلْ كَمْ لَبِئْتُمْ فِي الْأَرْضِ عَدَدِ سِينِينَ ﴿١١٠﴾ قَالُوا لَبِئْنَا

يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسَلِّ الْعَادِينَ ﴿١١١﴾ قُلْ إِنْ لَبِئْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا لَّوْ أَنْتُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿١١٢﴾

﴿107﴾ میرے بندوں میں ایک گروہ تھا جو (ہم سے) عرض کیا کرتے تھے کہ اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لے آئے سو ہم کو بخش دیجئے اور ہم پر رحمت فرمائے اور آپ سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والے ہیں سو تم نے ان کا مذاق مقرر کیا تھا (اور) یہاں تک (اس کا مشغلہ کیا) کہ اس مشغلہ نے تم کو ہماری یاد بھی بھلا دی اور تم ان سے ہنسی کیا کرتے تھے میں نے ان کو آج ان کے صبر کا یہ بدلہ دیا کہ وہی کامیاب ہوئے ارشاد ہوگا کہ (اچھا یہ بتلاؤ)

کہ تم برسوں کے شمار سے کس قدر مدت زمین پر رہے ہو گے وہ جواب دیں گے کہ ہم ایک دن یا ایک دن سے بھی کم رہے ہوں گے اور سچ یہ ہے کہ ہم کو یاد نہیں) سو گنتے والوں سے پوچھ لیجئے ارشاد ہوگا کہ تم (دنیا میں) تھوڑی ہی مدت رہے (لیکن) کیا خوب ہوتا کہ تم (یہ بات دنیا میں) سمجھتے ہوتے

**التسبیح** ﴿۱۵﴾ ”انہ کان فریقاً من عبادی“ اس سے مراد مؤمنین ہیں۔ ”يقولون ربنا آمنة فاغفر لنا وارحمنا وانت خير الراحمين“ ﴿۱۶﴾ ”فاتخذتموهم سخویاً“ قراء الہدینہ حمزہ وکسائی نے سین کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اسی طرح سورۃ ص میں بھی پڑھا ہے اور باقی قراء نے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے اور سورۃ زخرف میں سب نے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ ظلیل نحوی کا قول ہے کہ اس میں دونوں لغات ہیں۔ جیسے کہ ”لجعی“ لام کے ضمہ اور ”لجعی“ لام کے کسرہ کے ساتھ۔ جیسے ”کو کب ڈری“ اور ”دری“ دونوں طرح پڑھا جاسکتا ہے۔ فراء اور کسائی کے نزدیک کسرہ کی صورت میں استہزاء بالقول والا معنی ہوگا اور ضمہ کی صورت میں اس کا معنی ہوگا اس کو روک دیا یا مجبور کر دیا۔ ایسے کام کا مکلف کیا جو وہ کرنا نہیں چاہتا۔

”حتیٰ انسوکم“ اس مشغلہ استہزاء نے تم کو ہماری یاد بھلا دی۔ ”ذکریٰ وکتتم منہم تضحکون“ اس کی نظیر یہ آیت ہے ”ان اللین اجرموا کانوا من اللین آمنوا یضحکون“ مقاتل نے کہا کہ اس آیت کا نزول فقراء صحابہ رضی اللہ عنہم کے متعلق ہوا جیسے عمار، حضرت صہیب، حضرت سلمان، حضرت جباب رضی اللہ عنہم۔ ان صحابہ کے متعلق کفار قریش استہزاء کرتے تھے۔

﴿۱۷﴾ ”انی جزیتہم الیوم بما صبروا“ تمہاری اذیتوں اور تمہاری اس استہزاء کی بنا پر جو انہوں نے دنیا پر کیا۔ ”انہم ہم الفانزون“ حمزہ اور کسائی نے ”انہم“ حمزہ کے زیر کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس صورت میں یہ جملہ مستانہ ہوگا۔ دوسرے قراء نے حمزہ کے فتح کے، اس صورت میں یہ مفعول ثانی ہوگا۔ یعنی آج کے دن ان کے صبر کے بسبب ان کو بدلہ دوں گا جو جنت کی صورت میں ہوگا۔

﴿۱۸﴾ ”قال کم لبثتم“ حمزہ اور کسائی کا قول ہے کہ یہ ”قل ان“ ہے، امر اور نہی کے معنی میں۔ آیت کا معنی یہ ہوگا کہ آپ کہیے اے کافرو! یہاں پر کلام کو واحد کے قائم مقام قرار دیتے ہیں۔ مراد اس سے جماعت ہے۔ جب اس کا معنی مفہوم ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ خطاب ان میں سے ہر ایک کو ہو۔ ”ای قل یا ایہا الکافرون“ ابن کثیر نے پڑھا ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ خبر ہے کیونکہ دوسرا جملہ اس کا جواب ہے اور دوسرے قراء نے ان دونوں کو ایسے ہی پڑھا ہے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کفار سے کہیں گے کہ تم کتنا عرصہ دنیا میں ٹھہرے ہو۔ ”طی الارض“ دنیا اور قبر میں ”عدد سنین“ ﴿۱۹﴾ ”قالوا لبنا یوماً او بعض یوم“ وہ دنیا میں رہنے کی مدت عذاب کے خوف کی وجہ سے بھول جائیں گے۔ ”فسئل العادین“ اس سے مراد فرشتے ہیں جو جہنم آدم کے اعمال کو لکھتے اور شمار کرتے ہیں۔ ﴿۲۰﴾ ”قال ان لبثتم“ جتنی مدت تم دنیا میں ٹھہرے۔ ”الا لیلایس کو قلیل اس وجہ سے کہا کہ اگرچہ دنیا میں کتنی مدت ہی وہ ٹھہرا ہے تو وہ قیامت و آخرت کے مقابلے میں دنیا کی مدت کو قلیل ہی سمجھیں گے اور قبر اس کا ملتجی ہے۔ ”لو انکم کتم تعلمون“ جتنی مقدار میں تم دنیا میں ٹھہرے ہو۔

أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ ﴿۲۱﴾ فَتَعَلَى اللَّهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ ﴿۲۲﴾ وَمَنْ يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهُ بِهِ فَإِنَّمَا حِسَابُهُ



عِنْدَرَبِّهِ ۛ أَنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ ﴿۱۶﴾ وَقُلْ رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ ﴿۱۷﴾

﴿۱۶﴾ ہاں تو کیا تم نے یہ خیال کیا تھا کہ ہم نے تم کو یونہی مہمل (خالی از حکمت) پیدا کر دیا ہے اور یا (خیال کیا تھا) کہ تم ہمارے پاس نہیں لائے جاؤ گے سو (اس سے کامل طور پر ثابت ہو گیا کہ) اللہ تعالیٰ بہت ہی عالیشان ہے جو کہ بادشاہ حقیقی ہے اس کے سوا کوئی بھی لائق عبادت نہیں (اور وہ) عرش عظیم کا مالک ہے اور جو شخص (اس امر پر دلیل قائم ہونے کے بعد) اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کی بھی عبادت کرے کہ جس (کے معبود ہونے) پر اس کے پاس کوئی بھی دلیل نہیں سو اس کا حساب اس کے رب کے ہاں ہوگا (جس کا نتیجہ لازمی یہ ہے کہ) یقیناً کافروں کو فلاح نہ ہوگی (بلکہ ابدالآباد معذب رہیں گے) اور آپ یوں کہا کریں کہ اے میرے رب (میرے خطائیں) معاف کر اور رحم کر اور تو سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔

﴿تفسیر﴾ ﴿۱۶﴾ ”افحسبتم انما خلقناکم عبثاً“ لہو و لعب کے لیے نہ کہ اس کی حکمت کے لیے منصوب ہے حال ہونے کی وجہ سے۔ بعض نے کہا کہ اس کو عبث پیدا نہیں کیا تا کہ تم اس میں کھیلو، کودو، بیکار زندگی گزارو جیسا کہ چوپایوں کو پیدا کیا گیا نہ ان کے لیے ثواب ہے اور نہ ہی عقاب (سزا)۔ یہ اس قول کے مثل ہے ”ایحسب الانسان ان یتروک سدى“ بلکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں عبادت کے لیے پیدا کیا اور اللہ تعالیٰ کے اوامر پر عمل کرنے اور نواہی سے بچنے کے لیے۔ ”وانکم الینا لا ترجعون“ کیا تم گمان کرتے ہو کہ آخرت میں تم کو ہماری طرف نہیں لوٹایا جائے گا، بدلہ لینے کیلئے۔ حزرہ، کسائی، یعقوب نے ”لا ترجعون“ پڑھا ہے۔ تاء کے فتح اور جیم کے کسرہ کے ساتھ۔

حضرت عبداللہ بن مہیرہ نے بخشش سے روایت نقل کی کہ ایک مجنون کو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس لایا گیا، آپ نے ان کے دونوں کانوں میں آیت ”افحسبتم انما خلقناکم“ آخر تک پڑھ کر دم کر دی، اللہ تعالیٰ نے اس کو اچھا کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرمایا، تم نے اس کے کانوں میں کیا دم کیا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے واقعہ عرض کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ اگر کوئی شخص اس کو پڑھ کر پہاڑ پر دم کر دے تو پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو اس چیز سے منزہ قرار دے دیا جس کی طرف مشرکین موصوف کرتے تھے۔

﴿۱۶﴾ ”فتعالی اللہ الملک الحق لا الہ الا هو رب العرش الکوریم“ اچھا ٹھکانا۔ بعض نے کہا کہ بلند مقام۔

﴿۱۷﴾ ”ومن یدع مع اللہ الہا اخر لا یرہان لہ بہ“ نہ اس کے پاس کوئی حجت ہے اور نہ ہی ان کے پاس کوئی دلیل ہے اس شرک کے دعویٰ میں۔ ”فانما حسابہ“ اس کا بدلہ ”عند ربہ“ اس کے عمل کا بدلہ اس کو دے گا۔ ”ثم ان علینا حسابہم“ ..... ”انہ لا یفلح الکافرون“ نہ تو وہ کوئی دلیل و حجت ان کے کام آئے گی اور نہ ہی ان کا جھوٹ

﴿۱۷﴾ ”وقل رب اغفر وارحم وانت خیر الراحمین“

## سُورَةُ النُّورِ

اس میں ۶۴ آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُورَةُ انزَلْنَاهَا وَفَرَضْنَاهَا وَاَنْزَلْنَا فِيهَا آيَاتٍ مَّ بَيِّنَاتٍ لِّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ①

یہ ایک سورت ہے جس کے الفاظ کو (بھی) ہم (ہی) نے نازل کیا ہے اور اس کے معنی یعنی احکام کو (بھی) ہم (ہی) نے مقرر کیا ہے اور ہم نے اس (سورت) میں صاف صاف آیتیں نازل کی ہیں تاکہ تم سمجھو اور عمل کرو۔

تفسیر ① ”سورۃ“ یہ سورت ”انزلنا و فرضناھا“ ابن کثیر ابو عمرو ”و فرضناھا“ راہ کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔

ہم نے وحی کے ذریعے سے تم پر جو احکام لاگو کیے ہیں ان پر عمل کرنا تمہارے لیے لازمی اور ضروری ہے۔ بعض اہل تفسیر کا قول ہے کہ ہم نے اس کے اندر حدود مقرر کر دی ہیں۔ اللہ عزوجل کا فرمان ”فنصف ما فرضتم“ ہم نے تمہارے لیے یہ حد مقرر کر دی ہے اور تخفیف کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ”ان الذی فرض علیک القرآن تشدید کی صورت ہو تو پھر اس کا معنی یہ ہوگا کہ ہم نے اس کو تمہارے لیے کھول کھول کر بیان کر دیا اور بعض نے کہا کہ ہو بمعنی فرض کے ہے جو ایجاب کے معنی میں ہے۔ تشدید تکثیر کے لیے ہے۔ اس صورت میں اس کا معنی یہ ہوگا کہ یہ تم پر اور تمہارے بعد قیامت تک آنے والے کے لیے ہم نے اس کو واجب کر دیا ہے۔ ”وانزلنا فیھا آیات بینات“ واضح دلالت ہیں۔ ”لعلکم تذکرون“ تاکہ تم ان سے نصیحت حاصل کرو۔

الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ

اللَّهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَيَشْهَدَ عَذَابُهُمَا طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ②

الزَّانِي لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً وَالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَا اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ وَحَرِّمَ

ذٰلِكَ عَلٰی الْمُؤْمِنِيْنَ ③

یہ زانیہ اور زانیہ کو ہر ایک کے سوا مارو اور تم لوگوں کو ان دونوں پر

اللہ تعالیٰ کے معاملے میں ذرا رحم نہ آنا چاہئے اگر تم اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو اور دونوں کو سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک کثیر جماعت کو حاضر رہنا چاہئے۔ زانی نکاح بھی کسی کے ساتھ نہیں کرتا بجز زانیہ یا مشرک کے اور (اسی طرح) زانیہ کے ساتھ بھی اور کوئی نکاح نہیں کرتا بجز زانی یا مشرک کے اور یہ (یعنی ایسا نکاح) مسلمانوں پر حرام (اور موجب گناہ) کیا گیا ہے اور۔

**تفسیر 2** ”الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ“ مراد اس سے جب وہ دونوں آزاد بالغ ہوں، عاقل ہوں، باکرہ ہوں اور شادی شدہ نہ ہوں تو پھر ہر ایک کو سو کوڑے مارے جائیں گے۔ کہا جاتا ہے جلدہ جب اس کی جلد پر مارا جائے۔ جیسا کہ اس کو کہا جاتا ہے اس کا سراور اس کا پیٹ جب اس کے سراور پیٹ پر مارا جائے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے ”فاجلدوا“ کہنے سے اشارہ ہے کہ صرف جلد بدن پر مارو، ایسا نہ مارو جو کھال کو اُدھیڑ کر گوشت تک پہنچ جائے۔ اسی بناء پر فقہاء کرام نے اس سے یہ مسئلہ معلوم کیا۔ اکثر اہل علم کا قول ہے کہ غیر شادی شدہ کو سو کوڑے اور ایک سال شہر بدر کرنا ہے اور اگر وہ شادی شدہ ہے تو اس کی سزا رجم ہے جس کا ذکر سورۃ نساء میں گزر چکا ہے۔ ”وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ“ یہ تمہارے لیے رحمت اور آسانی ہے۔ ابن کثیر نے ”رأفة“ الف کے ساتھ پڑھا ہے۔ سورۃ الحدید میں اس لفظ میں قراء کا اختلاف نہیں ہے۔ ”رأفة“ کا تعلق دل سے ہوتا ہے اس سے کوئی روکتا نہیں کیوں کہ یہ انسان کے اختیار میں نہیں ہے۔

## وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ كِي مَخْتَلَف تَفْسِير

عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنی باندی کو کوڑے لگائے جب اس نے زنا کیا تھا۔ آپ نے جلا دے فرمایا کہ اس کی پیٹھ اور ٹانگوں پر کوڑے مارو۔ آپ کے ایک بیٹے نے کہا ”لَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ“ حضرت عبداللہ نے فرمایا بیٹے اللہ نے مجھے یہ حکم نہیں دیا کہ میں اس کو قتل کر دوں، میں نے کوڑے مار دیئے اور درد پہنچا دیا۔

اس آیت کے معنی میں مفسرین کا اختلاف ہے 1 کہ تم لوگ ان دونوں پر نری اختیار نہ کرو کہ تم حدود قائم نہ کر سکو۔ یہی قول مجاہد، عکرمہ، عطاء، سعید بن جبیر، نخعی، شعبی کا قول ہے 2 اور ایک جماعت کا قول ہے کہ تم کو اللہ کے دین میں کوئی نری نہ پکڑ لے کہ ہلکی مارو، ایسا نہ کرو بلکہ درد ناک مارو۔ 3 امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جرم زنا اور تہمت زنا کی سزا دینے میں سختی کی جائے کیونکہ ان کی سزائیں کتاب اللہ میں مذکور ہیں اور شراب کی سزا میں سخت اختیار کی جائے کیونکہ شراب کی سزا صرف حدیث میں آئی ہے، قرآن مجید سے ثابت نہیں ہے۔ 4 قتادہ کا قول ہے کہ شراب خوری اور تہمت زنا کی سزا میں نری برتی جائے، زنا کی سزا جاری کرنے میں سختی سے کام لیا جائے۔ ”فِي دِينِ اللَّهِ“ اللہ کے حکم میں ”ان كنتم تؤمنون بالله واليوم الآخر“ اس کا معنی یہ ہے کہ مؤمن اللہ تعالیٰ کی حدود نافذ کرنے میں نری اختیار نہیں کرتا۔ جب اس کے سامنے اللہ تعالیٰ کا حکم آجائے۔ ”وليشهد“ چاہیے کہ تو حاضر ہو۔ ”علا بهما“ اس سے مراد ان دونوں کی حدود ہیں۔ جب اس پر قائم کی جائے۔

”طائفہ“ اس سے مراد جماعت ”من المؤمنین“ مجاہد اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہما نے فرمایا کہ کم از کم مقدار ایک فرد اور اس سے اوپر عکرمہ، عطاء نے کہا کہ دو مرد اور اس سے اوپر مراد ہیں۔ زہری اور قتادہ کا قول ہے کہ دو یا اس سے زائد کو طائف کہتے ہیں۔ امام مالک اور ابن زید نے طائفہ کی تعداد چار بتائی ہے کہ زنا پر گواہ چار ہونے چاہئیں۔

## زانی کی سزا کا بیان

③ ”الزانی لا ینکح الا زانیة او مشرکة والزانیة لا ینکحها الا زان او مشرکة وحرم ذلك علی المؤمنین“ علماء نے اس آیت کے معنی اور حکم میں اختلاف کیا ہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ جب مہاجر مدینہ میں آئے تو ان میں کچھ لوگ بالکل نادار تھے، کچھ مال و متاع نہ تھا اور قبیلہ والے موجود نہ تھے۔ مدینہ میں کچھ پیشہ ور عورتیں رہتی تھیں جو خود فروش تھیں اور اس زمانے میں مدینہ کے اندر سب سے زیادہ مالدار تھیں۔ کچھ نادار مہاجروں نے ان سے نکاح کرنا چاہا تا کہ ان کے بے سرمایہ لوگوں کے خرچ کی کفالت وہ عورتیں کر لیں۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی اجازت طلب کی۔ اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں جس کا مطلب یہ ہے کہ ان پیشہ ور عورتوں سے نکاح کرنا مومنوں کے لیے حرام کر دیا گیا ہے کیونکہ وہ مشرک ہیں۔ یہ قول مجاہد، عطاء بن ابی الربیع، قتادہ، زہری اور شعبی کا قول ہے اور عوفی کی روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی یہی قول آیا ہے۔

عکرمہ کا بیان ہے کہ اس آیت کا نزول مکہ اور مدینہ کی چند عورتوں کے حق میں ہوا جن میں سے نو عورتوں کے جھنڈے پیشہ ور عورتوں کی طرح لگے ہوئے تھے جن سے ان کی شناخت ہو جاتی تھی۔ ان میں سے ایک عورت تھی اُم مزول یہ سائب بن ابی السائب مخزومی کی باندی تھیں۔ جاہلیت کے زمانے میں لوگ زنا کار عورتوں سے نکاح کر لیتے تھے۔ پھر ان کی کمائی کھاتے تھے۔ کچھ مسلمانوں نے بھی ان عورتوں سے اسی طور پر نکاح کرنے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ ایک مسلمان نے اُم مزول سے نکاح کرنے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی، اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا کہ ایک شخص جس کا نام مرشد بن ابی المرشد غنوی تھا۔ وہ قیدیوں کو مکہ سے اٹھا کر مدینہ پہنچاتا تھا اور مکہ میں ایک باغی عورت تھی، اس کو عناق کہا جاتا تھا اور وہ اس کی زمانہ جاہلیت میں دوست تھی۔ جب وہ مکہ میں آتا تو وہ اس کو اپنے ہاں بلاتی۔ اس پر مرشد نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے زنا حرام قرار دیا ہے۔ اس نے کہا کہ تم میرے ساتھ نکاح کر لو۔ انہوں نے کہا کہ میں اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لوں؟ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا میں عناق سے نکاح کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے کوئی جواب نہیں دیا حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی ”والزانیة لا ینکحها الا زان او مشرکة“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلوایا اور اس آیت کو میرے سامنے تلاوت کی اور مجھے کہا کہ تم اس کے ساتھ نکاح نہ کرنا، ان لوگوں کے نزدیک یہ تحریم خاص انہی لوگوں کے لیے تھی نہ کہ تمام لوگوں کے ساتھ۔

بعض نے کہا کہ آیت میں نکاح سے مراد جماع ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ زانی زانیہ سے یا مشرک سے اور زانیہ زانیہ سے نہیں کرتی مگر زانی مشرک سے یہ تفسیر سعید بن جبیر، ضحاک بن مزاحم کا ہے اور ابھی نے اس قول کی نسبت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف کی ہے۔ زید بن ہارون نے کہا کہ مراد یہ ہے کہ زانی اگر زانیہ سے جماع کو حلال سمجھ کر کرتا ہے تو وہ مشرک ہے اور اگر حرام سمجھ کر کرتا ہے تو وہ زانی ہے۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ زانیہ عورت سے نکاح کو حرام قرار دیتے تھے اور یہ ارشاد فرماتے ہیں۔ جب زانی زانیہ سے نکاح کر لیتا ہے تو ہمیشہ کے لیے دونوں زانی رہتے ہیں۔ حسن کا قول ہے کہ سزا یافتہ زانی نکاح نہیں کرتا یا نکاح نہ کرے مگر سزا یافتہ زانیہ سے اور سزا یافتہ زانیہ سے نکاح نہیں کرتا یا نکاح نہ کرے مگر سزا یافتہ زانی۔

سعید بن مسیب اور اہل تفسیر کی ایک جماعت کا قول آیا ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے۔ اسی آیت کی وجہ سے زانیہ سے نکاح حرام تھا لیکن جب یہ آیت ”وانکحوا الایامی منکم“ نازل ہوئی تو اس سے حرمت مذکورہ منسوخ ہو گئی۔ لہذا زانیہ بھی ایامی میں داخل ہے اس لیے اس سے نکاح جائز ہے۔ یہ لوگ اس سے استدلال کرتے ہیں۔

وہ یہ روایت ہے جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ یا رسول اللہ میری بیوی کسی چھونے والے یا طلبگار کے ہاتھ کو فوج نہیں کرتی۔ فرمایا تو اس کو طلاق دے دے۔ اس شخص نے کہا وہ خوبصورت ہے مجھے اس سے محبت ہے۔ فرمایا تو اس کو اپنے پاس رکھ۔ دوسری روایت میں اس طرح آیا ہے کہ تو ایسی حالت میں اسے اپنے پاس روکے رکھ۔ روایت میں آتا ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے زنا کے سلسلہ میں ایک مرد اور ایک عورت کو پٹوایا اور ان کو ترغیب دی کہ دونوں میں نکاح ہو جائے لیکن مرد نے انکار کر دیا۔

وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا وَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ④ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْكُمْ بَعْدَ ذَلِكَ وَأَصْلَحُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ⑤ وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَرْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ ⑥ وَالْخَامِسَةُ أَنَّ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَيْهِ إِنْ كَانَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ⑦

جو لوگ (زنا) کی تہمت لگائیں پاکدامن عورتوں کو اور پھر چار گواہ (اپنے دعویٰ پر) نہ لائیں تو ایسے لوگوں کو اسی درجے لگاؤ اور ان کی کوئی گواہی کبھی قبول مت کرو (یہ دنیا میں ان کی سزا ہوئی) اور یہ لوگ (آخرت میں بھی مستحق سزا ہیں اس وجہ سے کہ) فاسق ہیں لیکن جو لوگ اس (تہمت لگانے) کے بعد (خدا کے سامنے) توبہ کر لیں اور اپنی (حالت کی) اصلاح کر لیں سو (اس حالت میں) اللہ تعالیٰ ضرور مغفرت کرنے والا رحمت کرنے والا ہے اور جو لوگ

اپنی (منکوحہ) بی بی کو (زنا کی) تہمت لگائیں اور ان کے پاس بجز اپنے (ہی دعویٰ کے) اور کوئی گواہ نہ ہوں (جن کو عدد میں چار ہونا چاہئے) تو ان کی شہادت (جو کہ دفع جہس یا حد قذف ہو) یہی ہے کہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر یہ کہہ دے کہ بیشک میں سچا ہوں اور پانچویں بار یہ کہے کہ مجھ پر خدا کی لعنت ہو اگر میں جھوٹا ہوں

﴿تفسیر﴾ ④ ”والذین یرمون المحصنات ثم لم یأتوا باربعة شهداء فاجلدوہم ثمانین

جلدة“ اس سے زنا کی تہمت ہے۔

## زنا کی تہمت لگانے والے کی سزا کا بیان

ہر وہ شخص جو کسی شادی شدہ یا غیر شادی شدہ پر زنا کی تہمت لگائے اور اس کو یوں کہے۔ تو نے زنا کیا یا کہہ اے زانی! تو اس پر اسٹی (۸۰) کوڑے لگائے جائیں گے اگر وہ آزاد ہو اور اگر غلام ہو تو اس کو چالیس کوڑے مارے جائیں گے اور اگر مقذوف شادی شدہ نہ ہو تو پھر قذف پر تعزیر لگائی جائے گی۔ احسان کی پانچ شرائط ہیں۔ مسلمان ہونا، عاقل، بالغ، آزاد اور زنا سے پاک ہونا۔ حتیٰ کہ اگر اس نے بلوغت کے ابتدائی دنوں میں زنا کر لیا، پھر اس نے توبہ کر لی اور اس کی توبہ سے اس کی زندگی بدل گئی اور اس کی عمر طویل ہو گئی تو پھر اس پر حد جاری نہیں کی جائے گی۔

اور اگر مقذوف نے اس کی تہمت کو سچا کہا اس طور پر کہ اس نے زنا کا اقرار کر لیا یا تہمت لگانے والے نے چار گواہ حاضر کر دیئے تو پھر قذف سے حد ساقط ہو جائے گی کیوں کہ اس پر حد واجب ہوتی ہے اس کی جھوٹی تہمت لگانے سے اس کا صدق ثابت ہو گیا۔ ”والذین یرمون المحصنات“ جو محصنات پر زنا کی تہمت لگاتے ہیں۔ یعنی آزاد مسلمان پاک دامن عورت پر اور وہ چار گواہ بھی پیش نہ کر سکے، ان کے زنا پر تو پھر ان تہمت لگانے والوں کو اسٹی (۸۰) کوڑے لگاؤ۔ ”ولا تقبلوا لہم شہادۃ ابداء و اولئک ہم الفاسقون“

## کیا جھوٹی تہمت لگانے والے کی گواہی قابل قبول ہوگی یا نہیں

⑤ ”الا الذین تابوا من بعد ذلک واصلحوا فان اللہ غفور رحیم“ اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ جھوٹی تہمت لگانے والے توبہ کے بعد اس کی شہادت قابل قبول ہوگی یا نہیں۔ اس بناء پر بعض حضرات کا قول ہے کہ قذف کی گواہی نفس قذف کی وجہ سے رد کی جائے گی لیکن جب اس نے توبہ کی اور اپنے فعل پر تادم ہوا اور اس کے بعد اس کی حالت اچھی ہو گئی تو اس کی گواہی قبول کر دی جائے گی۔ خواہ اس نے حد لگنے کے بعد توبہ کی ہو یا حد لگنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے ”الا الذین تابوا“ یہاں پر استثنیٰ شہادت کے رد ہونے کی طرف لوٹ رہی ہے اور فسق کی طرف۔ توبہ کے بعد اس کی شہادت قبول کر لی جائے گی اور فسق والا الزام بھی ختم ہو جائے گا۔ یہ ابن عمر رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے



اور سعید بن جبیر، مجاہد، عطاء، طاؤس، سعید بن المسیب، سلیمان بن یسار، شععی، عکرمہ، عمر بن عبدالعزیز اور زہری کا قول ہے اور امام مالک و شافعی رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے۔

دوسرے حضرات کی اس مسئلہ میں یہ رائے ہے کہ ”محدود فی القذف“ کی گواہی کبھی بھی قبول نہیں کی جائے گی۔ اگرچہ اس نے توبہ بھی کر لی ہو۔

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ یہاں استثنیٰ ”واولئك هم الفاسقون“ سے ہے یہ قول امام شافعی، شریح اور اصحاب الرائے کا ہے۔ انہوں نے کہا کہ نفس قذف کے ذریعے اس کی شہادت رد نہیں کی جائے گی۔ جب تک کہ اس پر حد نہ جاری کر دی گئی ہو۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ حد لگنے سے پہلے اس میں شر تھا لیکن جب اس پر حد جاری کر دی گئی تو وہ اس کے لیے کفارہ بن گئی تو پھر کیسے اس کی گواہی، اس کی اچھی حالت ہونے کے وقت اس کو رد کر دیا جائے گا اور کیسے اس کی گواہی قبول کی جاسکتی ہے، جب اس پر حد نہ جاری کر دی ہو۔

شععی کا قول ہے کہ حد قذف محض توبہ سے ساقط ہو جاتی ہے۔ وہ کہتے ہیں اس آیت میں استثنیٰ کل کا کل کے ساتھ ہے اور عام علماء کا قول یہ ہے کہ یہ توبہ سے ساقط نہیں ہوتی۔ البتہ جس پر تہمت لگائی ہے وہ اس کو معاف کر دے تو پھر معافی ہو سکتی ہے۔ جیسے قصاص معاف کرنے سے ساقط ہو جاتا ہے لیکن توبہ سے ساقط نہیں ہوتا۔

## شبه اور اس کا ازالہ

سوال یہ ہوتا ہے کہ جب اس کی شہادت توبہ کے بعد قبول ہو جاتی ہے تو پھر آگے ”ابداً“ کا کیا مطلب ہوگا؟ جواب یہ ہے کہ اس کی شہادت ہمیشہ کے لیے قبول نہیں کی جائے گی۔ جب تک کہ وہ اس جھوٹی تہمت پر مصر رہے لیکن جب وہ مصر نہیں رہا تو توبہ کر لی تو پھر اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی۔ جیسا کہ کافر کے لیے کہا جاتا ہے کہ اس کی گواہی کبھی قبول نہیں ہوتی اس سے مراد یہ ہے کہ جب تک کہ وہ اپنے کفر پر قائم رہے گا اس وقت تک اس کی گواہی قبول نہیں ہوگی۔

⑥ ”والذین یرمون أزواجہم“ جو ان لوگوں کی بیویوں پر تہمت لگاتے ہیں۔ ”ولم یکن لہم شہداء“ جو ان کے قول کے صحیح ہونے پر گواہی نہیں دیتے۔ ”الا انفسہم“ مگر اپنے آپ کے علاوہ کوئی اور گواہ نہیں پاتے۔ ”فشہادۃ احدہم اربع شہادات باللہ انہ لمن الصادقین“ حمزہ، کسائی، حفص، یعقوب نے ”اربع شہادات“ میں کسائی کے رفع کے ساتھ مبتداء ہونے کی وجہ سے پڑھا ہے۔ ”فشہادۃ احدہم التی تدرأ الحد اربع شہادات“ دوسرے قراء نے نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس صورت میں عبارت اس طرح ہوگی ”فشہادۃ احدہم ان یشہد اربع شہادات باللہ انہ لمن الصادقین“

⑦ ”والخامسة ان لعنة اللہ علیہ ان کان من الکاذبین“ نافع اور یعقوب نے ”ان“ تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اور اسی طرح دوسرا ”ان“ بھی پڑھا ہے۔ یعقوب نے یہاں لعنۃ اللہ کی جگہ غضب اللہ پڑھا ہے رفع کے ساتھ اور نافع نے غضب

ضاد کے کسرہ کے ساتھ اور باء کے فتح کے ساتھ لفظ (اللہ) کو مرفوع پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے ”أَنَّ“ تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ ”لعنة“ نصب کے ساتھ غضب ضاد کے فتح کے ساتھ۔ ”ان“ کا اسم ہونے کی وجہ سے۔

”والخامسة“ دوسرا منصوب ہے گواہی دینے والا پانچویں مرتبہ گواہی دے گا، دوسرے قراء نے اس کو مرفوع پڑھا ہے مبتداء ہونے کی وجہ سے اور اس کی خبر پہلے کی طرح ہے۔

## شان نزول اور عویر عجلانی کا واقعہ

اس آیت کا سبب نزول یہ ہے کہ عویر عجلانی سے روایت ہے کہ عاصم بن عدی الانصاری کے پاس آئے۔ ان سے کہا کہ اے عاصم! اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے پاس کسی کو دیکھے تو کیا وہ اس کو قتل کر دے؟ انہوں نے کہا ہاں میں اس کو قتل کر دوں گا۔ اس پر انہوں نے کہا کہ یہ کیسے کر سکتے ہو؟ اے عاصم! آپ اس کے بارے میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت فرمائیں۔ حضرت عاصم نے اس کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو ناپسندیدہ جانا اور عاصم پر اللہ اکبر کہا اور میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ نہیں سنا۔ جب عاصم اپنے گھر کی طرف لوٹے۔ عویر عجلانی آئے اور انہوں نے ان سے پوچھا، عاصم کہنے لگے کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اچھی خبر لے کر نہیں آیا۔

میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسئلہ کو اچھا نہیں جانا۔ اس پر عویر عجلانی نے کہا کہ میں ہرگز اس وقت تک چین کے ساتھ نہیں بیٹھوں گا جب تک کہ اس مسئلہ کے متعلق میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ نہ لوں۔ عویر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے درمیان تشریف فرما تھے۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! اگر کوئی شخص اپنے گھر والوں کے ساتھ اجنبی شخص کو دیکھے تو کیا اس کو وہ قتل کر دے؟ تو اس کو اس کے بدلے میں قتل کیا جائے گا یا نہیں؟ یا کیسے اس کے ساتھ کرے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تیرے اور تیرے ساتھی کے متعلق آیت نازل ہوگی تو میرے پاس آ جانا۔ اہل فرماتے ہیں کہ ان دونوں کے درمیان لعان کیا گیا اور میں ان کے درمیان موجود تھا۔ جب وہ دونوں لعان سے فارغ ہوئے تو عویر نے کہا اے اللہ کے رسول! اس نے جھوٹ بولا ہے۔ اگر میں اس کو اپنے پاس روکے رکھوں گا تو اس کو تین طلاقیں دے دوں گا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم دینے سے پہلے۔ پہلا قول امام مالک اور ابن شہاب رحمہما اللہ کا ہے۔ دونوں میاں بیوی کے درمیان لعان کرنے کا۔ یہی طریقہ رائج ہو گیا۔

محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسی طرح آگے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ذرا اس کو دیکھتے رہنا، اگر اس عورت کا بچہ پیدا ہو اور وہ سانولا، سیاہ چشم بھاری سرینوں والا اور گداز پندلیوں والا ہو تو میرا خیال ہو جائے گا کہ عویر نے سچ کہا تھا اور اگر اسی کی طرح سرخ رنگ کا ہو تو میں سمجھوں گا کہ عویر نے اس عورت پر دروغ باندھی کی۔ چنانچہ جب بچہ پیدا ہوا تو ایسا ہی تھا جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کے مطابق عویر کی سچائی ظاہر ہوتی تھی۔ چنانچہ آئندہ اس بچہ کا نسب ماں سے ملایا جاتا۔

## ہلال بن امیہ کا واقعہ

بروایت عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان نقل کیا ہے کہ ہلال بن امیہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی بیوی شریک بن حماء پر زنا کی تہمت لگائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شرعی گواہ پیش کرو ورنہ کوڑے مارے جائیں گے۔ ہلال نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر کوئی شخص کسی کو اپنی بیوی پر دیکھے تو کیا گواہوں کو تلاش کرنے جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گواہ یا پھر تمہاری پشت پر کوڑے۔ ہلال نے کہا تم ہے اس کی جس نے آپ کو برحق نبی بنا کر بھیجا ہے۔ میں بلا شک و شبہ سچا ہوں، اللہ ضرور کوئی حکم ایسا نازل فرمائے گا جس سے میری پشت کوڑوں سے بچ جائے گی۔ اس وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام آیات ذیل لے کر نازل ہوئے۔ ”واللذین یرمون ازواجہم“ یہ آیت پڑھی۔ یہاں تک کہ ”ان کان من الصادقین تک تلاوت فرمائی۔

حسب الحکم ہلال آئے اور انہوں نے شہادت دی یعنی لعان کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم برابر فرماتے رہے کہ اللہ جانتا ہے کہ تم دونوں میں سے ایک جھوٹا ہے تو کیا تم دونوں میں سے کوئی ایک اپنے قول سے رجوع کر لے گا۔ ہلال کی شہادت کے بعد عورت کھڑی ہوئی اور اس نے شہادت دی یعنی لعان کیا۔ جب پانچویں شہادت کا نمبر آیا تو لوگوں نے اس کو روکا اور کہا یہ شہادت فیصلہ کر دینے والی ہے، عورت ذرا جھجکی اور مڑی یہاں تک کہ ہمارا خیال ہوا کہ یہ شہادت سے لوٹ جائے گی۔ پھر کہنے لگی میں اپنے خاندان کو آئندہ ہمیشہ کے لیے رسوا نہیں کروں گی۔ چنانچہ اس نے شہادت جاری رکھی۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، دیکھتے رہنا، اگر اس کا بچہ پیدا ہوا اور آنکھیں سرگیں ہوں، سرین بھاری ہو اور پنڈلیاں گداز ہوں تو خیال کر لینا کہ وہ شریک بن حماء کا ہے۔ چنانچہ جب بچہ پیدا ہوا تو وہ ایسا ہی تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر کتاب اللہ کا فیصلہ نازل نہ ہوا ہوتا تو پھر میں اس بچہ کو عورت کی طرف منسوب کرتا۔

عکرمہ نے بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی ”واللذین یرمون المحصنات“ تو انصار کے سردار سعد بن عبادہ نے عرض کیا (کیا) اسی طرح یہ آیت نازل ہوئی ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اے گروہ انصار سن رہے ہو، تمہارے سردار کیا کہہ رہے ہیں۔ نزل آیت میں شبہ ہے، انصار نے عرض کیا یا رسول اللہ! ان کو آپ برانہ کہیں، یہ بڑے غیرت مند آدمی ہیں، بخدا انہوں نے ہمیشہ کنواری سے نکاح کیا اور نہ ہی اپنی کسی بیوی کو طلاق دی۔ ان کی اسی شدت غیرت کی وجہ سے ہم میں سے کوئی شخص جرأت نہیں کر سکتا کہ اس سے نکاح کرے۔ حضرت سعد نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ بخدا یہ تو میں ضرور جانتا ہوں کہ یہ آیت حق ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہے لیکن مجھے اس بات پر تعجب ہے کہ میں بدکار عورت کو اس حالت میں دیکھوں کہ کوئی شخص اسے اپنی رانوں میں دبائے ہوئے ہے تو مجھے یہ بھی اجازت نہیں کہ میں اس کو اس کی جگہ سے ہلا سکوں۔ جب تک چار گواہ لا کر ان کو آنکھوں سے دکھانہ دوں۔ خدا کی قسم! جب تک میں گواہ لاؤں گا تو وہ شخص اپنا کام کر کے چل دے گا۔ اس واقعہ کو زیادہ مدت نہیں گزری تھی۔

کہ ہلال بن امیہ کا قصہ ہو گیا۔ حضرت ہلال ان تینوں میں سے ایک تھے جن کی توبہ قبول ہونے کی صراحت آئی تھی۔ ان کا واقعہ یوں ہوا کہ حضرت ہلال رات کو اندھیرا پڑے اپنی زمین سے واپس آئے، آ کر دیکھا کہ کوئی شخص ان کی بیوی کے پاس موجود ہے۔ آپ نے اپنی آنکھوں سے ان کی حرکت دیکھی اور اپنے کانوں سے ان کی باتیں سنیں لیکن اس شخص کو متنبہ نہیں کیا۔ صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا، میں اندھیرا پڑے گھر آیا تو میں نے اپنی بیوی کے پاس ایک آدمی کو دیکھا، اپنی آنکھوں سے اور اپنے کانوں سے ان کی باتیں سنیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ناگوار محسوس ہوئی اور بہت بار گزری۔ دوسری طرف انصار جمع ہوئے اور انہوں نے کہا سعد بن عبادہ کے قول نے ہم کو آزمائش میں ڈال دیا۔ اب ہلال بن امیہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوڑے لگوائیں گے اور لوگوں میں ان کی شہادت کو باطل قرار دیں گے۔ ہلال نے کہا خدا کی قسم! مجھے امید ہے کہ اللہ میرے لیے اس سے رہائی کا کوئی راستہ ضرور نکال دے گا۔

ادھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوڑے لگوانے کا ارادہ کر ہی رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہونے لگی۔ دورانِ وحی تمام اصحاب خاموش ہو گئے۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحی سے فارغ ہونے تک اور کچھ دیر کے رہے۔ یہ آیات نازل ہوئیں ”واللین یرمون ازواجہم“ آخر آیت تک۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، خوشخبری ہو، ہلال اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے کشائش پیدا کر دی ہے۔ ہلال نے کہا مجھے اللہ سے اس کی امید تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت کو بلواؤ حسبِ الحکم عورت حاضر ہوئی، جب دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اکٹھے ہوئے تو عورت سے کہا گیا عورت نے ہلال کے قول کو جھوٹا قرار دے دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ یقیناً جانتا ہے کہ تم دونوں میں سے ایک جھوٹا ہے تو کیا تم دونوں میں سے کوئی اپنے بیان سے رجوع کرنے والا ہے۔ ہلال نے کہا اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ قربان، میں سچ کہہ چکا اور میں نے حق بات کہی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ان دونوں کے درمیان لعان کر دو۔

حسبِ الحکم ہلال سے کہا گیا شہادت دو، ہلال نے چار بار اللہ کی قسم کھا کر کہا میں یقیناً سچا ہوں، پانچویں شہادت کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہلال سے فرمایا، ہلال اللہ سے ڈرو، دنیاوی عذاب آخرت کے عذاب سے آسان ہے اور اللہ کا عذاب لوگوں کے عذاب سے بہت زیادہ سخت ہے اور یہ پانچویں شہادت واجب کر دینے والی ہے۔ اگر تو جھوٹا ہے تو عذاب کو تجھ پر واجب کر دے گی۔ ہلال نے کہا خدا کی قسم! اس شہادت پر مجھے عذاب نہیں دے گا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر میرے کوڑے نہیں ماریں گے۔ اس کے بعد پانچویں شہادت میں ہلال نے کہا کہ اللہ کی لعنت مجھ پر، اگر میں جھوٹا ہوں۔ پھر پانچویں شہادت کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو روکا اور فرمایا، اللہ سے ڈر، پانچویں شہادت یقیناً واجب کر دینے والی ہے اور اللہ کا عذاب لوگوں کے عذاب سے زیادہ سخت ہے۔ یہ سن کر تھوڑی دیر کے لیے عورت رُک گئی اور اقرار کرنے کا ارادہ کیا لیکن پھر کہنے لگی خدا کی قسم! میں اپنے خاندان کو رسوا نہیں کروں گی۔ چنانچہ اس نے پانچویں شہادت دے دی اور کہا اللہ کا مجھ پر غضب ہو، اگر وہ ہلال سچا ہو۔ آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو الگ کر دیا اور فیصلہ کر دیا کہ بچا اگر ہوتا

تو عورت کا ہوگا، باپ کی طرف سے اس کی نسبت نہیں کی جائے گی لیکن بچہ کو ولد حرام نہیں کہا جائے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ اگر بچہ ایسا ایسا ہو تو شوہر کا ہوگا اور اگر ایسا ایسا ہو تو وہ اس شخص کا ہوگا جس کا نام لیا گیا ہے۔ چنانچہ جب بچہ پیدا ہوا تو خاکستری رنگ کے اونٹ کی طرح بد شکل تھا جو آئندہ زندگی میں مصر کا حاکم بنا لیکن وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ میرا باپ کون ہے۔

تمام روایات میں ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مقاتل کے نزدیک جب یہ آیت نازل ہوئی ”والذین یرمون المحصنات“ پھر اس کو جمعہ کے دن منبر پر کھڑے ہو کر سنائی تو عاصم بن عدی انصاری نے اُنھ کو عرض کیا، یا رسول اللہ! اللہ مجھے آپ پر قربان کر دے، اگر ہم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی کو دیکھ لے اور جو کچھ دیکھا ہے اس کو بیان کر دے تو اس کو اتسی (۸۰) کوڑے مارے جائیں گے اور مسلمان اس کو فاسق کہیں گے اور آئندہ اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ ہم گواہ اس وقت کہاں سے لاسکتے ہیں۔ گواہوں کی تلاش میں جائیں گے تو اتنے وقت میں وہ شخص اپنے کام سے فارغ ہو کر جا چکا ہوگا۔ انہی عاصم کے ایک چچا زاد بھائی تھے جن کا نام عویر تھا اور عویر کی بیوی خولہ بنت قیس بن محسن تھیں۔ عویر عاصم کے پاس پہنچے اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کے پیٹ پر سوار خود شریک بن سچا کو دیکھا۔ عاصم نے ”اَنَا لِلّٰهِ وَاَنَا اِلَيْهِ راجعون“ پڑھا اور آئندہ جمعہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا، یا رسول اللہ، گزشتہ جمعہ کو جو بات میں نے عرض کی تھی اس میں جتلا میرے ہی خاندان کا ایک شخص ہو گیا۔ عویر، خولہ اور شریک سب عاصم کے بنی عم تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو طلب فرمایا اور عویر سے ارشاد فرمایا وہ تیری بیوی اور تیرے چچا کی بیٹی ہے، اللہ سے ڈر اس سے بہتان نہ باندھ، عویر نے عرض کیا، یا رسول اللہ! عویر بڑا غیرت مند آدمی ہے اس نے دیکھا کہ میں اور شریک دیر تک بیدار رہتے اور باہم باتیں کرتے رہتے، اس کو غیرت آئی اور غیرت نے اس سے وہ بات کہلوائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شریک سے فرمایا، تیرا کیا بیان ہے؟ اس نے کہا جو عورت کہہ رہی ہے وہی میں کہتا ہوں، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منادی کو حکم دیا کہ ”الصلوة جامعة“ کی ندا کر دے۔ منادی نے ندا کر دی، لوگ جمع ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز پڑھی۔ پھر عویر کو فرمایا اُنھ اور کھڑا ہو کر اللہ کو گواہ کر کے کہہ کہ خولہ زانیہ ہے اور میں یقیناً بلاشبہ سچا ہوں۔ عویر نے کھڑے ہو کر یہی شہادت دی۔ عویر نے کہا کہ پھر دوسری شہادت میں عویر نے کہا میں اللہ کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے شریک کو خولہ کے پیٹ پر دیکھا اور میں بلاشبہ سچا ہوں اور پھر تیسری شہادت میں عویر نے کہا کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ اس عورت کا جو حمل ہے وہ میرا نہیں کسی اور کا ہے اور میں سچا ہوں۔ پھر چوتھی شہادت میں عویر نے کہا میں اللہ کو شاہد جان کر کہتا ہوں کہ میں نے چار مہینے سے اس سے قربت نہیں کی اور بلاشبہ میں سچا ہوں۔ پھر پانچویں مرتبہ عویر نے کہا اگر عویر اس بات میں جھوٹا ہو تو اس پر خدا کی لعنت ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خولہ سے فرمایا کھڑی ہو، خولہ کھڑی ہوئی اور اس نے کہا میں خدا کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ میں زانیہ نہیں ہوں اور عویر جھوٹا ہے۔ پھر دوسری شہادت میں خولہ نے کہا میں خدا کی قسم کی کھا کر کہتی ہوں کہ عویر نے شریک کو میرے پیٹ پر نہیں دیکھا اور عویر جھوٹا ہے۔ پھر

تیسری شہادت میں عورت نے کہا میں عویر سے حاملہ ہوں اور یہ جھوٹا ہے۔ پھر چوتھی شہادت میں عورت نے کہا عویر نے کبھی مجھے زنا کی حالت میں جتلا نہیں دیکھا اور یہ جھوٹا ہے۔ پھر پانچویں شہادت میں اس نے کہا اگر عویر اس قول میں سچا ہو تو خولہ پر اللہ کا عذاب ٹوٹے۔ تکمیل شہادت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو الگ کر دیا اور فرمایا، اگر یہ قسمیں نہ ہوتیں تو اس وقت اس عورت کے معاملے میں کچھ رائے ہوتی، پھر لوگوں سے فرمایا بچے کی پیدائش کے وقت کو دیکھتے رہو، اگر بچے کے دونوں آبرو کشادہ ہوں، دونوں میں فاصلہ ہو، بال بھورے ہوں، رنگ مائل باسرخی ہوں تو وہ شریک بن سچا ہے اور اگر رنگ خاکستری ہو، بال گھنگھریالے ہوں، اعضاء کے جوڑا ونٹ کی طرح ہوں تو سمجھو کہ وہ اس شخص کا نہیں ہے جس کی طرف زنا کی نسبت کی گئی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا خولہ کا بچہ پیدا ہو تو وہ شریک سے بہت زیادہ مشابہ تھا۔

## محصن وغیر محصن کی سزا کا حکم

اس آیت کے حکم میں فقہاء کے مختلف اقوال ہیں کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے تو اس کو اجنبی شخص کے تہمت لگانے کی طرح حد لگائی جائے گی اگر وہ محصن ہو اور اگر وہ محصن نہ ہو تو پھر اس کو تہمیر لگائی جائے گی اور اگر کوئی اجنبی تہمت لگائے اس پر حد قائم کی جائے گی۔ ہاں اگر وہ چار گواہ حاضر کر دے زنا پر تو پھر اس سے حد ساقط ہو جائے گی اور اگر مقدمہ اقرار کر لے کہ میں نے زنا کیا تو پھر بھی قاذف پر حد نہیں لگے گی۔

اگر یہ معاملہ زوجین کا ہو تو پھر ان دونوں میں لعان کرادی جائے گی اور اس سے حد ساقط ہو جائے گی۔ زوجہ پر لعان کرنا یہ بمنزلہ گواہوں کے ہے کیونکہ کوئی شخص اگر اپنی بیوی کے ساتھ غیر مرد کو دیکھے تو اس وقت اس کے لیے گواہ تلاش کرنا ممکن نہیں اور اس عار پر صبر کرنا بھی ممکن نہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی حجت پوری کرنے کے لیے اور اس کے سچ کو ثابت کرنے کے لیے لعان کا حکم دیا۔ اللہ عز و جل فرماتے ہیں ”فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ“ جب شوہر بیوی کے اوپر زنا کے گواہ پیش کر لے یا وہ اقرار زنا کر لے تو پھر اس سے حد ساقط ہو جائے گی اور لعان بھی نہیں ہوگی۔

الایہ کہ یہاں پر اس کا کوئی بچہ ہو جو خاوند کے مشابہ ہو جو اس کے لعان کی نفی قرار دے اور جب امام اس بات کا ارادہ کرے کہ ان دونوں کے درمیان لعان کرے وہ شوہر کو بلائے اور کلمات لعان اس سے کہلوائے اور وہ یہ الفاظ کہے ”قل اشهد باللہ انی لمن الصادقین فیما رمیت بہ فلانة بالزنا“ اور اگر عورت نے خاوند پر تہمت لگائی تو اس چیز کا نام لے گی کہ میں نے اس کو اپنی آنکھوں کے ساتھ دیکھا اور اگر اس پر کسی جماعت نے زنا کی تہمت لگائی تو اس جماعت کا نام لیا جائے گا۔ شوہر وہی الفاظ کہے گا جس کی تلقین قاضی یا جج کرے گا۔ اگر اس کی بیوی کو حمل ہو یا لڑکا ہو تو اس کی نفی کا ارادہ کرنا چاہے تو ان الفاظ میں کرے گا کہ اگر اس کا حمل ہے تو زنا کا ہے، وہ مجھ سے نہیں ہے اور پانچویں مرتبہ کہے گا کہ ”علی لعنة اللہ ان كنت من الکاذبین فیما رمیت فلانة“ مجھ پر لعنت ہو، اللہ کی اگر میں جھوٹا ہوں۔ اس بات میں کہ میں نے فلاں پر جھوٹی تہمت لگائی



ہے۔ جب یہ کلمات وہ حاکم کے بغیر ادا کر دے تو وہ اپنے آپ کو محسوس کرنے والا نہیں ہوگا۔ جب اس کا شوہر لعان سے فارغ ہو جائے تو میاں بیوی کے درمیان تفریق کر دی جائے گی اور اس پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو جائے گی اور اس کا نسب منقہ ہو جائے گا اور اس سے حد قذف ساقط ہو جائے گی، عورت پر حد زنا واجب ہو جائے گی۔

اگر وہ محسنہ ہے تو رجم کیا جائے گا اور غیر محسن ہو تو اس کو کوڑے مارے جائیں گے اور ملک بدر کیا جائے گا۔ یہ پانچ احکام جن کا تعلق زوج کی لعان کے ساتھ متعلق تھا۔

وَيَذَرُهَا عَنِهَا الْعَذَابُ أَنْ تَشْهَدَ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ بِإِلَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ وَالْخَامِسَةَ أَنْ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهَا إِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۙ ⑨

تفسیر اور (اس کے بعد) اس عورت سے (سزائے جس یا حد زنا) اس طرح مثل سکتی ہے کہ وہ چار بار قسم کھا کر کہے کہ بیشک یہ مرد جھوٹا ہے اور پانچویں بار یہ کہے کہ مجھ پر خدا کا غضب ہوا اگر یہ سچا ہو

نفسیہ ⑧ ”ویدرؤا“ اور دور کرے ”عنها، العذاب ان تشهد اربع شهادات باللہ ان لمن الکذیبین“

⑨ ”والخامسة ان غضب الله عليها ان كان من الصادقين“ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب ہے جو حد کی

صورت میں ہے۔ جیسا کہ ابتداء سورۃ میں اس کا حکم دیا گیا۔ ”وليشهد عذابهما طائفة من المؤمنين“ ان دونوں میں سے ایک آیت کا معنی یہ ہے کہ جب شوہر اپنی بیوی کے ساتھ لعان کرتا ہے تو بیوی پر زنا کی حد واجب ہو جاتی ہے اور جب ان پر حد زنا لعان کے ذریعے سے واجب ہوتی ہے تو وہ اس کو اپنے آپ سے دور کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ جب لعان کرتا ہے تو وہ چار گواہ پیش کرتا ہے۔ پھر وہ حاکم کے کہنے پر قسمیں اٹھاتا ہے کہ جس چیز کے بارے میں یہ مجھ پر جھوٹی تہمت لگا رہا ہے میں اس سے بری ہوں اور وہ پانچویں مرتبہ یہ کہے گی کہ اللہ تعالیٰ کا مجھ پر عذاب ہو، اگر میرا شوہر اس معاملہ میں سچا ہو جو کچھ اس نے مجھ پر جھوٹ باندھا ہے۔ لعان کے ساتھ ایک ہی حکم متعلق ہوگا اور وہ حد کا ساقط ہو جانا۔ اگر شوہر نے زنا پر گواہ مقرر کر لیے تو پھر اس سے حد زنا ساقط نہیں ہوگی۔

اصحاب الرائے کے نزدیک میاں بیوی پر حد واجب نہیں ہوگی صرف لعان ہوگا۔ اگر وہ لعان کرنے پر راضی نہ ہوں تو پھر ان کو قید کر لیا جائے گا حتیٰ کہ وہ دونوں لعان کر لیں اور اگر شوہر لعان کر لے اور عورت لعان سے رُک جائے تو عورت کو قید کر لیا جائے گا یہاں تک کہ وہ لعان نہ کر لے۔ دوسرے حضرات کے نزدیک لعان یہ اس کے قول کی تصدیق ہے۔ تہمت لگانے والا اگر بینہ قائم کرنے کے لیے بیٹھ جائے تو اس کو قید نہیں کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ گواہ پالے۔ یہ اس اجنبی شخص کی طرح ہے کہ جس نے تہمت لگائی، پھر گواہوں کا انتظار کرنے لگا۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک لعان فرقت اور نسب کی نفی کا موجب ہے اور یہ دونوں چیزیں حاصل نہیں ہوں گی مگر لعان سے اور وہ دونوں میاں بیوی کے لعان کرنے کی ہی وجہ سے ہوگا۔ اب یہ فرقت کس حکم میں ہوگی فصیح

نکاح ہوگی یا طلاق۔ اس بارے میں اکثر اہل علم کا بیان ہے کہ یہ فرقت فسخ نکاح کے حکم میں ہے۔ یہ قول امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے۔ ان دونوں کے درمیان یہ تفریق دائمی ہوگی۔

اگر لعان کے بعد شوہر اپنے قول سے رجوع کر لے تو اس کے رجوع کو مانا جائے گا۔ اس کے حق میں نہ کہ اس کی بیوی کے حق میں۔ اس صورت میں شوہر پر حد جاری کی جائے گی اور پیدا شدہ بچے کو اصل باپ کی طرف منسوب کیا جائے گا لیکن لعان کی وجہ سے جو حرمت ابدی لازم ہو چکی وہ مرتفع (ختم) نہیں ہوگی۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک میاں بیوی کے درمیان جو فرقت واقع ہوتی ہے یہ فرقت طلاق ہے۔ لعان کے بعد اگر شوہر نے اپنے آپ کو جھوٹا ثابت کر دیا تو پھر حد جاری ہونے کے بعد وہ دوبارہ اپنی بیوی کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے اور اسی طرح اگر اس نے لعان کے چند کلمات کہے تو پھر بھی لعان کا حکم متعلق نہیں ہوگا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر وہ لعان کے اکثر کلمات کو ادا کر لیا تو اس صورت میں یہ کلمہ کے قائم مقام ہوگا۔

ہر وہ شخص جس کی قسم کا اعتبار ہے اس سے لعان کا بھی اعتبار ہوگا خواہ وہ آزاد ہو یا غلام، مسلمان ہو یا ذی۔ یہ قول سعید بن المسیب، سلیمان بن یسار اور حسن، اور یہی قول ربیعہ، مالک، ثوری، شافعی اور اکثر اہل علم کا ہے۔ لیکن امام زہری، اوزاعی، اصحاب الرائے کے نزدیک لعان صرف آزاد مسلمان اور غیر محدودین پر ہوگا اور وہ دونوں میاں بیوی ہوں یا ان دونوں میں سے ایک غلام ہو، دوسرا ذی ہو یا محدود فی القذف ہوں تو پھر ان پر لعان نہیں ہوگا۔ قرآن کی ظاہری آیات ان لوگوں کے لیے دلیل ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ان دونوں کے درمیان لعان جاری ہوگا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”والذین یؤمنون أزواجہم“ یہاں پر آزاد اور غلام محدود وغیر محدود کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت میں ارشاد فرمایا ”الذین یظاہرون من نساءہم“ پھر آزاد اور غلام دونوں ظہار میں برابر ہیں اور لعان صحیح نہیں، سوائے حاکم یا اس کے خلیفہ کے حکم سے۔ سب سے اشد لعان چار اشیاء سے منعقد ہوتی ہے جس میں الفاظ کی خوب رعایت رکھی گئی ہو۔ اس طور پر کہ اپنی جگہ پر لعان کرتے وقت اس کا نام بھی لے اور لوگوں کی جماعت کے سامنے اس کو بیان کرے۔ الفاظ مستح کے درمیان کسی چیز کی کمی کرنے کی کوئی اجازت نہیں۔ رہا مکان ایسی جگہ جو جگہوں میں سے سب سے زیادہ اعلیٰ و اشرف ہو۔ اگر وہ مکہ میں ہو تو پھر رکن اور مقام کے درمیان یہ قسم لے اور اگر مدینہ میں ہو تو پھر منبر کے قریب اور اس کے علاوہ تمام شہروں میں جامع مسجد میں منبر کے قریب لعان کرے۔ زمان سے مراد عصر کی نماز یا مطلق کسی نماز کا وقت ہو اور جمع سے مراد کم از کم چار افراد ہوں اور تغلیظ بالجمع مستحب ہے۔ اگر حاکم ان دونوں کے درمیان لعان کرے، اکیلے تو جائز ہے مکان کی تعیین واجب ہے یا مستحب اس بارے میں دو قول ہیں۔

وَلَوْ لَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَیْكُمْ وَرَحْمَتُهُ وَأَنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ حَكِيمٌ ﴿۱۸﴾ إِنَّ الدِّینَ جَاءَ وَ  
بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ لَا نَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُمْ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَا  
اِكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ وَالَّذِي تَوَلَّى كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۹﴾

**تفسیر** اور (اے مردِ داور عورتو) اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تم پر اللہ کا فضل اور اس کا کرم ہے (کہ ایسے ایسے احکام مقرر کئے ہیں) اور یہ کہ اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا (اور) حکمت والا ہے (تو تم بڑی مضرتوں میں پڑ جاتے) جن لوگوں نے یہ طوفان (حضرت صدیقہ کی نسبت) برپا کیا ہے (اے مسلمانو) وہ تم میں کا ایک (چھوٹا سا) گروہ ہے تم اس (طوفان بندی) کو اپنے حق میں برانہ سمجھو بلکہ یہ (باعتبار انجام کے) تمہارے حق میں بہتر ہی بہتر ہے ان میں سے ہر شخص کو جتنا کسی نے کچھ کیا تھا گناہ ہوا اور ان میں سے جس نے اس (طوفان) میں سب سے بڑا حصہ لیا اس کو سخت سزا ہوگی۔

**تفسیر** 10 "وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ وَأَنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ حَكِيمٌ" یہاں لولا کا جواب محذوف ہے کہ تم ان کی سزا میں جلدی کرتے ہو لیکن یہ تمہارے لیے ستر ہے اور تم پر مددِ لعان کی وجہ سے ساقط کر دی۔ اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والے ہیں، جو شخص اپنے گناہوں سے رجوع کرے رحمت کے ساتھ اور حکیم ہے جو حد و اس نے تمہارے لیے مقرر کی ہیں، اس کی حکمت کے متعلق وہ خوب جانتا ہے۔

## واقعہ افک

11 "ان اللہین جاءوا بالافک عصبۃ منکم" صالح ابن شہاب کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ مجھے بیان کیا عروہ بن زبیر، سعید بن المسیب، علقمہ بن وقاص و عبید اللہ بن عبد اللہ بن عقبہ بن مسعود عن عائشہ رضی اللہ عنہم سے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ ہیں۔ انہوں نے اس وقت یہ حدیث بیان کی تھی کہ جب تہمت لگانے والوں کی تہمت سے اللہ عزوجل نے ان کو بری کیا تھا سب رواۃ جو اس حدیث کو مجھ سے بیان کرتے ہیں اور بعض حضرات نے اس حدیث کو اپنے پاس زبانی محفوظ کیا اور بعض لوگوں نے اس کو اپنے پاس ویسے محفوظ کر لیا اور بعض میرے سے وہی حدیث زبانی یاد کرتے ہیں جو میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نقل کی ہے۔ بعض حضرات بعض کی تصدیق کرنے لگے اور بعض اس کو بعض سے یاد کرنے لگے اور وہ لوگ کہنے لگے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی سفر کا ارادہ کرتے تھے تو اپنی بیویوں میں قرعہ اندازی کرتے تھے جس کا نام قرعہ میں نکل آتا اس کو ساتھ لے جاتے تھے۔

چنانچہ ایک جہاد پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جانے لگے تو حسب معمول قرعہ اندازی کی میرا نام نکل آیا، مجھے آپ نے ساتھ لے لیا۔ یہ واقعہ پردہ کی آیت نازل ہونے کے بعد کا ہے۔ میں ہودج میں سوار ہوئی، میرا ہودج ہی اٹھا کر اونٹ پر رکھا جاتا تھا اور نیچے اتارا جاتا تھا۔ اس طرح ہم مدینہ سے چل دیئے۔ جب جہاد سے فارغ ہو کر واپس ہوئے اور مدینہ کے قریب پہنچ کر ایک جگہ اترے، رات کو کوچ کرنے کا اعلان ہوا، میں حاجت کے لیے اٹھی اور چل کر لشکر سے دور نکل گئی۔ ضرورت سے فارغ ہو کر جب اپنے مقام پر پہنچی تو اس وقت سینے پر ہاتھ رکھا تو عقیق یمینی کا ہار جو میں نے پہنا ہوا تھا وہ ٹوٹ کر کہیں گر گیا، میں ہار کو ڈھونڈنے کے لیے فوراً واپس چلی گئی۔ ہار کی تلاش میں مجھے دیر لگ گئی، میرے ہودج کو اٹھا کر اونٹ پر رکھنے والے لوگ آئے اور یہ خیال کر کے کہ میں ہودج کے اندر ہوں خالی ہودج کو اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیا۔ اسی زمانے میں عورتیں ہلکی پھلکی ہوتی تھیں،

بھاری نہیں ہوتی تھیں۔ ان پر گوشت نہیں چڑھا ہوتا تھا، کھانا تھوڑا کھاتی تھیں، اس لیے لوگوں نے ہودج کی محنت محسوس نہ کی۔ پھر میں تو کم سن لڑکی ہی تو تھی، انہوں نے ہودج کو اٹھا کر اونٹ پر لاد دیا اور اونٹ کو کھڑا کر کے چل دیے، لشکر کے روانہ ہونے کے بعد مجھے ہارل گیا، پڑاؤ پروا پس آئی تو وہاں پر کوئی بھی نہ تھا، پڑاؤ بالکل خالی تھا، مجبوراً میں اپنی فرودگاہ پر ہی رُک گئی اور خیال کیا کہ جب لوگ مجھے نہیں پائیں گے تو لوٹ کر ضرور آئیں گے، اپنی جگہ مجھے بیٹھے بیٹھے نیند آگئی اور میں سو گئی۔

صفوان بن معطل سلمیٰ رضی اللہ عنہ نے لشکر کے پیچھے بہت دور قیام کیا تھا وہ لشکر کی گرمی پڑی اشیاء پر نگرانی کرنے والے تھے، وہ رات کے آخری حصہ میں اپنی قیام گاہ سے روانہ ہوئے اور صبح کو میری جگہ پر پہنچ گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ کوئی سو رہا ہے، دیکھتے ہی مجھے پہچان لیا کیونکہ پردے کا حکم نازل ہونے سے پہلے انہوں نے مجھے دیکھا تھا، مجھے دیکھ کر انہوں نے ”انا للہ وانا الیہ راجعون“ پڑھا۔ میں ان کے پڑھنے کی آواز سے بیدار ہو گئی اور اپنا چہرہ چادر سے ڈھانک لیا۔ خدا کی قسم! انہوں نے مجھ سے کوئی بات ہی نہیں کی اور سوائے ”انا للہ وانا الیہ راجعون“ کے اور کوئی لفظ میں نے ان سے نہیں سنا۔ اپنی اونٹنی انہوں نے میرے پاس لاکر بٹھادی اور گھٹنا باندھ دیا، میں اٹھ کر اونٹنی پر سوار ہو گئی، وہ مہار پکڑے ہوئے آگے آگے چلتے رہے، ہمارا لشکر ٹھیک دوپہر کے وقت ایک جگہ ٹھہر گیا تھا، میں اسی طرح لشکر تک پہنچ گئی۔ میرے معاملے میں جس کو ہلاک ہونا تھا وہ غلط افواہیں پھیلا کر مارا گیا۔ اس تہمت تراشی کا بڑا منافق عبد اللہ بن ابی سلول تھا جو اس افواہ کا ذمہ دار جانا جاتا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں مدینہ پہنچ کر بیمار ہو گئی اور ایک مہینہ بیمار رہی اور لوگ تہمت لگانے والوں کی باتیں سن رہے تھے، مجھے اس بارے میں کوئی علم نہیں تھا۔ عروہ فرماتے ہیں کہ میں نے خبر دی کہ کچھ گروہ آپ کے متعلق یہ باتیں بیان کرتے ہیں اور پھر ان باتوں پر یقین رکھتے ہیں اور ان سے لوگ باتیں سنتے ہیں اور پھر ان باتوں کو آگے پھیلاتے ہیں۔

حضرت عروہ فرماتے ہیں کہ تہمت لگانے والوں کے نام نہیں ذکر کیے مگر حسان بن ثابت، مسطح بن اثاثہ، حنہ بنت جحش اور دوسرے لوگ جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت باندھتے تھے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ”والذی لولی کبرہ“ اس سے مراد عبد اللہ بن ابی سلول ہے۔ عروہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو یہ پسند نہ تھا کہ آپ کے سامنے حضرت حسان کو برا کہا جائے، آپ فرماتی تھیں کہ حسان کا ہی تو یہ شعر ہے:

فان ابی وولدتی و عرضی لعرض محمد منکم وقاء

(میرے ماں باپ اور میری آبرو تم سے، محمد کی آبرو کو بچانے والے ہیں، یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آبرو پر میرے

والدین اور آبرو قربان)۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میرے ان بیماری کے دنوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کچھ لطف میرے اوپر نہیں تھا جیسے کہ پہلے تھا۔ بس اتنی بات ہوتی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسب معمول آتے اور السلام علیک کرتے اور فرماتے تم لوگ کیسے ہو؟ پھر واپس چلے جاتے۔ اس سے مجھے شبہ ہوتا، پریشانی ہوتی لیکن راز کا پتہ نہ تھا۔ جب میں اچھی ہو گئی مگر

کمزور تھی تو ایک رات کو اُم مسطح کو ساتھ لے کر میں مناصح کی طرف جانے کے لیے نکلی۔ پہلے ہمارے گھروں کے پاس بیت الخلاء بنے ہوئے نہیں ہوتے تھے۔ رفع ضرورت کے لیے رات کو ہم جنگل کی طرف عربوں کے پہلے رواج کے مطابق جایا کرتے تھے، ہم کو گھروں کے قریب بیت الخلاء بنانے سے ایذا ہوتی تھی۔

فرماتی ہیں کہ میں اور اُم مسطح دونوں ساتھ ساتھ ضرورت سے فارغ ہو کر گھر کی طرف کولونے۔ اُم مسطح کا پاؤں چادر سے اُلجھ گیا اور اس نے ٹھوکر کھائی، گرتے ہی اس کے منہ سے نکلا مسطح مرے، میں نے کہا کہ تم نے بہت بری بات کہی، کیا تم ایسے لوگوں کو برا کہہ رہی ہو جو بدر میں شریک تھے۔ اُم مسطح نے کہا، بیٹی کیا تم نے اس کی بات نہیں سنی؟ میں نے کہا کہ اس نے کیا کہا، اس پر اُم مسطح نے مجھے تہمت تراشوں کی کہی ہوئی بات بتائی۔ اس بات کو سن کر میری بیماری اور بڑھ گئی۔ جب گھر لوٹ کر آئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسب معمول جب تشریف لائے اور دریافت کیا، آپ لوگ کیسے ہیں تو میں نے کہا کیا آپ کی اجازت ہے، میں اپنے والدین کے گھر جانا چاہتی ہوں، مجھے یقین تھا کہ اصل خبر مجھے اپنے ماں باپ سے مل جائے گی۔ آپ نے اجازت دے دی، میں والدین کے گھر پہنچی اور اپنی والدہ سے پوچھا، اماں یہ لوگ کیا باتیں کر رہے ہیں؟ والدہ نے کہا بیٹا تم اس کا رنج نہ کرو، جب کوئی عورت کسی شوہر کی نظر میں محترم ہوتی ہے اور شوہر اس سے محبت کرتا ہے اور اس کی سونکھیں بھی ہوتی ہیں تو سونکھیں اس کے خلاف بڑی بڑی باتیں بناتی ہیں۔ میں نے کہا سبحان اللہ! لوگ یہ باتیں کر رہے ہیں، میں اس خبر کو سن کر رات بھر روتی رہی، صبح تک نہ میرا آنسو جھمانہ نیند آئی، پھر صبح کو بھی روتی رہی۔

فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ادھر علی بن ابی طالب اور اُسامہ بن زید کو مشورہ کے لیے بلایا کیونکہ وحی آنے میں دیر ہو گئی تھی۔ اُسامہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی کی پاک دامنی سے واقف تھے۔ انہوں نے پاک دامن ہونے کا مشورہ دیا۔ دوسری روایت میں آتا ہے کہ اُسامہ کے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں کی محبت تھی۔ اسی کے مطابق انہوں نے مشورہ دیا اور عرض کیا، یا رسول اللہ! وہ آپ کی بیوی ہیں، ہم تو ان کو اچھا ہی جانتے ہیں لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا آپ کے لیے اللہ نے کوئی تنگی نہیں رکھی۔ ان کے علاوہ بہت عورتیں ہیں۔ آپ خادمہ سے دریافت کریں۔ وہ سچ سچ کہہ دے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بریرہ کو بلایا اور فرمایا کیا تو نے عائشہ کی کوئی ایسی حرکت دیکھی ہے جس سے تیرے دل میں کوئی شک گزرا ہو؟ بریرہ نے کہا تم ہے اس کی جس نے آپ کو برحق نبی بنا کر بھیجا ہے۔ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی کوئی بات ایسی نہیں دیکھی کہ میں نکتہ چینی کر سکوں۔ ہاں بس اتنی بات ضرور ہے وہ چونکہ کم سن لڑکی ہے آغا گوندھ کر سوجاتی ہے، بکری آتی ہے اور اس کو کھا جاتی ہے۔ اس تحقیقات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف لے گئے اور عبد اللہ بن ابی کی طرف سے معذرت پیش کرنے کے خواستگار ہوئے اور فرمایا اے گروہ اہل اسلام! میرے گھر والوں کے معاملے میں عبد اللہ بن ابی کی ذات سے مجھے سخت تکلیف پہنچی ہے کہ کوئی اس کی طرف سے میرے سامنے کوئی عذر پیش کر سکتا ہے؟ خدا کی قسم! مجھے اپنی بیوی کے متعلق اچھائی ہی معلوم ہوئی، لوگ ایک ایسے آدمی کا نام لے رہے ہیں جس کے اندر مجھے کوئی برائی معلوم نہیں ہے اور وہ میرے گھر کے اندر میرے ساتھ ہی جاتا ہے۔

یہ سن کر سعد بن معاذ اٹھلی کھڑے ہوئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول! میں آپ کو معذور جانتا ہوں۔ اگر وہ اس کے قبیلہ میں ہے تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا اور اگر ہمارے خزر جی بھائیوں میں سے ہے تو آپ جو حکم دیں گے ہم اس کی تعمیل کریں گے۔ یہ بات سن کر قبیلہ خزر ج کا ایک شخص اٹھ کھڑا ہوا۔ حسان کی ماں اس شخص کے چچا کی بیٹی تھی یعنی سعد بن عبادہ اور سردار خزر ج کھڑے ہوئے۔ پہلے یہ نیک آدمی تھے لیکن قبیلہ کی حمیت ان پر سوار ہو گئی اور سعد بن معاذ سے کہنے لگے خدا کی قسم! تم نے جھوٹ کہا ہے تم نہ اس کو قتل کرو گے اور نہ اس کو قتل کرنے کی تم میں ہمت ہے اور اگر تمہارے قبیلہ والوں میں سے وہ ہوتا تو میرے خیال میں تم اس کو قتل نہ کرتے۔ اس پر سعد بن معاذ کے چچا زاد بھائی اسید بن خنیر نے سعد بن عبادہ سے کہا تم نے خدا کی قسم! جھوٹ کہا، ہم اس کو ضرور بضر و قتل کریں گے۔ تم یقیناً منافق ہو، منافقوں کی طرف سے لڑتے ہو، اس کے بعد اس اور خزر ج دونوں قبیلے جوش میں آ گئے۔ قریب تھا کہ آپس میں لڑ پڑیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر موجود تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب کو ٹھنڈا کر رہے تھے، آخر سب خاموش ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی خاموشی اختیار کر لی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا، میں اس روز بھی روتی رہی اور رات بھر آنسو نہیں تھے اور نہ ہی نیند آئی۔ والدین کو اندیشہ ہو گیا کہ روتے روتے میرا جگر پھٹ نہ جائے، دونوں حضرات میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور میں رورہی تھی کہ ایک انصاری عورت نے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ میں نے اجازت دے دی، وہ آ کر بیٹھ گئی اور میرے ساتھ رونے لگی۔ کچھ دیر کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور بیٹھ گئے، اس سے پہلے جب میرے متعلق چگونیاں شروع ہوئی تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس نہیں بیٹھے تھے اور ایک مہینے کا وقفہ گزر چکا تھا۔ اس عرصہ میں میرے معاملہ کے متعلق کوئی وحی بھی نہیں آئی تھی۔ بیٹھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اول کلمہ شہادت پڑھا، پھر فرمایا، عائشہ! مجھے تیرے متعلق ایسی ایسی خبریں پہنچی ہیں اگر تو ان سے پاک ہے تو اللہ تیری پاکی ظاہر فرما دے گا اور اگر اتفاقاً تو کسی گناہ میں مبتلا ہو گئی ہے تو اللہ سے توبہ و استغفار کر۔ بندہ جب گناہ کا اقرار کر لیتا ہے اور معافی کا طلبگار ہوتا ہے تو اللہ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بات پوری کر چکے تو میرے آنسو ختم گئے کہ ایک قطرہ بھی لگتا مجھے محسوس نہیں ہوا۔ پھر میں نے اپنے والد سے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کا جواب دیجئے۔ والد نے کہا خدا کی قسم! مجھے کوئی جواب معلوم نہیں، کیا جواب دوں۔ پھر میں نے اپنی والدہ سے یہی بات کہی کہ آپ جواب دیجئے۔ انہوں نے بھی والد کی طرح یہی کہا کہ میں کیا کہوں مجھے کوئی جواب معلوم نہیں۔ آخر میں نے خود کہا، خدا کی قسم! میں جان گئی کہ تم لوگوں نے یہ بات سن کر اپنے دلوں میں جمالی ہے اور اس کو سچ ماننے لگے ہو، اگر اب میں کہوں کہ میں اس سے پاک ہوں اور خدا جانتا ہے کہ میں اس سے پاک ہوں تو آپ مجھے سچ نہ جانو گے اور اگر میں آپ کے سامنے اقرار کر لوں اور خدا جانتا ہے کہ میں اس فعل سے پاک ہوں تو آپ مجھے سچا سمجھو گے۔ (اس لیے میں کچھ نہیں کہہ سکتی) مجھے اپنی اور آپ کی حالت کے سوا اس کے کوئی مثال نہیں ملتی جو یوسف علیہ السلام کے باپ نے کہا تھا "فصبر جميل واللہ المستعان علی ما تصفون" پس میں بھی یہی کہتی ہوں۔ یہ کہنے کے بعد میں نے منہ موڑ لیا اور بستر پر لیٹ گئی۔ میں یہ تو جانتی تھی کہ چونکہ میں پاک ہوں، اللہ



ضرور میری پاکی کا اظہار فرمادے گا لیکن میرا یہ گمان بھی نہ تھا کہ میرے معاملہ میں اللہ کوئی ایسی وحی نازل فرمائے گا جو ہمیشہ قرآن میں پڑھی جائے گی۔ میرے دل میں میری حالت اس قابل نہ تھی کہ اللہ اس کے سلسلہ میں اپنا کلام نازل فرماتا جو پڑھا جائے گا، مجھے تو یہ امید تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کی طرف سے میری پاک دامنی کا کوئی خواب دکھایا جائے گا۔

اللہ کی قسم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اس جگہ سے بٹے بھی نہ تھے اور نہ کوئی گھر والا باہر نکلا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل فرمادی اور نزول وحی کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو تکلیف ہوتی تھی وہ ہونے لگی، سخت سردی کے زمانے میں نزول وحی کے وقت چاندی کے موتیوں جیسے پسینے کے قطرے ٹپکنے لگتے تھے۔ کچھ دیر کے بعد وحی کی وہ حالت دور ہوئی اور ہنستے ہوئے جو لفظ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے اپنے منہ سے نکالا وہ یہ تھا عائشہ خوشخبری ہو، اللہ تعالیٰ نے تیری پاک دامنی کا اظہار کر دیا۔ میری والدہ نے کہا اٹھو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ، میں نے کہا خدا کی قسم! میں اٹھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نہیں جاؤں گی اور نہ اللہ کے سوا کسی کا شکر کروں گی، اللہ نے میری پاکی ظاہر کر دی۔ اس پر مندرجہ ذیل آیات نازل ہوئیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے میری برأت میں دس آیات نازل فرمائیں۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سطح بن اثابہ کو خرچ دیا کرتے تھے، قرابت کی وجہ سے یا فقر کی وجہ سے۔ انہوں نے کہا کہ میں سطح پر کچھ خرچ نہ کروں گا۔ اس واقعہ کے بعد جو کچھ اس نے عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق کہا، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ”ولا یاتل اولوا الفضل منکم والسعة“ سے لے کر ”غفور رحیم“ تک حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کہنے لگے کیوں نہیں، اللہ کی قسم! میں پسند کرتا ہوں کہ اللہ نے میری بخشش فرمادی۔ پھر وہ سطح کو خرچ دینے لگے اور کہنے لگے میں اس کو ہمیشہ دوں گا کبھی نہیں چھوڑوں گا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس واقعہ کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے میرے متعلق پوچھا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نہیں جانتی اور نہ ہی میں نے دیکھا اور کہا کہ میرے کانوں نے اور آنکھوں نے اس میں کبھی کوئی نفرت نہیں دیکھی۔ اللہ کی قسم! میں اس میں خیر کو ہی جانتی ہوں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ زینب بنت جحش کو ان کی دینداری کی وجہ سے اللہ نے بچائے رکھا۔ انہوں نے سوائے کلمہ خیر کے اور کچھ نہیں کہا لیکن ان کی بہن حمنہ ہلاک ہونے والوں کے ساتھ ہلاک ہو گئی۔ یہ باتیں کرنے والے سطح، حسان بن ثابت اور عبد اللہ بن ابی منافق تھے۔ عبد اللہ بن ابی ہی ایسی باتیں نکال کر لاتا اور جمع کرتا تھا۔

ابن شہاب نے کہا کہ مجھے اس جماعت کے متعلق یہ حدیث پہنچی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، واللہ کہ وہ شخص جس کے بارے میں کہا گیا جو کچھ کہا گیا اس نے کہا تو اس کے لیے کہا جانا چاہیے تھا کہ سبحان اللہ (اللہ اس سے پاک ہے) قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ بیت الخلاء کے علاوہ کسی جگہ بھی ہم عورتیں اپنا متر نہیں کھولتیں۔ اس واقعہ کے بعد صفوان ایک جہاد میں شہید ہو گئے۔ ابن شہاب کی روایت اسی سند کے متعلق ذکر کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا، اگر تم سے کوئی گناہ ہو گیا ہو تو اللہ سے بخشش طلب کرو اور اس سے توبہ کر کیوں کہ جب بندہ اپنے گناہ کا اعتراف کرتا ہے، پھر توبہ کرتا ہے تو اللہ اس کی توبہ قبول کرتا ہے (آخر حدیث تک نقل کیا) پھر تہمت لگانے والوں میں سے جس کو ہلاک ہونا تھا وہ ہلاک ہو گیا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر تشریف لائے تو میری خادمہ سے اس کے متعلق سوال کیا۔ خادمہ نے کہا کہ خدا کی قسم میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے درمیان کوئی عیب نہیں دیکھا ہاں جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آتا بنا کر سوجاتی بکری گھر میں داخل ہوتی اور وہ آٹا کھا لیتی۔ اس کے بعد پھر لوگ خاموش ہو گئے۔ خادمہ نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! میں سچ بولتی ہوں، یہاں تک کہ بعض لوگ ان افواہوں سے خاموش ہو گئے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ کی ذات پاک ہے کہ میں جان گئی تھی جیسا کہ سونا، چاندی والا آگ میں سونے چاندی کو پگھلا کر اس کی اصل کو جان لیتا ہے۔ پھر فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب وحی نازل ہو چکی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر خوشی کے آثار نمودار ہوئے اور اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھتے ہوئے ارشاد فرمایا، خوشخبری ہوائے عائشہ! اللہ نے تیری برأت کے لیے آیات نازل فرمائیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے والدین نے کہا کہ کھڑی ہو جاؤ۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں ان کے لیے نہیں کھڑی ہوں گی اور نہ ہی ان کا شکر ادا کروں گی بلکہ اپنے رب کی تعریف اور اسی کا شکر ادا کروں گی جس نے مجھے اس تہمت سے بری قرار دیا۔ تحقیق انہوں نے میرے متعلق سب کچھ سنا لیکن اس پر انکار نہیں کیا اور نہ ہی اس بات پر عار دکھائی۔

”والدین جاءوا بالافک“ اس سے مراد جھوٹ ہے۔ اس جھوٹ سے مراد برا جھوٹ ہے۔ اس کو ”افک“ کہا گیا کیونکہ یہ حق سے پھرنے والا ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے ”افک الشیء“ جب اس کو چہرے سے پلٹ دیا جائے کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ثناء و تعریف کی مستحق ہیں۔ جن لوگوں نے برائی کی نسبت ان کی طرف کی وہ برائی انہی کے چہرے پر آ پڑی۔ ”عصبة منکم“ ایک جماعت جن میں عبد اللہ بن ابی سلول و مسطح بن اثابہ و حسان بن ثابت و حمنہ بنت جحش جو طلحہ بن عبید اللہ وغیرہ ہیں ”لا تحسبوه شراً لکم“ اس سے مراد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر عیب لگانے کا رنج جو خود حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملا۔ بعض نے کہا کہ یہ خطاب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور ان کے والدین کو ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صفوان کو ہے۔ اس کو تم اپنے لیے برانہ سمجھو۔ ”بل هو خیر لکم“ کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے تمہارے لیے اجر و ثواب دے گا اور تمہارے لیے برأت کرے گا۔ ”لکل امری منہم“ یہ جھوٹی جماعت ”ما اکسب من الائم“ یعنی جس نے جتنا گناہ کیا اتنی سزا اس کے لیے مقرر ہے کسی نے خود الزام تراشی کی، کسی نے اس کو پھیلانا پسند کیا۔ اس کے گناہ کے مطابق اس کو سزا ملے گی۔ ”والذی تولیٰ کبرہ“ جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی میں یہ طوفان سب سے پہلے اٹھایا اور اس کو پھیلایا اس کو سخت عذاب دیا جائے گا۔ ”کبرہ“ بعض کاف کے ضمہ کے ساتھ پڑھتے ہیں اور

عام قراء کسرہ کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ کسائی نے کہا کہ اس میں دو لغات ہیں۔ ضحاک کا قول ہے کہ اس بات کو پھیلانے کے لیے عبداللہ بن ابی سلول کھڑا ہو گیا۔ زہری سے روایت ہے وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نقل کرتی ہیں کہ ”واللہی تولی کبرہ منہم“ سے مراد عبداللہ بن ابی سلول ہے اور عذاب الیم سے مراد آخرت میں دردناک عذاب ہے۔

ابن ابی ملیکہ نے بروایت عروہ قصہ افک کے ذیل میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان نقل کیا کہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا پھر میں سوار ہو گئی، صفوان نے اونٹ کی مہار پکڑ لی، چلتے چلتے منافقوں کی ایک جماعت کی طرف سے ہمارا گزر ہوا۔ منافقوں کا قاعدہ تھا کہ مسلمانوں کے عام لشکر سے الگ اپنا پڑاؤ کرتے تھے اور ان کی رہائش گاہ مسلمانوں کی رہائش گاہ سے علیحدہ ہوتی تھی۔ منافقوں کا سردار عبداللہ بن ابی کہنہ لگا یہ عورت کون ہے؟ ساتھیوں نے جواب دیا عائشہ (رضی اللہ عنہا) ہے۔ عبداللہ بن ابی بولہ، خدا کی قسم! یہ اس سے نہیں بچی اور نہ وہ اس سے بچا، تمہارے نبی کی بیوی رات بھر ایک مرد کے ساتھ رہی تو صبح ہوئی تو وہ شخص آگے آگے چلے لگا۔ بعض حضرات کا قول ہے کہ ”واللہی تولی کبرہ“ سے چار شخص مراد ہیں۔ عبداللہ بن ابی سلول، حسان بن ثابت، مطح بن اثاثر اور حمند بنت جحش اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد حسان بن ثابت ہیں۔

مسروق کا قول ہے کہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حسان بن ثابت اس وقت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کے پاس موجود تھے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شان میں یہ شعر پڑھ رہے تھے:

حصان رزان ماتزون بریبة وتصبح غرنی من لحوم الغوائل

(وہ بڑی پاکدامن اور بڑی باوقار ہیں، کسی شبہ کی بات سے متہم نہیں کی جاسکتیں، ان کا پیٹ بے خبر، بھولی عورتوں کے گوشت سے خالی رہتا ہے)..... (یہ کسی کی غیبت نہیں کرتیں)۔

حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا مگر تم ایسے نہیں ہو۔ مسروق کہتے ہیں میں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا کہ آپ ان کو اپنے آنے کی اجازت کیوں دیتی ہیں؟ اللہ نے تو فرما دیا ہے ”واللہی تولی کبرہ منہم لہ عذاب عظیم“ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا یا نبیؐ جانے سے سخت عذاب اور کیا ہوگا۔ روایت میں آیا ہے کہ جن لوگوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت تراشی کی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے ہر ایک کو اتنی اتنی کوڑے لگوائے۔

لَوْلَا اِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِانْفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوا هَذَا اِفْكٌ مُّبِينٌ ﴿۱۷﴾  
لَوْلَا جَاءَ وَعَلَيْهِ بِارْبَعَةٍ شُهَدَاءَ فَاذْلَمَ يَأْتُوا بِالشَّهَادَةِ فَأَوْلَيْكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُونَ ﴿۱۸﴾  
لَوْلَا فَضَّلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِي مَا اَفَضْتُمْ فِيهِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۹﴾ اِذْ تَلَقَّوْهُ بِالْسِّنَتِكُمْ وَتَقُولُونَ بِالْفُؤَاهِكُمْ مَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ

وَتَحْسَبُونَهُ هَيِّنًا وَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمٌ 15

آگے ان قاذبین مومنین کو ناصحانہ ملامت ہے (جب تم لوگوں نے یہ بات سنی تھی تو مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں نے اپنے آپس والوں کے ساتھ گمان نیک کیوں نہ کیا اور (زبان سے) یوں کیوں نہ کہا کہ یہ صریح جھوٹ ہے (آگے اس حسن ظن اور اراک کے وجوب کی وجہ ارشاد ہے کہ یہ (قاذف) لوگ اس (اپنے قول) پر چار گواہ کیوں نہ لائے سو جس صورت میں یہ لوگ (موافق قاعدہ کے) گواہ نہیں لائے تو بس اللہ کے نزدیک جھوٹے ہیں اور اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم نہ ہوتا دنیا میں اور آخرت میں تو جس شغل میں تم پڑے تھے اس میں تم پر سخت عذاب واقع ہوتا جب کہ تم اس (جھوٹ) کو اپنی زبانوں سے نقل در نقل کر رہے تھے اور اپنے منہ سے ایسی بات کہہ رہے تھے جس کی تم کو (کسی دلیل سے) مطلق خبر نہیں اور تم اس کو ہلکی بات (یعنی غیر موجب گناہ) سمجھ رہے تھے حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک بہت بھاری بات تھی۔

تفسیر 12 "لولا" حلا کے معنی میں ہے۔ "اذ سمعتموه ظن المؤمنون والمؤمنات بانفسهم" اپنے بھائیوں سے نیک گمان کیوں نہ کیا۔ "خیبراً" حسن کا قول ہے کہ اس سے مراد اہل دین ہیں کیونکہ تمام مومنین ایک جسم کی مانند ہیں۔ اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا فرمان "ولا تقتلوا انفسکم" اور دوسری آیت میں ہے "فسلموا علی انفسکم"..... "وقالوا هذا الکف مبین" یہ جھوٹ واضح ہے۔

13 "لولا جاء وا علیه باربعة شهداء" جیسا کہ انہوں نے گمان کیا۔ "فاذ لم یاتوا بالشهداء فاولئک عند اللہ هم الکاذبون"

سوال: وہ اللہ کے نزدیک کیسے جھوٹے ہو سکتے ہیں جب کہ انہوں نے گواہ قائم نہیں کیے حالانکہ اللہ کے نزدیک جھوٹا شخص تو جھوٹا ہی ہے۔ خواہ وہ گواہ قائم کرے یا گواہ قائم نہ کرے؟

جواب اللہ کے نزدیک کا مطلب ہے کہ اللہ کے فیصلے میں۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اس نے اللہ کے حکم کو جھٹلایا ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حق میں، اس کا معنی یہ ہے کہ وہ سب جھوٹے ہیں، غیبت کی وجہ سے اور اس وجہ سے کہ وہ اصل حقیقت کو نہیں جانتے۔

14 "ولولا فضل اللہ علیکم ورحمته فی الدنیا والاخرة لمسکم فیما اظتم" کا معنی ختم ہے۔ "فیہ" اس برائی میں "عذاب عظیم" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ان پر ایسا عذاب جو کبھی نہ ختم ہونے والا، اس وجہ سے دُنیا کے عذاب کو پہلے ذکر کیا پھر اخروی عذاب کو ذکر کیا۔ "والذی توئی کبرہ منہم لہ عذاب عظیم" اور وہ عذاب ان کو پہنچ گیا کہ ان کو کوڑے مارے گئے اور حد لگائی گئی۔

روایت میں آتا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار آدمیوں پر حد قذف جاری

کی۔ عبد اللہ بن ابی، حسان بن ثابت، مسطح بن اثاثہ اور حنظل بن جحش۔

15 "اذا تلقونہ" جو کچھ تم کہتے ہو۔ "بالسنتکم" مجاہد اور مقاتل نے کہا کہ وہ بعض بعض سے روایت کرتے ہیں۔ کلبی کا قول ہے کہ اس کی صورت یہ ہوئی تھی کہ ایک شخص دوسرے سے ملتا اور کہتا تھا مجھے ایسی خبر ملی ہے کیا واقعہ ہے؟ اس طرح ایک دوسرے سے زبانی لیتا تھا۔ اسی طرح ابی بن کعب نے بھی پڑھا ہے۔ زجاج کا قول ہے کہ بعض بعض کے ساتھ سیکھتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی قرأت "تلقونہ" لام کے زیر کے ساتھ ہے اور قاف کے تخفیف کے ساتھ۔ ولق سے ہے بمعنی جھوٹ۔ "وتقولون بافواہکم مالیس لکم بہ علم و تحسبونہ ہینا" وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ یہ آسان ہے اس میں کوئی گناہ نہیں۔ "وہو عند اللہ عظیم" اور وہ ان پر بہت بڑا بوجھ ہے۔

وَلَوْلَا اِذْ سَمِعْتُمُوهُ قُلْتُمْ مَا يَكُونُ لَنَا اَنْ نَّكْتَلَمَ بِهَذَا سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ 16  
يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْذُوْا لِمِثْلِهٖ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ 17 وَيَسِّرُ اللّٰهُ لَكُمْ الْاٰيٰتِ. وَاللّٰهُ  
عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ 18 اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفٰحِشَةُ فِى الدِّيْنِ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ  
فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ. وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ 19 وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلٰيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ  
وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوفٌ رَّحِيْمٌ 20 يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ. وَمَنْ يَّتَّبِعْ  
خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَأْمُرُ بِالْفَحِشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلٰيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ  
مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّىْ مَنْ يَّشَآءُ. وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ 21

اور تم نے جب اس (بات) کو (اول) سنا تھا تو یوں کیوں نہ کہا کہ مجھ کو زبانی نہیں کہ ہم ایسی بات منہ سے بھی نکالیں معاذ اللہ یہ تو بڑا بہتان ہے اللہ تعالیٰ تم کو نصیحت کرتا ہے کہ پھر ایسی حرکت مت کرنا اگر تم ایمان والے ہو اور اللہ تعالیٰ تم سے صاف صاف احکام بیان کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑا جاننے والا بڑا حکمت والا ہے جو لوگ (بعد نزول آیات کے بھی) چاہتے ہیں کہ بے حیائی کی بات کا مسلمانوں میں چرچا ہوان کے لئے دنیا اور آخرت میں سزائے درد تک (مقرر) ہے اور (اس امر پر سزا کا تعجب مت کرو کیونکہ) اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے اور (اے تائبین) اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تم پر اللہ کا فضل و کرم ہے (جس سے تم کو توفیق توبہ کی دی) اور یہ کہ اللہ تعالیٰ بڑا شفیع بڑا رحیم ہے (تو تم بھی اس وعید سے نہ بچتے) اے ایمان والو تم شیطان کے قدم بقدم مت چلو (یعنی اس کے اغوا پر عمل مت کرو) اور جو شخص شیطان کے قدم بقدم چلتا ہے تو وہ تو (ہمیشہ ہر شخص کو) بے حیائی اور نامعقول ہی کام کرنے کو کہے گا اور اگر تم پر اللہ کا فضل و کرم نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی بھی (توبہ کر کے) پاک و صاف نہ ہوتا لیکن اللہ

تعالیٰ جس کو چاہتا ہے (توبہ کی توفیق دے کر) پاک و صاف کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ متناسب کچھ جانتا ہے۔

**تفسیر** 16 "وَلَوْلَا اِذْ سَمِعْتُمُوهُ قُلْتُمْ مَا يَكُونُ لَنَا اَنْ نَّكْتَلِمَ بِهِذَا سَبْحَانَكَ" بمعنی تعجب کے ہے۔ "ہذا بہتان عظیم" یعنی یہ بڑا جھوٹ ہے جو انسان کو حیران کر دیتا ہے۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ جب حضرت ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی والدہ محترمہ نے ابو انصاری سے کہا کہ کیا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں جو خبر مجھ تک پہنچی ہے (اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟) حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے جواب دیا "سبحانک هذا بہتان عظیم" اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

17 "يعظكم الله" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جو اشیاء اللہ نے تم پر حرام کی ہیں۔ مجاہد کا قول ہے کہ جن چیزوں سے اللہ نے تمہیں روکا ہے۔ "ان تعودوا لمثله ابدا ان كنتم مؤمنين"

18 "وبين الله لكم الايات" امر و نواہی کو کھول کر بیان کرتے ہیں۔ "والله عليم" حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور صفوان بن معطل کے بارے میں جانتا ہے۔ "حكيم" ان دونوں کو برأت کی حکمت

19 "ان الدين يحبون ان تشيع الفاحشة" جویری باتیں پھیلانے کے خواہش مند ہیں اور زنا کو پھیلاتے ہیں اور پسند کرتے ہیں۔ "في الدين امنوا لهم عذاب اليم في الدنيا والاخرة" اس سے مراد عبد اللہ بن ابی اور اس کے منافقین چیلے ڈنیاوی عذاب سے مراد حد ہے اور آخری عذاب سے مراد آگ ہے۔ "والله يعلم" ان کے اس دجل کو اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی برأت اور جن لوگوں نے اس میں حصہ لیا وہ اللہ کے غصہ کا شکار ہوئے۔ "وانتم لاتعلمون"

20 "ولولا فضل الله عليكم ورحمته وان الله رؤف رحيم" یہ لولا کا جواب محذوف ہے۔ اگر ان پر اللہ کا فضل نہ ہوتا تو ان پر عذاب جلدی آجاتا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ اس سے مراد سطح حسان بن ثابت، حنہ بنت جحش ہیں۔

21 "يا ايها الذين آمنوا لا تتبعوا خطوات الشيطان ومن يتبع خطوات الشيطان فانه يامر بالفحشاء" برے افعال "والممنكر" ہر وہ ناپسندیدہ کام جو اللہ کو پسند نہیں۔ "ولولا فضل الله عليكم ورحمته ما زكني" مقاتل کا بیان ہے کہ اس سے مراد اصلاح ہے۔ تہمید نے کہا کہ تو پاک نہ ہوتا۔ "منكم من احيد" بعض مفسرین کے نزدیک آیت میں عموم ہے۔ وہ اس کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ اس کا فضل و رحمت نہ ہوتی تو ان میں سے کوئی بھی نہ بچتا۔ بعض کا قول ہے کہ یہ خطاب ان لوگوں کے لیے ہے کہ جنہوں نے "الکف" کے معاملے میں خوب انتشار پھیلایا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اگر اس کا فضل نہ ہوتا تو تمہیں اس گناہ سے پاک نہ کیا جاتا اور تمہاری اصلاح بھی نہ ہوتی۔ بعض نے کہا کہ اگر اللہ کا فضل نہ ہوتا تو کسی کی توبہ قبول نہ کی جاتی۔ "ابدا ولكن الله يزرئكم" تمہیں اس سے پاک کر دیا۔ "من يشاء" اپنی رحمت سے تمہارے اس گناہ کو بخش دیا۔ "والله سميع عليم"

وَلَا يَأْتَلِ أُولُو الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولَى الْقُرْبَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَالْمُهَاجِرِينَ



فِي سَبِيلِ اللَّهِ. وَلِيَعْفُوا وَلِيَصْفَحُوا. أَلَا تَحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ. وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ  
 22) إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ الْفَاحِشَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ لَعُنُوا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَلَهُمْ  
 عَذَابٌ عَظِيمٌ 23) يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنُهُمْ وَأَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ 24)  
 اور جو لوگ تم میں (دینی) بزرگی (اور دنیوی) وسعت والے ہیں وہ اہل قربت کو اور مساکین کو اور اللہ کی  
 راہ میں ہجرت کرنے والوں کو دینے سے قسم نہ کھا بیٹھیں اور چاہئے کہ یہ معاف کر دیں اور درگزر کریں کیا تم یہ بات  
 نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے قصور معاف کر دے بیشک اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے (آگے منافقین کے وعید کی  
 تفصیل ہے) جو لوگ تہمت لگاتے ہیں ان عورتوں کو جو پاکدامن ہیں (اور) ایسی باتوں (کے کرنے) سے  
 (بالکل) بے خبر (اور) ایمان والیاں ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی جاتی ہے اور ان کو (آخرت میں) بڑا  
 عذاب ہوگا جس روز ان کے خلاف میں ان کی زبانیں گواہی دیں گی اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں بھی (گواہی  
 دیں گے) ان کاموں کی جو کہ یہ لوگ کیا کرتے تھے۔

**تفسیر** 22) ”ولا یاتل“ یعنی وہ قسم نہ کھائیں۔ یہ الالیہ سے مشتق ہے اس کا معنی ہے قسم ”اولوا الفضل منکم  
 والسعة“ اس سے مراد مال داری اور کشائش رزق ہے۔ ”منکم“ سے مراد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ ”ان یؤتوا  
 اولی القربیٰ والمساکین والمہاجرین فی سبیل اللہ“ سے مراد حضرت مسطح اور ان جیسے لوگ ہیں۔ حضرت مسطح مسکین  
 بھی تھے، مہاجر بھی تھے، بدری بھی تھے اور حضرت ابوبکر کی خالہ کے بیٹے بھی تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قسم اٹھالی  
 کہ کوئی چیز بھی اس پر خرچ نہیں کریں گے۔ ”ولیعفوا ویصفحوا“ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے معاملے میں۔  
 ”الاحیون“ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خطاب ہے۔ ”ان یغفر اللہ لکم واللہ غفور رحیم“ جب نبی کریم صلی  
 اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو پڑھا تو کہنے لگے کہ کیوں نہیں مجھے پسند ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے اس معاملے کو معاف کر دیا اور مسطح  
 کو نفع دینے سے رجوع کر لیا جو خرچ ان کو دیا کرتے تھے وہ دوبارہ دینے لگے اور کہنے لگے کہ میں ہمیشہ ان کو دیتا رہوں گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ضحاک کا قول ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دوسرے چند صحابہ رضی اللہ عنہم  
 نے قسم کھالی تھی کہ جن لوگوں نے اس بہتان تراشی میں حصہ لیا ہے ان کو کچھ نہیں دیں گے۔ اس پر یہ آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

23) ”ان الذین یرمون المحصنات“ اس سے مراد پاک دامن عورتیں ہیں۔ ”الغافلوات“ زنا سے بے خبر بدکاری  
 سے دور۔ ”المؤمنات“ برائی سے غافل جوان کے دل میں بھی تم بھی نہیں آئی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی قرآن کی  
 بیان کردہ صفات کے مطابق تھیں۔ ”لعنوا“ ان کو مزادی گئی ”فی الدنیا“ دنیا میں ان پر حد جاری کی گئی۔ ”والآخرة“ آخرت  
 میں ان کے لیے آگ کا دردناک عذاب ہوگا۔ ”ولہم عذاب عظیم“ مقاتل کا بیان ہے کہ یہ حکم خاص عبد اللہ بن ابی کے لیے

تھا۔ نصیف سے روایت ہے کہ میں نے سعید بن جبیر سے پوچھا زنا کرنے اور تہمت زنا لگانے میں سے کون زیادہ سخت ہے؟ فرمایا جو مؤمنہ پر جھوٹی تہمت لگائے وہ دنیا و آخرت میں ملعون ہے۔ یہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے خاص طور پر اس کا ذکر کیا کہ جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائے گا وہ دنیا و آخرت میں ملعون ہے۔ بعض حضرات کا قول ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور دوسری ازواج مطہرات کے بارے میں بھی ہے اور ساری مؤمنات کے لیے بھی یہی حکم ہے۔

عوام بن حوشب نے قبیلہ بنی کاہل کے ایک شیخ کے حوالے سے نقل کیا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ آیت مذکورہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور دوسری اہمات المؤمنین کے حق میں خاص طور پر نازل ہوئی۔ اس آیت میں توبہ کا ذکر نہیں اور اگر کوئی دوسری مؤمن عورت پر زنا کی تہمت لگائے اس کے لیے اللہ نے توبہ کی گنجائش رکھی ہے۔ اس کے بعد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آیت ”والذین یرمون المحصنات ثم لم یأتوا باربعۃ شہداء، الا الذین تابوا“ تلاوت فرمائی اور فرمایا، ان لوگوں کے لیے توبہ کا ذکر کیا گیا اور آیت مذکورہ بالا میں ان لوگوں کے لیے توبہ کا ذکر نہیں کیا گیا۔ دوسرے اہل تفاسیر نے لکھا ہے کہ اس آیت کا نزول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کے حق میں ہوا تھا۔ یہاں تک کہ وہ آیت جو شروع سورت میں گزری، نازل ہوئی۔ ”والذین یرمون المحصنات ثم لم یأتوا باربعۃ شہداء“ بعد کو نازل ہوئی اور اس میں حد قذف اور توبہ کا ذکر کر دیا گیا۔ ”فان اللہ غفور رحیم“ اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے کوڑے اور توبہ کو نازل فرمایا۔

24) ”یوم تشهد علیہم“ حمزہ اور کسائی نے ”یشہد“ پڑھا ہے۔ فعل کی تقدیم کی وجہ سے اور دوسرے قراء نے ”شہد“ تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ ”السننہم“ زبان بندی سے پہلے کا وقت مراد ہے۔ ”وایدیہم وارجلہم“ روایت میں آتا ہے کہ زبان پر مہر لگادی جائے گی۔ پھر ہاتھ اور پاؤں بولیں گے جو کچھ دنیا میں انہوں نے کیا ہوگا وہ سب کچھ کھول کر بیان کر دیں گے۔ بعض نے کہا کہ بعض لوگوں کی زبانیں گواہی دیں گی اور بعض لوگوں کے ہاتھ پاؤں۔ ”ہما کانوا یعملون“

یَوْمَئِذٍ يُؤْفِكُهُمُ اللَّهُ دِينَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِينُ 25 النَّخِيبَاتُ لِلْحَبِيبَاتِ وَالنَّخِيبَاتُ لِلنَّخِيبَاتِ. وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبَاتِ وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبَاتِ. أُولَئِكَ مُبَرَّءُونَ مِمَّا يَقُولُونَ. لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ 26

25) اس روز اللہ تعالیٰ ان کو واجبی بدلہ پورا پورا دے گا اور (اس روز ٹھیک ٹھیک) ان کو معلوم ہوگا کہ اللہ ہی ٹھیک فیصلہ کرنے والا (اور) بات (کی حقیقت) کو کھول دینے والا ہے اور یہ (قاعدہ کلیہ ہے) گندی عورتیں گندے مردوں کے لائق ہوتی ہیں اور گندے مرد گندی عورتوں کے لائق ہوتے ہیں اور ستھری عورتیں ستھرے مردوں کے لائق ہوتی ہیں اور ستھرے مرد ستھری عورتوں کے لائق ہوتے ہیں یہ اس بات سے پاک ہیں جو یہ (منافق) کہتے پھرتے ہیں ان (حضرات) کے لئے (آخرت میں) مغفرت اور عزت کی روزی (یعنی جنت) ہے۔

**تفسیر** 25 ”يَوْمَئِذٍ يُؤَقِّبُهمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ“ یعنی ٹھیک ٹھیک واجبی بدلہ۔ بعض نے کہا کہ انصاف والا فیصلہ۔ ”ويعلمون انّ اللّٰه هو الحق المبین“ ان کی حقیقت واضح ہو جائے گی جو کچھ انہوں نے دُنیا میں شمار کر رکھا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا عبداللہ بن ابی (دین کی صداقت) میں شک کرتا تھا۔ قیامت کے دن اس کو معلوم ہو جائے گا کہ اللہ ہی حق مبین ہے۔

26 ”الْخَبِيثَاتُ لِلْخَبِيثِيْنَ“ اکثر مفسرین کے نزدیک ”الخبیثات“ سے مراد ہی گندی باتیں، مذمت، تحقیر اور توہین کرنے والے ناپاک الفاظ ہیں۔ خبیثین سے مراد لوگ ہیں۔ ”والخبیثون“ لوگوں کے ساتھ۔ ”للخبیثات“ سے مراد ان کے اقوال ہیں۔ ”والطیبات“ سے مراد قول ہے۔ ”للطیبین“ لوگوں سے ”والطیبون“ لوگوں سے ”للطیبات“ قول سے اس آیت کا معنی یہ ہے کہ گندی باتیں کرنے والے کے ساتھ لائق نہیں مگر گندے لوگ۔ اور پاک لوگوں کے لیے لائق نہیں مگر پاکیزہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ان لوگوں کی بری باتوں کے لائق نہیں کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پاکیزہ ہیں۔ لہذا ان کی طرف پاک کلام اچھی باتوں، ان کی تعریف وثناء کو مضاف کہا جائے گا اور اسی کے وہ لائق ہیں۔

## آیت الْخَبِيثَاتُ لِلْخَبِيثِيْنَ کی تفسیر

زجاج کا قول ہے کہ اس آیت کی تفسیر یہ ہے کہ گندے کلمات جیسے کلمہ کفر، جھوٹ، صحابہ اور اہل بیت کو برا کہنا، پاک دامن عورتوں پر زنا کا بہتان رکھنا اور اس جیسی دوسری باتیں ناپاک آدمیوں جیسے عبداللہ بن ابی وغیرہ کے لیے مناسب ہیں وہی ایسی باتیں کہہ سکتے ہیں۔ پاک لوگ ایسا کلام زبان سے نہیں نکال سکتے۔ گندے لوگوں کو انہی گندی باتوں کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ یہ ان لوگوں کی مذمت کرنا مقصود ہے جنہوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی تھی اور اس میں ان لوگوں کی مدح ہے جنہوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اس تہمت سے بری سمجھا تھا۔

ابن زید کا قول ہے کہ خبیثات سے مراد گندی عورتیں اور خبیثین سے مراد گندے مرد ہیں۔ یعنی اکثر گندی عورتیں گندے مردوں کے لئے اور گندے مرد گندی عورتوں کے لیے اور پاک عورتیں پاک مردوں کے لیے اور پاک مرد پاک عورتوں کے لیے ہوتے ہیں اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پاک ہیں اسی لیے اللہ نے ان کو اپنے رسول کی زوجیت کے لیے منتخب فرمایا۔ ”اولئک مبرؤن“ اس سے مراد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور صفوان ہیں۔

ان دونوں کو جمع کے لفظ کے ساتھ ذکر کیا جیسے ”فان كان له اخوة“ یہاں اخوة سے مراد اخوان ہیں۔ بعض نے کہا کہ ”اولئک مبرؤن“ یعنی پاک مرد اور پاک عورتیں اس تہمت سے بری ہیں۔ ”مما يقولون لهم مغفرة و رزق كريم“ مغفرت سے مراد گناہوں سے درگزر کرنا اور رزق کریم سے مراد جنت ہے۔

## حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت

روایت میں آتا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا چند باتوں پر ناز کرتی تھیں جو آپ ہی کو عطا کی گئی تھیں کسی اور عورت کو نہیں دی گئیں۔

ان میں ایک یہ ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی تصویر ایک ریشمی کپڑے میں (لیپٹ کر) لائے اور کہا یہ آپ کی بیوی ہیں۔ دوسرا یہ کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی اور عورت کے ساتھ جو کنواری ہوشادہی نہیں کی۔ تیسرا یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی گود میں تھا۔ چوتھا یہ کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد مبارک دفن کیا گیا۔ پانچواں یہ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ایک چادر میں ہوتے تو وحی آ جاتی۔ یہ شرف کسی اور بیوی کو حاصل نہیں ہوا۔ چھٹا یہ کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی پاک دامنی کی صراحت آسمان سے نازل ہوئی۔ ساتواں یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ کی صاحبزادی ہیں۔ آٹھواں یہ کہ آپ صدیقہ اور طاہرہ ہیں۔ نواں یہ کہ آپ سے مغفرت اور رزق کریم عطا فرمانے کا وعدہ کیا گیا۔ مسروق حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے کوئی حدیث بیان کرتے تو یہ الفاظ کہتے مجھ سے بیان کیا۔ صدیق کی صاحبزادی صدیقہ نے جو رسول اللہ کی چہیتی بیوی تھیں اور جن کی پاک دامنی آسمان سے نازل کی گئی تھی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْنِسُوا وَتَسَلِّمُوا عَلَى أَهْلِهَا.  
ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿۲۷﴾ فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا فِيهَا أَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوهَا حَتَّى يُؤْذَنَ  
لَكُمْ وَإِنْ قِيلَ لَكُمْ ارجِعُوا فَارجِعُوا هُوَ أَزْكَى لَكُمْ. وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿۲۸﴾ لَيْسَ  
عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ مَسْكُونَةٍ فِيهَا مَتَاعٌ لَكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا  
تَكْتُمُونَ ﴿۲۹﴾ قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَفْعَسُوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ذَلِكَ أَزْكَى لَهُمْ  
إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ ﴿۳۰﴾

﴿۲۷﴾ اے ایمان والو تم اپنے (خاص رہنے کے) گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل مت ہو جب تک کہ (ان سے) اجازت حاصل نہ کر لو اور (اجازت لینے سے قبل) ان کے رہنے والوں کو سلام نہ کر لو یہی تمہارے لئے بہتر ہے (یہ بات تم کو اس لئے بتلائی ہے) تاکہ تم خیال رکھو (اور اس پر عمل کرو) پھر اگر ان گھروں میں تم کو کوئی (آدمی) معلوم نہ ہو تو (بھی) ان گھروں میں نہ جاؤ جب تک کہ تم کو (مختار اذن کی جانب سے) اجازت نہ دی

جائے اور اگر تم سے (اجازت لینے کے وقت) یہ کہہ دیا جائے کہ (اس وقت) لوٹ جاؤ تو تم لوٹ آیا کرو یہی بات تمہارے لئے بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے اعمال کی سب خبر ہے (اور اگر خلاف کر دو گے تو سزا کے مستحق ہو گے) تم کو ایسے مکان میں چلے جانے کا گناہ نہ ہو گا جن میں (گھر کے طور پر) کوئی نہ رہتا ہو ان میں تمہاری کچھ برت ہو اور تم جو کچھ علانیہ کرتے ہو اور جو پوشیدہ طور پر کرتے ہو اللہ تعالیٰ سب جانتا ہے۔ آپ مسلمانوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں یہ ان کے لئے زیادہ صفائی کی بات ہے بیشک اللہ تعالیٰ کو سب خبر ہے جو کچھ لوگ کیا کرتے ہیں۔

**تفسیر 37** ”یا ایہا الذین آمنوا لا تدخلوا بیوتنا غیر بیوتکم حتی تستانسوا و تسلّموا علی اہلہا ذلکم خیر لکم لعلکم تذكرون“ ..... ”حتی تستانسوا“ کا مرادی معنی ہے اجازت حاصل کر لو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ”تستاذنوا“ پڑھا ہے اور کہتے ہیں کہ ”تستانسوا“ کا تب سے غلطی سے لکھا گیا ہے۔ اسی طرح ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے بھی پڑھا ہے۔ معروف قرآۃ ”تستانسوا“ ہے بمعنی استیذان اور بعض نے کہا کہ الاستحسان کا معنی ہے اس طلب کرنا اور وہ یہ ہے کہ دیکھا جائے گھر میں کوئی موجود ہو تو اس میں اجازت لیکر داخل ہو جائے۔

ذلیل کا قول ہے کہ استحسان کا معنی ہے اس کو دیکھنا۔ ”انست نارا“ میں نے آگ دیکھ پائی ہے طلب اذن کو استحسان کے لفظ سے اس لیے تعبیر کیا کہ طلبگار اجازت کے دل میں ایک طرح کی وحشت ہوتی ہے اس کو اندیشہ ہوتا ہے کہ شاید داخلے کی اجازت نہ ملے۔ جب داخلے کی اجازت مل جاتی ہے تو اس کی وحشت خاطر دور ہو جاتی ہے۔ طلبگار اجازت طالب علم بھی ہو سکتا ہے۔ اس کو معلوم نہیں ہوتا کہ داخلے کی اجازت مل جاتی ہے تو اس کی وحشت خاطر دور ہو جاتی ہے۔ جب اجازت مل جاتی ہے تو اس کو علم ہو جاتا ہے۔ بعض نے کہا استحسان کا معنی ہے کہ آدمی دروازے کے باہر کھڑا ہو کر سبحان اللہ، الحمد للہ اور اللہ اکبر کہے اور کھنکارے تاکہ اطلاع ملنے پر اہل خانہ اجازت دے دیں۔

## کسی کے گھر میں داخل ہونے سے پہلے اجازت لینا چاہئے

اس آیت کا حکم یہ ہے کہ کوئی بھی دوسرے کے گھر میں داخل ہو تو سلام کر کے داخل ہو یا اجازت لے کر داخل ہو۔ اس بارے میں اختلاف ہے کہ اجازت پہلے لے یا سلام پہلے کرے۔ اس بارے میں آئمہ کا اختلاف ہے۔ بعض حضرات کا قول ہے کہ پہلے اجازت طلب کرے اور یہ کہے کہ کیا میں داخل ہو سکتا ہوں۔ آپ پر سلام ہو۔ ”حتی تستانسوا و تسلّموا علی اہلہا“ اکثر علماء کے نزدیک سلام پہلے کیا جائے اور کہے سلام علیکم ”ادخل“ اور کہتے ہیں کہ اس میں تقدیم و تاخیر ہے۔ اس کی تقدیری عبارت یہ ہے کہ ”حتی تسلّموا علی اہلہا و تستاذنوا“ اسی طرح عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مصحف میں ہے۔ حضرت کلدہ بن حنبل کا بیان ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا نہ اجازت داخلہ مانگی نہ سلام کیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، واپس جاؤ اور واپس جا کر کہو السلام علیکم، کیا میں اندر آ سکتا ہوں۔ ایک شخص نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے داخلہ کی اجازت طلب کی اور کہا، کیا میں اندر آ سکتا ہوں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا نہیں، ایک شخص نے آنے والے کو مشورہ دیا کہ پہلے سلام کر پھر اجازت داخلہ طلب کر، حسب مشورہ اس نے سلام کیا، پھر اجازت طلب کی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اجازت داخلہ دیدی۔

بعض لوگوں کا خیال ہے اگر آنے والے کی نظر کسی آدمی پر پڑ جائے تو پہلے سلام کرے اور کوئی نظر نہ آئے تو طلب اجازت پہلے کرے، پھر سلام کرے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اپنی محرم عورتوں کے پاس آنا چاہتے تو ان سے بھی اجازت داخلہ کے طلب گار ہوتے تھے۔ حسن کا بیان ہے کہ اگر ایک ہی گھر ہو تو وہ کھنکارے اور تھوڑی سی حرکت کر لے تاکہ اس کی آہٹ سے دوسرے گھر والوں کو پتہ چل جائے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میرے پاس ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ آئے اور کہا مجھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آدمی بھیج کر بلوایا، میں طلب کرنے پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دروازے پر پہنچا اور تین بار سلام کیا لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سلام کا جواب نہیں دیا، میں لوٹ آیا۔ پھر جب میری ملاقات حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے جواب طلب کیا کہ تم کیوں نہیں آئے؟ میں نے جواب دیا میں تو آیا تھا اور تین مرتبہ سلام کرنے کے بعد بھی جب سلام کا جواب نہ آیا تو میں واپس لوٹ گیا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا تھا اگر تم میں سے کوئی تین مرتبہ داخلہ کی اجازت طلب کرے اور اس کو اجازت نہ ملے تو اس کو لوٹ جانا چاہیے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ تم اس بات پر گواہی دو۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا، میں اُٹھ کھڑا ہوا اور ان کے ساتھ جا کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے شہادت دے دی۔

بشر بن سعید حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اور اس میں فرمایا کہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب تم میں سے کوئی تین مرتبہ اجازت لے لے اور اس کو اجازت نہ ملے تو اس کو چاہیے کہ وہ لوٹ جائے۔ حسن نے کہا کہ پہلی مرتبہ اطلاع آمد ہے۔ دوسری مرتبہ سلام کرنا و اجازت و طلب امر ہے اور تیسری مرتبہ واپسی کے لیے اجازت کی طلب ہے۔

28 "فان لم تجدوا فيها احدًا فلا تدخلوها" اگر تم میں سے کوئی بھی گھر میں موجود نہ ہو تو اس میں داخل ہونے کے لیے اجازت طلب کرے۔ اگر اجازت نہ ملے تو اس میں داخل نہ ہو۔ "حتی یؤذن لکم وان قیل لکم ارجعوا فارجعوا" جب کوئی گھر میں موجود ہو تو اگر وہ کہیں کہ واپس لوٹ جاؤ تو واپس لوٹ جانا چاہیے، دروازے میں بیٹھ نہیں جانا چاہیے۔ "ہو از کنی لکم" وہیں سے واپس لوٹ جانا بہتر ہے اور تمہارے لیے فائدہ مند ہے۔

تبادلہ کا قول ہے کہ اگر گھر میں داخلہ کی اجازت نہ ملے تو گھر کے دروازے پر بیٹھ جانا نہیں چاہیے کیونکہ گھر کے دروازوں



پر عام طور پر حاجت مند لوگ بیٹھتے ہیں۔ ہاں اگر کوئی گھر میں موجود نہ ہو تو پھر اس کے انتظار میں بیٹھ جانا جائز ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما انصار کے دروازے پر احادیث کے حصول کے لیے آیا کرتے تھے اور انصاری کے دروازے میں ان کے انتظار میں بیٹھ جاتے، داخل ہونے کی اجازت طلب نہ کرتے۔ انصاری فرماتے، اے رسول اللہ! کے چچا کے بیٹے، آپ نے مجھے اطلاع دے دی ہوتی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ہم کو اسی طرح طلب علم کا حکم دیا گیا ہے۔

حضرت بہل بن سعد ساعدی سے روایت ہے کہ ایک بار ایک شخص نے حجرے کے پردے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اندر سے جھانک کر دیکھا اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں کوئی نوک دار لوہے کی چیز تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر مجھے معلوم ہو جاتا کہ وہ مجھے دیکھ رہا ہے میں اس کی آنکھ میں اس کو چھو دیتا۔ طلب اجازت کا حکم تو فقط نہ دیکھنے کیلئے ہی دیا گیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر کوئی شخص تمہاری اجازت کے بغیر تم کو جھانک کر دیکھے اور تم کوئی کنکری اس کو پھینک مارو اور کنکری سے اس کی آنکھ پھوٹ جائے تو تمہارا کوئی جرم نہیں۔ ”واللہ بما تعملون علیم“ اجازت کے ساتھ داخل ہونا اور بغیر اجازت کے دخول ہونا۔ جب آیت استیذان نازل ہوئی تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ وہ گھر کیسے ہوں گے۔ قریش کے تاجر جو مکہ و مدینہ اور شام کے درمیان آتے جاتے ہیں۔ سرداران قریش و مکہ کے اترنے کے مقام مقرر ہوتے ہیں جن کے اندر کوئی رہتا نہیں ہے وہاں کسی سے اجازت داخلہ مانگیں گے اور کسی کو سلام کریں گے اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

29 ”لیس علیکم جناح ان تدخلوا بیوتاً غیر مسکونۃ“ بغیر اجازت کے داخل ہونے کا حکم جن گھروں میں دیا گیا ہے وہ اس آیت میں مذکور ہیں۔ ”فیہا متاع لکم“ جس میں تمہارے نفع کی چیز ہے۔

## غیر مسکونۃ سے کون سے گھر مراد ہیں

ان گھروں سے کون سے گھر مراد ہیں۔ اس بارے میں آئمہ کے مختلف اقوال ہیں۔ قنادہ کا قول ہے کہ ان سے مراد وہ دکانیں، کوٹھڑیاں اور مکانات ہیں جو قافلے والوں کے لیے بنادیے جاتے تھے۔ قافلے آتے جاتے وقت وہاں ٹھہرتے تھے اور اپنا سامان رکھتے تھے۔ ان مکانوں میں بغیر اجازت طلبی کے داخلے کو جائز کر دیا گیا۔ اس صورت میں متاع یہ ہوگی کہ وہاں لوگ اترتے ہیں اور سامان رکھتے ہیں اور سردی گرمی سے بچتے ہیں۔

ابن زید نے کہا ان سے مراد وہ تجارتی کوٹھیاں اور دکانیں ہیں جو بازاروں میں ہوتی ہیں جہاں خرید و فروخت کے لیے لوگ داخل ہوتے ہیں یہی منفعت ہے۔

ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ بازار کی دکانوں میں داخل ہونے کی اجازت یعنی ضروری نہیں۔ ابن سیرین جب بازار کی کسی دکان پر جاتے تو فرماتے السلام علیکم میں داخل ہو جاؤں۔ پھر داخل ہو جاتے۔

عطاء نے کہا اس سے مراد ویران کھنڈر ہیں اور متاع سے مراد ہے بول و براز کے لیے جانا۔ بعض نے کہا کہ وہ تمام مکانات مراد ہیں جہاں کوئی باشندہ نہ ہو کیونکہ اجازتِ طلی کا حکم صرف اسی لیے دیا گیا ہے کہ کسی ننگے کھلے پر نظر نہ پڑ جائے۔ جن مکانوں کے اندر کوئی رہتا نہ ہو ان کے اندر داخل ہونے میں کسی برہنگی پر نظر پڑنے کا کوئی اندیشہ نہیں، اس لیے اجازت طلب کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ ”واللہ یعلم ما تبدون وما تکتمون“

⑩ ”قل للمؤمنین یغضوا من ابصارہم“ جن عورتوں کی طرف دیکھنا جائز نہیں ہے ان سے اپنی نظروں کو جھکانا۔ من صلہ ہے یعنی اپنی نظروں کو جھکائے رکھو۔ بعض نے کہا کہ ”من بعبضیہ“ ہے کیونکہ مؤمنین کو یہ حکم نہیں دیا گیا کہ کسی کو نہ دیکھیں سب کی طرف سے آنکھیں بند رکھیں بلکہ جس کو دیکھنے کی اجازت نہیں اس کی طرف نظر اٹھانے کی ممانعت ہے بلکہ تا محرم کی طرف بالارادہ دوسری بار دیکھنے کی بندش ہے۔ پہلی مرتبہ جو بلا ارادہ نظر پڑ جائے اس کا گناہ نہیں۔ ”ویحفظوا لہم وجہہم“ جو عورتیں ان پر حلال نہیں ان سے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کریں۔

ابوالعالیہ کا بیان ہے کہ قرآن پاک میں جس جگہ بھی شرمگاہ کی حفاظت کرنے کا حکم آیا ہے وہاں زنا اور حرام سے بچنا مراد ہے۔ صرف اس مقام میں حفاظت سے مراد پردہ کرنا اور اپنی شرمگاہ کو چھپائے رکھنا ہے۔ ”ذکر“ یعنی یہ اپنی نظروں کا نیچے جھکانا اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرنا۔ ”ازکھی لہم“ یہ تمہارے لیے بہتر اور پاکیزہ ہے۔ ”ان اللہ خبیر بما یصنعون“ وہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔

## اچانک نظر پڑ جائے تو اس کا حکم

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا، علی پہلی نظر کے ساتھ دوسری دفعہ نظر نہ کرنا کیوں کہ پہلی نظر تو تیرے لیے جائز ہے اس کے بعد دوسری نظر جائز نہیں۔ حضرت جریر بن عبد اللہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اچانک نظر پڑ جانے کا مسئلہ دریافت کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ نظر پھیر لیا کرو۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی مرد کسی مرد کی شرمگاہ کو نہ دیکھے اور نہ ہی کوئی عورت دوسری عورت کے تنگ کو دیکھے اور نہ ہی دوسرا کٹھے ایک لحاف میں سوئیں۔ (جب وہ دونوں ننگے ہوں) اور نہ ہی دو عورتیں ایک لحاف میں سوئیں۔ (جب کہ وہ ننگی ہوں)

وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ یَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَیَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا یُبْدِينَ زینتھنَّ إِلَّا مَا ظہَرَ مِنْهَا وَلَا یضربنَّ بخمرھنَّ علی جوبھنَّ وَلَا یُبْدینَ زینتھنَّ إِلَّا لبعولتھنَّ أو آبائھنَّ  
أَوْ آبَاءِ بَعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِ بَعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنَاتِ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنَاتِ

أَخْوَابَهُنَّ أَوْ نِسَائِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ أَوِ الْوَالِدَاتِ مِنَ الْإِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ  
أَوِ الْوَالِدَاتِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلَى عَوْرَاتِ النِّسَاءِ وَلَا يَضْرِبْنَ بَارِئَهُنَّ لِيُعْلَمَ مَا يَخْفَيْنَ  
مِنْ زِينَتِهِنَّ. وَتَوْبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهُ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۳۱﴾

﴿۳۱﴾ اور (اسی طرح) مسلمان عورتوں سے (بھی) کہہ دیجئے کہ (وہ بھی) اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی  
شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت (کے مواقع) کو ظاہر نہ کریں مگر جو اس (موقع زینت) میں سے (عالمیاً)  
کھلا رہتا ہے (جس کے ہر وقت چھپانے میں حرج ہے اور اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رہا کریں اور اپنی  
زینت (کے موقع مذکورہ) کو (کسی پر) ظاہر نہ ہونے دیں مگر اپنے شوہروں پر یا اپنے (عمارم پر یعنی) باپ پر یا اپنے  
شوہر کے باپ پر یا اپنے بیٹوں پر یا اپنے شوہر کے بیٹوں پر یا اپنے (حقیقی علاقائی اور اخیانی بھائیوں پر یا اپنے بھائیوں  
کے بیٹوں پر یا اپنی (حقیقی علاقائی اور اخیانی) بہنوں کے بیٹوں پر یا اپنی عورتوں پر یا اپنی لونڈیوں پر یا ان مردوں پر جو  
طفلی (کے طور پر رہتے) ہوں اور ان کو ذرا توجہ نہ ہو یا ایسے لڑکوں پر جو عورتوں کے پردوں کی باتوں سے واقف نہیں  
ہوئے (مراد غیر مراہق ہیں) اور اپنے پاؤں زور سے نہ رکھیں کہ ان کا مخفی زیور معلوم ہو جائے اور مسلمانو! تم سے جو  
ان احکام میں کوتاہی ہوگئی ہو تو تم سب اللہ کے سامنے توبہ کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔

﴿۳۱﴾ "وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ مِمَّا ضَعُفْنَ مِنْ بَصَارِهِنَّ" جن کو دیکھنا جائز نہیں اس سے آنکھیں بند رکھیں۔ "وَيَحْفَظْنَ  
فُرُوجَهُنَّ" ان مردوں کے سامنے جوان کے لیے حلال نہیں۔ بعض نے کہا "يَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ" یعنی اپنی شرمگاہوں کی حفاظت  
کریں تا کہ ان میں سے کوئی ان کو نہ دیکھے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ میں اور حضرت میمونہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھیں۔  
جب حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ ان کے بعد آئے، یہ واقعہ حجاب کے نزول کے بعد کا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم  
دونوں کو ارشاد فرمایا کہ ان سے پردہ کریں، میں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! کیا وہ اندھے نہیں ہیں، وہ تو ہمیں نہیں دیکھ رہے۔  
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کیا تم دونوں اندھی ہوگئی ہو اور تم دونوں دیکھ نہیں رہی۔ "وَلَا يَبْدِينَ زِينَتَهُنَّ" وہ اپنی  
زینت کو غیر مرد کے سامنے ظاہر نہ کرے۔ یہاں زینت سے مراد پوشیدہ زینت ہے۔ زینت دو ہیں، زینت خفیہ اور زینت  
ظاہرہ۔ خفیہ زینت خضاب پاؤں میں لگانا، کانوں کی بالیاں اور دوسری جج دجج۔ یہ لوگوں کے سامنے ظاہر کرنا جائز نہیں اور نہ ہی  
اجنبی شخص کا ان کو دیکھنا جائز ہے۔ زینت سے مراد زینت کی جگہیں ہیں۔

## الماظہر منها کی مختلف تفاسیر

الماظہر منها اس سے مراد زینت ظاہرہ ہے اس زینت کے متعلق اہل علم کا اختلاف ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے استثناء فرمایا ہے۔

سعید بن جبیر، ضحاک، اوزاعی کے نزدیک چہرہ اور دونوں ہتھیلیاں ہیں۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس سے مراد ثياب کپڑے ہیں۔ ”خذوا زینتکم عند کل مسجد“ اس زینت سے مراد بھی کپڑے ہیں۔

حسن کے نزدیک اس سے مراد چہرہ اور کپڑے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس سے مراد سرمہ، انگوٹھی اور ہاتھوں میں مہندی وغیرہ ہے۔ باقی رہی زینت جو ظاہری ہوتی ہے اجنبی مرد اس کو دیکھ سکتا ہے جب کہ فتنہ خوف اور شہوت کا اندیشہ نہ ہو۔ ان میں سے کسی چیز کا بھی خوف پیدا ہو جائے تو نظروں کا جھکانا ضروری ہے۔ اس مقدار میں اس کو کھلا رکھنا جائز ہے کہ عورت اپنے بدن کو ظاہر کرے اس لیے کہ یہ ستر عورت نہیں۔ لیکن نماز کی حالت میں ان کو ڈھانپنا ضروری ہے۔ عورت کا سارا بدن ستر ہے اس کو چھپانا ضروری ہے۔ ”ولبصر بن بخرمہن“ اپنی اوزھنیوں کا کچھ حصہ گریبانوں پر ڈالے رکھیں۔ ”علی جیوبہن“ تاکہ اس کے ذریعے سے ان کے سینے اور ان کی گردن اور ان کے بال چھپے رہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا سابق مہاجر عورتوں پر اللہ کی رحمت ہو۔ جب اللہ عزوجل نے یہ آیت ”ولبصر بن بخرمہن علی جیوبہن“ نازل فرمائی تو انہوں نے اپنی چادریں پھاڑ کر ان کے خمار بنا لیے۔ ”ولا یسلین زینتہن“ یعنی وہ زینت جس کو ظاہر کرنا ممنوع ہے اس کو ظاہر نہ کریں جن کو نماز کے اندر اور نماز کے علاوہ کھولنا جائز نہیں۔ ”الا لبعلتہن“ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مقاتل کے نزدیک کہ نہ ڈالو پردہ اور اوزھنیاں اور نہ ہی اپنی زینت کو ظاہر کرو مگر شوہروں کے لیے۔

## مرد مرد کو اور عورت عورت کے کونسے بدن کو دیکھ سکتی ہے

”او آہالہن او اہاء بعولتہن او ابنالہن او ابناء بعولتہن او اخوانہن او بنی اخوانہن او بنی اخواتہن“ ان لوگوں کے لیے جائز ہے کہ وہ باطنی زینت دیکھ سکتے ہیں مگر ناف اور گھٹنے کے درمیان نہیں دیکھ سکتے۔ شوہر کے لیے اپنی بیوی کے پورے بدن کو دیکھنا جائز ہے لیکن اس کے فرج کو نہیں دیکھ سکتا مکروہ ہے۔

”او نساءہن“ جائز ہے ایک عورت کا دوسری عورت کے بدن کو دیکھنا مگر ناف سے گھٹنے تک نہیں دیکھ سکتی۔ جیسا کہ محرم مرد کسی کے اتنی مقدار ستر کو نہیں دیکھ سکتا۔ یہ اس وقت ہے جبکہ عورت مسلمان ہو اور اگر عورت کافرہ ہو تو اس کی تنگ کو مسلمان عورت دیکھ سکتی ہے یا نہیں؟ اس بارے میں آئمہ کا اختلاف ہے۔

بعض حضرات کے نزدیک اس کا کشف عورت دیکھنا جائز ہے جیسا کہ مسلمان عورت مسلمان کا دیکھ سکتی ہے کیونکہ یہ امور عورتوں کے متعلق ہیں۔ بعض حضرات نے کہا کہ جائز نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”او نساءہن“ اور کافرہ عورتیں ہماری عورتوں میں داخل نہیں، وہ دین کے معاملے میں ہمارے لیے اجنبی ہیں۔

لہذا اس کو اجنبی مرد کی طرح دور رکھا جائے گا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے حضرت عبیدہ بن جراح کو لکھا کہ کتابی عورتوں کو مسلمان عورتوں کے ساتھ حمام میں جانے سے روک دیں۔

## کیا عورت کا غلام اپنی آقا کا محرم ہے

”او ما ملکت ایمانھن“ اس مسئلہ میں بھی آئمہ کا اختلاف ہے۔ بعض قوم نے کہا کہ عورت کا غلام اس کے لیے محرم ہے۔ اس کے دخول جائز نہیں۔ اگرچہ وہ عقیف (پاکدامن) ہو اور وہ اپنے مولیٰ کی ناف سے گھٹنے تک ستر کو نہیں دیکھ سکتا۔ یہ محارم کی طرح ہے جیسا کہ قرآن پاک کی اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور ثابت بن انس کی روایت سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک غلام سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو عطا فرمایا اور غلام کو ساتھ لے کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے۔ اس وقت حضرت سیدہ کے پاس صرف اتنا کپڑا تھا کہ اگر سر چھپاتی تھیں تو پاؤں کھلے رہتے تھے اور اگر ٹانگیں چھپاتی تھیں تو سر تک کپڑا نہیں پہنچتا تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات دیکھی تو ارشاد فرمایا کوئی حرج نہیں صرف تمہارا باپ اور تمہارا غلام ہے۔ (اس کا جواب بعض حضرات نے دیا کہ ہو سکتا ہے وہ غلام چھوٹی عمر کا ہو) بعض حضرات نے کہا کہ ان کے ساتھ اجنبی غلام تھا۔

یہی قول سعید بن المسیب کا ہے اور کہتے ہیں کہ اس آیت سے مراد غلام مراد نہیں ہیں بلکہ باندیاں ہیں۔ ابن جریج کا قول ہے کہ ”نساءھن“ سے مراد ہیں مسلمان آزاد عورتیں اور ”ما ملکت ایمانھن“ سے مراد ہیں باندیاں خواہ مسلمان ہوں یا نہ ہوں، غلام مراد نہیں ہیں۔ لہذا کسی مسلمان عورت کا کسی مشرک عورت کے سامنے اپنی زینت کا انکشاف جائز نہیں ہوگا، ہاں اگر باندی ہو، خواہ مشرک ہی ہو تو اس سے زینت کا انکشاف ضروری نہیں۔ ”او التابعین غیر اولی الاربة من الرجال“ ابو جعفر، ابن عامر اور ابو بکر نے غیر کو منصوب پڑھا ہے۔ ”التابعین“ کو معرفہ اور غیر کو نکرہ پڑھا ہے۔ بعض نے کہا کہ یہاں غیر ”الا“ کے معنی میں ہے۔ معنی یہ ہے کہ اپنی زینت کو تابعین (وہ مرد جو طفیلی کے طور پر رہتے ہیں) پر ظاہر کر سکتے ہو مگر وہ لوگ جن میں کچھ رغبت نہ ہو۔ بعض حضرات نے (غیر) مجرور پڑھا ہے۔ اس صورت میں التابعین کی صفت ہوگی۔ ”والاربة“ اور ”الارب“ حاجت کو کہتے ہیں۔

## غیر اولی الاربة سے کیا مراد ہے

”او التابعین غیر اولی الاربة من الرجال“ سے مراد وہ لوگ جو خود کمائی کر کے نہ کھا سکتے ہوں بلکہ یہ لوگ گھروالوں کے تابع ہوتے ہیں تاکہ بچا کچھا کھانا ان کو مل جائے۔ ان لوگوں کو عورتوں کی طرف رغبت نہیں ہوتی۔ یہ قول مجاہد، عکرمہ، شعبی کا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس سے نامرد مراد ہیں۔

حسن کا قول ہے کہ ”غیر اولی الاربة“ سے مراد وہ لوگ ہیں جن کو انتشار نہ ہو سکتا ہو اور نہ عورتوں کی رغبت ان میں باقی رہی ہو اور نہ ہی ان میں شہوت آتی ہو۔

سعید بن جبیر نے کہا کہ اس سے مراد ناقص العقل خطی مراد ہے۔ عکرمہ کا قول ہے کہ کٹا ہوا ذکر مراد ہے۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد عنث ہے۔ مقاتل کا بیان ہے کہ بوڑھا کھوسٹ، نامرد خضی اور ذکر بریدہ مراد ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج میں ایک عنث (بطور خادم) تھا۔ ہم اس کو ”اولی الاربعہ“ میں شمار کرتے تھے۔ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے پاس آئے۔ وہ عنث ایک عورت کے متعلق صفات بیان کر رہا تھا اور یہ کہہ رہا تھا کہ جب وہ آتی ہے تو چار شکنیں ہوتی ہیں اور جب وہ واپس مڑتی ہے تو آٹھ شکنیں ہوتی ہیں۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں دیکھتا ہوں یہ عورتوں کے محاسن سے واقف ہے۔ اس کے پاس کوئی نہ آئے بلکہ اس سے پردہ کریں۔

”او الطفل اللدین لم یظہروا علی عورات النساء“ طفل اور اطفال دونوں واحد اور جمع استعمال ہوتے ہیں۔ عورتوں کے پردے کے مقامات کو انہوں نے کھولا نہ ہو یا پردے کی باتوں کی ان کو ابھی واقفیت نہ ہوتی ہو۔ بعض نے کہا کہ بچے عورتوں کے معاملات پر واقف نہ ہوں۔ وہ جانتے ہی نہ ہوں کہ پردے کی بات کیا ہوتی ہے اور بعض نے کہا کہ وہ عورتوں کی امور کی طاقت نہ رکھتے ہوں۔ بعض نے کہا کہ بلوغت حد شہوت تک نہ پہنچے ہوں۔

”ولا یضربن بارجلھن لیعلم ما ینخفن من زینتھن“ عورت جب چلتی تھی تو پاؤں زمین پر مارتی تھی تاکہ اس کی پازیب کی آواز لوگ سن لیں اس کی ممانعت کر دی گئی۔ ”وتوبوا الی اللہ جمیعاً“ اللہ تعالیٰ کے امر و نواہی کے معاملے میں ہم سے جو کوتاہی ہو گئی اس سے معافی طلب کریں۔ بعض نے کہا کہ اللہ کی اطاعت کی طرف رجوع کرو جس کا اس نے اس سورۃ میں حکم دیا اس پر عمل کرو اور جس سے منع کیا ہے اس سے رُک جاؤ۔ ”ایہ المؤمنون لعلکم تفلحون“ ابن عامر نے ”ایہ المؤمنون“ ایہ ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اسی طرح ”بایہ الساحر“ اور ”ایہ الثقلان“ ان دونوں مقامات پر ہا کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ دوسرے قراء نے ہا کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ میں نے خود سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود ارشاد فرما رہے تھے، لوگو! اپنے رب کی طرف رجوع کرو، میں ہر روز سو بار اپنے رب کے سامنے توبہ کرتا ہوں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ ہم گنتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مجلس میں سو بار فرماتے تھے ”رب اغفر لی وتب علیّ انک انت التواب الغفور“ اور ایک روایت میں ”تواب الرحیم“ ہے۔ اس کلام کا خلاصہ یہ ہوا کہ اس سورۃ میں عورات کا بیان ہے کہ جائز نہیں دیکھنے والے کے لیے کہ وہ مرد کے ننگ کو دیکھے اور اس کے گھٹنے سے ناف تک دیکھے اور اسی طرح ایک عورت دوسری عورت کے ننگ کو نہ دیکھے۔ البتہ عورت ننگ کے علاوہ دوسری عورت کا پورا بدن دیکھ سکتی ہے جب کہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہو۔



## ران ستر عورت میں شامل ہے یا نہیں؟

امام مالک ابن ابی ذئب کا قول ہے کہ ران عورت نہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ خیبر کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے سے گرے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ران مبارک پر چوٹ آئی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ران مبارک سے ازار ہٹائی گئی۔ راوی فرماتے ہیں کہ میں نے ان کی پنڈلی کی سفیدی کو دیکھا۔ اکثر اہل علم کا قول ہے کہ لخت عورت میں شامل نہیں۔

محمد بن جحش سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم معمر کے پاس سے گزرے، اس حال میں کہ ان کی رانیں کھلی ہوئی تھیں فرمایا اے معمر اپنی رانوں کو ڈھانپ کر رکھ، کیوں کہ ران تنگ میں شامل ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جوہر بن خویلد یہ اصحاب صفہ میں سے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ران تنگ میں داخل ہے۔ محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث انس مسند ہے اور جوہر کی حدیث احوط ہے۔ اگر عورت مرد کے ساتھ ہو اور وہ لختیہ ہو اور آزاد ہو تو اس کا سارا بدن اجنبی کے حق میں عورت ہے۔ اس کے بدن کے کسی حصہ کی طرف دیکھنا جائز نہیں مگر چہرہ اور کفین۔ اور اگر وہ باندی ہو تو اس کی عورت مثل مرد کی طرح ہے ناف سے گھٹنے تک۔ اسی طرح دوسرے بعض کے بعض محارم اور مرد کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی بیوی کے تمام بدن کو دیکھے اور اس طرح اپنی باندی کے پورے بدن کو دیکھ سکتا ہے اور اگر اس کی باندی کا نکاح کسی مرد کے ساتھ ہو جائے تو پھر اس آقا کا اپنی باندی کی تنگ کو دیکھنا جائز نہیں۔ وہ ایسے ہی ہے جیسے کہ ایک اجنبی عورت ہو۔ حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کی باندی کے ساتھ کوئی غلام نکاح کر لے تو اس کو ناف سے گھٹنے تک نہیں دیکھ سکتا۔

وَأَنْكَحُوا الْأَيَامَىٰ مِنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَأَمَائِكُمْ. إِنْ يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُفْرِهِمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۹﴾

اور تم میں (یعنی احرار میں) جو بے نکاح ہوں تم ان کا نکاح کر دیا کرو اور (اسی طرح) تمہارے غلام اور لونڈیوں میں سے جو اس (نکاح کے) لائق ہو اس کا بھی اگر وہ مفلس ہوں گے تو خدا تعالیٰ (اگر چاہے گا) ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا اور اللہ تعالیٰ وسعت والا ہے خوب جاننے والا ہے

تفسیر ﴿۲۹﴾ ”وَأَنْكَحُوا الْأَيَامَىٰ مِنْكُمْ“ ایامی جمع ایام کی، اس مرد کو کہتے ہیں جس کی بیوی نہ ہو اور اس عورت کو کہتے ہیں جس کا خاندان نہ ہو۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے رجل ”ایم، وامرأة ایمة“ آیت کا معنی یہ ہے کہ اے مؤمنین کی جماعت! تم آزاد عورتوں کے ساتھ نکاح کرو۔ ”وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَأَمَائِكُمْ“ یہ امر مندوب اور استحباب کے لیے ہے۔ اس شخص کے لیے مستحب ہے جو شخص نکاح کی طاقت رکھے اور وہ اپنے لیے نکاح والی عورت بھی پائے تو اس کو چاہیے کہ وہ شادی کرے اور اگر نکاح کرنے کی طاقت نہ ہو تو پھر شہوت کو روزوں کے ذریعے توڑے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ اے جوانو کی جماعت! تم میں سے جو لوگ نکاح کی طاقت رکھتے ہیں ان کو چاہیے کہ وہ نکاح کریں کیونکہ یہ ان کی نظر کی حفاظت اور ان کی فرج کی حفاظت کا ذریعہ ہے اور جو شخص نکاح کی طاقت نہیں رکھتا تو اس کے لیے روزے ہیں، یہ اس کے لیے ڈھال ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تم نکاح کرو اور اضافہ کرو کیونکہ میں اپنی امت کے ذریعے سے دوسری امت پر فخر کروں گا حتیٰ کہ ساقط شدہ بچہ پر بھی۔ ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا جو میری فطرت کو پسند کرے تو وہ میری سنن کو اپنائے اور میری سنتوں میں سے ایک سنت نکاح کرنا بھی ہے۔

## عبادت میں مشغول ہونا افضل ہے یا نکاح کرنا

اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ عبادت میں مشغول ہونا افضل ہے؟ یا نکاح میں مشغول ہونا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عبادت میں مشغول ہونا نکاح میں مشغول ہونے سے افضل ہے۔ دوسرے اصحاب کے نزدیک نکاح میں مشغول ہونا عبادت میں مشغول ہونے سے افضل ہے۔ ان کی دلیل حضرت یحییٰ علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”وَسَيِّدًا وَحَصُوْرًا وَنَبِيًّا مِنَ الصَّالِحِيْنَ“ حضور کہتے ہیں جو عورتوں کے پاس نہ آئے۔ یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ ایسی عورتوں کا نکاح ولی کی اجازت کے بغیر درست نہیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو خطاب کیا ہے جیسے باندی یا غلام اپنی آقاؤں کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں کر سکتے۔ ”وَالصَّالِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَامَانِكُمْ“ یہی قول اکثر اہل علم صحابہ میں سے اور ان کے بعد کا ہے۔ اسی طرح مروی ہے حضرت عمر، حضرت علی، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، ابو ہریرہ و عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم اور فقہاء محدثین میں سعید بن المسیب، حسن، شریح، ابراہیم نخعی، عمر بن عبدالعزیز اور سفیان ثوری، اوزاعی، عبداللہ بن مبارک اور شافعی، احمد، اسحاق رحمہم اللہ کا قول ہے۔ بعض اصحاب الرائے کا قول یہ ہے کہ آزاد عورت خود نکاح کر سکتی ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر عورت گھنٹیا ہو تو جائز ہے کہ وہ خود اپنا نکاح کرے اور اگر وہ عورت شریف ہو تو پھر خود نکاح نہیں کر سکتی۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو عورت ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرے تو اس کا نکاح باطل ہے۔ تین دفعہ ارشاد فرمایا، اگر اس نے ایسا کر لیا تو وہ شوہر کے لیے حلال ہوگی اور اس پر مہر واجب ہوگا اور جس عورت کا ولی نہ ہو تو اس کا ولی سلطان (بادشاہ) ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ”ان یکونوا فقراء یغنیہم اللہ من فضلہ واللہ واسع علیم“، بعض نے کہا کہ یہاں غنی سے مراد قناعت ہے۔ بعض نے کہا کہ دونوں کا رزق، زوج کا رزق اور بیوی کا رزق مراد ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ تعجب ہے اس شخص کے لیے جو بغیر نکاح کے غنی طلب کرے کیوں کہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے ”ان یکونوا فقراء یغنیہم اللہ من فضلہ“ بعض حضرات سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے غنی کا وعدہ نکاح کے ساتھ کیا ہے اور تفریق زوجین

کے ساتھ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا دوسری جگہ فرمان ہے ”وان یفرقا یغن الله کلاما من سعته“

وَلَيْسْتَغْفِرِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتَّى يُغْنِيَهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَالَّذِينَ يَبْتُغُونَ الْكِتَابَ  
مِمَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوهُمْ إِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا وَأَتَوْهُمْ مِنْ مَالِ اللَّهِ الَّذِي آتَاكُمْ  
وَلَا تُكْرِهُوا فَتِيْنَكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ إِنْ أَرَدْتُمْ تَحَصُّنًا لَبْتَتُنَّوَ عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَنْ  
يُكْرِهِنَّ فَإِنَّ اللَّهَ مِنْ بَعْدِ إِكْرَاهِهِنَّ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۳۳﴾

اور ایسے لوگوں کو کہ جن کو نکاح کا مقدور نہیں ان کو چاہئے کہ (اپنے نفس کو) ضبط کریں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ (اگر چاہے) ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے (پھر نکاح کر لیں) اور تمہارے مملوکوں میں سے جو مکاتب ہونے کے خواہاں ہوں تو (بہتر ہے کہ) ان کو مکاتب بنا دیا کرو اگر ان میں بہتری (کے آثار) پاؤ اور اللہ کے (دیئے ہوئے) اس مال میں سے ان کو بھی دو جو اللہ نے تم کو دے رکھا ہے (تاکہ جلدی آزاد ہو سکیں) اور اپنی (مملوکہ) لونڈیوں کو زنا کرانے پر مجبور مت کرو (اور بالخصوص) جب وہ پاکدامن رہنا چاہیں محض اس لئے کہ دنیوی زندگی کا کچھ فائدہ (یعنی مال) تم کو حاصل ہو جائے اور جو شخص ان کو مجبور کرے گا تو اللہ تعالیٰ ان کے مجبور کئے جانے کے بعد (ان کے لئے) بخشے والا مہربان ہے۔

﴿۳۳﴾ ”ولیسْتَغْفِرِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا“ تاکہ وہ حرام کاری سے بچتے رہیں اور زنا سے بچتے رہیں جو لوگ نکاح کرنے کی طاقت نہیں رکھتے، خواہ مہر کے نہ ہونے کی وجہ سے ہو، خواہ نان و نفقہ نہ ہونے کی وجہ سے ہو۔ ”حَتَّى يُغْنِيَهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ“ اس پر اللہ رزق وسیع کر دیتے ہیں۔ ”وَالَّذِينَ يَبْتُغُونَ الْكِتَابَ“ وہ مکاتبیت کو طلب کرتے ہیں۔ ”مِمَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوهُمْ“

## آیت کا شان نزول

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ روایت میں آتا ہے کہ حوہ طب بن عبد العزیز کے غلام نے اپنے آقا سے سوال کیا کہ مجھے مکاتب بنا دیجئے۔ انہوں نے اس سے انکار کیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حوہ طب نے اپنے غلام کو سو دینار ادا کرنے کی شرط پر مکاتب بنا دیا اور بیس دینار اس کو خود دے دیئے۔ چنانچہ غلام نے سو دینار ادا کر دیئے۔ یہ غلام جنگ حنین میں شہید ہو گیا۔ کتابت یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے مملوک غلام کو یہ کہے کہ میں نے تجھے اتنے مال پر مکاتب کیا ہے اور مال مقررہ پر اس کو موسوم کر دے جو اس کو دو ماہ یا ایک ماہ میں ادا کر دے جب تو اتنا مال ادا کر دے تو تم آزاد ہو اور غلام اس کو قبول کر لیتا ہے۔ جب وہ مال ادا کر لے تو وہ آزاد ہو جائے گا، آزادی کے بعد جو مال غلام کے پاس ہوگا وہ اسی کے تابع ہوگا۔ اگر وہ غلام بدل کتابت ادا کرنے سے عاجز ہو گیا تو آقا اس سے بدل کتابت فتح کر سکتا ہے اور وہ دوبارہ مکاتبیت سے غلامی کی طرف

لوٹ جائے گا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ مکاتب اس وقت تک غلام ہی رہے گا جب تک اس پر بدل کتابت کا ایک درہم بھی باقی ہوگا۔

بعض اہل علم کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ”فکتابوہم“ یہ امر موالی پر واجب ہے کہ وہ اپنے غلام سے بدل کتابت کر لے جب وہ اس کا سوال کرے۔ اپنی جان کی قیمت کے بقدر یا اس سے زیادہ۔ اگر غلام اپنی قیمت کے کم پر بدل کتابت کا کہے تو اس پر بدل کتابت کرنا واجب نہیں ہے۔

یہ قول عطاء عمرو بن دینار کا ہے۔ ابن سیرین نے اپنے آقا حضرت انس بن مالک سے درخواست کی کہ مجھے مکاتب بنا دیجئے۔ حضرت انس نے کچھ توقف کیا۔ ابن سیرین نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جا کر شکایت کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ڈرہ لے کر حضرت انس پر چڑھ دوڑے اور مکاتب بنانے کا حکم دیا حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ابن سیرین کو مکاتب بنا دیا۔ اکثر اہل علم کا قول ہے کہ ”فکتابوہم“ والا امر وجوب کے لیے نہیں بلکہ استحباب کے لیے ہے۔ کہتے ہیں کتابت جائز نہیں مگر مقررہ قسطوں پر۔ امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک کم سے کم ادائیگی دو قسطوں میں ہونا ضروری ہے اور قسط وار ادائیگی کی شرط لازم ہے، فی الفور ادائیگی کا کوئی معنی نہیں کیونکہ غلام کو فوراً مال کہاں سے مل سکتا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر معاوضہ کتابت فوری ادا کرنے کی شرط لگا دی تب بھی صحیح ہے۔ ”ان علمتم لیہم خیراً“ خیر کے معنی میں اختلاف ہے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ خیر کا معنی ہے کسب کے اندر قوت کا ہونا۔ یہی قول امام مالک اور امام ثوری رحمہما اللہ کا ہے۔ حسن، مجاہد، ضحاک نے اس کا معنی مال سے کیا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ”ان ترک خیراً“ اس سے مراد مال ہے۔ روایت میں آتا ہے کہ حضرت سلمان کے کسی غلام نے آپ سے مکاتب بنا دینے کی درخواست کی۔ حضرت سلمان نے فرمایا کیا خیرے پاس مال ہے؟ غلام نے کہا نہیں۔ حضرت سلمان نے اس کو مکاتب بنا دیا اور فرمایا تو مجھے لوگوں کا میل کچیل کھلانے کا زجاج کا قول ہے کہ اگر خیر سے مراد مال ہوتا تو ”لیہم“ نہ ہوتا ”لہم“ ہوتا۔

ابراہیم بن زید اور عبید نے ”خیراً“ کا ترجمہ کیا صدق اور امانت۔ طاؤس، عمر اور ابن دینار کی مراد مال اور امانت ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ عبد میں خیر کا معنی یہ ہے کہ وہ امانت داری کے ساتھ اپنا بدل کتابت ادا کرے۔ اس طرح کی بدل کتابت ادا کرنے پر اس کو کوئی روک نہیں سکتا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین شخص ایسے ہیں جن کا حق اللہ تعالیٰ پر واجب ہے۔ ایک وہ جو مکاتب کے بدل کتابت کی ادائیگی میں اس کی مدد کرے۔ دوسرا وہ شخص جو پاک دامنی کے لیے نکاح کرے اور تیسرا وہ شخص جو اللہ کے راستے میں جہاد کرے۔ محمد بن سیرین عبیدہ سے روایت کرتے ہیں کہ اگر تم جان جاؤ کہ کس چیز میں خیر ہے یعنی نماز قائم کرنے میں۔ بعض نے کہا کہ غلام عاقل بالغ ہو، اگر وہ غلام بچہ ہو یا مجنون ہو تو اس کی بدل کتابت جائز نہیں کیونکہ ان دونوں سے کوشش کرنا یا کروانا صحیح نہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایسا بچہ جو بلوغت تک پہنچ رہا ہو اس کی کتابت صحیح ہے۔ ”وآنوہم من

مال اللہ اللہی اتاکم“ اس کے متعلق اختلاف ہے۔ بعض حضرات کا قول ہے کہ یہ خطاب موالی کو ہو کہ مولیٰ کو چاہیے کہ وہ بدل کتابت میں اپنے غلام میں کچھ نرمی اختیار کرے اور کچھ حصہ مکاتبت سے معاف کر دیں۔ حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت زبیر اور تابعین کی ایک جماعت کا یہی قول ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔

## غلام سے بدل کتابت میں کچھ حصہ چھوڑ دے اس کی حقدار کا بیان

اب اس کے لیے کتنا حصہ چھوڑ دے اس کے متعلق مختلف اقوال آئے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ وہ اس کو چوتھائی حصہ چھوڑ دے۔

بعض حضرات نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت سے اس کو مرفوع بھی قرار دیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ ایک تہائی چھوڑ دے۔ بعض نے کہا کہ اس کی کوئی خاص مقدار مقرر نہیں جتنا چاہے معاف کر دے۔ یہی قول امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ نافع کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک غلام کو ۳۵ ہزار درہم معاوضہ مقرر کر کے مکاتب بنایا۔ جب تیس ہزار ادا ہو چکے تو آخر میں پانچ ہزار معاف کر دیے۔

سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب کسی غلام کو مکاتب بناتے تو آخر میں جو کچھ معاف کرنا ہوتا معاف کر دیتے تھے۔ شروع میں معاف نہیں کرتے تھے۔ آپ کو یہ اندیشہ رہتا تھا کہ اگر یہ غلام بدل کتابت ادا نہ کر سکنے کی وجہ سے پھر غلامی میں حسب سابق آ گیا تو معاوضہ کتابت کا جو حصہ وہ معاف کر چکے ہوں گے وہ پھر ان کی ملک میں آ جائے گا۔ البتہ آخری ادائیگی کے وقت آپ کو حسب نشاء معاف کر دینا زیادہ مرغوب تھا۔ بعض نے کہا کہ یہ امر استحباب کے لیے ہے و جب دالاقول زیادہ راجح ہے۔

”وہی الرقاب“ یہی قول حسن اور زید بن اسلم کا ہے۔ اگر مکاتب بدل کتابت کی ادائیگی سے پہلے پہلے مر جائے تو کیا وہ غلام ہو کر مرے گا یا مکاتب کا حکم لگایا جائے گا؟ اس بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے کہ بعض اہل علم کے نزدیک وہ غلام ہو کر مرے گا اور اس سے کتابت مرتفع ہو جائے گی۔ برابر ہے خواہ وہ مال چھوڑ کر مرے یا مال نہ چھوڑے۔ جیسا کہ بیچ پر قبضہ کرنے سے پہلے پہلے وہ بیع ہلاک ہو جاتی ہے۔ یہ قول ابن عمر رضی اللہ عنہما اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا ہے۔

اور یہی قول عمر بن عبدالعزیز اور زہری اور قتادہ کا ہے اور یہی امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کا قول ہے اور بعض حضرات کا قول ہے اگر وہ کچھ بدل کتابت چھوڑ کر مرے اور اس کے پاس مال موجود ہو تو وہ آزاد سمجھا جائے گا اور اگر اس کے پاس اس کی آزادی کے بعد مال بیچ جائے تو یہ اس کی آزاد اولاد کے لیے ہوگی۔ یہ قول عطاء، طاؤس، نخعی و حسن کا ہے اور یہی قول امام مالک، امام ثوری اور اصحاب الرائے کا ہے۔ ”ولو کتاب عبده“ اگر کسی نے بدل فاسد کی کتابت کی اور اس نے وہ ادا کی تو وہ ادا سمجھی جائے گی کیوں کہ اس کی آزادی ادائیگی کتابت پر معلق تھی اور وہ پائی گئی۔ پھر اس کی اولاد اس کے مال میں شریک رہے گی۔

جیسا کہ کتابت صحیحہ میں ہوتا ہے لیکن کتابت صحیحہ اور فاسدہ میں فرق ہے کہ کتابت صحیحہ میں اگر کتابت فتح ہو جائے تو مولیٰ اس کے مال کا مالک نہیں ہوگا۔ اگر وہ بدل کتابت ادا کرنے سے عاجز نہ آ گیا ہو اور مولیٰ کے مرنے سے بدل کتابت بھی فتح نہیں ہوگی بلکہ وہ بدل کتابت ادا کر کے ہی بری ہوگا اور کتابت فاسدہ میں کتابت کے فتح ہونے کی صورت میں مال کا مالک ہو جاتا ہے۔ یہ تب ہے جب مال پورا ادا کر دیا ہو۔ اگر اس نے بدل کتابت کے فتح ہونے کے بعد بقیہ بھی ادا کر دیا تو وہ آزاد نہیں ہوگا اور فتح ہو جائے گا مولیٰ کے مر جانے کے ساتھ۔ اگرچہ وہ مال کتابت ادا کرنے سے عاجز آ گیا ہو اور اگر کتابت بدل کتابت کی ادائیگی کے بعد آزاد ہو جائے تو پھر اس کی کتابت سے رجوع ثابت نہیں ہوگا لیکن کتابت فاسدہ میں وہ غلام سے رجوع کر سکتا ہے۔ ”ولا تکرھوا لفتیاتکم علی البغاء ان اردن تحصنا“

## آیت ولا تکرھوا لفتیاتکم کا شان نزول

عبداللہ بن ابی سلول منافق کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس کی دو باندیاں تھیں، معاذہ اور مسیکہ۔ یہ ان دونوں سے زنا کروانا چاہتا تھا، دونوں باندیوں نے خدمت گرامی میں اس کی شکایت کی تو اس پر مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی۔ زمانہ جاہلیت میں لوگ اپنی اپنی باندیوں سے زنا کرواتے تھے۔ جب اسلام آیا تو معاذہ نے مسیکہ سے کہا کہ جس کام میں ہم مشغول ہیں اس کی دو جہیں ہیں ایک وجہ یہ کہ اگر یہ کام بہتر ہوتا تو بہت سارے لوگ کرتے اور اگر یہ کام برا ہے تو ہم اس برے کام کو ترک کرتے ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک باندی عبداللہ کے پاس زنا کی کمائی میں سے ایک چادر لائی اور دوسری ایک دینار لے کر آئی۔ عبداللہ نے دونوں سے کہا کہ جاؤ ابھی کچھ اور کمائی کر کے لاؤ۔ باندیوں نے کہا خدا کی قسم! اب تو ہم ایسا نہیں کریں گے، اسلام آچکا ہے، اللہ نے زنا کو حرام کر دیا ہے۔ جب عبداللہ بن ابی نے مجبور کیا تو دونوں نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر اپنا ڈکھ بیان کیا اور یہ آیت اتری ”ولا تکرھوا لفتیاتکم“ اپنی باندیوں پر ”علی البغاء“ زنا پر ”ان اردنا تحصنا“ اگر وہ پاک دامنی کا ارادہ کریں۔ اس میں شرط نہیں کہ اگر وہ پاک دامنی کا ارادہ کریں تو زنا نہ کراؤ اور اگر پاک دامنی نہ کریں تو پھر زنا کراؤ۔ اس کا یہ مطلب (شرط والا) نہیں کیوں کہ ان پر زنا کرنے کے لیے مجبور کرنا درست نہیں۔ اگرچہ وہ پاک دامنی کا ارادہ نہ کریں۔ ”وانتم الاعلون ان کتتم مؤمنین“ جب تم مؤمن ہو اور بعض نے کہا کہ احسان کی شرط لگائی اگر وہ محسن ہونے کا ارادہ نہ کرے تو پھر اس صورت میں وہ نبی ہوگی۔ تحسن پاک دامنی کو کہتے ہیں۔

حسن بن فضل کا بیان ہے کہ اس آیت میں تقدیم و تاخیر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر بیویاں پاک دامن رہنا چاہیں تو ان کا نکاح کرادو اور اپنی باندیوں کو زنا پر مجبور نہ کرو۔ ”لتبتغوا عرض الحیوة الدنیا“ تاکہ تم ان کے اس برے اعمال سے دنیا میں مال کمادیا اپنی اولاد کو ان کاموں کے لیے بچ دو۔ ”ومن یکرھن فان اللہ من بعد اکرھن غفور رحیم“ اس سے مراد کروہات ہیں



ورنہ مکہ کو کہتے ہیں۔ حسن رحمۃ اللہ علیہ نے جب یہ آیت پڑھی تو فرمانے لگے بخدا اللہ ان باندیوں کو معاف کر دے۔

وَلَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ آيَاتٍ مُّبَيِّنَاتٍ وَمَثَلًا مِّنَ الَّذِينَ خَلَوْا مِن قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ﴿۳۴﴾  
 اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ مِثْلُ نُورِهِ كَمِشْكُورَةٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ الْمِصْبَاحُ فِي رُجَاةٍ  
 الْزُّجَاةِ كَانَتْهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُوقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبْرَكَةٍ زَيْتُونَةٍ لَا شَرْقِيَّةٍ وَلَا غَرْبِيَّةٍ  
 يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُورٌ عَلَى نُورٍ يَهْدِي اللَّهُ لِنُورِهِ مَن يَشَاءُ  
 وَيَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۳۵﴾

اور ہم نے تمہارے پاس کھلے کھلے احکام بھیجے ہیں اور جو لوگ تم سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کی بعض حکایات اور (خدا سے) ڈرنے والوں کے لئے نصیحت کی باتیں (بھیجی ہیں) اللہ تعالیٰ نور (ہدایت) دینے والا ہے آسمانوں کا اور زمین کا اس کے نور ہدایت (کی حالت عجیبہ) ایسی ہے جیسے (فرض کرو) ایک طاق ہے (اور) اس میں ایک چراغ رکھا ہے (اور) وہ چراغ ایک قندیل میں ہے (اور وہ قندیل) طاق میں رکھا ہے اور وہ قندیل ایسا (صاف شفاف) ہے جیسے ایک چمکدار ستارہ ہو اور وہ چراغ ایک نہایت مفید درخت (کے تیل سے) روشن کیا جاتا ہے کہ وہ زیتون (کا درخت) ہے جو کسی (آڑکے) نہ پورب رخ ہے اور نہ پچھتم رخ اس کا تیل (اس قدر صاف اور سلگنے والا ہے کہ) اگر اس کو آگ بھی نہ چھوئے تاہم ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود بخود جل اٹھے گا اور جب آگ بھی لگ گئی تب تو نور علی نور ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے (اس نور ہدایت) تک جس کو چاہتا ہے راہ دے دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ لوگوں (کی ہدایت) کے لئے (یہ) مثالیں بیان فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

تفسیر ﴿۳۴﴾ ”وَلَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ آيَاتٍ مُّبَيِّنَاتٍ“ اس سے مراد حلال و حرام ہیں۔ ”وَمَثَلًا مِّنَ الَّذِينَ خَلَوْا مِن قَبْلِكُمْ“ ان لوگوں کا حال مقابل گزری ہوئی قوموں کے حال کے مشابہ ہے جنہوں نے انبیاء کرام علیہم السلام کو اور ان کے احکام کو جھٹلایا۔ یہ ان کے لیے ڈرانا مقصود ہے کہ اگر تم نے تکذیب کی تو تمہیں بھی ما قبل اقوام کے ساتھ ملایا جائے گا جو نتیجہ ان کا ہوا وہی تمہارا ہوگا۔ ”وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ“ اس سے مراد وہ مؤمنین جو شرک اور کبائر سے بچتے تھے۔

## اللہ نور السموات کی تفسیر

﴿۳۵﴾ ”اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ“ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اللہ آسمان و زمین کا ہادی ہے۔ اس کی رہنمائی سے سب حق کی طرف چل رہے ہیں اور گمراہی سے نجات پا رہے ہیں۔ ضحاک کا قول ہے کہ زمین و آسمان کو منور کرنے والا۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان کو منور کیا فرشتوں سے اور زمین کو منور کیا انبیاء کرام علیہم السلام سے۔ مجاہد کا قول

ہے کہ آسمانوں اور زمینوں میں امور کی تدبیر کرنے والا ہے۔ ابی بن کعب اور حسن اور ابو العالیہ کا قول ہے کہ آسمان اور زمین کو مزین کیا۔ آسمان کو مزین کیا سورج کے ساتھ اور چاند ستاروں کے ساتھ اور زمین کو مزین کیا انبیاء علیہم السلام، علماء، صلحاء اور مؤمنین رحمہم اللہ کے ساتھ اور بعض نے کہا کہ نباتات اور درختوں سے اس کو منور کیا اور بعض نے کہا کہ تمام اشیاء کو انہی سے منور کیا۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے فلاں پر رحمت یعنی اسی کی وجہ سے رحمت ہے۔

## مثل نورہ میں نور کا مصداق

”مثل نورہ“ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا نور جو مؤمن کے دل میں منور ہوتا ہے اور اس نور کے ساتھ وہ ہدایت پاتا ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے رب کی طرف سے نور ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ پڑھتے تھے ”مثل نورہ فی قلب المؤمن“ سعید بن جبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کرتے ہیں کہ ”مثل نورہ“ سے مراد جو اللہ تعالیٰ نے مؤمن کو عطا کیا ہے۔ بعض نے کہا کہ نور کی ضمیر مؤمن کی طرف راجع ہے۔ عبارت اس طرح ہوگی ”ای مثل نور قلب المؤمن“ حضرت ابی نے فرمایا کہ مؤمن کے دل کے نور کی صفت۔ یہ مؤمن وہ بندہ ہے جس کے دل کے اندر اللہ تعالیٰ نے ایمان اور سینہ کے اندر قرآن جمادیا۔ حضرت ابی یوں پڑھتے تھے ”مثل نور من امن بہ“

حسن اور زید بن اسلم نے کہا کہ نور سے مراد قرآن ہے۔ سعید بن جبیر اور ضحاک نے کہا کہ نور سے مراد ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک۔ بعض کے نزدیک نور سے اللہ کی اطاعت مراد ہے۔ اس کو طاعت کے ساتھ موسوم کیا اور ان انوار کو اپنی طرف فضیلت کی وجہ سے اضافت کی۔ ”کم مشکوٰۃ“ وہ طاچہ جس میں آر پار سورخ نہ ہو اور اگر آر پار سورخ ہو تو اس کو کوۃ (روشن دان) کہتے ہیں۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ مشکوٰۃ حبشی زبان کا لفظ ہے۔ امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے مشکوٰۃ کا ترجمہ قدیل سے کیا ہے۔ ”فیہا مصباح“ اس سے مراد چراغ ہے۔ یہ اصل میں ضؤ سے ہے اور اسی سے صبح ہے۔ اس کا معنی ہے کہ اس طاچہ میں روشنی ہے۔ ”المصباح فی زجاجۃ“ اس سے مراد قدیل ہے۔ زجاج کا قول ہے کہ شیشے کے اندر نور اور آگ کی روشنی بہت زیادہ چمکتی ہے اسی لیے لفظ زجاجہ ذکر کیا۔ پھر زجاجہ کا وصف ذکر کیا اور کہا ”الزجاجۃ کانہا کو کب دری“ ابو عمرو اور کسائی نے دری پڑھا ہے اور وہ پھینکنا ہے کیونکہ آسمان سے شیطان پر تارے برسائے جاتے ہیں۔ اس حالت کے ساتھ تشبیہ دی کیونکہ اس وقت یہ بہت زیادہ واضح اور روشن ہو جاتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ جب ستاروں کو بھینکنے کے لیے ہاتھ میں فرشتے پکڑتے ہیں تو اس وقت ان کی روشنی تیز ہو جاتی ہے۔ بعض نے کہا کہ جب وہ دوبارہ روشن ہو اس کو ڈر کہتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ جب وہ بلند ہو طلوع ہونے کے ساتھ تو اس کو ڈر کہتے ہیں اور جیسے کہا جاتا ہے ”درا علینا فلان“ وہ ظاہر ہوا۔ اکثر نحاۃ کے نزدیک اگر ڈر ہو تو یہ لُحْن ہے کیونکہ کلام عرب میں فعلیل کے فاء کے ضمہ کے ساتھ اور عین کے کسرہ کے ساتھ نہیں ہے۔ اکثر حضرات نے فاء کے ضمہ کو نقل سمجھتے ہوئے فاء کے کسرہ کے ساتھ ذکر کر دیا۔ دوسرے قراء نے وال کے ضمہ اور

یاء کی تشدید کے ساتھ بغیر ہمزہ کے اس کا معنی ہے اس کی بہت تیز روشنی۔ دُر کی طرف اس کی نسبت اس وجہ سے کی، اس کی صفات اور اس کی حسنت کے باعث۔ اگرچہ کوکب کی روشنی موتی کی روشنی سے زیادہ ہوتی ہے لیکن کوکب کی روشنی کی وجہ سے اس کو موتی پر فضیلت دی ہے۔ بعض نے کہا کہ پانچ ستارے جو سب سے بڑے ہیں یعنی زحل، مریخ، مشتری، زہرہ، عطارد۔ ان میں سے کسی ایک ستارے کو کوکب درمی کہا جاتا ہے۔

بعض حضرات نے کہا کہ اس کو دوسرے ستاروں سے تشبیہ دی ہے، چاند و سورج کے ساتھ تشبیہ کیوں نہیں دی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ سورج چاند کو گرہن لگ جاتا ہے جب کہ ستارے گرہن میں نہیں آتے۔

”یوقد“ ابو جعفر ابن کثیر، ابو عمرو، یعقوب نے ”توقد“ تاء اور فتح کے ساتھ پڑھا ہے اور واؤ کے فتح کے ساتھ اور قاف کی تشدید کے ساتھ ماضی کا صیغہ پڑھا ہے۔ ”من شجرة مباركة زيتونة“ اس درخت کا تیل بہت بابرکت ہوتا ہے۔ یہاں پر مضاف محذوف ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے ”یکاد زيتونها بضي“ شجرة مباركة سے مراد زيتون کا درخت ہے جو کثیر البرکت ہے اور اس میں بہت سارے منافع ہوتے ہیں۔ اس کا تیل چراغوں میں جلایا جاتا ہے اور نہایت مفید روشنی اس سے حاصل ہوتی ہے اور اس کا تیل دوسرے کاموں میں بھی آتا ہے۔ یہ بطور سائلن کے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس کا تیل نکالنے کے لیے خاص مشینریز کی ضرورت نہیں پڑتی بلکہ ہر شخص ہآسانی اس سے تیل نکال سکتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ زيتون کے تیل سے ناسورا چھا ہوتا ہے چوٹی سے جڑ تک۔ اس کے درخت میں تیل ہی تیل ہوتا ہے۔

اسد بن ثابت اور ابی اسلم انصاری سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ زيتون کا تیل کھاؤ اور استعمال کرو، یہ درخت مبارک درخت ہے۔

## لا شرقية ولا غربية کی تفسیر

”لا شرقية ولا غربية“ اس کا ایک مطلب بعض مفسرین نے یہ نقل کیا ہے کہ اس کا درخت صرف مشرق میں واقع نہیں کہ صرف طلوع کے وقت اس پر روشنی پڑے اور نہ ہی صرف مغرب میں واقع ہے کہ صرف غروب ہوتے وقت اس پر روشنی پڑے اور طلوع ہوتے وقت روشنی نہ پڑے بلکہ وہ پہاڑ کی چوٹی یا کھلے وسیع میدان میں واقع ہے کہ ہر وقت اس پر دھوپ پڑتی ہے اس وجہ سے اس کے پھل نہایت پختہ اور تیل بہت صاف ہے۔ یعنی نہ تو مشرق میں اور نہ ہی مغرب میں دونوں طرف سے حصہ لیتا ہے۔ اس وجہ سے اس کا تیل نہایت صاف و شفاف ہوتا ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ فلاں نہ ہی بہت کالا ہے اور نہ ہی سفید۔ اس سے مراد یہ کہ نہ تو وہ خالص کالا ہے اور نہ ہی وہ خالص سفید ہے بلکہ اس میں یہ دونوں چیزیں جمع ہیں۔ یرمان (انار) میں نہ زیادہ کھٹے ہیں اور نہ ہی میٹھے بلکہ اس میں حلاوت اور کھٹاس دونوں شامل ہیں۔ اسی طرح یہ زيتون بھی ہے۔ یہ قول ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عمر مہ کا ہے۔

سدی اور ایک جماعت کے نزدیک اس کا یہ مطلب ہے کہ نہ وہ ایسے مقام میں ہے کہ ہر وقت اس پر دھوپ پڑتی ہو اور

اس کو جلا ڈالے اور نہ ایسی پوشیدہ جگہ میں ہے کہ سورج ہمیشہ اس سے غائب رہے، کبھی اس پر دھوپ نہ پڑی ہو۔ اس وجہ سے وہ کچا رہ گیا ہو۔ بعض حضرات نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ یہ معتدل رہتا ہے کہ یہ مشرق میں نہیں کہ دھوپ اس کو ضرور دے اور نہ ہی مغرب میں ہے کہ سردی اس کو نقصان پہنچائے اور بعض حضرات نے کہا کہ وہ درخت نہ زمین کے مشرق میں واقع ہے اور نہ مغرب میں بلکہ درمیان میں ملک شام میں واقع ہے۔ شام کا زیتون بہت عمدہ ہوتا ہے۔

حسن کا قول ہے کہ ایسا کوئی درخت دنیا میں نہیں جو مشرق ہو نہ غربی، اللہ نے اپنے نور کی تشبیہ ایسے درخت زیتون سے دی ہے جو مغرب میں بھی ہو اور مشرق میں بھی ہو۔ اس سے زیتون کا درخت ہے جس سے اللہ نے اپنے نور کی تشبیہ دی ہے۔ ”یکاد زیتھا“ اس کا تیل ”یضی“ صاف ستھرا ہے۔ ”ولو لم تمسسه نار“ پہلے اس سے کہ اس کو آگ پہنچ جائے۔ ”نور علی نور“ اس میں پہلے چراغ کی روشنی، پھر اس طاقت کی چمک کی روشنی۔

## تمثیل کی وضاحت

اس تمثیل کے معنی میں اہل علم کا اختلاف واقع ہوا ہے۔ بعض حضرات کا قول ہے کہ اس سے نور محمدی کی تمثیل ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کعب احبار سے فرمایا تھا کہ یہ آیت مثل نودہ کمشکوٰۃ کے معنی کی تشریح کرو۔ کعب احبار نے کہا اللہ نے اس آیت میں اپنے نبی کی حالت بطور تمثیل بیان کی ہے۔ مکھوٰۃ سے مراد ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک سینہ اور شیشہ سے مراد ہے آپ کا دل اور مصباح سے مراد ہے نبوت اور یکاد سے نور محمد جو لوگوں کے لیے واضح ہو گیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا دعویٰ نہ بھی کیا ہوتا تب بھی قریب تھا کہ آپ کا نور جگمگانے لگتا اور لوگوں کے سامنے آپ کا نبی ہونا خود آ جاتا۔

سالم سے روایت ہے وہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے متعلق دریافت کرتے ہیں، فرمایا کہ مکھوٰۃ سے مراد جو محمد (سینہ مبارک) زجاجہ سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل اور مصباح سے نور مراد ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں ڈالا اور شجرہ مبارکہ سے مراد ہیں کہ حضرت ابراہیم کے شرقی و غربی نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ حضرت ابراہیم نہ یہودی تھے اور نہ عیسائی اور نور علی نور کا مطلب یہ ہے کہ ایک نور تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل کا نور ہے اور دوسرا نور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کا نور ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”وسراجاً منیراً“ شجرہ مبارکہ سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں کیونکہ ان کی صلب سے بہت سے انبیاء کرام علیہم السلام آپ کے بعد گزرے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نہ تو یہودی مذہب کے پیروکار تھے اور نہ عیسائی مذہب کے پیروکار تھے بلکہ دین حنیف پر تھے کیونکہ یہود مغرب کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے اور نصاریٰ مشرق کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ ”یکاد زیتھا یضی ولو لم تمسسه نار“ اس طرف اشارہ ہے کہ وحی آنے سے پہلے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات اور محاسن ظہور پذیر ہونے والے تھے۔

## نور علی نور کی تفسیر

نور علی نور کا مطلب یہ ہے کہ نور اصل نور نسل کے ساتھ شامل ہو گیا۔ ایک تو نور برابر ایسی تھا پھر نور محمدی اس کے ساتھ مل گیا۔ بعض حضرات نے کہا کہ یہ مؤمن کے دل کے نور کی ایک تمثیل بیان کی ہے۔

ابوالعالیہ نے اس کی تفسیر حضرت ابی بن کعب کی طرف نسبت کی ہے کہ یہ مؤمن کی مثال ہے۔ مؤمن کی ذات ایک مشکوٰۃ ہے۔ زجاجہ مؤمن کا سینہ ہے۔ مصباح اس کا دل ہے، نور مصباح ایمان اور قرآن کی روشنی ہے جو مؤمن کے دل میں ہوتی ہے۔ شجرہ مبارکہ سے یہ روشنی اخلاص اللہ کے مبارک درخت سے حاصل ہوتی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی سرسبز شاداب درخت جو گھنے باغ میں دوسرے درختوں سے گھرا ہوا ہو کہ سورج کے طلوع و غروب کے وقت دھوپ سے محفوظ ہو، مؤمن بھی ہر طرح کے فتنہ سے محفوظ رہتا ہے۔ چار اوصاف اس کے خصوصی اوصاف ہوتے ہیں۔ اگر اللہ کی طرف سے اس کو کچھ ملتا ہے تو شکر ادا کرتا ہے، نہیں ملتا تو صبر کرتا ہے۔ فیصلہ کرتا ہے تو انصاف کا کرتا ہے، بات کہتا ہے تو سچی کہتا ہے، اس کا دل ایسا چراغ ہوتا ہے جو آگ کو چھو جانے کے بغیر بھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ روشن ہو جانے کے قریب ہے یعنی ظہور حق سے پہلے ہی اس کو معرفت حق حاصل ہو جاتی ہے کیونکہ اس کا دل فطری طور پر حق پرست ہے وہ نور بالائے نور ہوتا ہے اس کا قول ایک نور ہوتا ہے، اس کا علم ایک نور ہوتا ہے، اس کا آنا نور اور جانا نور ہوتا ہے اور قیامت کے دن وہ نور ہی کی طرف جائے گا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ یہ اللہ کے نور کی مثال ہے جو مؤمن کے دل میں ہوتا ہے۔ مؤمن کا دل فطرۃ ہدایت پر عمل کرتا ہے جب اس کو علم حاصل ہو جاتا ہے تو اس کی ہدایت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔ نور بالائے نور ہو جاتا ہے یعنی مؤمن کا ایمان اور اس کا عمل نور ہی نور ہو جاتا ہے۔ سدی کا قول ہے کہ اس سے مراد نور ایمان اور نور قرآن ہے۔ حسن اور ابن زید نے کہا کہ یہ قرآن کی مثال ہے، مصباح قرآن ہے جس طرح چراغ سے روشنی حاصل کی جاتی ہے اسی طرح قرآن سے ہدایت حاصل کی جاتی ہے۔ زجاجہ مؤمن کا دل ہے، مشکوٰۃ اس کا منہ اور زبان ہے، مبارک درخت وحی کا درخت ہے۔ زیت سے مراد ہے قرآنی دلائل تیل کے روشن ہو جانے سے مراد ہے۔ حجت قرآن کا واضح ہو جانا خواہ اس کو پڑھا نہ گیا ہو۔ پھر بھی نور بالائے نور ہے۔ نزول قرآن سے پہلے اللہ نے مخلوق کی ہدایت کی نشانیاں اور دلائل قائم فرمادی تھیں۔ پھر جب قرآن نازل ہوا تو نور بالائے نور ہو گیا۔ نور فطرت میں نور قرآن کا اضافہ ہو گیا۔ ”یهدی اللہ لنورہ من یشاء“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس سے مراد دین اسلام ہے، یہ آنکھوں کا نور ہے اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد قرآن ہے۔ ”ویضرب اللہ الامثال للناس لعلہم یحذروا“ لیے ان اشیاء کو بیان کرتے ہیں تاکہ ان کو سمجھنے میں آسانی ہو اور اس راستے کے پانے میں آسانی ہو۔ ”واللہ بكل شیء علیم“

فِي بُيُوتِ اٰذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذَكَّرَ فِيهَا اسْمُهُ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيهَا بِالْعُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ﴿۳۶﴾

وہ ایسے گھروں میں (جا کر عبادت کرتے) ہیں جن کی نسبت اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ان کا ادب کیا جائے

اور ان میں اللہ کا نام لیا جائے ان (مسجدوں) میں ایسے لوگ صبح وشام اللہ کی پاکی (نمازوں میں) بیان کرتے ہیں۔  
**تفسیر** 36 ”فی بیوت اذن اللہ“ ان گھروں میں چراغ ہیں۔ بعض نے کہا کہ ان گھروں میں چراغ کے ساتھ روشنی کرو۔ بیوت سے مراد مساجد ہیں۔ سعید بن جبیر رحمہ اللہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ مسجدیں زمین پر اللہ کے گھر ہیں۔ یہ آسمان والوں کی نظر میں ایسی چمکیلی دکھائی دیتی ہیں جیسے زمین والوں کے لیے ستارے۔

صالح بن حبان نے بریدہ کا قول نقل کیا ہے کہ یہ صرف چار مساجد ہیں جن کو پیغمبروں نے بنایا ہے۔ کعبہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے، بیت المقدس کو حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے بنایا۔ مسجد مدینہ اور مسجد قبا کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنایا۔ مسجد قبا وہی مسجد ہے جس کی بنیاد اول دن سے ہی تقویٰ پر رکھی گئی تھی۔

”ان ترطع“ مجاہد کا قول ہے اس بناء کی مثال اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ”واذ یطوع ابراہیم القواعد من البیت“ حسن نے کہا کہ آیت اذن اللہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے حکم دیا ہے کہ اس کے گھر کی تعظیم کی جائے، یعنی اس میں بیہودہ بات نہ کی جائے۔ ”ویدکر فیہا اسمہ“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کی تلاوت کی جائے۔ ”یسبح لہ“ ابن عامر ابو بکر نے باء کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس آیت میں وقف والا صال پر کیا ہے۔ دوسرے قراء نے باء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس صورت میں تسبیح کرنا مردوں کا فعل قرار دیا ہے۔ ”یسبح لہ“ اور وہ نماز پڑھے۔ ”فیہا بالغدو والاصال“ یعنی صبح اور شام۔ اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ صبح وشام کی تسبیح سے پانچوں فرض نمازیں، مسجدوں کی تعمیر انہی نمازوں کی ادائیگی کے لیے کی جاتی ہے۔ بالغدو والاصال سے مراد ظہر اور عصر کی نماز ہے اور عشائین بھی۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد صلوٰۃ صبح اور صلوٰۃ عصر مراد ہے۔ اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے دونوں ٹھنڈی نمازیں پڑھیں وہ جنت میں داخل ہوگا۔ ایک روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول آیا ہے کہ صبح کی تسبیح سے چاشت کی نماز مراد ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص با وضو فرض نماز کے لیے چل کر جاتا ہے اس کا ثواب محرم حاجی کی طرح ہوتا ہے اور جو چاشت کی نماز کی غرض سے چل کر جاتا ہے اور صرف چاشت کی نماز کا ارادہ ہی اس کو کھڑا کرتا ہے اس کا ثواب عمرہ کرنے والے کے ثواب کے برابر ہوتا ہے ایک نماز کے بعد دوسری نماز عظیمین میں لکھ دی جاتی ہے جبکہ ان دونوں نمازوں کے درمیان کوئی لغوات نہ کی ہو۔

رِجَالٌ لَا تُلْهِهِمْ بِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ يَخَافُونَ  
 يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ 37

**ترجمہ** جن کو اللہ کی یاد سے اور (بالخصوص) نماز پڑھنے سے اور زکوٰۃ دینے سے نہ خرید غفلت میں ڈالنے پاتی ہے اور نہ فروخت (اور) وہ ایسے دن (کی واروگیر) سے ڈرتے رہتے ہیں جن میں بہت سے دل اور بہت سی آنکھیں الٹ جاویں گی۔  
**تفسیر** 37 ”رِجَالٌ“ ان میں مردوں کو خصوصی طور پر ذکر کیا کیونکہ عورتوں کا مساجد میں جانا نہ جمعہ کے لیے ہے اور نہ ہی



جماعت کے لیے۔ ”لا ملہمہم“ ان کی یاد سے وہ غافل نہ ہوں۔ ”تجارۃ“ یہاں پر تجارت کو خصوصی طور پر ذکر کیا کیونکہ یہی بڑا عمل ہے جس کی مشغولیت کی وجہ سے انسان نماز اور دوسری طاعات سے رہ جاتا ہے۔ تجارت سے مراد خریدنا ہے۔ اگرچہ تجارت کا لفظ خریدنے اور بیچنے دونوں پر بولا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے لفظ تجارت کے بعد لفظ بیع کا تذکرہ نہیں کیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ”واذا راو تجارۃ“ اس سے مراد خریدنا ہے۔ فراء کا قول ہے کہ تجارت کا تعلق ان لوگوں سے ہے جو باہر سے مال لانے والے ہیں اور بیع کا تعلق اس کے ہاتھ سے ہے۔

”ولا بیع عن ذکر اللہ“ نماز کے لیے مسجد میں حاضر ہونا۔ ”واقام“ اس کو قائم کرنے کے لیے۔ ”الصلوۃ“ اس سے مراد اس کے وقت میں ادا کرنا اس لیے کہ نماز کو وقت مقررہ سے مؤخر کرنے والا نماز کو قائم کرنے والا نہیں ہوتا۔ اقامت صلوة کا اعادہ دراصل نماز کے اوقات خمسہ کو اچھی طرح یاد رکھنا۔ حضرت سالم نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ میں بازار میں تھا، اتنے میں نماز کی اقامت ہوئی، لوگ اٹھ کر دکھانیں بند کر کے مسجد میں چلے گئے، انہی کے متعلق آیت ”لا ملہمہم تجارۃ ولا بیع“ نازل ہوئی۔ ”وابعاء الزکاة“ اس سے مراد فرض زکوٰۃ ادا کرنا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ جب ادا زکوٰۃ کا وقت آ جاتا ہے تو زکوٰۃ کو روکتے نہیں۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ زکوٰۃ سے تمام اچھے اعمال مراد ہیں۔

”بہا فون یوما تنقلب فیہ القلوب والابصار“ ان کے دل خوف اور امید کی طرف پلٹ جائیں گے، ہلاک ہونے سے ڈریں گے اور نجات کی امید ہوگی اور ان کی آنکھیں گرد و پیش کی طرف دیکھ کر چکرائیں گی اور ہر طرف پلٹ کر دیکھیں گی کہ کس طرف سے پکڑ ہوتی ہے، دائیں جانب سے یا بائیں جانب سے اور کس رخ سے اعمال نامہ ملتا ہے۔ سیدھی طرف سے یا الٹی طرف سے یا پیچھے سے اور وہ اس وجہ سے بھی ڈرتے ہیں کہ ان کو اعمال نامہ سامنے سے ملے گا یا پیچھے کے پیچھے سے اور یہ سب کچھ قیامت کے دن ہوگا۔ بعض حضرات نے ”تنقلب“ کی تفسیر کرتے ہوئے کہا کہ کافروں کے دل میں اس کفر و شرک سے پلٹ جائیں گے جس پر دنیا میں قائم تھے اور ان کی آنکھوں سے پردے ہٹ جائیں گے اور وہ اشیاء ان کو دکھائی دے گی جس کا انکار کرتے تھے اور بعض حضرات نے کہا کہ ان کا دل ان کے پیٹ میں ہی پلٹ جائے گا اور وہ گلے کی طرف نکلے گا نہ وہ اپنی جگہ ٹھہر سکے گا اور نہ ہی وہ باہر نکلے گا اور ان کی آنکھیں خوف و شدت کی وجہ سے چندھیا جائیں گی۔

لِيَجْزِيَهُمُ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِ وَاللَّهُ يَرْزُقُ مَن يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ  
 18 وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ مِّمَّ بَقِيَعَةٍ يُحْسِبُهُ الظَّمَانُ مَاءً حَتَّى إِذَا جَاءَهُمْ لَمْ  
 يَجِدْهُ سَيِّئًا وَوَجَدَ اللَّهُ عِنْدَهُ فَوْقَهُ حِسَابَهُ وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ 19 أَوْ كَطَلْمِثٍ هِيَ  
 بَحْرٌ لُّجِّيٌّ يُّغْشَى مِنْ فَوْقِهِ مَوْجٌ مِّن فَوْقِهِ سَحَابٌ ظَلْمِثٌ مِّمَّ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ إِذَا  
 أَخْرَجَ يَدَهُ لَمْ يَكُنْ يَرَاهَا وَمَن لَّمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِن نُّورٍ 20

انجام (ان لوگوں کا) یہ ہوگا کہ اللہ ان کے اعمال کا بہت ہی اچھا بدلہ دے گا (یعنی جنت) اور (علاوہ جزا کے) ان کو اپنے فضل سے اور بھی زیادہ دے گا اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہے بے شمار دے دیتا ہے اور جو لوگ کافر ہیں ان کے اعمال ایسے ہیں جیسے ایک چٹیل میدان میں چمکتا ہواریت کہ پیاسا (آدمی) اس کو (دور سے) پانی خیال کرتا ہے یہاں تک کہ جب اس کے پاس آیا تو اس کو (جو سمجھ رکھا تھا) کچھ بھی نہ پایا اور قضا الہی کو پایا سو اللہ تعالیٰ نے اس (کی عمر) کا حساب اس کو برابر برابر چکا دیا (یعنی عمر کا خاتمہ کر دیا) اور اللہ تعالیٰ دم بھر میں حساب کر دیتا ہے یا وہ ایسے ہیں جیسے بڑے گہرے سمندر کے اندرونی اندھیرے کہ اس کو بڑی لہر نے ڈھا تک لیا ہو اس (لہر) کے اوپر دوسری لہر اس کے اوپر بادل (ہے غرض) اوپر تلے بہت سے اندھیرے (ہی اندھیرے) ہیں کہ اگر (کوئی ایسی حالت میں) اپنا ہاتھ نکالے (اور دیکھنا چاہے) تو دیکھنے کا احتمال بھی نہیں اور جس کو اللہ ہی نور (ہدایت) نہ دے اس کو (کہیں سے بھی) نور نہیں (میسر ہو سکتا)۔

**تفسیر** 38 "لیجزیہم اللہ أحسن ما عملوا" اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ کے ذکر میں مشغول ہوں، نماز ادا کریں، زکوٰۃ دیں تاکہ اللہ ان کو ان کے اعمال کا اچھا بدلہ دے اس کا اچھا بدلہ جو انہوں نے اعمال کیے۔ "وینزلہم من فضله" اتنا دے کہ جو ان کے اعمال سے بڑھ کر ہو۔ "واللہ یوزق من یشاء بغیر حساب" پھر اللہ تعالیٰ نے کفار کے اعمال کی مثال بیان فرمائی ہے۔

39 "والذین کفروا أعمالہم کسراب بقیعة" سراب اس ریت کو کہتے ہیں جو ریگستانی میدان میں دوپہر کے وقت دھوپ میں آب رواں کی طرح دور سے نظر آتی ہے۔ اس کو تشبیہ دی ہے جاری پانی کے ساتھ جیسے دور سے اس ریت کو دیکھنے والے کو پانی محسوس ہوتا ہے لیکن جب وہ اس کے قریب پہنچتا ہے تو کوئی پانی نہیں ہوتا۔ قیحہ اور قاع ہموار میدان کو کہتے ہیں، اس کی جمع قیعان آتی ہے۔ "یحسبہ الظمان" پیاسا شخص یہ گمان کرتا ہے۔ "ماء حتی اذا جاءہ" وہ اس کو گمان کرتا ہے کہ یہ پانی ہے۔ بعض نے کہا کہ وہ موضع سراب میں آئے۔ "لم یجدہ شیئا" یعنی گمان کے مطابق اس کو کچھ نہ ملے۔ اسی طرح کافر گمان کرتا ہے کہ اس کا یہ عمل اس کو نفع دے گا لیکن جب اس کو ملک الموت پہنچ جاتا ہے اس وقت یہ اپنے اعمال کا محتاج ہوتا ہے لیکن وہ اس وقت ایسے اعمال نہیں پاتا جو اس کو اس سے بے پروا کر دے اور نہ ہی وہ اعمال اس کو نفع دے سکتے ہیں۔ "ووجد اللہ عنده" اس نے اللہ تعالیٰ کا عذاب اپنے پاس پایا اور اللہ نے اس کے اعمال کے مطابق پورا پورا بدلہ دیا۔ "لوفاہ حسابہ" اس کے اعمال کا بدلہ پورا پورا دیا۔ "واللہ سریع الحساب"

40 "او کظلمات" کفار کی ایک اور مثال بیان کی ہے۔ ان کے اعمال کے فساد کی مثال اور ان کی جہالت کی مثال ایسی ہے جیسے اندھیرا۔ "لمی بحر لجمی" گہرا جہاں پر پانی زیادہ ہوتا ہے سمندر کا وہ حصہ جہاں پانی بہت ہوتا ہے۔ "یغشاہ" جس میں موجیں چڑھی ہوتی ہیں۔ "موج من فوقہ موج" پے در پے لہروں کا چڑھنا۔ "من فوقہ سحاب" ابن کثیر نے ایک روایت کے مطابق "سحاب" پڑھا ہے۔ "ظلمات" مجرور ہے بدل ہونے کی وجہ سے "او کظلمات" سے۔ ابو الحسن سے روایت

ہے انہوں نے ”سحاب ظلمات“ پڑھا ہے اضافت کی وجہ سے۔ دوسرے قراء نے ”سحاب ظلمات“ پڑھا ہے دونوں مرفوع اور تنوین کے ساتھ۔ اس صورت میں یہ کلام سحاب پر مکمل ہو جائے گا۔ پھر دوبارہ کلام کی ابتداء ظلمات سے کی ہے۔

## من فوقة ظلمات کی تفسیر

”بعضها فوق بعض“ ایک اندھیرا بادلوں کا، دوسرا اندھیرا موج کا اور تیسرا اندھیرا سمندر کا۔ یہ ایک دوسرے پر اندھیرے ہیں۔ یعنی موجوں کا اندھیرا سمندر کے اندھیرے پر پھیلا ہوا ہے اور بادلوں کا اندھیرا موجوں پر چھایا ہوا ہے۔ ظلمات سے مراد کفار کے اعمال ہیں۔ ”بحر لجمی“ سے مراد ان کا دل ہے اور ہا لموج یغشی سے جہالت سے ان کا دل کا بھرا ہوا ہونا ہے اور سحاب سے مراد ان کے دل پر مہر ہے۔ ابی بن کعب رضی اللہ عنہما اس آیت کے بارے میں کہتے ہیں کہ فریاض اندھیروں سے پلٹتا ہے۔ اس کا کلام اندھیرا ہے، اس کا عمل اندھیرا ہے، اس کا داخل ہونا اندھیرا ہے۔ اس کا خارج ہونا اندھیرا ہے اور وہ قیامت تک یہاں تک کہ وہ دوزخ میں پہنچ جائے گا۔ ”اذا اخرج“ دیکھنے والے کو ”یدہ لم یکدیر اھا“ یعنی اس کا قریب بھی نظر نہ آتا ہوا اندھیرے کی شدت سے۔ فراء کا قول ہے کہ یکصلہ ہے وہ اس کو نہ دیکھے۔ مبرد کا قول ہے کہ اتنی کوشش کے بعد بھی وہ اس کو دیکھ نہ پائے گا۔ جیسا کہ کہنے والے نے کیا خوب کہا ہے کہ اندھیرے میں دیکھنے والے کو کچھ نظر نہ آئے حالانکہ وہ دیکھ رہا ہے۔ اس دیکھنے سے محض اس کو مایوسی اور شدت ہی آئے گی۔ بعض نے کہا کہ اس کو قریب سے دیکھے تو پھر بھی اس کو کچھ نظر نہ آئے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ قریب ہے شتر مرغ اڑنے لگا ہے۔ ”ومن لم يجعل الله له نوراً فما له من نور“ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے دین اور ایمان عطا نہ کیا ہو اس کے لیے کوئی دین نہیں اور جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت نہ دے اس کے لیے کوئی ایمان اور اس کے لیے کوئی ہدایت کا راستہ نہیں۔

مقاتل کا بیان ہے کہ اس آیت کا نزول عقبہ بن ربیعہ کے حق میں ہوا۔ عقبہ دو درجہ جاہلیت میں دین حق کا متلاشی تھا تاٹاٹ کا لباس پہنتا تھا لیکن جب اسلام آیا تو اس نے ماننے سے انکار کر دیا۔ اکثر علماء کے نزدیک یہ حکم عام ہے جمیع کفار کے لیے۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُسَبِّحُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالطَّيْرُ صَافٍ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ ① وَاللَّهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ ② أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُزْجِي سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهُ ثُمَّ يَجْعَلُهُ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلَالِهِ وَيُنزِلُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ جِبَالٍ فِيهَا مِنْ بَرَدٍ فَيَقْبِضُ بِهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَصْرِفُهُ عَنِ مَنْ يَشَاءُ يَكَادُ سَنَابِرُهُ يَذْهَبُ بِالْأَبْصَارِ ③

③ اے مخاطب کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتے ہیں سب جو کچھ کہ آسمانوں میں اور زمین میں

(مخلوقات) ہیں اور بالخصوص پرندے جو پھیلانے ہوئے اڑتے پھرتے ہیں سب کو اپنی اپنی دعا اور اپنی تسبیح معلوم ہے اور اللہ تعالیٰ کو ان لوگوں کے سب افعال کا پورا علم ہے اور اللہ ہی کی حکومت ہے آسمانوں اور زمین میں اور اللہ ہی کی طرف (سب کو) لوٹ کر جانا ہے کیا تجھ کو یہ بات معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ (ایک) بادل کو (دوسرے بادل کی طرف) چلتا کرتا ہے (اور) پھر اس بادل (کے مجزومہ) کو باہم ملا دیتا ہے پھر اس کو تہہ بہہ کرتا ہے پھر تو بارش کو دیکھتا ہے کہ اس (بادل) کے بیچ میں سے نکلتی ہے اور اسی بادل سے یعنی اس کے بڑے بڑے حصوں میں سے اولے برساتا ہے پھر ان کو جس (کی جان پر یا مال) پر چاہتا ہے گراتا ہے اور جس سے چاہتا ہے اس کو ہٹا دیتا ہے (اور) اس بادل کی بجلی کی چمک کی یہ حالت ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اس نے اب پینائی لی۔

**تفسیر** 41 "الم تر أن الله يسبح له من في السموات والارض والطير صافات" وہ اپنے پروں کو ہوا میں پھیلانے ہوئے ہیں، حیوانوں میں بالخصوص پرندوں کا ذکر اس لیے کیا کہ جو پرندے زمین پر ہیں وہ تو "من في السموات والارض" کے ذیل میں شامل ہی تھے اور اگر ذکر نہ کرتے تو آسمانوں میں اور زمین میں رہنے والے پرندے اس میں شامل نہ ہوتے۔ "كل قد علم صلاحته وتسبيحه" مجاہد کا قول ہے کہ صلوٰۃ یعنی آدم کے لیے اور تسبیح تمام مخلوقات کے لیے۔ بعض نے کہا کہ پرندہ کا پروں کو پھیلانا نماز ہے اور ان کا بولنا تسبیح ہے۔ کل قد علم جو بھی اللہ کی تسبیح کرتا ہے اور اس کی نماز ادا کرتا ہے وہ اللہ کے علم میں ہے اور بعض نے کہا کہ ہر ایک اپنی دعا اور پاکی بیان کرنے سے واقف ہے۔ "والله عليهم بما يفعلون"

42 "والله ملك السموات والارض والى الله المصير"

43 "الم تر أن الله يزعج" اپنے حکم سے بادلوں کو ہنکاتا ہے۔ "سحابًا" جہاں ان بادلوں کو لے جانے کا ارادہ کرتا ہے۔ "ثم يؤلف بينه" پھر ان بادلوں کے مختلف ٹکڑوں کو جمع کرتے ہیں۔ "ثم يجعله ركامًا" اس کو تہہ بہہ بنا دیتے ہیں "فتسرى الودق" پھر اس کے ٹکڑوں سے بارش کو نکالتے ہیں۔ "يخرج من خلاله" اسی کے درمیان سے، خلال جمع ہے خلل کی۔ جیسے جبال جمع ہے جبل کی۔ "وينزل من السماء من جبال فيها من برد" ان پر نازل کرتے ہیں برساتے ہیں بڑے بڑے اولے۔ بعض نے کہا کہ من صلہ ہے۔ بعض نے کہا کہ اولوں کے بڑے بڑے تودے جو پہاڑوں کی طرح ہوتے ہیں۔ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ بعض حضرات نے یہ قول ذکر کیا ہے کہ آسمانوں میں اولوں کے پہاڑ ہیں۔

بعض حضرات نے کہا کہ "من جبال فيها من برد" میں مفعول مخذوف ہے اور وہ انزال ہے۔ عبارت یوں ہوگی "وينزل من السماء من جبال فيها من برد" اس مفعول کو اس لیے ذکر نہیں کیا کیوں کہ مفہوم اس پر دلالت کر رہا تھا۔ نحویین حضرات کہتے ہیں کہ اس آیت میں تین مرتبہ (من) استعمال ہوا ہے۔ "من السماء" اس میں من ابتدائیہ ہے۔ دوسری جگہ "من جبال" یہاں پر من "تبعیضیہ" ہے مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں بعض بادلوں کے پہاڑ سے بارش نازل نہیں کرتا۔ "من برد" میں من بیانیہ جنس کے لیے ہے۔ "فیصیب به" وہ اولے نکلتے جاتے ہیں۔ "من يشاء" اس کے ذریعے سے

ان کی کھیتوں اور ان کے اموال کو ہلاک کر دیتا ہے۔ ”وَبَصْرُهُ عَنِ إِنِّ بَشَاءٍ“ اس کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتا۔ ”یکاد سنا ہرقہ“ بادلوں پر گزر گئے سے جو چمک پیدا ہوتی ہے۔ ”یلعب بالابصار“ اس کی شدت روشنی سے۔ وہ آنکھوں کی روشنی کو مدہم کر دیتی ہے۔ ابو جعفر نے یاء کے ضمہ اور ہاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔

يُقَلِّبُ اللَّهُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ. إِنَّ فِي ذَلِكَ لَعِبْرَةً لِّأُولِي الْأَبْصَارِ ﴿۱۷﴾ وَاللَّهُ خَلَقَ كُلَّ دَابَّةٍ مِّن مَّاءٍ. لَمِنْهُمْ مَّن يَّمْشِي عَلَى بَطْنِهِ وَمِنْهُمْ مَّن يَّمْشِي عَلَى رِجْلَيْنِ وَمِنْهُمْ مَّن يَّمْشِي عَلَى أَرْبَعٍ. يَخْلُقُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ. إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۸﴾

﴿۱۷﴾ (اور نیز) اللہ تعالیٰ رات کو اور دن کو (بھی) بدلتا رہتا ہے اس (سب مجموعہ) میں اہل دانش کے لئے استدلال (کا موقع) ہے اور اللہ (تعالیٰ ہی) نے ہر چلنے والے جاندار کو (بری ہو یا بخیر) پانی سے پیدا کیا ہے پھر ان میں بعض تو وہ (جانور) ہیں جو اپنے پیٹ کے بل چلتے ہیں اور بعض ان میں وہ ہیں جو دو پیروں پر چلتے ہیں اور بعض ان میں وہ ہیں جو چار (پیروں) پر چلتے ہیں اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے بناتا ہے بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پورا قادر ہے۔

﴿۱۸﴾ ”یقلب اللہ اللیل والنہار“ اللہ تعالیٰ ان کو پھیر دیتا ہے، رات کے بعد دن کو لاتا ہے اور دن کے بعد رات کو لاتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا مجھے ابن آدم دکھ پہنچاتا ہے، زمانے کو گالیاں دیتا ہے حالانکہ میں ہی زمانہ ہوں میرے ہی ہاتھ میں حکم ہے میں ہی رات دن کا ادل بدل کرتا ہوں۔ ”ان فی ذلک“ یعنی جو اشیاء ہم نے ذکر کی ہیں۔ ”لعبرة لا ولی الابصار“ عقل والوں کے لیے اور بصیرت والوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی قدرت و توحید کے دلائل ہیں، ان سے عبرت حاصل کرو۔

﴿۱۹﴾ ”واللہ خلق کل دابۃ“ حزہ اور کسائی نے (خالق کل) پڑھا ہے اضافت کے ساتھ اور دوسرے قراء نے (خلق کل) فعل پڑھا ہے۔ ”من ماء“ ماء سے مراد نطفہ ہے ہر وہ حیوان جو دنیا میں ہے اس کو نطفہ سے پیدا کیا ہے مگر فرشتے اور جن، ان کا مشاہدہ پانی کے ساتھ پیدا ہونے کا نہیں کیونکہ فرشتے تسبیح سے اور جنات آگ سے پیدا ہوتے ہیں۔ بعض حضرات نے کہا کہ ہر چیز کا اصل پانی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اول پانی کو پیدا کیا۔ پھر اس کے کچھ حصے کو ہوا بنا دیا جس سے فرشتے بنے اور کچھ حصہ کو آگ میں تبدیل کر دیا جس سے جنات کی تخلیق ہوئی اور کچھ حصہ کو مٹی بنا دیا گیا جس سے حضرت آدم علیہ السلام کی ساخت ہوئی اور مٹی سے ہی تمام جانور بنائے گئے۔ ”لمنہم من یمشی علی بطنہ“ کچھ جانور پیٹ کے بل چلتے ہیں جیسے سانپ، مینڈک، مچھلی، گنڈا وغیرہ۔

”ومنہم من یمشی علی اربع“ جیسے بہام چوپائے۔ یہاں یہ ذکر نہیں کیا کہ جو چار ٹانگوں سے زائد ٹانگوں پر چلتے ہیں جیسے حشرات الارض کیونکہ صورت تو وہ بھی اپنی ٹانگوں پر ہی چلتے ہیں جیسا کہ چوپائے چلتے ہیں ”من یمشی“ من تو ذوی العقول

کے لیے استعمال ہوتا ہے نہ کہ ان کے لیے جو ”لا یعقل“ ہیں۔ مثلاً سانپ چوپائے وغیرہ لیکن یہاں پر ”دابہ“ کا ذکر کیا اور دلہیہ میں لوگ بھی داخل ہیں کیونکہ یہاں پر جمع کا لفظ ذکر کیا، اس میں ذوی العقول اور غیر ذوی العقول دونوں کا ذکر کیا لیکن چونکہ ذوی العقول کو غیر ذوی العقول پر غلبہ حاصل ہوتا ہے اس وجہ سے اکٹھا ذکر کیا۔ ”وینخلق اللہ ما یشاء ان اللہ علی کل شیء قدير“

لَقَدْ اَنْزَلْنَا اَيْتٍ مُّبِيْنَةٍ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يُّشَاءُ اِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٤٦﴾ وَيَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلَّى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنۢ بَعْدِ ذٰلِكَ. وَمَا اُوْلٰئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٤٧﴾ وَاِذَا دُعُوْا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿٤٨﴾ وَاِنْ يَكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَأْتُوْا اِلَيْهِ مُذْعِبِيْنَ ﴿٤٩﴾ اَفَىٰ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمْ اَرْتَابُوْا اَمْ يَخَافُوْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُوْلُهُۥ بَلْ اُوْلٰئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٥٠﴾ اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا. وَاُوْلٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿٥١﴾ وَمَنْ يُّطِيعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ وَيَخَشِ اللّٰهَ وَيَتَّقْهُ فَاُوْلٰئِكَ هُمُ الْفٰئِزُوْنَ ﴿٥٢﴾

ہم نے حق کے سمجھانے والے دلائل نازل فرمائے ہیں اور (ان عام لوگوں میں سے) جس کو اللہ چاہتا ہے راہ راست کی طرف ہدایت فرماتا ہے اور یہ (منافق) لوگ (زبان سے) دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور رسول پر ایمان لے آئے اور (خدا اور رسول کا) حکم (دل سے) مانا پھر اس کے بعد (موقع ظہور صدق دعویٰ پر) ان میں کا ایک گروہ سرتابی کرتا ہے اور یہ لوگ (دل میں) اصلاً ایمان نہیں رکھتے اور یہ لوگ جب اللہ اور اس کے رسول کی طرف اس غرض سے بلائے جاتے ہیں کہ رسول ان کے (اور ان کے خصم کے) درمیان میں فیصلہ کر دیں تو ان میں کا ایک گروہ پہلو تہی کرتا ہے اور اگر ان کا حق (کسی کی طرف واجب) ہو تو سر تسلیم خم کئے ہوئے آپ کے پاس چلے آتے ہیں آیا ان کے دلوں میں (کفر کا) مرض ہے یا یہ (نبوت کی طرف سے) شک میں پڑتے ہیں؟ یا ان کو یہ اندیشہ ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ان پر ظلم نہ کرنے لگیں نہیں بلکہ (اصلی سبب یہ ہے کہ) یہ لوگ برسر ظلم ہوتے ہیں مسلمانوں کا قول تو جب کہ ان کو (کسی مقدمہ میں) اللہ کی اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ رسول ان کے درمیان میں فیصلہ کر دیں یہ ہے کہ وہ (خوشی خوشی) کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے سن لیا اور (اس کو) مان لیا اور ایسے لوگ (آخرت میں) فلاح پائیں گے اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مانے اور اللہ سے ڈرے اور اس کی مخالفت سے بچے پس ایسے لوگ با مراد ہوں گے۔

تفسیر ﴿٤٦﴾ ”لقد انزلنا“ ہم نے اس کو تمہاری طرف نازل کیا۔ ”آیات مبینات واللہ یهدی من یشاء الی صراط مستقیم“ ﴿٤٧﴾ ”وایقولون آمننا باللہ وبالرسل واطعنا“ اس سے مراد منافقین کہتے ہیں۔ ”ثم یتولی“ اللہ کی اطاعت سے



رسول کی اطاعت سے وہ اعراض کرتے ہیں۔ ”فريق منهم من بعد ذلك“ ان کے اس قول کے بعد کہ انہوں نے ”امنا“ کہا اور وہ اللہ کے علاوہ کو پکارنے لگے۔

”وما اولئك بالمؤمنين“ اس آیت کا نزول بشرِ منافق کے بارے میں ہوا۔ اس کا اور ایک یہودی کے درمیان کسی معاملے میں نزاع ہو گیا۔ یہودی نے کہا کہ چلو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصلہ کروائیں، منافق کہتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فیصلہ لے کر نہیں جاتا بلکہ کعب بن اشرف یہودی کے پاس چلتے ہیں اور وہ کہتا کہ مجھے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے فیصلے منظور نہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

48 ”واذا دعوا الى الله ورسوله ليحكم بينهم“ رسول کی طرف تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کریں۔ ”اذا فريق منهم معرضون“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے سے اعراض کرتے ہیں، بعض نے کہا کہ ان کے حکم فیصلہ کو ماننے سے اعراض کرتے ہیں۔ 49 ”وان يكن لهم الحق ياتوا اليه مذعنين“ اطاعت کرنے والے اور ان کے حکم کی پیروی کرنے والے۔ یعنی اگر یہ منافقین اپنے معاملے میں حق پر ہوں تو بھاگتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصلہ کروانے کا کہتے ہیں کیونکہ ان کو پتہ ہوتا تھا کہ جس طرح یہ اپنے امور سے حق سے فیصلہ کرتے ہیں۔ اسی طرح ہمارے اس معاملے میں بھی حق کے ساتھ فیصلہ کریں گے۔ 50 ”الهي قلوبهم مرض ام ارتابوا“ وہ شک میں مبتلا ہیں۔ یہ استفہامِ ذم اور توبیخ کے لیے ہے۔ یعنی وہ اس طرح ہیں ”ام يخافون ان يحيف الله عليهم ورسوله“ ظلم کا وہ خوف رکھتے تھے۔ ”بل اولئك هم الظالمون“ بلکہ وہ اپنے اوپر ہی حق سے اعراض کر کے ظلم کرنے والے ہیں۔

51 ”انما كان قول المؤمنين اذا دعوا الى الله ورسوله“ اللہ کی کتاب اور رسول کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ ”ليحكم بينهم“ یہ بطور خبر کے نہیں ہے لیکن یہ شریعت میں ادب کی تعظیم کا لحاظ کرتے ہوئے کہ مناسب یہی ہے کہ مؤمنین ایسے ہی ہوں ”يقولوا“ منصوب ہے ان کی وجہ سے۔ ”ان يقولوا سمعنا واطعنا“ ہم نے دُعا کو سنا اور ہم نے اس کا جواب اطاعت کے ساتھ دیا۔ ”واولئك هم المفلحون“

52 ”ومن يطع الله ورسوله ويخش الله“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ خواہ اس فرمانبرداری میں اس کو دُکھ پہنچے یا خوشی حاصل ہو۔

نیک اعمال کی بناء پر اور دُکھ اور رنج پہنچنے گناہ کی وجہ سے۔ ”ويشقه“ اور اس کے بعد اس سے بچا رہے۔ ”فلاولئك هم الفائزون“ وہ نجات پانے والے ہیں۔ ابو عمر و اور ابو بکر نے ہاء کے ساکن کے ساتھ پڑھا ہے۔ دوسرے قراء نے اس کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ حفص نے قاف کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس لغت میں اگر یاء ساکن اور اس کا ماقبل ساکن ہو تو اس صورت میں یا محذوف ہو جاتی ہے تو اس سے ماقبل والے کو ساکن کر دیتے ہیں۔ ”لم اشترطعافا“ اصل میں اشترى تھا۔ یاء کو حذف کیا راء اور یاء دونوں ساکن تھی اس لیے راء کو ساکن ہی رکھا۔

وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِن أَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ. قُلْ لَا تُقْسِمُوا طَاعَةً مَّعْرُوفَةً إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۳۹﴾ قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ. فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَا حَمَلْتُمْ. وَإِن تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا. وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلْغُ الْمُبِينُ ﴿۴۰﴾ وَعَدَّ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ. وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿۴۱﴾

اور وہ لوگ بڑا زور لگا کر قسمیں کھایا کرتے ہیں کہ (واللہ ہم ایسے فرمانبردار ہیں کہ) اگر آپ ان کو (یعنی ہم کو) حکم دیں تو وہ ابھی نکل کھڑے ہوں آپ (ان سے) کہہ دیجئے کہ بس قسمیں نہ کھاؤ (تمہاری) فرمانبرداری (کی حقیقت) معلوم ہے (کیونکہ) اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی پوری خبر رکھتا ہے آپ کہئے کہ اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو پھر اگر تم لوگ (اطاعت سے) روگردانی کرو گے تو سمجھ رکھو کہ رسول کے ذمہ وہی (تبلیغ) ہے جس کا ان پر بار رکھا گیا ہے اور تمہارے ذمہ وہ ہے جس کا تم پر بار رکھا گیا ہے اور اگر تم نے ان کی اطاعت کرنی تو راہ پر جا لگو گے اور (بہر حال) رسول کے ذمہ صرف صاف طور پر پہنچا دینا ہے (اے مجموعہ امت) تم میں جو لوگ ایمان لادیں اور نیک عمل کریں ان سے اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ ان کو (اس اتباع کی برکت سے) زمین میں حکومت عطا فرمائے گا جیسے ان سے پہلے (اہل ہدایت) لوگوں کو حکومت دی تھی اور جس دین کو (اللہ تعالیٰ نے) ان کے لئے پسند کیا ہے (یعنی اسلام) اس کو ان کے (نفع آخرت کے) لئے قوت دے گا۔ اور ان کے اس خوف کے بعد اس کو مبدل (باسن) کر دے گا بشرطیکہ میری عبادت کرتے رہیں (اور) میرے ساتھ کسی قسم کا شرک نہ کریں اور جو شخص بعد (ظہور) اس (وعدے) کے ناشکری کرے گا تو یہ لوگ بے حکم ہیں۔

تفسیر ﴿۳۹﴾ ”وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ“ اپنی قسموں میں خوب کوشش کرنا یا جلدی کرنا اور اللہ کی قسم کے اوپر اور کوئی قسم نہیں۔ ”لَئِن أَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ“ چونکہ منافقین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کرتے تھے کہ آپ جہاں بھی ہوں گے ہم آپ کے ساتھ ہوں گے۔ اگر آپ جہاد یا غزوات کے لئے نکلیں گے تو ہم آپ کے ساتھ نکلیں گے۔ اگر آپ قیام کریں گے تو ہم بھی آپ کے ساتھ ٹھہر جائیں گے۔ اگر آپ ہم کو جہاد کا حکم دیں گے تو ہم جہاد کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ آپ ان کو کہیں ”قُلْ لَا تُقْسِمُوا“ یعنی تم قسمیں نہ اٹھاؤ، یہاں پر کلام پورا ہو گیا۔ ”طَاعَةٌ مَّعْرُوفَةٌ“ یہ طاعت خواہ قول کے ساتھ ہو یا لسان کے ساتھ یہ تمہاری اعتقاد ہی نہیں۔ تمہاری اس طاعت کی حقیقت سب کو معلوم ہے۔ ایسا کام ہمیں معلوم

ہے کہ جو نیکی کرتے ہیں اور جھوٹ بولتے ہیں اور ایسا کہتے ہیں جو وہ کرتے نہیں، یہ مجاہد کا قول ہے۔ بعض نے طاعت معروفہ کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ کھلی ہوئی خالص اطاعت زبانی خلاف ورزی سے بہتر اور افضل ہے۔ مقاتل کا بیان ہے کہ تمہاری طرف سے اچھی اطاعت ہونی چاہیے۔ بعض نے کہا کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ تم سے اطاعت کرنے کی قسمیں مطلوب نہیں بلکہ طاعت معروفہ مطلوب ہے۔ ”ان اللہ خبیر بما تعملون“

55 ”قل اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول فان تولوا“ اگر تم اللہ ورسول کی اطاعت سے روگردانی کرو گے۔ ”فانما علیہ ماحمل“ جس کا رسول کو مکلف بنایا گیا ہے اور جس کا حکم انہیں دیا گیا یعنی تبلیغ الرسالۃ کا۔ ”وعلیکم ما حملتم“ اور تمہیں جس کا مکلف بنایا گیا یعنی اس کے حکم کو قبول کرنا اور اس کی طاعت کرنا۔ ”وان تطیعوه تہتدوا وما علی الرسول الا البلاغ المبین“ واضح تبلیغ۔ ان کے ذمہ کھول کر بیان کرنا ہے۔

56 ”وعد اللہ الذین امنوا منکم و عملوا الصالحات لیستخلفنہم فی الارض“ ابو العالیہ کا بیان ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں دس سال ٹھہرے رہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بھی آپ کے ساتھ تھے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کفار کی اذیت پر صبر کرنے کی تلقین کی گئی۔ مسلمان صبح وشام کفار سے خوفزدہ ہوتے، پھر مسلمان کو مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم دیا گیا۔ پھر جہاد کا حکم دیا گیا لیکن مسلمانوں پر یہ خوف جاری رہتا کہ اب ہمیں ہمیشہ جہاد ہی کرنا پڑے گا، کبھی اسلحہ چھوڑنے کا حکم نہیں ہوگا۔ ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ بھی ہمیں امن بھی حاصل ہوگا اور ہم اپنا اسلحہ اپنے اوپر سے اتاریں گے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ”وعد اللہ الذین آمنوا منکم و عملوا الصالحات لیستخلفنہم“ لام یبین کی قسم میں سے ہے۔ عبارت یوں ہے ”واللہ لیستخلفنہم“ کہ اللہ تمہیں ضرور بضرور اس زمین کا وارث بناائیں گے اور ان نیکوکاروں میں سے بعض کو عرب و عجم کی زمین کا مالک بنائے گا اور ان کو واجب اطاعت، بادشاہ اور حاکم ضرور کرے گا۔ ”کما استخلف الذین من قبلہم“ ابو بکر اور عاصم نے تاء کے ضمہ کے ساتھ اور لام کے کسرہ کے ساتھ مجہول پڑھا ہے۔ اس صورت میں یہ مفعول مالم یسم فاعلہ ہوگا۔

دوسرے قراء نے تاء کے فتح اور لام کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ قنَادہ کا قول ہے کہ ”کما استخلف“ سے مراد حضرات انبیاء کرام علیہم السلام جو گزر چکے مثلاً حضرت داؤد، حضرت سلیمان علیہم السلام ہیں۔ بعض حضرات نے کہا ”کما استخلف الذین من قبلہم“ سے مراد بنی اسرائیل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جبارہ پر کامیابی عطا کی اور شام پر ان کو فتح دی اور ان کی زمینوں کا ان کو وارث بنا دیا اور ان کے گھروں کو ہلاک کر دیا۔ ”ولیمکن لہم دینہم الذی ارتضیٰ لہم“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کی یہ تشریح کی ہے کہ ان کو ملکی وسعت عطا کرے گا، دوسرے ممالک پر ان کا قبضہ ہو جائے گا اور اپنے دین کو تمام مذاہب پر غالب کرے گا۔

”ولیسئلنہم“ ابن کثیر، ابو بکر، یعقوب نے تخفیف کے ساتھ مصدر ابدال سے پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس صورت میں مصدر تبدیل سے ہوگا اور اس میں دونوں لغات ہیں۔ بعض نے کہا کہ تبدیل ایک حال سے

دوسرے حال کی طرف تبدیل ہوتا اور ابدال کہتے ہیں کسی چیز کو ایک چیز کے ساتھ بدلنا۔ ”من بعد خوفہم امانا یعدوننی“ خوف کے بعد امن نصیب کرے گا۔ ”لا یشر کون بی شینا“ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ وعدہ کیا اور ان کے لیے دین کو ظاہر کر دیا اور ان کی مدد کی اور ان کو خوف سے امن کی طرف بدل دیا اور تمہیں زمین پر پھیلا دیا۔

## کسری بن ہرمز کے فتح کی پیشین گوئی

حضرت عدی بن حاتم سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک شخص خدمت گرامی میں حاضر ہوا اور اس نے فاقہ کی شکایت کی اور دوسرے آدمی نے آ کر راستہ لوٹا جانے کا شکوہ کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عدی کیا تم نے حیرہ دیکھا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میں نے خود نہیں دیکھا۔ البتہ اس کے متعلق سنا ضرور ہے، فرمایا اگر تمہاری عمر لمبی ہوئی تو دیکھ لو گے کہ عورت حیرہ سے (تجا) سفر کرتے ہوئے آئے گی اور کعبہ کا طواف کرے گی اور اس کو سوا خدا کے کسی سے خوف نہ ہوگا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ اس وقت بنی مطے کے غارت گر کہاں ہوں گے جنہوں نے ملک میں آگ لگادی ہے؟ اگر تیری عمر دراز ہوئی تو کسریٰ کے خزانے فتح کر لو گے۔ میں نے کہا کیا کسریٰ بن ہرمز کے، فرمایا کسریٰ بن ہرمز کے (پھر فرمایا) اگر تمہاری عمر دراز ہوئی تو دیکھ لو گے کہ آدمی مٹھی بھر بھر چاندی یا سونا قبول کرنے والے کی تلاش میں لیے پھرے گا اور جس روز آدمی اپنے رب کے سامنے جائے گا اور بندے کے اور اس کے رب کے درمیان کوئی ترجمان نہ ہوگا کہ اللہ کا مطلب بندے کو سمجھائے اور فرمائے گا کیا اپنے احکام پہنچانے کے لیے میں نے تیرے پاس اپنا رسول نہیں بھیجا تھا؟ بندہ کہے گا کیوں نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے تجھے مال نہیں دیا تھا اور تجھ پر اپنی مہربانی نہیں کی تھی؟ بندہ عرض کرے گا کیوں نہیں۔ اس وقت آدمی اپنی دائیں جانب دیکھے گا تو جہنم کے سوا اس کو کچھ نہیں دکھائی دے گا اور بائیں طرف دیکھے گا تب بھی جہنم ہی دکھائی دے گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا دوزخ سے بچو خواہ چھوہارے کا ایک ٹکڑا ہی خیرات کر کے، اگر چھوہارے کا ایک ٹکڑا بھی میسر نہ ہو تو میٹھی بات کہہ کر ہی (دوزخ سے حفاظت حاصل کرو) حضرت عدی نے (اپنے شاگرد سے) فرمایا میں نے تو یہ دیکھ لیا کہ ایک عورت حیرہ سے کعبہ کا طواف کرنے کے لیے چلی۔ یہاں تک کہ طواف کر لیتی ہے اور اللہ کے سوا اس کو کوئی خوف نہیں ہوتا اور کسریٰ بن ہرمز کے خزانے فتح کرنے میں تو میں خود شریک تھا۔ آئندہ اگر تمہاری عمر لمبی ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو بھی صحیح پا لو گے کہ مٹھی بھر آدمی سونا لے کر قبول کرنے والے کی تلاش میں نکلے گا اور قبول کرنے والا اس کو نہیں ملے گا۔ اس آیت میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور خلفاء راشدین کی خلافت و امامت کے متعلق بھی دلالت کرتی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت سفینہ کا بیان ہے کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خود یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میرے بعد خلافت تیس سال ہے، پھر ملوکیت ہو جائے گی۔ حضرت سفینہ نے کہا دو سال حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ رہے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت دس سال رہی۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت بارہ سال رہی۔ پھر حضرت علی

رضی اللہ عنہ کی خلافت چھ سال رہی۔ علی بن جعفر فرماتے ہیں کہ میں نے حماد سے کہا کہ کیا حضرت سفینہ نے یہاں تک ہی حدیث بیان کی اس سے آگے نہیں بیان کی۔ انہوں نے کہا جی ہاں۔ ”ومن کفر بعد ذلك“ اس سے مراد کفر ان نعمت ہے، نہ کہ کفر کا اصطلاحی معنی۔ ”فلاولئك هم الفاسقون“ اس سے مراد اللہ کی نافرمانی کرنے والے۔ بعض اہل تفسیر کا قول ہے کہ سب سے پہلے اس نعمت کی ناشکری کرنے والے وہ لوگ تھے جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو انہوں نے شہید کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے وہ نعمت بھی بدل ڈالی جو ان کو عطاء فرمائی تھی۔ چنانچہ خوف ان پر طاری ہو گیا اور بھائی ہونے کے باوجود آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرنے لگا۔

حمید بن ہلال کی روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بابت فرمایا جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف فرما ہوئے اس وقت سے آج تک فرشتے تمہارے اس شہر کو اپنے گھیرے میں لیے ہوئے ہیں۔ اب اگر تم عثمان کو قتل کر دو گے تو خدا کی قسم! فرشتے چلے جائیں گے اور پھر کبھی لوٹ کر نہیں آئیں گے جو شخص عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کرے گا خدا کی قسم! جب وہ اللہ کے سامنے جائے گا تو کوڑھی ہو کر جائے گا، اللہ کی تلوار نیام کے اندر ہے اگر اللہ نے نیام سے اس کو نکال دیا تو خدا کی قسم! پھر تم سے (ہٹا کر) وہ (کبھی یا روز قیامت تک) نیام میں داخل نہیں کرے گا کیوں کہ جب بھی کوئی نبی شہید کیا گیا ستر ہزار آدمی مارے گئے اور جب بھی کوئی خلیفہ شہید کیا گیا پینتیس ہزار آدمی قتل کیے گئے۔

وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿۵۵﴾ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ  
كَفَرُوا مُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ. وَمَا لَهُمُ النَّارُ. وَلَبَسَ الْمَاصِرُ ﴿۵۶﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا  
لَيْسَتْ أَدْنَاكُمْ الَّذِينَ مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ وَالَّذِينَ لَمْ يَلْفُؤْا الْحُلْمَ مِنْكُمْ لَئِكَ مَرَّتْ مِنْ  
قَبْلِ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَحِينَ تَضَعُونَ لِأَيْمَانِكُمْ مِنَ الظَّهِيرَةِ وَمِنْ بَعْدِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ. لَئِكَ  
عَوْرَتُ لَكُمْ. لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ مَّا بَعَدَهُنَّ طَوْفًا إِنَّ عَلَيْكُمْ بِغَضِّكُمْ عَلَى  
بَعْضِ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ الْآيَاتِ. وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۵۸﴾

﴿۵۵﴾ اور (اے مسلمانو) نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیا کرو اور (باقی احکام میں بھی) رسول کی اطاعت کیا کرو تاکہ تم پر (کامل) رحم کیا جاوے (اے مخاطب) کافروں کی نسبت یہ خیال مت کرنا کہ زمین میں (بھاگ کر ہم کو) ہر ادیس گے اور (آخرت میں) ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور بہت ہی برا ٹھکانا ہے اے ایمان والو! (تمہارے پاس آنے کیلئے) مملوکوں کو اور تم میں جو حد بلوغ کو نہیں پہنچے ان کو تین آیتوں میں اجازت لینا چاہئے (ایک تو نماز صبح سے پہلے (اور) دوسرے جب سونے لیٹنے کے لئے دوپہر کو اپنے، (بعض) کپڑے اتار دیا کرتے ہو اور (تیسرے) نماز عشاء کے بعد یہ تین وقت تمہارے پردہ کے (وقت) ہیں (اور) ان اوقات کے سوا نہ تم پر کوئی الزام ہے اور نہ

(بلا اجازت چلے آنے میں) ان پر کچھ الزام ہے (کیونکہ) وہ بکثرت تمہارے پاس آتے جاتے رہتے ہیں کوئی کسی کے پاس اور کوئی کسی کے پاس اسی طرح (جیسا کہ یہ حکم صاف صاف بیان کر دیا) اللہ تعالیٰ تم سے (اپنے) احکام صاف صاف بیان کرتا ہے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔

**تفسیر** 56 "واقموا الصلوة و آتوا الزکوة و اطیعوا الرسول لعلکم ترحمون" یہ کام اس اُمید پر کریں گے کہ اللہ ان پر رحمت نازل فرمائے گا۔

57 "لا تحسبن الذین کفروا" عامر اور حمزہ نے "لا یحسبن" یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ کافر لوگ یہ گمان نہ کریں اپنے اوپر "معجزین فی الارض" دوسرے قراء نے تاء کے ساتھ پڑھا۔ اس صورت میں خطاب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے کہ اے محمد! آپ گمان نہ کریں کہ یہ کافر لوگ آپ کو عاجز کر دیں گے۔ "وما وہم النار و لہن الس مصیر"

## آیت مبارکہ کا شان نزول

58 "یا ایہا الذین آمنوا لیستأذنکم الذین ملکتم ایمانکم" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انصاری غلام کو دو پہر کے وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلانے کے لیے بھیجا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا تو ایسی حالت میں دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس حالت میں دکھایا جاتا نا گوار گزرا۔ اس پر آیت "والذین لم یبلغوا الحلم منکم" نازل ہوئی۔

مقاتل بن حبان کی روایت ہے کہ حضرت اسماء بنت مرثد کا ایک غلام تھا جو اکثر حضرت اسماء کے پاس ایسے وقت میں آ جاتا تھا کہ اس وقت غلام کا آنا حضرت اسماء کو نا گوار گزرتا تھا۔ حضرت اسماء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا، یا رسول اللہ! ہمارے خادم اور خدام ایسے وقت ہمارے پاس آ جاتے ہیں کہ اس وقت ان کا آنا ہم کو نا گوار ہوتا ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ "یا ایہا الذین آمنوا لیستأذنکم" اس میں لام امر ہے۔ "الذین ملکتم ایمانکم" اس سے مراد غلام اور باندیاں ہیں۔ "والذین لم یبلغوا الحلم منکم" اس سے مراد آزاد عورتیں و مرد ہیں۔ اس سے بچے مستثنیٰ ہیں اور وہ بچے جو عورتوں کے احوال پر واقف نہیں یا اس سے وہ بچے مراد ہیں جو عورتوں کے احوال سے تو واقف ہوں البتہ بلوغت تک نہ پہنچے ہوں۔ "ثلاث موات" ان کو چاہیے کہ یہ تین اوقات میں گھر داخل ہونے کے لیے اجازت طلب کریں۔ ان تین اوقات کی وضاحت مندرجہ ذیل ہے۔ "من قبل صلوة الفجر و حین تضعون ثیابکم من الظہیرة" ان اوقات میں جب وہ تمہارے پاس آنے کا ارادہ کریں۔ "ومن بعد صلوة العشاء" ان تین اوقات کو اس لیے خاص کیا کیونکہ یہ تین اوقات ہی خلوت کا باعث ہیں۔ انہی اوقات میں انسان کپڑے اتارتا ہے، بسا اوقات ان تین اوقات میں جسم کا وہ حصہ بھی ظاہر کرتا ہے جو ہر ایک کے سامنے ظاہر نہیں کیا جاتا۔ ان اوقات میں غلاموں، بچوں کے لیے اجازت لے کر داخل ہونے کا حکم دیا ہے۔ ان کے



علاوہ دوسرے لوگوں کے لیے ہر حالت میں اجازت لے کر داخل ہونے کی اجازت کا حکم ہے۔ ”ثلاث عورات لکم“ حمزہ اور کسائی نے ثاء کے نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس صورت میں ”ثلاث عورات“ بدل ہوگا ٹلث مرات سے۔ دوسرے قراء نے ثاء کے مرفوع کے ساتھ پڑھا ہے کہ یہ تین اوقات تمہارے لیے پردے کے ہیں۔ ان تینوں اوقات کو عورات اس وجہ سے کہا گیا کیونکہ ان تین اوقات میں انسان اپنے کپڑے اتارتا ہے اور اس کی عورت ظاہر ہو جاتی ہے۔ ”لیس علیکم“ نہیں تمہارے لیے کوئی حرج۔ ”ولا علیہم“ اور نہ ہی غلاموں، خادموں اور بچوں کے لیے۔

”جناح“ ان اوقات کے علاوہ بغیر اجازت کے داخل ہونے میں کوئی حرج نہیں۔ ”بعلمن“ ان تین اوقات کے بعد ”طوالون علیکم“ اس سے مراد غلام خادم تمہارے پاس آتے جاتے ہیں اور بغیر اجازت کے آپ کے کاموں میں مشغول ہوتے ہیں۔ ”بعضکم علی بعض“..... ”کلک یبین اللہ لکم الایات واللہ علیم حکیم“ اس آیت کے حکم میں علماء کا اختلاف ہے۔

### آیت مبارکہ کا حکم

بعض حضرات نے کہا کہ یہ حکم منسوخ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ لوگوں کے گھروں پر نہ پردے تھے نہ حجاب بچے اور خادموں ہی اندر آ جاتے تھے اور گھر والوں کو ایسے حال میں دیکھ لیتے تھے جو گھر والوں کے لیے ناگواری کا سبب ہوتا تھا۔ اس وجہ سے اللہ نے داخلہ کی اجازت طلب کرنے کا حکم دیا۔ پھر اللہ نے مسلمانوں کے لیے مالی وسعت کر دی اور انہوں نے دروازوں کے پردے بنا لیے۔ اب طلب اجازت کی ضرورت نہیں رہی۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ آیت کا حکم منسوخ نہیں ہے۔ سفیان نے موسیٰ بن عائشہ کا بیان نقل کیا ہے۔ موسیٰ نے کہا کہ میں نے شعسی سے دریافت کیا کہ کیا یہ آیت منسوخ ہے۔ شعسی نے کہا نہیں خدا کی قسم! میں نے کہا لوگ تو اس پر عمل نہیں کرتے، شعسی نے کہا ”اللہ المستعان“ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ ہو گئی۔ خدا کی قسم! یہ منسوخ نہیں ہوئی بلکہ لوگوں نے اس کے موافق عمل کرنے میں سہل سے کام لیا۔

وَإِذَا بَلَغَ الْأَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَأْذِنُوا كَمَا اسْتَأْذَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ. كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيِهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۵۹﴾ وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ الَّتِي لَا يَرْجُونَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ أَنْ يَضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجَاتٍ بِزِينَةٍ وَأَنْ يَسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۶۰﴾ لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَى حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى أَنْفُسِكُمْ أَنْ تَأْكُلُوا مِنْ بُرُوتِكُمْ أَوْ بُرُوتِ آبَائِكُمْ أَوْ بُرُوتِ أُمَّهَاتِكُمْ أَوْ بُرُوتِ إِخْوَانِكُمْ أَوْ بُرُوتِ أَخَوَاتِكُمْ أَوْ بُرُوتِ أَعْمَامِكُمْ أَوْ بُرُوتِ عَمَّاتِكُمْ أَوْ بُرُوتِ أَخَوَاتِكُمْ أَوْ بُرُوتِ خَالَاتِكُمْ أَوْ مَا مَلَكَتُمْ أَيْمَانَكُمْ لَيْسَ عَلَيْكُمْ

جُنَاحَ أَنْ تَأْكُلُوا جَمِيعًا أَوْ أَشْتَاتًا. فَإِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوتًا فَسَلِّمُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِنْ عِنْدِ اللَّهِ مُبْرَكَةٌ طَيِّبَةٌ كَذَلِكَ بَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿61﴾

﴿تسبیح﴾ اور جس وقت تم میں سے وہ لڑکے (جن کا اوپر حکم آیا ہے) حد بلوغ کو پہنچیں تو ان کو بھی اسی طرح اجازت لینا چاہئے جیسا کہ ان سے اگلے لوگ اجازت لیتے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ تم سے اپنے احکام صاف صاف بیان کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے اور بڑی بوڑھی عورتیں جن کو (کسی کے) نکاح (میں آنے) کی کچھ امید نہ رہی ہو ان کو (البتہ) اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ وہ اپنے (زائد) کپڑے اتار رکھیں بشرطیکہ زینت (کے مواقع) کا اظہار نہ کریں اور (ہر چند کہ بوڑھیوں کو منہ کھولنے کی اجازت ہے لیکن اگر) اس سے بھی احتیاط رکھیں تو ان کے لئے اور زیادہ بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتا ہے سب کچھ جانتا ہے نہ تو اندھے آدمی کے لئے کچھ مضائقہ ہے اور نہ لنگڑے آدمی کے لئے کچھ مضائقہ ہے اور نہ بیمار کے لئے کچھ مضائقہ ہے اور نہ خود تہارے لئے اس بات میں (کچھ مضائقہ ہے) کہ تم اپنے گھروں سے (جن میں بی بی اور اولاد کے گھر بھی آگئے) کھانا کھا لویا اپنے باپ کے گھر سے یا اپنی ماؤں کے گھر سے یا اپنے بھائیوں کے گھر سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا ان گھروں سے جن کی کنجیاں تمہارے اختیار میں ہیں یا اپنے دوستوں کے گھروں سے (پھر اس میں بھی) تم پر کچھ گناہ نہیں کہ سب مل کر کھاؤ یا الگ الگ (کھاؤ) پھر (یہ بھی معلوم رکھو کہ) جب تم اپنے گھروں میں جانے لگا کرو تو اپنے لوگوں کو سلام کر لیا کرو (جو کہ) دعا کے طور پر (ہے اور) جو خدا کی طرف سے مقرر ہے (اور) برکت والی عمدہ چیز ہے (خدا تعالیٰ نے جس طرح احکام بتلائے) اسی طرح اللہ تعالیٰ تم سے (اپنے) احکام بیان فرماتا ہے تاکہ تم سمجھو (اور عمل کرو)

**تفسیر** ﴿61﴾ ”وَإِذَا بَلَغَ الْإِطْفَالُ مِنْكُمْ الْحُلُمَ“ اس سے مراد احتلام ہے جو آزاد مردوں کی بلوغت کی نشانی ہے۔ ”فَلْيَسْتَأْذِنُوا“ ان کے پاس آنے کی تمام اوقات میں داخلے کی اجازت طلب کریں۔ ”كَمَا اسْتَأْذَنَ الَّذِينَ مِنَ قَبْلِهِمْ“ آزاد اور بڑے لوگ۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ علیہم السلام ہیں۔ ”كذالك يبين الله لكم آياته“ آیات سے مراد دلائل ہیں۔ بعض نے کہا اس کے احکام مراد ہیں۔ ”والله اعلم“ ان کے پیدائش کے متعلق تمام امور کو جانتے ہیں۔ ”حکیم“ ان تمام امور کی تدبیر کرنے والے ہیں۔

سعید بن المسیب کہتے ہیں کہ آدمی کو اپنی ماں کے پاس بھی داخلے کی اجازت لے کر جانا چاہیے۔ اس آیت کا نزول اسی سلسلہ میں ہوا جب یہ آیت نازل ہوئی تو حدیث رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا وہ شخص اپنی والدہ کے پاس اجازت لے کر جاتا ہے۔ انہوں نے فرمایا جی ہاں۔ اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو وہ ایسی چیز بھی دیکھ سکتا ہے جو اس کو ناپسندیدہ ہو۔

⑥ "وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ" وہ عورتیں مراد ہیں جو حاملہ ہونے اور حیض آنے سے نا اُمید ہو چکی ہوں چونکہ حمل اور حیض سے انقطاع کی صفت عورتوں ہی کے لیے مخصوص ہے مردوں سے اشتباہ بھی نہیں ہے اس لیے حامل اور حائض کی طرح عورت کے لیے لفظ قاعد کے بجائے قاعدہ عربی میں مستعمل ہے۔ بعض نے کہا کہ قعدن عن الازواج ہے۔ "اللاحی لایرجون نکاحاً" ان کے بڑھاپے کی وجہ مردان کی طرف مائل نہیں ہوتے۔ ابن تیمیہ کا قول ہے کہ عورت کو قاعد کے نام سے موسوم کیا کیونکہ جب وہ بوڑھی ہو جاتی ہے تو اکثر اوقات میں وہ بیٹھی رہتی ہے۔ ربیعہ نے کہا کہ اس سے مراد وہ بوڑھی عورتیں ہیں جن سے مرد نفرت کرتے ہیں ان کے بڑھاپے کی وجہ سے، کوئی ان کی طرف رغبت نہیں کرتا جو عمر رسیدہ عورت ایسی ہو کہ اس کے اندر کچھ جمال باقی ہو تو وہ اس آیت سے خارج ہے۔

"فليس عليهن جناح أن يضعن ثيابهن" مردوں کے سامنے وہ اپنے بعض کپڑے ان مردوں کے سامنے اُتار سکتی ہیں جیسے اوڑھنی، چادر، جو عام طور پر کپڑوں کے اوپر باندھی جاتی ہے۔ حضرت ابن مسعود اور ابی بن کعب کی قرأت میں "من ثيابهن" آیا ہے۔ "أن يضعن من ثيابهن"

"غیر متبرجات بزينة" بغیر پردے کے وہ باہر آئیں۔ رداعلم عورتوں کے لیے زینت ہے اور تبرج کہتے ہیں کہ عورت اپنے محاسن کو ظاہر کرے جن کو چھپانا اس کے لیے ضروری ہے۔ "وَأَنْ يَسْتَفْتِنَ" ان کو اوڑھنی اور چادر کی تلقین نہ کرنا۔ "غیر لهن واللہ سمیع علیم"

⑥ "ليس على الاعمی حرج ولا على الاعرج حرج ولا على المریض حرج" علماء نے اس آیت کی تفسیر کے متعلق مختلف اقوال نقل کیے ہیں۔

## لیس علی الاعمی کی مختلف تفاسیر

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ جب یہ آیت "یا ایہا الذین آمنوا لا تأکلوا اموالکم بینکم بالباطل" نازل ہوئی تو بیماروں، لنگڑوں اور اندھوں کے ساتھ کھانے سے مسلمانوں پر دشواری آ پڑی تو مسلمانوں نے کہا کھانا تو ہر مال سے اوشچا درجہ رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے خلاف حق کھانے سے منع کیا ہے۔ ناپینا آدی تو عمدہ کھانے کو دیکھ ہی نہیں سکتا اور لنگڑا ٹھیک طور پر بیٹھ نہیں سکتا اور مزاحمت نہیں کر سکتا اور بیمار تو کھانا اٹھانے سے ویسے ہی کمزور ہوتا ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس تاویل کی بنیاد پر علی بمعنی طبی کے ہوگا۔ یعنی نہیں ہے اندھے پر اور پانچ اور بیمار پر تمہارے ساتھ کھانا کھانے میں کوئی حرج۔

سعید بن جبیر اور ضحاک کا قول ہے کہ لنگڑے، اندھے اور بیمار لوگ تندرست لوگوں کے ساتھ کھانا کھانے سے خود گریز کرتے تھے کیونکہ تندرست لوگ ان سے نفرت کرتے اور ان کے ساتھ کھانے کو برا سمجھتے تھے۔ اندھا کہتا تھا ممکن ہے میں زیادہ کھاؤں اور دوسرے کے لیے کم بچے۔ لنگڑا کہتا تھا مجھے بیٹھنے کے لیے دو آدمیوں کی جگہ گھیرنا پڑے گی، اس سے دوسروں کو تنگی ہوگی۔ اس پر اس آیت کا نزول ہوا۔ مجاہد کا قول ہے کہ اس آیت میں ان لوگوں کے کھانے کے لیے رخصت دی ہے جن کے لیے گھروں میں آنے

جانے کی اجازت ہے۔ یہ اس وجہ سے تھی کہ یہ لوگ کسی شخص کے گھر میں کھانا طلب کرنے کے لیے ان کے گھروں میں داخل ہوتے تھے۔ جب ان کے گھر میں کھانا نہ ملتا تو وہ اپنے ماں یا باپ کے گھر جاتے اور اس زمانے میں لوگ اسی طرح کھانا دینے کو پسند نہیں کرتے تھے بلکہ ان کو دوسرے گھروں کی طرف موڑ دیتے تھے کہ فلاں گھر میں جاؤ اس بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

سعید بن المسیب کا بیان ہے کہ مسلمان جب جہاد کو جاتے تھے تو اپنے پیچھے کچھ پانچ لوگوں کو چھوڑ کر اپنے گھروں کی کنجیاں ان کو دے جاتے تھے اور کہہ دیتے تھے کہ تم کو ہماری طرف سے اجازت ہے کہ ہمارے گھروں کے اندر جو کچھ ہے تم اس میں سے کھا سکتے ہو۔ لیکن ان لوگوں کو ڈشواری پیش آتی تھی۔ وہ کہتے تھے گھر والے جب یہاں موجود نہیں تو ہم ان کے گھروں کے اندر داخل نہیں ہوں گے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ حسن کا قول ہے کہ اس آیت کا نزول جہاد سے رہ جانے یعنی جہاد میں مذکورہ بالا معذوروں کے نہ جانے کی اجازت کے لیے ہوا اور پھر ختم ہو گیا۔ آئندہ کلام کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

”ولا علی انفسکم“ یہ کلام منقطع ہے۔

سوال: جب اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوا ”لا تاكلوا اموالکم بالباطل“ تو وہ کہنے لگے کہ ہم میں سے کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی سے کھائے۔ اس پر اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی ”ولا علی انفسکم ان تاكلوا من بیوتکم“ تمہارے لیے کوئی حرج نہیں کہ تم ان کے گھروں سے کھاؤ۔ ان دونوں آیت میں بظاہر تعارض معلوم ہو رہا ہے۔

جواب ”اموال عیالکم“ سے مراد اپنے گھر والے، بیویاں مراد ہیں کیونکہ عورت کا گھر شوہر کے گھر کی مانند ہے۔ ابن قتیبہ کا قول ہے کہ تمہاری اولاد کے گھروں سے مراد سببی اولاد کے گھر ہیں۔ ان کو اباء کی طرف منسوب کیا۔ جیسا کہ حدیث مبارکہ میں آیا ”انت و مالک لابیك“ تم اور تمہارا مال تمہارے باپ کا ہے۔

”او بیوت آہالکم او بیوت امہاتکم او بیوت اخوانکم او بیوت اخواتکم او بیوت اعمامکم او بیوت عماتکم او بیوت اخوالکم او بیوت خالاتکم او ما ملککم مفتحہ“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس سے مراد کسی شخص کا وکیل ہے جس کو انسان اپنے سامان کی ذمہ داری یا اپنے مویشی کے چرانے کی ڈیوٹی لگائی ہو۔ اس شخص کے لیے جائز نہیں کہ وہ بھوکا پیاسا رہے بلکہ اس کے مال سے کھاپا سکتا ہے۔ البتہ اس کو کہیں اپنے لیے ذخیرہ نہیں کر سکتا اور نہ ہی بیع سکتا ہے۔ ضحاک کا قول ہے کہ اپنے غلاموں، باندیوں کے گھر مراد ہیں۔ آقا اپنے غلام کے گھر کا مالک ہوتا ہے اور اس کے خزانوں کا بھی مالک ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ”وعندہ مفتح الغیب“ اس سے مراد وہ کھولنے کے آلات ہیں۔ عکرمہ کا قول ہے کہ جب آدمی کنجی کا مالک ہو جاتا ہے تو اس مال کا خزانچی بن جاتا ہے اس لیے اگر کچھ اس میں سے کھالے تو کوئی حرج نہیں۔ سدی کا قول ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کو اپنے غلام وغیرہ کا نگران متصرف بنا دے تو اگر یہ نگران اس میں سے کچھ کھالے تو کوئی حرج نہیں۔ بعض لوگوں نے کہا ”ما ملککم مفتحہ“ سے مراد یہ ہے کہ جو کھانے پینے کی چیزیں تم نے جمع کر رکھی ہیں ان کو کھا سکتے ہو۔

جہاد اور قتلادہ نے یہ مطلب بیان کیا کہ تم نے اپنے گھروں کے اندر جو کھانے کی چیزیں رکھ چھوڑی ہیں

جن کے تم جا لک ہو، ان کو کھانا تمہارے لیے ممنوع نہیں۔

”او صدیقکم“ وہ شخص جو محبت میں سچا ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس آیت کا نزول حارث بن عمرو کے حق میں ہوا تھا۔ حارث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی جہاد پر جانے لگے تو نگرانی مالک بن زید کے سپرد کر دی جب واپس آئے تو مالک کو بہت ڈبلا اور کمزور پایا۔ وجہ دریافت کی تو مالک نے کہا کہ میں نے آپ کے گھر میں موجود غلہ کھانا جبکہ آپ کی اجازت بھی نہیں تھی، اس لیے برا سمجھا، اس پر مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

حسن اور قنادہ اس آیت کی بناء پر اس بات کے قائل تھے کہ دوست کے گھر میں داخل ہو کر اس کی اجازت کے بغیر اس کے گھر سے کوئی چیز کھا لیتا جائز ہے اور اس آیت کا مطلب ”لیس علیکم جناح ان تاكلوا“ یہ درجات کا بیان ہے کہ جب تم اس میں داخل ہو جاؤ اور کوئی شخص وہاں نہ پاؤ تو وہاں صرف بیٹھ کر کھا سکتے ہو، لے کر جانے کی اجازت نہیں۔ ”لیس علیکم جناح ان تاكلوا جميعًا او اشعاعًا“ اس آیت کا نزول بنی لیف، بکر بن عمرو کے بارے میں ہوا اور وہ بنی کنانہ کی ایک بہتی میں رہتا تھا۔ وہ اکیلے کھانا پسند نہیں کرتا تھا جب تک اس کے ساتھ اور کوئی مہمان نہ آجائے، مہمان مل جاتا تو کھانا کھا لیتا ورنہ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ صبح سے بیٹھے بیٹھے شام ہوگئی اور کھانا سامنے رکھا رہا مگر اس شخص نے نہیں کھایا، اونٹنیوں کے تھنوں میں دودھ بھر رہتا مگر وہ تنہا نہ پیتا۔ جب کوئی مہمان ہم مشرب ہونے کے لیے آ جاتا تو پل لیتا، دن بھر مہمان کے نہ ملنے اور تنہا نہ کھانے کی وجہ سے بھوکا پیاسا رہتا۔ آخر جب شام ہو جاتی تو کچھ کھا لیتا۔ یہ قول قنادہ، ضحاک، ابن جریج کا ہے۔

عطاء خراسانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ مال دار لوگ غریب قرابت داروں یا دوستوں کے گھر جاتے تھے اور وہ کھانا پیش کرتے تھے تو مال دار لوگ کہتے تھے بخدا ہم یہ گناہ نہیں کریں گے کہ تمہارے ساتھ کھانے میں شریک ہو جائیں، ہم مال دار ہیں اور تم نادار ہو۔ اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ عکرمہ اور ابوصالح کی روایت ہے کہ انصار کا دستور تھا کہ جب ان کا کوئی مہمان ہوتا تو اس وقت تک کھانا نہ کھاتے تھے جب تک مہمان کھانے میں ان کے ساتھ شریک نہ ہو جاتا۔ اس آیت میں ان کو اجازت دے دی گئی کہ جس طرح چاہیں کھائیں اکٹھے ہو کر کھائیں یا الگ الگ کھائیں۔ ”لذاذ دخلتم بیوتنا فسلموا علی انفسکم“ بعض بعض کو سلام کریں اور جب کوئی شخص گھر میں داخل ہو تو اپنے اہل والوں پر سلام کرے۔ یہ قول جابر، طاؤس، زہری، قنادہ، ضحاک، عمرو بن دینار کا ہے۔ قنادہ کا قول ہے کہ جب تم میں سے کوئی گھر میں داخل ہو تو اپنے گھر والوں پر سلام بھیجو، وہی زیادہ حق دار ہیں کہ ان کو سلام کیا جائے اور جب تم میں سے کوئی گھر میں داخل ہو تو گھر میں کوئی موجود نہ ہو تو پھر اس طرح سلام کرو ”السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین“ بیان کیا گیا ہے کہ اس کے سلام کا جواب فرشتے دیتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اگر کوئی شخص گھر میں داخل ہو تو گھر میں کوئی نہ ہو تو اس کو سلام اس طرح کرو ”السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین“..... ”السلام علی اهل البيت ورحمة اللہ“ ہم پر ہمارے رب کی طرف سے سلامتی ہو، ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر سلامتی ہو، گھر والوں پر سلامتی اور اللہ کی رحمت ہو۔

حضرت عمر دین دینار حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے متعلق اس آیت کے بارے میں نقل کرتے ہیں کہ جب تو مسجد میں داخل ہو تو یوں کہہ ”السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين“..... ”تحية من عند الله“ منسوب ہے مصدر ہونے کی وجہ سے، عبارت اس طرح تھی ”ای تحيون تحية“..... ”مباركة طيبة“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ”مباركة طيبة“ سے مراد ہے اچھی خوبصورت۔ بعض حضرات نے کہا کہ سلام کے جواب کو برکت کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس سے خیر میں زیادتی اور ثواب کی اُمید کی جاتی ہے۔ ”كذلك بين الله لكم الايات لعلمكم تعقلون“

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ عَلَىٰ أَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوا حَتَّىٰ يَسْتَأْذِنُوهُ. إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ فَإِذَا اسْتَأْذَنُوكَ لِبَعْضِ شَأْنِهِمْ فَأَذَنَ لِمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرَ لَهُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿62﴾ لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا. قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الَّذِينَ يَتَسَلَّلُونَ مِنْكُمْ لِوَاذًا. فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ لَسَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿63﴾

﴿62﴾ بس مسلمان تو وہی ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں اور جب رسول کے پاس کسی ایسے کام پر ہوتے ہیں جس کے لئے مجمع کیا گیا ہے (اور اتفاقاً وہاں سے جانے کی ضرورت پڑتی ہے) (تو جب تک آپ سے اجازت نہ لیں نہیں جاتے) (اے پیغمبر) جو لوگ (ایسے مواقع پر) آپ سے اجازت لیتے ہیں بس وہی اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں تو جب یہ (اہل ایمان) لوگ (ایسے مواقع پر) اپنے کسی (ضروری) کام کے لئے آپ سے (جانے کی) اجازت طلب کریں تو ان میں سے آپ جس کے لئے چاہیں اجازت دے دیا کریں اور اجازت دے کر بھی) آپ ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعا کیجئے بلاشبہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے تم لوگ رسول کے بلانے کو ایسا (معمولی بلانا) مت سمجھو جیسا تم میں ایک دوسرے کو بلا لیتا ہے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو (خوب) جانتا ہے جو (دوسرے کی) آڑ میں ہو کر تم میں سے (مجلس نبوی سے) کھسک جاتے ہیں سو جو لوگ اللہ کے حکم کی (جو کہ بواسطہ رسول پہنچا ہے) مخالفت کرتے ہیں ان کو اس سے ڈرنا چاہئے کہ ان پر (دنیا میں) کوئی آفت (نہ) آن پڑے یا ان پر (آخرت میں) کوئی دردناک عذاب نازل (نہ) ہو جائے۔

﴿63﴾ ”انما المؤمنون الذين آمنوا بالله ورسوله واذ كانوا معاً على امرٍ جامعٍ لم يذهبوا حتى يستأذنوا“ جب تم مومنین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو۔ ”علی امر جامع“ ایسا کام جس میں اجتماعیت ضروری ہے۔ جیسے جنگ میں حاضر ہونا۔ نماز، جمعہ، عیدین یا کسی کام کے مشورے کے لیے وغیرہ۔ ”لم يذهبوا“ اس کام کو چھوڑ کر متفرق نہیں ہو جاتے اور جس کام کے لیے وہ جمع ہوئے ہیں اس سے روگرداں نہیں ہو جاتے۔



”حتیٰ یستاذنوه“ مفسرین کا قول ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے روز منبر پر تشریف فرما ہوتے اور کوئی شخص مسجد سے باہر نکلتا چاہتا، کسی حاجت یا عذر کی وجہ سے تو اس وقت تک وہ مسجد سے باہر نہ نکلتا یہاں تک کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک طرف کھڑا ہو جاتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے کھڑے ہونے سے سمجھ جاتے۔ پھر اس کو اجازت دیتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس کو چاہتے اجازت دے دیتے۔ مجاہد اور قتادہ کا قول ہے کہ تم میں سے کوئی بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نام لے کر نہ پکارے۔ جیسا کہ تم لوگ ایک دوسرے کو ناموں سے پکارتے ہو۔

مجاہد کا بیان ہے کہ جمعہ کے روز امام خطبہ کا کسی کو اجازت دینا ہاتھ کی انگلی کے اشارے کے ساتھ ہوتا ہے۔ بعض اہل علم کا بیان ہے کہ اجتماعی امور میں تمام مسلمان ایک امام کے ساتھ جڑے رہیں، اس کی مخالفت نہ کریں اور نہ ہی اس کو چھوڑ کر جائے مگر اس کی اجازت کے ساتھ لیکن جب اس نے امام سے اجازت طلب کی تو امام کو اختیار حاصل ہے چاہے تو وہ اس کو اجازت دے اور چاہے نہ دے۔ یہ اس وقت ہے جب اس مقام سے کوئی منع کرنے کا سبب نہ پایا جائے۔ ہاں اگر ایسا سبب پایا جائے جس کے لیے امام سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔ مثلاً کوئی عورت مسجد میں بیٹھی ہو اور اس کو حیض آجائے یا کوئی شخص جنبی ہو جائے یا کوئی ایسا مرض لاحق ہو جائے تو بتائے بغیر جاسکتا ہے۔

”ان الذین یستاذنونک اولئک الذین یؤمنون باللہ ورسولہ فاذا استاذنوک لبعض شالہم“ ہر کام کے لیے اجازت لے کر جائیں۔ ”فاذن لمن شئت منہم“ جانے کے لیے اجازت دے دینا۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اگر آپ چاہیں تو ان کو اجازت دے دیں اور اگر چاہیں تو اجازت نہ دیں۔ ”واستغفرلہم اللہ ان اللہ غفور رحیم“

63 ”لا تجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضاً“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے فرماتے ہیں کہ اس آیت کی تفسیر یہ ہے کہ تم کو ان کی بددعاء سے ڈرتے رہنا چاہیے۔ ان کی بددعا موجب عذاب ہے، دوسروں کی بددعا کی طرح نہیں ہے۔ مجاہد اور قتادہ کا بیان ہے کہ تم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نام لے کر نہ پکارو جیسے کہ تم میں سے بعض بعض کو پکارتے ہیں۔ یا محمد، یا عبد اللہ۔ لیکن تعظیم اور تکریم کے ساتھ بلاؤ بلکہ یوں کہو یا نبی اللہ، یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

”قد یعلم اللہ الذین..... یتسللون“ جو پوشیدہ طریقے سے نکالتے ہیں۔ ”منکم لو اذاً“ ایک دوسرے کی آڑ میں جائیں جب ان کو کسی کا خوف آجائے، پھر وہ خوف چلا جاتا ہے۔ ”لو اذ“ مصدر ہے لاؤذ، ہلاؤذ، ملاؤذ، ”ولو اذاً“ بعض نے کہا کہ خندق کے کھودنے کے وقت منافقین اس طرح اپنے آپ کو چھپ چھپا کر نکل جاتے تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ ایک دوسرے کی پناہ پکڑنا، آڑ لینا۔

منافقوں کے لیے جمعہ کے دن مسجد میں ٹھہرنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ سننا گوارا نہیں تھا۔ اس لیے وہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آڑ لے کر مسجد سے پوشیدہ طور پر نکل جاتے تھے۔

”قد يعلم الله“ یہ تمہید اور مجازاً کے لیے ہے۔ ”فليحذر الدين يخالفون عن امره“ ان کے کام میں عن صلۃ ہے۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اس حکم سے اعراض کرتے تھے اور بغیر اجازت کے مجلس سے چل پڑتے تھے۔ ”ان تصيبهم فتنة“ کہ ان پر کوئی مصیبت یا آزمائش نہ آ پڑے۔ مجاہد کا قول ہے کہ فتنہ سے مراد ہے دُنیاوی مصیبت اور دُکھ اور عذاب الیم سے مراد ہے آخرت کا عذاب۔ ”او يصيبهم عذاب الیم“ آخرت میں ان کو تکلیف ہوگی۔ بعض نے کہا کہ دردناک عذاب ہوگا جس عذاب کی دُنیا میں جلدی کرتے ہیں۔

أَلَا إِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ . قَدْ يَعْلَمُ مَا اَنْتُمْ عَلَيْهِ وَيَوْمَ يُرْجَعُوْنَ اِلَيْهِ فَيَنْبِئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۵۱﴾

﴿۵۱﴾ (اور یہ بھی) یاد رکھو کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں (موجود) ہے سب خدا ہی کا ہے اللہ تعالیٰ اس حالت کو بھی جانتا ہے جس پر تم (اب) ہو اور اللہ تعالیٰ اس دن کو بھی (جانتا ہے) جس میں سب اس کے پاس دوبارہ زندہ کر کے لائے جائیں گے پھر وہ ان کو سب جتلا دے گا جو کچھ انہوں نے کیا تھا اور اللہ تعالیٰ (تو) سب کچھ جانتا ہے۔

تفسیر ﴿۵۱﴾ ”الا ان لله ما فی السموات والارض“ سب اسی کی ملکیت ہے اور ہم اس کے بندے ہیں۔ ”قد يعلم ما انتم علیہ“ یعنی ایمان ہو یا نفاق سب کو وہ جانتا ہے۔ ”قد صلہ ہے۔“ ”ویوم یرجعون الیہ“ اس سے مراد قیامت کا دن ہے۔ ”فینبئہم بما عملوا“ خواہ اس کا تعلق خیر سے ہو یا شر سے ہو۔ ”واللہ بکل شیء علیم“ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا عورتوں کو بالا خانہ پر نہ رکھو اور ان کو لکھنا نہ سکھاؤ بلکہ ان کو چرخہ کا تنے کی اور سورۃ نور کی تعلیم دو۔



## سُورَةُ الْفُرْقَانِ

کئی سورت ہے اور اس میں ۷۷ آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهِ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا ① ۝ الَّذِیْ لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ  
وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَلَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلُّ شَيْءٍ فَقَلْبَرُهُ تَقْدِیْرًا ②  
بڑی عالیشان ذات ہے جس نے یہ فیصلہ کی کتاب (یعنی قرآن) اپنے بندہ خاص (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر  
نازل فرمائی تاکہ وہ (بندہ) تمام دنیا جہان والوں کے لئے ڈرانے والا ہو ایسی ذات جس کے لئے آسمانوں اور  
زمین کی حکومت حاصل ہے اور اس نے کسی کو (اپنی) اولاد قرار نہیں دیا اور نہ کوئی اس کا شریک ہے حکومت میں  
اور اس نے (ممکنات میں سے) ہر (موجود) چیز کو پیدا کیا پھر سب کا الگ الگ اندازہ رکھا۔

تفسیر ① "تبارک" باب تفاعل سے ماضی کا صیغہ ہے، برکت سے ہے، اس کا معنی ہے کثرت خیر یعنی اس کی خیر کثیر  
ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ ہر خیر اس کی طرف سے آئی ہے۔ اس کی دلیل حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ کا قول  
ہے کہ برکت اسی کی طرف سے آئی ہے۔ ضحاک نے اس کا ترجمہ کیا ہے بڑی عظمت والا۔ "الذی نزل الفرقان" اس سے مراد  
قرآن ہے۔ "علی عبدہ" اس سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ "لیکون للعالمین نذیراً" عالمین سے مراد ہیں  
جنات اور انسان۔ بعض نے کہا کہ نذیر سے مراد قرآن ہے۔ بعض نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

② "الذی له ملك السموات والارض ولم يتخذ ولدا ولم يكن له شريك في الملك وخلق كل  
شيء" جس پر مخلوق کی صفت کا اطلاق ہوتا ہے۔ "لقدرة تقدیراً" یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو عدم سے وجود میں لایا۔ پھر اس کی  
ایجاد میں ایک قدر خاص کا لحاظ رکھا تاکہ تفاوت نہ ہونے پائے۔ بعض حضرات نے اس کا یہ مطلب بیان کیا کہ اللہ نے ہر چیز کے  
لیے مدت زندگی، عمل اور رزق پہلے سے ہی مقرر کر دیا۔ یہ تینوں اشیاء تخلیق کے مطابق ہوتی ہیں۔

وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِ الْهَيَّةِ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ وَلَا يَمْلِكُونَ لِأَنْفُسِهِمْ ضَرًّا  
وَلَا نَفْعًا وَلَا يَمْلِكُونَ مَوْتًا وَلَا حَيٰوةً وَلَا نُشُورًا ③ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّا هَذَا آلَاءُ

إِفْكٍ ۚ أَفْتَرَاهُ وَأَعَانَهُ عَلَيْهِ قَوْمٌ آخَرُونَ. فَقَدْ جَاءَ وَظَلَمْنَا وَرُؤْرًا ۙ وَقَالُوا آسَاطِيرُ الْأُولِينَ اِكْتَسَبَهَا فَهِيَ تُمَلَّى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۙ قُلْ أَنْزَلَهُ الَّذِي يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ. إِنَّهُ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ۙ وَقَالُوا مَالِ هَذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ. لَوْلَا أَنْزَلَ إِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُونُ مَعَهُ نَذِيرًا ۗ أَوْ يُلْقَىٰ إِلَيْهِ كَنْزٌ أَوْ تَكُونُ لَهُ جَنَّةٌ يَأْكُلُ مِنْهَا. وَقَالَ الظَّالِمُونَ إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا رَجُلًا مَسْحُورًا ۙ انظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوا لَكَ الْأَمْثَالَ فَضَلُّوا فَلَا يَسْتَطِيعُونَ سَبِيلًا ۙ

﴿تجوید﴾ اور (باوجود حق تعالیٰ کے ایسے یکتا ہونے کے) ان مشرکین نے (خدا کی توحید) کو چھوڑ کر اور ایسے معبود قرار دیئے جو کسی چیز کے خالق نہیں اور (بلکہ) وہ خود مخلوق ہیں اور خود اپنے لئے نہ کسی نقصان (کے رفع کرنے) کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ کسی نفع (کے حاصل کرنے) کا اور نہ کسی کے مرنے کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ کسی کے جینے کا اور نہ کسی کو (قیامت میں) دوبارہ جلانے کا اور کافر (یعنی مشرک) لوگ (قرآن کے بارے میں) یوں کہتے ہیں کہ یہ تو کچھ بھی نہیں نرا جھوٹ ہے جس کو ایک شخص (یعنی پیغمبر) نے گھڑ لیا ہے اور دوسرے لوگوں نے اس (گھڑت) میں اس کی امداد کی ہے سو یہ لوگ بڑے ظلم اور جھوٹ کے مرتکب ہوئے اور یہ (کافر) لوگ یوں کہتے ہیں کہ یہ (قرآن) بے سند باتیں ہیں جو انگوٹوں سے منقول ہوتی چلی آئی ہیں جن کو اس شخص (یعنی پیغمبر) نے لکھوا لیا ہے پھر وہی (باتیں) اس کو صبح و شام پڑھ پڑھ کر سنائی جاتی ہیں آپ (اس کے جواب میں) کہہ دیجئے کہ اس (قرآن) کو اس ذات نے اتارا ہے جس کو چھپی باتوں کی خواہ وہ آسمانوں میں ہوں یا زمین میں ہوں خبر ہے واقعی اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے اور یہ (کافر) لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت یوں کہتے ہیں کہ اس رسول کو کیا ہوا کہ وہ (ہماری طرح) کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے اس کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا گیا کہ وہ اس کے ساتھ رہ کر ڈراتا یا اس کے پاس (غیب سے) کوئی خزانہ آ پڑتا یا اس کے پاس کوئی (غیبی) باغ ہوتا جس سے یہ کھایا کرتا اور (ایمانداروں سے) یہ ظالم یوں (بھی) کہتے ہیں کہ تم لوگ ایک مسلوب العقل آدمی کی راہ پر چل رہے ہو۔ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) دیکھئے تو یہ لوگ آپ کے لئے کیسی عجیب عجیب باتیں بیان کر رہے ہیں سو (ان خرافات سے) وہ (بالکل) گمراہ ہو گئے پھر وہ راہ نہیں پاسکتے۔

﴿تفسیر﴾ ۙ "وَاتَّخَذُوا" وہ بت جو کفار مکہ نے بنا رکھے ہیں اور جن کی وہ عبادت کرتے ہیں۔ "مَنْ دُونَهُ آلِهَةً"

اس سے مراد بت ہیں "لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ وَلَا يَمْلِكُونَ لِأَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا" یہ ضرر کو دور نہیں کر سکتے اور نہ ہی نفع دے سکتے ہیں "وَلَا يَمْلِكُونَ مَوْتًا وَلَا حَيَاةً" نہ وہ مُردہ ہیں اور نہ ہی وہ زندہ ہیں۔ "وَلَا

نشوراً“ اور نہ ہی ان کو قیامت کے دن، دوسرے انسانوں کی طرح زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔

④ ”وقال اللہین کفروا“ اس سے مراد مشرکین نصر بن حارث اور اس کے ساتھی ہیں۔ ”ان هذا“ یعنی یہ قرآن ”الافکت“ (نعوذ باللہ) جھوٹ ہے۔ ”الطغراء“ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی طرف سے بنایا۔ ”واعانہ علیہ قوم آخرون“ امام مجاہد کے نزدیک اس سے یہود مراد ہیں۔ حسن کے نزدیک عبید بن خضرمیشی کا ہن ہے۔ بعض نے کہا کہ جبرویسار اور عداس بن عبید ہیں۔ یہ اہل کتاب میں سے تھے جو مکہ میں رہائش پذیر تھے اور مشرکین کا یہ دعویٰ تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ان سے لے کر یہ کلام بتاتے ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ”لقد جاء وا“ یہ کہنے والے کا قول ”ظلمنا وزوردا“ یہ ظلم اور جھوٹ ہے۔ باء کے حذف ہونے کے ساتھ منسوب ہے۔ ان لوگوں نے شرک اور جھوٹ کو لے کر اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کی۔

⑤ ”وقالوا اساطیر الاولین اکتبھا“ نصر بن حارث کہا کرتا تھا کہ یہ قرآن اللہ کی طرف سے نہیں ہے یہ تو گزرے ہوئے لوگوں کی بنائی ہوئی کہانیاں ہیں۔ رستم اور اسفندیار کے قصے۔ اس کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جبرویسار اور عداس سے لکھوائے ہیں۔ یہاں اکتب کا معنی ہے طلب کرنا، یعنی وہ لکھا ہوا ان سے طلب کرتا تھا کیونکہ یہ خود نہیں لکھ سکتے تھے۔ ”فہی تملى علیہ“ ان کے سامنے ان کو پڑھ کر سنائی جاتی تاکہ ان کو یاد ہو جائے۔ ”بکرة واصیلا“ حج و شام اللہ عزوجل ان کی تردید میں فرماتے ہیں۔

⑥ ”قل انزلہ“ یہ قرآن آسمانی خدا نے اتارا ہے۔ ”الذی یعلم السر“ جو غیب کو جانتا ہے۔ ”فی السموات والارض الہ کان غفوراً رحیماً“

⑦ ”وقالوا مال هذا الرسول“ اس سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ”یا کل الطعام“ جیسا کہ ہم سب کھاتے ہیں۔ ”ویمشی فی الاسواق“ اور وہ معاش تلاش کرتے ہیں اور چلتا ہے جیسے ہم چلتے ہیں اس کی امتیاز نبوت کے باعث ایسا کام نہ کرنے والا ہو۔ یعنی یہ رسول ہوتا تو دوسرے انسانوں سے کوئی امتیازی حیثیت ہوتی۔ کافر کہتے تھے کہ تم فرشتہ نہیں ہو، فرشتہ کھانا پیتا نہیں اور تم کھاتے پیتے ہو اور تم بادشاہ بھی نہیں ہو، بادشاہ بازاروں میں نہیں گھومتا پھرتا اور تم گھومتے پھرتے ہو۔ یہ سب صفات آپ کی ہیں لیکن یہ تمام صفات نبوت کے منافی نہیں۔ ”لولا انزل الیہ ملک“ پھر اس کی تصدیق کرتے۔ ”لیکون معہ نذیراً“ جو فرشتہ اس کے ساتھ رہ کر ڈراتا۔

⑧ ”وایلقى الیہ کنز“ اور اس پر آسمان سے کوئی خزانہ نازل ہوتا تو یہ خرچ کرتا کسی تردد کا محتاج نہ ہوتا اور طلب معاش میں اس کو خرچ کرتا۔

”او لکون لہ جنۃ“ اس کے پاس کچھ باغات ہوں۔ ”یا کل منها“ تمزہ اور کسائی نے (ناکل) نون کے ساتھ پڑھا ہے اور ہم بھی اس کے ساتھ اس باغ سے کھاتے ”وقال الظالمون ان تبعون الا رجلاً مسحوراً“ اس سے مراد فریب خوردہ ہوتا ہے اور بعض نے کہا کہ حق سے پھرنے والا۔

⑨ ”الظر“ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) دیکھئے ”کیف ضربوا الکا امثال“ اس سے مراد ایشاہ ہے۔ یعنی انہوں

نے آپ کو جھوٹے افتراء پر دازوں اور بیہودہ قصہ بیان کرنے والوں کی طرح قرار دے رکھا تھا اور بعض نے کہا کہ مسکوح محتاج ہے۔ ”فضلوا“ یہ دیکھ کر وہ حق سے گمراہ ہو گئے۔ ”فلا يستطيعون سبيلا“ مگر ابھی سے ہدایت کی طرف کوئی تخرج نہیں۔

تَبْرَكَ الَّذِي اِنْ شَاءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذَلِكَ جَنَّتِ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ وَ

يَجْعَلُ لَكَ قُصُورًا ۝۱۰ هَلْ كَذَّبُوا بِالسَّاعَةِ وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيرًا ۝۱۱

وہ ذات بڑی عالیشان ہے کہ اگر وہ چاہے تو آپ کو (کفار کی) اس (فرمائش) سے (بھی) اچھی چیز دے دے یعنی بہت سے (نبی) باغات جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں اور آپ کو بہت سے محل دے دے بلکہ یہ لوگ قیامت کو جھوٹ سمجھ رہے ہیں اور (انجام اس کا یہ ہو گا کہ) ہم نے ایسے شخص کے لئے جو کہ قیامت کو جھوٹے سمجھے دوزخ تیار کر رکھی ہے۔

تفسیر ۱۰ ”تبارک الذی ان شاء جعل لک خیراً من ذلک“ خزانوں اور باغوں سے بہتر نعمتیں دُنیا میں ہی دے دیتا۔ عکرمہ رحمہ اللہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کرتے ہیں کہ اگر وہ چاہے تو اس سے یعنی بازاروں میں گھومنے اور معاش کی تلاش میں پھرنے سے بہتر عنایت کر دے۔ پھر آگے خبر کو بیان کر دیا اور فرمایا ”جنات تجری من تحتها الانهار و يجعل لک قصوراً“ مضبوط مکان، عرب کے نزدیک ہر مضبوط مکان کو قصر کہتے ہیں۔ ابن کثیر، ابن عامر اور عاصم نے بروایت ابوبکر ”یجعل“ لام پر پیش پڑھا ہے۔ دوسرے قراء نے جزم پڑھا ہے کیوں کہ یہ جزاء کی جگہ واقع ہے۔ جیسا کہ اس آیت میں ہے ”ان شاء جعل لک“

حضرت ابوامامہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے وادی مکہ کو میرے لیے سونا بنا دینے کی مجھ سے پیش کش کی۔ میں نے عرض کیا نہیں میرے رب! میں تو ایک دن شکم سیر ہو کر رہنا چاہتا ہوں اور ایک دن بھوکا رہنا چاہتا ہوں تاکہ جب میں بھوکا رہوں تو تیرے سامنے زاری کروں اور جب شکم سیر ہوں تو تیری تعریف اور شکر کروں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر میں چاہتا تو میرے ساتھ سونے کے پہاڑ چلتے۔ ایک فرشتہ جس کی کمر کعبے کے برابر تھی میرے پاس آیا اور اس نے کہا آپ کا رب آپ کو سلام فرماتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے کہ اگر آپ چاہیں تو نبی بندہ ہی رہیں اور اگر چاہیں تو نبی بادشاہ ہو جائیں۔ میں نے جبرئیل علیہ السلام کی طرف دیکھا، جبرئیل علیہ السلام نے اشارہ کیا کہ اپنے آپ کو نچلا رکھو، میں نے کہہ دیا کہ میں نبی اور بندہ رہنا چاہتا ہوں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کی طرف مشورہ دینے والے کی طرح دیکھا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے اشارہ فرمایا کہ آپ تو اضع کو اختیار کریں تو میں نے کہا نبی اور بندہ رہنا چاہتا ہوں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم تکیہ لگائے کھانا



نہیں کھاتے تھے اور فرماتے تھے میں غلاموں کی طرح کھاتا ہوں اور غلاموں کی طرح بیٹھتا ہوں۔

11 "ہل کلبوا بالساعة" ساعت سے مراد قیامت کا دن ہے۔ "واعلنا لمن كذب بالساعة سعيراً" بھڑکتی ہوئی آگ۔  
 إِذَا رَأَتْهُمْ مِنْ مَّكَانٍ مَّ بَعِيدٍ سَمِعُوا لَهَا تَغَيُّظًا وَرَظِيْرًا 12 وَإِذَا أَلْقَا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا  
 مُّقْرَّنِينَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُورًا 13 لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُورًا وَاحِدًا وَادْعُوا ثُبُورًا كَثِيرًا 14 قُلْ  
 أَذَلِكَ خَيْرٌ أَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ كَانَتْ لَهُمْ جَزَاءً وَمَصِيرًا 15 لَهُمْ فِيهَا  
 مَا يَشَاءُونَ وَنَخْلِدِينَ كَانَ عَلَى رَبِّكَ وَعْدًا مَسْتَوْلًا 16 وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ  
 مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَقُولُ ءَ أَنْتُمْ أَضَلُّتُمْ عِبَادِي هَلْؤَلَاءِ أَمْ هُمْ صَلُّوا السَّبِيلَ 17

وہ ان کو دور سے دیکھے گی تو وہ لوگ (دور ہی سے) اس کا جوش و خروش سنیں گے اور (پھر) جب وہ اس (دوزخ) کی کسی جگہ میں ہاتھ پاؤں جکڑ کر ڈال دیئے جاویں گے تو وہاں موت ہی موت پکاریں گے آج ایک موت کو نہ پکارو بلکہ بہت سی موتوں کو پکارو آپ (ان کو یہ مصیبت سنا کر) کہیں کہ (یہ ہتلاؤ کہ) کیا یہ (مصیبت کی) حالت اچھی ہے یا وہ ہمیشہ کے رہنے کی جنت (اچھی ہے) جس کا خدا سے ڈرنے والوں سے وعدہ کیا گیا ہے کہ وہ ان (کی اطاعت) کا صلہ ہے اور ان کا (آخری ٹھکانا) اور ان کو وہاں وہ سب چیزیں ملیں گی جو کچھ وہ چاہیں گے (اور) وہ (اس میں) ہمیشہ رہیں گے (اے پیغمبر) یہ ایک وعدہ ہے جو آپ کے رب کے ذمہ ہے اور قابل درخواست ہے اور جس روز اللہ تعالیٰ ان (کافر) لوگوں کو اور جن کو وہ لوگ خدا کے سوا پوجتے تھے ان (سب) کو جمع کرے گا پھر ان معبودین (سے) فرماوے گا کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا یا یہ (خود ہی) راہ (حق) سے گمراہ ہو گئے تھے۔

12 "اذا راتہم من مکان بعید" کلبی کا قول ہے کہ اس سے مراد ایک سال کی راہ اور بعض کے نزدیک سو سال کی راہ اور بعض نے کہا پانچ سو برس راہ کی مسافت۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مجھ پر کوئی شخص جھوٹ کی بات کی نسبت نہ کرے اور جو ایسا کرے گا تو اس کو اپنی جگہ آگ کی دونوں آنکھوں کے درمیان بتا لیتی چاہیے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا، کیا آگ کی بھی آنکھیں ہوں گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم نے نہیں سنا کہ اللہ نے فرمایا ہے "اذا راتہم من مکان بعید" اور بعض نے کہا کہ جہنم کے داروغوں کو جب دیکھیں گے "سمعوا لها تغیظاً" جوش مارنے کی آواز جو غضبناک آدمی کی غصیلی آواز کی طرح ہو۔ "ورظیراً" ایک آواز۔ تغیظ کی آواز کیسے سنائی دی جاتی ہے۔ اس کا جواب دیا گیا کہ جب تم اس کو دیکھ لو گے اور تم جان لو گے کہ یہ فلاں غصہ میں ہے اور اس سے ایک آواز سنو گے۔ بعض نے کہا کہ لہو و لہب کے وقت جب انسان کے سینے سے آواز نکلتی ہے۔ عبید بن عمیر کا قول ہے کہ قیامت کے دن جہنم کو بھڑکایا جائے گا تو کوئی مقرب فرشتہ یا نبی نہیں ہوگا جو اللہ کے سامنے سجدہ ریز نہ ہو۔

13 "وَإِذَا الْقَوْمَا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا" ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ ان کو تنگ مقام میں جکڑ کر ڈالا جائے گا اور نیزوں سے مارا جائے گا۔ "مقرنین" گرون سے ہاتھ بندھے ہوئے زنجیروں سے جکڑے ہوئے ہوں گے۔ بعض حضرات نے کہا کہ شیطانوں کے ساتھ ساتھ باندھے گئے شیطانوں کی جٹ میں بندھے ہوئے۔ "دعوا ہنالک لبورًا" ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس سے مراد ہلاکت ہے۔ ضحاک کا بھی یہی قول ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ قیامت کے دن آگ کا لباس سب سے پہلے جس کو پہنایا جائے گا وہ ابلیس ہے۔ وہ اس لباس کو اپنی دونوں ہنٹوں پر رکھ کر کھینچنے گا اور یا ثبور راہ پکارے گا۔ اس کی ذریت اس کے پیچھے یا ثبور پکارتی ہوگی۔ آخر سب دوزخ میں جا کر ٹھہریں گے۔ اس وقت ان سے کہا جائے گا۔

14 "لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثَبُورًا وَاحِدًا وَادْعُوا ثَبُورًا كَثِيرًا" ان کی ہلاکت بہت دفعہ ہوگی۔ خواہ وہ ایک دفعہ پکاریں یا کئی بار پکاریں ان کو ثوبو عذاب میں مبتلا کیا جائے گا یا اس کا معنی ہے ان کی ہلاکت میں کوئی وقفہ نہیں ہوگا۔

15 "قُلْ أَذَلِكُمْ" کیا یہ دوزخ جس کی حالت مذکورہ عبارت میں بیان کی گئی ہے جنت اور دوزخ کی اور ان کے اہل والوں کی۔ "خَيْرٌ أَمْ جَنَّةُ الْخَالِدِ الَّتِي وَعَدَ الْمُتَّقُونَ كَانَتْ لَهُمْ جَزَاءً" جزاء بمعنی ثواب کے ہے۔ "وَمَصِيرًا" اور اس کا مرجع لوٹنے کی جگہ۔

16 "لَهُمْ فِيهَا مَا يَشَاءُونَ خَالِدِينَ كَانَ عَلَى رَبِّكَ وَعْدًا مَسْئُولًا" اس سے مراد مطلوب ہے۔ جب مؤمنین اپنے رب سے دُنیا میں اس بات کا سوال کرتے ہیں کہ "رَبَّنَا وَاتَّنَا مَا وَعَدْتَنَا عَلَى رَسَلِكُمْ" اے ہمارے رب! ہم کو وہ جنت عطا فرماتا جس کا وعدہ اپنے پیغمبروں کی زبانی ہم سے کیا ہے تو ان کو کہا جاتا کہ اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو ہمیشہ والی جنت میں رہنے کا وعدہ کیا، ان کی دُنیا میں طاعت کی وجہ سے اور اس سے سوال کرنے سے۔ محمد بن کعب قرظی نے کہا فرشتے ایفاء عہد کی اس سے درخواست کریں گے اور کہیں گے "رَبَّنَا وَادْخُلْهُمْ جَنَّاتِ عَدْنِ الَّتِي وَعَدْتَهُمْ"

17 "وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ" ابن کثیر، ابو جعفر، یعقوب، حفص نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے نون کے ساتھ پڑھا ہے۔ "وَمَا يَعْبدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ" مجاہد کا قول ہے کہ اس جگہ ملائکہ جنات، حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر علیہما السلام مراد ہیں۔ عکرمہ، ضحاک، کلبی کے نزدیک صرف اصنام مراد ہیں۔ "فَبِقَوْلِ" ابن عامر نے نون کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ "ءِ انْتُمْ اضللتهم عبادى هولاء ام هم ضلوا السبيل" وہ راہ حق کا راستہ کھو بیٹھے تھے۔

قَالُوا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يُنْبِئُنَا لَنَّا اَنْ نَتَّخِذَ مِنْ دُونِكَ مِنْ اَوْلِيَاءَ وَلٰكِنْ مَتَّعْتَهُمْ وَآٰبَاءَهُمْ حَتَّىٰ نَسُوا الذِّكْرَ وَكَانُوا قَوْمًا بُورًا 18 لَقَدْ كَذَّبْتُمْ بِمَا تَقُولُونَ فَمَا تَسْتَطِيعُونَ صَرْفًا وَلَا نَصْرًا وَمَنْ يُّظْلِم مِّنْكُمْ نُدْفِعْهُ عَذَابًا كَبِيرًا 19 وَمَا اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ

الْمُرْسَلِينَ إِلَّا أَنَّهُمْ لَيَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَيَمْشُونَ فِي الْأَسْوَاقِ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً. أَتَصْبِرُونَ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيرًا 20

﴿تجوید﴾ وہ (معبودین) عرض کریں گے کہ معاذ اللہ ہماری کیا مجال تھی کہ ہم آپ کے سوا اور کارسازوں کو تجویز کریں و لیکن آپ نے (تو) ان کو اور ان کے بڑوں کو (خوب) آسودگی دی یہاں تک کہ وہ (آپ کی) یاد کو بھلا بیٹھے اور یہ لوگ خود ہی برباد ہوئے (اس وقت اللہ تعالیٰ ان عابدین کو بر ملا جواب کرنے کے لئے فرما دے گا کہ) تو تمہارے ان معبودوں نے تو تم کو تمہاری باتوں میں جھوٹا ٹھہرا دیا سو (اب) تم نہ تو خود (عذاب کو) ٹال سکتے ہو اور نہ (کسی دوسرے کی طرف سے) مدد دیئے جاسکتے ہو اور جو (جو) تم میں ظالم (یعنی مشرک) ہوگا ہم اس کو بڑا عذاب چکھائیں گے اور ہم نے آپ سے پہلے جتنے پیغمبر بھیجے سب کھانا بھی کھاتے تھے اور بازاروں میں بھی چلتے پھرتے تھے اور ہم نے (تم میں) ایک کو دوسرے کے لئے آزمائش بنایا ہے کیا صبر کرو گے (یعنی صبر کرنا چاہئے) اور آپ کا رب خوب دیکھ رہا ہے

﴿تفسیر﴾ 18 "قالوا سبحانك" اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے کہ ان کے ساتھ کوئی اور الہ بھی ہو۔ "ما كان ينبغي لنا ان نتخذ من دونك من اولياء" ہمارے لیے یہ مناسب نہیں کہ تمہارے دشمن کو ہم اپنا ولی بنا دیں اور بعض نے کہا کہ ہم کیونکر کسی دوسرے معبود کی عبادت کرنے کا حکم دیں حالانکہ ہم خود تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ ابو جعفر نے "ان نتخذ عنون کے ضمہ اور خاء کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس صورت میں دوسرا من صلۃ ہوگا۔ "ولكن متعتهم و آباءهم" دنیا میں لمبی عمر، صحت اور نعمت کے ساتھ تمہیں فائدہ دیا۔ "حتی نسوا الذکر" پھر انہوں نے فصیحت کو ترک کر دیا اور قرآن پر ایمان لانے کو چھوڑ دیا۔ بعض نے کہا کہ وہ تمہارے ذکر سے غافل ہو گئے۔ "وكانوا قومًا بورًا" وہ ہلاک ہو گئے۔ ان کے اوپر بدبختی غالب آ جانے کی وجہ سے۔ "بورًا" مصدر ہے واحد پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے اور جمع پر بھی۔ بعض کے نزدیک بورا بزرگی کی جمع ہے۔ یہ واحد جمع، مذکر مؤنث سب پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

19 "فلقد كذبوكم" یہ مشرکین کو خطاب ہے۔ یہ تمہارے معبود ہی قیامت کے دن تمہیں جھٹلائیں گے۔ "بما تقولون" کہ وہ معبود ہیں۔ "فما تستطیعون" شخص نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس سے مراد عابدین ہیں اور دوسرے قراء نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس سے مراد اللہ ہیں۔ "صرفًا" عذاب کو اپنے اوپر سے دور کریں گے۔ "ولا نصراً" اور اپنے نفسوں کی مدد نہیں کر سکیں گے۔ بعض نے کہا کہ یہ معبودین باطلہ تمہارے اوپر سے عذاب کو ٹالنے والے نہیں ہیں۔ بعض نے کہا کہ صرف کا معنی حیلہ ہے۔ اسی سے عرب کا قول ہے۔ "فلان يتصرف" فلاں شخص کچھ حیلہ کرے گا۔ مطلب یہ ہے کہ اب تم نہ کوئی حیلہ کر سکتے ہو نہ مدد۔ "ومن يظلم" کون ہے جو مشرک جیسا ظلم کرتا ہے۔ "منكم لذقه عذابًا كبيرًا"

20 "وما ارسلنا قبلك من المرسلين" اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) "الا انهم لياكلون الطعام" شحاک نے

ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے یہ نقل کیا ہے کہ جب مشرکوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مفلس و نادار ہونے کا طنز کیا اور کہا ”ما لہذا الرسول یا کل الطعام ویمشی فی الاسواق“ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر رنج ہوا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ”ویمشون فی الاسواق“ بعض نے اس آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ ہم نے آپ سے پہلے بھی جتنے انبیاء کرام علیہم السلام دنیا پر بھیجے ان کو بھی اسی طرح کہا گیا جیسے کہ آپ کو کہا جا رہا ہے حالانکہ وہ بھی زمین پر چلتے بازار میں جاتے اور کھانا وغیرہ کھاتے تھے۔ ”وجعلنا بعضکم لبعض فتنة“ مالدار کو نادار کے لیے مصیبت بنا دیا۔ فقیر کہتا ہے میں اس مال دار کی طرح کیوں نہیں ہوا، تندرست بیمار کے لیے مصیبت ہے اور شریف رذیل کے لیے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے تم میں سے بعض کو بعض کے لیے آزمائش بنا دیا ہے تاکہ جو لوگ تمہارے مخالف ہیں اور تمہاری مخالفت میں باتیں کرتے ہیں اور تم ان کی باتوں کو سنتے اور ان کی مخالفتوں کو دیکھتے ہو تم ان کی اس اذیت رسانی پر صبر کرو اور اپنے سیدھے راستے پر چلتے رہو۔ بعض حضرات نے کہا کہ اس آیت کا نزول ابتلاء ہے کہ شریف، رذیل کو دیکھ کر شکر ادا کرتا ہے اور بسا اوقات اگر شریف آدمی اور اعلیٰ طبقہ کا شخص اسلام لانا چاہتا اور اس سے پہلے کوئی زیریں طبقے کا شخص مسلمان ہو چکا ہوتا تو اس اونچے والے طبقہ کو خیال ہوتا کہ اب اگر میں مسلمان ہوں تو اس رذیل شخص کو مجھ پر برتری حاصل ہوگی اور مجھے اس کے پیچھے رہنا پڑے گا۔ یہ سوچ کر وہ اپنا ارادہ بدل دیتا اور کفر پر ہی ڈٹا رہتا۔ بعض کے بعض کے لیے آزمائش ہونے کا یہی مطلب ہے۔ یہ بھی کلبی کا قول ہے۔

مقابل کا بیان ہے کہ اس آیت کا نزول ابو جہل، ولید بن عقبہ، عاص بن وائل اور نضر بن حارث کے حق میں ہوا تھا۔ انہوں نے دیکھا کہ حضرت ابو ذر، حضرت ابن مسعود، حضرت عمار، حضرت بلال، حضرت صہیب اور حضرت عامر بن لمیرہ رضی اللہ عنہم مسلمان ہو چکے ہیں، کہنے لگے اب اگر ہم مسلمان ہوئے تو ان کے برابر ہونا پڑے گا۔

مقابل کا بیان ہے کہ اس آیت کا نزول فقراء مؤمنین کے بارے میں ہوا جن کے ساتھ قریش کے مشرکین مذاق اڑایا کرتے تھے۔ وہ یہ کہتے تھے کہ ذرا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کو دیکھو جن لوگوں نے ان کا ساتھ دیا ہے وہ تو ہمارے غلام ہیں۔ غریب طبقے کے لوگ ہیں، اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کو خطاب کر کے فرمایا ”انصبرون“ فقر و شدت بھوک اور ان کی اذیتوں پر صبر کریں۔ ”وکان ربک بصیراً“ جو شخص ان مصائب پر صبر کرے اور جو جزع فزع کرے ان سب کو دیکھنے والا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جب تم میں کوئی مال اور جسم کے لحاظ سے اپنے سے اونچے کو دیکھے تو اپنے سے کمزور والے کو بھی دیکھے (تاکہ اس سے وہ شکر ادا کر سکے)۔



وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَ نَا لَوْلَا أَنْزَلَ عَلَيْنَا الْمَلَائِكَةُ أَوْ نَرَى رَبَّنَا. لَقَدْ اسْتَكْبَرُوا فِي

أَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْا عَتْوًا كَبِيرًا ② يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلَائِكَةَ لَا بُشْرَىٰ يَوْمَئِذٍ لِلْمُجْرِمِينَ وَيَقُولُونَ  
حَجْرًا مَّحْجُورًا ③ وَقَدِمْنَا إِلَىٰ مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَنْثُورًا ④

اور جو لوگ ہمارے سامنے پیش ہونے سے اندیشہ نہیں کرتے (بجہ اس کے کہ اس کے منکر ہیں) وہ یوں کہتے ہیں کہ ہمارے پاس فرشتے کیوں نہیں آتے یا ہم اپنے رب کو دیکھ لیں یہ لوگ اپنے دلوں میں اپنے کو بہت بڑا سمجھ رہے ہیں اور یہ لوگ حد (انسانیت) سے بہت دور نکل گئے ہیں جس روز یہ لوگ فرشتوں کو دیکھیں گے اس روز مجرموں (یعنی کافروں) کے لئے کوئی خوشی کی بات نہ ہوگی اور کہیں گے کہ پناہ ہے پناہ ہے ہم (اس روز) ان کے (یعنی کفار کے) ان (نیک) کاموں کی طرف جو کہ وہ (دنیا میں) کر چکے تھے متوجہ ہوں گے سوان کو ایسا بیکار کر دیں گے جیسے پریشان خبار۔

② "وقال الذين لا يرجون لقاءنا" وہ قیامت کے دن دوبارہ جی اٹھنے سے نہیں ڈرتے۔ فراء کا قول ہے کہ یہاں رجاء امید اور خوف دونوں معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ تہامہ کی لغت میں "مالکم لا ترجون لله ولقارا" تم اللہ کی عظمت سے کیوں نہیں ڈرتے۔ "لولا انزل علينا الملائكة" تو وہ تمہیں بتلاتے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سچے ہیں۔ "او نری ربنا" وہ اپنے رب کو خود دیکھتے اور وہ ان کو خبر دیتا۔ "لقد استکبروا" وہ اس کی تعظیم کرتے ہیں۔ "فی انفسہم" اس بات میں "وعتوا عتوا کبیرا" مجاہد کا قول ہے کہ عتوا یعنی اہتہائی سرکش ہو گئے۔ عتو کا معنی شدید ترین کفر اور بہت ہی بڑا ظلم۔ "عتوا کبیرا" سے مراد ہے کہ وہ انتہاء کو پہنچ گئے یہاں تک کہ خدا کو دیکھنے کے طلب گار ہو گئے۔

③ "یوم یرون الملائکة" یعنی مرنے کے وقت۔ بعض نے کہا کہ قیامت کے دن جب کافر ملائکہ کو دیکھیں گے۔ "لا بشری یومئذ للمجرمین" سے مراد کافر ہیں۔ قیامت کے دن ملائکہ مؤمنین کو خوشخبری دیں گے اور کفار سے کہیں گے کہ تمہارے لیے کوئی خوش خبری نہیں۔ اسی طرح عطیہ کا قول ہے۔ بعض حضرات کا قول ہے کہ قیامت کے دن مجرمین کے لیے کوئی خوش خبری نہیں ہوگی۔ ان کے لیے جنت کی کوئی خوشخبری نہیں ہوگی۔ جیسا کہ مؤمنین کو خوشخبری دی جائے گی۔ "ویقولون حجرا محجورا" عطاء نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ فرشتے کہیں گے حرام ہے حرام کر دیا گیا ہے کہ جنت میں سوائے ان لوگوں کے جو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے قائل تھے کوئی اور داخل ہو۔

مقاتل کا قول ہے کہ جب کافروں کو قبروں سے نکالا جائے گا تو اس وقت ملائکہ ان سے کہیں گے حرام ہے تمہارے لیے جنت حرام کر دی گئی ہے۔ بعض علماء نے کہا کہ جب مجرموں کو قبروں سے نکالا جائے گا اور وہ ملائکہ کو دیکھیں گے تو مجرم خود ہی یہ الفاظ کہیں گے۔ ابن جریج کا قول ہے کہ عربوں پر جب کوئی مصیبت آتی ہے اور کسی ناخوش گوار امر میں مبتلا ہوتے ہیں تو "حجرا محجورا"

کہتے ہیں۔ چنانچہ مجرم فرشتوں کو دیکھنے کے بعد یہ الفاظ کہیں گے۔ مجاہد کا قول ہے کہ جب کافر ملائکہ کو دیکھیں گے تو اس روز فرشتوں سے اللہ کی پناہ مانگیں گے اور ”حجراً محجوراً“ کہیں گے یعنی اللہ سے درخواست کریں گے کہ فرشتوں سے ان کو بچالے۔

23 ”وَقَدْ مَنَّا“ متوجہ ہوئے ”الی ما عملوا من عمل فجعلناہ ہباءً منثوراً“ بے کار رائیگاں بنا دیں گے اس پر کوئی ثواب نہیں دیں گے کیونکہ انہوں نے اللہ رب العزت کے لیے نہیں کیا۔ ہباء کے معنی میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہباء ان ذروں کو کہتے ہیں جو روشن دانوں کے شگافوں سے سورج کی روشنی پر غبار کی طرح نظر آتے ہیں مگر ہاتھ سے ان کو چھو نہیں سکتے اور نہ وہ سایہ میں نظر آتے ہیں۔ حسن، عکرمہ اور مجاہد کا قول ہے کہ اس کا معنی ہے پراگندہ جدا جدا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما قادمہ اور سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہباء اس دھول کو کہتے ہیں جس کو ہوا اڑاتی ہے اور بکھیرتی ہے۔ مقاتل نے کہا ”ہباء منثوراً“ وہ ذرات ہوتے ہیں جو روشندانوں کے سوراخوں سے سورج کی کرنوں پر نظر آتے ہیں اور ہباء منبہ وہ دھول ہوتی ہے جو گھوڑوں کی ٹاپوں سے اٹھتی ہیں اور اس کو اڑاتی ہیں۔

أَصْحَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَأَحْسَنُ مَقِيلًا 24 وَيَوْمَ تَشْهَقُ السَّمَاءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِلَ الْمَلَائِكَةُ تَنْزِيلًا 25 الْمَلِكُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ لِلرَّحْمَنِ. وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكَافِرِينَ عَسِيرًا 26 وَيَوْمَ يَعْصُ الظَّالِمُ عَلَى يَدَيْهِ يَقُولُ يَلْتَمِسُ أَلْحَدُثُ مَعَ الرَّسُولِ سَيْلًا 27 يُؤَيِّلَتِي لَيْتِي لِمَ اتَّخَذْتُ فُلَانًا جَلِيلًا 28 لَقَدْ أَضَلَّنِي عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ إِذْ جَاءَنِي. وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِلْإِنْسَانِ خَلُولًا 29

24 (البتہ) اہل جنت اس روز قیام گاہ میں بھی اچھے رہیں گے اور آرام گاہ میں بھی خوب اچھے ہوں گے اور جس روز آسمان ایک بدلی پر سے پھٹ جائے گا اور فرشتے (زمین پر) بکثرت اتارے جاویں گے (اور) اس روز حقیقی حکومت (حضرت) رحمن (عی کی ہوگی اور وہ (دن) کافروں پر بڑا سخت دن ہوگا اور جس روز ظالم (یعنی کافر آدمی غایت حسرت سے) اپنے ہاتھ کاٹ کاٹ کھاوے گا اور کہے گا کیا اچھا ہوتا کہ میں رسول کے ساتھ (دین کی) راہ پر لگ لیتا ہاے میری شامت (کہ ایسا نہ کیا اور) کیا اچھا ہوتا کہ میں فلاں شخص کو دوست نہ بناتا اس (کبخت) نے مجھ کو نصیحت آئے پیچھے بہکایا (اور ہٹا دیا) اور شیطان تو انسان کو (عین وقت پر) اندا کرنے سے جواب دے ہی دیتا ہے۔

تفسیر 24 ”اصحاب الجنة يومئذ خير مستقراً“ مشرکین، منکرین سے زیادہ وہ آرام میں ہوں گے۔ ”واحسن مقیلاً“ ان کے آرام کی جگہیں آرام دہ ہوں گی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ان الفاظ سے آیا ہے کہ قیامت کا دن آدھا نہ ہونے پائے گا کہ اہل جنت، جنت میں اور اہل دوزخ دوزخ میں جا کر ٹھہر جائیں گے۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت کی ”ثُمَّ إِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا الْحَيُّ حَيُّ“ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں یہ آیت اسی طرح آئی ہے۔ ازہری کا قول ہے قیلولہ اور مقیل نصف النہار کی امتزاجت کو کہتے ہیں۔ اگرچہ اس کے ساتھ نیند نہ آئی ہو۔ ”واحسن مقیلاً“ جنت میں نیند تو نہیں آئے



گی۔ روایت میں آتا ہے کہ مؤمنوں کے لیے قیامت کا دن چھوٹا کر دیا جائے گا جیسے عصر سے غروب آفتاب تک ہوتا ہے۔  
 25 "و یوم تشقق السماء بالغمام" اس میں باء بمعنی عن کے ہے۔ جیسا کہ عرب کا قول ہے "رمیت السهم بالقوس" میں نے کمان سے تیر پھینکا۔ "تشفق" اصل میں "تشفق" تھا دو تاء تھیں۔ دونوں تاء کو ایک دوسرے میں ادغام کر دیا۔ ابو عمرو، اہل کوفہ نے نشین کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اور سورۃ ق میں ایک تاء کے حذف کے ساتھ۔ دوسرے قراء نے تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ غمام ایک سفید باریک بادل کہہ کی طرح ہوگا جو صرف بنی اسرائیل کے لیے واوی تیر کے اندر اللہ نے نازل فرمایا تھا۔  
 "ونزل الملائکة تنزیلاً" ابن کثیر نے "نزل" دونوں کے ساتھ پڑھا ہے اور لام کے رفع کے ساتھ۔ الملائکة منصوب ہے۔  
 ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ قیامت کے دن اللہ ایک میدان میں ساری مخلوق کو جمع کرے گا۔ سب سے پہلے آسمان دُنیا ٹوٹے گا اور اس آسمان کے رہنے والے اتریں گے اور وہ زمین کے رہنے والے جنات و انسان سے زیادہ ہوں گے۔ پھر دوسرا آسمان پھٹے گا اس کے رہنے والے اتریں گے اور وہ پہلے آسمان کی مخلوق سے زیادہ ہوں گے اور جنوں اور انسانوں سے بھی زیادہ ہوں گے۔ یہاں تک کہ ساتواں آسمان بھی ٹوٹ پڑے گا، ہر آسمان والے گزرے ہوئے آسمان والے سے زیادہ ہوں گے۔ پھر کریموں فرشتے نازل ہوں گے، پھر عرش کو اٹھانے والے۔

26 "الملک یومئذ الحق للرحمن" اس دن حقیقی حکومت رحمن کی ہوگی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ قیامت کے دن اس کے سوا کسی کی ملکیت نہیں ہوگی جو فیصلہ کرے۔ "وکان یوماً علی الکافرین عسیراً" بمعنی بہت سخت یہ خطاب اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس دن مؤمن کے لیے کوئی تنگی نہیں ہوگی۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ قیامت کے دن مؤمنین پر وہ اتنی دیر ہوگی جتنی کہ دُنیا میں جو اخف ترین نماز پڑھی ہوگی اتنی دیر مشکل آئے گی۔

## ویوم بعض الظالم کی تفسیر

27 "ویوم بعض الظالم علی یدیہ" اس سے عقبہ بن ابی معیط کا ظلم مراد ہے کہ جب وہ سفر سے واپس آتا تھا، کھانا تیار کراتا اور اپنی قوم کے بڑے بڑے لوگوں کی دعوت کرتا تھا۔ یہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس زیادہ دیر بیٹھتا تھا۔ ایک روز سفر سے واپس ہو کر کھانا تیار کروایا اور لوگوں کی دعوت کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی دعوت دی، آپ تشریف لے گئے۔ جب عقبہ نے کھانا لاکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں اس وقت تک تمہارا کھانا نہیں کھاؤں گا جب تک تم لا الہ الا اللہ کے ساتھ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت نہ دو گے۔ عقبہ نے کلمہ شہادت پڑھ لیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا کھانا کھا لیا۔ عقبہ ابی بن خلف کا دوست تھا، ابی کو عقبہ کے کلمہ پڑھنے کی اطلاع ملی تو اس نے عقبہ سے کہا، عقبہ تم بے دین ہو گئے؟ عقبہ نے کہا نہیں خدا کی قسم میں تو بے دین نہیں ہوا، بات صرف یہ تھی کہ میرے گھر ایک آدمی آیا اور بغیر کلمہ شہادت پڑھوائے میرا کھانا کھانے سے اس نے انکار کر دیا۔ میری غیرت نے گوارا نہیں کیا کہ وہ میرے گھر سے کھانا

کھانے کے بغیر جائے، اس لیے میں نے شہادت دے دی اور اس نے کھانا کھا لیا۔ ابی نے کہا میں اس وقت تک تم سے راضی نہیں ہوں گے جب تک تم جا کر اس کے منہ پر تھوک نہ دو گے۔ عقبہ نے جا کر ایسا کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں نے بھی اگر تجھے مکہ کے باہر پالیا تو تیرے سر پر تلوار ماروں گا۔ چنانچہ بدر کے دن عقبہ مارا گیا۔ رہا ابی تو اس کو احد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے قتل کر دیا۔ ضحاک کا قول ہے کہ جب عقبہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر تھوکا تو وہ تھوگ واپس عقبہ کے چہرے پر آ پڑی جس سے اس کا چہرہ جل گیا اور مرتے دم تک اس کے چہرے پر اس کا نشان رہا۔

شعسی کا بیان ہے کہ عقبہ بن ابی معیط امیہ بن خلف کا دوست تھا۔ عقبہ مسلمان ہو گیا۔ امیہ نے کہا تو نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیعت کر لی ہے اس لیے میرا چہرہ تیرے لیے اور تیرا چہرہ میرے لیے دیکھنا حرام ہے۔ عقبہ نے اسلام کا انکار کر دیا اور مرتد ہو گیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ”و یوم یعض الظالم“ اس سے مراد عقبہ بن ابی معیط بن عبد الغنم بن مناف ہے۔ ہاتھ کاٹنے سے مراد امت و انفس کہ وہ دوست کہ جس نے اس کو اللہ کے راستے سے روکا، اس نے اس کا کہا مان لیا اور گناہ و کفر کا ارتکاب کر کے اپنے آپ کو خود جاہ کر دیا۔ عطاء کا قول ہے کہ وہ اپنے دونوں ہاتھ کہنوں تک کھا جائے گا، پھر ہاتھ اُگ آئیں گے۔ وہ حسرت و انفس کرتے ہوئے ان کو پھر کھا جائے گا اور یوں ہی ہاتھ اُگتے رہیں گے اور وہ حسرت کے ساتھ کھاتا رہے گا۔

”بقول بالیتی اتخذت“ دنیا میں ”مع الرسول سبیلاً“ کاش! میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اتباع کر لیتا اور ان کی معیت میں ہدایت کا راستہ اختیار کر لیتا۔ ابو عمرو نے یاء کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ دوسرے قراء نے یاء کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔

28 ”یا ویلنا لیتی لم اتخذ فلاناً خلیلاً“ اس سے مراد ابی بن خلف ہے۔

29 ”لقد اضلنی عن الذکر“ ذکر سے مراد ہے اللہ کی یاد یا قرآن مجید سے گمراہ کر دینا۔

”بعد اذ جاء نى“ یعنی وہ ذکر جو رسول کے ساتھ آیا۔ ”و کان الشیطان“ ہر وہ سرکش سرتاب، خواہ جنوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے، راہ خدا سے روکنے والا شیطان ہے۔ ”للانسان خذولاً“ اس کو بے یار و مددگار چھوڑنا ضرورت کے وقت مدد نہ کرنا۔ مطلب یہ ہے کہ شیطان کسی کا دوست نہیں۔ اس آیت کا حکم عام ہے جو دوست گناہ پر دوستی کو قائم رکھے ہوں ان کو آیت کا حکم شامل ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نقل کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نیک اور بد ہم نشین کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص کے پاس تو مشک ہے اور دوسرا لوہا کی بھٹی دھو تک رہا ہے۔ مشک اپنے پاس رکھنے والا یا تو تم کو کچھ مشک مفت دے دے گا یا تم اس کو خرید لو گے یا کم از کم عمدہ خوشبو ہی تم کو مل جائے گی اور بھٹی دھو کتنے والا یا تمہارے کپڑوں کو جلا دے گا یا کم از کم اس کی طرف سے تم کو بدبو پہنچے گی۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا سوائے مومن کے کسی کے ساتھ نہ رہا اور سوائے پرہیزگاروں کے تمہارا کھانا اور کوئی نہ کھائے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، آدی اپنے دوست کے مسلک پر ہوتا ہے اس لیے اس کو دیکھ لینا چاہیے کہ وہ کس سے دوستی کر رہا ہے۔

وَقَالَ الرَّسُولُ يَا رَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا ①٠ وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِينَ. وَكَفَى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَنَصِيرًا ①١ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَاحِدَةً. كَذَلِكَ. لُنْشِبَتْ بِهِ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا ①٢ وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جُنُكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا ①٣

①٠ اور (اس دن) رسول کہیں گے کہ اے میرے پروردگار میری (اس) قوم نے اس قرآن کو (جو کہ واجب العمل تھا) بالکل نظر انداز کر رکھا تھا اور ہم اسی طرح (یعنی جس طرح یہ لوگ آپ سے عداوت کرتے ہیں) مجرم لوگوں میں سے ہر نبی کے دشمن بناتے رہے ہیں اور ہدایت کرنے کو اور مدد کرنے کو آپ کا رب کافی ہے اور کافر لوگ یوں کہتے ہیں کہ ان (تغییر) پر یہ قرآن دفعہً واحدہ کیوں نہیں نازل کیا گیا اس طرح (تدبیراً) اس لئے (ہم نے نازل کیا) ہے تاکہ ہم اس کے ذریعہ سے آپ کے دل کو قوی رکھیں اور (اس لئے) ہم نے اس کو بہت ٹھہرا ٹھہرا کر اتارا ہے اور یہ لوگ کیسا ہی عجیب سوال آپ کے سامنے پیش کریں مگر ہم (اس کا) ٹھیک جواب اور وضاحت میں بڑھا ہوا آپ کو عنایت کر دیتے ہیں۔

تفسیر ①٠ "وقال الرسول" اس دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمائیں گے "یا رب ان قومى اتخذوا هذا القرآن مهجوراً" اس قرآن کو چھوڑ دیا اور اس سے اعراض کرنے لگے ہیں نہ اس پر وہ ایمان لائے ہیں اور نہ ہی وہ اس پر عمل کرتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ وہ اسی کلام کو بیہودہ کہتے ہیں اور بری بات کہتے ہیں اور وہ اس قرآن کو شعر اور جادو کہتے ہیں۔ یہ قول امام نخعی اور مجاہد کا ہے۔ بعض نے کہا کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا، اے میرے رب! میری قوم نے اس قرآن کو متروک بنا دیا۔ اس پر اللہ عزوجل نے آپ کو تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

①١ "و كذلك جعلنا" جس طرح ہم نے مشرکین میں سے ہر تغیر کے دشمن بنا دیئے تھے اس طرح آپ بھی ویسے ہی صبر کریں۔ جیسا کہ گزشتہ پیغمبروں نے کیا۔ "لكل نبي عدوا من المجرمين" اس سے مراد مشرکین ہیں۔ مقاتل کا قول ہے کہ آپ ان کی باتوں سے تکلیف محسوس نہ کریں بلکہ ایسی تکالیف تو ناقبل انبیاء کو بھی آئیں۔ لہذا ہمارے حکم پر صبر کریں۔ جیسا کہ پہلے انبیاء کرام علیہم السلام نے صبر کیا تھا، پھر ہم نے ان کی مدد کی اور ان کی قوموں کو ہدایت سے لواز۔ "و كفى بربك هاديا و نصيراً"

①٢ "وقال الذين كفروا لولا نزل عليه القرآن جملة واحدة" جیسا کہ ہم نے تورات میں موسیٰ علیہ السلام پر، انجیل عیسیٰ علیہ السلام پر، زبور حضرت داؤد علیہ السلام پر، اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "كذلك" اسی طرح ہم نے کیا۔ "لنشبته به فؤادك" لیکن ہم نے اس کو متفرق طور پر آپ پر نازل کیا تاکہ اس کی وجہ سے آپ کے دل کو تقویت اور جماد حاصل ہو اور آپ کو اس کے سمجھنے اور یاد رکھنے میں دشواری نہ ہو۔ ناقبل انبیاء کرام علیہم السلام پر جب کتاب نازل ہوتی تو وہ اس کو لکھتے اور پڑھتے تھے جب کہ اللہ رب العزت نے قرآن ایسے نبی پر نازل فرمایا جو نہ لکھتا جانتا ہے اور نہ ہی پڑھنا جانتا ہے۔ تدریجاً،

تدریجاً اس لیے نازل فرمایا تاکہ اس کے ناسخ و منسوخ کا علم بھی ہو جائے اور ہر آیت میں کسی کی بات کا جواب بھی ہو سکے جو سوال آپ سے پوچھا گیا ہوتا کہ اس میں سوال پوچھنے والے اور جواب دینے والے دونوں کے لیے آسانی والا معاملہ پیش آجائے۔ ”وردتلناہ ترتیلاً“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کا ترجمہ کیا ہے ہم نے قرآن کو واضح طور پر بیان کر دیا۔

## ترتیل کی تفسیر

ترتیل کا معنی ہے ترسل یعنی ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا۔ سدی نے اس کا ترجمہ کیا ہے ہم نے اس کو ٹکڑے ٹکڑے الگ الگ کر دیا۔ مجاہد کا قول ہے ہم اس کے ایک حصہ کو دوسرے کے بعد لائے۔ امام نخعی اور حسن نے کہا ہم نے اس کو جدا جدا ٹکڑوں میں بانٹ دیا۔ ”ولا یاتونک“ اے محمد! یہ مشرکین آپ کے سامنے نہیں لاتے ”بممثل“ وہ ایسی مثال جس سے آپ کی نبوت کو مجروح قرار دیتے ہیں اور آپ کے عمل کو باطل کرتے ہیں۔ ”الا جنناک بالحق“ اور ہم آپ کو اس کا صحیح جواب دے دیتے ہیں جس کی وجہ سے ان کی مثال باطل ہو جاتی ہے جو لوگ کسی قسم کا شبہ پیدا کرتے ہیں اس کو شل سے موسوم کیا اور اس شبہ کو دور کرنے کا نام حق دیا ہے۔ ”واحسن تفسیراً تفسیراً تفسیراً“ کے وزن پر ہے۔ فسر کا معنی ہے ظاہر کر دینا کسی ڈھکی ہوئی چیز کا پردہ ہٹا دینا۔ پھر اس کے بعد مشرکین کا تذکرہ کیا اور ارشاد فرمایا۔

الَّذِينَ يُحْشِرُونَ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ إِلَىٰ جَهَنَّمَ أُولَٰئِكَ سُورًا مَّكَانًا وَأَضَلُّ سَبِيلًا ۝۳۹  
 اتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَجَعَلْنَا مَعَهُ أَخَاهُ هَارُونَ وَزَيْرًا ۝۴۰ لَقَلْنَا أَذْهَبْنَا إِلَى الْقَوْمِ الَّذِينَ  
 كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَدَمَرْنَاهُمْ تَدْمِيرًا ۝۴۱ وَقَوْمَ نُوحٍ لَمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ أَغْرَقْنَاهُمْ وَجَعَلْنَاهُمْ  
 لِلنَّاسِ آيَةً وَأَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ عَذَابًا أَلِيمًا ۝۴۲ وَعَادًا وَثَمُودًا وَأَضْحَبَ الرِّسِّ وَقُرُونًا بَيْنَ  
 ذَٰلِكَ كَثِيرًا ۝۴۳ وَكُلًّا صَبْرًا نَالَهُ الْأَمْثَالَ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيرًا ۝۴۴ وَقَلَّ أَمَّا عَلَى الْقَرْيَةِ  
 الَّتِي آمَطْرَتْ مَطَرَ السُّوءِ ۝۴۵ أَلَمْ يَكُونُوا يَرَوْنَهَا بَلْ كَانُوا لَا يَتْرُجُونَ نُشُورًا ۝۴۶

یہ وہ لوگ ہیں کہ جو اپنے مونہوں کے بل جہنم کی طرف لے جائے جاویں گے یہ لوگ جگہ میں بھی بدتر ہیں اور طریقہ میں بھی بہت گمراہ ہیں اور تحقیق ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب (یعنی تورات) دی تھی اور ہم نے ان کے ساتھ ان کے بھائی ہارون (علیہ السلام) کو ان کا معین بنایا تھا پھر ہم نے (دونوں کو) حکم دیا کہ دونوں آدمی ان لوگوں کے پاس جاؤ جنہوں نے ہماری (توحید کی) دلیلوں کو جھٹلایا ہے سو ہم نے ان کو (اپنے قہر سے) بالکل ہی غارت کر دیا اور قوم نوح کو بھی ہم ہلاک کر چکے ہیں جب انہوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا تو ہم نے ان کو غرق کر دیا اور ہم نے ان لوگوں کے لئے ایک نشان بنا دیا اور ہم نے ظالموں کے لئے دردناک سزا تیار کر رکھی ہے اور ہم نے عاد اور ثمود اور

اصحاب الرس اور ان کے بیچ بیچ میں بہت سی امتوں کو ہلاک کیا اور ہم نے ہر ایک کے واسطے عجیب عجیب مضامین بیان کئے اور ہم نے سب کو بالکل برباد ہی کر دیا اور یہ اس بستی پر ہو گزرے ہیں جس پر بری طرح پتھر برسائے گئے تھے (سو کیا یہ لوگ) اس کو دیکھتے نہیں رہتے بلکہ یہ لوگ مرکزی اٹھنے کا احتمال ہی نہیں رکھتے۔

**تفسیر 44** ”الذین“ وہ لوگ ”یحشرون علی وجوہہم“ ان کو ہنکایا اور چلایا جائے گا۔ ”الی جہنم اولنک شر مکانا“ ان کی جگہ اور ٹھکانا اور بعض نے کہا کہ منزل اور رہنے کی جگہ۔ ”واضل سبیلا“ وہ سیدھا راستہ بھول گئے۔

**45** ”ولقد اتینا موسیٰ الكتاب وجعلنا معہ اخاہ ہارون وزیرا“ مددگار بنا دیا۔

**46** ”فلقنا اذہبا الی القوم الذین کذبوا بایاتنا“ یعنی قبلی قوم کی طرف ”قدمرناہم“ یہاں پر اشارہ ہے۔ حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام قوم کے پاس گئے، دعوت دی لیکن ان دونوں کی انہوں نے تکذیب کی۔ ”تدمیرا“ پھر ہم نے اس قوم والوں کو ہلاک کر دیا۔

**47** ”وقوم نوح لما کذبوا الرسل“ اس سے مراد بھیجے ہوئے ہیں اور جس نے ایک رسول کی تکذیب کی گویا اس نے تمام انبیاء کو جھٹلایا۔ اسی وجہ سے جمع کا لفظ ذکر کیا۔ ”اغرقتناہم وجعلناہم للناس آیة“ اور اس کے بعد آنے والوں کے لیے ان کو عبرت کا نشان بنا دیا۔ ”واعتدنا للظالمین“ اور ہم نے ظالموں کے لیے آخرت میں شمار کر کے رکھا ہوا ہے۔ ”عذابنا الیما“ سوائے اس عذاب کے جو وہ جلدی طلب کرتے تھے۔

**48** ”وعادا و تمود“ اور ہم نے عاد و تمود کو ہلاک کر دیا۔ ”واصحاب الرس“ ان کے متعلق مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔

## اصحاب الرسول کی تفصیل

دہب بن منہہ کا قول ہے وہ کنویں والے تھے اس کے ارد گرد بیٹھے ہوئے تھے اور یہ جانور پالتے اور بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ ان کی طرف اللہ رب العزت نے حضرت شعیب علیہ السلام کو بھیجا۔ انہوں نے ان کو اسلام کی دعوت دی۔ انہوں نے سرکشی اختیار کی اور دعوت قبول نہیں کی۔ حضرت شعیب علیہ السلام کو یہ لوگ طرح طرح کی اذیتیں دے رہے تھے۔ آخر ان سب کو ہلاک کر دیا گیا، زمین سب کو کھا گئی، کنویں کو بھی ان کو بھی اور ان کے گھروں کو بھی۔

”والرس“ ہر وہ کنواں جس کے ارد گرد دیوار بنا دی گئی ہو اسے رس کہتے ہیں۔ قنادر اور کلیبی کا بیان ہے کہ رس علاقہ یمامہ میں ایک کنواں تھا وہاں کے باشندوں نے اپنے نبی کو شہید کر دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک کر دیا۔ بعض حضرات کا قول ہے کہ تمود یعنی قوم صالح میں سے جو لوگ بیچ گئے تھے اصحاب الرس وہی لوگ تھے یا اس کنویں کے پاس رہتے تھے جس کا ذکر اللہ رب العزت نے ”وبشر معطلہ وقصر مشید“ کیا ہے۔

سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ اصحاب الرس کا ایک پیغمبر تھا جس کا نام حظلہ بن صفوان تھا۔ رس والوں نے اپنے پیغمبر

کو شہید کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک کر دیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ لوگ اللہ کی طرف سے ایک مصیبت میں مبتلا ہو گئے تھے۔ کعب، مقاتل اور سدی کا بیان ہے کہ رس اٹھا کیہ میں ایک کنواں تھا، لوگوں نے حبیب بن نجار کو قتل کر کے اس کنویں میں ڈال دیا۔ اس کا تذکرہ آگے سورہ یسین میں آئے گا۔ بعض حضرات نے کہا کہ اصحاب الرس ہی اصحاب الاخذود تھے۔ انہوں نے ایک خندق کھودی تھی۔ عکرمہ کا قول ہے کہ اصحاب الرس نے اپنے نبی کو کنویں میں پاٹ دیا تھا یعنی دفن کر دیا تھا۔ بعض نے کہا اس معدن کو کہتے ہیں رس کی جمع رساس آتی ہے۔ ”وقرونا بین ذلک کثیراً“ یعنی ہم نے بہت سی قوموں کو ہلاک کر دیا، عباد اور اصحاب الرس کے درمیان۔

39 ”و کلا ضربنا له الامثال“ ان جیسی مشابہ چیزیں تاکہ ان پر کوئی حجت تام ہو جائے، ہم کسی کو بھی ہلاک نہیں کرتے مگر ڈرانے کے بعد۔ ”و کلاً تبرنا تنبیراً“ یعنی ہم ان کو ہلاک کریں گے ہلاک کرنا۔ انخس نے ”تبرنا“ کا ترجمہ کیا ہے ہم نے ان کو توڑ دیا۔ زجاج نے کہا کہ کسی چیز کو توڑنے اور ریزہ ریزہ کرنے کو تعمیر کہتے ہیں۔

40 ”ولقد اتوا علی القرية النی امطرت مطر السوء“ مطر السوء سے مراد پتھروں کی بارش اور یہ بارش قوم لوط پر برسی۔ اس کی پانچ بستیاں تھیں۔ اللہ نے چار بستیوں کو ہلاک کر ڈالا اور ایک بستی بچ گئی۔ یہ چھوٹی سی بستی تھی اور یہ قوم لوط والا برا عمل نہیں کرتے تھے۔ ”افلکم یکنوا یرونھا“ جب یہ لوگ سفر کرتے ہیں اور اس بستی کے پاس سے گزرتے ہیں تو اس پر غورو فکر کر کے عبرت کیوں نہیں پکڑتے کیونکہ شہر مدین مدینہ سے شام جانے والوں کے راستے کے درمیان میں آتا تھا۔ ”بل کانوا لایرجون“ وہ اس سے نہیں ڈرتے۔ ”نشوراً“ دوبارہ جی اٹھنے کی امید نہیں ہوتی۔

وَ اِذَا رَاوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ الْاَهْزُوْا. اَهْذَا الَّذِي بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا 11 اِنْ كَاذَ لَيُضِلُّنَا عَنْ الْهَيْبَتَا لَوْلَا اَنْ صَبَرْنَا عَلَيَّهَا. وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ يَرُوْنَ الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا 12 اَرَاَ يَتَّخِذُ مَنِ اتَّخَذَ الْهٰهُ هَوَاهُ. اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا 13 اَمْ تَحْسَبُ اَنْ اَكْثَرُهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ. اِنْ هُمْ اِلَّا كَاْلَاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا 14 اَلَمْ تَرَ اِلَى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ. وَلَوْ شَاءَ لَجَعَلَهُ سَاكِنًا. ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا 15

اور جب یہ لوگ آپ کو دیکھتے ہیں تو بس آپ سے تمسخر کرنے لگتے ہیں کہ کیا یہی ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا ہے اس شخص نے تو ہم کو ہمارے معبودوں سے ہٹا ہی دیا ہوتا اگر ہم ان پر قائم نہ رہتے اور جلدی ہی ان کو معلوم ہو جاوے گا جب عذاب کا معائنہ کریں گے کہ کون شخص گمراہ تھا (اے پیغمبر!) آپ نے اس شخص کی حالت بھی دیکھی جس نے اپنا خدا اپنی خواہش نفسانی کو بنا رکھا ہے سو کیا آپ اس کی گمراہی کر سکتے ہیں یا آپ خیال کرتے ہیں کہ ان میں اکثر سنتے یا سمجھتے ہیں یہ تو محض چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ یہ ان سے بھی زیادہ بے راہ ہیں (اے مخاطب) کیا تو نے پروردگار کی (اس قدرت) پر نظر نہیں کی کہ اس نے سایہ کو کیونکر (دور تک) پھیلایا ہے اور اگر وہ چاہتا تو اس کو



ایک حالت پر ٹھہرا ہوا رکھتا پھر ہم نے آفتاب کو اس (سایہ کی درازی اور کوتاہی) پر علامت مقرر کیا۔

**تفسیر 41** ”واذا راوک ان یتخذونک“ یہ نہیں بناتے مگر آپ کے ساتھ۔ ”الا هزوا“ اس آیت کا نزول ابو جہل اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے گزرے اور بطور استہزاء کہنے لگے ”اهذا الذی بعث اللہ رسولا“

**42** ”ان کاد لیضلنا“ قریب تھا کہ وہ ہمارے معبودوں کی طرف سے بہکا لیتا۔ ”عن الھتنا لولا ان صبرنا علیھا“ اگر ہم اس پر صبر اختیار نہ کرتے تو ہمیں یہ بہکا ہی لیتے۔ ”وسوف یعلمون حین یرون العذاب من اضل سبلا“ ان کو یوں ہی نہیں چھوڑے گا۔

**43** ”ارایت من اتخذ الہہ ہواہ“ مشرکین میں سے جو شخص پتھر کی پوجا کرتا جب وہ اس پتھر کو دیکھتا تو وہ اس کو بہت اچھا معلوم ہوتا اور اسی طرح وہ دوسرا پتھر بھی لے لیتا اور اس کی پوجا کرتا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ کیا آپ اس شخص کو دیکھ رہے ہیں جس نے اللہ کی عبادت کو ترک کر دیا ہے جو اس کا خالق ہے اور پتھروں کی طرف جھک گیا ہے ان کی پوجا کرنے لگا ہے۔ ”افانئت تکون علیہ وکیلا“ کیا آپ ان کے محافظ ہیں یا کفیل کہ ان کو خواہش نفس سے روکیں اور غیر اللہ کی عبادت سے ان کو روکیں۔ اس طرح آپ نہیں۔ کلبی کا بیان ہے کہ آیت قتال میں یہ آیت منسوخ ہو گئی ہے۔

**44** ”ام تحسب ان اکثرہم یسمعون“ یہ لوگ سمجھنے کی غرض سے نہیں سنتے۔ ”او یعقلون“ وہ اس پر غور نہیں کرتے نہ کسی نصیحت کو اور نہ ہی دلیل کو۔ ”ان ہم“ اس کا معنی ہے ”ماہم“ نہیں ہیں وہ ”الا کلا انعام بل ہم اضل سبیلا“ چونکہ چوپائے بھی اپنے پینے کی جگہ اور چرنے کی جگہ خود چلے جاتے ہیں اور اپنے مالک کے حکم کو مانتے ہیں جبکہ یہ کفار حق کے راستے کو نہیں جانتے اور نہ ہی اللہ رب العزت کے حکم کی اطاعت کرتے ہیں اور اس کے رزق کی قدر نہیں کرتے چونکہ چوپائے چارہ گھاس کھاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور اس کے سامنے جھکتے بھی ہیں جبکہ کفار نہ تسبیح پڑھتے ہیں اور نہ ہی اللہ کی فرمانبرداری میں جھکتے ہیں۔

**45** ”الم تر الی ربک کیف مد الظل“ کیا تم نے اپنے رب کے بتائے ہوئے لے سائے کو نہیں دیکھا جو مشرق سے مغرب تک ہے۔ طلوع فجر سے طلوع آفتاب تک کا وقت ظل کہلاتا ہے۔ ظل کا لفظ دوسری جگہ بھی آیا ہے۔ ”فی ظل الجنۃ وظل ممدود“ جس کے ساتھ سورج نہ ہو۔ ”ولو شاء لجعلہ ساکننا“ وہ ہمیشہ اور دائم رہے گا۔ اس کو سورج کی روشنی ختم نہیں کرتا بلکہ قیامت تک رات ہی رات رہتی۔ ابو عبیدہ کا قول ہے کہ جو سایہ سورج سے زائل ہو جاتا ہے اس کو ظل کہتے ہیں اور جس سایہ سے دھوپ زائل ہو جاتی ہے اس کو فنی کہتے ہیں گویا زوال آفتاب سے پہلے ظل ہوتا ہے اور زوال کے بعد فنی آتا ہے زوال کے بعد سایہ بھی مشرق سے مغرب کی طرف لوٹ آتا ہے۔ ”ثم جعلنا الشمس علیہ دلیلا“ اس سائے پر دلیل ہوتی۔ یعنی اگر سورج نہ ہوتا تو سائے کو سایہ کون جانتا روشنی نہ ہو تو تاریکی کی پہچان کیسے ہو، چیزوں کی شناخت ان کی ضدوں کو جاننے سے ہوتی ہے۔

ثُمَّ قَبْضَهُ إِلَيْنَا قَبْضًا يَسِيرًا ﴿٤٦﴾ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ اللَّيْلَ لِبَاسًا وَالنَّوْمَ سُبَاتًا وَجَعَلَ النَّهَارَ

نَشُورًا ﴿٤٧﴾ وَهُوَ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيحَ بُشْرًا مِّمَّنْ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ. وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا ﴿٤٨﴾

تفسیر: پھر ہم نے اس کو اپنی طرف آہستہ آہستہ سمیٹ لیا اور وہ ایسا ہے جس نے تمہارے لئے رات کو پردہ کی چیز اور نیند کو راحت کی چیز بنایا اور دن کو زندہ ہونے کا وقت بنایا اور وہ ایسا ہے کہ اپنی بارانِ رحمت سے پہلے ہواؤں کو بھیجتا ہے کہ وہ (بارش کی امید دلا کر دل کو) خوش کر دیتی ہیں اور ہم آسمان سے پانی برساتے ہیں جو پاک صاف کرنے کی چیز ہے۔

تفسیر: ﴿٤٦﴾ ”ثم قبضناه“ اس سے مراد سایہ ہے۔ ”الینا قبضاً یسیراً“ سورج کے نکلنے کے ساتھ ساتھ وہ سایہ جاتا رہتا

ہے۔ قبض کہتے ہیں پھیلی ہوئی چیز کو سمیٹنا جمع کرنا۔ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ سورج کے طلوع ہونے سے پہلے سایہ پوری زمین پر پھیلا ہوتا ہے۔ جب سورج طلوع ہوتا ہے تو ہم تدریجاً تدریجاً اس سایہ کو جمع کر دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ سایہ ختم ہو جاتا ہے۔

﴿٤٧﴾ ”وهو الذی جعل لکم اللیل لباساً“ اس کو پردہ بنایا جس کے ذریعے سے اس کو ڈھانپا جاتا ہے۔ پھر اس کا اندھیرا

ہر چیز پر چھا جاتا ہے۔ جیسے لباس پہننے والے کے جسم کو ڈھانپ لیتا ہے۔ ”والنوم سباتاً“ اور نیند کو بدن کے لیے راحت بنایا اور

تمہارے اعمال ”مشاغل بیداری“ سے منقطع بنایا۔ سبت کا لغوی معنی ہے کاشا اور نامم مسبوت کہا جاتا ہے ایسی نیند جو اس کے

عمل و حرکت کو منقطع کر دیتی ہے۔ ”وجعل النهار نشوراً“ اور دن کو اٹھنے اور بیٹھنے کا وقت بنا دیا تاکہ اس کے ذریعے سے تم اپنا رزق تلاش کرو اور اپنے اپنے شغل میں بکھر جاؤ۔

﴿٤٨﴾ ”وهو الذی أرسل الریح بشرًا بین یدیه رحمتہ“ رحمت سے مراد بارش ہے۔ ”وأنزلنا من السماء ماءً طهوراً“

## ماء طهوراً کی تفسیر

طہور کہتے ہیں جوئی نفسہ پاک ہو اور دوسری چیز کو پاک کرنے والی ہو۔ یہ نام ہے جس کے ساتھ پاک کیا جاتا ہے جیسے حور

نام ہے جس کو سحری کے وقت کھایا جاتا ہے۔ فطور نام ہے افطار کی چیز کو۔ اس پر دلیل وہ روایت ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

نے سمندر کے بارے میں فرمائی تھی کہ اس کا پانی پاک ہے اور اس کا مُردار حلال ہے۔ یہاں مطہر سے مراد پانی کا مطہر ہونا ہے

کیونکہ انسان اس کے ذریعے سے حدث اور نجاست کو دور کرتا ہے۔ جیسا کہ دوسری آیت میں ارشاد فرمایا ”وینزل علیکم من

السماء ماء لیطہرکم بہ“ اس آیت سے ثابت ہو گیا کہ طہارت صرف پانی ہی سے حاصل ہوتی ہے۔

اصحابِ الرائے اس طرف گئے ہیں کہ طہور وہ چیز ہے جو ظاہر ہو اس سے نجاست کا زائل کرنا جائز ہے۔ ان کے نزدیک ہر

مائع چیز جو پاک ہو اس سے نجاست دور کی جاسکتی ہے۔ جیسے سرکہ، گلاب کا پانی اور اس جیسا۔ اگر اس کے ذریعے سے ازالہ

نجاست جائز ہے تو اس سے ازالہ حدث بھی جائز ہے۔

بعض حضرات کا قول ہے کہ طہور اس چیز کو کہتے ہیں جو بار بار پاک کرے جیسے صبورہ چیز جس کے ذریعے سے بار بار صبر کا

ظہور ہو اور شکورہ چیز جس کے ذریعے سے بار بار شکر حاصل ہو۔ اسی قول کی بنیاد پر امام مالک کے نزدیک اس پانی سے جس کو وضو میں ایک بار استعمال کر لیا گیا ہو، وضو کرنا جائز ہے اور اگر پانی میں کوئی چیز گر جائے جس کے ذریعے سے اس پانی کا ذائقہ، رنگ یا ذائقہ ہو جائے تو کیا اس کی طہوریت زائل ہوگی یا نہیں؟

## پانی ماء مستعمل کب ہوتا ہے

اگر پانی میں ایسی چیز گر جائے جو عام طور پر پانی میں موجود ہوتی ہے اس سے پانی نجس نہیں ہوگا۔ مثلاً مٹی کا پانی میں گر جانا یا درخت کے پتوں کا گر جانا اور اسی طرح اگر پانی ایک جگہ کھڑے کھڑے اس کا رنگ بدل جائے تو وہ نجس نہیں ہوگا اور اسی طرح پانی کے اندر کوئی ایسی چیز کامل جانا جو اس میں مل نہ سکتی ہو۔ مثلاً تیل کامل جانا، اس کی ٹوکی وجہ سے وہ نجس نہیں ہوگا کیونکہ اس کے اندر تغیر مجاورۃ کی وجہ سے آیا ہے مخالفت کی وجہ سے نہیں آیا۔ ایسی چیز پانی کے ساتھ مل جائے جس سے عام طور پر پانی کو بچایا جاتا ہے مثلاً سرکہ، زعفران کا پانی اور اس جیسے تو اس صورت میں اس سے پاکی حاصل کرنا جائز نہیں۔ اگرچہ اس کا ایک وصف بھی متغیر نہ ہوا ہو۔ اور اگر اس پانی میں کوئی پاک چیز ملی ہو تو پھر وہ پانی نجس نہیں ہوگا۔ اس سے پاکی حاصل کرنا جائز ہے خواہ وہ پانی قلیل ہو یا کثیر اور اگر اس پانی کے اندر کوئی نجس چیز گری ہو تو پھر دیکھیں گے کہ پانی کتنی مقدار میں ہے۔ اگر پانی دو قلوں سے کم ہو تو پھر وہ نجس ہوگا اور اگر دو قلوں یا اس سے زیادہ مقدار میں ہو تو پھر وہ نجس نہیں ہوگا۔ قلتان کا وزن پانچ گھڑے (قرب) ہیں جس کا وزن پانچ سو رطل ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگلی حوضوں کے متعلق پوچھا گیا جن حوضوں پر دو اب اور چو پائے وغیرہ آتے رہتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب پانی دو قلوں سے کم ہو تو وہ نجاست کو نہیں اٹھاتا۔ یہ قول امام شافعی، امام احمد، اسحاق اور اہل حدیث کی ایک جماعت کا قول بھی ہے کہ جب پانی اس مقدار تک پہنچ جائے تو نجاست کے گرنے سے وہ پانی نجس نہیں ہوگا۔ جب تک اس کے اوصاف ثلاثہ میں سے کوئی وصف نہ بدل جائے اور ایک جماعت کا قول ہے کہ قلیل پانی نجاست کے گرنے سے نجس نہیں ہوگا جب اس کے اوصاف ثلاثہ میں سے کوئی ایک وصف بدل جائے۔ یہ قول حسن، عطا، نخعی اور زہری کا ہے اور انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ کہا گیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا ہم بئر بضاعت سے وضو کریں اور وہ ایسا کنواں ہے جس میں حیض کے کپڑے، کتوں کا گوشت اور بدبودار چیزیں پھینکی جاتی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس کا پانی پاک ہے اس کو کوئی چیز نجس نہیں کر سکتی۔

لِنُحْيِي بِهِ بَلَدَةً مَيِّتًا وَنُسْقِيَهُ مِمَّا خَلَقْنَا أَنْعَامًا وَأَنَاسِيَّ كَثِيرًا ﴿٤٩﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنَاهُ بَيْنَهُمْ

لِيَذْكُرُوا فَأَبَى أَكْثَرُ النَّاسِ إِلَّا كُفُورًا ﴿٥٠﴾

تاکہ اس کے ذریعہ سے مردہ زمین میں جان ڈال دیں اور اپنی مخلوقات میں سے بہت سے چار پائیوں اور بہت سے آدمیوں کو سیراب کریں اور ہم اس (پانی) کو (بقدر مصلحت) ان لوگوں کے درمیان تقسیم کر دیتے ہیں تاکہ لوگ غور کریں سو (چاہئے تھا کہ غور کر کے اس کا حق ادا کرتے) لیکن اکثر لوگ ناشکری کے سواہر بات سے انکاری ہیں۔

**نفسیہ 49** ”لنحیی بہ“ اس بارش کے ذریعے سے ”بلدۃ میتا“..... ”میتۃ“ نہیں کہا کیوں کہ اس کا مرجع جگہ اور مکان ہے غیر ذوی العقول بے جان ہے۔ ”ونسقبہ مما خلقنا انعاماً“ ہم اس کے ذریعے سے چوپائیوں کو پانی پلاتے ہیں۔ ”واناسی کثیراً“ اور بہت سارے انسانوں کو بھی سیراب کرتے ہیں۔ اتنا ہی جمع ہے اسی کی اور بعض نے کہا کہ انسان کی جمع ہے۔ اس کی اصل اناسین ہے۔ مثل بستان اور بساتین کے۔ یہاں پر یاہ لون کے مقابلے میں ہے۔

**50** ”ولقد صرفناہ بینہم“ ہم اس بارش کو کبھی ایک شہر کی طرف کبھی دوسرے شہر کی طرف پھیر دیتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ کوئی سال ایسا نہیں ہوتا کہ دوسرے سال سے اس میں بارش زیادہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ بارش کو زمین پر گھماتا رہتا ہے۔ پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔

ایک مرفوع روایت میں آتا ہے کہ کوئی ساعت ایسی نہیں ہوتی ندرات میں نہ دن میں نہ کہ ابر سے بارش نہ ہوتی ہو۔ اللہ تعالیٰ بارش کا رخ جس طرف چاہتا ہے پھیر دیتا ہے۔ ابن اسحاق، ابن جریج اور مقاتل نے حضرت ابن مسعود تک اس قول کو پہنچایا ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کو رسول اللہ صلی علیہ وسلم کا ارشاد فرمایا ہے کہ کسی ایک سال دوسرے سال سے زیادہ بارش نہیں ہوتی لیکن اللہ تعالیٰ نے رزق کو تقسیم کر لیا، نچلے آسمان میں بارش کا رخ اندر رکھ دیا اور مخصوص ناپ تول کے ساتھ نیچے اُتارتا ہے جب کوئی قوم گناہ کرتی ہے تو اللہ اس کی طرف سے بارش کا رخ موڑ کر دوسروں کی طرف کر دیتا ہے اور جب سب نافرمان ہو جاتے ہیں تو پھر بیابانوں اور دریاؤں کی طرف بارش کو موڑ دیتا ہے۔

بعض کے نزدیک تصریف المطر سے مراد یہ ہے کہ کبھی بارش بڑی بڑی بوندوں کی شکل میں موسلا دھار ہوتی ہے کبھی خفیف اور شبنم کے رنگ میں۔ بعض نے کہا کہ تصریف سے مراد یہ ہے کہ دریاؤں اور چشموں کی طرف لوٹا دیتا ہے۔ ”لیذکروا“ تاکہ وہ اس قدرت الہی سے نصیحت اور عبرت حاصل کریں۔ ”فابی اکثر الناس الا کفوراً“ اس سے مراد انکار کرنا ہے۔ ان کا کفر اس وجہ سے کہ جب بارش برسی تو کہتے کہ فلاں ستارے کی بناء پر بارش برسی ہے۔

حضرت زید بن خالد جہنی سے روایت ہے کہ حدیبیہ میں رات کے وقت بارش ہوئی جب صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد لوگوں کی طرف رخ پھیرا اور فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، اللہ اور اس کا رسول ہی جانے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ نے فرمایا، صبح کو میرے بندوں میں سے کچھ مجھ پر ایمان رکھنے والے ہونگے کچھ کافر۔ جن لوگوں نے کہا ہم پر اللہ کے فضل و رحمت کی بارش ہوگئی وہ مجھ پر ایمان رکھنے والے ہیں اور ستاروں کے منکر اور جن لوگوں نے کہا کہ فلاں ستارہ سے ہم پر بارش ہوئی، وہ میرے منکر ہو گئے اور ستاروں پر یقین رکھنے والے۔

وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ نَذِيرًا ﴿۵۱﴾ فَلَا تَطْعُ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِلْتُمْ بِهِ جِهَادًا كَبِيْرًا ﴿۵۲﴾ وَهُوَ الَّذِيْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَهٰذَا مِلْحٌ اَجَاعٌ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَحِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۵۳﴾ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا ﴿۵۴﴾ وَيَعْبُلُوْنَ مِنْ حُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ. وَكَانَ الْكَافِرُ عَلٰى رَبِّهِ ظٰهِيْرًا ﴿۵۵﴾ وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَنَذِيْرًا ﴿۵۶﴾ قُلْ مَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَاءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهِ سَبِيْلًا ﴿۵۷﴾

﴿تجوید﴾ اور اگر ہم چاہتے تو آپ کے علاوہ اسی زمانہ میں (ہر بستی میں ایک ایک پیغمبر بھیج دیتے سو) اس نعمت کے شکر یہ (میں) آپ کافروں کی خوشی کا کام نہ کیجئے اور قرآن سے انکا زور و شور سے مقابلہ کیجئے (آگے پھر عود ہے دلائل توحید کی طرف) اور وہ ایسا ہے جس نے دو دریاؤں کو (قوراً) ملایا جن میں ایک (کاپانی) تو شیریں تسکین بخش ہے اور ایک (کا پانی) شورخ ہے اور ان کے درمیان میں (اپنی قدرت سے) ایک حجاب اور ایک مانع قوی رکھ دیا اور وہ ایسا ہے جس نے پانی سے (یعنی نطفہ سے) آدمی کو پیدا کیا پھر اس کو خاندان والا اسرا ل والا بنایا اور (اے مخاطب) تیرا پروردگار بڑی قدرت والا ہے اور (باوجود اس کے) یہ (مشرک) لوگ (ایسے) خدا کو چھوڑ کر ان چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ ان کو کچھ نفع پہنچا سکتی ہیں اور نہ ان کو کچھ ضرر پہنچا سکتی ہیں اور کافر تو اپنے رب کا مخالف ہے اور ہم نے آپ کو صرف اس لئے بھیجا ہے کہ (ایمان والوں کو جنت کی) خوشخبری سنائیں اور (کافروں کو دوزخ سے) ڈرائیں آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی معاوضہ نہیں مانگتا ہاں جو شخص یوں کہے کہ اپنے رب تک (پہنچنے) کا راستہ اختیار کرے۔

﴿تفسیر﴾ ﴿۵۱﴾ ”ولو شئنا لبعثنا فی کل قریۃ نذیراً“ پیغمبر جو بستی والوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرائے۔ لیکن ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام بستیوں کی طرف رحمت بنا کر بھیجا اور آپ پر لوگوں کو ڈرانے کا بوجھ ڈال دیا۔ آپ کی عظمت و شان بلند کرنے کے لیے ہم نے سب لوگوں کے لیے تنہا آپ کو پیغمبر بنا کر بھیجا اور تمام پیغمبروں پر آپ کو فضیلت عطا فرمائی۔

﴿۵۲﴾ ”فلا تطع الکافرین“ کافر جس طرف آپ کو بلاتے ہیں۔ آپ ان کا کہنا نہ مانیں اور ان کی موافقت نہ کریں۔ ”وجاہدہم بہ“ اور ان کے ساتھ جہاد کریں۔ قرآن کے دلائل کے ساتھ۔ ”جہاداً کبیراً“ بڑے زور و شور سے۔

﴿۵۳﴾ ”وهو الذی مرج البحرین“ وہ ایک سمندر کو دوسرے سمندر سے متصل اور چسپاں کر کے آزاد چھوڑ دیا۔ بعض نے کہا کہ ان دونوں کو چلنے کے لیے آپس میں چھوڑ دیا۔ جیسے کہا جاتا ہے ”یرسل النخیل المرحج، گھوڑے کو چراگاہ میں آزاد چھوڑ دیا کہ جہاں چاہے چرتا پھرے۔ مرج اصل میں کہا جاتا ہے کہ کسی چیز کو خلط ملط کر کے چھوڑ دینا۔

”هٰذا عذب فرات“ شدید پیاس کو بھانے والا۔ ”وهلما ملح اجاع“ شدید نمکین۔ بعض نے کہا کہ اجاع کا معنی ہے تلخ کڑوا۔ ”وجعل بینہما برزخاً“ ان دونوں کے درمیان آڑ ہے، اللہ تعالیٰ کی قدرت کا شاہکار تاکہ نمکین شیریں کے ساتھ نہ ملے اور شیریں نمکین

کے ساتھ نہ ملے۔ ”وَحَجْرًا مَّحْجُورًا“ وہ پردہ سخت ہے کوئی اس کی حد سے آگے نہیں بڑھتا اور تمکین سمندر بیٹھے سمندر کو بگاڑ نہیں سکتا۔  
 56 ”وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ“ اس سے مراد نطفہ ہے۔ ”بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا“ اس کو نسب والای یعنی مرد بنایا اور سسرال والا بنایا۔

## نَسَبًا وَصِهْرًا كى تفسیر

بعض نے کہا کہ نسب سے مراد وہ ہے جس کے ساتھ نکاح کرنا حلال نہیں اور ”صہر“ سے مراد وہ ہے جس سے نکاح کرنا حلال ہے۔ نسب و حرمت کو واجب کرنے والی ہو اور ”صہر“ وہ ہے جو حرمت کو واجب نہ کرنے والی ہو۔ بعض نے کہا وہ نسب کی وجہ سے ہو۔ مثلاً قرابت اور ”صہر“ جو دوسروں کے ساتھ مل کر قربت والا رشتہ حاصل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے نسب کی وجہ سے سات رشتے حرام کیے ہیں اور سبب کی وجہ سے سات رشتے حرام قرار دیئے اور وہ اس آیت میں ”حرمت علیکم امہالکم“ ہے..... ”وكان ربك قديرا“

55 ”ويعلمون من دون الله“ یہ مشرکین ”مالا يفهم“ اگر تم ان کی عبادت کرو گے تو وہ تمہیں کسی قسم کا نفع نہیں دیں گے۔ ”ولا يضرهم“ اگر تم ان کی عبادت کرنا چھوڑ دو گے تو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ ”وكان الكافر على ربه ظهيراً“ اپنے رب کی نافرمانی کر کے اپنے شیطانوں کا مددگار ہو جاتا ہے۔ زجاج کا قول ہے کہ وہ شیطان کے مددگار اس طرح ہوتے ہیں کہ وہ بتوں کی پوجا کرتے ہیں اور بتوں کی پوجا کرنا شیطان کی معاذت کرنا ہے۔ بعض نے کہا کہ ظہیر کا ترجمہ ہے، ذلیل کمینہ جیسا کہ کہا جاتا ہے ”جعلنى بظهير اس نے مجھ کو ذلیل کر دیا اور کہا جاتا ہے۔ ”ظہر بہ“ جب کسی چیز کو پس پشت پھینک دیا اور اس کی طرف التفات نہیں کیا۔  
 56 ”وما ارسلناك الا مبشرا و نذيرا“ یعنی وہ ڈرانے والا ہے۔

57 ”قل ما استنلكم عليه“ وحی کی تبلیغ میں۔ ”من اجر“ کوئی ایسا معاوضہ نہیں مانگتا جو تم کو میرے اتباع سے روکے اور تم اس کو اپنے اوپر تاوان سمجھو۔ ”الا من شاء ان يتخذ الى ربه سبيلا“ یہ استثناء منقطع ہے۔ یعنی جو شخص اپنا مال راہ خدا میں اللہ کے قرب تک پہنچنے کے لیے خرچ کرنا چاہتا ہو تو وہ ایسا کرے، میں اپنے لیے کچھ طلب نہیں کرتا۔ مطلب یہ ہے کہ میں اپنے لیے تو کچھ مانگتا نہیں، ہاں اس بات سے بھی نہیں روکتا کہ راہ خدا میں کوئی اپنا مال صرف کرے اور اللہ کی خوشنودی کا طلبگار ہو اور اس کا راستہ اختیار کرے۔

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهِ. وَكَهْنِي بِهِ بِذُنُوبِ عِبَادِهِ خَيْرًا 58 ۞ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ. الرَّحْمَنُ فَسُئِلَ بِهِ خَيْرًا 59 ۞ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ اسْجُدُوا لِلرَّحْمَنِ قَالُوا وَمَا الرَّحْمَنُ أَنَسْجُدُ لِمَا تَأْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُورًا  
 (آیت سجدہ) 60 تَبَرَّكَ الَّذِي جَعَلَ فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَجَعَلَ فِيهَا سِرَاجًا وَقَمَرًا مُنِيرًا 61



**تفسیر** اور اس حی لایموت پر توکل رکھئے اور (اطمینان کے ساتھ) اس کی تسبیح و تحمید میں لگے رہیے اور وہ (خدا) اپنے بندوں کے گناہوں سے کافی (طور پر) خبردار ہے وہ ایسا ہے جس نے آسمان وزمین اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے سب چھ روز (کی مقدار) میں پیدا کیا پھر تخت (شاہی) پر قائم ہوا اور بڑا مہربان ہے سو اس کی شان کسی جاننے والے سے پوچھنا چاہئے اور جب ان (کافروں سے کہا جاتا ہے کہ رحمن کو سجدہ کرو تو (بوجہ جہل عناد کے) کہتے ہیں کہ رحمن کیا چیز ہے کیا ہم اس کو سجدہ کرنے لگیں جس کو تم سجدہ کرنے کے لئے ہم کو گواہ گے اور اس سے ان کو اور زیادہ نفرت ہوئی ہے وہ ذات بہت عالیشان ہے جس نے آسمان میں بڑے بڑے ستارے بنائے اور اس (آسمان) میں ایک چراغ (یعنی آفتاب) اور نورانی چاند بنایا۔

**تفسیر** 58 ”وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهِ“ اپنی نعمتوں پر شکر ادا کرتے ہوئے نماز پڑھئے۔ بعض نے کہا کہ آپ شکر ادا کرتے ہوئے یوں کہیں۔ سبحان اللہ والحمد للہ ”و کفنی بہ بذنوب عباده خبيراً“ وہ اپنے بندوں کے صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کو خوب جانتے ہیں، اسی کے مطابق بدلہ دیں گے۔

59 ”الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ الرَّحْمَنُ فَاسْأَلْ بِهِ خَبِيرًا“ اس سے مراد رحمن ہے۔ کلبی کا بیان ہے کہ اس تخلیق کائنات اور استوی علی العرش کے متعلق کسی عالم سے پوچھ لو۔ بعض نے کہا کہ اس سے خطاب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے مراد ان سے اُمت ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرتی ہے۔ آیت کا معنی یہ ہوگا کہ اے انسان! تو اس علم کے متعلق کسی غیر سے طلب نہ کر بلکہ اسی سے طلب کر۔ بعض نے کہا کہ باء بمعنی عن کے ہے۔ پوچھ اس سے جو باخبر ہے، مراد اس سے اللہ تعالیٰ ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے پوچھ اور بعض حضرات نے کہا کہ اس سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں۔

60 ”وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ اسْجُدُوا لِلرَّحْمَنِ قَالُوا وَمَا الرَّحْمَنُ؟“ مشرکین یہ کہتے تھے کہ کون سا رحمن ہم تو یمامہ کے رحمن کو جانتے ہیں اس سے مراد میلہ کذاب ہے اس کو رحمن یمامہ کہا جاتا تھا۔ ”انسجد لما تامرنا“ حمزہ اور کسائی نے ”یا مرننا“ پڑھا ہے۔ اس کا معنی ہوگا کہ جب محمد ہمیں اس کو سجدہ کرنے کا حکم دیں گے۔ دوسرے قراء نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے کہ جب آپ ہمیں حکم دیں گے اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) ”وزادهم“ کہنے والے کی بات کو اور نفرت بڑھادی۔ ”اسجدوا للرحمن“..... ”نفوراً“ وین اور ایمان سے۔

61 ”تَبَارَكَ الَّذِي جَعَلَ فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا“

## بروج کی تفسیر

حسن، قتاد اور مجاہد کا قول ہے کہ بروج بڑے بڑے ستاروں کو کہا جاتا ہے، بڑے بڑے ستارے ظہور کی وجہ سے بروج

کہلاتے ہیں۔ عطیہ عونی کا قول ہے کہ بروج سے مراد وہ اونچے محل ہیں جن میں چوکیدار اور محافظ موجود ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ”ولو كنتم في بروج مشيدة“ عطاء ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کرتے ہیں۔ بروج بارہ ہیں اور وہ سات ستاروں کی منزلیں ہیں۔ وہ مندرجہ ذیل ہیں۔ حمل، ثور، جوزاء، سرطان، اسد، سنبلہ، میزان، عقرب، قوس، جدی، دلو، حوت۔ حمل اور عقرب کا گھر مرغ ہے۔ ثور اور میزان زہرہ میں رہتے ہیں۔ جوزاء، سنبلہ، عطارد میں ان کا ٹھکانا ہے۔ سرطان چاند اور اسد سورج میں رہتے ہیں۔ قوس اور حوت کا گھر مشتری ہے۔ جدی اور دلو زحل میں رہتے ہیں، یہ بروج چار طبائع پر تقسیم ہوتی ہیں، ان میں ہر ایک کا حصہ ہے۔ ان میں سے تین بروج ہیں ان کو مثلثات کہا جاتا ہے۔ ان میں تین حمل اسد، قوس، یہ مثلث نار یہ ہیں۔ ثور، سنبلہ، جدی یہ مثلث ارضی ہیں۔ جوزاء، میزان اور دلو یہ مثلث ہوائیہ ہیں۔ سرطان، عقرب، حوت مثلث مائیں ہیں۔ ”وجعل فیہا سراجا“ اس سے مراد شمس ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے ”وجعل الشمس سراجا“ حمزہ، کسائی نے ”سراجا“ جمع کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اس سے مراد نجوم ہیں۔ ”وقمرا منیرا“ اور چاند سورج میں داخل ہے۔ یہ ان حضرات کے نزدیک ہے جن کے ہاں یہ جمع پڑھا گیا ہے۔ علاوہ اس بات کے کہ انہوں نے نوع فضیلت کے ساتھ خاص ذکر کیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”فیہا فاکھة و لخل و رمان“ نخل اور زمان دونوں کو خاص کیا حالانکہ یہ دونوں ”فاکھة“ میں شامل ہیں۔

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ أَرَادَ أَنْ يَدْكُرَ ۚ أَوْ أَرَادَ سُكُورًا ﴿٦٢﴾ وَعِبَادُ الرَّحْمَنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا ﴿٦٣﴾ وَالَّذِينَ يَبْتَغُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَقِيَامًا ﴿٦٤﴾

اور وہ ایسا ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے والے بنائے اور یہ سب کچھ دلائل و نعم جو مذکور ہوئے) اس شخص کے (سمجھنے کے) لئے ہیں تو سمجھنا چاہے یا شکر کرنا چاہے اور (حضرت رحمان کے (خاص) بندے وہ ہیں جو زمین پر عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں اور جب ان سے جہالت والے لوگ (جہالت کی) بات (چیت) کرتے ہیں تو وہ رفع شرکی بات کہتے ہیں اور جو راتوں کو اپنے رب کے آگے سجدہ اور قیام (یعنی نماز) میں لگے رہتے ہیں۔

تفسیر ﴿٦٢﴾ ”وہو الذی جعل اللیل والنہار خلیفۃ“ اس کی تفسیر میں مفسرین آئمہ کے مختلف اقوال ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما، حسن، قتادہ کے نزدیک اس کا معنی ہے رات اور دن میں ایک دوسرے کا قائم مقام ہو جاتا ہے اس لیے اگر کسی سے دن و رات کا کوئی عمل فوت ہو گیا ہو تو دن کے عمل کو رات میں اور رات کے عمل کو دن میں ادا کر سکتا ہے۔ حقیق کا قول ہے کہ ایک شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا، آج میری رات کی نماز فوت ہو گئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، رات کو جو نماز فوت ہو گئی اس کو دن میں پورا کر لو۔ اللہ نے فرمایا ”جعل اللیل والنہار

خلفۃ لمن اراد أن يذكر“ مجاہد نے خلفۃ کا ترجمہ کیا ہے مخالف۔ یعنی رات اور دن باہم مخالف بنائے گئے ہیں۔ ایک سیاہ اور ایک سفید ابن زید وغیرہ نے اس کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ ایک دوسرے کے بعد آتا ہے۔ جب ایک چلا جاتا ہے دوسرا اس کے پیچھے آ جاتا ہے۔ یہ دونوں ایک دوسرے کے متعاقب ہیں۔ روشنی اور اندھیرے میں زیادتی اور نقصان میں۔ ”لمن اراد أن يذكر“ حمزہ نے دال اور کاف کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جو ذکر کرے اور نصیحت حاصل کرے۔ ”او اراد مشكوراً“ مجاہد کا قول ہے کہ یعنی اپنے رب کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا چاہیے یعنی رات کی تاریکی اور دن کی روشنی۔

## عباد الرحمن کی تفسیر

63 ”و عباد الرحمن“ بندوں میں بعض ایسے ہیں جو دوسروں پر فضیلت رکھتے ہیں۔ عباد الرحمن میں اضافت سے مقصود ہے بندوں کی عزت افزائی اور ان کی فضیلت کا اظہار و گرنہ پوری مخلوق اللہ کے بندے ہیں۔ ”الذین یمشون علی الارض هوناً“ اس سے مراد سیکند وقار، تواضع، نہ اس میں غرور ہو اور نہ ہی اترانا اور نہ ہی تکبرانہ چال۔ حسن کا قول ہے کہ اس سے مراد علماء اور حکماء ہیں۔ محمد بن الحنفیہ کا قول ہے کہ اس سے مراد اصحاب وقار ہے اور عفتہ ہے وہ لاعاقل نہیں۔ عون لغت میں نرمی اور کمزوری کو کہتے ہیں۔ ”واذا خاطبهم الجاهلون“ یہ سٹھاء جو بے وقوف ہیں جن کو آپ ناپسند سمجھتے ہیں۔ ”قالوا سلاماً“ مجاہد کا قول ہے کہ اس سے مراد سدا یعنی سیدھی بات جس سے ایذاء سے سلامت رہیں اور گناہ سے بھی۔ مقاتل بن حیان کا قول ہے کہ ایسی بات جس کے ذریعے سے وہ گناہوں سے پاک رہیں۔ حسن کا قول ہے کہ اگر کوئی جاہل ان سے جہالت کرتا ہے تو وہ برداشت کر لیتے ہیں، جہالت نہیں کرتے، اس سے مراد سلام معروف نہیں۔ حسن سے روایت ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں تم پر سلام۔ اس پر دلیل اللہ عزوجل کا فرمان ”واذا سمعوا اللغو أعرضوا عنه وقالوا لنا أعمالنا ولكم أعمالکم سلام علیکم“ ابو العالیہ کا قول ہے کہ یہ حکم جہاد سے پہلے تھا۔ جب آیت جہاد آگئی تو یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ جب انہوں نے یہ آیت تلاوت فرمائی تو ارشاد فرمایا کہ یہ دن کی صفات میں سے ہے۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی ”والذین یسیتون لربہم سجدًا و قیامًا“ یہ ان کی راتوں کی اوصاف ہیں۔

64 ”والذین یسیتون لربہم“ کہا جاتا ہے کہ ان میں سے جو رات کو پاتے ہیں جس نے رات گزاری ہو خواہ اس کو وہاں نیند آئی ہو یا نہ آئی ہو جیسے کہا جاتا ہے ”بات فلان قلقاً“ اس کا معنی یہ ہے کہ انہوں نے اپنے رب کے ہاں رات نماز میں گزاری۔ ”سجدًا“ اپنے چہروں کو اللہ کے لیے جھکاتے ہیں۔ ”وقیامًا“ اپنے قدموں کے بل۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ جس شخص نے عشاء کی نماز کے بعد دو رکعتیں یا اس سے زائد پڑھ لیں۔ گویا اس نے ساری رات سجدے اور قیام میں گزاری ہے۔

حضرت عثمان بن عفان سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے عشاء کی نماز جماعت

کے ساتھ پڑھ لی تو ایسا ہو گیا جیسے اس نے آدھی رات قیام کیا اور جس نے صبح کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھ لی۔ گویا کہ اس نے پوری رات نماز پڑھ لی۔

وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ۖ إِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا ۖ وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَامًا ۖ وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ. وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ۖ يُضْعَفُ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيَخْلُدُ فِيهِ مُهَانًا ۖ إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ. وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۗ

توبہ اور جو دعائیں مانگتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم سے جہنم کے عذاب کو دور رکھے کیونکہ اس کا عذاب پوری تباہی ہے بیشک وہ جہنم برا ٹھکانا اور برا مقام ہے (تو یہ ان کی حالت طاعات بدنیہ میں سے) اور (طاعات مالیہ میں ان کا یہ طریقہ ہے کہ) وہ جب خرچ کرنے لگتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ بنگلی کرتے ہیں اور ان کا خرچ کرنا اس (افراط و تفریط) کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے اور جو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کی پرستش نہیں کرتے اور جس شخص (کے قتل کرنے) کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے اس کو قتل نہیں کرتے ہاں مگر حق پر اور وہ زنا نہیں کرتے اور جو شخص ایسے کام کرے گا تو سزا سے اس کو سابقہ پڑے گا کہ قیامت کے روز اس کا عذاب بڑھتا چلا جائے گا اور وہ اس (عذاب) میں ہمیشہ ہمیشہ ذلیل (و خوار) ہو کر رہے گا مگر جو (شرک و معاصی سے) توبہ کر لے اور ایمان (بھی) لے آئے اور نیک کام کرتا رہے اور اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے (گذشتہ) گناہوں کی جگہ نیکیاں عطا فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ غفور ہے رحیم ہے۔

تفسیر 55 "وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا" غرام کا معنی ہے بہت سخت چٹھنے والا کفار کو ایسا عذاب دیا جائے گا جو ان سے جدا ہونے والا نہیں ہوگا اور قرض دار کو بھی غریم کہتے ہیں کیوں کہ وہ قرض خواہ کو چننا رہتا ہے۔ محمد بن کعب قرظی نے کہا کہ اللہ نے کافروں کو حکم دیا کہ اس کی نعمتوں کا شکر ادا کریں لیکن انہوں نے شکر ادا نہیں کیا۔ اس لیے اللہ نے ان پر سخت مصیبت ڈال دی اور وہ دوزخ میں رہیں گے۔ حسن نے کہا کہ ہر غریم اپنے غریم سے جدا ہوتا ہے لیکن جہنم جدا نہیں ہوگی۔ غرام شر لازم کو کہتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ غرام ہلاکت کو کہتے ہیں۔

56 "انہا" اس کا مرجع جہنم ہے۔ "ساءت مستقرًا و مقامًا" یعنی برا ٹھکانا اور جائے قرار ہے۔

57 "وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا" ابن کثیر اور اہل بصرہ نے "يقتروا" یاء کے فتح اور تاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا

ہے۔ قرآن اہل مدینہ ابن عامر نے یاء کے ضمہ اور تاء کے کسرہ کے ساتھ اور دوسرے قراء نے یاء کے فتح اور تاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ سب لغات صحیح ہیں۔ جیسے کہا جاتا ہے ”اقترو وقترو“ تشدید کے ساتھ اور ”قترو یقترو“

## اسراف اور اقرار کی تفسیر

اسراف اور اقرار کے معنی میں آئمہ مفسرین کا اختلاف ہے۔ بعض حضرات کے نزدیک اسراف کہتے ہیں گناہ کے راستے میں خرچ کرنا خواہ کتنی ہی قلیل مقدار ہو اور اقرار اللہ کے حق کو روکنا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، قتادہ اور ابن جریج کا یہی قول ہے۔ حسن نے اس کی تائید میں آیت کا معنی اس طرح بیان کیا کہ وہ اللہ کی نافرمانی میں خرچ نہیں کرتے اور نہ اللہ کے قائم کیے ہوئے حقوق کو ادا کرنے میں بخل کرتے ہیں۔ بعض لوگوں نے کہا اسراف کے معنی حد سے بڑھ کر فضول خرچی جو حد تہدیز تک پہنچادے اور اقرار کا معنی ہے انتہائی ضرورت کے موقع پر بھی خرچ نہ کرنا۔ ابراہیم کے اس قول کے بھی یہی معنی ہیں کہ وہ نہ لوگوں کو ننگا بھوکا رکھتے ہیں نہ اتنا خرچ کرتے ہیں کہ لوگ کہنے لگیں کہ انہوں نے یہ خرچ فضول کیا۔

”وكان بين ذلك قوامًا“ میانہ روی کے ساتھ اسراف اور اقرار کے درمیان درمیان۔ دو برائیوں کے درمیان بھلائی۔ یزید بن ابی حبیب کا قول ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کھانا بطور محرم اور لذت کے نہیں کھاتے تھے اور کپڑے حسن و جمال کے لیے نہیں پہنتے تھے لیکن ان کو کھانے سے مقصود محض بھوک کو دور کرنا اور اپنے رب کی عبادت پر تقویت حاصل کرنا اور کپڑے اس لیے پہنتے تھے تاکہ وہ گرمی اور سردی سے بچ سکیں۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اتنا خرچ کرنا کافی ہے کہ دوسرا شخص کسی اور چیز کا متمنی نہ ہو مگر یہ کہ وہ کھانے کے لیے خریدے۔

⑧ ”والذين لا يدعون مع الله الها آخر“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو مکہ کے مشرکوں نے کہا ہم نے تو ناحق قتل بھی کیے ہیں اور اللہ کے ساتھ دوسرے معبودوں کی بھی عبادت کی ہے اور بے حیائی کے کاموں کا ارتکاب بھی کیا ہے اس پر آیت ”الا من تاب“ نازل ہوئی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے نزدیک بڑا گناہ کون سا ہے؟ فرمایا کہ تو غیر اللہ کو پکارے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تجھے پیدا کیا۔ کہا پھر کون سا گناہ فرمایا کہ تو اپنے بیٹے کو اس خوف سے قتل کر دے کہ وہ تمہارے ساتھ کھائے گا، فرمایا پھر کون سا، فرمایا اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرے۔ ان کی تصدیق میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔ ”والذين لا يدعون مع الله الها آخر ولا يقتلون النفس التي حرم الله الا بالحق ولا يزنون ومن يفعل ذلك يلق اثمًا“

”و من يفعل ذلك“ ان افعال میں سے کوئی بھی چیز۔ ”يخلق اثمًا“ قیامت کے دن۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس سے مراد گناہ کا بدلہ۔ ابو عبیدہ کا قول ہے کہ آتام سے مراد انجام ہے۔ مجاہد کا قول ہے کہ آتام جہنم کی وادی

کا نام ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ حدیث میں آیا ہے غی اور آٹام جہنم کے اندر دو کتوں ہیں جن کے اندر روزخیموں کا لہو پیپ بہہ کر جاتا ہے۔

69 "يُضَاعَفُ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيُخْلَدُ فِيهِ مَهَانًا" ابن عامر اور ابو بکر نے یضاعف پڑھا ہے۔ ویخلد میں خاء پر پیش اور دال ابتدائیہ ہے۔ ابن عامر نے اس کو مشد پڑھا ہے۔ "يُضَعَفُ" دوسرے قراء نے فاء کے مجزوم کے ساتھ پڑھا ہے اور دال کے سکون کے ساتھ جواب شرط ہے۔

70 "الَا مِنْ تَابٍ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا" قتادہ کا قول ہے کہ جس نے توبہ کی اور اپنے رب پر ایمان لایا اور نیک عمل کیا جو اس کے اور اس کے رب کے درمیان ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول پہنچا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہم دو سال تک آیت "وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ" پڑھا کرتے تھے۔ پھر دو سال کے بعد نازل ہوئی "الَا مِنْ تَابٍ وَآمَنَ" اس آیت کے نازل ہونے سے اور آیت "إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا لِيُغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ" کے نازل ہونے سے جیسا خوش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، ایسا خوش میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی نہیں دیکھا۔

"فَاُولَئِكَ يَبْدَلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا" ایک جماعت اس قول کی طرف گئی ہے کہ اس تبدیلی کا ظہور دنیا ہی میں ہوگا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما، سعید بن جبیر رحمہ اللہ، حسن، مجاہد، سدی، ضحاک کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ حالت شرک میں کیے ہوئے برے اعمال کی جگہ حالت اسلام میں کیے ہوئے اچھے اعمال کو اللہ دے دے گا۔ شرک کو توحید سے مومنوں کے قتل کو حربی مشرکوں کے قتل سے اور زنا کو عفت اور پاک دامنی سے بدل دے گا۔ کچھ علماء نے اس کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اللہ اپنی مہربانی سے اسلام میں کیے ہوئے برے اعمال کو قیامت کے دن نیکیوں میں بدل دے گا۔ یہی قول سعید بن المسیب، کحول، أم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ہے۔

اس کی تائید حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن ایک آدمی کو لایا جائے گا اور حکم ہوگا اس کے چھوٹے گناہ اس کے سامنے لاؤ، حسب الحکم چھوٹے گناہ اس کے سامنے لائیں گے اور اس کے بڑے گناہ پوشیدہ رکھے جائیں گے، وہ چھوٹے گناہوں کا اقرار کرے گا، انکار نہیں کرے گا اور بڑے گناہوں کا اندیشہ کرتا رہے گا، حکم ہوگا ہر گناہ کی جگہ اس کو ایک نیکی دو، وہ کہے گا میرے گناہ تو اور بھی ہیں جو مجھے یہاں دکھائی نہیں دیتے۔ راوی حدیث حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ ارشاد فرماتے وقت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اتنا ہنس پڑے کہ کچلیاں نظر آنے لگیں۔ بعض حضرات کا قول ہے کہ اللہ عزوجل اس کے گناہ اس کی ندامت کی وجہ سے مٹا دیں گے۔ پھر اس کی ہر برائی کے بدلے میں نیکی دی جائے گی۔

وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى اللَّهِ مَتَابًا 71 وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ  
وَإِذَا مَرُّوا بِاللُّغُورِ مَرُّوا كِرَامًا 72 وَالَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوا عَلَيْهَا صُمًّا



وَعَمِيَانَا ۛ وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا ۗ أُولَٰئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوا وَيُلَقَّوْنَ فِيهَا تَحِيَّةً وَسَلَامًا ۗ خَلِيدِينَ فِيهَا. حَسَنَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا ۗ قُلْ مَا يَعْبَأُ بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ لَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَامًا ۗ

**ترجمہ** اور جو شخص (اس کی معصیت سے) توبہ کرتا ہے اور نیک کام کرتا ہے تو (وہ بھی عذاب سے بچا رہے گا کیونکہ) وہ اللہ تعالیٰ کی طرف خاص طور پر رجوع کر رہا ہے اور وہ بیہودہ باتوں میں شامل نہیں ہوتے اور اگر (اتفاقاً) بیہودہ مشغلوں کے پاس کوہر گزریں تو سنجیدگی کے ساتھ گزر جاتے ہیں اور وہ ایسے ہیں کہ جس وقت ان کو اللہ کے احکام کے ذریعہ سے نصیحت کی جاتی ہے تو ان (احکام) پر بہرے اندھے ہو کر نہیں گرتے اور وہ ایسے ہیں کہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو ہماری بیسیوں اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک (یعنی راحت) عطا فرما اور ہم کو متقیوں کا افسر بنا دے ایسے لوگوں کو (بہشت میں رہنے کو) بالا خانے میں گے بچان کے (دین و طاعت پر) ثابت قدم رہنے کے اور ان کو اس (بہشت) میں (فرشتوں کی جانب سے) بقا کی دعا اور سلام ملے گا (اور) اس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے وہ کیسا اچھا ٹھکانا اور مقام ہے آپ (عام طور پر لوگوں سے) کہہ دیجئے کہ میرا رب تمہاری ذرا بھی پرواہ نہ کرے گا اگر تم عبادت نہ کرو گے سو تم تو (احکام الہیہ کو) جھوٹا سمجھتے ہو تو عنقریب (جھوٹا سمجھنا تمہارے لئے) وبال (جان) ہوگا۔

**تفسیر** ۱۷ ”ومن تاب و عمل صالحاً“ بعض اہل علم کا قول ہے کہ اس آیت میں جس توبہ کا ذکر ہے اور وہ ہے جو ما قبل آیت میں گزر گیا۔ ان کے علاوہ گناہوں کا ذکر ہے۔ قتل اور زنا سے۔ یعنی جس نے شرک سے توبہ کی اور نیک عمل کیے فرائض کو ادا کیا۔ اس نے نہ کسی کو قتل کیا اور نہ زنا کیا۔ ”فانه يتوب الى الله“ سموت کے ذریعے سے وہ اللہ کے پاس پہنچ جاتا ہے۔ ”متاباً“ اس کو نیکی دیتے ہیں اور وہ دوسرے لوگوں پر فضیلت حاصل کر لیتا ہے۔ جن لوگوں نے قتل کیا یا زنا کیا توبہ اولیٰ سے ”ومن تاب“ جس نے شرک سے توبہ کی اور دوسری توبہ سے مراد اللہ تعالیٰ کی طرف سے رجوع کرے۔ بعض حضرات کا قول ہے یہ آیت تمام گناہوں سے توبہ مراد ہے۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ جو توبہ کا ارادہ کرتا ہے اور اس پر پختہ عزم کرتا ہے تو وہ اللہ کی رضا کے لیے توبہ کرتا ہے ”يتوب الى الله“ غیر بمعنی امر کے ہے۔ یعنی چاہیے کہ تو اللہ کے لیے توبہ کرے اور بعض نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ تو جان کہ اس کی توبہ اور اس کی طرف چلنا اللہ ہی کے لیے ہے۔

## لا يشهدون الزور کی تفسیر

۱۸ ”والذين لا يشهدون الزور“ ضحاک اور اکثر مفسرین کا قول ہے کہ اس سے مراد شرک ہے۔ علی بن طلحہ کا قول ہے

کہ اس سے مراد جھوٹی گواہی ہے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا جھوٹے گواہ کے چالیس تھے (کوڑے) مارے جائیں اور منہ کالا کر کے بازار میں گھمایا جائے۔ ابن جریج کا قول ہے کہ اس سے مراد جھوٹ ہے۔ مجاہد کا قول ہے کہ مشرکین کی عیدیں ہیں۔ بعض نے کہا کہ نوح ہے۔ قتادہ کا قول ہے کہ زور سے مراد اہل باطل کا ایسا باطل جس کی کوشش سے ان کو کچھ حاصل نہ ہو۔ محمد بن حنفیہ نے فرمایا لغو اور گانے کے موقع پر حاضر نہیں ہوتے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا گانا دلوں میں نفاق کو اس طرح اُگاتا ہے جس طرح پانی کھیتی کو۔ زور کا اصل معنی ہے کسی چیز کو خوبصورت بنا دینا اور اصل حالت کے خلاف دوسری حالت پر دکھانا۔ پس زور کے معنی ہوئے باطل پر ایسا طمع کرنا کہ وہ حق معلوم ہونے لگے۔ ”واذا مروا باللغو مروا كرامًا“ مقاتل نے کہا کہ آیت کا معنی یہ ہے کہ جب کافروں سے وہ برا بھلا اور دکھ پہنچانے والی باتیں سنتے ہیں تو درگزر کرتے ہیں اور منہ پھیر لیتے ہیں اور یہ روایت ابن ابی نجیح کی ہے جو مجاہد سے بھی منقول ہے اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا فرمان ”واذا سمعوا اللغو اعرضوا عنه“

سدی کا قول ہے کہ یہ آیت مذکورہ بالا آیت جہاد سے منسوخ ہے۔ حسن اور کلبی کا قول ہے کہ لغو سے مراد معاصی ہے یعنی از خود وہ اپنے ارادے سے گناہوں کی مجلسوں میں نہیں جاتے لیکن اتفاقاً اگر کسی گناہ کی محفل کی طرف سے ان کا گزر ہو جاتا ہے تو منہ پھیر کر تیزی کے ساتھ وہاں سے گزر جاتے ہیں جیسے کہا جاتا ہے ”تکرم فلان عما يشينه اذا تنزه واكره نفسه عنه“ فلاں شخص ایسی باتوں سے پاک ہے جو اس کو عیب دار بناتی ہیں، اس نے اپنے نفس کو عیب دار بنانے والی باتوں سے پاک رکھا۔

76 ”والدين اذا ذكروا بايات ربهم لم يخروا“ اس میں گرتے نہیں اور نہ ہی اس میں مشغول ہوتے ہیں۔ ”عليها صما و عميانا“ گویا کہ وہ اندھے اور بہرے ہیں بلکہ وہ سنتے ہیں جو نصیحت ان کو کی جاتی ہے اور اس کو سمجھتے بھی ہیں اور حق کو دیکھتے اور اس کی پیروی کرتے ہیں۔ قمی کا قول ہے کہ وہ اس سے ذرہ بھر بھی غافل نہیں ہوتے۔ گویا کہ وہ بہرے ہیں، انہوں نے کچھ سنا ہی نہیں اور اندھے ہیں کچھ دیکھا ہی نہیں۔

77 ”والدين يقولون ربنا هب لنا من ازواجنا وذرياتنا“ ابو عمرو، حمزہ، کسائی نے بغیر الف کے پڑھا ہے اور ابو بکر اور باقی قراء نے ذریاتنا جمع کے صیغہ کے ساتھ پڑھا ہے۔

## قرۃ العین کی تفسیر

”قرۃ العین“ ہماری اولادوں کو متقی اور پرہیزگار بنا کر ہماری آنکھوں کو ٹھنڈا فرما۔ بعض نے کہا کہ ان کو نیک صالح بنانا کہ ان کے ذریعے سے ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔

قرظی کا قول ہے کہ مؤمن کی آنکھ کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی ٹھنڈک نہیں کہ وہ اپنی بیوی اور اولاد کو اللہ کا فرمانبردار دیکھے۔ حسن کا قول ہے کہ قرۃ مصدر ہے اسی لیے اس کے صیغہ کو مفرد ذکر کیا۔ قرۃ کا اصل معنی ہے ٹھنڈک۔ عرب لوگ گرمی کی

تکلیف سے ٹھنڈک کی طرف چین حاصل کرتے ہیں اور خوشی کے وقت وہ قرۃ العین بولتے ہیں اور غمی کے وقت ”سخنة العین“ بولتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ خوشی کے وقت کے آنسو ٹھنڈے ہوتے ہیں اور غمی کے وقت کے آنسو گرم ہوتے ہیں۔ ازہری کا قول ہے کہ قرۃ العین کا معنی یہ ہے کہ دل کو اپنا پسندیدہ محبوب مل جائے اور آنکھ دوسروں سے ہٹ کر اپنے محبوب ہی کو دیکھے۔

”واجعلنا للمتقين اماماً“ ہمیں خیر کی اقتداء کرنے والا امام بنا ”آئمة“ نہیں فرمایا۔ جیسا کہ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا ”انا رسول رب العالمین“ یہاں رسل کے بجائے رسول کا ذکر کیا۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد آئمة جمع کا صیغہ ہے۔ جیسا کہ ان کا قول ”فانهم عدو لى“ اس سے مراد دشمن ہیں۔ بعض علماء نے کہا امام اُم کا مصدر ہے مثل صیام اور قیام۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ ”ام اماماً“ اور قیام قیاماً و صام صیاماً۔

حسن کا قول ہے کہ ہمیں متقین کی راہ پر چلنے اور متقیوں کی اقتداء کرنے والا بنا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ ہمیں ہدایت والوں کا امام بنا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ”واجعلناہم آئمة یہدوں ہما رنا“ اور ہمیں گمراہوں کا امام نہ بنا۔ جیسا کہ اللہ رب العزت کا فرمان ہے ”واجعلناہم آئمة یدعون الی النار“ یعنی ہمیں متقین کا امام بنا۔

75 ”اولئک یجزون“ وہ پہنچیں گے۔ ”الغرفة“ بلند درجہ تک جنت میں۔ غرفہ ہر بلند مقام کو کہتے ہیں۔ عطاء کا قول ہے کہ اس سے مراد موتی اور زبرجد کے محلات ہیں۔ ”بما صبروا“ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی طاعت پر صبر کرنے کے نتیجہ میں، بعض نے کہا کہ مشرکین کی اذیت پر صبر کرنے کی وجہ سے۔ بعض نے کہا شہوات پر قابو پانے کی وجہ سے۔ ”ویلقون فیہا“ حزمہ، کسائی، ابو بکر نے یاء کے فتح کے ساتھ اور قاف کی تخفیف کے ساتھ۔ جیسا کہ ایک جگہ ارشاد فرمایا ”فسوف یلقون غیثاً“ دوسرے قراء نے یاء کے ضمہ اور قاف کی تشدید کے ساتھ۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد فرمایا ”ولقاهم نضرة و سرورا“..... ”صحیة“ غرشتوں کی طرف سے اور بعض نے کہا کہ ہیٹگی۔ ”وملائنا“ وہ بعض بعض کو سلام کرتے ہیں۔ کلبی کا قول ہے کہ وہ باہم ایک دوسرے کو سلام کریں گے اور اللہ کی طرف سے ان کو سلام بھیجا جائے گا۔ بعض نے کہا کہ سلاماً سے مراد ہر آفت سے سلامتی ہوگی۔

76 ”خالدین فیہا حسنت مستقرًا و مقامًا“ موضع قرار اور جائے اقامت ہے۔

77 ”قل ما یعبوا بکم ربی“ مجاہد اور ابن زید کا قول ہے کہ جو کچھ تم کرو یا نہ کرو، تمہاری پروا نہیں کرے گا۔ ابو عبیدہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو شمار کر کے نہیں رکھے گا۔ اس کا موجود ہونا یا موجود نہ ہونا دونوں برابر ہیں۔ تمہارے اعمال کا کوئی وزن مقرر ہے کہ نہیں اس کے متعلق اس کو کوئی پروا نہیں۔ ”لولا دعاء کم“ اگر تم اس کی پوجا نہیں کرو گے۔ بعض نے اس کا ترجمہ کروایا کہ تمہارا ایمان اور بعض نے کہا کہ تمہاری عبادت۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ تم کو دعوت اسلام نہ دیتا اور تم اسلام قبول نہ کرتے تو اس سے تمہاری قدر نہ ہوتی۔ اب جب کہ میں نے تم کو اسلام کی دعوت دے دی اور تم ایمان لے آئے تو اللہ کے نزدیک تمہاری قدر نمایاں ہو گئی۔ بعض نے کہا کہ اللہ کو تم کو پیدا کرنے کی کیا پروا ہوتی۔ اگر تمہاری عبادت اور طاعت مقصود نہ ہوتی۔ یعنی اس نے اپنی عبادت کے لیے تم کو پیدا کیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ”وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون“ یہ قول ابن عباس اور مجاہد کا

ہے اور بعض نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے۔ ”مائیالی حکم“ یعنی اللہ کو تمہاری مغفرت کی کیا پرواہ ہے، اگر تم اس کے ساتھ دوسرے معبودوں کو نہ پکارو، اگر تم شرک نہ کرو تو وہ تم کو عذاب دے کر کیا کرے گا۔ اسی مفہوم کی تائید ہو رہی ہے۔ جیسا کہ اللہ پاک کا ارشاد ہے ”ما يفعل الله بعذابكم ان شكرتم و آمنتم“ بعض نے کہا کہ آیت کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تمہارے عذاب کی کیا پرواہ کرتا ہے اگر مصائب و شدائد میں تم اس کو نہ پکارو۔ اس پر یہ آیت دلالت کر رہی ہے۔ ”فاذا ركبوا لى الفلك دعوا الله“ اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا ”فاخذناهم بالاساء و الضراء لعلهم يتضرعون“

بعض حضرات نے کہا کہ اللہ نے اپنی کسی غرض کے لیے تم کو نہیں پیدا کیا اور نہ اللہ کے نزدیک تمہاری کوئی قدر ہے۔ بغیر اس کے کہ تم اس سے سوال کرو اور اس سے مغفرت طلب کرو۔ ”لقد كذبتم“ اے کافرو! خطاب اہل مکہ کو ہے۔ یعنی اللہ نے رسول کے ذریعے سے تم کو اپنی توحید اور عبادت کی دعوت دی لیکن تم نے رسول کی تکذیب کی اور دعوت کو قبول نہیں کیا تو اب جنت میں داخل کرنے کا سرو سامان اللہ تم کو کس طرح دے گا۔

## لزما کی تفسیر

”فسوف يكون لزاماً“ یعنی تمہاری اس تکذیب کی سزا تم کو چٹھی رہے گی اور تم کو گھیرے رہے گی یا اس تکذیب کا اثر تمہارے ساتھ چسپاں رہے گا۔ یہاں تک کہ یہ تکذیب تم کو اوندھے منہ دوزخ میں گرا دے گی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کا ترجمہ موت سے کیا ہے۔

ابو عبیدہ نے اس کا ترجمہ ہلاکت سے کیا ہے۔ ابن زید نے اس کا ترجمہ قتال سے کیا ہے اور ابن جریر نے کہا ہے ہمیشہ رہنے والا کبھی ختم نہ ہونے والا عذاب۔ ”لزماً“ سے کیا مراد ہے؟ اس میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ حضرت ابن مسعود حضرت ابی بن کعب اور مجاہد نے فرمایا اس سے مراد یوم بدر ہے۔ اس میں ستر کفار مارے گئے۔ اس دن لڑائی میں ستر کافر مارے گئے اور ستر قید ہوئے۔ اس دن قتل ہوتے ہی عذاب آخرت ان سے چٹ گیا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا، پانچ چیزیں تو ہو چکیں۔ دخان، شق قمر، روم پر غلبہ، بطحہ، سخت پکڑ، لزاماً بدر کی لڑائی میں کفار کا قتل۔ بعض نے کہا کہ لزام سے مراد عذاب آخرت ہے۔



## سُورَةُ الشُّعْرَاءِ

سورۃ شعراء کی سورت ہے۔ آخری چار آیات کی نہیں ہیں۔ اس سورۃ کی کل آیات ۲۲۷ ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ط اور طاسین والی سورتیں اور حم والی سورتیں مجھے الواح موسیٰ سے عطا کی گئیں۔

### بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

طسّم 1 تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ 2

طسّم یہ (مضامین جو آپ پر نازل ہوتے ہیں) کتاب واضح (یعنی قرآن) کی آیتیں ہیں

تفسیر 1 "طسّم" حمزہ، کسائی، ابوبکر "طسّم اور طسّم حَم، یسّ" طاء، یاء، حاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اہل مدینہ نے فتح اور کسرہ کے درمیان پڑھا ہے۔ دوسرے قراء نے "تفخیم" کے ساتھ فتح پڑھا ہے۔ اور "طسّم" میں "طسین" نون کو بھی ظاہر کر کے پڑھتے ہیں۔ یہ قول ابو جعفر حمزہ کا ہے اور دوسرے قراء نے نون کے بغیر پڑھا ہے۔ عکرمہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ طسّم کی تفسیر میں علماء عاجز آ گئے ہیں۔

علی بن طلحہ والہی سے روایت ہے وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ یہ قسم ہے اور اللہ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے۔ قتادہ نے کہا قرآن کے ناموں میں سے ایک نام طسّم ہے۔ مجاہد کا قول ہے کہ یہ سورۃ کا نام ہے۔ محمد بن کعب قرظی کا قول ہے اللہ نے قسم کھائی ہے اپنی قدرت، نور اور اپنی بادشاہت کی۔ گویا طسّم، میں سے طاء سے طول، سین سے سنا اور میم سے ملک۔

2 "تلك" یہ اشیاء "آیات الكتاب المبين"

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ 3 اِنْ نَّشَأْنُزَّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰیَةٌ فَظَلَّتْ

اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ 4 وَمَا يٰٓاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحَدَّثٍ اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ

مُعْرِضِيْنَ 5 فَقَدْ كَذَّبُوْا فَسَيٰٓاْتِيْهِمْ اَنْبَاٌ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ 6 اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ

كَمْ اَنْبَسَا فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَآئِمٍ ۗ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۗ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۸

تجلیہ شاید آپ ان کے ایمان لانے پر (رنج کرتے کرتے اپنی جان دے دیں گے۔ اگر ہم (ان کو مومن کرنا) چاہیں تو ان پر آسمان سے ایک بڑی نشانی نازل کر دیں پھر ان کی گردنیں اس نشانی سے پست ہو جاویں اور (ان کی حالت یہ ہے کہ) ان کے پاس کوئی تازہ فہمائش (حضرت) رحمن کی طرف سے ایسی نہیں آتی جس سے یہ بے رخی نہ کرتے ہوں سو (اس بے رخی کی یہاں تک نوبت پہنچی کہ) انہوں نے (دین حق کو) جھوٹا بتلا دیا سوا ب عنقریب ان کو اس بات کی حقیقت معلوم ہو جاوے گی۔ جس کے ساتھ یہ استہزاء کیا کرتے تھے کیا انہوں نے زمین کو نہیں دیکھا کہ ہم نے اس میں کس قدر عمدہ عمدہ قسم کی بوٹیاں اگائی ہیں اس میں (توحید کی) ایک بڑی نشانی ہے اور ان میں اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔

تفسیر ۳ "لعلك باضع" اس نے اپنے نفس کو ہلاک کر ڈالا۔ "نفسك الا يكونوا مؤمنين" اس آیت کا نزول اس وقت ہوا جب اہل مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی اور آپ کو یہ بات بہت شاق گزری کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت زیادہ تمنا اور رغبت تھی کہ اہل مکہ مسلمان ہو جائیں۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

۱ "ان نشاء نزل عليهم من السماء آية فظلت اعناقهم لها خاضعين" قنادہ کا قول ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو کوئی ایسی نشانی نازل کر دیتا تو پھر کوئی بھی نافرمانی سے گردن نہ موڑتا۔

## خاضعين کی تفسیر

ابن جریج نے کہا آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو کوئی ایسا امر نازل کر دیتا تو پھر کوئی بھی نافرمانی سے گردن نہ موڑتا۔ "خاضعين" ارشاد فرمایا "خاضعة" نہیں فرمایا کیونکہ یہ اعناق کی صفت ہے۔ اس صورت میں "خاضعين" نہیں ہونا چاہیے تھا۔ "خاضعة" ہونا چاہیے تھا۔

۱ اس کا ایک جواب تو یہ دیا کہ یہاں مضاف محذوف ہے۔ اصل میں اصحاب الاعناق تھا مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام کر دیا گیا کیونکہ گردنیں جب جھک جاتی ہیں تو گردنوں والے خود ہی فرماں بردار اور عاجز ہو جاتے ہیں۔

۲ انحضرت نے کہا کہ خاضعين کا تعلق اعناقہم کی ضمیر جمع مذکر (ہم) سے ہے اعناق سے نہیں۔

۳ بعض حضرات نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ عرب کا قاعدہ ہے کہ جب مؤنث کی اضافت مذکر کی طرف کرتے ہیں تو مؤنث کو بھی مذکر مان لیتے ہیں اور مذکر کی اضافت مؤنث کی طرف کرتے ہیں تو اس مذکر کو بھی مؤنث قرار دے لیتے ہیں۔

۴ بعض حضرات کا قول ہے کہ عنق بول کر پورا جسم مراد لیا ہے۔ جز بول کر کل مراد لیا ہے۔ جیسا کہ اس فرمان میں ہے "ذلک بما قلدت یداک" یہاں ہاتھوں سے مراد پوری شخصیت ہے۔ "الزمناء طائرہ فی عنقہ" معنی سے مراد پورا شخص ہے۔

۵ مجاہد کا قول ہے کہ اعناق سے مراد ہیں بڑے بڑے سردار یعنی بڑے بڑے سردار اس آیت کے سامنے تاجدار ہو جاتے ہیں۔



⑥ بعض حضرات نے کہا کہ اعناق سے مراد جماعتیں ہیں جیسے کہ عرب کہتے ہیں ”جاء القوم عنقا عنقا“ وہ لوگ جوق در جوق نکلے یا بنا کر آئے۔

⑦ بعض حضرات نے کہا کہ لفظی رعایت کی بناء پر ایسا کہا گیا۔

⑧ ”وما یأتیہم من ذکر“ اس سے مراد وعظ و نصیحت ہے۔ ”من الرحمن محدث“ اس سے مراد جدید نازل شدہ خواہ وجود کے لحاظ سے وہ قدیم ہو۔ کبھی کا قول ہے کہ جب بھی قرآن میں سے دوسری بار کوئی شئی نازل ہوتی تو وہ پہلی نازل کردہ سے نئی معلوم ہوتی۔ ”الا کانوا عنہ معرضین“ ایمان سے اعراض کرنے والا ہوگا۔

⑨ ”فقد کذبوا فسیاتیہم“ عنقریب وہ ان کے پاس آئے گا۔ ”انباء“ اس کے متعلق خبر اور اس کا انجام۔ ”ما کانوا بہ یتہزؤن“۔

⑩ ”اولم یروا الی الارض کم ابتنا فیہا من کل زوج“ یعنی صنم نبات ہر طرح کا بندہ ”کریم“ عمدہ اور اچھا آدمیوں اور جانوروں کے لیے مفید ترین غذا اور کثیر المنفعت دوا۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے ”نخلہ کریمہ“ جب وہ کھجور کا درخت خوب پھل دے اور ”ناقہ کریمہ“ کہتے ہیں جب اس کا دودھ بہت زیادہ ہو جائے۔ شععی کا قول ہے لوگوں میں سے نبات الارض وہ ہے جو لوگ جنت میں داخل ہوں گے وہ کریم ہوں گے اور جو دوزخ میں داخل ہوں گے وہ لئیم ہوں گے۔

⑪ ”ان فی ذلک“ جو ہم نے تمہیں یاد دلایا۔ ”لایۃ“ یہ نشانی ہے اس کے وجود پر اور اس کی توحید پر اور اس کے کمال قدرت پر دلالت کرتا ہے۔ ”وما کان اکثرہم مؤمنین“ تصدیق کرنے والے۔ ان پر ہمارا علم سبقت کر چکا۔ اکثر لوگ اس پر ایمان نہیں لاتے۔ سیبویہ کا قول ہے کہ اس جگہ کان زائد ہے۔ یعنی آیات عظیمہ کو دیکھنے کے بعد بھی ان میں سے اکثر مومن نہیں ہیں۔

وَأَنَّ رَبَّكَ لَهوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ⑩ وَأَذِ نَادَى رَبِّكَ مُوسَىٰ أَنْ آتَيْتِ الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ⑩ قَوْمَ فِرْعَوْنَ ۚ أَلَا يَتَّقُونَ ⑪ قَالَ رَبِّ إِنِّي أَخَافُ أَنْ يُكَلِّمُونِ ⑫ وَيَضِيقُ صَدْرِي وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِي فَأَرْسِلْ إِلَىٰ هَرُونَ ⑬ وَلَهُمْ عَلَىٰ ذُنُوبٍ فَأَخَافُ أَنْ يَقْتُلُونِ ⑭ قَالَ كَلَّا فَإِنَّهَا مِنِّي وَإِنَّا مَعَكُمْ مُسْتَمِعُونَ ⑮ فَإِنِّي فِرْعَوْنُ فَقُولَا إِنَّا رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ⑯ أَنْ أَرْسِلَ مَعَنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ ⑰

⑩ اور بلاشبہ آپ کا رب غالب ہے رحیم ہے اور (ان لوگوں سے اس وقت کا قصہ ذکر کیجئے) جب آپ کے رب نے موسیٰ کو پکارا (اور حکم دیا) کہ تم ان ظالموں کے یعنی قوم فرعون کے پاس جاؤ (اور اے موسیٰ دیکھو) کیا یہ لوگ (ہمارے غضب سے) نہیں ڈرتے انہوں نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار مجھ کو یہ اندیشہ ہے کہ وہ مجھ کو جھٹلانے لگیں اور (طبعی طور پر ایسے وقت میں کہ) میرا دل تنگ ہونے لگتا ہے اور میری زبان (اچھی طرح) نہیں چلتی اس لئے ہارون کے پاس بھی جی بھیج دیجئے میرے ذمہ ان لوگوں کا ایک جرم بھی ہے سو مجھ کو یہ اندیشہ ہے کہ وہ

مجھ کو (قبل تبلیغ رسالت) قتل کر ڈالیں ارشاد ہوا کہ کیا مجال ہے سو (اب) تم دونوں ہمارے احکام لے کر جاؤ ہم (نصرت و امداد سے) تمہارے ساتھ ہیں سنتے ہیں سو تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ ہم رب العالمین کے فرستادہ ہیں کہ تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ جانے دے۔

**تفسیر** 9 "وَأَنْ رَبِّكَ لَهْوُ الْعَزِيزِ" یعنی کافروں سے انتقام لینے پر قادر ہے۔ (الرحیم) اور توبہ کرنے والوں پر مہربان بھی ہے۔

10 "وَإِذْ نَادَى رَبِّكَ مُوسَى" یعنی اس واقعہ کو یاد کرو جب آپ کے رب نے موسیٰ کو پکارا تھا۔ موسیٰ نے درخت کو اور آگ کو دیکھا۔ اس وقت اللہ نے ان کو ندا دی تھی۔ "أَنْتَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ" جنہوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا کفر اور معصیت کے ساتھ اور اسرائیل کو غلام بنانے والے اور ان کو طرح طرح کا عذاب دلانے والے۔

11 "قَوْمِ فِرْعَوْنَ لَا يَتَّقُونَ" کیا وہ اپنے نفسوں سے عذاب کو نہیں پھیر سکتے۔ اللہ تعالیٰ کی طاعت و فرمانبرداری کے ساتھ۔

12 "قَالَ" حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: "رَبِّ انِّى اِخَافُ اَنْ يَّكْذِبُوْنَ".....

13 "وَيَضِيقُ صَدْرِي" ان کی تکذیب کے باعث "وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِي" اور میری زبان میں گہرہ کی وجہ سے یقیناً نے "يَضِيقُ" اور "لَا يَنْطَلِقُ" دونوں قافوں کے نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ دوسرے قراء نے ان دونوں کے رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔ "فَارْسَلْنَا إِلَىٰ هَارُونَ" تاکہ وہ میرا وزیر بھی ہو اور تبلیغ رسالت میں میرا مددگار بھی ہو۔

14 "وَلَهُمْ عَلَىٰ ذَنْبٍ" دعویٰ ذنب سے مراد قبطی کا قتل ہے۔ "فَاِخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنَ" مجھے اداء رسالت میں وہ قتل کر دیں گے۔

15 "قَالَ" اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "كَلَّا" وہ ہرگز آپ کو نہیں مار سکتے۔ "فَاذْهَبَا بِاَيَاتِنَا اِنَّا مَعَكُمْ مُسْتَمْعِنُونَ" ہم تم سب کی گفتگو کو سننے والے ہیں۔ معکم یہ جمع کا صیغہ ذکر کیا۔ حالانکہ موسیٰ و ہارون علیہما السلام تو دو تھے۔ یہاں دو کو جماعت کے قائم مقام کر دیا گیا۔ بعض نے کہا کہ "معكما" سے مراد آپ کے ساتھ جو بنی اسرائیل ہیں، ہم ان کی بات کو سنتے اور دیکھ رہے ہیں۔

16 "فَاتَيْنَا فِرْعَوْنَ فَقَوْلَا اِنَّا رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ" یہاں پر رسولاً ذکر نہیں فرمایا۔ یہاں مراد صرف رسالت کا پیغام پہنچانا تھا۔ ابو عبیدہ کا قول ہے کہ رسول کا اطلاق دو پر بھی ہوتا ہے اور زیادہ پر بھی۔ عرب کا قول ہے "هَذَا رَسُولِي وَوَكِيلِي هَذَا" اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ" بعض نے کہا حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام اخوت بھائی ہونے میں متحد تھے۔ اس لیے لفظ رسول بصرہ مفرد استعمال کیا۔

17 "أَنْ أَرْسَلْنَا" ہم کو یہ پیغام دے کر بھیجا۔ "مَعْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ" اس سے مراد فلسطین ہیں اور وہ بنی اسرائیل ان کی عبادت نہیں کرتے۔ فرعون نے بنی اسرائیل کو چار سو برس غلام بنائے رکھا۔ اس زمانے میں بنی اسرائیل کی تعداد چھ سو اسی ہزار تھی۔ غرض موسیٰ مصر کی طرف چلے۔

ہارون علیہ السلام وہاں موجود ہی تھے۔ موسیٰ علیہ السلام نے ہارون علیہ السلام کو حکم الہی سے مطلع کیا۔

## حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کو دعوت دینے اس کے گھر پر پہنچ گئے

اس قصہ میں آیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام جب مصر کو لوٹ کر آئے تو اس وقت اونی چونہ پہنے ہوئے ہاتھ میں لاشی لیے لاشی کے سرے میں بڑا مٹکا تھا جس میں کھانے پینے کی اشیاء موجود تھیں۔ اس ہیئت سے مصر میں داخل ہوئے۔ مصر میں آ کر اپنے گھر میں داخل ہوئے اور حضرت ہارون علیہ السلام کو اطلاع دی کہ اللہ نے مجھے فرعون کے اور تمہارے پاس بھیجا ہے۔ تمہارے پاس اس لیے بھیجا ہے کہ ہم دونوں جا کر فرعون کو دعوت دیں۔ یہ سن کر موسیٰ ہارون علیہما السلام کی والدہ آئیں، چیخ پڑیں اور کہنے لگیں فرعون تو تجھے قتل کرنے کے لیے تیری تلاش میں ہے۔ اگر تم لوگ اس کے پاس جاؤ گے تو وہ تم کو مراد ڈالے گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کی ایک نہ مانی اور رات کو دونوں فرعون کے دروازے پر جا پہنچے اور دروازہ کھٹکھٹایا، دربان کے کپے ہو گئے اور گھبرا کر انہوں نے پوچھا دروازے پر کون ہے؟ ایک روایت میں آیا ہے کہ دربانوں نے اوپر سے جھانک کر دیکھا اور پوچھا تم دونوں کون ہو؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا، میں رب العالمین کا قاصد ہوں۔ فوراً دربان نے فرعون سے کہا ایک مجنون دروازے پر کھڑا ہے اور کہہ رہا ہے کہ میں رب العالمین کا قاصد ہوں۔ فرعون نے صبح تک یونہی چھوڑے رکھا، صبح ہوئی تو دونوں کو طلب کیا۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ دونوں فرعون کی طرف گئے لیکن سال بھر تک فرعون نے اپنے پاس آنے کی اجازت نہیں دی۔ پھر دربان نے جا کر فرعون سے کہا یہاں ایک آدمی ہے جو کہہ رہا ہے میں رب العالمین کا قاصد ہوں۔ فرعون نے کہا کہ اندر آنے دو، ہم اس سے کچھ دل لگی ہی کریں گے، دونوں فرعون کے پاس پہنچے اور اللہ کا پیام پہنچایا۔ فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پہچان گیا کیوں کہ آپ نے اسی کے گھر میں پرورش پائی تھی۔

قَالَ أَلَمْ نُؤْتِكْ فِينَا وَلِيدًا وَلَبِثْتَ فِينَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِينَ ۝۱۹ وَفَعَلْتَ فَعَلْتِكَ الَّتِي فَعَلْتَ وَأَنْتَ

مِنَ الْكَافِرِينَ ۝۲۰ قَالَ فَعَلْتُهَا إِذَا وَأَنَا مِنَ الضَّالِّينَ ۝۲۱ فَفَرَزْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُمْكُمْ فَوَهَبَ لِي رَبِّي

حُكْمًا وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُرْسَلِينَ ۝۲۲ وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ أَنْ عَبَّدتَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ ۝۲۳

﴿۱۹﴾ (دونوں حضرات گئے اور فرعون سے سب مضامین کہہ دیئے) فرعون کہنے لگا کہ (آہ تم ہو) کیا ہم نے تم کو بچپن میں پرورش نہیں کیا اور تم اپنی (اس) عمر میں برسوں ہم میں رہا سہا کئے اور تم نے اپنی وہ حرکت بھی کی تھی جو کی تھی (یعنی قبلی کو قتل کیا تھا) اور تم بڑے ناسپاس ہو موسیٰ نے جواب دیا کہ (واقعی) اس وقت وہ حرکت میں کر بیٹھا تھا اور مجھ سے بڑی غلطی ہو گئی تھی پھر مجھ کو ڈر لگا تو میں تمہارے گھر سے مفرور ہو گیا پھر مجھ کو میرے رب نے دانشمندی عطا فرمائی اور مجھ کو پیغمبروں میں شامل کر دیا اور (رہا احسان جتنا تا پرورش کا سو) وہ یہ نعمت ہے جس کا تو مجھ پر احسان رکھتا ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو سخت ذلت میں ڈال رکھا تھا۔

تفسیر 18 "قال الم نربك لینا ولیدنا" ولید سے مراد بچہ ہے، قرب ولادت کی وجہ سے اس کو ولید کہا۔ "ولبت لینا من عمرک سنین" وہ فرعون کے پاس تیس سال کی عمر تک رہے۔

19 "وفعلت فعلتک النبی فعلت" اس حرکت سے مراد قبطی کا قتل کرنا ہے۔ "وانت من الکافرین" حسن اور سدی کا قول ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے جس معبود کی طرف تو ہم کو بلارہا ہے اس کا منکر تو پہلے خود تھا ہمارے ساتھ ہمارے مذہب پر رہتا تھا یا اس سے مراد یہ ہے کہ تو میرا منکر یا احسان فراموش ہے کہ لوٹ کر آیا تو میری مخالفت کرتا آیا۔ اکثر مفسرین کا قول ہے کہ "انت من الکافرین" کا معنی یہ ہے کہ میری نعمت کی ناشکری کرنے والا اور میری تربیت کا حق ادا کرنے والا جیسے کوئی کہے کہ "ویناک لینا فکافاتنا" کہ اس نے میرے احسان کی ایسی ناشکری کی کہ میرے خاص لوگوں کو قتل کرنے لگا۔ یہ عوفی کی روایت جو ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے اور فرعون کفر باللہ سے واقف ہی تھا کہ اس نے جھوٹا خدائی کا دعویٰ کر کے کفر جیسا فعل کیا ہے۔

20 "قال" موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا "فعلتھا اذا" یعنی تو نے ایسی حرکت کی جو اس وقت نہیں کرنی چاہیے تھی۔ "وانا من الضالین" میں ناواقفوں میں سے تھا اس وقت اللہ کی طرف سے میرے پاس کوئی ہدایت نہیں آئی تھی۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ میں اس وقت نہیں جانتا تھا کہ وہ میرے اس فعل سے مر جائے گا۔ میرا مقصد اس کو قتل کرنا نہیں تھا۔ بعض حضرات نے اس کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ بغیر قصد و ارادہ کے میں اس وقت صحیح راستہ سے بھٹک گیا تھا یعنی ایسی نازیبا حرکت تو مجھ سے ضرور صادر ہوئی لیکن بلا ارادہ۔ بعض نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مجھ سے خطا ہو گئی۔

21 "ففررت منکم لما خفتکم" تو پھر میں مدین کی طرف بھاگ گیا۔ "فوهب لی ربی حکمًا" اس سے مراد نبوت ہے۔ مقاتل کا قول ہے کہ اس سے مراد علم و ہیم ہے۔ "وجعلنی من المرسلین"

## "أن عبت بنی اسرائیل" کی تفسیری اقوال

22 "وتلک نعمة تمنها علی أن عبت بنی اسرائیل" اس کی تادل میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض نے اس کو اقرار پر محمول کیا ہے اور بعض حضرات نے انکار پر محمول کیا ہے جو حضرات اس کو اقرار پر محمول کرتے ہیں انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اقرار کو ایک نعمت شمار کیا ہے کہ تو نے مجھے زندہ چھوڑ دیا اور پالا اور دوسرے اسرائیلی بچوں کی طرح قتل نہیں کرایا، گویا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا، بے شک یہ تیرا احسان ہے جو تو مجھے جلا رہا ہے کہ بنی اسرائیل کو تو نے غلام بنائے رکھا اور مجھے چھوڑ دیا غلام نہیں بنایا اور جو اس کو انکار پر محمول کرتے ہیں تو وہ اس نعمت کو بطور استفہام کے نقل کرتے ہیں حرف استفہام کو مخدوف کر دیا گیا۔ یعنی یہ احسان جس کا تو نے ذکر کیا ہے کوئی احسان ہے بلکہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے۔ بنی اسرائیل کو غلام بنائے رکھنے کی صورت میں یہ تربیت کوئی احسان نہیں، میری قوم کو تو نے غلام بنائے رکھا اور میری تربیت کی، یہ کوئی احسان ہوا۔

یعنی تو نے مجھے ان سے دور رکھا اور ان کے قتل سے محفوظ رکھا اور تیرے پاس پہنچ گیا اور تو نے میری پرورش اور کفالت کی

اگر تو نبی اسرائیل کو حد سے زیادہ ذلیل نہ کرتا اور ان کے لڑکوں کو قتل نہ کرتا تو میرے گھر والے میری پرورش کرتے اور دریا میں مجھے نہ بھیجتے اور تیرے مکان میں نہ لایا جاتا۔ (عبادت) یعنی تو نے مجھے بندہ بنایا۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے ”عبدت فلاناً وأعبدته وتعبدته واستعبدته“ تو نے مجھے غلام بنائے رکھا۔

قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿۲۳﴾ قَالَ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ط إِنَّ كُنْتُمْ مُوقِنِينَ ﴿۲۴﴾ قَالَ لِمَنْ حَوْلَهُ أَلَا تَسْتَمِعُونَ ﴿۲۵﴾ قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ ﴿۲۶﴾ قَالَ إِنَّ رَسُولَكُمْ الَّذِي أُرْسِلَ إِلَيْكُمْ لَمَجْنُونٌ ﴿۲۷﴾

﴿تفسیر﴾ فرعون (اس بات میں لاجواب ہوا اور سخن کا پہلو بدل کر اس نے) کہا کہ رب العالمین کی ماہیت (اور حقیقت) کیا ہے۔ موسیٰ نے جواب دیا کہ وہ پروردگار ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ (مخلوقات) ان کے درمیان میں ہے اس کا اگر تم کو یقین کرنا ہو (تو یہ پتہ بہت ہے) فرعون نے اپنے ارد گرد (بیٹھنے) (والوں سے کہا کہ تم لوگ) کچھ سنتے ہو کہ سوال کچھ اور جواب کچھ (موسیٰ نے فرمایا کہ وہ پروردگار ہے تمہارا اور تمہارے پہلے بزرگوں کا فرعون) نہ سمجھا اور) کہنے لگا کہ یہ تمہارا رسول جو (بزعیم خود) تمہاری طرف رسول ہو کر آیا ہے مجنون (معلوم ہوتا) ہے۔

﴿تفسیر﴾ ﴿۲۳﴾ ”قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعَالَمِينَ“ فرعون کہنے لگا ”رب العالمین“ کیا چیز ہوتی اور اے موسیٰ تم گمان کرتے ہو کہ تم اس کے بھیجے ہوئے رسول ہو تو اپنے الہ کی صفت بیان کرو جس نے تمہیں بھیجا ہے۔ فرعون نے جنس کے متعلق سوال کیا، اللہ رب العزت اس سے پاک ہیں۔ اس پر موسیٰ علیہ السلام نے اس کو جواب دیا اور ان افعال کو لائے (معجزات کو پیش کیا) جس کا مثل لانے سے انسان عاجز ہوتا ہے۔

﴿۲۴﴾ ”قَالَ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِنَّ كُنْتُمْ مُوقِنِينَ“ ان دونوں کو پیدا کرنے والے ہیں۔ اہل معانی کا قول ہے کہ جس طرح تو ان اشیاء کو دیکھ کر تمہیں یقین ہوتا ہے ان کو معاند کرنے کے ساتھ لہذا یہ بھی یقین کر لو کہ وہ مخلوقات کا خدا ہے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو جواب دیا تو فرعون موسیٰ علیہ السلام کے جواب میں حیران ہو گیا۔

﴿۲۵﴾ ”قَالَ لِمَنْ حَوْلَهُ“ اس کی قوم کے بڑے بڑے سردار۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ فرعون کے ارد گرد پانچ سوا شخص موجود تھے۔ فرعون نے اس بات کو بعید سمجھتے ہوئے موسیٰ علیہ السلام کی اس بات کو ان لوگوں پر پیش کیا اور کہا ”أَلَا تَسْمَعُونَ“ یہ اس لیے کہا کہ ان لوگوں کا یہ اعتقاد تھا کہ آسمان اور زمین کے مالک یہی ہیں۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس بات کو مزید واضح بیان کیا۔

﴿۲۶﴾ ”قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ“

﴿۲۷﴾ ”قَالَ“ فرعون نے کہا ”ان رسولکم الذی ارسل الیکم لمجنون“ وہ جو کلام کرتا ہے اس پر نہ وہ عقل رکھتا ہے اور نہ وہ جانتا ہے کہ یہ کلام درست ہے کہ نہیں۔ ان کے نزدیک جو ان کے اعتقاد کے مطابق اعتقاد نہ رکھے تو وہ عاقل

نہیں سمجھا جاتا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس بات پر مزید اور واضح کلام بیان کیا۔

قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ ﴿٢٨﴾ قَالَ لَنْ اتَّخَذَتِ الْهَاتَا غَيْرِي لِأَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُورِينَ ﴿٢٩﴾ قَالَ أَوْلَوْجِئُكَ بِشَيْءٍ مُّبِينٍ ﴿٣٠﴾ قَالَ فَاتِّبِ بِهٖ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِينَ ﴿٣١﴾ فَالْقَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِينٌ ﴿٣٢﴾ وَنَزَعَ يَدَهُ فَادَاهِي بَيْضَاءَ لِلنَّظِيرِينَ ﴿٣٣﴾ قَالَ لِلْمَلَآ حَوْلَهُ إِنَّ هَٰذَا لَسِحْرٌ عَلَيَّ ﴿٣٤﴾ يُرِيدُ أَنْ يُخْرِجَكُمْ مِنْ أَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِ. فَمَاذَا تَأْمُرُونَ ﴿٣٥﴾ قَالُوا أَرْجِهْ وَأَخَاهُ وَأَبْنَيْ فِي الْمَدَائِنِ حَٰشِرِينَ ﴿٣٦﴾ يَأْتُوكَ بِكُلِّ سِحْرٍ عَلَيَّ ﴿٣٧﴾ فَجَمَعَ السَّحْرَةَ لِمَيِّقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ ﴿٣٨﴾ وَقِيلَ لِلنَّاسِ هَلْ أَنْتُمْ مُّجْتَمِعُونَ ﴿٣٩﴾ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحْرَةَ إِنْ كَانُوا هُمُ الْغَالِبِينَ ﴿٤٠﴾ فَلَمَّا جَاءَ السَّحْرَةَ قَالُوا لِفِرْعَوْنَ أَئِنَّا لَنَأْجُرُكَ إِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغَالِبِينَ ﴿٤١﴾

﴿تفسیر﴾ موسیٰ نے فرمایا کہ پروردگار ہے مشرق کا اور مغرب کا اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے اس کا بھی اگر تم کو قتل ہو تو اس کو مان لو (فرعون (آخر جلا کر) کہنے لگا کہ اگر تم میرے سوا کوئی اور معبود تجویز کرو گے تو تم کو جیل خانہ بھیج دوں گا موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا اگر میں کوئی صریح دلیل پیش کر دوں تب بھی (نہ مانے گا) فرعون نے کہا اچھا تو وہ دلیل پیش کرو اگر تم سچے ہو سو موسیٰ نے اپنی لاشی ڈال دی تو وہ دفعہ ایک نمایاں اثر دہا بن گیا اور (دوسرا معجزہ دکھلانے کے لئے اپنا ہاتھ (گریبان میں دے کر) باہر نکالا تو وہ دفعہ سب دیکھنے والوں کے روبرو بہت ہی چمکتا ہوا ہو گیا فرعون نے اہل دربار سے جو اس کے آس پاس (بیٹھے) تھے کہا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ شخص بڑا ماہر جادوگر ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے جادو (کے زور سے تم کو تمہاری سرزمین سے باہر کر دے سو تم لوگ کیا مشورہ دیتے ہو درباریوں نے کہا کہ آپ ان کو اور ان کے بھائی کو (چندے) مہلت دیجئے اور شہروں میں چڑھیوں (کو حکم نامے) دے کر بھیج دیجئے کہ وہ (سب شہروں سے) سب ماہر جادوگروں کو آپ کے پاس لاکر حاضر کرویں غرض وہ جادوگر ایک معین دن کے خاص وقت پر جمع کر لئے گئے اور (فرعون کی طرف سے بطور اعلان عام کے) لوگوں کو یہ اشتہار دیا گیا کہ کیا تم لوگ جمع ہو گے (یعنی جمع ہو جاؤ) تاکہ اگر جادوگر غالب آ جاویں تو ہم ان ہی کی راہ پر رہیں پھر جب وہ جادوگر (فرعون کی پیشی میں) آئے تو فرعون سے کہنے لگے کہ اگر ہم (موسیٰ علیہ السلام) پر غالب آئے تو کیا ہم کو کوئی بڑا صلہ (اور انعام) ملے گا۔

﴿تفسیر﴾ ﴿٢٨﴾ قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ

﴿٢٩﴾ قَالَ "فرعون نے کہا جب اس کی حجت پوری ہوگئی اور لا جواب ہو گیا تو حق سے تکبر کرتے ہوئے پھر گیا۔" لَنْ اتَّخَذَتِ



الہا غیرى لاجعلنک من المسجونین“ ان قیدیوں میں شامل کر دیں گے۔ کلبی نے کہا فرعون کی قیدی کی حالت قتل سے بھی زیادہ سخت تھی۔ قیدی کو ایک تباہانہ ہیری کوٹھڑی میں پھینک دیتا تھا، قیدی کو وہاں کچھ نظر نہ آتا تھا اور لڑھکتا ہوا زمین کے اندر چلا جاتا تھا۔

30 "قال" جب موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ قید کا وعدہ کیا۔ "اولو جنتک" اگر آپ کوئی لے آؤ۔ "بشیء مبین" واضح آیات اس آیت کا معنی یہ ہے کہ کیا تم لوگ میرے ساتھ ایسا ہی معاملہ کرو گے حالانکہ میں تمہارے پاس واضح دلائل لے کر آیا ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ بات اس وجہ سے کہی کہ لوگوں کے اخلاق میں سے یہ بات بھی شامل تھی کہ وہ انصاف سے سکون حاصل کرتے تھے اور بیان کے بعد حق کو قبول کرتے تھے۔

31 "قال" فرعون نے کہا "فات بہ" اگر آپ اس طرح آیات یا نشانی لے کر آئیں تو پھر ہم آپ کو قید نہیں کریں گے۔ "ان کنت من الصادقین"

32 "فالقی عصاه فاذا هی ثعبان مبین" اس نے کہا کہ کیا اس کے علاوہ اور بھی نشانیاں ہیں۔

33 "ونزع" موسیٰ علیہ السلام نے نکالا۔ "یدہ فاذا هی بیضاء للناظرین"

34 "قال" فرعون نے کہا "للملاء حوله ان هذا لساحرٌ عليم"

35 "یرید ان یخرجکم من ارضکم بسحرة فمادامأمرون"

36 "قالوا ارجه و اخاه و ابعث فی المدائن حاشرین".....

37 "یا توک بکل سحر عليم"

38 "فجمع السحرة لمیقات یوم معلوم" اس سے مراد زینت کا دن ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اتفاق سے وہ دن نوروز کا تھا اور شنبہ کا دن تھا۔

39 "وقیل للناس هل انتم مجتمعون" تاکہ تم ان دونوں فریقوں کے درمیان فیصلہ دیکھ سکو اور کس کو غلبہ حاصل ہوگا۔

40 "لعلنا نتبع السحرة ان كانوا هم الغالبین" موسیٰ علیہ السلام پر اور بعض نے کہا کہ یہ کہنا ان کا بطور استہزاء کے تھا۔ "بالسحرة" سے مراد موسیٰ و ہارون علیہما السلام اور ان کی قوم کے متعلق تھا۔

41 "فلما جاء السحرة قالوا لفرعون ائن لنا لاجرا ان کنا نحن الغالبین"

قال نعم وانکم اذا لمن المقربین 42 قال لهم موسى القوا ما انتم ملقون 43 قالقوا

جبالهم وعصيتهم وقالوا بعزة فرعون انا لنحن الغلبون 44 فالقى موسى عصاه فاذا

هي تلقف ما يافكون 45 فالقى السحرة سجدين 46 قالوا امنا بر رب العلمين 47 رب

موسى وهرون 48 قال انتم له قبل ان اذن لكم انه لكبيركم الادي علمكم السحر

فَلَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ۚ لَا قَطِيعَ أَيْدِيكُمْ وَأَرْجُلِكُمْ مِنْ خِلَافٍ وَلَا وَصْلِبَ لَكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٤٩﴾  
 قَالُوا لِأَضْيَرَ إِنَّا إِلَى رَبِّنَا مُنْقَلِبُونَ ﴿٥٠﴾ إِنَّا نَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطِيئَاتِنَا أَنْ كُنَّا أَوَّلَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٥١﴾  
 وَأَوْحَيْنَا إِلَى مُوسَى أَنْ أَسْرِ بِعِبَادِي إِلَيْكُمْ مُتَّبِعُونَ ﴿٥٢﴾ فَأَرْسَلْنَا فِرْعَوْنَ فِي الْمَدَائِنِ  
 حَاشِرِينَ ﴿٥٣﴾ إِنَّ هَؤُلَاءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيلُونَ ﴿٥٤﴾

﴿٤٩﴾ فرعون نے کہا کہ ہاں اور (مزید برآں) تم اس صورت میں (ہمارے) مقرب لوگوں میں داخل ہو جاؤ گے  
 موسیٰ نے ان سے فرمایا کہ تم کو جو کچھ ڈالنا ہو (میدان میں) ڈالو سو انہوں نے اپنی رسیاں اور لٹھیاں ڈالیں اور کہنے  
 لگے کہ فرعون کے اقبال کی قسم بیشک ہم ہی غالب آویں گے پھر موسیٰ نے اپنا عصا ڈالنا شروع کرنے کے ساتھ ہی (اڑدیا  
 بن کر) ان کے تمام تر بنے بنائے دھندے کو لٹکنا شروع کر دیا سو (یہ دیکھ کر) جاوگر (ایسے متاثر ہوئے کہ سب سجدے  
 میں گر پڑے اور پکار پکار کر) کہنے لگے کہ ہم ایمان لے آئے رب العالمین پر جو موسیٰ اور ہارون (علیہما السلام) کا بھی  
 رب ہے۔ فرعون کہنے لگا کہ ہیں تم موسیٰ پر ایمان لے آئے بدوں اس کے کہ میں تم کو جازت دوں ضرور (معلوم ہوتا  
 ہے کہ) یہ (جاو میں) تم سب کا استاد ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہے سو اب تم کو حقیقت معلوم ہوئی جاتی ہے (اور وہ  
 یہ ہے) میں تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسرے طرف کے پاؤں کاٹوں گا اور تم سب کو سولی پر ٹانگ دوں گا  
 (تا کہ اوروں کو عبرت ہو) انہوں نے جواب دیا کہ کچھ حرج نہیں ہم اپنے مالک کے پاس جا پہنچیں گے (اور) ہم  
 امید رکھتے ہیں کہ ہمارا پروردگار ہماری خطاؤں کو معاف کر دے اس وجہ سے کہ ہم (اس موقع پر حاضرین میں سے)  
 سب سے پہلے ایمان لائے اور ہم نے موسیٰ کو حکم بھیجا کہ میرے ان بندوں کو شباشب (مصر سے باہر) نکال لے جاؤ  
 (اور فرعون کی جانب سے) تم لوگوں کا تعاقب کیا جاوے گا فرعون نے تعاقب کی تدبیروں کے لئے آس پاس کے  
 شہروں میں چہر اسی دوڑا دیئے (اور یہ کہلا بھیجا) کہ یہ لوگ (یعنی بنی اسرائیل ہماری نسبت) تھوڑی سی جماعت ہے۔

﴿٥٠﴾ تَفْسِيرٌ ﴿٤٩﴾ قَالَ نَعَمْ وَإِنَّكُمْ إِذَا لَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ.....

﴿٤٩﴾ قَالَ لَهُمْ مُوسَى أَلْقُوا مَا أَنْتُمْ مُلْكُونَ.....

﴿٤٨﴾ قَالُوا جِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ إِنَّا لَنَحْنُ الْعَالِيُونَ

﴿٤٧﴾ قَالَتِي مُوسَى عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَأْفِكُونَ.....

﴿٤٦﴾ قَالَتِي السَّحَرَةُ سَجِدِينَ.....

﴿٤٥﴾ قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ الْعَالَمِينَ.....

﴿٤٤﴾ رَبِّ مُوسَى وَهَارُونَ.....

49 "قَالَ امْتُمْ لَهُ قَبْلَ أَنْ اذْنَ لَكُمْ إِنَّهُ لَكَبِيرُكُمْ الَّذِي عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ. فَلَسَوْفَ تَعْلَمُونَ مَا لَأَقْطَعَنَّ أَيْدِيَكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ مِنْ خِلَافٍ وَلَا وَصَلَتِكُمْ أَجْمَعِينَ"

50 "قَالُوا لَا ضَيْرَ" کوئی ضرر نقصان نہیں۔ "إِنَّا إِلَى رَبِّنَا مُنْقَلِبُونَ"

51 "إِنَّا نَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطِيئَاتِنَا إِنَّ كُنَّا أَوَّلَ الْمُؤْمِنِينَ"

52 "وَأَوْحَيْنَا إِلَى مُوسَى أَنْ أَسْرِ بِعِبَادِي إِلَيْكُمْ مُتَّبِعُونَ" فرعون اور اس کی قوم تمہارا پیچھا کرے گی تاکہ وہ تمہیں مصر سے نکلنے سے روکے۔ ابن جریج سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ بنی اسرائیل کو جمع کریں اور بنی اسرائیل کے ہر چار گھر والوں کو ایک گھر میں جمع کرو، پھر بھیڑ کے بچوں کو ذبح کر کے ان کا خون گھروں کے دروازوں پر لگا دو، میں فرشتوں کو حکم دوں گا کہ جس گھر پر خون کا نشان ہوگا اس میں داخل نہیں ہوں گے۔ پھر میں فرشتوں کو حکم دوں گا وہ قوم فرعون کے بچوں کو مار ڈالیں گے اور ان کو مانی نقصان پہنچائیں گے۔ پھر تم روٹیاں بنا کر ساتھ لے لینا، پھر راتوں رات میرے بندوں کو لے کر سمندر پر پہنچ جانا، وہاں تم کو میرا جدید حکم ملے گا۔ صبح ہوئی تو لوگوں نے فرعون سے کہا کہ یہ حرکت موسیٰ اور اس کی قوم نے کی ہے۔ انہوں نے ہمارے بچے بھی مار ڈالے اور ہمارا مال بھی لے گئے۔ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیچھے پندرہ لاکھ سردار جن میں سے ہر ایک کی کمانڈ میں ایک ہزار آدمی تھے ان کو روانہ کر دیا اور خود بھی اپنی کرسی پر بیٹھ کر نکل کھڑا ہوا۔

53 "فَارْمِلْ فِرْعَوْنَ فِي الْمَدَائِنِ حَاشِرِينَ" تاکہ وہ شہر کے لوگوں کو جمع کرے اور بڑے بڑے جادوگروں کو جمع کرے۔ بعض نے کہا کہ وہ گروہوں کو جمع کرے اور بعض نے یہ ذکر کیا کہ ان کے ایک ہزار شہر اور بارہ ہزار بستیاں تھیں اور فرعون نے ان سب مشیروں کو کہا۔

54 "إِنْ هُوَ إِلَّا لَشِرْذِمَةٌ" جماعت ہے۔ "قَلِيلُونَ" لوگوں کی ایک قلیل تعداد اس کی جمع شرادیم آتی ہے۔ بعض روایات میں اس کے لشکر کی تعداد ایک لاکھ چھ ہزار بتلائی ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کے لشکر کی تعداد چھ لاکھ ستر ہزار تھی۔ فرعون کے لشکر کو کوئی بھی شمار نہیں کر سکتا۔

وَاللَّهُمَّ لَنَا لَعَانِطُونَ 55 وَإِنَّا لَجَمِيعٌ حَلِيدُونَ 56 فَأَخْرَجْنَاهُمْ مِنْ جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ 57 وَكُنُوزٍ

وَمَقَامٍ كَرِيمٍ 58 كَذَلِكَ ۚ وَأَوْرَثْنَاهَا بَنِي إِسْرَائِيلَ 59 فَاتَّبَعُوهُمْ مُشْرِقِينَ 60 فَلَمَّا تَرَاءَ

الْجَمْعَيْنِ قَالَ أَصْحَابُ مُوسَى إِنَّا لَمُدْرِكُونَ 61

اور انہوں نے ہم کو بہت غصہ دلایا ہے اور ہم سب ایک مسلم جماعت (اور باقاعدہ فوج) ہیں غرض ہم نے ان کو باغوں سے اور چشموں سے اور خزانوں سے اور عمدہ مکانات سے نکال باہر کیا (ہم نے ان کے ساتھ تو) یوں کیا اور ان کے بعد بنی اسرائیل کو ان کا مالک بنایا (یہ جملہ معترضہ تھا آگے قصہ ہے) غرض (ایک روز) سورج نکلنے کے

وقت ان کو پیچھے سے جالیا پھر دونوں جماعتیں آپس میں ایسی قریب ہوئیں کہ (ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں تو موسیٰ کے ہمراہی (گھبرا کر) کہنے لگے کہ (اے موسیٰ) بس ہم تو ان کے ہاتھ آ گئے۔

**تفسیر** 55 "وَانْهَم لَنَا لِعَاظُونَ" جیسے کہا جاتا ہے "غاظه، اُغَاظَه و غِيْظَه" جب وہ غصے میں ہو۔ غیظ اور غضب دونوں کا ایک معنی ہے۔ وہ کہنے لگے ہماری مخالفت کر کے انہوں نے ہمیں غصہ دلایا ہے اور ہمارے بچوں کو قتل کر کے ہمارے اموال کو غصب کر کے لے گئے اور ہماری سرزمین مصر سے ہماری اجازت کے بغیر نکل کھڑے ہوئے۔

56 "وَاَنَا لَجَمِيْعِ حَادِرُونَ" اہل حجاز اور بصرہ نے حذرون پڑھا ہے بغیر الف کے جبکہ دوسرے قراء نے حاذرون پڑھا ہے۔ اس میں دونوں لغات ہیں۔ بعض اہل تفسیر نے کہا کہ "حاذرون" قوت والے یعنی تیار۔ فراء کا قول ہے کہ "حاذر" وہ شخص جو تم کو اس وقت ڈر رہا ہے اور حذر وہ شخص جو خوفناک ہے۔

57 "فَاخْرَجْنَاهُمْ مِنْ جَنَّاتٍ وَهِيَ بَغَاةٌ جُوْدِيَاؤُنَ كَمَا كَانُوا فِيهَا" ان کو خیر آباد کیا اور گھروں کو بھی چھوڑ دیا۔ "وعيون" جاری نہروں سے نکال کر لائے۔

58 "وَكُنُوْا" اس سے اموال ظاہرہ سونا، چاندی، مجاہد نے کہا کہ اس کو کنوز کا نام دیا کیونکہ انہوں نے اس سے کوئی صدقہ وغیرہ نہیں نکالا۔ اگرچہ ظاہری طور پر وہ بڑے بڑے باغات ہی کیوں نہ ہوں۔ کہا گیا کہ فرعون کے آٹھ ہزار غلام تھے ہر ایک غلام گھوڑے پر سوار ہوتا اور گھوڑے کے گلے میں سونے کے زیورات ہوتے تھے۔ "وَمَقَامِ كَرِيْمٍ" اور ان غلاموں کے لیے اچھا مکان تھا۔ مفسرین نے کہا کہ اس سے مراد امراء و رؤساء کی مجالس ہیں جن کی لوگ بیروی کرتے تھے۔ مجاہد اور سعید بن جبیر نے اس سے مراد اونچے منبر لیے ہیں اور بعض نے کہا کہ فرعون جب کرسی پر بیٹھا تھا تو اس کے سامنے تین سو سونے کی کرسیاں بچھی ہوئی ہوتی تھیں جن پر شہر کے اشراف لوگ بیٹھا کرتے تھے۔

59 "كَذٰلِكَ" اسی وصف کے ساتھ "و اور ثناہا" ہم نے ان کو ہلاک کر دکھایا۔ "بنی اسرائیل" یہ اس وجہ سے کہ جب فرعون اور اس کی قوم غرق ہو گئی تو بنی اسرائیل کو وہ تمام اشیاء لوٹا دیں جو فرعون اور اس کی قوم کے پاس تھیں۔ ان کے سونے، ان کے مکانات اور دیگر اشیاء بنی اسرائیل کے ہاتھوں آ گئیں۔

60 "فَاتَّبَعُوْهُم مَّشْرِقِيْنَ" سورج کے نکلنے کے وقت ان کو جا کر ملے۔ فرعون کی قوم حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو سورج نکلنے کے وقت دریا پر جا پہنچی۔ "فَلَمَّا تَرَاۤءِى الْجَمْعَانَ" وہ ایک دوسرے کے آنے سامنے آ گئے اس طور پر کہ ایک دوسرے کو انہوں نے دیکھ بھی لیا۔ حمرہ نے "تراء ی" کی ہمزہ کو کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ دوسرے قراء نے ان دونوں کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔

61 "قَالَ اَصْحَابُ مُوسَىٰ اِنَّا لَمُرْكُوْنَ" فرعون کی قوم نے ہمیں پالیا اور ہم ان سے مقابلہ کرنے کی طاقت بھی نہیں رکھتے۔

قَالَ كَلًا اِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْلِكُ 62 فَاَوْحَيْنَاۤ اِلَىٰ مُوسَىٰ اَنْ اَضْرِبْ بِعَصَاكَ الْبَحْرَ فَاَنْفَلَقَ

فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ 63 وَاَزَلْنَا ثَمَّ الْاٰخِرِيْنَ 64 وَاَنْجَيْنَا مُوسَىٰ وَمَنْ مَّعَهُ

أَجْمَعِينَ 65 ثُمَّ أَعْرَفْنَا الْأَخْرَبِينَ 66 إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّمَنْ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ 67 وَإِنَّ

رَبِّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ 68 وَأَتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ إِبْرَاهِيمَ 69 إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا تَعْبُدُونَ 70

﴿تجاہل﴾ موسیٰ نے فرمایا کہ ہرگز نہیں کیونکہ میرے ہمراہ میرا پروردگار ہے وہ مجھ کو (دریا سے نکلنے کا) ابھی راستہ بتلا دے گا پھر ہم نے موسیٰ کو حکم دیا کہ اپنی عصا کو دریا پر مارو چنانچہ (انہوں نے اس پر عصا مارا جس سے) وہ (دریا) پھٹ گیا اور ہر حصہ اتنا (بڑا) تھا جیسا بڑا پہاڑ اور ہم نے دوسرے فریق کو بھی اس موقع کے قریب پہنچا دیا اور (انجام قصہ یہ ہوا کہ) ہم نے موسیٰ کو اور ان کے ساتھ والوں کو سب کو بچا لیا پھر دوسروں کو غرق کر دیا (اور) اس واقعہ میں بھی بڑی عبرت ہے اور (باوجود اس کے) ان (کفار) میں اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے اور آپ کا رب بڑا زبردست ہے (اور) بڑا مہربان ہے اور آپ ان لوگوں کے سامنے ابراہیم (علیہ السلام) کا قصہ بیان کیجئے جبکہ انہوں نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے فرمایا کہ تم کس چیز کی عبادت کیا کرتے ہو۔

﴿تفسیر﴾ 62 "قال" حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا وعدہ پختہ یاد تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ مدد کا وعدہ کیا ہوا ہے۔ "کلا" ہرگز وہ ہمیں پانہیں سکتے۔ "ان معی رہی سیہدین" وہ ہمیں نجات کا راستہ ضرور بتلائے گا۔

63 "فأوحينا إلى موسى أن اضرب بعصاك البحر فانقلب" حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا سمندر پر مارا جس سے وہ خشک ہو کر پھٹ گیا۔ "فكان كل فرق" پانی کے ٹکڑے بن گئے۔ "كالتلود العظيم" جیسا کہ وہ بڑے بڑے پہاڑ بن گئے ہوں۔ ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سمندر کے کنارے پہنچے تو ہوا چلنے لگی اور سمندر پہاڑ کی مانند موجیں مارنے لگا پویش کہنے لگے، اے اللہ! کلام کرنے والے آپ کا کیا حکم ہے؟ ہمیں فرعون کی فوج نے ڈھانپ لیا اور ہمارے سامنے سمندر ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ پویش اپنے گھوڑے کو لے کر پانی میں چلو۔ انہوں نے ایسا ہی کیا حتیٰ کہ ان کے گھوڑے کے کھروں کو پانی تک نہ لگا اور جس شخص نے اپنا ایمان چھپایا ہوا تھا اس نے کہا کہ کہاں ہے تمہارا حکم۔ اس نے اپنے گھوڑے کی لگام کو مضبوطی سے پکڑا ہوا تھا۔ اس نے زور سے کھینچا کہ وہ اُڑ کر سمندر میں جا لگا اس کا پانی سے کچھ بھی گیلا نہیں ہوا۔ بعض حضرات نے کہا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ان لوگوں کی بات کا جواب دینے سے قاصر ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ اپنی عصا سمندر پر ماریں۔ اس میں راستے بن گئے تو اس سے گزرنے والے نہ تو گھوڑے کے کھروں کو پانی لگا اور نہ ہی کسی سوار کو۔

64 "وازلفنا" قریب لے آئے۔ "ثم الاخرين" اس سے مراد فرعون کی قوم ہے۔ وہ یہ کہنے لگے کہ وہ سمندر تک پہنچ گئے اور ہلاکت کے قریب ہو گئے۔ ابو عبیدہ نے اس کا ترجمہ کیا ہے کہ ہم نے ان دونوں کو جمع کر دیا۔ اسی سے لیلۃ المزلفہ ہے اس رات کو لیلۃ الجمع بھی کہتے ہیں۔ واقعہ میں آیا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام قوم موسیٰ اور قوم فرعون کے درمیان تھے اور وہ بنی اسرائیل کو کھینچ رہے تھے اور وہ کہہ رہے تھے کہ ہم نے اس شخص سے اچھا کوئی نہیں دیکھا اور فرعون کی

قوم کو ڈرار ہے تھے اور وہ یہ کہہ رہے تھے کہ اس شخص سے زیادہ کوئی شخص نہیں دیکھا جو ڈرار رہا ہو۔

65 ”وانجینا موسیٰ ومن معه اجمعین“

66 ”ثم اغرقنا الاخرین“ فرعون اور اس کی قوم۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ سمندر پہلے خاموشی کے ساتھ چل رہا تھا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا مارا تو وہ پھیل گیا اور خشک ہو گیا۔

67 ”ان فی ذلک لایة وما کان اکثرهم مؤمنین“ اس سے مراد اہل مصر ہیں۔ بعض حضرات نے کہا کہ فرعون کے ساتھیوں میں سے صرف یہ لوگ ایمان لائے تھے آسیر فرعون کی بیوی اور ایک وہ شخص جو اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھا یعنی حزقیل اور اس کی بی بی مریم بنت ناموسیا۔ یہ مریم وہی عورت ہے جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر کی نشاندہی کی تھی۔

68 ”وان ربک لہو العزیز الرحیم“ عزیز جو اپنے دشمنوں سے انتقام لینے والا ہوا اور رحیم ہے مؤمنین کیلئے ان کو نجات دے کر۔

69 ”واتل علیہم نبا ابراہیم“.....

70 ”اذ قال لابیہ وقومہ ماتعدون“ تم کس چیز کی عبادت کرتے ہو۔

قَالُوا نَعْبُدُ اصْنَامًا فَنظَّلُ لَهَا عَافِيَةً 71 قَالَ هَلْ يَسْمَعُونَكُمْ اِذْ تَدْعُونَ 72 اَوْ يَنْفَعُونَكُمْ اَوْ

يَضُرُّونَ 73 قَالُوا بَلْ وَجَدْنَا اٰبَاءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ 74 قَالَ اَفَرءَ يَتَّبِعُ مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ 75 اَنْتُمْ

وَاٰبَاؤُكُمْ الْاَقْدَمُونَ 76 فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْ اِلَّا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ 77 الَّذِيْ خَلَقْنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِيْ 78

وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِيْ 79 وَاِذَا مَرَضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِيْ 80 وَالَّذِيْ يُمَيِّتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِيْ 81

انہوں نے کہا کہ ہم بتوں کی عبادت کیا کرتے ہیں اور ہم ان ہی (کی عبادت پر جے بیٹھے رہتے ہیں ابراہیم نے

فرمایا کہ کیا یہ تمہاری سنتے ہیں جب تم ان کو پکارا کرتے ہو یا یہ تم کو کچھ نفع پہنچاتے ہیں یا یہ تم کو کچھ ضرر پہنچا سکتے ہیں ان لوگوں

نے کہا کہ (ان کی عبادت کرنے کی وجہ یہ تو) نہیں بلکہ ہم نے اپنے بڑوں کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے ابراہیم نے فرمایا کہ

بھلا تم نے ان کو (غور سے) دیکھا بھی جن کی تم عبادت کیا کرتے ہو تم بھی اور تمہارے پرانے بڑے بھی کہ یہ (معبودین

میرے (اور تمہارے) لئے باعث ضرر ہیں مگر ہاں رب العالمین جس نے مجھ کو (اور اسی طرح سب کو) پیدا کیا پھر وہی مجھ

کو (میری مصلحتوں کی طرف) رہنمائی کرتا ہے اور جو مجھ کو کھلاتا پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہو جاتا ہوں (جس کے بعد شفا ہو جاتی ہے) تو وہی مجھ کو شفا دیتا ہے اور جو مجھ کو (وقت پر) موت دے گا پھر (قیامت کے روز) مجھ کو زندہ کرے گا۔

تفسیر 71 ”قالوا نعبد اصناما فنظلل لها عافية“ ہم انہی بتوں کی پوجا کرنے پر قائم ہیں۔ بعض اہل علم کا بیان ہے کہ یہاں آیت میں ”فنظلل“ کہا گیا ہے کیوں کہ وہ ان کو دن کے وقت پوجتے تھے، رات کو نہیں پوجتے تھے۔ جیسا دن کے

وقت کام کرنے والے کو بولا جاتا ہے ”ظل يفعل“.....



72 "قال هل يسمعونكم" کیا یہ تمہاری پکار کو سنتے ہیں۔ "اذ لدعون" جب تم ان کو پکارتے ہو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ کیا یہ تمہاری بات کو سنتے ہیں۔ "او ينفعونكم" اس سے مراد رزق ہے۔ "او يضرون" اگر تم ان کی عبادت کو ترک کر دو تو کیا یہ تمہیں سزا دیتے ہیں۔

74 "قالوا بل وجدنا آباءنا كذلك يفعلون" اس کا معنی یہ ہے کہ وہ کسی کی بات نہیں مانتے اور نہ کسی کو نفع پہنچاتے ہیں اور نہ ہی نقصان پہنچاتے ہیں بلکہ ہم نے اپنے آباء و اجداد کو اس راستے پر پایا ہے۔ یہی تمہاری تقلید کے ابطال کی دلیل ہے۔

75 "قال المرأيتم ما كنتم تعبدون"

76 "انتم و آباءكم الاقدمون" اس سے مراد پہلے لوگ ہیں۔

77 "فانهم عدو لى" وہ میرے دشمن ہیں۔ یہاں پر ہر معبود کو اکیلا ذکر کیا ہے کیونکہ ان کو ہر ایک کے ساتھ دشمنی ہوتی ہے۔

سوال: بتوں کے ساتھ عداوت کا ذکر کیا ہے۔ حالانکہ وہ تو بے جان ہیں؟

جواب: قیامت کے دن وہ دشمن بن جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "سبکفرون بعبادتهم ویکونون علیہم ضداً" بعض نے کہا کہ یہ میرے دشمن ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نہ یہ ہمارے پاس آسکتے ہیں اور نہ ہی ان کی جہت سے کوئی نفع حاصل ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ کوئی شخص نہ ان سے دشمنی مول لے سکتا ہے اور نہ ہی ان کی جانب سے کوئی نفع حاصل کر سکتے ہیں۔ "الا رب العالمین" اس استثناء میں آئمہ کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض حضرات نے کہا کہ یہ استثناء منقطع ہے۔ گویا کہ یوں فرمایا کہ وہ سب میرے دشمن ہیں مگر رب العالمین کہ وہ میرا دوست ہے۔

بعض اہل علم نے کہا کہ قوم ابراہیم بتوں کے ساتھ اللہ کی عبادت بھی کرتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا، تمہارے سارے معبود سوائے رب العالمین کے میرے دشمن ہیں یا یوں کہا جائے تاکہ ان کے آباء و اجداد میں سے کچھ لوگ اللہ کو مانتے ہیں اور اس کی عبادت کرتے ہیں۔ حسین بن فضل نے اس کا معنی بیان کیا مگر وہ جو میرے رب العالمین کے پاس ہے پھر اس کے معبود ہونے کا وصف بیان کیا۔

76 "الذی خلقنی لہو یهلدین" اور وہ ہدایت کے راستے کی طرف، نجات کے راستے کی طرف ہدایت کرتا ہے۔

79 "والذی ہو یطعمنی ویسقین" اور وہ مجھے رزق اور غذا کھانے پینے کیلئے دیتا ہے۔ وہ ہی رزاق ہے اور

اسی کے پاس میرا رزق ہے۔

80 "واذا مرضت" مرض کی اضافت اپنی طرف کر دی کیوں کہ مرض اور شفاء اسی کی طرف سے ہوتی ہے۔ یہ بطور حسن

دب کے ذکر کیا ہے۔ جیسا کہ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا "فاردت ان اعییہا" اور فرمایا "فاراد ربک ان یبلغا شدہما"..... "فہو یشفین" اور وہ ہی مجھے میرے مرض سے شفا دیتا ہے۔

81 "والذی یمیتنی ثم یرزقنی" تم یہاں پر تراخی کے لیے ہے کہ وہ مجھے دنیا میں موت دے گا اور آخرت میں زندہ کرے گا۔

وَالَّذِي أَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ لِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ 82 رَبِّ هَبْ لِي حُكْمًا وَ الْحَقِيئَةَ بِالصَّالِحِينَ 83  
 وَاجْعَلْ لِي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ 84 وَاجْعَلْنِي مِنْ وَرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيمِ 85 وَاعْفِرْ لِأَبِي إِنَّهُ  
 كَانَ مِنَ الضَّالِّينَ 86 وَلَا تُخْزِنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ 87 يَوْمَ لَا يُنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ 88 إِلَّا مَنْ آمَنَ اللَّهُ  
 بِقَلْبٍ سَلِيمٍ 89 وَأَزَلَمَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَمِّينَ 90 وَبَرَزَتِ الْجَحِيمُ لِلْغَوَّينَ 91

تفسیر اور جس سے مجھ کو یہ امید ہے کہ میری غلط کاری کو قیامت کے روز معاف کر دے گا اے میرے پروردگار مجھ کو حکمت عطا فرما اور (مرا تب قرب میں) مجھ کو اعلیٰ درجہ کے (نیک لوگوں کے ساتھ شامل فرما اور میرا ذکر آئندہ آنے والوں میں جاری رکھ اور مجھ کو جنت النعیم کے مستحقین میں سے کر اور میرے باپ (کو توفیق ایمان کی دے کر اس کی مغفرت فرما کہ وہ گمراہ لوگوں میں ہے اور جس روز سب زندہ ہو کر اٹھیں گے اس روز مجھ کو سوانہ کرنا جس دن میں کہ (نجات کے لئے) نہ مال کام آوے گا اور نہ اولاد مگر ہاں (اس کی نجات ہوگی) جو اللہ کے پاس (کفر و شرک سے) پاک دل لے کر آوے گا اور (اس روز) خدا ترسوں (یعنی ایمان والوں) کے لئے جنت نزدیک کر دی جائے گی اور گمراہوں (یعنی کافروں) کے لئے دوزخ سامنے ظاہر کی جاوے گی۔

تفسیر 82 ”والذی اطمع“ امید کرتے ہیں۔ ”أن یغفر لی خطیئتی یوم الدین“ حساب کے دن وہ میری غلطیوں کو درگزر فرما دے گا۔

## خطا سے کیا مراد ہے

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس خطا سے مراد ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول ”انی مسقیم“ ہے اور دوسرا ”بل فعلہ کبیرہم“ اور حضرت سارہ علیہا السلام کے متعلق فرمایا تھا ”هذا اختی“ حسن رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ستاروں کو دیکھ کر فرمایا تھا۔ ”هذا ربی“ یہ خطا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا، ابن جرعان زمانہ جاہلیت میں کینہ پروری کرتا تھا اور مسکینوں کو کھانا کھلاتا تھا کیا اس کا اس کو کچھ نفع ملے گا۔ فرمایا اس کو کچھ فائدہ نہیں پہنچے گا، اگر اس نے کسی دن بھی ”رب اغفر لی خطیئتی یوم الدین“ نہیں کہا ہوگا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قوم کے سامنے جو کچھ کہا وہ سب بطور احتجاج اور دلیل کے تھا کہ جس معبود میں ایسا کرنے کی طاقت نہ ہو وہ معبود ہونے کا حق نہیں رکھتا اور نہ اس کی پوجا کرنا جائز ہے۔

83 ”رب هب لی حکمًا“ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس سے مراد حدود اللہ کی معرفت اور اس کے احکام کی معرفت ہے۔ مقاتل کا بیان ہے کہ اس سے مراد فہم اور علم ہے۔ کلبی کا قول ہے کہ اس سے مراد نبوت ہے۔

”والحقنى بالصالحين“ ما قبل میں جو انبیاء کرام علیہم السلام گزر چکے ہیں ان کے درجہ اور منزلت تک پہنچا۔  
 84 ”واجعل لى لسان صدق فى الاخرين“ اچھی تعریف اور اچھا ذکر اور قبولیت عامہ جو آئندہ لوگوں کی زبانوں پر  
 کروے جو میرے بعد آئیں گے۔ تمام اہل ادیان میں ہماری تعریف قائم فرمائیں۔ تمہی کا قول ہے کہ یہاں زبان کو قول کے  
 قائم مقام کر دیا گیا ہے۔ چونکہ بات بھی اسی سے صادر ہوتی ہے اس لیے اس کا ذکر کیا۔

85 ”واجعلنى من ورتة جنة النعيم“ ان لوگوں میں سے جن کو تو نے جنت کی نعمتوں سے نوازا ہے انہی میں سے مجھے بھی بنا۔  
 86 ”واغفر لى انى كان من الصالحين“ یہ اس وقت دعا کی تھی جب ان کو معلوم نہیں تھا کہ میرا باپ اللہ کا دشمن ہے۔  
 جیسا کہ سورۃ توبہ میں گزر چکا ہے۔

87 ”ولا تحزنى“ اور مجھے اس دن رسوا نہ کرنا۔ ”یوم یبعثون“  
 88 ”یوم لا ینفع مال ولا بنون الا من اتى الله بقلب سلیم“ جو خالص شرک سے پاک ہو۔ گناہوں سے پاک  
 ہونا مراد نہیں کیونکہ کوئی شخص بھی گناہ سے پاک نہیں ہے۔ سعید بن المسیب کا قول ہے کہ قلب سلیم سے مراد صحیح دل ہے اور وہ  
 مؤمن کا دل ہے کیونکہ کافر اور منافق کا دل مریض ہے۔

89 اللہ تعالیٰ کا فرمان ”فی قلوبہم مرض“ ابن عثمان انیشا پوری اس سے مراد دل کا بدعت سے خالی ہونا اور سنت سے مطمئن ہونا۔  
 (90 91) ..... ”وازلقت“ اور قریب کر دی جائے گی۔ ”الجنة للمتقین و برزت“ اور وہ ظاہر کھلی ہوئی ہوں گی۔  
 ”الجحیم للغاویں“ کافروں کے لیے۔

وَقِيلَ لَهُمْ اٰیْمًا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ 92 مِنْ دُونِ اللّٰهِ ؕ هَلْ يَنْصُرُوْنَكُمْ اَوْ يَنْتَصِرُونَ 93  
 فَكُذِّبُوا فِیْهَا هُمْ وَالْعَاوَنُ 94 وَجُنُودُ اٰیْلِیْسَ اٰجْمَعُونَ 95 قَالُوا وَهُمْ فِیْهَا یَخْتَصِمُونَ 96  
 تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ 97 اِذْ نَسُوْا بَیْعَ الْعٰلَمِیْنَ 98 وَمَا اَضَلَّنَا اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ 99  
 فَمَا لَنَا مِنْ شٰفِعِیْنَ 100 وَلَا صٰدِقِیْ حَمِیْمٍ 101 فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنُ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ 102

اور (اس روز) ان سے کہا جاوے گا کہ وہ معبود کہاں گئے جن کی تم خدا کے سوا عبادت کیا کرتے تھے کیا وہ تمہارا  
 ساتھ دے سکتے ہیں یا اپنا ہی بچاؤ کر سکتے ہیں پھر (یہ کہہ کر) وہ (معبودین) اور گمراہ لوگ اور ایلیس کا لشکر سب کے سب  
 دوزخ میں اوندھے منہ ڈال دیئے جاویں گے وہ کفار اس دوزخ میں گفتگو کرتے ہوئے (ان معبودین سے) کہیں گے  
 کہ بخدا بے شک ہم صریح گمراہی میں تھے جبکہ تم (کومعبودت میں) رب العالمین کے برابر کرتے تھے اور ہم کو تو بس ان  
 بڑے مجرموں نے (جو کہ بانی ضلالت تھے) گمراہ کیا (اب) نہ کوئی ہمارا سفارشی ہے (کہ چھڑا لے اور نہ کوئی مخلص  
 دوست ہے) (کہ خالی دسوزی ہی کر لے) سو کیا اچھا ہوتا کہ ہم کو (دنیا میں) پھر واپس جانا ملتا کہ ہم مسلمان ہو جائے۔

تفسیر (92-93)..... ”وقیل لهم“ قیامت کے دن ”ایما کنتم تعبدون ۵ من دون اللہ هل ینصرونکم“ وہ تمہیں عذاب سے نہیں روک سکیں گے۔ ”او ینتصرون“ یا خود محفوظ ہو سکتے ہیں۔

## آیت فکبکبوا میں تفسیری اقوال

94 ”فکبکبوا فیہا“ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کا ترجمہ کیا۔ دوزخ میں ان کو جمع کیا جائے گا۔ مجاہد کا قول ہے کہ ان کو اوندھا منہ گردایا جائے گا۔ مقاتل کا بیان ہے کہ پھینک دیا جائے گا۔ زجاج نے کہا کہ ایک کو دوسرے پر ڈال دیا جائے گا۔ قتیبی نے کہا کہ سر کے بل ڈال دیئے جائیں گے۔ ”ہم الغاؤون“ اس سے مراد شیاطین ہیں۔ قتادہ مقاتل کلبی کا بیان ہے کہ اس سے مراد جن کا کفر ہے۔

95 ”وجنود ابلیس أجمعون“ شیطان کے چیلے اور وہ لوگ جو اس کی اتباع کریں گے خواہ وہ جنوں میں سے ہوں یا انسانوں میں سے۔ بعض نے کہا کہ شیطان کی ذریت مراد ہے۔

96 ”قالوا“ وہ اپنے پجاریوں اور جنہوں نے ان کو گمراہ کیا تھا ان کے ساتھ لڑیں گے۔ ”وہم فیہا یختصمون“ اپنے معبودین کے ساتھ جھگڑیں گے اور وہ بھی ایک دوسرے سے جھگڑیں گے۔

97 ”سأللہ ان کننا لفی ضلال مبین“

98 ”اذ نسویکم“ ہم تمہارے لیے شمار کرتے تھے۔ ”یوب العالمین“ تمہاری عبادت کے ساتھ۔

99 ”وما اضلنا“ انہوں نے تو ہمیں گمراہی کی طرف مائل کیا۔

”الا المجرمون“ مقاتل کا بیان ہے کہ ”المجرمون“ سے مراد شیاطین۔ کلبی کا بیان ہے کہ اس سے گمراہ اسلاف مراد ہیں جن کی تہلیلان کافروں نے کی تھی۔ ابو العالیہ اور عکرمہ کا قول ہے کہ اس سے مراد ابلیس ہے اور ابن آدم کا پہلا بیٹا قاتیل ہے کیونکہ اس نے قتل کرنے کو ایجاد کیا تھا اور دوسرے گناہوں کا بھی ارتکاب کیا۔

100 ”فمالنا من شافعین“ کون ہماری سفارش کرے گا، فرشتوں میں سے، انبیاء میں سے، مؤمنین میں سے۔

101 ”ولا صدیق حمیم“ یا کوئی قریبی جو ہماری سفارش کرے، کفار لوگ اس وقت کہیں گے جب مؤمنین کی سفارش

فرشتے، انبیاء کرام اور دیگر مؤمنین کریں گے۔ صدیق وہ دوست جو محبت میں سچا ہو، دین کی شرط کے ساتھ۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے خود حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا

کہ اوی جنت کے اندر کہے گا میرے فلاں دوست کا کیا ہوا، اس وقت اس جنتی کا دوست جہنم میں ہوگا۔

اللہ حکم دے گا اس کے دوست کو دوزخ سے نکال کر جنت میں لے جاؤ، اس کے بعد جو لوگ دوزخ میں رہ جائیں گے

وہ کہیں گے ”فما لنا من شافعین ولا صدیق حمیم“ جس کا قول ہے کہ اپنے مؤمن دوستوں کی تعداد زیادہ کرو کیونکہ

قیامت کے دن وہ شفاعت کریں گے۔

﴿۱۰۲﴾ "فَلَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةٌ" اگر ایک بار ہمیں دنیا میں واپس لوٹ جانا حاصل ہو جاتا۔ "فَنَكُونُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ"

﴿۱۰۳﴾ "وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ" ﴿۱۰۴﴾

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ ﴿۱۰۵﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ نُوحٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿۱۰۶﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ

أَمِينٌ ﴿۱۰۷﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا أَمْرًا ﴿۱۰۸﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ. إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى رَبِّ

الْعَالَمِينَ ﴿۱۰۹﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا أَمْرًا ﴿۱۱۰﴾ قَالُوا إِنَّا نؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْأَرْذَالُونَ ﴿۱۱۱﴾ قَالَ وَمَا

عَلِمِي بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۱۲﴾ إِنْ حِسَابُهُمْ إِلَّا عَلَى رَبِّي لَوْ تَشْعُرُونَ ﴿۱۱۳﴾ وَمَا أَنَا بِطَارِدِ

الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۱۴﴾ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُبِينٌ ﴿۱۱۵﴾ قَالُوا لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ يُلُوحْ لَنَكُونَنَّ مِنَ الْمَرْجُومِينَ ﴿۱۱۶﴾

﴿تجوید﴾ بیشک اس واقعہ میں (بھی طالبان حق کے لئے) ایک بڑی عبرت ہے اور باوجود اس کے ان (مشرکین مکہ)

میں اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے بیشک آپ کا رب بڑا زبردست رحمت والا ہے قوم نوح نے پیغمبروں کو جھٹلایا جبکہ ان

سے ان کی (برادری کے بھائی نوح (علیہ السلام) نے فرمایا کہ کیا تم (خدا سے) نہیں ڈرتے میں تمہارا امانت دار پیغمبر

ہوں سو اس کا متفقنا یہ ہے کہ) تم لوگ اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو اور (نیز) میں تم سے کوئی (دنیوی) صلہ نہیں مانگتا

میرا صلہ تو بس رب العالمین کے ذمہ ہے سو (میری اس بے غرضی کا متفقنا یہ ہے کہ) تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو وہ

لوگ کہنے لگے کہ کیا ہم تم کو مانیں گے حالانکہ رذیل لوگ تمہارے ساتھ ہو لئے ہیں نوح (علیہ السلام) نے فرمایا کہ

ان کے (پیشہ اور) کام سے مجھ کو کیا بحث ان سے حساب کتاب لینا بس خدا کا کام ہے کیا خوب ہو کہ تم اس کو سمجھو اور

میں ایمانداروں کو دور کرنے والا نہیں ہوں میں تو صاف طور پر ایک ڈرانے والا ہوں وہ لوگ کہنے لگے کہ اگر تم (اس

کہنے سننے سے) اے نوح باز نہ آؤ گے تو ضرور سنگسار کر دیئے جاؤ گے۔

﴿تفسیر﴾ ﴿۱۰۳﴾ "إِنَّ فِي ذَلِكَ لآيَةً وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ"

﴿۱۰۴﴾ "وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ" عزیز وہ جس پر کوئی غالب نہ آسکے۔ اللہ تعالیٰ عزیز ہیں اور ان کی وصف عزت

کے ساتھ رحیم والی بھی صفت ہے۔

﴿۱۰۵﴾ "كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ" حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا اے ابوسعید! یہ تو بتلائیے کہ

اللہ تبارک و تعالیٰ نے "كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ" ..... "كَذَّبَتْ عَادَ الْمُرْسَلِينَ" ..... "كَذَّبَتْ ثَمُودَ

الْمُرْسَلِينَ" فرمایا ہے حالانکہ ان میں سے ہر قوم نے صرف اپنے ہی ایک پیغمبر کی تکذیب کی کیونکہ ان کی ہدایت کے لیے ایک

ہی پیغمبر کو بھیجا گیا تھا۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہر دوسرا پیغمبر انہی (عقائد کا حامل) کی تعلیم لے کر آیا جس کے لیے پہلا

پیغمبر آیا اور جب انہوں نے ایک پیغمبر کی تکذیب کی تو حقیقت میں سب کی تکذیب کی۔

﴿۱۱۶﴾ "اِذْ قَالَ لَهُمْ اخُوهُمْ" جب ان سے ان کے نبی بھائی نے کہا نبی بھائی مراد نہیں۔ "نوح الا تتقون"

﴿۱۱۷﴾ "اننى لكم رسول امين" جو اللہ کی طرف سے میری طرف وحی آئی ہے میں اس میں امانت دار ہوں۔

﴿۱۱۸﴾ "فاتقوا الله" اس کی اطاعت اور اس کی عبادت کرتے رہو۔ "واطيعون" جس چیز کے بارے میں تمہیں حکم دیا گیا

ہے خواہ اس کا تعلق ایمان سے ہو یا توحید سے۔

﴿۱۱۹﴾ "وما اسئلكم عليه من اجر ان اجرى" اس کا ثواب "الا على رب العالمين"

﴿۱۲۰﴾ "فاتقوا الله" اس کی طاعت اور عبادت کے ساتھ۔ "واطيعون"

﴿۱۲۱﴾ "قالوا انؤمن لك واتبعك الارذلون" یعقوب نے "واتباعك الارذلون" پڑھا ہے۔ اس سے مراد نچلے طبقہ کے لوگ

ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس سے مراد سنا رہے عکرمہ کا قول ہے کہ اس سے مراد کپڑا بننے والے سوچی مراد ہیں۔

﴿۱۲۲﴾ "قال" حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا "وما علمى بما كانوا يعملون" وہ ان کے اعمال اور ان کے طریقوں کو

جاتا ہے۔ ان کے اس حقیر پیشہ اور ان کے احوال کوئی حیثیت نہیں رکھتے، میں نے تو انہیں صرف دعوت و تبلیغ کا مکلف بنایا ہے کہ

وہ لوگوں کو میری طرف بلائیں۔

﴿۱۲۳﴾ "ان حسابهيم" ان کا حساب ہمارے اوپر نہیں۔ "الا على ربى لو تشعرون" اگر تم ان کو جان لیتے تو ان کے اس

فعل پر عیب ہونے کا الزام نہ لگاتے۔ زجاج نے اس کا یہ مطلب بیان کیا کہ ان کا پیسے سے دین پر کوئی ضرر نہیں ہوتا۔ بعض نے

کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ میں نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت دے گا یا ان کو گمراہ کرے گا یا ان کو رسوا کرے گا۔

﴿۱۲۴﴾ (۱۱۶)..... "وما انا بطارد المؤمنين ان انا الانذير مبين"

﴿۱۲۵﴾ "قالوا لنن لم تنته يا نوح" جو کچھ تم کہہ رہے ہو اس سے باز نہ آئے۔ "لتكونن من المرجومين" مقاتل، کلبی کا بیان

ہے کہ اس کا معنی ہے جو چتھروں کی بارش سے قتل کیے گئے ہوں۔ ضحاک نے اس کا ترجمہ کیا ہے مشو میں یعنی ہم تمہیں گالیاں دیں گے۔

قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوْمِي كَذَّبُوْنِ ﴿۱۱۷﴾ فَاَفْضَحْ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ فَتَحَا وَنَجِنِي وَمَنْ مَعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۸﴾

فَاَنْجِنِيْهِ وَمَنْ مَعَهُ فِى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۱۱۹﴾ ثُمَّ اغْرَمْنَا بَعْدَ الْبَقِيَّةِ ﴿۱۲۰﴾ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَايَةً

ط وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۲﴾ كَذَّبَتْ عَادٌ

الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اٰخُوهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ اِنِّىْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اٰمِيْنٌ ﴿۱۲۵﴾ فَاَتَّقُوا اللّٰهَ

وَاطِيعُوْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَمَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيْ اِلَّا عَلَى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۷﴾ اَتَّبِعُوْنَ

بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَتَتَّخِذُوْنَ مَصٰنِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ﴿۱۲۹﴾



﴿تسبیح﴾ نوح (علیہ السلام) نے دعا کی کہ اے میرے پروردگار میری قوم مجھ کو (برابر) جھٹلا رہی ہے سو آپ میرے اور ان کے درمیان میں ایک (عملی) فیصلہ کر دیجئے اور مجھ کو اور جو ایماندار میرے ساتھ ہیں ان کو (اس ہلاکت سے) نجات دیجئے تو ہم نے (ان کی دعا قبول کی اور) ان کو اور جو ان کے ساتھ بھری ہوئی کشتی میں (سوار) تھے ان کو نجات دی پھر اس کے بعد ہم نے باقی لوگوں کو غرق کر دیا اس (واقعہ) میں بھی بڑی عبرت ہے اور (بادِ جوداس کے) ان (کفار مکہ) میں اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے اور بیشک آپ کا رب زبردست (اور) مہربان ہے قوم عادی نے پیغمبروں کو جھٹلایا جبکہ ان سے ان (کی برادری) کے بھائی ہود (علیہ السلام) نے کہا کہ کیا تم (خدا سے) ڈرتے نہیں ہو میں تمہارا امانتدار پیغمبر ہوں سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور میں تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی صلہ نہیں مانگتا بس میرا صلہ تو رب العالمین کے ذمہ ہے کیا تم ہر اونچے مقام پر ایک یا دو (کے طور پر عمارت) بناتے ہو جس کو محض فضول (بلا ضرورت) بناتے ہو اور بڑے بڑے محل بناتے ہو جیسے دنیا میں تم کو ہمیشہ رہنا ہے۔

﴿تفسیر﴾ 117 "قال رب ان قومى كذبون"

116 "فافتح" ہمارے درمیان فیصلہ کر دے۔ "بینی و بینہم فتحا"..... یعنی میرے اور ان کے درمیان فیصلہ کر دے۔ دونوں جگہ فتح سے مراد فیصلہ ہے۔ "ونجنى و من معى من المؤمنین" 118 "فانجیناه و من معہ فی الفلک المشحون" وہ کشتی لوگوں سے بھری ہوئی اور پرندوں اور حیوانوں کو بھی بچالیا جو ان میں موجود تھے۔

119 "ثم اغرقنا بعد الباقین" حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کے علاوہ جتنے باقی تھے ان سب کو ڈبو دیا اور ان کے اہل والوں کو بچالیا مگر وہ لوگ جو باقی رہ گئے۔ 120 "ان فی ذالک لایۃ و ما کان اکثرہم مؤمنین".....

121 "وان ربک لہو العزیز الرحیم"..... 122 "کذبت عاد المرسلین"

123 "اذ قال لہم اخوہم" جب انہوں نے نبی بھائی سے کہا کہ کوئی بھائی سے "ہود الا تقون"..... 124 "انی لکم رسول امین" اپنی رسالت کو امانت داری سے انجام دینے والے ہیں۔ کلبی کا بیان ہے کہ اس کا معنی ہے کہ میں رسالت کے دعوے سے پہلے بھی تم لوگوں میں امانت دار جانا جاتا تھا مجھے تم جھوٹا نہیں جانتے تھے، پھر اب تم کیوں دروغ گوئی کی تہمت لگا رہے ہو۔

125 "فاتقوا اللہ و اطیعون" 126 "وما اسئلكم علیہ من اجر ان اجری الا علی رب العالمین"

127 "ابنوں بكل ربیع" والہی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ اس کا معنی ہے اونچا مقام بلند جگہ۔ ضحاک اور مقاتل و کلبی نے اس کا ترجمہ کیا ہے ہر راستہ میں اور عوفی کی روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی یہی قول آیا ہے۔ مجاہد کا قول ہے کہ دو پہاڑوں کے درمیان کا راستہ۔ مجاہد کا دوسرا قول مروی ہے کہ ربیع کا معنی ہے منظر۔ "ایۃ" بمعنی علامت ہے۔

”ععبون“ یعنی فضول کام کرتے ہوئے آخرت میں ان کا کوئی فائدہ نہیں بلکہ دُنیا میں بھی بیکار ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا کہ قوم عاد والے کبوتر بازی کرتے تھے۔ انہوں نے کبوتروں کے لیے برج بنا رکھے تھے۔ حضرت ہود علیہ السلام نے ان کے اس فعل کو پسند نہیں کیا اور ان برجوں کے بنانے کو فوقر اردیا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ آیت میں ”ععبون“ آیا ہے۔ یعنی تم لوگ ان سے کھیلتے ہو اور وہ کبوتر بازی میں کھیلتے تھے۔ ابو عبیدہ کا قول ہے کہ ربح سے مراد بلند مقام ہے۔

139 ”وتتخلدون مصانع“ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس سے مراد بڑی بڑی عمارتیں ہیں۔ مجاہد کا قول ہے کہ اس سے مراد بڑے بڑے محلات ہیں۔ کلبی نے اس کا ترجمہ مضبوط قلعوں سے کیا ہے۔ قوادہ کا قول ہے کہ اس سے مراد بڑے بڑے حوض و تالاب ہیں۔ مصانع کی واحد مصنعہ ہے۔ ”لعلکم تتخلدون“ اس امید پر مضبوط مضبوط عمارتیں بناتے ہو کہ تم اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہو گے۔ گویا کہ تمہیں موت آنی ہی نہیں۔

وَإِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَارِينَ ﴿١٣٩﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَاطِيعُونَ ﴿١٤٠﴾ وَاتَّقُوا إِلِدِيَّ أَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُونَ ﴿١٤١﴾ أَمَدَّكُمْ بِأَنْعَامٍ وَبَيْنٍ ﴿١٤٢﴾ وَجَنَّتٍ وَغِيُونٍ ﴿١٤٣﴾ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿١٤٤﴾ قَالُوا سَوَاءٌ عَلَيْنَا أَوَعَضْتَ أَمْ لَمْ تَكُنْ مِنَ الْوَاعِظِينَ ﴿١٤٥﴾ إِنَّ هَذَا إِلَّا خُلُقُ الْأَوَّلِينَ ﴿١٤٦﴾ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِينَ ﴿١٤٧﴾ فَكَذَّبُوهُ فَأَهْلَكْنَاهُمْ ۗ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً ۗ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿١٤٨﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿١٤٩﴾ كَذَّبَتْ ثَمُودُ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٥٠﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ صَالِحٌ أَلا تَتَّقُونَ ﴿١٥١﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٥٢﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَاطِيعُونَ ﴿١٥٣﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۗ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٥٤﴾ اتَّبِعُوا فِي مَا هَلُنَا أَمِينِينَ ﴿١٥٥﴾ فِي جَنَّتٍ وَغِيُونٍ ﴿١٥٦﴾ وَزُرُوعٍ وَنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيمٌ ﴿١٥٧﴾

﴿١٣٩﴾ اور جب کسی پر دارو گیر کرنے لگتے ہو تو بالکل جاہل (اور ظالم) بن کر دارو گیر کرتے ہو سو تم (کو چاہئے کہ) اللہ سے ڈرو اور (چونکہ میں رسول ہوں اس لئے) میری اطاعت کرو اور اس (اللہ) سے ڈرو جس نے تمہاری ان چیزوں سے امداد کی جن کو تم جانتے ہو (یعنی) مواشی اور بیٹوں اور باغوں اور چشموں سے تمہاری امداد کی مجھ کو تمہارے حق میں (اگر تم ان حرکات سے باز نہ آئے) ایک بڑے سخت دن کے عذاب کا اندیشہ ہے وہ لوگ بولے کہ ہمارے نزدیک تو دونوں باتیں برابر ہیں خواہ تم نصیحت کرو اور خواہ ناصح نہ بنو یہ تو پس اگلے لوگوں کی ایک (معمولی) عادت (اور رسم) ہے اور (تم جو ہم کو عذاب سے ڈراتے ہو تو) ہم کو ہرگز عذاب نہ ہوگا غرض ان لوگوں نے ہود (علیہ السلام) کو جھٹلایا تو ہم نے ان کو (آندھی کے عذاب سے) ہلاک کر دیا بیشک اس (واقعہ) میں بھی بڑی عبرت

ہے اور (باوجود اس کے) ان میں اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے اور بیشک آپ کا رب زبردست اور مہربان ہے قوم ثمود نے (بھی) پیغمبروں کو جھٹلایا جبکہ ان سے ان کے بھائی صالح (علیہ السلام) نے فرمایا کہ کیا تم (اللہ سے) نہیں ڈرتے میں تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور میں تم سے اس پر کچھ صلہ نہیں چاہتا بس میرا صلہ تو رب العالمین کے ذمہ ہے کیا تم کو ان ہی چیزوں میں بے فکری سے رہنے دیا جاوے گا جو یہاں (دنیا میں) موجود ہیں یعنی باغوں میں اور چشموں میں اور کھیتوں میں اور ان کھجوروں میں جن کے گھسے خوب گوندھے ہوئے ہیں

**تفسیر** ﴿۱۳۸﴾ ”وَاِذَا بَطِشْتُمْ“ جب تم کسی کو پکڑنے کے لیے آتے ہو۔ ”بَطِشْتُمْ جَبَارِيْنٌ“ تلوار کے ساتھ قتل کر دیتے ہو اور کوڑوں کے ساتھ مارتے ہو۔ جباروہ ہے جو قتل کرے اور غصہ کے وقت مارے.... ﴿۱۳۹﴾ ”فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيعُوْنَ“

﴿۱۴۰﴾ ”وَاتَّقُوا الَّذِيْ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ“ اور وہ تمہیں اس پر بہتر عطا فرمائے گا جو تم نہیں جانتے پھر جو ان کو عطا کیا گیا اس کو بیان کیا ہے اور فرمایا۔ ﴿۱۴۱﴾ ”اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَبَنِيْنٍ ﴿۱۴۲﴾ وَجَنَاتٍ وَّعِيْوٰنٍ“ ان کے باغات اور نہریں۔

﴿۱۴۳﴾ ”اِنِّىْ اَخَافُ عَلَيْكُمْ“ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کا ترجمہ کیا ہے کہ اس کی نافرمانی کا عذاب نہ آجائے۔

”عذاب یوم عظیم“

﴿۱۴۴﴾ ”قَالُوْا سِوَاہٖ عَلَيْنَا“ تمہارے وعظ کی وجہ سے اپنے طریقے کو جس پر چل رہے ہیں ترک نہیں کریں گے۔ ”او عظت ام لم تکن من الواعظین“ وعظ اس کلام کو کہتے ہیں جو وعدہ وعید کے ذکر کی وجہ سے دلوں میں نرمی پیدا کر دے۔ کلبی نے اس کا ترجمہ کیا کہ ہمارے لیے دونوں برابر ہیں، ہم کو روکویا نہ روکو۔

﴿۱۴۵﴾ ”ان هذا“ یہ عادت پہلے لوگوں کی ہے۔ ”الا خلق الاولین“ ابن کثیر، ابو جعفر، ابو عمر اور کسائی یعقوب نے (خلق) خاء کے فتح کے ساتھ اور لام کے سکون کے ساتھ کہ یہ پہلے لوگوں کا طریقہ چلا آ رہا ہے کہ تم خود جھوٹ گھڑتے ہو۔ اس پر دلیل اللہ تبارک و تعالیٰ کا فرمان ”وَتَخْلُقُوْنَ اَفْکًا“ دوسرے قراء نے خاء کے ضمہ اور لام کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی تم سے پہلے لوگوں کی یہی عادت تھی۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ تو پہلے لوگوں کا طریقہ چلا آ رہا ہے، وہ پیدا ہوتے مرتے رہیں گے، ہم بھی پیدا ہوتے اور مرتے ہیں نہ وہ مر کر اٹھے نہ ان کا حساب ہوا، نہ ہم مر کر دوبارہ اٹھیں گے اور نہ ہی ہمارے اعمال کا حساب ہوگا۔

﴿۱۴۶﴾ ”وَمَا نَحْنُ بِمَعْبُدِيْنَ“.....

﴿۱۴۷﴾ ”لَكَدَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنَاھُمْ اِنْ لٰمِ ذٰلِكَ لَآیَةٌ وَّمَا كَانَ اَكْثَرُھُمْ مُّؤْمِنِيْنَ“.....

﴿۱۴۸﴾ ”وَ اِنْ رِبْكَ لَهٗوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ“

﴿۱۴۹﴾ ”كَذَبْتَ ثَمُوْدَ الْمُرْسَلِيْنَ“.....

﴿۱۵۰﴾ ”اِذْ قَالْ لَھُمْ اِخُوْھُمْ صٰلِحٌ اِلَّا تَتَّقُوْنَ“.....

43 "انّی لکم رسول امین"..... 44 "فاتقوا اللہ واطیعون".....

45 "وما استلکم علیہ من اجر ان اجری الا علی رب العالمین".....

46 "اتترکون فیما ہینا" یعنی اس دُنیا میں "آمنین" عذاب سے امن پانے والوں ہوں گے۔

47 "فی جنات وعیون"..... 48 "وزروع ونخل طلعمہا" اس سے مراد پھل ہیں۔

## لفظ ہضیم کی مختلف تفسیریں

"ہضیم" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کا ترجمہ لطیف کیا ہے۔ اس معنی کے لحاظ سے "ہضیم الکشح" آیا ہے یعنی لطیف الخمر۔ عکرمہ کا قول ہے کہ اس کا ترجمہ ہے نرم، حسن رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ لٹکا ہوا اس کا معنی ہے۔ حسن کا قول ہے کہ اس کا معنی ہے لٹکا ہوا۔ مجاہد کا قول ہے کہ خوشہ بکھور جب خشک ہو جاتا ہے تو اس کو ہضم کہتے ہیں اور جب تر و تازہ ہو جاتا ہے وہ ہضمیم ہے۔ ضحاک اور مقاتل نے کہا تہہ بہ تہہ قطار در قطار چڑھی ہوئی۔ بہت سارے اہل لغت کہتے ہیں کہ ہضمیم وہ گچھا ہے جو برآمد ہونے سے پہلے اندر ہی اندر باہم چسپاں ہوتا ہے۔ ازہری کا قول ہے کہ "الہضیم" بعض، بعض کے اندر گھسا ہوا اور بعض نے کہا کہ ہضمیم بمعنی ہاضم ہے، کھانے کو ہضم کرنے والا۔ ان تمام معانی کا مجموعہ لفظ لطافت کے اندر ہے۔

وَتَنْحِتُونَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا فَارِهِينَ ﴿٤٣﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا ﴿٤٤﴾ وَلَا تُطِيعُوا أَمْرَ الْمُسْرِفِينَ ﴿٤٥﴾ الَّذِينَ

يُقْسِلُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ ﴿٤٦﴾ قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِينَ ﴿٤٧﴾ مَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُنَا

فَأْتِ بِآيَةٍ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِينَ ﴿٤٨﴾ قَالَ هٰذِهِ نَاقَةٌ لَهَا شِرْبٌ وَ لَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ ﴿٤٩﴾

ترجمہ اور کیا (اسی غفلت کی وجہ سے) تم پہاڑوں کو تراش تراش کر اتراتے (اور نخر کرتے ہوئے) مکان بناتے ہو

سو اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو اور ان حدود (بندگی) سے نکل جانے والوں کا کہنا مت مانو جو سر زمین میں فساد کیا

کرتے ہیں اور (کبھی) اصلاح (کی بات) نہیں کرتے ان لوگوں نے کہا کہ تم پر تو کسی نے بڑا بھاری جادو کر دیا ہے

تم بس ہماری طرح کے ایک (معمولی) آدمی ہو (اور آدمی نبی ہوتا نہیں) سو کوئی معجزہ پیش کرو اگر تم (دعوئی نبوت

میں) سچے ہو صالح (علیہ السلام) نے فرمایا کہ یہ ایک اونٹنی ہے پانی پینے کے لئے ایک باری اس کی ہے اور ایک مقرر

دن میں ایک باری تمہاری (یعنی تمہارے مویشی کی)۔

تفسیر 49 "وتنحتون من الجبال بیوتاً فارہین" اور یہ فرھین بھی پڑھا گیا۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی ایک

ہے وہ پتھر تراشنے میں ماہر۔ جیسے کہا جاتا ہے "فرہ الرجل فرہاۃ وهو فارة" وہ سب سے ماہر ہے اور جنہوں نے

فرھین پڑھا ہے۔ وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کرتے ہیں کہ وہ تکبر کے ساتھ ساتھ بہت زیادہ ظلم کرنے والے بھی

تھے۔ عکرمہ نے اس کا ترجمہ خوش و آرام سے کیا ہے۔ مجاہد نے اس کا معنی شرہین کیا ہے۔ ابو عبیدہ کا قول ہے کہ اترانے والے، لیکن مراد یہ ہے کہ اس نعمت پر اترانے والے ہوں، مگن ہوں اور غرور کی وجہ سے قبول حق سے سرتابی کرنے والے ہوں۔ انخش نے اس کا ترجمہ کیا ہے خوش، عرب حاء کو حاء سے بدل دیتے ہیں جیسے مدحہ کی جگہ مدہتہ کہنے لگتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ فارہین سے مراد حریص۔ ﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ وَاطِيعُونَ﴾ ﴿۱۵﴾ ”ولا تطيعوا أمر المسرفين“ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر مشرکین سے کی ہے۔ مقاتل کا بیان ہے کہ وہ نو آدمی جنہوں نے اونٹنی کو قتل کیا تھا۔

﴿الذين يفسلون في الارض معاصي كساتھ۔ ”ولا يصلحون“ وہ اللہ کی اطاعت نہیں کرتے جس کا ان کو حکم دیا گیا ہے۔ ﴿قالوا انما انت من المسحرين“ مجاہد اور قتادہ کا بیان ہے کہ تم جاووزہ لوگوں میں سے ہو اور تم ایسی بہکی بہکی باتیں کرتے ہو۔ کلبی نے بروایت ابوصالح سے بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کا ترجمہ کیا ہے مخلوق میں سے طعام اور شراب دے کر ان کو بہلاتے ہیں۔ جیسا کہ عرب کہتے ہیں سحرۃ اس کو کھانا پینا دے کر بہلا دیا۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ تم کھانا کھاتے ہو، پانی پیتے ہو، فرشتے نہیں ہو۔

﴿بلکہ ”ما انت الا بشر مثلنا فانت باآية“ جو کچھ تم کہتے ہو اس کے مطابق کوئی دلیل لے آؤ۔ ”ان كنت من الصادقين“ کہ آپ کو ہماری طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔

﴿قال هذه ناقة لها شرب“ یہ اس کا حصہ ہے پانی میں سے۔ ”ولکم شرب يوم معلوم“

وَلَا تَمْسُوهَا بِسُوءٍ فَيَأْخُذْكُمْ عَذَابٌ يَوْمَ عَظِيمٍ ﴿۱۶﴾ فَمَقَرُّوْهَا فَاَصْبَحُوا نَلِيْمِيْنَ ﴿۱۷﴾ فَاَخْلَحْتُمْ  
 الْعَذَابَ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَايَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۸﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۹﴾  
 كَذٰبَتْ قَوْمٌ لُّوْطَ ۙ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۰﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اٰخُوهُمْ لُوْطُ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۲۱﴾ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ  
 اٰمِيْنٌ ﴿۲۲﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَاطِيعُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَمَا اَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيْ اِلَّا عَلٰى رَبِّ  
 الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۴﴾ اَتَاتُوْنَ الدُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۵﴾ وَتَلْدُرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ ؕ بَلْ  
 اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ﴿۲۶﴾ قَالُوْا لِيْنِ لَمْ تَنْتَه يَلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُنْخَرَجِيْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ اِنِّيْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ  
 الْقٰلِيْنَ ﴿۲۸﴾ رَبِّ نَجِّنِيْ وَاهْلِيْ مِمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَجَجِنَهُ وَاهْلَهُ اَجْمَعِيْنَ ﴿۳۰﴾ اِلَّا عَجُوْرًا فِي  
 الْغُبْرِيْنَ ﴿۳۱﴾ ثُمَّ دَمَرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۳۲﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطْرًا ۙ فَسَاءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۳۳﴾

﴿اور ایک یہ ہے کہ اس کو برائی اور تکلیف دہی کے ساتھ ہاتھ بھی مت لگانا کبھی تم کو ایک بھاری دن کا عذاب

آپکے سوانہوں نے اس اونٹنی کو مار ڈالا (پھر جب آثار عذاب کے نمودار ہوئے تو اپنی حرکت پر) پشیمان ہوئے پھر (آخر) عذاب نے ان کو آیا بیشک اس (واقعہ) میں بڑی عبرت ہے اور (باوجود اسکے) ان (کفار مکہ) میں اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے اور بیشک آپ کا رب بڑا زبردست اور بہت مہربان ہے (کہ باوجود قدرت کے مہلت دیتا ہے) قوم لوط نے (بھی) پیغمبروں کو جھٹلایا جبکہ ان سے ان کے بھائی لوط نے کہا کہ کیا تم (اللہ سے) ڈرتے نہیں ہو میں تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور میں تم سے اس پر کوئی صلہ نہیں چاہتا بس میرا صلہ تو رب العالمین کے ذمہ ہے کیا تم دنیا جہان والوں میں سے تم یہ (حکرت کرتے ہو کہ) مردوں سے بد فعلی کرتے ہو اور تمہارے رب نے جو تمہارے لئے یہاں پیدا کی ہیں ان کو نظر انداز کئے رہتے ہو بلکہ (اصل بات یہ ہے کہ) تم حد (انسانیت) سے گزر جانے والے لوگ ہو وہ لوگ کہنے لگے کہ اے لوط اگر تم (ہمارے کہنے سننے سے) باز نہیں آؤ گے تو ضرور (بستی سے) نکال دیئے جاؤ گے لوط نے فرمایا کہ میں تمہارے اس کام سے سخت نفرت رکھتا ہوں لوط نے دعا کی کہ اے میرے رب مجھ کو اور میرے خاص متعلقین کو ان کے اس کام (کے وبال سے) نجات دے سو ہم نے ان کو اور ان کے متعلقین کو سب کو نجات دی بجز ایک بڑھیا کے کہ وہ (عذاب کے اندر) رہ جانے والوں میں رہ گئی پھر ہم نے اور سب کو ہلاک کر دیا اور ہم نے ان پر ایک خاص قسم کا (یعنی پتھروں کا) بینہ برسایا سو کیا برا بینہ تھا جو ان لوگوں پر برساجن کو (عذاب الہی سے) ڈرایا گیا تھا۔

**تفسیر** ﴿۱۵۸﴾ ”وَلَا تَمْسُوْهَا بِسَوْءٍ“ اس کو برائی کے ساتھ ہاتھ نہ لگانا اس کی پونجیں نہ کاٹنا۔ ”فِيَاخُذْكُمْ عَذَابٌ يُّوْمٍ عَظِيْمٍ“

﴿۱۵۷﴾ ”فَعَقَرُوْهَا فَاصْبَحُوْا نَادِمِيْنَ“ جب اس کی ٹانگیں کاٹ دیں اور پھر اللہ کا عذاب نظر آ گیا۔

﴿۱۵۶﴾ ”فَاخُذْهُمْ الْعَذَابُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَايَةً وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ“

﴿۱۵۵﴾ ”وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهٗوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ“ ..... ﴿۱۵۴﴾ ”كَذٰبَتْ قَوْمٌ لُّوْطَ الْمُرْسَلِيْنَ“ .....

﴿۱۵۳﴾ ”اِذْ قَالَ لَهُمْ اٰخُوهُمْ لُوْطُ الْاِتِّقُوْنَ“ .....

﴿۱۵۲﴾ ”اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اٰمِيْنٌ“ ﴿۱۵۱﴾ ”فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيعُوْنَ“

﴿۱۵۰﴾ ”وَمَا اسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجَرْتُمْ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ“

﴿۱۴۹﴾ ”اَتَاتُوْنَ الذِّكْرَانَ“ مقاتل کا بیان ہے کہ اس سے مراد جماع الرجال ہے۔ ”مِنَ الْعٰلَمِيْنَ“ بنی آدم میں سے۔

﴿۱۴۸﴾ ”وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رِبْكُمْ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ“ مجاہد کا قول ہے کہ تم عورتوں کے پاس آنے کو چھوڑ کر مردوں

کے پاس جاتے ہو۔ ”بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ“ وہ سرکشی میں آخری حد تک پڑے ہوئے تھے، حلال اور حرام میں۔

﴿۱۴۷﴾ ”فَعَمِيْرٌ لَّيْسَ لَهٗ تَنْتَهٰی لُوْطٌ لِّتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَخْرُوْجِيْنَ“ ہماری بستی سے نکل جاؤ۔

﴿۱۴۶﴾ ”فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ يَوْمَ تَوَلَّوْا“ بغض رکھنے والا پھر ان کو پکارا اور کہا:



﴿۱۸﴾ ”رَبِّ نَجْنِي وَأَهْلِي مِمَّا يَعْمَلُونَ“ بُرے عمل کے ذریعے سے۔

﴿۱۹﴾ ”لَنَجِيَنَّهُ وَأَهْلَهُ أَجْمَعِينَ“.....

﴿۲۰﴾ ”اَلَا عَجُوْرًا لِّى الْغَابِرِيْنَ“ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی ہلاک ہونے والوں میں سے ہوگئی۔

﴿۲۱﴾ ”لَمْ دَمَرْنَا الْاٰخِرِيْنَ“ پھر ہم نے ان کو ہلاک کر دیا۔

﴿۲۲﴾ ”وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطْرًا فِسَاءً مَطَرِ الْمُنْذَرِيْنَ“ وہب بن منہہ کا قول ہے کہ اس سے مراد بڑے بڑے پتھروں کی

بارش اور آگ کی بارش ہے۔

إِنَّ لِي فِي ذَلِكَ لآيَةً ۚ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۸﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿۱۹﴾ كَذَّبَ

أَصْحَابُ لَيْكَةِ الْمُرْسَلِينَ ﴿۲۰﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿۲۱﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿۲۲﴾

فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا ﴿۲۳﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۚ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۲۴﴾

أَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُخْسِرِينَ ﴿۲۵﴾ وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ ﴿۲۶﴾ وَلَا تَبْخَسُوا

النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْرَاضُوا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿۲۷﴾ وَأَتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالْجِبَلَةَ الْأُولَىٰ ﴿۲۸﴾

قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مِنَ الْمُسْحَرِينَ ﴿۲۹﴾ وَمَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَإِنْ نَطْنُكَ لَمِنَ الْكَذِبِينَ ﴿۳۰﴾

فَأَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسْفًا مِّنَ السَّمَاءِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿۳۱﴾ قَالَ رَبِّي أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۳۲﴾

﴿تفصیلاً﴾ بیشک اس (واقعہ) میں (بھی) عبرت ہے اور (باوجود اس کے) ان (کفار مکہ) میں اکثر لوگ ایمان نہیں

لاتے اور بیشک آپ کا رب بڑی قدرت والا بڑی رحمت والا ہے اصحاب الایکہ نے (بھی) پیغمبروں کو جھٹلایا جب کہ

ان سے شعیب (علیہ السلام) نے فرمایا کہ کیا تم (اللہ سے) ڈرتے نہیں ہو میں تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں سو تم اللہ سے

ڈرو اور میرا کہنا مانو اور میں تم سے اس پر کوئی صلہ نہیں چاہتا بس میرا صلہ تو رب العالمین کے ذمہ ہے تم لوگ پورا ناپا کرو

اور (صاحب حق کا) نقصان مت کیا کرو اور (اسی طرح تو لےنے کی چیزوں میں) سیدھی ترازو سے تولو کرو اور لوگوں کا

ان کی چیزوں میں نقصان مت کیا کرو اور سر زمین میں فساد مت مچایا کرو اور اس (خدائے قادر) سے ڈرو جس نے تم کو

اور تمام اگلی مخلوقات کو پیدا کیا وہ لوگ کہنے لگے کہ بس تم پر تو کسی نے بڑا بھاری جادو کر دیا ہے اور تم تو محض ہماری طرح

(کے) ایک (معمولی) آدمی ہو اور ہم تو تم کو جھوٹے لوگوں میں سے خیال کرتے ہیں سو اگر تم جہوں میں سے ہو تو ہم پر

آسمان کا کوئی ٹکڑا اگر اوشعیب (علیہ السلام) بولے کہ تمہارے اعمال کو میرا رب (ہی) خوب جانتا ہے۔

﴿تفسیر﴾ ﴿۱۸﴾ ”إِنَّ لِي فِي ذَلِكَ لآيَةً وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ“.....

﴿۱۶۵﴾ "وَإِنَّ رَبَّكَ لَهوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ"

﴿۱۶۶﴾ "كَذَّبَ اصْحَابُ الْاِيكَةِ الْمُرْسَلِينَ" اس سے مراد قوم حضرت شعیب علیہ السلام ہے۔ قراء عراقین نے پڑھا ہے کہ یہ "الایکۃ" ہے اور سورہ ص میں ہمزہ اور سکون لام ہے اور تاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے "لیکۃ" پڑھا ہے لام کے فتح اور تاء بغیر ہمزہ کے ہے۔ اس کو شہر کا نام بتلایا ہے اور یہ منصرف نہیں ہے اور سورۃ الحجر اور سورۃ ق میں اس کے متعلق کوئی اختلاف نہیں، وہاں دونوں جگہوں پر ہمزہ اور کسرہ کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ "وَالْاِيكَةِ" درختوں کا جھنڈ، گھنے درخت مراد ہیں۔

﴿۱۶۷﴾ "اذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ يٰۤهٰٓؤُلَآءِ لَا تُعْبُدُوْا۟ اِلٰهًا اِلاَّ اِنَّاۤ اِنۡشَاۤءُ مَا نَشَآءُ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ" اذ قال لهم شعيب "یہاں پر بھائی کہہ کر خطاب نہیں کیا گیا چونکہ وہ اصحاب ایکہ کے نسب میں سے نہیں تھے اور جب مدین کا ذکر کیا تو اس وقت ارشاد فرمایا "اِخَاهُمْ شُعَيْبًا" کیونکہ یہ ان کے نسبی بھائی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مدین کو ان کی قوم کی طرف نبی بنا کر بھیجا تھا اور شعیب علیہ السلام کو اصحاب ایکہ کی طرف بھیجا۔ "الانتقون"

﴿۱۶۸﴾ "اِنۡیۡ لَکُمۡ رَسُوْلٌ مِّنۡ اَمۡیۡنٍ" ﴿۱۶۹﴾ "فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيعُوْنَ"

﴿۱۷۰﴾ "وَمَا اسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ مِنْۢ اَجْرٍ اِنۡ اَجْرِیۡ اِلَّا عَلَیۡ رَبِّ الْعَالَمِیۡنَ" حضرات انبیاء کرام کی دعوت کے متعلق جو بیان کیا گیا ان سب کو صیغہ واحد کے ساتھ ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ سب انبیاء تقویٰ کی تعلیم دینے پر متفق تھے اور اسی طرح طاعات عبادت میں اخلاص اور دعوت و تبلیغ اور رسالت کی انجام دہی پر اجرت لینے کی ممانعت تھی۔

﴿۱۷۱﴾ "اُولٰٓئِکَ لَکُمۡ اٰیٰتٍ لِّاِنْ کُنۡتُمْ رٰسِخِیۡنَ فِیۡ مَا کُنۡتُمْ بِیۡۤاٰمِنِیۡنَ" لوگوں کے حقوق ادا کرنے میں کمی نہ کرو، ناپ تول میں کمی بیشی نہ کرو۔

﴿۱۷۲﴾ "وَزِنُوْا بِالْقِسْطِ اِلَیۡمَ الْمُسْتَقِیۡمِ".....

﴿۱۷۳﴾ "وَلَا تَبْخَسُوْا النَّاسَ اَشۡیَآءَ هُمۡ لَا یَعۡلَمُوْنَ" وَلَا تَعۡتَوۡا فِی الْاَرْضِ مَفۡسِدِیۡنَ"

﴿۱۷۴﴾ "وَاقۡتَوُوا الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ وَالۡجَبَلَةَ" خلقت کو کہتے ہیں۔ "الاولین ۳" سے مراد گزشتہ آیتیں۔ "جبلۃ" خلقت کو کہتے ہیں۔

﴿۱۷۵﴾ "قَالُوۡا اِنۡمَآ اِنۡتَ مِنَ الْمَسۡحُوۡرِیۡنَ"

﴿۱۷۶﴾ "وَمَا اِنۡتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُنَا وَاِنۡ نَّظُنُّکَ لَمِنَ الْکٰذِبِیۡنَ".....

﴿۱۷۷﴾ "فَاسۡقَطۡ عَلَیۡنَا کِسۡفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنۡ کُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِیۡنَ".....

﴿۱۷۸﴾ "قَالَ رَبِّیۡ اَعۡلَمۡ بِمَا تَعۡمَلُوْنَ" تم جو ناپ تول میں کمی کرتے ہو اس کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور ان کے اعمال کا بدلہ

دیں گے اور میں تمہیں عذاب نہیں دے سکتا۔ میری ذمہ داری تو صرف دعوت دینا ہے۔

فَكَذَّبُوۡهُ فَاَخَذَهُمۡ عَذَابٌ یُّوۡمَ الظُّلُمٰتِ ۗ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ یُّوۡمٍ عَظِیۡمٍ ﴿۱۷۹﴾ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰةً ۙ

وَمَا کَانَ اَکۡثَرُهُمۡ مُّؤْمِنِیۡنَ ﴿۱۸۰﴾ وَاِنَّ رَبَّکَ لَهُوَ الْعَزِیۡزُ الرَّحِیۡمُ ﴿۱۸۱﴾ وَاِنَّهٗ لَسَنۡزِیۡلٌ رَّبِّ الْعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۸۲﴾

نَزَلَ بِهٖ الرُّوۡحُ الْاَمِیۡنُ ﴿۱۸۳﴾ عَلٰی قَلۡبِکَ لِتُنۡکُوۡنَ مِنَ الْمُنۡذِرِیۡنَ ﴿۱۸۴﴾ بِلِسٰنِ عَرَبِیِّ مُبِیۡنٍ ﴿۱۸۵﴾ وَاِنَّهٗ

لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ ﴿۱۹۰﴾ أَوْلَمْ يَكُنْ لَهُمْ آيَةٌ أَنْ يَعْلَمَهُ عُلَمَاءُ بَنِي إِسْرَائِيلَ ﴿۱۹۱﴾

﴿تجسس﴾ سو وہ لوگ (برابر) ان کو جھٹلایا کئے پھر ان کو سائبان کے واقعہ نے آ پکڑا بیشک وہ بڑے سخت دن کا عذاب تھا (اور) اس (واقعہ) میں (بھی) بڑی عبرت ہے اور (باوجود اس کے) ان (کفار مکہ) میں اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے اور بیشک آپ کا رب بڑی قدرت والا بڑی رحمت والا ہے اور یہ قرآن رب العالمین کا بھیجا ہوا ہے تاکہ آپ (بھی) منجملہ ڈرانے والوں کے ہوں اور اس (قرآن) کا ذکر یہی امتوں کی (آسمانی) کتابوں میں (بھی) ہے کیا ان لوگوں کے لئے یہ بات دلیل نہیں ہے کہ اس (پیشین گوئی) کو علماء بنی اسرائیل جانتے ہیں۔

﴿تفسیر﴾ ﴿۱۹۰﴾ "لکلذبوہ فاحذہم عذاب یوم الظلۃ" چونکہ ان کو شدید گرمی نے تنگ کر دیا تھا وہ تنگ آ کر تہہ خانوں میں داخل ہو گئے تھے۔ جب وہ تہہ خانوں میں جاتے تو ان کو اس سے بھی گرمی محسوس ہوتی۔ پھر وہ باہر نکلے ان پر ایک بادل نے چھاؤں کر دی، وہ ساری قوم اس سائبان کے نیچے آ گئی، پھر ان پر آگ کی بارش برسی جس سے وہ سب جل گئے اس کو ہم نے سورۃ ہود میں نقل کیا ہے۔ "انہ کان عذاب یوم عظیم"

﴿۱۹۱﴾ "ان فی ذلک لایۃ وما کان اکثرہم مؤمنین"

﴿۱۹۱﴾ "وان ربک لہو العزیز الرحیم" ..... ﴿۱۹۲﴾ "وانہ" اس سے مراد قرآن۔ "لتنزیل رب العالمین".....

﴿۱۹۲﴾ "نزل بہ روح الامین" اہل حجاز ابو عمر و حفص نے (نزل) تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ جاء اور نون کے ضمہ کے ساتھ۔ یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام قرآن لے کر نازل ہوئے۔ دوسرے قراء نے اس کو تشدید کے ساتھ پڑھا ہے جاء اور نون کے فتح کے ساتھ۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے نازل ہوئے۔ "وانہ لتنزیل رب العالمین"

﴿۱۹۳﴾ "علی قلبک" اے محمد! آپ کے دل میں ہم نے اس کو رکھا "لتکون من المنذرین" تاکہ آپ اس قرآن کے ذریعے سے لوگوں کو ڈرائیں۔

﴿۱۹۴﴾ "بلسان عربی مبین" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس سے قریش کی زبان مراد ہے تاکہ قریش کو یہ عذر نہ ہو کہ ہم وحی کی زبان کو نہیں سمجھتے۔

﴿۱۹۵﴾ "وانہ" قرآن کے نزول کا ذکر، اکثر اہل تفسیر نے اس آیت کا مطلب بیان کیا ہے کہ نزول قرآن کا ذکر کتب سابقہ میں کر دیا گیا ہے۔ مقال کا بیان ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر گزشتہ کتابوں میں کر دیا گیا۔ "لفی زبور" اس سے مراد کتاب "الاولین"

﴿۱۹۶﴾ "اولم یکن لہم آیۃ" ابن عامر نے نکلن پڑھا ہے تاء کے ساتھ اور رفع کے ساتھ۔ "ان یعلمہ" دوسرے قراء نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے "آیۃ" منصوب ہوگا۔ اس صورت میں "آیۃ" خبر ہے۔ قرآن کا اللہ کی طرف سے نازل ہونا علماء بنی اسرائیل کے علم میں ہے۔ وہ اس سے واقف ہیں۔ بنی اسرائیل کے علماء کو اس بات کا علم تھا کہ آخر زمانہ میں ایک نبی نازل ہوں گے اور ان پر کتاب نازل ہوگی۔ دوسرا یہ کہ ان کی کتابوں میں نبی آخر الزمان اور قرآن کے متعلق ذکر تھا۔

بنی اسرائیل کے علماء میں سے یہ بھی تھے۔ عبد اللہ بن سلام، جو یہودیوں کے بڑے تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اہل مکہ کے یہودیوں نے مدینہ کی طرف کچھ لوگوں کو بھیجا تا کہ وہ معلوم کریں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں۔ تو وہ کہنے لگے کہ ہم نے ان کی صفات توریت میں پائی۔ یہ ان کی سچائی پر ولالت کرتی ہے۔ ”أَنْ يَعْلَمَهُ“ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جانتے ہیں۔ ”علماء بنی اسرائیل“ معنیہ کا قول ہے کہ پانچ علماء ہیں۔ عبد اللہ بن سلام، ابن یامین، ثعلبہ، اسد، اسید۔

وَلَوْ نَزَّلْنَاهُ عَلَىٰ بَعْضِ الْأَعْجَمِينَ ۝۱۹۰ فَقَرَأَهُ عَلَيْهِمْ مَا كَانُوا بِهِ مُؤْمِنِينَ ۝۱۹۱ كَذَلِكَ سَلَكْنَاهُ فِي قُلُوبِ الْمُجْرِمِينَ ۝۲۰۰ لَا يُؤْمِنُونَ بِهِ حَتَّىٰ يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ۝۲۰۱ فَيَأْتِيهِمْ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝۲۰۲ لَيَقُولُوا هَلْ نَحْنُ مُنظَرُونَ ۝۲۰۳ أَفَعَذَابُنَا يَسْتَعْجِلُونَ ۝۲۰۴ أَفَرَأَيْتَ إِنْ مَتَّعْنَاهُمْ سِنِينَ ۝۲۰۵ ثُمَّ جَاءَهُمْ مَا كَانُوا يُوعَدُونَ ۝۲۰۶ مَا أَغْنَىٰ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَمْتَعُونَ ۝۲۰۷ وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرِيْبَةٍ إِلَّا لَهَا مُنْذِرُونَ ۝۲۰۸ ذِكْرًا ۝۲۰۹ وَمَا كُنَّا ظَالِمِينَ ۝۲۱۰ وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيْطَانُ ۝۲۱۱

اور اگر (بافتراض) ہم اس (قرآن) کو کسی عجمی (غیر عربی) پر نازل کر دیتے پھر وہ (عجمی) ان کے سامنے پڑھ بھی دیتا یہ لوگ (بوجہ غایت عناد کے) تب بھی اس کو نہ مانتے ہم نے اسی طرح (شدت و اصرار کے ساتھ) اس ایمان نہ لانے کو ان نافرمانوں کے دلوں میں ڈال رکھا ہے یہ لوگ اس (قرآن) پر ایمان نہ لاویں گے جب تک کہ سخت عذاب کو (مرنے کے وقت برزخ میں یا آخرت میں) نہ دیکھ لیں گے جو اچانک ان کے سامنے آکھڑا ہوگا اور ان کو (پہلے سے) خبر بھی نہ ہوگی پھر (اس وقت جان کے بچانے کو) کہیں گے کہ کیا (کسی طور پر) ہم کو (کچھ) مہلت مل سکتی ہے کیا (ہماری) وعیدوں کو سن کر) یہ لوگ ہمارے عذاب کی تعیل چاہتے ہیں اے مخاطب ذرا بتلاؤ تو اگر ہم ان کو چند سال تک عیش میں رہنے دیں پھر جس (عذاب) کا ان سے وعدہ ہے وہ ان کے سر پر آ پڑے تو ان کا وہ عیش کس کام آ سکتا ہے اور جتنی بستیاں (منکرین کی) ہم نے (عذاب سے) غارت کی ہیں سب میں نصیحت کے واسطے ڈرانے والے (پیغمبر) آئے (جب نہ مانا تو عذاب نازل ہوا) اور ہم (صورۃ بھی) ظالم نہیں ہیں اور اس (قرآن) کو شیاطین لے کر نہیں آئے۔

تفسیر ۱۹۰ ”ولو نزلناه“ اس سے مراد قرآن مجید ہے۔ ”علی بعض الاعجمین“ معنی ہے عجمی کی، وہ شخص مراد ہے جو فصیح نہ ہو اور عربی زبان پر واقفیت نہ ہو۔ اگرچہ وہ نسبی عربی ہو۔ ”والعجمی“ عجم کی طرف منسوب ہے۔ اگرچہ وہ فصیح ہو۔ آیت کا معنی یہ ہوگا کہ اگر ہم ایسے شخص پر اس کو نازل کرتے جو عربی زبان پر عبور نہیں رکھتا۔

۱۹۱ ”فقرأه عليهم“ بغیر عربی لغت کے۔ ”ما كانوا به مؤمنين“ اور وہ یہ کہتے کہ ہم اس کا کلام نہیں سمجھتے۔ اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ہے۔ ”ولو جعلناه قرآناً أعجمياً لقالوا لولا فصلت آياته، بعض نے اس کا یہ معنی بیان کیا کہ اگر ہم اس کو ایسے شخص پر نازل کرتے جو عرب میں سے نہ ہو تو یہ ہرگز اس پر ایمان نہ لاتے۔

200 "كذلك سلكناه" ابن عباس، حسن، مجاہد کا قول ہے کہ شرک اور تکذیب کو ہم نے ان کے دلوں میں داخل کر دیا۔ "فی قلوب المجرمین"

201 "لا يؤمنون به" اس قرآن پر۔ "حتیٰ یروا العذاب الالیم" موت کے وقت جب وہ عذاب کو نہ دیکھ لیں۔

202 "فیاتیهم" آئے گا ان پر عذاب۔ "بغته" اچانک۔ "وہم لایشعرون" دنیا میں وہ نہیں جانیں گے۔

203 "فیقولوا هل نحن منظرون" تو ہم ان پر ایمان لے آتے اور ان کی تصدیق کرتے تو وہ واپس لوٹنے کی تمنا کرتے۔ مقاتل نے بیان کیا کہ جب اللہ نے اپنے رسول کی زبانی کافروں کو عذاب سے ڈرایا تو کہنے لگے کب تک عذاب سے ڈراتے رہو گے، آخر عذاب کب آئے گا؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

204 "افبعذابنا یستعجلون"

205 "أفرایت ان متعناهم سنین" ان کو ہم ہلاک نہ کریں بلکہ باقی رکھیں۔

206 "لم جاءهم ما كانوا یوعدون" اس سے مراد عذاب ہے۔

207 "ما اغنیٰ عنهم ما كانوا یمتعون" اس مدت میں اس کا معنی یہ ہے کہ اگر ہم ان کو باقی رکھ کر دنیاوی نعمتوں سے نواز دیں لیکن پھر بھی جب ان پر عذاب آتا تو وہ طویل نعمتیں ان کو اس عذاب سے مستغنیٰ نہیں کر سکتیں، وہ ایسے ہو جائیں گے جیسے ان پر کوئی نعمت آئی ہی نہ ہو۔

208 "وما اهلکنا من قریة الا لہا منلدرون" ایسا رسول جو ان کو ڈرائے۔

209 "ذکرى" محل نصب میں واقع ہے۔ یعنی ان کو نصیحت کے ساتھ ڈرائیں۔ بعض نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم پیغمبروں کو مجسم نصیحت بنا دیتے ہیں۔ "وما کنا ظالمین" ان کو عذاب دینے کی صورت میں کیونکہ عذاب سے پہلے ہم نے ان پر رحمت تام کر دی اور وہ ہماری طرف عذر خواہی نہیں کر سکیں گے۔

210 "وما تنزلت به الشیاطین" مشرکین یہ کہتے تھے کہ شیطان آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن القاء کرتا تھا۔ اس کی

تردید میں اللہ نے فرمایا: "وما تنزلت" ہم نے قرآن کو شیطان کے ذریعے نازل نہیں کیا اور نہ ہی اس کا القاء کر رہے ہیں۔

وَمَا يَنْبَغِي لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيعُونَ 211 اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعَزُوْلُوْنَ 212 فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا

اٰخَرَ فَتَكُوْنُ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ 213 وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ 214

213 اور یہ ان (کی حالت) کے مناسب ہی نہیں اور وہ اس پر قادر بھی نہیں کیونکہ وہ شیطان (وحی آسانی) سننے

سے روک دیئے گئے ہیں سو (اے پیغمبر) تم خدا کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت مت کرنا کبھی تم کو سزا ہونے لگے اور

(اس مضمون سے) آپ (سب سے پہلے) اپنے نزدیک کے کنبہ کو ڈرائیے

تفسیر 211 "وما ینبغی لہم" کہ وہ قرآن کو نازل کریں۔ "وما یستطیعون" اور نہ وہ اس کی طاقت رکھتے ہیں۔  
212 "انہم عن السمع" آسمان سے اچکنے سے "لمعز ولون" ہم نے ان کو محبوب کر دیا، شہاب ثاقب کی وجہ

سے کہ وہ ان کو مارتے ہیں۔

213 "فلا تدع مع اللہ الآخر فتکون من المعذبین" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس سے دوسروں کو ڈرانا مقصود ہے۔ گویا یوں فرمایا کہ آپ تمام مخلوق میں میرے نزدیک زیادہ معزز ہیں لیکن اگر آپ بھی میرے سوا دوسرے کو معبود بنائیں گے تو آپ کو بھی عذاب دوں گا۔

214 "وَإِنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ" اور (سب سے پہلے) آپ اپنے قریب ترین کنبہ والوں کو ڈرائیے۔

## وَإِنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ کی تفسیر

یعنی سب سے پہلے اس کو جو آپ کا زیادہ قرابت دار ہو، پھر اس سے کم قرابت رکھنے والے کو پھر اس سے کم قرابت دار کو کیونکہ جس کی قرابت زیادہ ہے وہ پہلے ہدایت کا مستحق ہے۔ مزید یہ کہ اس طریقہ ہدایت سے دوسروں کو بدگمانی کا بھی موقع نہیں مل سکتا کیونکہ عام طور پر لوگ اپنے قریب ترین عزیزوں سے چشم پوشی کیا کرتے تھے (اور جب آپ قریب ترین عزیزوں کو بھی اللہ کے عذاب سے ڈرائیں گے تو کسی کو یہ گمان کرنے کا موقع ہی نہیں ملے گا کہ آپ اپنے عزیزوں کی طرف سے چشم پوشی کر رہے ہیں) یا اس لیے عزیز ترین قرابت داروں کو ڈرانے کا حکم دیا گیا کہ دوسرے لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اللہ کے عذاب کو دفع کرنے والا کوئی نہیں۔ (پیغمبر بھی اپنے قرابت داروں کو عذاب سے بچانہ سکیں گے) نجات کا راستہ یہی ہے کہ ان کی بات ماننی جائے اور ان کی ہدایت پر عمل کیا جائے۔

محمد بن اسحاق نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے بیان کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اتری تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے طلب کیا اور فرمایا، علی! اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اپنے قریب ترین عزیزوں کو اللہ کے عذاب سے ڈراؤں۔ میں یہ حکم سن کر سوچ میں پڑ گیا کہ کیا کروں، مجھے معلوم تھا کہ اگر میں ان لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈراؤں گا اور اس کام کے لیے پکاروں گا تو ان کی طرف سے میرے سامنے ایسا عمل آئے گا جو مجھے ناگوار ہوگا۔ یہ سوچ کر میں خاموش ہو رہا لیکن اب جبرئیل علیہ السلام نے مجھ سے آ کر کہا کہ محمد اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو اللہ تم کو عذاب دے گا۔ لہذا علی تم جا کر ایک صاع (آٹے) کی روٹی بنواؤ اور بکری کی ایک ٹانگ (پکا کر بطور سالن کے) اس کے ساتھ رکھ دو اور ایک بڑے پیالے میں دودھ بھر کر لے آؤ، پھر اولاد عبدالمطلب کو اکٹھا کرو تا کہ جس بات کا مجھے حکم دیا گیا ہے میں وہ بات ان کو پہنچا دوں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا، میں نے حکم کی تعمیل کی، پھر سب کی دعوت کر دی وہ لوگ آئے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تائے (پچھے) ابوطالب، حمزہ، عباس اور ابولہب بھی تھے، سب کم و بیش چالیس آدمی تھے، جب سب جمع ہو گئے تو آپ نے وہ کھانا منگوایا جو انہوں نے تیار کیا تھا، میں نے لا کر رکھ دیا، آپ نے اس میں سے ایک ٹکڑا گوشت کالے کر اپنے دانتوں



اسے اس کو کانا، پھر اس کو پیالہ میں رکھ دیا۔ پھر فرمایا بسم اللہ کھائیے، سب نے کھایا یہاں تک کہ سب سیر ہو گئے، خدا کی قسم جتنا کھانا میں نے سب کے لیے رکھا تھا اتنا تو ان میں سے ایک آدمی کھا لیتا (مگر کھانے میں اتنی برکت ہوئی کہ سب کے پیٹ بھر گئے اور کسی کو مزید ضرورت نہیں رہی)۔ پھر فرمایا ان کو (دودھ) پلاؤ، میں ان کے سامنے وہی (دودھ بھرا) پیالہ لے آیا۔ خدا کی قسم دودھ اتنا تھا کہ اتنا تو ایک آدمی پی جاتا لیکن سب پی کر سیر ہو گئے۔ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ بات کرنے کا موقع پایا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ کہنے سے پہلے ابو لہب بول اٹھا اور کہنے لگا تمہارے ساتھی نے تم پر جادو کر دیا۔

یہ سنتے ہی لوگ منتشر ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بات نہ کر سکے اور دوسرے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، علی تم کو معلوم ہے کہ یہ شخص پہلے بول اٹھا اور میرے بات کرنے سے پہلے ہی لوگ منتشر ہو گئے، اب پھر ویسا ہی کھانا تیار کرو جیسا (کل) کیا تھا اور لوگوں کو پھر جمع کرو، میں نے حکم کی تعمیل کی، پھر سب کو جمع کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانا منگوا یا، میں نے سامنے لا کر رکھ دیا، آپ نے وہی عمل کیا جو گزشتہ دن کیا تھا، اس کے بعد سب نے کھایا پیا، کھا چکنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کلام شروع کیا اور فرمایا اے اولادِ عبدالمطلب! میں تمہارے پاس دنیا اور آخرت کی بھلائی لے کر آیا ہوں، اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ تم کو بھی اس کی دعوت دوں تم میں سے کون شخص ہے جو اس کام میں مدد کرے اور میرا بھائی اور وصی اور نائب ہو جائے، لوگ یہ سن کر سب کے سب جھجکے، میں سب سے کم عمر تھا، میں نے کہا یا نبی اللہ! میں اس کام میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مددگار ہوں گا۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری گردن پکڑی اور فرمایا، یہ میرا بھائی، میرا وصی اور میرا نائب ہے تم اس کی بات سنو اور اس کا کہا مانو، لوگ ہنستے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے، اس نے ہم کو حکم دیا ہے کہ ہم علی رضی اللہ عنہ کی بات سنیں اور اس کی اطاعت کریں۔

## آیت وانذر عشیرتک الاقربین کا شان نزول

صحیحین میں سعید بن جبیر کی وساطت سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان آیا ہے کہ جب آیت ”وَإِنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ“ نازل ہوئی تو حضور نے کوہ صفا پر چڑھ کر (مختلف) بطون قریش کو پکارنا شروع کیا اے اولادِ فہر، اے بنی عدی، آواز سن کر سب لوگ جمع ہو گئے جو خود نہ آسکا اس نے اپنا قاصد بھیج دیا تاکہ وہ جا کر دیکھے کہ واقعہ کیا ہے، ابو لہب بھی آ گیا اور دوسرے قریش والے بھی۔ آپ نے فرمایا بھلا بتاؤ اگر میں تم کو اطلاع دوں کہ وادی کے اندر (اس وقت) کچھ سوار موجود ہیں جو تم پر تاخت کرنا چاہتے ہیں تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟ سب نے کہا جی ہاں! ہم نے اپنے تجربہ میں آپ کا کبھی کوئی جھوٹ نہیں پایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو عذاب شدید آنے سے پہلے میں تم کو اس سے ڈرا رہا ہوں (عذاب شدید میرے سامنے موجود ہے جو آنے والا ہے) ابو لہب بولا تو ہمیشہ کے لیے ہلاک ہو جائے، (نعوذ باللہ) کیا اسی لیے تو نے ہم کو جمع کیا تھا۔ اس پر سورت ”تبت ید اہی لہب و تبت“ آ کر نازل ہوئی۔

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے آیا ہے کہ جب آیت ”وَإِنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ“ اتری تو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور فرمایا اے گروہ قریش! (راوی کا بیان ہے کہ یہ لفظ فرمایا یا اسی طرح کا کوئی دوسرا لفظ) اپنی جانوں کو خود خرید لو (یعنی آنے والے عذاب سے بچالو) میں اللہ (کے عذاب سے تمہارے کسی کام نہیں آؤں گا)۔ اے اولاد عبد مناف! میں اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں تمہارے کسی کام نہیں آؤں گا۔ اے عباس بن عبدالمطلب! میں اللہ (کے عذاب) سے بچانے کے لیے بالکل تمہارے کام نہیں آسکتا۔ اے رسول اللہ! کی پھوپھی صفیہ تم کو بھی میں اللہ سے نہیں بچا سکتا۔ اے محمد! کی بیٹی فاطمہ میرے مال میں تو جو کچھ مانگنا چاہتی ہے مجھ سے مانگ لے، اللہ کے مقابل میں تیرے کوئی کام نہیں آؤں گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے ان الفاظ کے ساتھ حدیث نقل کی ہے کہ جب آیت ”وَ اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ“ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ہستی سے) نکل کر کوہ صفا پر چڑھ گئے اور وہاں سے اونچی آواز سے پکارا یا صباط (اے لوگو! ہوشیار رہو جاؤ دشمن آخرات میں حملہ کرنے والا ہے) لوگوں نے آواز سن کر کہا یہ کون ہے سب آپ کے پاس جمع ہو گئے۔ حضور نے فرمایا بھلا بتاؤ تو اگر میں تم کو اطلاع دوں کہ کچھ سوار اس پہاڑ کے دامن سے برآمد ہو رہے ہیں (جو تم پر حملہ کرنا چاہتے ہیں) تو کیا تم مجھے سچا جانو گے لوگوں نے کہا ہم نے تجربہ میں آپ کی کوئی بات جھوٹی نہیں پائی، فرمایا تو میں عذاب شدید آنے سے پہلے تم کو (اس کی آمد سے ڈرارہا ہوں) عذاب شدید میرے سامنے ہے) ابلہ بولا، تجھے ہلاکت ہو کیا اسی لیے تو نے ہم کو اکٹھا کیا تھا، یہ کہہ کر کھڑا ہو گیا، اس پر اسی روز ”تَبَّتْ يَدَا اَيْحٰى لَهَّبَ وَ تَبَّ“ (اعمش کی قرأت میں اسی طرح آیا ہے) نازل ہوئی۔

حضرت عبد اللہ بن حمار جاحسی کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ جو علم اس نے مجھے عطا فرمایا ہے اور تم اس سے واقف نہیں آج تم کو اس کے کچھ حصہ سے وقف کر دوں، اس نے فرمایا ہے کہ جو مال میں نے اپنے بندوں کو (بطور حلال) عطا کر دیا، وہ ان کے لیے حلال ہے، میں نے اپنے بندوں کو موحّد پیدا کیا۔ پھر شیطانوں نے پہنچ کر ان کو ان کے دین سے بہکایا اور جو چیز میں نے ان کے لیے حلال کر دی تھی، شیطانوں نے وہ چیز ان کے لیے حرام قرار دی، میں نے ان کو حکم دیا تھا کہ جس چیز کی معبودیت کی، میں نے کوئی دلیل نہیں اتاری اس کو میرا سا جھی نہ قرار دیں۔ اللہ نے تمام زمین والوں کو دیکھا سب سے نفرت کی عرب ہوں یا عجمی ہوں۔ اہل کتاب میں سے جو (اصلی دین پر) باقی رہ گئے تھے (ان سے نفرت نہیں کی) اللہ نے مجھے حکم دیا کہ میں (اللہ کی نافرمانی اور عذاب سے) قریش کو ڈراؤں، میں نے عرض کیا، اے رب! وہ تو میرا سر توڑ ڈالیں گے اور میرا سر کو (کچل کر) روٹی بنا دیں گے۔ اللہ نے فرمایا میں نے تجھے اسی لیے بھیجا کہ تیری بھی جانچ کروں اور تیرے ذریعہ سے دوسروں کو بھی۔ میں نے تیرے اوپر ایک کتاب اتاری ہے جس کو پانی نہیں دھوسکتا تو اس کو سوتے جاگتا پڑھا کر، تو ان سے جہاد کر کامیاب ہوگا تو (اللہ کے بندوں پر) خرچ کر (اللہ کی طرف سے) تجھ پر خرچ کیا جائے گا۔ تو ایک لشکر (کافروں کے مقابلے کے لیے) تیار کر میں اس سے پانچ گنا لشکر تیری مدد کے لیے بھیج دوں گا اور اپنے فرمانبرداروں کو ساتھ لے کر نافرمانوں سے جنگ کر، پھر فرمایا۔ اہل جنت تین ہیں۔

① منصف حاکم ② ہر قرابت دار اور مسلم پر مہربانی کرنے والا نرم دل آدمی۔

3 دولت مند پاک دامن آدمی جو خود پاک دامن رہتا ہے اور دوسروں کو خیرات دیتا ہے اور روزِ نوحی پانچ ہیں وہ کمزور بے عقل جس میں برائیوں سے روکنے والی سمجھ نہ ہو، محض دوسروں کے پیچھے لگ جانے والا ہو اور وہ شخص کہ جب صبح کو اُٹھتا ہے تو تم کو تمہارے مال و عیال کے معاملہ میں فریب دیتا ہے اور وہ شخص کہ اس کا ہر لالچ خواہ کتنا ہی چھوٹا ہو اس کو (اپنے ساتھ) لے جاتا ہے اور وہ شخص جو بد اخلاق اور فاش ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بخل اور کذب کا بھی ذکر کیا تھا۔ واللہ اعلم

وَ اخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۵﴾ فَإِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ إِنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۱۶﴾ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ﴿۱۷﴾ الَّذِي يَرَاكَ حِينَ تَقُومُ ﴿۱۸﴾ وَتَقَلِّبُكَ فِي السَّجْدِينَ ﴿۱۹﴾ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۲۰﴾ هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَىٰ مَنْ نَزَّلَ الشَّيْطَانُ ﴿۲۱﴾ تَنَزَّلُ عَلَىٰ كُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ ﴿۲۲﴾ يُلْقُونَ السَّمْعَ وَأَكْثُرُهُمْ كَلْبُؤُونَ ﴿۲۳﴾

اور ان لوگوں کے ساتھ (تو شفقانہ) فروتنی سے پیش آئیے جو مسلمانوں میں داخل ہو کر آپ کی راہ پر چلیں اور اگر یہ لوگ (جن کو آپ نے ڈرایا ہے) آپ کا کہنا نہ مانیں تو آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہارے افعال سے بیزار ہوں اور آپ خدائے قادر رحیم پر توکل رکھئے جو آپ کو جس وقت کہ آپ (نماز کیلئے) کھڑے ہوتے ہیں اور (نیز نماز شروع کرنے کے بعد) نمازیوں کے ساتھ آپ کی نشست و برخاست کو دیکھتا ہے وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے (اے پیغمبر لوگوں سے کہہ دیجئے کہ) کیا میں تم کو بتلاؤں کہ کس پر شیاطین اترتے ہیں (سنو) ایسے مخصوص پر اترتے ہیں جو (پہلے سے) دروغ گفتار بڑے بد کردار ہوں اور جو (شیاطین کی خبریں سننے کے لئے) کان لگا دیتے ہیں اور وہ بکثرت جھوٹ بولتے ہیں۔

تفسیر ﴿۱۵﴾ ”واخفص جناحك“ اپنے پہلو کو نرم رکھو۔ ”لمن اتبعك من المؤمنين“

﴿۱۶﴾ ”فان عصوك فقل اني بريء مما تعملون“ ان کے کفر اور غیر اللہ کی عبادت کرنے کی وجہ سے۔

﴿۱۷﴾ ”وتوكل على العزيز الرحيم“ قرآن اہل مدینہ اور شام کے قراء نے (توکل) تمہارے ساتھ ذکر کیا ہے اور اسی طرح ان کے مصاحف میں بھی مذکور ہے۔ ان

کے علاوہ باقی قراء نے واؤ کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ ”علی العزیز الرحیم“ اس اللہ پر اعتماد کریں جو تمہارے دشمنوں کے مکر فریب کیلئے کافی ہے۔

﴿۱۸﴾ ”الذی یراک حین تقوم“ اپنی نماز کے لیے جب کھڑے ہوں۔ اکثر مفسرین کا یہی قول ہے۔ مجاہد کا قول ہے کہ تم

اس طرح کھڑے ہو کہ وہ تمہیں دیکھتا ہے کہ تم کہاں کھڑے ہو۔ بعض نے کہا کہ جب تم ان کی دعا کے لیے ہاتھ اٹھاؤ۔

﴿۱۹﴾ ”وتقلبك في السجدين“ یعنی نماز کے اندر قیام اور رکوع اور سجود اور قعود کی طرف تمہارے منتقل ہونے کو وہ دیکھ

رہا ہے۔ عکرمہ، عطیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے فی الساجدین کا ترجمہ ”فی

المصلین“ سے کیا ہے۔ مقاتل کلبی کا بیان ہے کہ ”فی المصلین“ یعنی ”مع المصلین“ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تم کو اس

وقت بھی دیکھتا ہے جب تم تنہا نماز پڑھتے ہو اور اس وقت بھی دیکھتا ہے جب نمازیوں کے ساتھ جماعت کی نماز پڑھتے ہو۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم جو نمازیوں کی طرف نظر گھماتے پھرتے ہو اللہ اس کو دیکھتا ہے، اللہ اس کو دیکھتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح سامنے سے دیکھتے تھے، اسی طرح پشت کے پیچھے کی چیز کو بھی دیکھتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کیا تم میرا رخ یہاں دیکھتے ہو۔ واللہ تمہارے خضوع کی حالت مجھ سے پوشیدہ نہیں ہوتی، میں تمہیں بلاشبہ اپنی پشت کے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔ حسن کا قول ہے کہ ثقلب سے مراد یہ ہے کہ تصرف یعنی مؤمنوں میں تمہاری آمد و رفت کو اللہ دیکھتا ہے۔

سعید بن جبیر رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ساجدین سے مراد ہیں انبیاء، یعنی جیسے انبیاء کے حالات تھے وہ چلتے پھرتے مختلف احوال رکھتے تھے۔ اسی طرح مختلف احوال میں تمہارے تصرف کو بھی خدا دیکھتا ہے عطاء نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے ثقلب کا معنی نقل کیا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی امتیں آتی رہیں گی۔ ایک امت سے دوسری امت کی طرف یہاں تک کہ آخری نبی کی امت آجائے گی۔

﴿۲۷﴾ "انہ هو السميع العليم"

﴿۲۸﴾ "هل انبئکم" کیا میں تمہیں اس کی خبر نہ دوں "علی من تنزل الشیاطین" یہ ان کے اس قول کا جواب ہے۔ "تنزل علیہ الشیطان" پھر آگے بیان کیا اور فرمایا۔

﴿۲۹﴾ "تنزل" اصل میں "تنزل" تھا "علی کل افاکب" جھوٹے کو کہتے ہیں۔ "انہم" بمعنی فاجر۔ مقدمہ کا قول ہے کہ اس سے کاہن مراد ہیں کہ شیطان الجن آسمانی باتوں کو اچک لیتا ہے اور اپنے کاہنوں کو آ کر وہ خبر بتلاتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿۳۰﴾ "یلقون السمع" وہ فرشتوں سے کان لگا کر سنتے ہیں پھر اس کو اپنے کاہنوں پر ڈال دیتے ہیں۔ "واکثرہم کاذبون" چونکہ اس ایک سچی بات کے ساتھ کئی جھوٹ ملا کر بیان کرتے ہیں۔

وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ ﴿۲۹﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ ﴿۳۰﴾ وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ ﴿۳۱﴾ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَذَكَرُوا اللَّهَ كَثِيرًا وَانْتَصَرُوا مِنْهُمْ بَعْدَ مَا ظَلَمُوا ۗ وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ ﴿۳۲﴾

﴿۳۱﴾ اور شاعروں کی راہ تو بے راہ لوگ چلا کرتے ہیں اے مخاطب کیا تم کو معلوم نہیں کہ وہ (شاعر) لوگ (خیالی مضامین کے) ہر میدان میں حیران پھرا کرتے ہیں اور زبان سے وہ باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں ہاں مگر جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے اور انہوں نے اپنے اشعار میں (کثرت سے اللہ کا ذکر کیا اور انہوں نے بعد اس کے کہ ان پر ظلم ہو چکا ہے) (اس کا) بدلہ لیا اور عنقریب ان لوگوں کو معلوم ہو جاوے گا جنہوں نے (حقوق اللہ وغیرہ میں) ظلم کر رکھا ہے کہ کسی جگہ ان کو لوٹ کر جانا ہے۔

## شعراء کی تفسیر

**تفسیر** 231 "والشعراء يتبعهم الغاؤون" اہل تفسیر کا بیان ہے کہ آیت میں وہ شعراء مراد ہیں جو کافروں کی حمایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جھوٹے تھے۔ مقاتل نے ان کے نام اس طرح نقل کیے ہیں عبد اللہ بن الزبیری السبکی، مسہرہ بن ابی وہب الخزومی، مشافع بن عبد مناف، ابو عز بن عبد اللہ الحنفی، وامیہ بن ابی الصلت الثقفی۔ یہ شعراء جھوٹی غلط باتیں کہتے اور دعویٰ کرتے تھے کہ جیسا محمد کہتے ہیں ویسا ہم بھی کہتے ہیں۔ یہ لوگ اشعار سناتے اور ان کی قوم کے کچھ گمراہ لوگ جمع ہو جاتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق ان شاعروں کے بجائیے اشعار سنتے اور پھر نقل کرتے تھے۔ یہی وہ لوگ تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے الغاؤون فرمایا یعنی وہ لوگ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے متعلق کہے ہوئے بجائیے اشعار نقل کرتے تھے۔

## الغاؤون کا مصداق

قائدہ اور مجاہد کا قول ہے کہ الغاؤون سے مراد شیاطین ہیں۔ ضحاک کا قول ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دو آدمیوں کا آپس میں جھگڑا ہو گیا۔ ان میں سے ایک کا تعلق انصار سے تھا اور دوسرا کسی اور جماعت کا تھا۔ ان میں سے ہر ایک اپنی قوم کی طرف سے مقرر تھا اور وہ سب بیوقوف تھے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی، یہ روایت عطیہ کی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے۔

232 "الم تر انهم فی کل وادی سے مراد کلام کی ایک نوع مراد ہے۔ "یہیمون" وہ اسی میں سرگرداں اور راہ حق سے تجاوز کرنے والے ہیں۔ ہائم کسی شخص کا ایسی طرف جانا جس طرف اس کو کوئی کام نہ ہو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں، ہر لغوبات جس میں وہ غوطہ لگاتے ہیں۔ قائدہ کا قول ہے شعراء تعریف بھی جھوٹی کرتے ہیں اور جھوٹ بھی جیسا کہ کہا جاتا ہے "أنا فی واد و انت فی واد" میں ایک وادی میں ہوں اور تو دوسری وادی میں ہے۔ بعض نے کہا "فی کل واد یہیمون" کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ حروف تہجی کے حساب سے ہر حرف پر اشعار کے قافیے بندی بناتے ہیں۔

233 "وانهم يقولون مالا يفعلون" وہ اپنے اشعار میں جھوٹ بولتے ہیں اور وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے یہ یہ بات کہی اور وہ جھوٹے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر کسی کے پیٹ میں لہو، پیپ بھرا ہو کہ اس کی صحت کو عارت کر دے تو اس سے بہتر ہے کہ اس کے اندر شعر بھرے ہوں۔ پھر اس سے مسلمان شعراء کا استثنیٰ کیا جو زمانہ جاہلیت کے شعراء کا جواب دیتے ہیں اور کفار کے اشعار کی جھوٹ کرتے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف سے دفاع کرتے ہیں۔ ان میں سے حسان بن ثابت، عبد اللہ بن رواحہ، کعب بن مالک ہیں۔

234 "الا الذین امنوا و عملوا الصالحات" بغوی نے شرح السنہ اور معالم میں لکھا ہے کہ حضرت کعب بن مالک نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا یا نبی اللہ! شاعری کے متعلق اللہ نے جو کچھ نازل فرمایا وہ معلوم ہی ہے (پھر ہمارا

کیا ہوگا) فرمایا مؤمن اپنی تلوار (سے بھی جہاد کرتا ہے) اور زبان سے (بھی) جہاد کرتا ہے قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم جو (اپنی زبانوں سے) ان کے تیر مارتے ہو وہ گویا کمانوں سے تیر مارنے کی طرح ہیں۔

## جہاد میں اشعار کہنا تیروں جیسا اثر رکھتا ہے

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ عمرۃ القنواء کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے۔ ابن رواحہ حضور کے آگے آگے چل رہے تھے اور حرم کے اندر شعر پڑھ رہے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے) فرمایا عمر اس کو پڑھنے دے یہ اشعار کمانوں کے تیروں سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ ان پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ حضرت براء بن عازب کی روایت سے آیا ہے کہ غزوہ بنی قریظہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسان بن ثابت سے فرمایا مشرکوں کی جو کرو جبرئیل (مدو کے لیے) تمہارے ساتھ ہیں یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسان سے فرما رہے تھے، میری طرف سے ان کو جواب دو۔ اے اللہ! روح القدس کے ذریعے سے اس کی مدد کر۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قریش کی ہجو کر تمہاری طرف سے یہ ہجو قریش کے لیے تیر لگنے سے بھی زیادہ تکلیف دہ ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حسان سے یہ فرماتے ہوئے سنا روح القدس برابر تیری مدد پر رہے گا جب تو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دفاع کرے گا۔

بخاری میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسان کے لیے مسجد کے اندر منبر رکھوا دیتے تھے جس پر وہ کھڑے ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے فخریہ یا دفاعیہ کلام پڑھتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے اللہ روح القدس سے حسان کی مدد کرتا ہے۔ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حسان دفاع کرتا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قریش کی ہجو کرو، یہ ان کے لیے تیر لگنے سے بھی زیادہ تکلیف دہ ہے۔ پھر ابن رواحہ کے پاس آئی بھیجا اور ان کو حکم دیا۔ ان کی ہجو کرو اور ان سے ہجو میں مقابلہ کرو (لیکن وہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی کے مطابق (ہجو) نہ کر سکے۔ پھر کعب بن مالک کو بلوایا، پھر حسان بن ثابت کو بلوایا، جب حسان آئے تو فرمایا، اب وقت آ گیا کہ تم اس شیر کی طرف تیر بھیجو جو دم پٹک رہا ہے (یعنی حملہ کے لیے تیار ہے) پھر حضرت حسان نے باہر نکلتے ہوئے اسے بلا کر کہا قسم ہے اس کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں اپنی زبان سے ان کو چمڑے کی طرح چیر ڈالوں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جلدی نہ کرو ابو بکر قریش کے نسبوں سے بخوبی واقف ہیں، میرا نسب بھی قریش کے اندر ہی ہے۔ ابو بکر میرے نسب کو ان کے اندر سے الگ چھانٹ دیں گے۔ حسان حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، پھر لوٹ کر آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! ابو بکر نے آپ کے نسب کو چھانٹ دیا، قسم ہے اس کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں آپ کو ان کے اندر سے اس طرح کھینچ نکالوں گا جیسے گوندھے ہوئے آٹے سے بال نکال لیا جاتا ہے۔ حسان نے یہ شعر کہے:



ہجوت محمد الفاجبت عنه  
 وعند اللہ فی ذالک الجزاء  
 ”تو نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کی جس کی طرف سے جواب دیا اللہ کے ہاں اس کا بدلہ ہے۔“

ہجوت محمدا حنیفا  
 رسول اللہ شیمتہ الرفاء  
 ”تو نے مقدس پرہیزگار محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کی جو اللہ کے رسول ہیں اور ان کی خصلت و فاء عہد ہے۔“

فان ابی و اللتی و عرضی  
 لعرض محمد منکم و فاء  
 ”میرے ماں باپ اور میری آہ۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آہ کو تم سے بچانے والی ہے یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آہ پر سب قربان۔“

فمن یہجو رسول اللہ منکم  
 ویمدحہ وینصرہ سواء  
 ”تم میں سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کرتا ہے اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح اور مدد کرتا ہے کیا دونوں برابر ہو سکتے ہیں۔“

وجہریل رسول اللہ فینا  
 وروح القدس لیس له کفاء  
 ”اللہ کے رسول جبریل اور روح القدس ہمارے اندر ہیں جن کا کوئی ہمسر نہیں۔“

ابن سیرین کی مرسل روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعب بن مالک سے فرمایا لاؤ حضرت کعب نے آپ کو (قصیدہ) سنایا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ ان (قریش) کے لیے تیر لگنے سے بھی زیادہ سخت ہے۔ دارقطنی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شعر (کے جواز و عدم جواز) کا ذکر کیا گیا۔ فرمایا یہ بھی ایک کلام ہے اچھا بھی ہوتا ہے برا بھی ہوتا ہے اچھے کو لے لو برے کو چھوڑ دو۔ حضرت ابی بن کعب راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بعض شعر حکمت ہوتے ہیں۔ (رواہ البخاری)

شعری کا بیان ہے ابو بکر رضی اللہ عنہ بھی شعر کہتے تھے اور عمر رضی اللہ عنہ بھی شعر کہتے تھے اور علی رضی اللہ عنہ بھی شعر کہتے تھے، تینوں شعر کہتے تھے۔ روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما مسجد کے اندر خود بھی شعر پڑھتے اور پڑھواتے بھی تھے، ایک بار عمرو بن ربیع کو طلب فرما کر اس سے اس کا قصیدہ سنا جس کا پہلا شعر یہ تھا:

امن آل نعم أنت غاد فمبکر  
 غداة غد ام رائح فمہجر

ابن ربیع نے آپ کو پورا قصیدہ آخر تک سنا دیا جو تقریباً ستر شعر کا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے دوبارہ لوٹ کر سنا دیا کیوں کہ آپ پورا قصیدہ ایک بار سن کر یاد کر لیا کرتے تھے۔

”وذكر والله كثيراً“ ان کی شاعری ان کے لیے اللہ کے ذکر کی کثرت سے مانع نہ ہو اور اپنے بیشتر اشعار میں وہ اللہ کے ذکر اور ترغیب و ترہیب کو بیان کرتے ہیں۔ ”وانتصروا من بعد ما ظلموا“ مقال کا بیان ہے کہ مشرکین کے مقابلے میں ہجو کے ذریعے مدد کرو۔ پھر شعراء مشرکین کے بارے میں فرمایا ”وسيعلم الذين ظلموا“ جو انہوں نے شرک کیا اور ہجو کی۔ ”ای منقلب ینقلبون“ وہ موت کے بعد ہماری طرف ہی لوٹنے والے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جہنم اور آتش سوزاں کی طرف لوٹیں گے۔ واللہ اعلم

## سُورَةُ النَّملِ

مکی سورت ہے اور اس میں ۹۳ آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

طس۔ تِلْكَ آيَاتُ الْقُرْآنِ وَكِتَابٍ مُّبِينٍ ① هُدًى وَبُشْرَى لِلْمُؤْمِنِينَ ② الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ ③

﴿تفسیر﴾ طس یہ آیتیں (جو آپ پر نازل کی جاتی ہیں) قرآن کی اور ایک واضح کتاب کی ہیں یہ (آیتیں) ایمان والوں کے لئے (موجب) ہدایت اور مرثدہ سنانے والی ہیں جو (مسلمان) ایسے ہیں کہ نماز کی پابندی کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور آخرت پر (پورا) یقین رکھتے ہیں (یہ تو ایمان والوں کی صفت ہے)

﴿تفسیر﴾ ① ”طس“ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ اس کی تفصیل ما قبل حروف جمعی کے ذیل میں گزر چکی ہے۔ ”تلك آیات القرآن“ یہ قرآنی آیات ”و کتاب مبین“ اور یہ نشانیاں کتاب میں واضح موجود ہیں۔ ② ”هدى و بشرى للمؤمنين“ گمراہی سے ہدایت پانے والے اور مؤمنین مصدقین کیلئے جنت کی بشارت ہے۔ ③ ”الذين يقيمون الصلاة“ اور وہ نماز اپنے تمام ارکان و شرائط کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ ”ويؤتون الزكاة“ اور مال میں سے جو کچھ ان پر واجب ہے وہ ادا کرتے ہیں۔ ”وهم بالآخرة هم يوقنون“

إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ زِينَةً لَهُمْ أَعْمَالُهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُونَ ④ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَهُمْ سُوءُ الْعَذَابِ وَهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمْ الْأَخْسَرُونَ ⑤ وَإِنكَ لَتَلْقَى الْقُرْآنَ مِنْ لَدُنِّ حَكِيمٍ عَلِيمٍ ⑥ إِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِأَهْلِهِ إِنِّي آنَسْتُ نَارًا. سَأَتِيكُمْ مِنْهَا بِخَبَرٍ أَوْ بَشِيرٍ قَبْسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُونَ ⑦ فَلَمَّا جَاءَهَا نُودِيَ أَنْ بُورِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا. وَسُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ⑧

﴿تفسیر﴾ اور جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہم نے ان کے اعمال بدان کی نظر میں مرغوب کر رکھے ہیں سو وہ (اپنے اس جہل مرکب میں حق سے دور) بھٹکتے پھرتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے (مرنے کے وقت بھی) سخت عذاب

ہے اور وہ لوگ آخرت میں (بھی) سخت خسارہ میں ہیں (کہ کبھی نجات نہ ہوگی) اور آپ کو بالیقین ایک بڑے حکم والے علم والے کی جانب سے قرآن دیا جا رہا ہے (لہذا آپ ان کے انکار سے غمگین نہ ہو جائیے) (اس وقت کا قصہ یاد کیجئے) جبکہ موسیٰ نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ میں نے آگ دیکھی ہے میں ابھی (جا کر) وہاں سے یا تو راستہ کی کوئی خبر لاتا ہوں یا تمہارے پاس (وہاں سے) آگ کا شعلہ کسی نکلڑی وغیرہ میں لگا ہوا لاتا ہوں تاکہ تم سینک لو سو جب اس (آگ کے پاس پہنچو تو ان کو (منجانب اللہ) آواز دی گئی کہ جو اس آگ کے اندر ہیں (یعنی فرشتے) ان پر بھی برکت ہو اور جو اس کے پاس ہے (یعنی موسیٰ) اس پر بھی (برکت ہو یہ دعا بطور تحیہ و سلام کے ہے) اور اللہ رب العالمین پاک ہے

**تفسیر** 4 "ان الذین لا یؤمنون بالآخرة زینالہم اعمالہم" ان قبیح افعال کو جو ان کے نفس اس کو اچھا سمجھتے ہیں۔ "لہم بعمہون" اس میں وہ متر و دور حیران ہیں۔

5 "اولئک الذین لہم سوء العذاب" دُنیا میں سخت عذاب خواہ وہ قتل کی صورت میں ہو یا قید کی صورت میں ہو۔ جیسا کہ بدر کے دن میں ہوا۔ "وہم فی الآخرة ہم الاخسرون" اس لیے وہ اپنے نفسوں کو خسارے میں ڈالتے ہیں اور اپنے اہل والوں کو اور یہ سب دوزخ میں جائیں گے۔

6 "وانک لتلقى القرآن" آپ کو قرآن دیا جا رہا ہے۔ "من لدن حکیم علیم" اللہ کی طرف سے وحی جو حکیم اور علیم ہے۔

7 "اذ قال موسیٰ لاہلہ" یاد کریں اے محمد! اس وقت کو جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنے گھر والوں سے کہا جب وہ مدین سے مصر کی طرف جا رہے تھے۔ "انہی اُنست نارا" کہ میں نے آگ دیکھی ہے۔ "سائیکم منها بخبر" کہ تم اس جگہ بیٹھے رہو میں تمہارے پاس راستے کی یا آگ کی خبر لے کر آتا ہوں اور وہ راستہ بھول گئے تھے۔

"او اتیکم بشہاب قیس" اہل کوفہ نے اس کو توین کے ساتھ پڑھا ہے اس صورت میں شہاب قیس کے لیے موصوف صفت ہوگا۔ دوسرے قراء نے بغیر توین کے اضافت کے ساتھ پڑھا ہے اور یہ اضافت "الشیء الی نفسہ" کی قبیل سے ہے کیونکہ شہاب اور قیس دونوں قریب المعنی ہیں۔ قیس اس نکلڑی کو کہتے ہیں جس کے ایک سرے میں آگ لگی ہوئی ہو اور دوسرے سرے میں آگ نہ ہو۔ بعض نے کہا کہ شہاب وہ چیز جو دو نورانی ہو۔ جیسے عرب کے ہاں ہر سفید چیز کو جو نورانی ہوں اس کو شہاب کہتے ہیں۔ قیس آگ کے ایک ٹکڑے کو کہتے ہیں۔ "لعلکم تصطلون" تاکہ تم اس کے ذریعے سے سردی دور کر سکو اور یہ اس وقت ہی ہو سکتا ہے جب سخت سردی ہو۔

8 "فلما جاء ہا نودی أن بورک من فی النار ومن حولہا" پاک ہے وہ جو آگ کے اندر جلوہ افروز ہے۔

## بورک من فی النار کی تفسیر

**تفسیر** بورک علی من فی النار اور من فی النار دونوں کا معنی ایک ہے۔ جیسے عرب کا قول ہے "بارک اللہ

او بارک اللہ فیہ“ اور ”بارک اللہ علیہ“ سب کا ایک ہی معنی ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ جو آگ میں ہیں اور جو آگ کے ارد گرد ہیں۔ بعض نے کہا کہ ”بورک راجعہ“ ہے موسیٰ علیہ السلام اور فرشتوں کی طرف معنی ہوگا، برکت دی گئی اس کو جو آگ کی طلب میں ہے اس سے موسیٰ علیہ السلام مراد ہیں۔

## ومن حولها کا مصداق

”ومن حولها“ سے مراد فرشتے جو اس آگ کے ارد گرد جمع تھے اس کا معنی یہ ہوگا کہ برکت دی گئی اس کو جو آگ کی طلب میں تھا اور فرشتے جو اس کے ارد گرد موجود تھے اور یہ اللہ عزوجل کی طرف سے تجیہ تھا۔ جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو فرشتوں کی زبانی پیام و برکت دیا گیا تھا اور فرشتوں نے کہا تھا رحمة اللہ وبرکاتہ علیکم اهل البيت۔ اکثر مفسرین کا مذہب یہ ہے کہ نار سے مراد نور ہے۔ لفظ نار کا ذکر کیا کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو آگ ہی گمان کیا تھا اور آگ میں جو کچھ ہے وہ نور اور ملائکہ تھے۔ وہ نور جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا اس میں فرشتے جو تسبیح و تقدیس میں مشغول تھے اور موسیٰ علیہ السلام آگ کے قریب تھے اور بعض نے کہا کہ ”من فی النار ومن حولها“ سے مراد تمام فرشتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ من فی النار سے موسیٰ علیہ السلام اور ”من حولها“ سے مراد ملائکہ ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام اگر چہ آگ میں نہیں تھے بلکہ آگ کے قریب تھے۔

جیسا کہ عرب کہتے ہیں ”بلغ فلان المنزل اذا قرب منه“ اگر چہ اس کے بعد پینچے اور بعض کا قول ہے کہ برکت راجع ہے آگ کی طرف۔ مجاہد کی روایت جو ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے نقل کی ہے کہ اس کا معنی ہے ”بورکت النار“ آگ کو برکت دی گئی۔ سعید بن جبیر تابعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میں نے ابی بن کعب کو پڑھتے ہوئے سنا۔ ”ان بورکت النار ومن حولها“ اس روایت میں ”من حولها“ میں من زائد ہوگا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ”فمنہم من یمشی علی بطنہ“ کہتے ہیں کہ ماس کلام میں صلہ ہے۔ جیسا کہ اس آیت میں ہے ”جند ما هنالک“ اس کا معنی یوں ہوگا ”بورک فی النار و فیمن حولها“ اس سے مراد فرشتے اور موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ نار کو مبارک ایسے کہا گیا ہے جیسے بقعہ مبارک کہا جاتا ہے اور فرمایا ”فی البقعة المبارکة“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، سعید بن جبیر رحمہ اللہ اور حسن نے اس کی یہ تفسیر کی ہے ”بورک فی النار“ یعنی پاک ہے وہ جو آگ کے اندر جلوہ افروز ہے اس سے مراد ہے اللہ تعالیٰ۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو ندا دی اور اپنا کلام سنایا۔ سعید بن جبیر رحمہ اللہ علیہ کی روایت ہے کہ وہ ہمیں آگ ہی تھی جو اللہ کے لیے حجاب تھی۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اس کا حجاب (النار) نور ہے، اگر کھل جائے تو اس کی ذات کے چکارے وہاں تک مخلوق کو جلادے جہاں تک اس کی نظر کی رسائی ہو۔ اللہ رب العزت نے اس سے اپنی پاکی بیان کی ہر برائی اور عیب سے ”وسبحان اللہ رب العالمین“ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تبارک و تعالیٰ کی صفات کو پہچان گئے۔

يُمُوسَى إِنَّهُ أَنَا اللَّهُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ⑨ وَالْقِيَامَ عَصَاكَ. فَلَمَّا رَأَاهَا تَهْتَزُّ كَأَنَّهَا جَانٌّ وَلَّى

مُدْبِرًا وَلَمْ يُعَقِّبْ. يُمُوسَى لَا تَخَفْ. إِنِّي لَا يَخَافُ لَدَى الْمُرْسَلُونَ ⑩

⑨ اے موسیٰ! بات یہ ہے کہ میں (جو بے کیف کلام کر رہا ہوں) اللہ ہوں زبردست حکمت والا اور (اے موسیٰ) تم اپنا عصا (زمین پر) ڈال دو سو جب انہوں نے اس کو تو پیٹھ پھیر کر بھاگے اور پیچھے مڑ کر بھی تو نہ دیکھا (ارشاد ہوا کہ) اے موسیٰ ڈرو نہیں اور ہمارے حضور میں پیغمبر نہیں ڈرا کرتے۔

⑩ ”یا موسیٰ! انہ انہ أنا اللہ العزیز الحکیم“..... انہ کی ضمیر بعض حضرات کے نزدیک امر و شان سے کنایہ ہے۔ یعنی معبود میں ہی ہوں۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قدرت پر نشانی عطا فرمائی اور ارشاد فرمایا۔

⑩ ”والق عصاک فلما راها تهتز“ حرکت کرتے ہوئے دیکھا۔ ”کانہا جان“ وہ چھوٹا سانپ جو جلدی سے ادھر ادھر بھاگتا ہے۔ ”ولی مدبراً“ خوف سے پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے۔ ”ولم یعقب“ اور واپس پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا جیسے کہا جاتا ہے ”عقب فلان اذا رجع“ جب وہ پیٹھ پھیر کر بھاگے اور واپس آجائے۔ قنادہ کا بیان ہے کہ وہ واپس مڑ کر بھی نہ دیکھے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ”یا موسیٰ لا تخف الی لا یخاف لدی المرسلون“ اس سے مراد جب امن کی حالت ہو جو امن والی ہو بلکہ رہا خوف جو ایمان کی شرط ہے وہ اس سے جدا نہیں ہوگا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ”انا احشاکم اللہ“

إِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَلْ حُسْنًا بَعْدَ سُوءٍ فَإِنِّي غَفُورٌ رَحِيمٌ ⑪ وَأَدْخِلْ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ

تَخْرُجُ بِيضًا مِنْ غَيْرِ سُوءٍ فِي بَيْتِ إِلَى فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهِ. إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ

⑫ فَلَمَّا جَاءَ تَهُمَ آيُنَا مُبْصِرَةً قَالُوا هَذَا سِحْرٌ مُبِينٌ ⑬

⑪ ہاں مگر جس سے کوئی تصور (یعنی لغزش مرزد) ہو جاوے پھر برائی (ہو جانے) کے بعد بجائے اس کے نیک کام کر لے (یعنی توبہ کر لے) تو میں مغفرت والا رحمت والا ہوں اور تم اپنا ہاتھ اپنے گریبان کے اندر لے جاؤ (اور پھر نکالو) تو وہ بلا کسی عیب (یعنی بلا کسی مرض برص وغیرہ) کے روشن ہو کر نکلے گا تو معجزوں میں (جن کے ساتھ تم کو) فرعون اور اس کی قوم کی طرف (بھیجا جاتا ہے کیونکہ) وہ بڑے حد سے نکل جانے والے لوگ ہیں غرض جب ان لوگوں کے پاس ہمارے (دینے ہوئے) معجزے پہنچے جو نہایت واضح تھے تو وہ لوگ (ان سب کو دیکھ کر بھی) بولے یہ صریح جادو ہے۔

## الامن ظلم کے استثناء میں ائمہ کرام کی آراء

⑭ ”الا من ظلم ثم بدل حسناً بعد سوء فانی غفور الرحیم“ اس استثناء میں ائمہ کرام کے مختلف

اتوال ہیں۔ بعض حضرات نے کہا یہ حضرت علیہ السلام کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے جب ان سے قبلی قتل ہو گیا اس سے وہ خوف زدہ ہو گئے اور فوراً توبہ کی اور فرمایا رب انی ظلمت نفسی فاغفر لی اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا۔

ابن جریج کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کہا کہ میں نے تجھے ایک نفس کے قتل کرنے کے بعد تجھے بچایا۔ اب اس آیت کا معنی یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام گناہ پہنچ جانے سے یا گناہ سرزد ہونے سے اللہ تبارک و تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں۔ اگر ان سے کوئی لغزش سرزد ہو بھی جائے تو وہ توبہ کر لیتے ہیں۔ اس تاویل کی صورت میں استثناء صحیح ہوگا۔ ”الا من ظلم“ پر کلام ختم ہو گیا، پھر اس کے بعد کلام کی ابتداء کی۔ تقدیری عبارت یوں ہوگی: ”فمن ظلم ثم بدل حسنا بعد سوء فانی غفور رحیم“ جس سے لغزش سرزد ہو گئی پھر اس کی لغزش کے بعد نیکی والا کام کر دیا اور اس نے توبہ کر لی کہ اللہ اس کی توبہ کو قبول کرنے والا ہے، اللہ غفور الرحیم ہے۔

بعض علماء کا قول ہے کہ یہ استثناء مرسلین سے نہیں کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام سے لغزش کا صدور جائز نہیں بلکہ یہ استثناء کلام سے متروک ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ میرے بھیجے ہوئے کسی سے نہیں ڈرتے بلکہ خوف اور ڈر تو غیر انبیاء کو ہوتا ہے جو اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں پھر توبہ کرتے ہیں تو ایسے لوگ اللہ کے سوا دوسروں سے بھی ڈرتے ہیں۔

بعض نحوین کے نزدیک ”الا“ یہاں پر ”ہہنا“ کے معنی میں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ میرے پاس پہنچ کر نہ تو پیغمبر خوف کرتے ہیں اور نہ وہ صلحاء مؤمنین جو پیغمبر نہیں اور ان سے کوئی گناہ سرزد ہو جاتا ہے اور وہ توبہ کر لیتے ہیں اور اپنے اعمال کو درست کر لیتے ہیں وہ بھی بے گناہ کی طرح ہو جاتے ہیں ان کو بھی کوئی خوف نہیں ہوتا۔ ”لئلا یکون للناس علیکم حجة الا الذین ظلموا منهم“ یعنی وہ ظالم نہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے دوسری نشانی دکھائی۔

12 ”وادخل یدک فی جیبک“ جیب قمیص کو کاٹ کر بنایا جاتا ہے۔ اہل تفسیر کا بیان ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس وقت ایک چھوٹا سا ادنیٰ کرتہ پہنے ہوئے تھے جس کی نہ آستینیں تھیں نہ بٹن اور وہ چکنے لگا جیسے کہ بجلی چمکتی ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا فرمان ”تخرج بیضاء من غیر سوء“ بغیر کسی بیماری کے یعنی برص وغیرہ کی بیماری نہیں ہوگی۔ ”فی تسع آیات“ یہ نو نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے جو ان کو دے کر بھیجی ہے۔ ”الی فرعون وقومه انہم کانوا قوما فاسقین“

13 ”فلما جاء نهم آياتنا مبصرة“ واضح نشانیاں جس کو وہ دیکھتے ہیں۔ ”قالوا هذا سحر مبین“ واضح جادو ہے۔

وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا. فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ 14

وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ عِلْمًا. وَقَالَ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي فَضَّلَنَا عَلَى كَثِيرٍ مِّنْ عِبَادِهِ

الْمُؤْمِنِينَ 15 وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ وَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ عُلِمْنَا مَنطِقَ الطَّيْرِ وَأُوتِينَا مِنْ

كُلِّ شَيْءٍ. إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِينُ 16



اور (غضب تو یہ تھا کہ) ظلم اور تکبر کی راہ سے ان (معجزات) کے (بالکل) منکر ہو گئے حالانکہ ان کے دلوں نے ان کا یقین کر لیا تھا سو دیکھئے کیسا (برا) انجام ہوا ان مفسدوں کا اور ہم نے داؤد اور سلیمان کو (شریعت اور ملک داری کا) علم عطا فرمایا اور ان دونوں نے (ادائے شکر کیلئے) کہا کہ تمام تعریفیں اللہ کے لئے سزاوار ہیں جس نے ہم کو اپنے بہت سے ایمان والے بندوں پر فضیلت دی اور داؤد (علیہ السلام کی وفات کے بعد ان) کے قائم مقام سلیمان ہوئے اور انہوں نے (اظہار شکر کے لئے) کہا کہ اے لوگو! ہم کو پرندوں کی بولی (سمجھنے) کی تعلیم کی گئی ہے اور ہم کو (سامان سلطنت کے متعلق) ہر قسم کی (ضروری) چیزیں دی گئی ہیں واقعی یہ (اللہ تعالیٰ کا) صاف فضل ہے۔

**تفسیر 15** ”ووجدوا بها“ اور انہوں نے ان نشانیوں کا انکار کیا اور عند اللہ نشانیاں ہونے کا انکار کرنے لگے۔ ”واستيقنتها أنفسهم“ ان کے دلوں کو یقین ہو گیا تھا کہ یہ سب اللہ کی طرف سے ہے۔ ”ظلمًا وعلوًا“ وہ شرک اور تکبر کی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام پر اسلام لانے سے تکبر کرنے لگے۔ ”فانظر كيف كان عاقبة المفسدين“

**16** ”ولقد اتينا داود و سليمان علمًا“ فیصلے کا علم پرندوں کی بولی کا علم اور چوپائوں کی زبان، شیطان کا مسخر ہو جانا اور پہاڑوں کی تسبیح۔ ”وقال الحمد لله الذي فضلكم نبوت، کتاب، تسخیر شیطان خواہ جنوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے“ ”علیٰ کثیر من عباده المؤمنین“

**17** ”ورث سليمان داود“ حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کی نبوت، علم، حکمت اور حکومت کے وارث ہوئے، دوسرے بھائیوں میں سے کوئی اس چیز کا وارث نہیں تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے انیس بیٹے تھے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو وہی عطا کیا گیا جو حضرت داؤد علیہ السلام کو دیا گیا حکومت میں سے۔

اس کے علاوہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا گیا اور شیطین کو بھی مسخر کر دیا۔ مقاتل کا بیان ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا ملک بڑا تھا اور حضرت داؤد علیہ السلام میں سلیمان کی نسبت سے قدرت فیصلہ بڑی تھی اور آپ عبادت گزار زیادہ تھے اور حضرت سلیمان علیہ السلام اللہ کی نعمتوں کے شکر گزار بہت تھے۔ ”وقال يا ايها الناس علمنا منطق الطير“ پرندوں کی آواز کو بھی نطق سے موسوم کیا کیونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام ان کی آوازوں کو سمجھتے تھے جیسا کہ لوگوں کی باتوں کو وہ سمجھتے تھے۔

## پرندوں کی زبان

حضرت کعب نے فرمایا: حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس جنگلی کبوتر نے آواز نکالی تو آپ نے پوچھا: کیا تم کو معلوم ہے کہ یہ کیا کہہ رہا ہے؟ حاضرین نے کہا نہیں، فرمایا یہ کہہ رہا ہے مرنے کے لیے جنو اور ویران ہونے کے لیے عمارتیں بناؤ۔ فاختہ چیخی تو آپ نے فرمایا، جانتے ہو یہ کیا کہہ رہی ہے؟ حاضرین نے کہا نہیں۔ فرمایا، یہ کہہ رہی ہے کاش! یہ مخلوق پیدائش کی جاتی۔ مور چیخا تو آپ نے پوچھا، جانتے ہو یہ کیا کہہ رہا ہے؟ حاضرین نے کہا نہیں۔ فرمایا یہ کہہ رہا ہے جیسا دوسروں سے معاملہ کرو گے ویسا ہی تم سے کیا جائے گا۔ ہد ہد بولا تو پوچھا: یہ کیا کہہ رہا ہے تمہیں معلوم ہے؟ حاضرین نے کہا نہیں۔ فرمایا یہ کہہ رہا ہے جو

رحم نہیں کرے گا اس پر رحم نہیں کیا جائے گا۔ صد (لثورا) نے آواز دی تو پوچھا: تم جانتے ہو یہ کیا کہہ رہی ہے؟ حاضرین نے کہا نہیں۔ فرمایا یہ کہہ رہی ہے گناہگارو! اللہ سے معافی کی درخواست کرو۔ طیطوی چیخا تو پوچھا: تم کو معلوم ہے یہ کیا کہہ رہا ہے؟ لوگوں نے کہا: نہیں۔ فرمایا یہ کہہ رہا ہے ہرزندہ مرے گا اور ہرنیا پرانا فرسودہ ہوگا۔ خطاف چیخا تو پوچھا: کیا جانتے ہو یہ کیا کہہ رہا ہے؟ حاضرین نے کہا: نہیں۔ فرمایا یہ کہہ رہا ہے پہلے سے نیکی بھیجو (وہاں) تم کو مل جائے گی۔

کیوتری نے آواز دی تو فرمایا: یہ کیا کہہ رہی ہے، تم کو معلوم ہے؟ حاضرین نے کہا: نہیں۔ فرمایا: یہ کہہ رہی ہے پاکی بیان کرو میرے رب برتر کی اتنی کہ آسمانوں اور زمین کو بھر دے۔ قمری چیخا تو پوچھا، جانتے ہو یا کیا کہہ رہی ہے؟ لوگوں نے کہا نہیں، فرمایا: یہ کہہ رہی ہے میرے رب اعلیٰ کی پاکی بیان کرو۔ فرمایا: کو عشر وصول کرنے والے (کل مال کا دسواں حصہ بطور ٹیکس وصول کرنے والے) کو بدو عادت ہے اور چیل کہتی ہے سوائے اللہ کے ہر چیز کو فنا ہے اور قفا کہتی ہے جو خاموش رہا محفوظ رہا اور طوطا کہتا ہے تباہی ہے اس کے لیے جس کا مقصد دنیا ہی ہے اور مینڈک کہتا ہے میرے رب قدوس کی پاکی بیان کرو اور باز کہتا ہے میرے رب کی پاکی بیان کرو اور ثناء کرو اور مینڈک کہتی ہے پاکی بیان کرو اس کی جس کا ذکر ہرزبان پر ہے۔

مکحول نے کہا: سلیمان علیہ السلام کے پاس ایک تیتڑ چیخا تو آپ نے پوچھا: جانتے ہو یہ کیا کہہ رہا ہے؟ لوگوں نے کہا، نہیں۔ فرمایا یہ کہہ رہا ہے ”اَلْوَحْمٰنُ عَلٰی الْعَرْشِ السُّوٰی“ (رضن عرش پر متمکن ہے) فرقد صبحی کا بیان ہے ایک بلبل درخت پر بیٹھا سر ہلا رہا تھا اور دم نیچے کو جھکا رہا تھا (اور بول رہا تھا) حضرت سلیمان علیہ السلام کا ادھر سے گزر ہوا۔ فرمایا، جانتے ہو یہ بلبل کیا کہہ رہی ہے؟ لوگوں نے کہا: اللہ اور اس کا نبی ہی خوب واقف ہے۔ فرمایا، یہ کہہ رہا ہے میں نے آدھا چھوہا رکھا لیا، پس دنیا پر لازم ہے کہ اس کو بڑھا کر پورا کر دے۔

روایت میں آیا ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا ہم سات چیزوں کے متعلق آپ سے دریافت کرتے ہیں۔ اگر آپ بتادیں گے تو ہم مسلمان ہو جائیں گے اور آپ کی تصدیق کریں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: سمجھنے کے لیے پوچھ سکتے ہو ضد کے لیے نہیں پوچھ سکتے۔ یہودیوں نے پوچھا بتائیے چندول اپنے گانے میں کیا کہتا ہے اور مینڈک اپنی ٹرٹریں میں کیا کہتا ہے اور مرغ اپنی بانگ میں کیا کہتا ہے اور گدھا اپنے ریگنے میں کیا کہتا ہے اور گھوڑا اپنی ہنہناہٹ میں کیا کہتا ہے اور زرزور اور تیتڑ کیا کہتے ہیں؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: چندول کہتا ہے اے اللہ! محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض رکھنے والوں پر لعنت کر اور مرغ کہتا ہے: عافلو! اللہ کی یاد کرو اور مینڈک کہتا ہے پاک ہے وہ معبود جس کی عبادت سمندروں کے کھنڈرات میں بھی کی جاتی ہے اور گدھا کہتا ہے اے اللہ! عشر وصول کرنے والے پر لعنت کر۔ گھوڑا جب معرکہ میں صفوں کے مقابلہ پر ہوتا ہے تو کہتا ہے ”سبوح قدوس رب الملائکة والروح پاک“ اور مقدس ہے ملائکہ اور جبرئیل کا رب۔ زرزور کہتا ہے: اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ ہر روز کی روزی اسی روز عطا فرما اور تیتڑ کہتا ہے ”اَلْوَحْمٰنُ عَلٰی الْعَرْشِ السُّوٰی“ یہودی یہ جواب سن کر مسلمان ہو گئے اور ان کا اسلام اچھا رہا۔

حضرت امام جعفر صادق نے اپنے والد کی وساطت سے اپنے دادا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ جب گدھ چلاتا ہے تو کہتا ہے، اے آدم کے بیٹے! جی لے جب تک چاہے آخر موت ہے۔ عقاب چینتا ہے تو کہتا ہے لوگوں سے دور رہنے میں سلامتی ہے اور چنڈول چینتا ہے تو کہتا ہے: اے اللہ! آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض رکھنے والوں پر لعنت بھیج اور خطاف چلاتا ہے تو کہتا ہے: "الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ" اور "الضَّالِّينَ" کو ایسا کھینچتا ہے جیسے قاری کھینچتا ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جانوروں کی آوازوں کی جو تشریح حضرت کعب سے منقول ہے اور جو تفصیل مکحول اور فرقہ کے اقوال میں آئی ہے اس سب کا تعلق ممکن ہے کہ کسی ہنگامی آواز سے ہو (حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے کسی وقت جانور اس طرح بولے ہوں) اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ جانور جب بھی بولتے ہیں تو یہی کلمات کہتے ہیں۔ اللہ نے اس سورت میں جو ہد ہد اور چیونٹی کا کلام نقل کیا ہے اس کا تعلق تو پیش آمدہ واقعہ کے ساتھ تھا ہی البتہ یہودیوں کے سوال کے جواب میں جو کچھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا، وہ بیشک بتا رہا ہے کہ یہ جانور ہمیشہ ہی یہ الفاظ کہتے ہیں۔ اگر یہ روایت پایہ ثبوت کو پہنچ جائے تو اس کی تاویل کرنا ضروری ہوگی۔

"وَاتَيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ" انبیاء کرام اور بادشاہوں کو عطا کیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ "کُل شَيْءٍ" سے دُنیا اور آخرت سے تعلق رکھنے والی ہر چیز مراد ہے۔ مقاتل کا قول ہے کہ نبوت اور حکومت اور شیطاں و ہوا کی تسخیر مراد ہے۔ "ان هذا لهُو الفضل المبين" وہ ظاہری زیادتی جو ان کے علاوہ کسی اور کو نہیں عطا کیا۔

روایت میں آیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ساری روئے زمین پر سات سو برس اور چھ ماہ تمام جن وانس اور پرندوں اور چرندوں اور درندوں پر حکومت کی اور ہر چیز کی بولی اللہ نے ان کو سکھادی تھی اور انہی کے زمانہ میں عجیب عجیب صنعتوں کی ایجاد ہوئی۔

وَحُشِرَ لِسُلَيْمَانَ جُنُودُهُ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوزَعُونَ ﴿١٧﴾ حَتَّىٰ إِذَا أَتَوْا عَلَىٰ وَادِ النَّمْلِ قَالَتْ نَمْلَةٌ يَا أَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوا مَسْكِنَكُمُ. لَا يَحْطَمَنَّكُمْ سُلَيْمَانُ وَجُنُودُهُ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿١٨﴾ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّن قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَدْخِلْنِي بِرَحْمَتِكَ فِي عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ ﴿١٩﴾ وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَأَ أَرَى الْهُدْهُدَ. أَمْ كَانَ مِنَ الْغَائِبِينَ ﴿٢٠﴾

تسکک اور سلیمان کے لئے (جو) ان کا لشکر جمع کیا گیا (تھا ان میں) جن بھی (تھے اور انسان بھی اور پرندے بھی) (جو کسی بادشاہ کے مسخر نہیں ہوتے) اور (پھرتے بھی اس کثرت سے کہ) ان کو (چلنے کے وقت) روکا جاتا تھا یہاں تک کہ جب چیونٹیوں کے میدان میں آئے تو ایک چیونٹی نے (دوسری چیونٹیوں سے) کہا کہ اے چیونٹیو اپنے سوراخوں میں جا گھسو کہیں تم کو سلیمان اور ان کا لشکر بے خبری میں نہ کچل ڈالیں سو سلیمان اس کی بات سے مسکراتے ہوئے ہنس پڑے اور

کہنے لگے کہ اے میرے رب مجھ کو اس پر مداومت دیجئے کہ میں آپ کی نعمتوں کا شکر کیا کروں جو آپ نے مجھ کو اور میرے ماں باپ کو عطا فرمائی ہیں اور (اس پر بھی مداومت دیجئے کہ) میں نیک کام کروں جس نے آپ خوش ہوں اور مجھ کو اپنی رحمت (خاص) سے اپنے (اعلیٰ درجہ کے) نیک بندوں میں داخل رکھے اور (ایک باریہ قصہ ہوا کہ) سلیمان نے پرندوں کی حاضری لی تو (ہد ہد کو نہ دیکھا) فرمانے لگے کہ یہ کیا بات ہے کہ میں ہد ہد کو نہیں دیکھتا کیا کہیں غائب ہو گیا ہے۔

**تفسیر 17** ”وَحَشْرٌ لِّسَلِيمُنْ جَنُودُهُ“ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے جمع کر دی گئیں۔ ”مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ وَالطَّيْرِ“ دور دور سے ان کو جمع کر دیا گیا۔ ”لَهُمْ يَوْمَئِذٍ عَوْنٌ“ وہ روکے جاتے ہیں۔ حضرت قتادہ کا بیان ہے کہ ہر لشکر کا حصہ دوسرے لشکر کو آگے کرتا تا کہ وہ جلدی چلے۔ وزع کہتے ہیں کسی کو روک دینا۔

مقاتل نے ”يَوْمَئِذٍ عَوْنٌ“ کا ترجمہ کیا ہے۔ ”يُسَاقُونَ“ ان کو چلایا جاتا تھا۔ محمد بن کعب نے کہا سلیمان کی لشکر گاہ سو فرسخ تھی، ۲۵ فرسخ جنات کے لیے، ۲۵ فرسخ آدمیوں کے لیے، ۲۵ فرسخ پرندوں کے لیے اور ۲۵ فرسخ جنگلی جانوروں کے لیے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے ایک ہزار کمرے تھے جو ککڑی کے تختوں کے فرش پر قائم تھے۔ تین سو منکوحہ بیبیاں تھیں جو تین سو گھروں میں رہتی تھیں اور سات سو بانڈیاں سات سو گھروں میں۔ سلیمان کے حکم سے تندہوا اس تخت کو اٹھا کر اوپر کو لے جاتی تھی پھر حکم حضرت سلیمان علیہ السلام نرم نرم ہوا اس کو لے کر چلتی تھی۔ (ایک روز) جو آپ کہیں جارہے تھے اور آسمان وزمین کے درمیان تھے کہ اللہ نے وحی بھیجی، میں نے تمہاری حکومت میں اضافہ کر دیا ہے۔ اب کوئی مخلوق جہاں بھی کوئی بات کرے گی ہوا وہ بات لا کر تم کو پہنچا دے گی۔

**18** ”حَتَّىٰ إِذَا تَوَآءَا عَلَىٰ وَادِ النَّمْلِ“ یہاں تک کہ یہ سب جب چیونٹیوں کی وادی پر پہنچے۔

”عَلَىٰ وَادٍ“ میں لفظ علیٰ بتا رہا ہے کہ وہ اوپر سے آئے تھے اور بات بھی معلوم ہو رہی ہے کہ اس وادی کو طے کر کے آخر کنارہ پر پہنچ گئے تھے (اور وہیں چیونٹیوں کے بل تھے) ”اِنِّى عَلٰى الشَّيْءِ“ کا معنی ہے کسی چیز کو ختم کر دیا اور اس کے آخری حصہ پر پہنچ گئے۔

## وادى نمل كونسى جگہ ہے

وہب بن منبہ نے بحوالہ کعب بیان کیا ہے کہ حضرت سلیمان جب تخت پر سوار ہوتے تو اہل و عیال کو نوکروں، چاکروں کو اور لاؤ لشکر کو بھی سوار کر لیتے تھے۔ سالن پکانے کے برتن اور روٹیاں پکانے کے اہنی تور بھی ساتھ ہوتے تھے۔ اتنی بڑی بڑی نوڈیکیں بھی ہوتی تھیں کہ ایک ایک دیگ میں دس اونٹوں کا گوشت آجائے۔ چوپایوں کے لیے میدان بھی اپنے سامنے بنواتے تھے۔ اثنائے سیر میں آسمان وزمین کے درمیان چوپائے اپنے میدانوں میں دوڑتے تھے اور باورچی کھانا اور روٹیاں پکانے میں مشغول رہتے تھے۔ ہوا ان سب کو لے کر چلتی تھی۔ ایک بار اصطر سے یمن کو جاتے ہوئے مدینہ شریف کے اوپر سے بھی گزرے اور فرمایا، یہ نبی آخر الزمان کی ہجرت گاہ ہے۔ خوش خبری ہے ان کے لیے جو ان کے اوپر ایمان لائے اور خوشی ہے اس کے لیے جس نے ان کا اتباع کیا۔

کعب کے اوپر سے گزرے تو کعب کے گرد گردبت نظر آئے جن کی پوجا کی جاتی تھی۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کعب

سے آگے بڑھ گئے تو کعبہ رونے لگا۔ اللہ نے کعبہ کے پاس وحی بھیجی (اور دریافت فرمایا) تیرے رونے کا کیا سبب ہے؟ کعبہ نے کہا، اے میرے رب! مجھے اس بات نے رُلا یا کہ یہ تیرا نبی تھا اور تیرے دوستوں کی جماعت تھی، یہ لوگ میری طرف سے گزرے اور میرے پاس نماز نہیں پڑھی حالانکہ میرے آس پاس تجھے چھوڑ کر بتوں کی پوجا کی جاتی ہے۔ اللہ نے وحی بھیجی، تو نہ روؤ، کچھ مدت کے بعد میں تجھے سجدہ کرنے والے چہروں سے بھر دوں گا اور تیرے اندر جدید قرآن نازل کروں گا اور تیرے اندر سے آ خر زمانہ میں ایک نبی پیدا کروں گا۔ میں اپنے انبیاء سے محبت رکھتا ہوں، تیرے اندر اپنی مخلوق سے ایسے لوگوں کو آباد کروں گا جو میری عبادت کریں گے اور میں اپنے بندوں پر ایک فرض (یعنی فریضہ حج) مقرر کروں گا (جس کو ادا کرنے کے لیے) وہ اتنی تیزی سے تیرے قریب پہنچیں گے جتنی تیزی سے گدھ اپنے آشیانوں کی طرف جاتے ہیں۔ وہ تیرے ایسے مشتاق ہوں گے جیسے اونٹنی کو اپنے بچے اور کبوتری کو اپنے انڈوں کی طرف اشتیاق ہوتا ہے۔ (اونٹنی اپنے بچے کے پاس اور کبوتری اپنے انڈوں کے پاس بڑی بے تابی سے پہنچنا چاہتی ہے) میں تجھے بتوں اور شیطانوں کے بجا ریوں سے پاک کروں گا۔ پھر سلیمان چلتے چلتے وادی سدیر کی طرف سے گزرے۔ وادی سدیر وادی طائف کا حصہ ہے وہاں آپ کا مروادی نمل پر ہوا۔ کعب کا یہی قول ہے کہ وادی نمل طائف میں تھی۔ مقاتل اور قتادہ نے کہا: وہ شام میں ایک زمین تھی۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اس وادی میں جن رہتے تھے اور وہاں کی چیونٹیاں ان کی سواریاں تھیں۔ فرق حیدری نے کہا، اس وادی کی چونٹیاں کھیلوں کی طرح تھیں۔ بعض نے کہا بخانی اونٹ کے برابر تھیں۔ مشہور یہ ہے کہ یہ بات کہنے والی ایک چھوٹی چیونٹی تھی۔

”قَالَتْ نَمْلَةٌ“ ایک چیونٹی نے کہا۔ شععی نے کہا (وہ چیونٹی پر دار تھی) اس کے دو بازو تھے۔ بعض نے کہا وہ لنگڑی تھی۔

ضحاک نے اس کا نام طاحیہ اور مقاتل نے جری بتایا۔

19 ”يَا أَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوا مَسَاكِنَكُمْ“ یہاں پر اوخلن جمع کا صیغہ ذکر نہیں کیا کیونکہ انسان جب کلام کرتا ہے اور حیوانات کے متعلق بات کرتا ہے تو حیوانات کے بے عقل ہوجانے کی وجہ سے ان کے لیے وہ ضمیریں استعمال کرتا ہے جو جمادات کے لیے مستعمل ہیں۔ ”لَا يَعْطَمَنَّكُمْ“ کہ وہ تمہیں روند نہ ڈالیں۔ ”سَلِيمَانَ وَجُنُودَهُ“ کہ تمہیں کسی چیز کو توڑنا۔ ”وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ“ حضرت سلیمان علیہ السلام نے چیونٹی کی بات سن لی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا تخت جب ہوا پر رواں ہوتا تو مخلوق میں سے کوئی بھی کلام نہیں کر سکتا تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس چیونٹی کی بات دور سے سن لی۔ مقاتل کا بیان ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے تین میل دور سے یہ بات سن لی تھی۔ ضحاک کا قول ہے کہ اس چیونٹی کا نام طاحیہ تھا۔ مقاتل نے کہا کہ اس کا نام جری تھا۔

## شبه اور اس کا ازالہ

سوال: حضرت سلیمان علیہ السلام کا تخت تو ہوا پر تھا، پھر چیونٹیوں کے روند ڈالنے کا احتمال ہی نہیں؟

جواب 1: حضرت سلیمان علیہ السلام کا کچھ لشکر پیدل چل رہا ہو جس کی وجہ سے چیونٹیوں کو اندیشہ ہوا۔

جواب 2: بعض نے کہا کہ ہو سکتا ہے کہ تغیر ہوا سے پہلے کا واقعہ ہو۔

جواب 3: بعض اہل تفسیر کا قول ہے کہ چیونٹی کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے نبی ہونے کا علم تھا اور وہ نہ تو سختی کرتے اور نہ ہی کسی کے ساتھ ظلم کرتے ہیں۔ آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر تم اپنے اپنے گھروں میں داخل نہ ہوئیں اور انہوں نے تمہیں روند ڈالا تو تمہیں پتہ بھی نہیں چلے گا۔

روایت میں آتا ہے کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے چیونٹی کی آواز سنی تو لشکر کو روک لیا۔ جب تک کہ وہ سب اپنے اپنے گھروں میں داخل نہیں ہوتیں اس وقت تک لشکر کو چلنے کا حکم نہیں دیا۔

”لتبسم ضاحكاً من قولها“ زجاج کا قول ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی ہنسی اکثر بصورت تبسم ہی ہوتی ہے۔ ”ضاحكاً“ سے مراد ”متبسماً“، مسکراتا ہے۔ بعض نے کہا کہ شروع شروع میں تبسم تھا پھر ہنس دیئے ہوں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی بھر پور ہنستے نہیں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلق کا کوا نظر آ گیا ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا دیا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن الحارث بن جزء کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی کو مسکراتے نہیں دیکھا۔

مقابل کا بیان ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام چیونٹی کے اس قول سے بطور تعجب کے ہنس پڑے کیونکہ انسان جب دیکھتا ہے کہ جس مخلوق کے ساتھ عہد نہیں ہے وہ بھی پورا کرتی ہیں۔ اس پر حضرت سلیمان علیہ السلام نے حمد کی جو اللہ رب العزت نے ان کو انعامات سے نوازا ہے۔ ”وقال رب اوزعنی“ مجھے الہام کر دے۔ ”ان اشکر نعمتک الی انعمت علی و علی والدی وأن اعمل صالحاً ترضاه وادخلنی برحمتک فی عبادک الصالحین“ من جملہ ان میں ہمیں بھی داخل فرما اور ہمارے نام کو ان کے ناموں کے ساتھ ثابت رکھ اور ان کے ساتھ ہمارا حساب کر۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس سے مراد حضرت ابراہیم، اسماعیل، اسحاق و یعقوب علیہم السلام اور اس کے بعد آنے والے انبیاء کرام علیہم السلام ہیں۔ بعض نے کہا کہ ہمیں اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں کے ساتھ جنت میں داخل کر دے۔

20 ”وتفقد الطیر“ اس کا معنی ہے گمشدہ چیز کا ڈھونڈنا۔ آیت کا معنی ہے جو پرندوں میں سے غائب ہے وہ کونسا پرندہ ہے۔

## ہدید کے غائب ہونے کا واقعہ

**تفسیر** ”فقال مالی لاری الہلہد“ مجھے ہدید دکھائی نہیں دیتا وہ کہاں غائب ہے؟ جیسا کہ عرب کا قول ہے ”مالی اراک کھینا“ کیا ہوا استفہام تعجیبیہ ہے۔ ہدید معروف پرندہ ہے۔ ہدید کے گم ہونے اور اس کے سوال کرنے کی وجہ کیا تھی۔ بعض حضرات نے کہا کہ اس کو توبہ کروانی تھی۔

ہدید کو تلاش کرنے کی وجہ یہ تھی کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کسی منزل پر اترتے تھے تو دھوپ سے بچانے کے لیے



پرنڈے پورے لشکر پر سایہ کر لیتے تھے اور ہد ہد چڑھ کر زمین کو دیکھتا تھا اور زمین کے اندر پانی کی تلاش کرتا تھا اور پانی کا دور یا قریب ہونا معلوم کرتا تھا کیونکہ اس کو زمین کے اندر کی چیزیں اسی طرح نظر آتی تھیں جیسے شیشہ کے اندر چیزیں دکھائی دیتی ہیں۔ پانی جہاں نظر آ جاتا وہاں جا کر چونچ سے زمین کو کریدتا تھا، پھر جنات پہنچ کر زمین کو کھود کر پانی برآمد کر لیا کرتے تھے۔ ”کذا اخروج ابن ابی شیبۃ و عبد بن حمید و ابن المنذر و ابن ابی حاتم و الحاکم“ حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا: جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ فرمایا تو نافع بن ازرق نے کہا: اے بیان کرنے والے! دیکھ کیا کہہ رہا ہے (سمجھ کے بات کر) ایک بچہ جب جال بچھا کر اس پر مٹی ڈال دیتا ہے (اور اس پر دانہ بکھیر دیتا ہے) تو ہد ہد کو جال نظر نہیں آتا اور آ کر پھنس جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تیرا برا ہو جب تقدیری حکم ہو جاتا ہے تو کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ دوسری روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں: جب قضا و قدر آ جاتی ہے تو نظر جاتی رہتی ہے اور ناپینا ہو جاتی ہے۔ غرض حضرت سلیمان علیہ السلام ایک منزل پر اترے۔ لوگوں نے پانی تلاش کیا، کہیں نہیں ملا، پانی کی ضرورت سخت تھی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہد ہد کو تلاش کرایا۔ آپ علیہ السلام کا خیال تھا کہ وہ حاضر ہوگا لیکن وہ نہیں ملا اور فرمایا کیا ہوا میں ہد ہد کو نہیں دیکھ پارہا۔ جب وہ اپنے لشکر کی تقریر میں فرما رہے تھے کہ ہد ہدان کو دکھائی نہیں دیا۔ اس کے غائب ہونے کی وجہ سے ترددا حق ہوا اور فرمایا ”ام کان من الغائبین“ کیا وہ غیر حاضروں میں سے ہے۔ ام میں میم صلہ ہے۔ بعض نے کہا کہ ام بمعنی بل کے ہے، پھر اس کے غیب پر ایک وعدہ کیا اور کہا:

لَا عَذَابَ لَہٗ عَذَابًا شَدِيدًا اَوْ لَا اَذْبَحْنٰہُ اَوْ لَیَاتِیْنِیْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ﴿۲۱﴾ فَمَكَتْ غَیْرَ بَعِیْدٍ فَقَالَ اَحَطْتُ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِہٖ وَجَنَّتْکَ مِنْ سَبَاہِ بِنَبَاٍ یَّقِیْنِ ﴿۲۲﴾

﴿۲۱﴾ میں اس کو (غیر حاضری پر) سخت سزا دوں گا یا اس کو ذبح کر ڈالوں گا یا وہ کوئی صاف حجت (اور عذر حاضری کا) میرے سامنے پیش کرے۔ سو تھوڑی دیر میں وہ آ گیا اور (سلیمان سے) کہنے لگا کہ میں ایسی بات معلوم کر کے آیا ہوں جو آپ کو معلوم نہیں ہوئی اور (اجمالی بیان اس کا یہ ہے کہ) میں آپ کے پاس قبیلہ سبا کی ایک تحقیقی خبر لایا ہوں۔ ﴿۲۲﴾ ”لا عذبنہ عذاباً شدیداً“ یعنی میں اس کو سخت عذاب دوں گا تاکہ دوسرے ہد ہدوں کو عبرت ہو۔

### عذاباً شدیداً سے کونسا عذاب مراد ہے

عذاب شدید دینے سے کیا مراد تھی، اس کے تعین کے متعلق علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض نے کہا: مراد یہ تھی کہ میں اس کے پر وبال اور ذمہ نوج کر لوٹھرا بنا کر دھوپ میں ڈالوں گا کہ کیڑے مکوڑے اور چوہنیاں اس کو کھالیں۔ مقاتل نے کہا: میں لوٹھرا بنا کر تار کول ملوا کر دھوپ میں پھنکوا دوں گا۔ بعض نے کہا: پنجرہ میں بند کر دینا مراد تھا۔ کسی نے کہا: مادہ سے ہمیشہ کے لیے جدا کرنا مقصد تھا، یا یہ مطلب تھا کہ میں اس کے مخالف کے ساتھ اس کو قید کروں گا یا یہ معنی تھا کہ میں اس کو ساتھیوں کا خدمت گار بنا دوں گا کہ وہ اپنے ساتھ والوں کی خدمت کرتا رہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے (ہد ہد کو) عذاب دینا جائز تھا۔

”اولا ذبحنہ“ اس کی گردن کاٹ دوں گا۔ ”او لیاتینی بسلسطان مبین“ یا اپنے غائب ہونے کی کوئی قوی دلیل لے آئے تو پھر بخش دوں گا یا کوئی عذر لے آئے تو پھر بخش دوں گا۔ ابن کثیر نے ”لیاتینی“ پڑھا ہے نون اول مشدد کے ساتھ اور دوسرے قراء نے ایک نون کے مشدد کے ساتھ پڑھا ہے۔

## ہد ہد کی غیر حاضری کا سبب

ہد ہد کی غیر حاضری کا سبب علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ حضرت سلیمان بیت المقدس کی تعمیر سے فارغ ہو کر حرم (کعبہ) کو چلے گئے اور اللہ کی مشیت جتنی تھی اس کے مطابق وہاں قیام پذیر رہے۔ جب تک مکہ میں رہے روزانہ پانچ ہزار اونٹنیاں، پانچ ہزار بیل اور بیس ہزار مینڈھے ذبح کرتے رہے۔ آپ نے اپنی قوم کے سرداروں سے فرمایا کہ یہ وہ مقام ہے جہاں سے نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم جن کے اوصاف یہ یہ ہوں گے برآمد ہوں گے، ان کو مخالفین پر فتح یاب کیا جائے گا، ان کا رعب ایک ماہ کی مسافت تک پڑے گا، نزدیک اور دوران کے لیے برابر ہوگا، اللہ کے معاملہ میں وہ کسی ملامت گر کی ملامت کی پروا نہیں کریں گے۔ حاضرین نے پوچھا: اے اللہ کے نبی! ان کا دین کیا ہوگا؟ فرمایا: وہ دین توحید (دین حنیف یعنی دین ابراہیمی) پر چلیں گے۔ خوشی ہو اس کے لیے جو ان کو پالے اور ان پر ایمان لائے۔ حاضرین نے دریافت کیا: ان کی بعثت میں کتنی مدت باقی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: ایک ہزار، حاضرین کو چاہیے کہ وہ یہ بات ان لوگوں تک پہنچادیں جو یہاں حاضر نہیں ہیں۔ بیشک وہ انبیاء کے سردار اور خاتم المرسلین ہوں گے۔

## سلیمان علیہ السلام کے ہد ہد کی ملکہ بلقیس سے ملاقات

راوی کا بیان ہے حضرت سلیمان علیہ السلام مکہ میں قیام پذیر رہے۔ جب حج پورا کر لیا تو مکہ سے نکلے اور صبح کو مکہ سے روانہ ہو کر یمن کی طرف چل دیئے۔ صنعاء میں زوال کے وقت پہنچ گئے۔ یہ مسافت ایک ماہ کی راہ تھی، صنعاء کی زمین کو خوبصورت اور سرسبز پایا۔ آپ نے وہاں اترنے کو پسند کیا تا کہ کھانے اور نماز سے فراغت حاصل کر لیں۔ ہد ہد نے سوچا کہ سلیمان علیہ السلام تو اترنے میں لگے ہوئے ہیں، اتنے میں آسمان کی طرف اڑ کر زمین کی لمبائی چوڑائی دیکھ لوں۔

چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور اوپر جا کر دائیں بائیں نظر دوڑائی تو بلقیس کا ایک باغ نظر آیا۔ ہد ہد بزرے کی طرف چل دیا اور باغ میں اتر گیا، وہاں ایک اور ہد ہد سے ملاقات ہو گئی۔ ہد ہد سلیمان علیہ السلام اس کے پاس اتر کر پہنچ گیا۔ ہد ہد سلیمان علیہ السلام کا نام یاحفور اور ہد ہد یمن کا نام عنفیر تھا۔ عنفیر نے یاحفور سے پوچھا: کہاں سے آئے ہو اور کہاں کا ارادہ ہے؟ یاحفور نے کہا: میں اپنے مالک سلیمان بن داؤد کے ساتھ شام سے آیا ہوں۔ عنفیر نے پوچھا: سلیمان کون ہے؟ یاحفور نے کہا: وہ جن وانس اور شیطانوں، وحشی جانوروں، پرندوں اور ہواؤں کے بادشاہ ہیں (ان کا حکم سب پر چلتا ہے) تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ عنفیر نے کہا: اسی ملک کا باشندہ ہوں۔ یاحفور نے پوچھا: اس ملک کا بادشاہ کون ہے؟ عنفیر نے کہا: یہاں کی بادشاہ ایک عورت ہے جس کو بلقیس کہا جاتا ہے۔

پسک تمہارے آقا کا ملک بڑا ہے لیکن بلقیس کا ملک بھی کم نہیں ہے وہ یمن کی ملکہ ہے، اس کے زیر حکم بارہ ہزار جنرل ہیں اور ہر جنرل کے ماتحت ایک لاکھ جنگی سپاہی ہیں۔ یعنی اس قوم کی زراعت اور تجارت پر خوشحالی تھی۔ زراعت کے لیے انہوں نے ایک بہت بڑا بند تعمیر کیا تھا جسے سد مارب کہتے ہیں۔ آب پاشی کے لیے نہروں کا بہترین نظام قائم کیا۔ تجارت کے لیے اس قوم نے بری اور بحری دونوں راستے خود دریافت کیے۔ بحرِ احمر کی موسمی ہواؤں، زیر آب چٹانوں اور لنگر اندازی کے مقامات کا راز یہی لوگ جانتے تھے۔ کیا تم میرے ساتھ چل کر اس کی حکومت دیکھنا چاہتے ہو؟ معذور نے کہا: مجھے یہ ڈر لگا ہوا ہے کہ نماز کے وقت سلیمان علیہ السلام کو پانی کی ضرورت ہوگی اور مجھے تلاش کریں گے۔ معذرت سے خوش ہوگا کہ تم اس کو اس ملکہ کی خبر بتاؤ گے۔ معذور نے معذرت کے ساتھ بلقیس کو اور اس کی حکومت کو دیکھا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس عصر کے وقت سے پہلے نہ پہنچ سکا۔

## ہد ہد کے بغیر کوئی بھی پانی تلاش نہ کر سکا

ادھر جب حضرت سلیمان علیہ السلام اتر پڑے تو اس جگہ پانی نہ تھا، نماز کا وقت آ گیا اور پانی کی ضرورت ہوئی تو پانی نہیں ملا۔ آپ نے جنات سے، آدمیوں سے اور شیاطین سے پانی کے متعلق دریافت کیا لیکن کسی کو معلوم نہ تھا کہ پانی کہاں ہے۔ پرندوں کی تلاش کی تو ہد ہد کو غیر حاضر پایا۔ پرندوں کے عریف یعنی گدھ کو طلب فرمایا اور ہد ہد کے متعلق اس سے پوچھا۔ گدھ نے کہا: مجھے معلوم نہیں وہ کہاں ہے۔ میں نے تو اس کو کہیں بھیجا نہیں ہے۔ اس وقت حضرت سلیمان علیہ السلام کو غصہ آ گیا اور فرمایا: ”لا عذبتہ عذاباً شدیداً اولاً ذبحنہ او لیاتینی بسلطن مبین“ پھر پرندوں کے سردار عقاب کو بلوایا اور حکم دیا کہ ابھی ہد ہد کو پکڑ لاؤ۔ عقاب فوراً اڑا اور آسمان کے نیچے ہوا کے ساتھ چسپاں ہو گیا۔ وہاں سے اس کو یہ دنیا ایک پیالہ کی طرح نظر آئی۔ پھر ادھر ادھر نظر دوڑائی تو یمن کی طرف سے ہد ہد بھی آتا دکھائی دیا۔ عقاب اس پر ٹوٹ پڑا۔ ہد ہد نے عقاب کو پرتوڑ کر اپنی طرف آتا دیکھا تو سمجھ گیا کہ عقاب کا ارادہ میرے متعلق بڑا ہے۔ ہد ہد نے اس کو قسم دی اور کہا میں تجھے اس خدا کی قسم دیتا ہوں جس نے تجھے طاقت عطا کی ہے اور مجھ پر قدرت دی ہے تو مجھ پر رحم کر اور کوئی دکھ پہنچانے کے درپے نہ ہو۔

عقاب ہد ہد کی طرف سے پلٹ گیا۔ کم بخت تو مرے، اللہ کے پیغمبر نے قسم کھائی ہے کہ وہ تجھے عذاب دیں گے یا ذبح کر ڈالیں گے۔ اس کے بعد دونوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف رخ کر دیا۔ جب لشکر تک پہنچے تو گدھ اور دوسرے پرندوں نے جالیا اور کہا: ارے! آج تو دن بھر کہاں غائب رہا۔ اللہ کے پیغمبر نے تیرے متعلق یہ یہ کہا تھا۔ ہد ہد نے کہا: کیا انہوں نے (اپنی قسم میں) کوئی شرط بھی لگائی تھی؟ پرندوں نے کہا: ہاں، یہ بھی فرمایا تھا: ”او لیاتینی بسلطن مبین“ ہد ہد نے کہا: بس تو میں عذاب سے بچ گیا۔ پھر عقاب اور ہد ہد اڑ کر حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں پہنچے، آپ اس وقت کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے۔ عقاب نے کہا: یا نبی اللہ! میں اس کو لے آیا۔ ہد ہد نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو دیکھ کر اظہارِ عاجزی کے طور پر اپنا سر اٹھایا، دم اور دونوں بازو نیچے لٹکا دیئے اور زمین پر ان کو کھینچنے لگا۔ جب آپ کے قریب پہنچ گیا تو آپ نے اس کا سر پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور فرمایا: تو

کہاں تھا؟ میں تجھے ضرور سخت عذاب دوں گا۔ ہد ہد نے کہا: یا نبی اللہ! اس وقت کو یاد کیجئے جب آپ اللہ کے سامنے کھڑے ہوں گے۔ یہ بات سن کر حضرت سلیمان علیہ السلام لرز گئے اور ہد ہد کو معاف کر دیا۔ پھر غیر حاضری کی وجہ دریافت کی۔

22 ”لمکت“ عاصم اور یعقوب نے کاف کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ دوسرے قراء نے ان دونوں کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس میں دونوں لغات ہیں۔ ”غیر بعید“ وہ جو طویل نہ ہو۔ ”فقال احط بمالم تحط به“ کسی چیز کا ہمہ جہتی پورا پورا علم جیسا کہ کہا جاتا ہے ”علمت مالم تعلم“ تو میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے اور مجھے ایسی خبر پہنچی ہے جو تم تک نہیں پہنچی اور نہ ہی آپ کے لشکر تک کوئی خبر پہنچی۔ ”وجنتک من سبا“ ابو عمر و اور بزی نے ابن کثیر سے یہ روایت نقل کی ”سبا..... لسبا“ ہمزہ کے فتح کے ساتھ اور قواص نے ابن کثیر سے ساکن پڑھا ہے بغیر ہمزہ کے اور دوسرے قراء نے ہمزہ کے جر کے ساتھ پڑھا ہے اور جو حضرات اس کو جر نہیں پڑھتے وہ اس کو شہر کا نام قرار دیتے ہیں اور جو حضرات اس کو جر دیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ بندے کا نام ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قوم سبا کے متعلق دریافت کیا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سبا ایک آدمی تھا جس کے دس بیٹے تھے جن میں سے چھ دائیں جانب اور چار بائیں جانب کو چلے گئے۔ یعنی چھ نے دائیں طرف جا کر آبادی کر لی اور یہ ملک یمن کہلایا اور چار بائیں جانب جا کر آباد ہوئے، یہ ملک شام کہلایا۔ ”سبأ خبردی۔ (یقین) حضرت سلیمان علیہ السلام نے پوچھا تو ہد ہد نے کہا۔

إِنِّي وَجَدْتُ امْرَأَةً تَمْلِكُهُمْ وَأُوتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ 23 وَجَلَّتْهَا وَقَوْمُهَا  
يَسْجُجُونَ لِلشَّمْسِ مِنْ ثَوْنِ اللَّهِ وَزَيْنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ فَصَلُّوهُمْ عَنِ السَّبِيلِ فَهُمْ  
لَا يَهْتَلُونَ 24 أَلَا يَسْجُجُوا لِلَّهِ الَّذِي يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُحْفُونَ  
وَمَا تُعْلِنُونَ 25 أَلَلَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ (آبت سجدہ) 26 قَالَ سَنْظُرُ أَصَلُّتْ أَمْ  
كُنْتُ مِنَ الْكٰذِبِينَ 27 إِذْهَبْ بِكِتٰبِي هٰذَا فَالْقِهْ إِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانظُرْ مَاذَا يَرْجِعُونَ 28

23 میں نے ایک عورت کو دیکھا کہ وہ ان لوگوں پر بادشاہی کر رہی ہے اور اس کو (سلطنت کے لوازم میں سے) ہر قسم کا سامان میسر ہے اور اس کے پاس ایک بڑا (اور قیمتی) تخت ہے میں نے اس کو اور اس (عورت) کی قوم کو پایا کہ وہ خدا کی عبادت کو چھوڑ کر آفتاب کو سجدہ کرتے ہیں اور شیطان نے ان کے (ان) اعمال (کفریہ) کو ان کی نظر میں مرغوب کر رکھا ہے اور ان کو راہ (حق) سے روک رکھا ہے سو وہ راہ (حق) پر نہیں چلتے کہ اس خدا کو سجدہ نہیں کرتے جو (ایسا قادر ہے کہ) آسمان اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کو (جن میں بارش اور نبات بھی ہے) باہر لاتا ہے اور (ایسا عالم ہے کہ) تم لوگ جو کچھ (دل میں) پوشیدہ رکھتے ہو اور جو کچھ زبان وغیرہ سے) ظاہر کرتے ہو وہ سب کو جانتا ہے (پس اللہ ہی ایسا ہے کہ اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اور وہ عرش عظیم کا مالک ہے سلیمان نے (یہ سن

کر) فرمایا کہ ہم ابھی دیکھ لیتے ہیں کہ توجہ کہتا ہے یا تو جھوٹوں میں سے ہے (اچھا) میرا یہ خط لے جا اور اس کو اس کے پاس ڈال دینا پھر (وہاں سے) مٹ جانا پھر دیکھنا کہ آپس میں کیا سوال و جواب کرتے ہیں۔

## ہد ہدی کی کارگزاری ملکہ بلقیس سے متعلق

**تفسیر** 23 "انی وجدت امرأة تملکھم" میں نے ایک ایسی عورت پائی جو سب والوں پر حکمرانی کرتی ہے (یعنی ان کی ملکہ ہے) ملکہ سبا کا نام بلقیس بنت شریل تھا، وہ مغرب بن قحطان کی نسل سے تھی۔ اس کا باپ بہت بڑا بادشاہ تھا جس کے ۳۹ آباؤ اجداد بادشاہ ہو کر گزرے تھے، وہ خود چالیسواں تھا۔ ملک یمن پر حکومت کرتا تھا اور سرحدی، مسر بادشاہوں میں سے کسی کو اپنا ہمسر نہیں جانتا تھا۔ اسی لیے اس نے ہر بادشاہ کی بیٹی سے نکاح کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ آخر اس کا نکاح (خاندان جنات میں) ایک پری سے ہو گیا جس کا نام ریحانہ بنت سکن تھا۔ اس پری کے پیٹ سے بلقیس بنت شریل پیدا ہوئی۔ سوائے بلقیس کے شریل کا کوئی اور بچہ نہیں ہوا۔ حدیث میں آیا ہے کہ بلقیس کے ماں باپ میں سے کوئی ایک جنات میں سے تھا (مترجم کو یہ حدیث کہیں نہیں ملی یا حدیث سے مراد ہے قصہ یعنی بلقیس کے قصہ میں یہ بات آئی ہے کہ بلقیس کے ماں باپ میں سے کوئی ایک از قوم جن تھا۔ واللہ اعلم)

باپ کے مرنے کے بعد بلقیس نے ملکہ بننے کی خواہش کی اور اپنی حکومت کا اعلان کر دیا۔ قوم میں سے کچھ لوگوں نے مان لیا اور کچھ نے مخالفت کی۔ مخالفین نے ایک اور شخص کو اپنا بادشاہ بنالیا، قوم دو فریقوں میں بٹ گئی۔ یمن کی مملکت کے بھی دو ٹکڑے ہو گئے جس مرد کو بادشاہ بنایا گیا تھا، اس نے لوگوں سے بہت برا سلوک کیا۔ رعیت کی عورتوں پر دست درازی کرنے لگا۔ لوگوں نے اس کو معزول کرنا چاہا لیکن اس کی طاقت زیادہ تھی کچھ بس نہ چلا۔ بلقیس نے جب عورتوں کی یہ بے حرمتی دیکھی تو اس کو غیرت آئی اور اس نے اس ظالم بادشاہ کے پاس از خود تحریر بھیجی اور خواہش کی کہ تم مجھ سے نکاح کر لو (تا کہ دونوں حکومتیں ایک ہو جائیں اور قومی نفاق مٹ جائے) بادشاہ نے جواب لکھا: مجھے تمہاری طرف سے امید نہ تھی کہ تم میرے پیام نکاح کو قبول کر لوگی۔ اسی لیے میں نے اپنی طرف سے نکاح کی تحریک نہیں کی۔ بلقیس نے کہا: مجھے کوئی عذر نہیں۔ تم میرے کفو اور شریف ہو، اب میری قوم والوں کو جمع کر کے ان کے سامنے مجھ سے نکاح کرنے کی درخواست رکھو۔ بادشاہ نے سب لوگوں کو جمع کیا اور سب کو نکاح کا پیام سنا دیا۔ لوگوں نے کہا: ہمارے خیال میں تو بلقیس راضی نہیں ہوگی۔ بادشاہ نے کہا: ابتدائی تحریک خود اس کی طرف سے ہو چکی ہے۔ میں آپ لوگوں سے یہ چاہتا ہوں کہ اس کی زبان سے تم خود اس کا اقرار سن لو۔ قوم والوں نے آ کر بلقیس سے اس کا ذکر کیا۔ بلقیس نے کہا: ہاں مجھے اولاد کی تمنا ہے۔ غرض لوگوں نے بلقیس کا نکاح بادشاہ سے کر دیا۔ بلقیس وداع ہو کر گئی تو اپنی بہت سی فوج کو (جلو میں) لیتی گئی اور بادشاہ کے پاس پہنچی تو اس کو اتنی شراب پلائی کہ وہ بے ہوش ہو گیا، پھر اس کا سر کاٹ کر رات ہی کو اپنے گھر واپس آ گئی۔ صبح ہوئی اور لوگوں نے بادشاہ کو مقتول اور سرد روازہ پر لٹکا ہوا پایا تو سمجھ لیا کہ یہ نکاح ایک فریب و دکر تھا۔ اس کے بعد سب لوگوں نے بالاتفاق بلقیس کو ملکہ مان لیا۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اطلاع ملی کہ فارس والوں نے کسریٰ کی بیٹی کو اپنی ملکہ بنالیا

ہے تو فرمایا: وہ قوم ہرگز کامیاب نہیں ہوگی جس نے ایک عورت کو اپنے امر کا والی (یعنی اپنی ملکہ) بنا لیا ہو۔ (رواہ البخاری فی الصحیح و احمد و الترمذی و النسائی)

”و اوتیت من کل شیء“ جس کی طرف بادشاہوں کو حاجت ہوتی ہے مثلاً اسلحہ کا سامان اور لشکر۔ ”ولہا عرش عظیم“

حجم میں بڑا سونے کا بنا ہوا، سرخ یا قوت، سبز زبرجد اور موتیوں سے مرصع، جس کے ستون (پائے) یا قوت اور زمرد کے ہیں۔ اس کے اوپر سات کمرے تھے اور ہر کمرے کا دروازہ علیحدہ تھا جو بند رہتا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ بلقیس کا تخت تیس ہاتھ لبا اور تیس ہاتھ چوڑا تھا۔ مقاتل کا بیان ہے کہ طول اسی (۸۰) ہاتھ تھا اور اونچائی تیس ہاتھ اور وہاں اس کا طول اسی (۸۰) ذراع تھا۔ بعض نے کہا کہ اس کا طول اسی ذراع اور اس کی چوڑائی چالیس ذراع اور اس کی بلندی تیس ذراع تھی۔

24 ”وجلدتها وقومها يسجدون للشمس من دون الله وزين لهم الشيطان أعمالهم فصلهم عن

السبيل فهم لا يهتدون“

25 ”الایسجدوا“ ابو جعفر، کسائی نے ”الایسجدوا“ تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ جب وہ کھڑے ہوتے ہیں تو یوں کہتے ہیں ”الای یائم“ اے گنہگار کیا تم اللہ کو سجدہ نہیں کرتے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ ”الای یاہولاء اسجدوا“ یہ جملہ امر یہ مستانفہ ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ عرب سے اسی طرح سماعاً منقول ہے جیسے عرب کے ہاں یہ مقولہ مشہور ہے۔ ”الای یا ارحمون“ اسی طرح یہاں بمعنی کلمہ معترضہ ہوگا۔ عبارت یوں تھی ”اما من الہلحد و اما من سلیمان“ ابو عبیدہ کا قول ہے کہ اللہ کا مذکورہ حکم جملہ مستانفہ ہے۔ یعنی اے لوگو! اللہ کو سجدہ کرو۔ دوسرے قراء نے ”الایسجدوا“ تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ شیطان نے ان کے اعمال کو ان کے لیے مزین کر دیا تاکہ یہ اس کو سجدہ کریں۔ ”للہ اللدی یخرج الخبا“ یعنی پوشیدہ چھپی ہوئی بات۔ ”فی السموات والارض“ زمین اور آسمان میں اس سے کوئی بھی چیز چھپی ہوئی نہیں۔ اکثر اہل تفسیر کا قول ہے کہ ”خباہ السموات“ اور ”خباہ الارض“ مبرزہ کو کہتے ہیں اور عبد اللہ کی یہی قرآء ہے۔ ”یخرج الخبا من السموات والارض“ اور اس میں جو کچھ ہے وہ اپنی رفتار میں چل رہا ہے۔ عرب کا قول ہے کہ میں تمہیں اس شہر سے نکالوں گا جس کا ہم نے ارادہ کیا ہے۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ غیب۔ آیات کا مطلب ہے کہ وہ آسمانوں اور زمینوں کی پوشیدہ اشیاء کو جانتا ہے۔

”ويعلم ما تخفون وما تعلنون“ کسائی نے حفص عن عاصم سے بیان کیا کہ یہ تاء کے ساتھ ہے کیونکہ پہلی قرأت میں خطاب کا صیغہ ہے اور کسائی کی قرأت پر تخفیف کے ساتھ ہے۔ دوسرے قراء نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔

26 ”اللہ لا الہ الا ہو رب العرش العظیم“ وہی عبادت کا مستحق اور سجدہ کا مستحق ہے۔ اس کے علاوہ مستحق نہیں۔ ملکہ سبا کا عرش اگرچہ بڑا تھا لیکن اللہ عزوجل کے عرش کے مقابلے میں ایک جب سے بھی حقیر تھا۔ یہاں پر ہد ہد کا کلام تام ہوا۔ جب ہد ہد اپنے کلام سے فارغ ہوا۔

27 ”قال“ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہد ہد سے کہا ”سنظر اصدقت“ جو تو نے ہمیں خبر پہنچائی ہے کیا وہ سچی ہے یا نہیں؟ ”ام کنت من الکاذبین“ پھر ہد ہد نے لوگوں کو پانی کا بتایا۔ پھر لوگوں نے گڑھے کھود کر پانی خود بھی پیا اور جانوروں کو بھی پلایا۔



## حضرت سلیمان علیہ السلام کا ملکہ بلقیس کو اسلام کی دعوت پر خط لکھنا

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک خط اس طرح لکھا: بندہ خدا سلیمان بن داؤد (علیہ السلام) کی طرف سے بلقیس ملکہ سبا کے نام۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ سلام ہو اس پر جو ہدایت پر چلے۔ ابا بعد! میرے مقابلے میں فخر نہ کرو اور اطاعت گزار ہو کر میرے پاس آ جاؤ۔ ابن جریج نے لکھا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے صرف اتنے ہی الفاظ لکھے جتنے اللہ نے اپنی کتاب میں نقل کیے ہیں۔ قتادہ نے کہا انبیاء علیہم السلام کی تحریریں ایسی ہی مختصر ہوتی ہیں، وہ کلام کو طول نہیں دیتے نہ زیادہ بات لکھتے ہیں، خط لکھ کر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس پر محک چسپاں کیا اور اس پر مہر لگا کر ہد ہد کے حوالے کیا اور فرمایا۔

28 "اذھب بکتابی ہذا فالقہ الیہم" ابو عمرو عام حمزہ حاء کے ساکن کے ساتھ، ابو جعفر، یعقوب نے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ "ثم تول عنہم" ان سے ذرا دور رہ کر دیکھنا۔ "فانظر ماذا یرجعون" وہ اس خط کا جواب کیسے دیتے ہیں یا کیا جواب دیتے ہیں۔ ابن زید کا قول ہے کہ اس آیت میں تقدیم و تاخیر ہے۔ اصل میں اس طرح عبارت تھی "اذھب بکتابی ہذا فالقہ الیہم فانظر ماذا یرجعون" میرے اس خط کو لے جاؤ اور اس کو ان تک پہنچا دو اور دیکھو اس کا رد عمل وہ کیا کرتے ہیں۔

ہد ہد خط لے کر بلقیس کے پاس پہنچا۔ بلقیس اس وقت صنعاء سے تین منزل پر مقام مآ رب میں تھی۔ ہد ہد ملکہ کے قصر میں پہنچا تو دروازے سب بند تھے اور کنجیاں ملکہ نے اپنے سر ہانے رکھ لی تھیں۔ غرض ہد ہد بلقیس کے قریب پہنچ گیا۔ بلقیس چت لٹی ہو رہی تھی، ہد ہد نے خط اس کے سینہ پر رکھ دیا۔

مقاتل کا بیان ہے کہ ہد ہد اپنی چونچ میں خط پکڑ کر لے گیا اور بلقیس کے سر ہانے جا کر کھڑا ہو گیا۔ باڈی گاڑا اور چوکیدار سپاہی کھڑے تھے۔ ہد ہد نے پڑ پھڑ پھڑائے، لوگ اس کو دیکھتے رہے۔ آخر ملکہ نے خود سر اٹھایا، ہد ہد نے فوراً خط ملکہ کی گود میں ڈال دیا۔ وہب بن منبہ کا اور ابن زید کا بیان ہے کہ سورج کے رُخ پر ایک روشن دان تھا اور سورج سامنے سے نکلتا تھا جو نبی ملکہ روشن دان سے اس کی طرف دیکھتی اور سورج نظر آتا، فوراً اس کو سجدہ کرتی تھی۔ ہد ہد اس درپچہ میں گھس گیا اور فوراً دونوں بازو پھیلا کر روشن دان بند کر دیا۔ سورج حسب معمول اونچا ہوا لیکن روشن دان بند ہونے کی وجہ سے ملکہ کو پتہ نہیں چلا۔ جب دیر ہو گئی تو اُٹھ کر سورج کو دیکھنے لگی، ہد ہد نے فوراً خط اس کی طرف پھینک دیا۔ بلقیس پڑھی ہوئی تھی، خط لے کر مہر دیکھی، مہر دیکھتے ہی لرز گئی کیونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت کا نقشہ مہر میں موجود تھا۔ وہ سمجھ گئی کہ جس نے یہ خط بھیجا ہے وہ مجھ سے بڑا بادشاہ ہے۔ ہد ہد خط پھینک کر کچھ پیچھے ہٹ گیا، بلقیس نے خط پڑھا پھر جا کر تخت پر بیٹھی اور اپنی قوم کے سرداروں کو جمع کیا۔ یہ سردار بارہ ہزار تھے، ہر سردار کے ماتحت ایک لاکھ سپاہی تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت ہے کہ بلقیس کے ساتھ ایک لاکھ اقبال تھے اور ہر قیل کے پاس ایک لاکھ فوج تھی۔ قیل بمعنی نواب یا بادشاہ سردار کو کہتے ہیں۔ قتادہ اور مقاتل کا بیان ہے کہ بلقیس کی مشورہ کیٹی ۳۱۳ آدمیوں کی تھی، ہر مہر شوری کے تحت دس دس ہزار سپاہی تھے، سب آ کر اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے۔

قَالَتْ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُوٓا۟ اِنِّیۤ اَلْقِیَۤ اِلَیَّ كِتٰبٌ كَرِیْمٌ ﴿۲۸﴾ اِنَّهُۥ مِنْ سُلَیْمٰنَ وَاِنَّهُۥ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿۲۹﴾ اَلَّا تَعْلَمُوۡا عَلَیَّ وَاَتُوۡنِیۤ مُسْلِمِیۡنَ ﴿۳۰﴾ قَالَتْ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَأُوۡا اَتُوۡنِیۤ فِیۤ اَمْرِیۡۤۤ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰی تَشْهَدُوۡنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوۡا نَحْنُ اَوَّلُوۡا قُوَّةً وَّاَوَّلُوۡا بَاسٍ شَدِیْدٍ وَّاَلَمْرُ الِیْكَ فَاَنْظِرِیۤ مَاذَا تَأْمُرِیۡنَ ﴿۳۲﴾ قَالَتْ اِنَّ الْمَلُوۡكَ اِذَا دَخَلُوۡا قَرْیَةً اَفْسَدُوۡهَا وَجَعَلُوۡا اَعْرَۡةَ اَهْلِهَا اِذْلَةًۢۤ وَكَذٰلِكَ یَفْعَلُوۡنَ ﴿۳۳﴾ وَاِنِّیۤ مُرْسَلَةٌ اِلَیْهِمْ بِهَدِیَّةٍ فَنظُرُهُمْۢ بِمَ یَرْجِعُ الْمُرْسَلُوۡنَ ﴿۳۴﴾

**تجسّس** بلقیس (نے پڑھ کر اپنے سرداروں سے مشورہ کے لئے) کہا کہ اے اہل دربار میرے پاس ایک خط (جس کا مضمون نہایت) با وقعت (ہے) ڈالا گیا ہے وہ سلیمان کی طرف سے ہے اور اس میں یہ (مضمون) ہے (اول) بسم اللہ الرحمن الرحیم (اور اس کے بعد یہ کہ) تم لوگ (یعنی بلقیس اور سب اعیان سلطنت جن کے ساتھ عوام بھی وابستہ ہیں) میرے مقابلہ میں تکبر مت کرو اور میرے پاس مطیع ہو کر چلے آؤ بلقیس نے کہا کہ اے اہل دربار تم مجھ کو میرے اس معاملہ میں رائے دو (کہ مجھ کو سلیمان کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہئے اور) میں کسی بات کا قطعی فیصلہ نہیں کرتی جب تک کہ تم لوگ میرے پاس موجود ہو وہ کہنے لگے کہ ہم بڑے طاقت ور اور بڑے لڑنے والے ہیں اور (آئندہ) اختیار تم کو ہے سو تم ہی (مصلحت) کو دیکھ لو جو کچھ (تجویز کر کے) حکم دینا ہو بلقیس کہنے لگی کہ والیان ملک (کا قاعدہ ہے کہ) جب کسی بستی میں (فاتحانہ طور پر) داخل ہوتے ہیں تو اس کو تہ و بالا کر دیتے ہیں اور اس کے رہنے والوں میں جو عزت دار ہیں ان کو انکا زور گھٹانے کیلئے) ذلیل کیا کرتے ہیں اور یہ لوگ بھی ایسا ہی کریں گے اور میں ان لوگوں کے پاس کچھ ہدیہ بھیجتی ہوں پھر دیکھوں گی کہ وہ فرستادے (وہاں سے) کیا (جواب) لے کر آتے ہیں

**تفسیر** ﴿۲۸﴾ ”قالت“ بلقیس نے ان سب سے کہا ”یا ایہا الملأ“ اے سردارو! اپنی قوم کے شرفاء لوگ تھے۔

## بلقیس نے خط کو کریم کہا مختلف وجوہ سے

”انی القی الی کتاب کریم“ عطاء اور ضحاک کا قول ہے کہ اس خط کو کریم اور معزز اس لیے کہا گیا کہ اس پر مہر لگی ہوئی تھی۔ ابن جریر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے لکھا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا خط کا معزز ہونا اس کی مہر کی وجہ سے ہے۔ قتادہ اور مقاتل کا قول ہے کہ کتاب کریم سے مراد ”حسن“ ہے یعنی عمدہ اور اچھا۔ زجاج نے بھی اسی ترجمہ کو پسند کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک قول آتا ہے کہ کریم بمعنی بزرگ کے ہے کیونکہ اس کے بھیجے والا بھی بزرگ تھا۔ بعض نے کریم کہنے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ خط بھیجے کا واقعہ عجیب تھا۔ بعض نے کہا کہ کریم اس وجہ سے تھا کہ خط کی ابتداء بسم اللہ الرحمن الرحیم سے کی گئی تھی۔ اس لیے اس کو کریم کہا۔ پھر بلقیس نے بتلایا کہ یہ خط کہاں سے آیا اور کس طرح آیا۔

⑩ وہ کہنے لگی ”انہ من سلیمان“ اور خط کھول کر بیان کر دیا اور کہا ”وانہ بسم اللہ الرحمن الرحیم“

⑪ ”الاتعلوا علی“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کا ترجمہ کیا کہ میرے سامنے تکبر نہ کرو اور بعض نے کہا کہ میری آواز سے اپنی آواز کو بلند نہ کرنا۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ میری بات کا جواب دینے سے انکار نہ کرنا کیونکہ جواب کا ترک کر دینا تکبر یا اپنے آپ کو بلند سمجھتے ہوئے ہوتا ہے۔ ”وأتونی مسلمین“ مجھ پر ایمان لانے اور میری فرمانبرداری کرنے والے بن جاؤ۔ بعض نے کہا کہ جس طرح میں اسلام نے اس خط کو تسلیم کیا ہے اسی طرح تم بھی تسلیم کر لو۔ بعض نے کہا کہ اس کا مطلب ہے کہ جس طرح میں نے اسلام کو تسلیم کیا ہے تم بھی تسلیم کر لو۔

⑫ ”قالت یا ایہا الملأأفتونی فی امری“ میں نے جو کچھ تمہیں پیش کیا اس کا مشورہ دو اور جواب بھی دو۔ ”ماکت قاطعة“ میں اس پر کوئی فیصلہ نہیں کرتی۔ ”امراً حتی تشہلون“ جب تک حاضر کیا جائے یا اس کے متعلق مجھے باخبر نہ کیا جائے۔

⑬ ”قالوا“ بلیقیس کا جواب دیتے ہوئے کہنے لگے ”نحن اولوا قوۃ“ ہم قتال کرنے کے لیے مضبوط اور قوی ہیں۔ ”واولوا بأس شدید“ اور جنگ کے وقت بھی زیادہ ہیں۔

مقاتل کا بیان ہے کہ قوۃ سے مراد ہے تعدادی قوت اور کثرت اور ہأس سے مراد ہے شدت شجاعت۔ یہ قول بطور تعریض کے ذکر کیا ہے کہ اگر تم ہمیں قتال کا حکم کرو گے تو کبھی ہم پیچھے نہیں ہٹیں گے اور کہنے لگے ”والامر الیک“ اے ملکہ بادشاہ! یہ امر اب تمہارے ہاتھوں میں ہے چاہیں تو قتال کا حکم دے دیں اور چاہیں تو ترک کر دیں۔ ”فانظری“ اپنی رائے پر غور کریں۔ ”ماذا تامرین“ یا اپنے کام میں نظر ثانی کر کے ہمیں حکم دیدیں۔

⑭ ”قالت“ بلیقیس ان کو جواب دیتے ہوئے کہنے لگی ”ان الملوک اذا دخلوا قریۃ“ جبراً داخل ہوتے ہیں۔ ”افسدوھا“ تو اس بستی کو ہلاک کر دیتے ہیں۔ ”وجعلوا اعزۃ اهلہا اذلة“ ان کے شرفاء اور بزرگوں کو ہلاک کر دیتے ہیں۔ ان سب کے لیے بہتر راستہ یہی ہے کہ ہم ان سے ڈریں اور ان کے شہر میں داخل ہو جائیں اور اس خبر سے ان کو روکا کہ کسی کو نہ تلائیں تو اللہ نے اس کے قول کی تصدیق کی اور کہا ”وکذلک یفعلون“ جیسا کہ تو نے ہمیں حکم دیا ہے ہم ویسا ہی اس حکم کو بجالائیں گے۔

⑮ پھر وہ کہنے لگی ”وانی مرسلۃ الیہم بھدیۃ“ ہدیہ وہ چیز جو تحفہ اور عطیہ میں دی جائے۔ وہ عورت سیاست میں ماہر تھی۔ بلیقیس کے قوم کے سرداروں نے کہا کہ ہم بلیقیس کی طرف سے بھیجے ہوئے ہیں۔ سلیمان علیہ السلام اور اس کی قوم کی طرف ایک ہدیہ لے کر آئے ہیں۔ ہمیں خبر ملی ہے کہ وہ بادشاہ اور نبی ہیں۔ اگر وہ بادشاہ ہیں تو ہدیہ قبول کر لیں گے اور ہم واپس چلے جائیں گے اور اگر وہ نبی ہوئے تو ہمارا ہدیہ قبول نہیں کریں گے اور نہ ہی وہ اس بات سے راضی ہوں گے کہ وہ ہماری تابعداری کریں۔ ”فناظرۃ بم یرجع المرسلون“ اس نے ہدیہ میں غلام اور باندیاں بھیجیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا، سب کو ایک ہی طرح کا لباس پہنا دیا تاکہ شناخت نہ ہو سکے۔

## ملکہ بلقیس کے ہدایا کی تفصیل

مجاہد نے کہا: دو سو غلام اور دو سو باندیاں بھیجی تھیں۔ مجاہد اور مقاتل کا قول ہے کہ باندیوں کو غلاموں کا لباس اور غلاموں کو باندیوں کا لباس پہنا دیا تھا۔ سعید بن جبیر نے کہا: (سونے کی) اینٹ، ریشم اور دیباچ کے ساتھ بھیجی تھی۔ بعض نے کہا: سونے کی چار اینٹیں بھیجی تھیں۔ وہب بن منبہ نے بیان کیا: بلقیس نے پانچ سو لڑکیوں کے اور لڑکیوں بھیجیں۔ لڑکیوں کو قبائیں اور کمر کے پٹکے یعنی لڑکوں کا لباس پہنایا اور غلاموں کو باندیوں کے کپڑے پہنائے۔ کلابیوں میں سنہری کنگن، گلے میں سونے کے ہار، کانوں میں بالیاں اور بالے جواہر سے مرصع پہنائے۔ لڑکوں کو پانچ سو گھوڑوں پر اور لڑکیوں کو پانچ سو خچروں پر سوار کرایا، ہر گھوڑے کی لگام سنہری جواہر سے جڑی تھی اور چار جامے رنگارنگ کے دیباچ کے۔ بلقیس نے چاندی کی پانچ سو اینٹیں، موتی اور یاقوت سے جڑا ہوا تاج بھی بھیجا اور مشک و عنبر و عود بھی، پھر ایک ڈبہ میں بلا سوراخ کیا ہوا ایک قیمتی موتی اور ٹیڑھا کیا ہوا ایک پوتھر رکھ کر بند کر دیا اور اپنی قوم کے ایک سردار کو جس کا نام منذر بن عمرو تھا، بلوا کر کچھ دوسرے سمجھ دار ہوشیار آدمیوں کو اس کے ساتھ کر کے ایک خط جس میں تحفوں کی فہرست تھی، دے کر ہدایت کی اور سب چیزیں دے کر بھیج دیا اور نمائندہ سے کہہ دیا کہ سلیمان علیہ السلام سے جا کر یہ کہنا کہ اگر آپ نبی ہیں تو باندیوں کو غلاموں سے الگ چھانٹ دیجئے اور بغیر کھولے بتائیے کہ ڈبہ میں کیا ہے؟ (اور جب وہ بتادیں تو کہنا کہ اس موتی میں ٹھیک سوراخ کر دیجئے اور سوراخ دار پوتھ میں دھاگہ ڈال دیجئے لیکن کسی آدمی یا جن سے اس میں مدد نہ لیجئے۔ غلاموں اور باندیوں کو یہ بھی حکم دیا کہ غلام باندیوں کی بولی میں زنانہ لکھدار بات کریں اور باندیاں کرخت لیجئے میں مردانہ بات کریں۔ پھر قاصد سے یہ بھی کہہ دیا کہ تم اس بات کا اندازہ کرنا کہ وہ کس طور پر پیش آتے ہیں۔ اگر غصہ کی نظر سے تم کو دیکھیں تو سمجھ لینا وہ بادشاہ ہیں، تم ہرگز خوف زدہ نہ ہونا، ہم ان سے زیادہ عزت رکھتے ہیں اور اگر کشادہ پیشانی اور مہربانی سے پیش آئیں تو سمجھ لینا وہ نبی مرسل ہیں۔ ان کی بات سمجھنا اور (ادب کے ساتھ) جواب دینا۔ غرض بلقیس کے قاصد سارے تحفے لے کر روانہ ہو گئے۔ ادھر ہد ہد نے جلد جا کر حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس واقعہ کی خبر دے دی۔ آپ نے جنات کو حکم دیا کہ سونے چاندی کی اینٹیں تیار کریں۔ حکم کی تعمیل کی گئی۔

پھر آپ نے حکم دیا کہ ان اینٹوں کو اس جگہ سے نوفرخ تک ایک میدان میں بچھادیں اور میدان کے گردا گرد سونے چاندی کی اونچی دیوار کھینچ دیں۔ پھر فرمایا: خشکی اور دریا میں کون سا جانور سب سے اچھا ہوتا ہے؟ حاضرین نے عرض کیا یا نبی اللہ! ہم نے فلاں سمندر میں کچھ جانور دیکھے ہیں جن کے رنگ مختلف ہوتے ہیں۔ ان کے دو بازو، گردن پر کلغیاں اور پیشانیوں پر بال ہوتے ہیں۔ فرمایا: ابھی لے آؤ۔ جنات نے فوراً لاکر حاضر کر دیئے۔ فرمایا: میدان کے دائیں بائیں دونوں طرف سونے چاندی کی اینٹوں کے فرش پر ان کو باندھ دو اور ان کا چارہ ان کے سامنے ڈال دو۔ پھر جنات کو حکم دیا، اپنی اولاد کو لاکر میدان کے دائیں بائیں کھڑا کر دو۔ ان احکام کی تعمیل کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے تخت پر رونق افروز ہو گئے اور اپنے دائیں بائیں جانب چار چار ہزار کرسیاں بچھوادیں اور دائیں بائیں فرخوں تک صف بستہ کھڑے ہونے کا شیطانوں کو حکم دیا۔ جب قاصد قریب پہنچ گئے اور

سلیمان علیہ السلام کی حکومت دیکھی اور ایسے چوپائے دیکھے جو کبھی نہیں دیکھے تھے اور ان کو چاندی سونے کی اینٹوں پر گوبر کرتے پایا تو خود وہ اپنی نظروں میں حقیر ہو گئے اور جو تختے ساتھ لائے تھے سب پھینک دیئے۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے سونے چاندی کی اینٹیں بچھانے کا حکم جس وقت دیا تھا اس وقت بلقیس کی بھیجی ہوئی اینٹوں کی گنتی کے مطابق جگہ خالی چھوڑ دی تھی۔ قاصدوں نے جب کچھ اینٹوں کی جگہ خالی دیکھی اور باقی زمین پر فرش پایا تو ان کو اندیشہ ہوا کہ کہیں کوئی ہم پر اینٹیں اٹھالینے کی تہمت نہ لگائے اس لیے خالی جگہ پر اینٹیں پھینک دیں۔ پھر شیاطین کو دیکھ کر خوف زدہ ہو گئے۔ ان سے کہا گیا، آگے بڑھو، ڈر کی کوئی بات نہیں۔ قاصد تمام جن وانس اور پرندوں، درندوں اور چرندوں کی لکڑیوں سے گزر کر حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے جا کھڑے ہوئے۔ آپ نے ان کی طرف کشادہ روئی کے ساتھ اچھی نظروں سے دیکھا اور فرمایا: کیا بات ہے؟ امیر وفد نے ساتھ لائی ہوئی چیزیں پیش کر دیں اور ملکہ کا خط بھی دے دیا۔ آپ نے خط غور سے پڑھا اور فرمایا: ڈبہ کہاں ہے؟ امیر وفد نے پیش کر دیا۔ آپ نے ڈبہ کو ہلایا۔

اتنے میں جبرئیل علیہ السلام آگئے اور ڈبہ کے اندر جو چیز تھی وہ بتادی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: اس کے اندر بغیر سوراخ کا ایک قیمتی موتی ہے اور ایک ٹیڑھا سوراخ کیا ہوا پتھہ ہے۔ قاصد نے عرض کیا: آپ نے صحیح فرمایا۔ اب موتی میں سوراخ کر دیجئے اور پتھہ میں دھاگہ پر دو تہجئے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنات اور آدمیوں سے دریافت فرمایا: کوئی اس میں سوراخ کر سکتا ہے؟ کسی کو سوراخ کرنے کی تدبیر معلوم نہ تھی اس لیے خاموش رہے۔ پھر آپ نے شیاطین سے دریافت کیا۔ ایک شیطان نے کہا: لکڑی کے کیڑے کو بلوایا۔ حسب الحکم لکڑی کا کیڑا آیا اور دھاگہ منہ میں پکڑ کر موتی میں سوراخ کرتا ہوا دوسری جانب نکل آیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: تو کیا انعام چاہتا ہے؟ کیڑے نے عرض کیا:

میری روزی درخت (لکڑی) میں مقرر کر دی جائے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: تیرے لیے ایسا ہی کر دیا گیا۔ پھر آپ نے لڑکوں اور لڑکیوں کو الگ الگ چھانٹ دیا جس کی تدبیر یہی کہ سب کو ہاتھ منہ دھونے کا حکم دیا۔ لڑکی برتن سے پانی ایک ہاتھ میں لیتی پھر ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں ڈالتی، پھر منہ پر مارتی تھی اور لڑکا براہ راست برتن سے پانی لے کر منہ پر مارتا تھا۔ لڑکی ہانہ کے اندرونی جانب پانی ڈالتی تھی اور لڑکا کلائی کے بیرونی جانب پانی بہاتا تھا، لڑکی یونہی پانی دھارتی تھی اور لڑکا اوپر سے نیچے کو ہاتھ پر پانی گراتا تھا۔ خلاصہ یہ کہ آپ نے سب کو الگ الگ چھانٹ دیا۔ پھر لائے ہوئے ہدیے واپس کر دیئے۔ جیسا کہ آیت میں ذکر کیا گیا ہے۔ یہ تمام تفصیل بغوی نے بیان کی ہے جو مختلف روایات سے ماخوذ ہے۔ بعض باتیں ابن ابی حاتم نے سدی کی روایت سے اور بعض باتیں ابن ابی حاتم اور ابن المنذر دونوں نے یزید بن رومان کی روایت سے بیان کی ہیں۔

فَلَمَّا جَاءَ سُلَيْمَنُ قَالَ أَسْمِدُونِ بِمَالِ فَمَا آتَيْتَنِي اللَّهُ خَيْرٌ مِّمَّا آتَيْتَنِي بَلْ أَنْتُمْ بِهَدْيَتِكُمْ  
تَفْرَحُونَ ﴿۳۶﴾ إِرْجِعْ إِلَيْهِمْ فَلَنَأْتِيَنَّهُمْ بِجُنُودٍ لَا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِنْهَا أَذِلَّةً وَهُمْ

صَغِرُونَ ﴿۳۷﴾ قَالَ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُوا أَيُّكُمْ يَا بُنَيَّ بَعْرُشَهَا قَبْلَ أَنْ يَأْتُوْنِي مُسْلِمِينَ ﴿۳۸﴾ قَالَ

عَفْرِيْتُ مِنَ الْجِنَّ أَنَا أَيْتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ تَقُومَ مِنْ مَقَامِكَ وَإِنِّي عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ أَمِينٌ ﴿۳۹﴾

﴿تفسیر﴾ سو جب وہ فرستادہ سلیمان کے پاس پہنچا (اور تھے پیش کے تو سلیمان نے) فرمایا کیا تم لوگ (یعنی بلیس وغیرہ) مال سے میری امداد کرتے ہو سو (سمجھ رکھو کہ) اللہ نے جو کچھ مجھ کو دے رکھا ہے وہ اس سے کہیں بہتر ہے جو تم کو دے رکھا ہے ہاں تم ہی اپنے اس ہدیہ پر اترتے ہو گے (سو یہ تحفے ہم نہ لیں گے) تم (ان کو لے کر) ان لوگوں کے پاس لوٹ جاؤ ہم ان پر ایسی فوجیں بھیجتے ہیں کہ ان لوگوں سے ان کا ذرا مقابلہ نہ ہو سکے گا اور ہم ان کو وہاں سے ذلیل کر کے نکال دیں گے اور وہ (ہمیشہ کے لئے) ماتحت ہو جاویں گے سلیمان (کو وحی سے یا اور کسی مخبر وغیرہ کے ذریعہ سے اس کا چلنا معلوم ہوا تو انہوں) نے فرمایا کہ اے اہل دربار تم میں کوئی ایسا ہے جو اس (بلیس) کا تخت قبل اس کے کہ وہ لوگ میرے پاس مطیع ہو کر آویں حاضر کر دے ایک قوی بیکل جن نے جواب میں عرض کیا کہ میں اس کو آپ کی خدمت میں حاضر کر دوں گا قبل اس کے کہ آپ اپنے اجلاس سے اٹھیں اور (گو وہ بڑا بھاری ہے مگر) میں اس (کے لانے) پر طاقت رکھتا ہوں اور گو وہ بڑا قیمتی مرصع جواہرات سے ہے مگر امانت دار (بھی) ہوں۔

﴿تفسیر﴾ ﴿۳۶﴾ ”فلما جاء سليمان قال اتمدونن بمال“ حمزہ اور یعقوب نے ”اتمعدونی“ ذکر کیا۔ ایک نون کے ساتھ اور یاء کے ثابت کے ساتھ اور دوسرے قراء نے اس کو دونوں تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اور یاء کو باقی رکھا ہے اور دوسرے قراء اس کو حذف کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔ ”فما اتاننی اللہ“ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو نبوت دین حکمت اور بادشاہت عطا کی ہے۔

”خیر“ وہ بہتر ہے، افضل ہے۔ ”مما اتاکم بل انتم بہدیتکم تفرحون“ یہ تو دنیاوی لوگوں کے لیے باعث فخر ہے اور دنیا والوں کے لیے اس میں کثرت ہے۔ اس وجہ سے وہ ایک دوسرے پر فخر کرتے ہیں۔ میں ان کی وجہ سے خوش نہیں ہوتا اور نہ ہی دنیا میں مجھے ان چیزوں کی ضرورت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس دنیا میں کچھ دن کے لیے ٹھکانا دیا اور اس میں سے ضرورت کی اشیاء مجھے عطا کی ہیں جو تم سے کسی کو بھی عطا نہیں کی گئیں اور اس کے علاوہ مجھے میرے اکرام بخشا دیں اور نبوت کے ساتھ، پھر منذر بن عمرو نے جو وفد کا امیر تھا اس نے کہا۔

﴿۳۷﴾ ”ارجع الیہم“ ہدیہ دے کر واپس لوٹ جاؤ۔ ”فلناتینہم بجنود لاقبل لہم“ اس کی طاقت نہیں۔ ”بہا ولنخر جنہم منہا“ اور وہ تمہیں تمہارے شہر سب سے تمہیں نکال دیں گے۔ ”اذلہ وہم صاعرون“ وہ ذلیل ہیں اگر تم اسلام قبول نہیں کرو گے۔

## حضرت سلیمان علیہ السلام کا ہدایا واپس لوٹا دینا

وہب بن مہبہ کا بیان ہے کہ جب وفد بن حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس سے لوٹ کر بلیس کے پاس پہنچا تو بلیس نے کہا واللہ! میں تو پہلے ہی پہچان چکی کہ وہ بادشاہ نہیں ہیں اور ان کے مقابلے کی ہم میں سکت نہیں ہے اس کے بعد بلیس نے



حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس پیغام بھیجا کہ میں خود اپنی قوم کے سرداروں کے ساتھ آپ کے پاس آ رہی ہوں اور دیکھوں گی کہ جس دین کی طرف آپ ہم کو بلا رہے ہیں وہ کیا ہے؟ پھر بلقیس نے حکم دے کر اپنے تختہ کو تہ بہ تہ سات کمروں میں بند کرا کے دروازوں کو مقفل کرا دیا، سات محلوں کے اندر اس کو رکھوا دیا اور حفاظت کے لیے کچھ نگران مقرر کر لیے اور اپنے نائب سے کہا تم یہاں کے حالات کے نگران رہنا میرے تخت تک کوئی پہنچنے نہ پائے اور کوئی اس کو خراب نہ کر سکے۔ پھر اعلان کرنے والے کو یہ حکم دیا کہ تمام ممالک محروسہ کے باشندوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہم کوچ کر رہے ہیں اس کے بعد یمن کے بارہ ہزار نوابوں کو لے کر روانہ ہو گئی، ہر نواب کے ماتحت ہزاروں سپاہی تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام بڑے باوقار اور رعب والے آدمی تھے۔ اگر کسی سے کچھ دریافت کرتے تھے تو اس کی مجال نہ ہوتی کہ خود اپنی طرف سے جواب دے سکے بلکہ وہ آپ پر ہی آپ کے سوال کا جواب محول کر دیتا۔ ایک روز اپنے تخت حکومت سے باہر نکل کر تشریف فرما تھے کہ ایک غبار قریب ہی اڑتا نظر آیا اور دریافت فرمایا یہ کیا ہے؟ حاضرین نے عرض کیا بلقیس اس جگہ آ کر اتری ہے، یہ مقام حضرت سلیمان علیہ السلام کی مجلس سے ایک فرسخ پر تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ بات سن کر اپنے لشکروں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔

⑧ "قال يا ايها الصّٰلٰٓئٰٓءُ آٰتٰٓنِيْ بَعْرَشٰٓهَا قَبْلَ اَنْ يَّاتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ" اس کے ایمان لانے سے پہلے۔

## بلقیس کے تخت کو حاضر کرنے کا حکم

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس کی اطاعت کرنے سے پہلے حضرت سلیمان علیہ السلام کے ارشاد کی وجہ میں آئمہ مفسرین نے مختلف اقوال نقل کیے ہیں کہ انہوں نے بلقیس کے تخت کو حاضر کرنے کا کیوں حکم دیا؟ اکثر مفسرین نے اس کا یہ جواب نقل کیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جانتے تھے کہ اس کے اسلام لانے کے بعد اس کے مال پر قبضہ نہیں کر سکتے اور اس کی رضامندی سے اس کا تخت لینا حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے جائز نہیں تھا۔ اس لیے ارادہ کیا کہ اس کے اسلام لانے سے پہلے اس کو اپنے پاس حاضر کیا جائے۔ بعض نے یہ جواب دیا کہ تا کہ اس کے ذریعے سے اس کو اللہ کی قدرت کا مشاہدہ کروائیں۔ قتادہ کا قول ہے کہ ان کو اس کے اس تخت کی صفات عجیب معلوم ہوئیں۔ جب بد ہدے ان کو تفصیل بتلائی تھی حضرت سلیمان علیہ السلام پسند کرتے تھے کہ اس کو دیکھیں۔ ابن زید کا قول ہے بلقیس کی عقل کی آزمائش تھی کہ کیا وہ اپنے تخت کو پہچان لے گی۔

⑨ "قال عفریت من الجن" ایک قوی دیونے کہا۔ وہب کا بیان ہے کہ اس کا نام کوذی تھا۔ بعض نے کہا کہ اس کا نام ذکوان ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے یہ عفریت ایک پہاڑ کی طرح تھا۔ ضحاک کا قول ہے کہ اس سے مراد خبیث دیو ہے۔ ربیع نے کہا کہ اس سے مراد غلیظ ہے۔ فراء کا قول ہے کہ اس سے مراد سخت قسم کا دیو ہے۔

"انا اتيك به قبل ان تقوم من مقامك" اس جگہ سے جس جگہ آپ بیٹھ کر فیصلہ کرتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول

ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام ہر صبح کو مجلس کرتے تھے جو دو پہر تک جاری رہتی تھی۔ ”وانی علیہ اس کے اٹھانے کیلئے ”لقوی آمین“ یعنی جن جو اہر سے وہ صبح تھا ان میں کی نہیں کروں گا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا، میں اس سے زیادہ جلد منگوانا چاہتا ہوں۔

قَالَ الَّذِي عِنْدَهُ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتَابِ اَنَا اِيَّاكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يُّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ. فَلَمَّا رَاَهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهُ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّي. لِيَلُوْنِيْءَ اَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ. وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ. وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ 40

قَالَ نَكِرُوا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرُ اَتَهْتَدِيْ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ اللَّيْنِ لَا يَهْتَلُوْنَ 41  
فَلَمَّا جَاءَتْ قِيلَ اِهٰكذَا عَرْشُكَ. قَالَتْ كَاَنَّهُ هُوَ وَاُوْتِيْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِيْنَ 42

تفسیر: جس کے پاس کتاب کا علم تھا اس نے (اس جن سے) کہا کہ میں اس کو تیرے سامنے تیری آنکھ جھکنے سے پہلے لاکھڑا کر سکتا ہوں پس جب سلیمان علیہ السلام نے اس کو اپنے روبرو رکھا دیکھا تو (خوش ہو کر شکر کے طور پر) کہنے لگے کہ یہ بھی میرے پروردگار کا ایک فضل ہے تاکہ وہ میری آزمائش کرے کہ میں شکر کرتا ہوں یا (خدا نخواستہ) ناشکری کرتا ہوں اور (ظاہر ہے کہ) جو شخص شکر کرتا ہے وہ اپنے ہی نفع کے لئے شکر کرتا ہے (اللہ تعالیٰ کا کوئی نفع نہیں) اور (اسی طرح) جو ناشکری کرتا ہے میرا رب غنی ہے کریم ہے (اس کے بعد) سلیمان نے (بلیقے کی عقل آزمانے کے لئے) حکم دیا کہ اس کے لئے اس کے تخت کی صورت بدل دو ہم دیکھیں کہ اس کو پتہ لگتا ہے یا اس کا ان ہی میں شمار ہوتا ہے جن کو (ایسی باتوں کا) پتہ نہیں لگتا (سلیمان نے یہ سب سامان کر رکھا پھر بلیقے پہنچی) سو جب بلیقے آئی تو اس سے (تخت دکھا کر) کہا گیا کہ کیا تمہارا تخت ایسا ہی ہے وہ کہنے لگی ہاں ہے تو ویسا ہی اور (یہ بھی کہا کہ) ہم لوگوں کو تو اس واقعہ سے پہلے ہی (آپ کی نبوت کی) تحقیق ہو چکی ہے۔ اور ہم (اسی وقت دل سے) مطمح ہو چکے ہیں۔

## علم من الكتاب کی مختلف تفسیریں

تفسیر: 40 ”قال الذي عنده علم من الكتاب“ اس کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا اس سے مراد جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ بعض نے کہا کہ فرشتوں میں سے ایک فرشتہ جس کو اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے مویذ کیا تھا۔ اکثر مفسرین کا قول ہے کہ اس سے مراد آصف بن برخیا ہیں جو صدیقیت کے مرتبہ پر فائز تھے۔ اللہ کا اسم اعظم ان کو معلوم تھا۔ جب اسم اعظم لے کر دُعا کرتے تھے تو اللہ ان کی دُعا قبول فرمایا اور ان کا سوال پورا کر دیتا تھا۔ جو یہ اور مقاتل نے ضحاک کی وصاطت سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف اس بیان کی نسبت کی ہے کہ آصف بن برخیا نے نماز کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام سے کہا جہاں تک آپ کی نظر پہنچے اپنی آنکھیں اٹھا کر دیکھئے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے نظر اٹھا کر یمن کی طرف دیکھا اور آصف نے دُعا کی فوراً اللہ نے فرشتوں کو بھیج دیا۔ فرشتوں نے تخت اٹھالیا اور زمین کو اندر ہی اندر حیرتے ہوئے لا کر حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے دکھادیا۔

کلبی کا قول ہے آصف نے سجدہ میں گر کر اللہ کا اسم اعظم پڑھ کر دُعا کی۔ فوراً بلقیس کا تخت زمین کے اندر ہی اندر چل دیا۔ یہاں تک کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی کرسی کے پاس برآمد ہو گیا۔ بعض روایات میں آتا ہے یہ مسافت دو مہینے کی راہ کے برابر تھی۔ آصف بن برخیا نے کیا دُعا مانگی تھی۔ اس کی تعین میں اختلاف ہے۔ مجاہد نے کہا کہ ”یا ذا الجلال والا کرام“ یہ اسم اعظم تھا۔ کلبی کا بیان ہے ”یا حسی یا قیوم“ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بھی یہی قول ہے۔

زہری کا قول ہے کہ جس کے پاس علم کتاب تھا اس نے اس طرح دُعا کی تھی ”یا الہنا والہ کل شیء الہا واحدا لا الہ الا انت الہی بعرشہا“ اے ہمارے معبود! اور ہر چیز کے تہا معبود تیرے سوا کوئی معبود نہیں، میرے پاس ان کا تخت لے آ۔ محمد بن منکدر نے کہا ”الذی عنده علم من الكتاب“ سے خود حضرت سلیمان علیہ السلام کی ذات مراد ہے۔ اللہ نے آپ کو علم وفہم عطا کیا تھا۔ ”انا اتیک بہ قبل ان یرتد الیک طرفک“ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا لے آ، اس نے کہا کہ آپ نبی ہیں اور نبی کے بیٹے ہیں، آپ سے زیادہ کوئی بھی اللہ کے نزدیک نہیں زیادہ حقدار کہ آپ کوئی چیز طلب کریں تو وہ فوراً آپ کے پاس نہ پہنچ جائے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ تو نے سچ کہا، پھر اس نے ایسا ہی کیا۔ وہ عرش کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس اتنی جلدی لے آیا۔ ”قبل ان یرتد الیک طرفک“ آنکھ جھپکنے کے اندر اندر اور وہ اتنا دور تھا جتنا کہ آنکھ سے نہیں دیکھ سکتا۔ بعض نے کہا کہ جیسے دیکھنے والے کے لیے پلک جھپکانا۔ مجاہد کا قول ہے کہ نظر کو ہمیشہ دوام کے ساتھ دیکھنا۔ پھر وہ لوٹا خسارہ ہو کر۔ وہب کا بیان ہے کہ اپنی آنکھوں کو جھکا کر رکھو۔ ”فلما راہ“ جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے عرش کو دیکھا۔ ”مستقرًا عنده“ شام سے ان کی طرف آنکھ جھپکنے سے پہلے لوٹا یا گیا۔

”قال هذا من فضل ربی لیبلونی ء اشکر“ اس کی نعمتوں کا شکر ادا کروں۔ ”ام اکفر“ یا اس کی نعمتوں کا شکر ادا نہ کروں۔ ”ومن شکر فانما یشکر لنفسه“ اس نفع کا شکر ادا کرنا چاہیے، یہ نعمت کے دوام اور اس کے مستوجب کا مدار ہے، شکر نعمت کی موجودگی یا اس نعمت کے چلے جانے پر کرتا۔ ”ومن کفر فان ربی عنتی“ اس کے شکر سے بے پرواہ ہے۔ ”مکریم“ اور جو اس کی نعمتوں کا شکر یہ نہ بھی ادا کرے اس کو بھی نعمت سے روکتا نہیں عطا کرتا رہتا ہے۔

④ ”قال نکروا لها عرشہا“ اس کے عرش کو تبدیل کر دو تا کہ اس کو دیکھتے ہی وہ اس کو پہچان نہ لے۔ قنادہ اور مقاتل کا بیان ہے کہ اس میں کمی اور زیادتی کر لو۔ روایت میں آتا ہے کہ اس کے نچلے والے حصہ کو اوپر اور اوپر والے حصے کو نیچے کر دو اور سرخ جو اہر موتیوں کو بزم موتیوں کے ساتھ اور بزم موتیوں کو سرخ موتیوں کے ساتھ بدل دو۔ ”نظرا تہتدی“ عرش کو دیکھ کر اس کو پہچان لے گی۔ ”ام تکون من“ یا وہ جاہلین میں سے ہوں گی۔ ”الذین لا یتہدون“

## حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کے تخت کی تبدیلی کیوں کی

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایسا کیوں کیا اس کے بارے میں وہب بن منبہ اور کعب وغیرہ کا بیان ہے کہ شیطان کو یہ

اندیشہ تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام بلقیس سے عقد نہ کر لیں، اگر ایسا کر لیا تو جنات کے سارے راز وہ حضرت سلیمان علیہ السلام سے کہہ دے گی کیونکہ اس کی ماں پری تھی وہ جنات کی خفیہ باتوں سے واقف تھی۔ پھر اگر کوئی اولاد ہو گئی تو حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد اس کے زیر حکم رہنا پڑے گا اور یہ نسل سلیمانی کی غلامی کبھی دور نہیں ہوگی۔ اس لیے حضرت سلیمان علیہ السلام کو نفرت دلانے کے لیے شیطان نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے بلقیس کی مذمت کی اور کہا کہ اس کی عقل میں کمزوری ہے، اس کے دونوں قدم گدھے کے سم کی طرح ہیں، اس کی پنڈلیوں پر بال ہیں۔ اس اطلاع کی بنیاد پر حضرت سلیمان علیہ السلام نے سخت کی صورت بدل ڈالنے کا حکم دیا تاکہ بلقیس کی عقل کی جانچ ہو جائے اور پنڈلیاں دیکھنے کے لیے ایک شیشہ گھرنانے کا حکم دیا۔

﴿فَلَمَّا جَاءَتْ قَيْلٌ﴾ اس کو کہا گیا ”اھکذا عرشک قالت کانه هو“ مقاتل کا بیان ہے کہ بلقیس نے اپنا تخت پہچان تو لیا تھا لیکن اشتباہی الفاظ میں اس نے جواب اس لیے دیا کہ اس سے مشتبه الفاظ ہی میں سوال کیا گیا تھا۔ عکرمہ کا قول ہے کہ وہ حکیم خاتون تھیں، انہوں نے نعم اس لیے نہیں کہا کہ ان کی تکذیب نہ کی جاتی اور لا اس خوف سے نہیں کہا کہ اس سے بھی تکذیب کا اندیشہ تھا اس نے کہا گویا کہ یہ وہی ہے حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کی عقل کو پہچان لیا کہ اس نے نہ تو انکار کیا اور نہ ہی اقرار کیا۔ بعض نے کہا کہ اس کو اشتباہ اس وجہ سے ہوا کہ اس نے اپنا عرش پیچھے ایسے گھر میں رکھا تھا جو سات دروازوں کے اندر مقفل تھا اور اس کی چابیاں بلقیس کے پاس تھیں۔ اس کو کہا گیا کہ یہ تمہارا عرش ہے تمہارا اس کو بند کر کے آنا کوئی فائدہ مند اور کارگر ثابت نہیں ہوا تو اس نے جواب دیا ”واوتینا العلم“ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے نبی ہونے کے بارے میں مجھے اس سے پہلے ہی نشانیاں مل چکی تھیں کہ یہ نشانیاں انبیاء و رسولوں کی ہی ہوسکتی ہیں۔ ”من قبلھا“ اس عرش کی نشانی سے پہلے (اس کو لائے جانے سے پہلے)..... ”وکنا مسلمین“ حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم کی تابعداری اور طاعت گزار ہوں۔ بعض علماء نے کہا کہ ”واوتینا العلم من قبلھا وکنا مسلمین“ حضرت سلیمان علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کا کلام ہے یعنی ہم تو اللہ کی قدرت اور ہر حکم خدا کی صحت کو اس واقعہ سے پہلے ہی جانتے ہیں اور ہم اس کے بھیجے ہوئے دین پر قائم ہیں اور برابر اس کے اطاعت گزار اور فرمانبردار ہیں۔ بعض اہل علم کا قول ہے کہ ہم کو بلقیس کے ایمان لانے اور آنے سے پہلے اطاعت گزار ہو جانے کا علم ہو چکا تھا اور ہم اللہ کے فرمانبردار ہیں۔

وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تُعْبُدُ مِنْ دُونِ اللَّهِ. إِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كَافِرِينَ ﴿۴۳﴾ قِيلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ. فَلَمَّا رَأَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَكَشَفَتْ عَنْ سَاقِهَا قَالَتْ إِنَّهُ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيرَ.

قَالَتْ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي وَأَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمَانَ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۴۴﴾

﴿تجوہ﴾ اور اس کو (ایمان لانے سے) غیر اللہ کی عبادت نے (جس کی اس کو عادت تھی) روک رکھا تھا (اور وہ عادت اس لئے پڑ گئی تھی کہ) وہ کافر قوم میں کی تھی بلقیس سے کہا گیا کہ اس محل میں داخل ہو (وہ چلیں راہ میں حوض آیا) تو جب اس کا صحن دیکھا تو اس کو پانی (سے بھر ہوا) سمجھا اور (اس کے اندر گھسنے کے لئے) اپنی دونوں پنڈلیاں

کھول دیں (اس وقت) سلیمانؑ نے فرمایا کہ یہ تو ایک محل ہے جو شیعوں سے بنایا گیا ہے (اس وقت) بلقیس کہنے لگیں کہ اے میرے پروردگار میں نے (اب تک) اپنے نفس پر ظلم کیا تھا (کہ شرک میں مبتلا تھی) اور میں (اب) سلیمانؑ کے ساتھ (یعنی ان کے طریقہ پر) ہو کر رب العالمین پر ایمان لائی۔

**تفسیر** 43 "وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَعْبُدُ مِنْ دُونِ اللَّهِ" حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان کو غیر اللہ کی عبادت کرنے سے منع کر دیا جن کو وہ اللہ کے سوا پوجتی تھی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کو سورج کی پوجا کرنے سے روک دیا اور اللہ کی عبادت کرنے کا حکم دیا۔ اس صورت میں ما محل رفع میں واقع ہے۔ بعض نے کہا کہ عقل کی کمزوری یا خرابی نے اس کو توحید سے نہیں روکا تھا۔ اسی لیے جن کا یہ کہنا غلط تھا کہ اس کی سمجھ میں فتور ہے۔ بعض نے کہا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کو غیر اللہ کی عبادت کرنے سے روک دیا اس کے اور اس کی عبادت کے درمیان حائل ہو گئے۔ "انہا کانت من قوم کافرین" یہ جملہ مستانفہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو خبر دی کہ یہ اس قوم میں سے ہے جو سورج کے پجاری ہیں کیونکہ وہ انہی میں پیدا ہوئی تھی اور ان ہی میں پرورش پائی تھی اور کسی کی عبادت کرنے کو پہچانتی نہیں تھی مگر سورج کی عبادت کرنے کو ہی سمجھتی تھی۔

44 "قِيلَ لَهَا ادْخُلِي الْمَرْحَ" حضرت سلیمان علیہ السلام نے سوچا کہ اس کی پنڈلیوں اور قدموں کا ان پر انکشاف آ جائے کیونکہ شیطان نے ان کو اس پر اطلاع دی کہ اس کے پاؤں گدھے کے پاؤں کی طرح ہیں، اس کی پنڈلیوں پر بال ہیں۔ شیطان کو حکم دیا کہ وہ ایک قصر بنائے۔

بعض نے کہا اس کو ایک گھر بنانے کا حکم دیا۔ بعض نے کہا جس کا صحن سفید آگینہ کا رکھا اور اس کے نیچے پانی چھوڑ دیا، پانی کے نیچے آبی جانور بھی چھوڑ دیئے اور اپنے تخت کو اس صحن کے جانب (صدر) بچھوایا اور تخت پر تشریف فرما ہو گئے۔ جب بلقیس آئی اور اس نے صحن کو دیکھا تو رُکا ہوا پانی خیال کیا اور پنڈلیوں سے کپڑا تھٹھایا تاکہ پانی میں گھس کر سلیمان علیہ السلام کے پاس پہنچے۔ سلیمان علیہ السلام نے اس کی طرف دیکھا تو پنڈلیاں اور قدم بہت ہی خوبصورت دکھائی دیئے البتہ پنڈلیوں پر بال تھے۔ سلیمان علیہ السلام نے دیکھ کر نظر پھیر لی۔ "فلما رآته حسبته لبتحة" اور وہ پانی کا خیال کیا "و كَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا" اس نے اپنی پنڈلیوں سے کپڑا ہٹایا تاکہ میں اس میں داخل ہو سکوں۔ جب اس کی پنڈلیاں اور قدم دیکھے تو بہت ہی خوبصورت تھے اور دیکھتے ہی نظر ہٹالی اور آواز دی۔ "قال انه صرح ممرود" چکنا امر دمھی اسی سے بنا ہوا ہے۔ "من قوادیر" آگینہ کا بنا ہوا چکنا۔ پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسلام کی طرف اس کو دعوت دی۔ جب اس نے عرش کی حالت دیکھی تو اس نے قبول اسلام کر لیا۔ "قالت رب انی ظلمت نفسی" کفر کے ساتھ اپنے اوپر ظلم کیا۔ مقاتل کا بیان ہے کہ جب اس نے اپنا تخت اور یہ سب نشانیاں دیکھیں تو اس کو معلوم ہو گیا کہ یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے تو کہنے لگی "رب انی ظلمت نفسی" کہ اے میرے رب میں نے اپنے اوپر دوسروں کی عبادت کر کے ظلم کیا۔ "و اسلمت مع سلیمان للہ رب العالمین" خالص موحد ہو گئی۔ بعض حضرات نے آیت کی تفسیر میں کہا کہ جب بلقیس صحن پر پہنچی تو اس کو

کنڈ بھی تو خیال کیا کہ سلیمان علیہ السلام مجھے غرق کرنا چاہتے ہیں اس سے تو قتل ہونا آسان ہے پھر جب حقیقت ظاہر ہو گئی تو کہنے لگی میں نے سلیمان علیہ السلام پر بدگمانی کر کے اپنے اوپر ظلم کیا، اب میں نے توبہ کی اور اسلام لے آئی۔

مسلمان ہونے کے بعد بلقیس کے احوال کو علماء نے مختلف طور پر بیان کیا ہے۔ عون بن عبد اللہ نے بیان کیا کہ ایک شخص نے عبد اللہ بن عیینہ سے دریافت کیا کہ کیا حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس سے نکاح کر لیا تھا۔ ابن عیینہ نے کہا بلقیس کا واقعہ تو ”اسلمت مع سلیمان للہ رب العالمین“ پر ختم ہو گیا، یعنی ہم کو اس سے زیادہ علم نہیں۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ فَإِذَا هُمْ فَرِيقَانِ يَخْتَصِمُونَ ﴿٤٥﴾ قَالَ يَوْمَ لِمَ تَسْتَعْجِلُونَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُونَ اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿٤٦﴾ قَالُوا أَطِيرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَعَكَ قَالَ طِيرْتُمْكُمْ عِنْدَ اللَّهِ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُونَ ﴿٤٧﴾ وَكَانَ فِي الْمَدِينَةِ سَعَةُ رَهْطٍ يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ ﴿٤٨﴾ قَالُوا تَقَاسَمُوا بِاللَّهِ لَنُبَيِّتَنَّهُ وَأَهْلَهُ ثُمَّ لَنَقُولَنَّ لِوَلِيِّهِ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ أَهْلِهِ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ﴿٤٩﴾

اور ہم نے (قوم) ثمود کے پاس ان (کی برادری) کے بھائی صالح کو (پیغمبر بنا کر) بھیجا یہ (پیغام دیکر) کہ تم اللہ کی عبادت کرو سوا چنانچہ ان میں دو فریق ہو گئے جو (دین کے بارے میں) باہم جھگڑنے لگے صالح (علیہ السلام) نے فرمایا کہ اے بھائیو نیک کام کرو (یعنی توبہ و ایمان) سے پہلے عذاب کو کیوں جلدی مانگتے ہو تم لوگ اللہ کے سامنے (کفر کی) معافی کیوں نہیں چاہتے جس سے توقع ہوتا کہ تم پر رحم کیا جاوے (یعنی عذاب سے محفوظ رہو) وہ لوگ کہنے لگے کہ ہم تو تم کو اور تمہارے ساتھ والوں کو منحوس سمجھتے ہیں صالح نے (جواب میں) فرمایا کہ تمہاری (اس) شحوت (کاسب) اللہ کے علم میں ہے بلکہ تم لوگ ہو کہ (اس کفر کی بدولت) عذاب میں مبتلا ہوئے اور (کفر کے سرغنہ) اس ہستی میں تو شخص تھے جو سر زمین میں (یعنی ہستی کے باہر تک بھی) فساد کیا کرتے تھے اور (ذرا) اصلاح نہ کرتے تھے انہوں نے کہا کہ آپس میں سب (اس پر) اللہ کی قسم کھاؤ کہ ہم شب کے وقت صالح اور ان کے متعلقین (یعنی ایمان والوں کو) جا ماریں گے (پھر بروقت تحقیق) ہم ان کے وارث سے کہہ دیں گے کہ ہم ان کے متعلقین کے (اور خود ان کے) مارے جانے میں موجود (بھی) نہ تھے اور ہم بالکل سچے ہیں۔

تفسیر ﴿٤٥﴾ ”وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ“ اکیلے اسی کی عبادت کریں۔ ”فَإِذَا هُمْ فَرِيقَانِ“ اس سے مراد کافر و مؤمن ہیں۔ ”يَخْتَصِمُونَ“ دین میں وہ جھگڑا کرتے ہیں۔ مقاتل کا بیان ہے ان کے جھگڑے سے مراد وہ ہے جو سورۃ اعراف میں گزر چکا ہے۔ ”قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِنْ قَوْمِهِ لِلَّذِينَ اسْتَضَعَفُوا لِمَنْ أَمِنَ مِنْهُمْ“ سے لے کر ”يَا صَالِحِ انْتِنَا بِمَا تَعْلَمَانَا ان كُنْتُمْ مِنَ الْمُرْسَلِينَ“



46 "قال" حضرت صالح علیہ السلام نے ان کو کہا "یا قوم لم تستعجلون بالسیئة" بلاء اور سزا "قبل الحسنة"

عاقبت اور رحمت مراد ہے۔ "لولا" مھلا کے معنی میں ہے۔ "تستغفرون اللہ" اپنے کفر سے توبہ کر لی۔ "لعلکم ترحمون"

47 "قالوا طیرنا" اگر اس سے بدشگونئی حاصل کی۔ طیرنا اصل میں تطیرنا تھا۔ "بک وبمن معک" یہ اس وجہ سے کہا

کہ ان کے کلمہ کے متفرق ہونے کی وجہ سے۔ بعض نے کہا کہ جب اس کو سختی یا عذاب آجاتا، بارش رُک جانے اور قحط آنے سے تو

کہتے کہ یہ تکلیف سختی ان کی شوم سے اور ان کی قوم کی شوم سے آئی ہے۔ "قال طائرکم عنداللہ" جو تمہیں خیر و شر پہنچا ہے وہ

اللہ کی طرف سے اور اس کے حکم سے پہنچا ہے جس نے تمہاری تقدیر میں خیر و شر لکھ دیا ہے نہ کہ ان ساتھیوں کی نخواست سے پہنچا ہے۔

اس کو طائر اس وجہ سے کہا گیا کہ اللہ کا فیصلہ سرعت جلدی سے پہنچنے والا ہے چونکہ قضاء قطعی سے زیادہ تیز کوئی چیز نہیں۔ اسی سرعت

نزول کی وجہ سے اس کو طاہر کہا گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ یہ نخواست تمہارے کفر و شرک کی وجہ سے تم کو پہنچی ہے

نہ کہ ان لوگوں کی نخواست سے۔ بعض نے کہا کہ اس کی خرابیاں تمہارے اعمال کی وجہ سے آئی ہیں اس کو طاہر اس وجہ سے بھی کہا گیا

کہ یہ جلدی آسمان کی طرف چڑھتے ہیں۔ "بل انتم قوم تفتنون" ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ وہ تمہیں خبر دیتے ہیں خیر

اور شرکی۔ اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا فرمان "ونبلوکم بالشر والخیر فتنة" محمد بن کعب قرظی نے فتنہ سے مراد عذاب لیا ہے۔

48 "وکان فی المدینة" شہر سے مراد قوم ثمود کی بستی حجر ہے۔ "تسعة رهط" اس کے شہر میں نو آدمیوں کی ایک

جماعت تھی۔ "یفسدون فی الارض ولا یصلحون" وہ اونٹنی کے پونجی کاٹنے میں متفق ہو گئے تھے۔ یہ حضرت صالح علیہ

السلام کی قوم کے گمراہ کردہ لوگ تھے۔ ان میں سب سے بڑا غنڈہ اور سرکردہ قذار بن سالف تھا جو شقی ترین اور بد بخت تھا۔ اس

نے اونٹنی کی ٹانگیں کاٹی تھیں اور یہ ٹولی برائی کے کاموں میں ہمیشہ مشغول رہتی۔

49 "قالوا تقاسموا باللہ" وہ قسمیں کھانے لگے۔ ایک نے دوسرے سے کہا اے قوم والوا اللہ کی قسم اٹھاؤ۔

"تقاسموا" مجرم ہے امر ہونے کی وجہ سے اور بعض نے کہا کہ یہ نصب کی جگہ پر واقع ہے۔ یعنی تم قسم اٹھاؤ اور پختہ قسمیں

اٹھاؤ۔ اس کی تقدیری عبارت "قالوا متقاسمین باللہ"..... "لنیتہ" ہم صالح کو رات کے وقت ضرور قتل کر دیں گے۔

"اہلہ" اس کے آدمیوں کو یعنی جو لوگ ان پر ایمان لائے ہیں ان کو بھی قتل کر دیں گے۔ "لنیتہ"..... "ثم لنقولن، بعض

حضرات نے تاء کے ساتھ لام کے ضمہ کے ساتھ خطاب کا صیغہ ہے اور دوسرے قراء نے نون کے ساتھ ذکر کیا ہے اور لام کے فتح

کے ساتھ۔ "لولیہ" انتقام کا وارث، ولی دم "ماشہدنا" اس وقت موجود نہیں تھے۔ "مہلک اہلہ" ان کو بھی ہلاک کر دیں

گے۔ پھر یہ کہہ دیں گے کہ ہمیں معلوم نہیں کہ کس کو قتل کیا کس نے، میم کے فتح کے ساتھ کہ اس کے اہل کو ہلاک کر دیا۔ "وانا

لصادقون" ان کے اس قول نے کہ ہم وہاں پر حاضر نہیں تھے۔

وَمَكْرُوا مَكْرًا وَمَكْرْنَا مَكْرًا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝۵۰ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ أَنَا  
دَمَرْنَهُمْ وَقَوْمَهُمْ أَجْمَعِينَ ۝۵۱ فَلَيْكَ بَيُّوتُهُمْ خَاوِيَةٌ بِمَا ظَلَمُوا. إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ

يَعْلَمُونَ ﴿۵۹﴾ وَأَنْجَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿۶۰﴾ وَلَوْ طَافَ الْأَقْبَالُ لِقَوْمِهِ أَتَانُونَ الْفَاحِشَةَ وَأَنْتُمْ تُبْصِرُونَ ﴿۶۱﴾ أَنْتُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِنْ دُونِ النِّسَاءِ. بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ ﴿۶۲﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَخْرِجُوا آلَ لُوطٍ مِنْ قَرْيَتِكُمْ إِنَّهُمْ أَنَاسٌ يَتَطَهَّرُونَ ﴿۶۳﴾ فَأَنْجَيْنَاهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ. فَلَمَّزْنَاهَا مِنَ الْغَابِرِينَ ﴿۶۴﴾ وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا. فَسَاءَ مَطَرُ الْمُنذِرِينَ ﴿۶۵﴾ قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى. ءَ اللَّهُ خَيْرٌ أَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿۶۶﴾

**تفسیر** اور (یہ مشورہ کر کے) انہوں نے ایک خفیہ تدبیر کی اور ایک خفیہ تدبیر ہم نے کی اور (اس تدبیر کی) ان کی شرارت کا کیا انجام ہوا کہ ہم نے ان کو (بطریق مذکور) اور (پھر) ان کی قوم کو سب کو (آسمانی عذاب سے) غارت کر دیا سو یہ ان کے گھر ہیں جو ویران پڑے ہیں ان کے کفر کے سبب سے بلاشبہ اس (واقعہ) میں بڑی عبرت ہے دانش مندوں کے لئے اور ہم نے ایمان اور تقویٰ والوں کو نجات دی اور ہم نے لوط (علیہ السلام) کو بھیجا تھا کہ جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ کیا تم یہ بے حیائی کا کام کرتے ہو حالانکہ سمجھ دار ہو کیا تم مردوں کے ساتھ شہوت رانی کرتے ہو عورتوں کو چھوڑ کر (اور اس کی برائی میں کوئی شبہ نہیں) بلکہ (اس بات میں) تم (محض) جہالت کر رہے ہو سو (اس تقریر کا) ان کی قوم سے کوئی (معتول) جواب نہ بن پڑا بجز اس کے کہ آپس میں کہنے لگے کہ لوط کے لوگوں کو تم اپنی بہستی سے نکال دو (کیونکہ) یہ لوگ بڑے پاک صاف بنتے ہیں سو ہم نے (اس قوم پر عذاب نازل کیا اور) لوط (علیہ السلام) کو اور ان کے متعلقین کو بچا لیا بجز ان کی بیوی کے کہ اس کو (بوجہ ایمان نہ لانے کے) ہم نے انہی لوگوں میں تجویز کر رکھا تھا جو عذاب میں رہ گئے تھے اور ہم نے ان پر ایک نئی طرح کا مینہ برسایا ان لوگوں کا کیا برا مینہ تھا جو ڈرائے گئے تھے آپ (بیان توحید کے لئے بطور خطبہ کے) کہئے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے سزاوار ہیں اور اس کے ان بندوں پر سلام (نازل) ہو جن کو اس نے منتخب فرمایا ہے کیا اللہ بہتر ہے یا وہ چیزیں جن کو شریک ٹھہراتے ہیں

**تفسیر** ﴿۶۰﴾ ”و مکروا مکروا“ یعنی انہوں نے غداری کی کہ شب خون مار کر صالح علیہ السلام کو قتل کر ڈالنے کا مشورہ طے

کر لیا۔ ”و مکرونا مکروا“ اللہ ان کے مکر کا بدلہ دیں گے، ان کو ہلاک کرنے کا سبب اسی بات کو بنا دیا۔ ”و ہم لایشعرون“

﴿۶۱﴾ ”فانظر کیف کان عاقبة مکروہم انا“ اہل کوفہ نے انا کے الف کو فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ دوسرے قراء نے ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس صورت میں یہ جملہ مستانہ ہوگا۔ ”دمرنا ہم“ ہم نے ان سب کو ہلاک کر دیا۔ ان کی ہلاکت کی کیفیت کے متعلق آئمہ کرام کا آپس میں اختلاف ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اللہ نے فرشتوں کو صالح علیہ السلام کے مکان کی حفاظت کے لئے بھیج دیا۔ جب ان نو آدمیوں نے تلواریں سونت کر صالح علیہ السلام کے گھر پر چڑھائی کی تو فرشتوں نے ان پر پتھر برسائے، پتھر تو ان کو نظر آتے تھے۔ البتہ پتھر مارنے والا کوئی نظر نہیں آتا تھا، آخرب وہیں ڈھیر ہو گئے۔

مقاتل کا بیان ہے ایک پہاڑ کے دامن میں اکٹھے ہونے کے لیے بیٹھے تاکہ سب مل کر صالح علیہ السلام کے مکان پر پہنچیں لیکن اللہ نے ان پر پہاڑی گرا دی اور سب مر گئے۔ ”و قومہم اجمعین“ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو ایک چیخ کے ساتھ ہلاک کر دیا۔  
 ﴿۵۲﴾ ”فتلک بیوتہم خاویۃ“ منسوب حال ہونے کی وجہ سے۔ ”بما ظلموا“ ان کے ظلم اور کفر کے ساتھ ”ان فی ذالک لایۃ“ اس میں عبرت ہے۔ ”لقوم یعلمون“ ہماری قدرت کو جانتے ہیں۔

﴿۵۳﴾ ”وانجینا الذین امنوا و کانوا یتقون“ ان میں سے نجات پانے والے چار ہزار تھے۔

﴿۵۴﴾ ”ولو طأ اذ قال لقومہ ان اتون الفاحشۃ“ قبیح فعل ”وانتم تبصرون“ تم جانتے ہو کہ یہ فاحشہ ہے اور بعض نے کہا کہ وہ ایک دوسرے کو برہنہ حال میں دیکھتے تھے۔

﴿۵۵﴾ ”انکم لتاتون الرجال شہوۃ من دون النساء بل انتم قوم تجهلون“

﴿۵۶﴾ ”فما کان جواب قومہ الا ان قالوا اخرجوا ال لوط من قریبتکم انہم اناس یتطہرون“ مردوں کے پاس آنے سے۔

﴿۵۷﴾ ”فانجیناہ واهلہ الامراتہ قدرناھا“ ہم نے ان پر اپنا فیصلہ مقدر کر دیا۔ ”من الغابریں“ وہ عذاب پانے والوں میں سے باقی رہیں گے۔

﴿۵۸﴾ ”وامطرنا علیہم مطرا“ پتھروں کی بارش کی۔ ”فساء“ برا ہے۔ ”مطر المنذرین“.....

﴿۵۹﴾ ”قل الحمد لله“ یہ خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے کہ اس سے سابقہ امتوں میں سے کافروں کو غارت کر دیا اور انبیاء علیہم السلام کو نعمتوں سے نوازا ہے۔

”وسلام علی عبادہ الذین اصطفی“ مقاتل نے بیان کیا کہ اس سے مراد انبیاء مرسلین ہیں کیونکہ انہی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”وسلام علی المرسلین“ امام مالک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ اس سے مراد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔ کلبی کا بیان ہے کہ اس سے مراد امت محمدیہ ہے اور بعض نے کہا اس سے تمام مؤمنین، سابقین، لاحقین مراد ہیں۔ ”آء اللہ خیرا ما یشرکون“ اہل بصرہ اور عاصم نے ”یشرکون“ پڑھا ہے۔ دوسرے قراء نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس میں خطاب اہل مکہ کو ہے۔ کفار کی ہلاکت کے بعد مشرکین پر رحمت لازم کرنے کے لیے اور وہ یہ کہتے کہ کیا اللہ بہتر ہے جن کی عبادت کرتے ہو یا یہ بت بہتر ہیں عبادت کے اعتبار سے۔ معنی آیت کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو نجات دی جس نے اللہ کی عبادت کی اور جنوں کی عبادت کرنے والوں کو عذاب سے کما بت نے نہیں بچایا۔



أَمَّنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَنْبَتْنَا بِهِ حَدَائِقَ ذَاتَ

بَهْجَةٍ مَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُنْبِتُوا شَجَرَهَا. ۵۹ ءِ إِلَهَ مَعَ اللَّهِ. بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَعْدِلُونَ 60 أَمَّنْ جَعَلَ  
الْأَرْضَ قَرَارًا وَجَعَلَ خَلَالَهَا أَنْهَارًا وَجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا. ۶۱ ءِ إِلَهَ مَعَ  
اللَّهِ. بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ 61 أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ وَيَجْعَلُكُمْ  
خُلَفَاءَ الْأَرْضِ. ۶۲ ءِ إِلَهَ مَعَ اللَّهِ. فَلَيْلًا مَا تَدَكَّرُونَ 62 أَمَّنْ يَهْدِيكُمْ فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ  
وَمَنْ يُرْسِلُ الرِّيْحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ. ۶۳ ءِ إِلَهَ مَعَ اللَّهِ تَعَلَّى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ 63

﴿تفصیلاً﴾ یادہ ذات (بہتر ہے) جس نے آسمان اور زمین کو بنایا اور اس نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس (پانی) کے ذریعہ سے ہم نے رونق دار باغ اگائے (ورنہ) تم سے تو ممکن نہ تھا کہ تم ان (باغوں) کے درختوں کو اگا سکو (یہ سن کر بتلاؤ) کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ (عبادت میں شریک ہونے کے لائق) کوئی اور معبود ہے (مگر مشرکین پھر بھی نہیں مانتے) بلکہ یہ ایسے لوگ ہیں کہ (دوسروں کو) خدا کے برابر ٹھہراتے ہیں یادہ ذات جس نے زمین کو (مخلوق کا) قرار گاہ بنایا اور اس کے درمیان درمیان نہریں بنائیں اور اس (زمین) کے (ٹھہرانے کے) لئے پہاڑ بنائے اور دو دریاؤں کے درمیان ایک حد فاصل بنائی کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے مگر مشرکین نہیں مانتے) بلکہ ان میں زیادہ تو (اچھی طرح) سمجھتے بھی نہیں یادہ ذات جو بے قرار آدمی کی سنتا ہے جب وہ اس کو پکارتا ہے اور (اس کی) مصیبت کو دور کر دیتا ہے اور تم کو زمین میں صاحب نصرت بناتا ہے (یہ سن کر بتلاؤ کہ) کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے (مگر تم لوگ بہت ہی کم یاد رکھتے ہو) اچھا پھر اور کمالات سن کر بتلاؤ کہ یہ بت بہتر ہیں) یادہ ذات جو تم کو خشکی یاد دیا کی تاریکیوں میں راستہ سوچاتا ہے اور جو کہ ہواؤں کو بارش سے پہلے بھیجتا ہے جو (بارش کی امید دلا کر) دلوں کو خوش کر دیتی ہیں (یہ سن کر بتلاؤ کہ) کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے (ہرگز نہیں بلکہ) اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے شرک سے برتر ہے۔

﴿تفسیر﴾ 60 ”امن خلق السموات والارض“ اس کا معنی یہ ہے کہ کیا تمہارے معبود بہتر ہیں یادہ بہتر ہے جو آسمان اور زمین کو پیدا کرنے والا ہے۔ ”وانزل لكم من السماء ماء“ اور اس نے آسمان سے پانی نازل کیا۔ ”فانبتنا به حدائق“ اس سے مراد باغیچے ہیں۔ فراء کا قول ہے کہ حدیقہ اس باغ کو کہتے ہیں جس کی چار دیواری بھی ہو۔ اگر اس کی دیوار نہ ہو تو اس کو حدیقہ نہیں کہا جاتا۔ ”ذات بہجۃ“ یعنی اچھا منظر۔ ”بہجۃ“ کہتے ہیں خوبصورت جسم کو دیکھنے سے شگفتگی طبع پیدا ہوتی ہے۔ ”ما كان لكم ان تنبتوا شجرها“ یعنی کوئی درخت ان کے درختوں سے پیدا نہیں کر سکتے کیونکہ وہ اس پر قادر نہیں۔

”ء اٰله مع اللّٰه“ استفہام انکاری ہے یعنی کیا ان کے ساتھ کوئی معبود ہے جو ان کی بنائی ہوئی چیز پر قدرت رکھیں بلکہ ان کا تو کوئی الٰہ نہیں اور نہ ہی کوئی مددگار ہے۔ ”بل ہم قوم“ اس سے مراد کفار مکہ ہے۔ ”یعدلون“ وہ اس کے ساتھ شریک کرتے ہیں۔

61 ”امن جعل الارض قرازا“ اس کے اہل کو ٹھہرنے کے قابل نہیں بنا دیا۔ ”وجعل خللاھا“ اس کے درمیان دریا جاری کیے۔ ”انہارا“..... ”وجعل لھا رواسی“ اور زمین کے لیے پہاڑوں کو میٹھیں بنا دیا۔ ”وجعل بین البحرین“ میٹھے اور نمکین دریا کو ”حاجزا“ ایک آڑتا کہ ایک دوسرے میں مل نہ جائیں۔ ”ء اٰله مع اللّٰه بل اکثرہم لایعملون“ اپنے رب کی توحید اور اس کی بادشاہت کو نہیں جانتے۔

62 ”امن یجیب المضطر“ یعنی وہ شخص جو ایسے ڈکھ میں مبتلا ہو گیا ہو۔ ”اذا دعاہ ویكشف السوء“ اس سے مراد ننگی اور مصیبت ہے۔ ”ویجعلکم خلفاء الارض“ بعض اہل علم نے کہا کہ انسانوں کو اللہ نے زمین پر جنات کا جانشین بنایا اور بعض نے کہا کہ وہ تمہاری اولاد کو تمہارا خلیفہ بنائے گا اور بعض نے کہا کہ اللہ نے جنوں کو زمین میں خلیفہ بنایا۔ ”ء اٰله مع اللّٰه قليلاً ما تذکرون“ ابو عمرو نے یاء کے ساتھ اور دوسرے حضرات نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔

63 ”امن یھدیکم فی ظلمات البر والبحر“ جب تم سمندر کا سفر کرو۔ ”ومن یرسل الریح بشراً بین یدی رحمتہ“ بارش مراد ہے۔ ”ء اٰله مع اللّٰه تعالیٰ اللہ عما یشرکون“

اَمَنْ يَلْتَوُوا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهُ وَمَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ ء اِلٰهَ مَعَ اللّٰهِ قُلْ هَاتُوْا بُرْهٰنَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ 64 قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّٰنَ يُبْعَثُوْنَ 65 بَلِ اَدْرٰكَ عِلْمُهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ. بَلْ هُمْ فِى شَكٍّ مِّنْهَا. بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ 66

﴿تفسیر﴾ یا وہ ذات جو مخلوق کو اول بار پیدا کرتا ہے (جو کہ مسلم ہے) پھر اس کو دوبارہ پیدا کرے گا اور جو کہ آسمان (سے) پانی برسا کر (اور زمین سے) نباتات نکال کر) تم کو رزق دیتا ہے (یہ سن کر اب بتلاؤ کہ) کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے آپ کیسے کہ (اچھا تم ان کے استحقاق عبارت پر) اپنی دلیل پیش کرو اگر تم (اس دعویٰ میں) سچے ہو آپ کہہ دیجئے کہ جتنی مخلوقات آسمانوں اور زمین (یعنی عالم) میں موجود ہیں ان میں سے کوئی بھی غیب کی بات نہیں جانتا بجز اللہ تعالیٰ کے اور (اسی وجہ سے) ان (مخلوقات) کو یہ خبر نہیں کہ وہ کب دوبارہ زندہ کئے جاویں گے بلکہ آخرت کے بارے میں ان کا علم (بالوقوع ہی) نیست ہو گیا بلکہ یہ لوگ اس سے شک میں ہیں بلکہ یہ اس سے اندھے بنے ہوئے ہیں۔

تفسیر 64 ”امن یدؤا الخلق ثم یعیده“ موت کے بعد دوبارہ اٹھایا جائے گا۔ ”ومن یرزقکم من السماء والارض“ آسمان سے بارش برسانے میں اور زمین سے نباتات اگانے میں ”ء اٰله مع اللّٰه قل ہاتوا برہانکم“ یہ بات تمہارے قول پر دلیل ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ ”ان کنتم صادقین“

65 "قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ" اس آیت کا نزول مشرکین کے بارے میں ہوا جب انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے متعلق سوال کیا۔ "وما یشعرون ایان" کب "یبعثون" اٹھایا جائے گا۔

66 "بل ادرک علمہم" ابو جعفر ابن کثیر اور ابو عمرو نے "ادرک بوزن افعل" پڑھا ہے۔ اس کا معنی ہے "بلغ ولحق" جیسا کہ کہا جاتا ہے "ادرکہ علمی" جب اس سے ملاقات کی اور اس کو پہنچے۔ اس سے مراد وہ دنیا میں جو جہالت چھوڑ کر آئے اور اس کا علم ان سے ساقط ہو جائے (اس کا علم ان کو معلوم نہیں) تو آخرت میں ان کو معلوم ہو جائے گا۔ مجاہد کا قول ہے ان کے علم کا ادراک ہو جائے گا۔ "فی الاخرۃ" اور اپنی آنکھوں سے معائنہ کرنے کے بعد پہچان لیں گے۔ جب اس وقت ان کا علم ان کو نفع نہیں دے گا۔ مقاتل کا بیان ہے بلکہ وہ قیامت کے دن آنکھوں سے دیکھ کر معائنہ کر لیں گے اور اس وقت دنیا میں کیے ہوئے اعمال پر شکوہ بھی نہ کر پائیں گے۔ "بل ہم فی شک منہا" یعنی ان کو قیامت کے دن کے بارے میں شک ہے۔ دوسرے قراء نے "بل ادرک موصولاً" الف کے ساتھ پڑھا ہے۔ جب وہ آخرت کے دن تدارک اور متابع کر لیں گے۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ان کا علم مجتمع ہو جائے گا۔ جب قیامت کے دن معائنہ کر لیں گے۔

اس وقت میں ان کو شک ہوگا۔ اس صورت میں پہلے کے معنی میں ہے۔ بعض نے کہا یہ بطور استفہام کے طریقے پر ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ قیامت کے دن یہ اپنے اعمال کا تدارک کر لیں گے۔ (کیا ان کا علم قیامت کے معاملہ میں مکمل ہو گیا ہے ان کا چرچا پورا علم حاصل ہو گیا) ایسا نہیں بلکہ قیامت کا علم ان کو حاصل نہیں ہوا۔ ابھی یہ علم قیامت تک پہنچ سکیں گے۔ قیامت کا وجود ان کی علمی رسائی سے خارج ہے۔ اس مطلب کی تائید حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قرأت سے ہوتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قرأت میں بھی "ادارک" آیا ہے یعنی "بل" کی جگہ "بلی" کلمہ ایجاب اور "ادارک" بہمراہ استفہام آیا ہے جس کو وصل کے بعد "بل ادرک" پڑھا ہے اور حضرت ابی کی قرأت میں "ام تدرک" آیا ہے۔ عرب ہل کی جگہ اکو دراہی جگہ بل کو استعمال کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جب ان کو قیامت کے دن اٹھایا جائے گا، ان کا آخرت کے بارے میں علم برابر ہوگا اور نہ ہی ان کے لیے ثواب وغیرہ کا وعدہ کیا گیا۔ اگرچہ ان کے علوم و دنیاوی اعتبار سے مختلف تھے۔ علی بن حسین اور اسحاق نے کہا کہ اس جگہ بل بمعنی لو کے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو علم آخرت میں ان کو ہونا ہے اگر وہ دنیا ہی میں ہو جاتا تو ہوش نہ کرتے، اب ان کو یقین نہیں ہے بلکہ وہ شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ "بل ہم منہا عمون"..... "عمی" کی جمع ہے اور تینوں سے مراد ہے دل کی ناپیدائی۔ کبھی کا بیان ہے وہ اس دن سے جاہل ہیں۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِذَا كُنَّا تُرَابًا وَآبَاءُ وَنَا إِنَّا لَمُخْرَجُونَ ﴿۶۷﴾ لَقَدْ وَعَدْنَا هَذَا نَحْنُ وَآبَاؤُنَا  
مِنْ قَبْلُ إِنْ هَذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿۶۸﴾ قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ  
الْمُجْرِمِينَ ﴿۶۹﴾ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ ﴿۷۰﴾ وَيَقُولُونَ مَتَى هَذَا



هَذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٦٦﴾ قُلْ عَسَى أَنْ يَكُونَ رَدْفٌ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِي تَسْتَعْجِلُونَ ﴿٦٧﴾  
 وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُونَ ﴿٦٨﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا  
 تَكْنُ صُدُورُهُمْ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿٦٩﴾ وَمَا مِنْ غَائِبَةٍ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ﴿٧٠﴾  
 إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَقُصُّ عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ بَلَّ الْأَكْثَرِ الَّذِي هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿٧١﴾ وَإِنَّهُ لَهْدَى  
 وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿٧٢﴾ إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ ﴿٧٣﴾

اور یہ کیا فریوں کہتے ہیں کہ کیا ہم لوگ جب (مرکز خاک ہو گئے اور (اسی طرح) ہمارے بڑے بھی تو کیا (پھر ہم) زندہ کر کے قبروں سے نکالے جاویں گے اس کا ہم سے اور ہمارے بڑوں سے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے) پہلے سے وعدہ ہوتا چلا آیا ہے یہ بے سند باتیں ہیں جو ان لوگوں سے نقل ہوتی چلی آئی ہیں آپ کہہ دیجئے کہ تم زمین میں چل پھر کر دو کچھ کہ مجرمین کا انجام کیا ہوا اور (اگر باوجود ان مواعظ ہلیفہ کے پھر بھی مخالفت پر کمر بستہ رہیں تو) آپ ان پر غم نہ کیجئے اور جو کچھ یہ شرارتیں کر رہے ہیں اس سے تنگ نہ ہو جائے اور یہ لوگ (بیباکانہ) یوں کہتے ہیں کہ یہ وعدہ (عذابِ دہر کا) کب ہوگا اگر تم سچے ہو (تو تملوا) آپ کہہ دیجئے کہ عجب نہیں کہ جس عذاب کی تم جلدی مچا رہے ہو اس میں سے کچھ تمہارے پاس ہی آگیا ہو اور (اب تلک جو دیر ہو رہی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ) آپ کا رب لوگوں پر (اپنا) بڑا فضل رکھتا ہے لیکن اکثر آدمی (اس بات پر) شکر نہیں کرتے اور آپ کے رب کو سب خبر ہے جو کچھ ان کے دلوں میں مخفی ہے اور جس کو وہ علانیہ کرتے ہیں اور آسمان اور زمین میں ایسی کوئی چیز مخفی نہیں جو لوح محفوظ میں نہ ہو بیشک یہ قرآن بنی اسرائیل پر اکثر ان باتوں (کی حقیقت) کو ظاہر کرتا ہے جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں اور بالیقین وہ ایمانداروں کے لئے (خاص) رحمت ہے بالیقین آپ کا رب ان کے درمیان اپنے حکم سے (عملی) فیصلہ (قیامت کے دن) کرے گا اور وہ زبردست اور علم والا ہے۔

﴿٦٦﴾ "وقال الذين كفروا" اس سے مراد مشرکین مکہ ہیں۔ "انذا كنا ترابا و آباءنا لانا لمنخرجون" قبروں سے زندہ کر کے نکالا جائے گا۔ اہل مدینہ نے ادا پڑھا ہے۔ "اننا" استفہام ہے۔ ابن عامر اور کسائی نے "اننا" دونوں ہمزہ کے ساتھ اور دونوں کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے دونوں کے استفہام کے ساتھ پڑھا ہے۔

﴿٦٨﴾ "لقد وعدنا هذا" دوبارہ جی اٹھنے پر "نحن و آباءنا من قبل" حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے وہ کوئی چیز نہیں۔ "ان هذا" نہیں ہے یہ "الاساطیر الاولین" پچھلوں کی گھڑی ہوئی کہانیاں۔

﴿٦٩﴾ "قل سيروا في الارض فانظروا كيف كان عاقبة المجرمين"

﴿٧٣﴾ "ولا تحزن عليهم" ان کی تکذیب اور ان کے اعراض پر آپ غمزدہ نہ ہوں۔ "ولا تكن في ضيق مما يمكرون" یہ آیت استہزاء کرنے والوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ یعنی آپ کو مکمل کامیابی ہوگی۔

71 "ويقولون متى هذا الوعد ان كنتم صادقين"

72 "قل عسى ان يكون ردف" وہ نزدیک اور قریب ترین ہے۔ "لکم" بعض نے اس کا معنی "تبعکم" سے کیا ہے اور اس پر لام داخل کیا۔ جیسا کہ سورہ اعراف کی آیت میں "لربہم یرہون" میں لام داخل ہے۔ فراء کا قول ہے کہ لام صلزدائد ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے "نقلته مائة" اور "نقدت له"..... "بعض الذی تستعجلون" عذاب سے جلدی کرتے ہیں اور وہ ان کے لیے بدرکادن ہے۔

73 "وان ربک لذو فضل علی الناس" مقاتل کا بیان ہے۔ اہل مکہ جب وہ عذاب کی جلدی کرتے تھے۔ "ولکن اکثرہم لایشکرون" وہ اس پر شکر ادا نہیں کرتے۔

74 "وان ربک لیعلم ماتکن" جو پوشیدہ رکھتے ہیں۔ "صدورہم وما یعلنون"

75 "وما من غابۃ" یعنی وہ چیز جو لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہو۔ "فی السماء والارض الا فی کتاب مبین" وہ لوح محفوظ میں موجود ہے۔

76 "ان هذا القرآن یقصر علی بنی اسرائیل" یعنی ان کے لیے بیان کر دیجئے۔ "اکثر الذی ہم فیہ یختلفون" دین کے کاموں میں۔ کبھی کا بیان ہے کہ اہل کتاب کا باہم بعض مذہبی باتوں میں اختلاف تھا۔ اسی لیے فرتے فرتے بن گئے تھے، ہر فرقہ دوسرے پر طعن کرتا تھا۔ قرآن نے آکر ان کے اختلافی مسائل کو بیان کر دیا۔

77 "وانہ" یہ قرآن "لہدی ورحمة للمؤمنین"

78 "ان ربک یقضی" فیصلہ کرتا ہے۔ "بینہم" ان لوگوں کے درمیان اختلاف کو قیامت کے دن واضح کر دے گا۔ "بحکمہ" حق کے ساتھ۔ "وہو العزیز" روکنے والا نہیں اس پر جو وہ حکم وارد کرتا ہے۔ "العلیم" وہ ان کے احوال کو جانتا ہے۔ اس سے کوئی بھی حال پوشیدہ نہیں۔

فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ. إِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِينِ 79 إِنَّكَ لَا تَسْمَعُ الْمَوْتَى وَلَا تَسْمَعُ  
الصَّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِينَ 80 وَمَا أَنْتَ بِهَادِي الْعُمَى عَنْ ضَلَالَتِهِمْ. إِنْ تَسْمَعُ إِلَّا  
مَنْ يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا فَهُمْ مُسْلِمُونَ 81 وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْأَرْضِ  
تُكَلِّمُهُمْ أَنَّ النَّاسَ كَانُوا بِآيَاتِنَا لَا يُوقِنُونَ 82

79 (سو جب وہ ایسا ہے تو) آپ اللہ پر توکل رکھیے یقیناً آپ صریح حق (طریقہ) پر ہیں آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ بہروں کو اپنی آواز سنا سکتے ہیں (خصوصاً) جب کہ وہ پیٹھ پھیر کر چل دیں اور نہ آپ اندھوں کو ان کی گراہی سے (بچا کر) راستہ دکھانے والے ہیں آپ تو صرف ان ہی کو سنا سکتے ہیں جو ہماری آیتوں کا یقین رکھتے ہیں (اور) پھر وہ مانتے (بھی) ہیں اور جب وعدہ (قیامت کا) ان پر پورا ہونے کو ہوگا تو ہم ان کے لئے زمین سے ایک (عجیب) جانور

نکالیں گے کہ وہ ان سے باتیں کرے گا کہ (کافر) لوگ ہماری (یعنی اللہ تعالیٰ کی) آیتوں پر یقین نہ لاتے تھے۔

**تفسیر** 74 "فتو کل علی اللہ انک علی الحق المبین" جس کی حقیقت واضح ہے۔

80 "انک لا تسمع الموتی" اس سے مراد کفار ہیں۔ "ولا تسمع الصم الدعاء" ان کی کثیر نے "لا یسمع" یاء کے ساتھ اور اس کے فتح کے ساتھ الصم پڑھا ہے۔ رفع کے ساتھ اسی طرح سورۃ روم میں بھی پڑھا ہے اور باقی قراء نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے اور ان دونوں کے ضمہ کے ساتھ اور میم کے کسرہ اور الصم کو منصوب پڑھا ہے۔ "اذا ولوا مدبرین" جب وہ اعراض کرتے ہیں۔

سوال: "اذا ولوا مدبرین" کا کہنے کا کیا فائدہ جب وہ بہرے ہیں تو پیٹھ پھیر کر بھاگیں یا نہ بھاگیں ان کے لیے تو کیا فائدہ؟ جواب اس کلام میں مزید تاکید اور مبالغہ پیدا کرنے کے لیے اور بعض نے یہ جواب دیا کہ جب بہرہ مجلس میں موجود ہو، اگر چہ وہ آواز کے ذریعے بات نہیں سن سکتا۔ البتہ اشاروں کے ذریعے وہ سمجھ سکتا ہے اور جب وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتا ہے تو وہ نہ سن سکتا ہے اور نہ ہی اشارہ کے ساتھ سمجھ سکتا ہے۔ قنادہ کا قول ہے کہ جب بہرہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائے، پھر اس کو آواز دی جائے تو وہ نہیں سن سکتا۔ اسی طرح کافر لوگ جب ان کو ایمان کی طرف بلایا جائے تو نہیں سنتے۔ آیت کا معنی یہ ہوگا کہ کافر انتہائی طور پر دعوت سے کتراتے اور بے رُخی کئے ہوئے ہیں اس لیے مُردوں کی طرح ہیں جن کو سنانے کا کوئی راستہ نہیں یا پشت پھیرے ہوئے بہروں کی طرح ہیں جن کو سنانا ممکن نہیں۔

81 "وما انت بھادی العمی" اعمش اور حزرہ نے (تھدی) تاء کے ساتھ فعل پر فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ "العمی" یاء کے نصب کے ساتھ اور سورۃ روم میں بھی اسی طرح ہے اور دوسرے قراء نے بھادی یاء کے ساتھ پڑھا ہے اسم ہونے کی وجہ سے۔ "العمی" یاء کے کسرہ کے ساتھ "عن ضلالتھم" نہیں ہے۔ ان لوگوں کو راہ دکھانے والا جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت سے اندھا کر دے اور دل کو ایمان سے اندھا کر دے۔ "ان تسمع" نہیں سنا سکتے۔ "الا من یؤمن بایاتنا" مگر وہ جو قرآن کی تصدیق کرے کہ یہ اللہ کی طرف سے نازل کر دہ ہے۔ "فہم مسلمون" اپنا رُخ خلوص کے ساتھ اللہ کی طرف کر دیتے ہیں۔

82 "واذا وقع القول علیہم" جب ان پر ہمارا عذاب آجائے گا۔ قنادہ نے اس کا معنی کیا ہے کہ جب ان پر ہمارا عذاب آجائے گا۔ "اخیر جننا لہم دابۃ من الارض تکلمہم" اس کے کلام میں اختلاف ہے۔ سدی کا قول ہے کہ وہ کہے گا کہ سوائے اسلام کے سب مذاہب باطل ہیں۔ بعض نے کہا اس کا کلام یہ ہوگا کہ ایک کے متعلق کہے گا یہ مؤمن ہے اور دوسرے کے متعلق کہے گا یہ کافر ہے۔ بعض نے کہا کہ اس کا کلام وہ ہے جو اگلی آیت میں مذکور ہے۔ "ان الناس کانوا بایاتنا لا یوقنون" مقاتل کا بیان ہے کہ وہ عربی زبان میں کلام کرے گا اور اللہ کی طرف سے کہے گا "ان الناس کانوا بایاتنا لا یوقنون" وہ لوگوں کو خبر دے گا کہ اہل مکہ قرآن اور قیامت پر ایمان نہیں لائے۔ اہل کوفہ نے "ان الناس" الف کے فتح کے ساتھ "ای بان الناس" اور دوسرے قراء نے کسرہ کے ساتھ جملہ متانفہ پڑھا ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ خروج دابۃ سے پہلے لوگ ہماری آیات پر یقین نہیں رکھتے۔ بعض اہل علم نے کہا کہ آیات سے مراد ہیں خروج دابۃ اور دوسری علامات

سے قیامت و احوال قیامت یہ سب آیات اللہ ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ خروج دابۃ اس وقت ہوگا جب بھلائی کا حکم اور برائی کی ممانعت نہیں کی جائے گی۔

سعید بن جبیر، حاصم الجعدی اور ابو جریاء العطار دی "تکلمہم" تاء کے فتنہ کے ساتھ لام کی تخفیف کے ساتھ کلم سے پڑھتے ہیں بمعنی زخمی کرنا۔ ابو الجوزاء کا قول ہے کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا، اس آیت کے متعلق "تکلمہم او تکلم" فرمایا۔ ہر ایک اسی طرح کرے گا کہ مؤمن بھی کلام کرے گا اور کافر بھی کلام کرے گا۔

## علامات قیامت سے قبل چھ اعمال کر لو

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ چھ چیزوں سے پہلے اعمال کرو۔ "الدخان الدجال و دابة الارض و طلوع شمس من مغربها و امر العامة خويسة احدكم"

## دابة الارض کا خروج

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ سب سے پہلے جو نشان نمودار ہوگا وہ مغرب سے طلوع آفتاب اور دن چڑھے لوگوں کے سامنے دابة الارض کا خروج ہوگا۔ ان میں سے جو واقعہ بھی پہلے ہوگا، دوسرا عنقریب ہی اس کے بعد ہو جائے گا۔

## دابة الارض مومن و کافر کی نشاندہی کرے گا

حضرت شریحہ انصاری کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ زمانہ میں (قیامت تک) میں تین بار دابة کا خروج ہوگا۔ ایک باریمن سے برآمد ہوگا جس کی شہرت صحرا میں پھیل جائے گی اور "قریۃ" یعنی مکہ میں بھی اس کا تذکرہ پہنچ جائے گا۔ پھر ایک روز سب سے بڑی عزت و عظمت والی مسجد یعنی مسجد حرام میں لوگ جمع ہوں گے کہ دابة دکھائی دے گا۔ راوی کا بیان ہے کہ رکن اسود سے باب بنی مخزوم تک درمیان میں دکھائی دے گا اور مسجد کے ہر گوشہ میں موجود لوگوں کو دیکھے گا، لوگ اس کو دیکھ کر کبھر جائیں گے لیکن ایک جماعت اس کے سامنے جمی رہے گی، وہ سمجھ لیں گے کہ وہ اللہ سے چھوٹ کر کہیں جانیس سکتے گا۔ دابة اپنے سر سے مٹی جھاڑتے ہوئے ان کی طرف سے گزرے گا اور ان کے چہروں کو نشان زدہ کر کے ایسا روشن کر دے گا جیسے چمکدار ستارے، پھر زمین کو چھاڑتا ہوا چلا جائے گا کہ اس کو پکڑنے والا پانہیں سکے گا اور نہ اس سے بھاگنے والا چھوٹ سکتا گا۔ پھر کچھ لوگ اٹھ کر نماز پڑھنے لگیں گے تو وہ پیچھے سے آ پڑے گا اور کہے گا، اے فلاں! تو اب نماز پڑھ رہا ہے، پھر نمازی کے سامنے آ کر اس کے چہرے پر نشان بنا دے گا، پھر لوگ وہاں سے ہٹ کر اپنے گھروں کو چلے جائیں گے اور ساتھ ساتھ لہلہ کر سفر کریں گے اور باہم باتوں میں شرکت کریں گے اور کافر اور مومن ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں گے، کافر کو کافر کہہ کر پکارا جائے گا اور مومن کو مومن کہہ کر پکارا جائے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا دلہیہ برآمد ہوگا، اس کے پاس موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگشتری ہوگی۔ مؤمن کے چہرے کو لالھی کے نشان سے چمک دار بنا دے گا اور کافر کی ناک پر انگشتری کا نشان بنا دے گا۔ یہاں تک کہ لوگ جمع ہوں گے تو ایک دوسرے کو کہے گا، اے مؤمن! اور دوسرا کہے گا اے کافر! (ردہ اترنڈی)

## دلہیہ کی کیفیت

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ دلہیہ ایسا دلہیہ نہیں ہوگا جس کی دم ہو بلکہ داڑھی والا دلہیہ ہوگا۔ گویا کہ آپ کا یہ کلام اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ آدی ہوگا (چو پائی نہیں) لیکن اکثر مفسرین کے نزدیک وہ دلہیہ ہی ہوگا۔

ابن جریج کی روایت ہے کہ ابن الزبیر نے دلہیہ الارض کے حالات اس طرح بیان کیے ہیں، اس کا سرنبل جیسا ہوگا۔ اس کی آنکھیں خنزیری کی آنکھوں کی طرح ہوں گی۔ اس کے کان ہاتھی کے کان جیسے ہوں گے، اس کے بارہ سینگ جیسے سینگ ہوں گے۔ اس کا سینہ شیر کا سینہ ہوگا، اس کا رنگ چیتے کا رنگ ہوگا، اس کی کوٹھیں بلی کی کوٹھوں کی طرح ہوں گی، اس کی دم مینڈھے کی دم کی طرح ہوگی، اس کی ٹانگیں اونٹ کی ٹانگوں کی طرح ہوں گی ہر دو جوڑوں کے درمیان بارہ ہاتھ کا فاصلہ ہوتا ہے۔ اس کے پاس موسیٰ علیہ السلام کی لالھی اور سلیمان علیہ السلام کی انگشتری ہوگی۔ ہر مؤمن کے سجدہ کے مقام (پیشانی یا ناک پر) لالھی کی ٹوک سے نشان بنا دے گا جس کی وجہ سے اس کا چہرہ جگمگا جائے گا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگٹھی سے ہر کافر کے چہرے کو نشان زدہ کر دے گا جس سے اس کا چہرہ کالا ہو جائے گا۔ (یہ نشان اتنے واضح ہو جائیں گے کہ) بازاروں میں لوگ خرید و فروخت کرتے وقت (ایک دوسرے کی شناخت کریں گے اور کہیں گے اے کافر! یہ چیز کتنے کی ہے، اے مؤمن! اس کی کیا قیمت ہے؟) پھر دلہیہ لوگوں سے کہے گا، اے فلاں! تو جنتی ہے، اے فلاں! تو دوزخی ہے۔ یہی معنی ہے آیت ”وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْأَرْضِ“ کا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے کہ دلہیہ الارض کو وہ صفا کے ایک شگاف سے برآمد ہوگا۔

## دلہیہ کا خروج کہاں سے ہوگا

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دلہیہ الارض کا تذکرہ آیا تو میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! وہ کہاں سے برآمد ہوگا؟ فرمایا سب سے بڑھ کر حرمت والی مسجد سے، اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام طواف کر رہے ہوں گے۔ مسلمان آپ کے ساتھ ہوں گے کہ قندیل کی حرکت کی طرح ان کے قدموں کے نیچے زمین میں لرزہ پیدا ہوگا اور مشرقی جانب کو صفا پھٹ کر اس سے دلہیہ برآمد ہو جائے گا۔ سب سے پہلے اس کا سرنکلے گا۔ اس پر اون اور پڑے ہوں گے، کوئی پکڑنے والا اس تک پہنچ نہیں سکے گا اور نہ بھاگنے والا اس سے چھوٹ سکے گا، وہ لوگوں پر مؤمن و کافر کا نشان بنا دے گا، مؤمن کا چہرہ چمک دار ستارے کی طرح روشن ہو جائے گا، اس کی دونوں آنکھوں کے بیچ میں وہ نشان ہوگا اور کافر کی

دونوں آنکھوں کے بیچ میں جو نشان ہوگا وہ کالا ہوگا اور دونوں آنکھوں کے درمیان میں کا فر لکھا ہوگا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ دابہ ایک گھائی سے برآمد ہوگا۔ اس کا سر بادل کو چھوئے گا اور اس کی ٹانگیں زمین کے اندر ہوں گی، باہر نکلی بھی نہ ہوں گی وہ نماز پڑھتے آدمی کی طرف سے گزرے گا اور کہے گا نماز کی تجھے کیا ضرورت، پھر اس کی پیشانی پر نشان بنا دے گا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دابہ رات کو نکلے گا اور لوگ جمع ہو کر منیٰ کی طرف چل رہے ہوں گے۔ سہیل بن صالح نے اپنے والد سے انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کی، فرمایا کہ اُجیاد کی گھائی بُری گھائی ہے یہ دو مرتبہ یا تین مرتبہ ارشاد فرمایا۔ کہا گیا اے اللہ کے رسول! ایسا کیوں ہے؟ فرمایا اس سے دابہ برآمد ہوگا اور تین چینیں مارے گا جن کو مشرق و مغرب کے درمیان سب سنیں گے۔ اس کا چہرہ مرد کا چہرہ ہوگا اور جسمانی بناوٹ پرندے کی ہوگی اور جو اس کو دیکھے گا اس سے وہ کہے گا کہ اہل مکہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور قرآن پر یقین نہیں رکھتے تھے۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجًا مِمَّنْ يُكَذِّبُ بِآيَاتِنَا فَهُمْ يُوزَعُونَ ﴿٣٣﴾ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُ وَقَالَ  
 أَكْذَبْتُمْ بآيَاتِي وَلَمْ تُحِطُوا بِهَا عِلْمًا أَمْ آدَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٣٤﴾ وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا  
 ظَلَمُوا فَهُمْ لَا يَنْطِقُونَ ﴿٣٥﴾ أَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا الْآيِلَ لِيَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا إِنَّا فِي  
 ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٣٦﴾ وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَنُزِعَ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي  
 الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ وَكُلٌّ أَتَوْهُ دَاخِرِينَ ﴿٣٧﴾

﴿تجوید﴾ اور جس دن (قبروں سے زندہ کرنے کے بعد) ہم ہر امت میں سے ایک ایک گروہ ان لوگوں کا (حساب کے لئے) جمع کریں گے جو ہماری آیتوں کو جھٹلایا کرتے تھے پھر ان کو روکا جائے گا یہاں تک کہ جب (موقف میں) حاضر ہو جاویں گے تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ کیا تم نے میری آیتوں کو جھٹلایا تھا حالانکہ تم ان کو اپنے احاطہ علمی میں بھی نہیں لائے بلکہ اور بھی کیا کیا کام کرتے رہے اور (اب وہ وقت ہے کہ) ان پر وعدہ (عذاب کا) پورا ہو گیا کہ بوجہ اس کے کہ (دنیا میں) انہوں نے (بڑی بڑی) زیادتیاں کی تھیں سو وہ لوگ بات بھی نہ کر سکیں گے کیا انہوں نے اس پر نظر نہیں کیا کہ ہم نے رات بنائی تاکہ لوگ اس میں آرام کریں (اور آرام مشابہ موت کے ہے) اور دن بنایا جس میں دیکھیں بھالیں (اور یہ مشابہ حیات بعد الموت کے ہے پس) بلاشبہ اس میں بڑی دلیلیں ہیں ان (ہی) لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں اور جس دن صور میں پھونک ماری جاوے گی سو جتنے آسمان اور زمین ہیں سب گھبرا جاویں گے مگر جس کو خدا چاہے (وہ اس گھبراہٹ سے اور موت سے محفوظ رہے گا) اور سب کے سب اسی کے سامنے (بے جھکے حاضر رہیں گے)۔



**تفسیر** 83 ”یوم نحشر من کل امة فوجاً“ ہر جماعت کے گروہ میں۔ ”ممن یکذب بایاتنا“ یہاں پر من تبغیضہ نہیں ہے کیونکہ تمام جھٹلانے والوں کو اس دن جمع کیا جائے گا۔ ”فہم یوزعون“ پہلے والوں اور آخر والوں سب کو روکا جائے گا تاکہ سب جمع ہو جائیں، پھر ان کو آگ کی طرف لیجا یا جائے گا۔

84 ”حتی اذا جاء وا“ قیامت کے دن آئیں گے۔ ”قال“ اللہ تعالیٰ ان سے کہے گا۔ ”اکذبتم بایاتی ولم تحیطوا بہا علماً“ انہوں نے اس کو نہیں پہچانا جیسا کہ پہچاننے کا حق تھا۔ ”اماذا کنتم تعملون“ جب انہوں نے اس میں غور و فکر نہیں کیا۔ آیت کا معنی یہ ہے کیا تم نے میری آیات کو جھٹلادیا۔ ان کو جاننے کے باوجود اور نہ ہی تم نے اس میں غور و فکر کیا ہے بلکہ تم نے اس کو جھٹلایا جاہل ہوتے ہوئے۔

85 ”ووقع القول“ ان پر ہمارا عذاب واجب ہو گیا۔ ”علیہم بما ظلموا“ جس کو تم نے شریک کیا۔ ”فہم لاینطقون“ قیامت کا قول ہے کہ وہ کیسے کلام کرتے اور ان پر کوئی حجت نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ”ہذا یوم لاینطقون ولا یؤذن لہم فیتعذرون“ بعض نے کہا کہ وہ بولتے نہیں کیونکہ ان کی زبانوں پر مہر لگی ہوئی ہے۔

86 ”الم یروا انا جعلنا“ ہمیں پیدا کیا۔ ”اللیل لیسکنوا فیہ والنہار مبصراً“ دن کے وقت وہ دیکھتا ہے۔ ”ان فی ذلک لآیات لقوم یؤمنون“ جو اس کی تصدیق کرتے ہیں اور اس سے عبرت حاصل کرتے ہیں۔

87 ”ویوم ینفخ فی الصور“ صور اس سینگ کا نام ہے جس میں حضرت اسرافیل علیہ السلام پھونکیں گے۔ حسن کا قول ہے کہ صور قرن کا نام ہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ سب سے پہلے ارواح قرن میں جمع ہوئیں، پھر اس میں صور پھونکا گیا۔ پھر وہ تمام ارواح جسموں میں چلی گئیں، پھر وہ جسم دوبارہ سے زندہ ہو جائیں گے۔

## ففرع من فی السموات کی تفسیر

”ففرع من فی السموات ومن فی الارض“ جو کچھ زمین و آسمان میں سب بیہوش ہو جائیں گے۔ جیسا کہ دوسری آیت میں ہے: ”فصعق من فی السموات ومن فی الارض“ وہ سب مر جائیں گے۔ اس کا بعض نے یہ معنی ذکر کیا ہے کہ ان پر پہلے گھبراہٹ طاری کر دی جائے گی۔ پھر وہ فوت ہو جائیں گے۔ بعض نے کہا کہ حضرت اسرافیل علیہ السلام تین مرتبہ صور پھونکیں گے۔ ایک نوحہ سے گھبراہٹ، دوسرے نوحہ سے موت اور تیسرے نوحہ سے اٹھ کر سب رب العالمین کے سامنے کھڑے ہو جائیں گے۔

## الا من شاء اللہ سے کون لوگ مراد ہیں

”الا من شاء اللہ“ اس اثناء میں آئمہ کرام کا اختلاف ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل سے آیت ”الا من شاء اللہ“ کے بابت دریافت کیا تو حضرت جبرئیل نے کہا کہ وہ شہداء

ہوں گے کیونکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ موجود ہیں۔ ان کو فزع لاحق نہیں ہوگا۔ دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ وہ شہداء ہوں گے جو تلواریں لٹکائے ہوئے عرش کے ارد گرد ہوں گے۔

سعید بن جبیر و عطاء نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا وہ شہداء ہوں گے جو تلواریں لٹکائے عرش کے گردا گرد ہیں۔ بعض آثار میں آیا ہے کہ شہداء اللہ کے استثناء کردہ ہیں یعنی اللہ نے خود بخود صورت کے اثر سے ان کو مستثنیٰ کر دیا ہے۔ کلبی اور مقاتل کا بیان ہے کہ جن کا اللہ نے استثناء کیا ہے وہ جبرئیل، اسرافیل اور ملک الموت ہیں۔ نوح کے بعد کوئی بھی زندہ باقی نہیں بچے گا مگر یہی چار فرشتے پھر اللہ تعالیٰ حضرت میکائیل علیہ السلام کی روح قبض کر دیں گے۔ پھر ملک الموت کی روح، پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام کی روح کو، آخر میں مرنے والے حضرت جبرئیل علیہ السلام ہوں گے۔

روایت میں آتا ہے کہ اللہ رب العزت ملک الموت کو ارشاد فرمائیں گے کہ حضرت اسرافیل علیہ السلام کی روح قبض کر لے، پھر کہا جائے گا جو اس کے بعد باقی ہے اس کی روح قبض کر لے۔ پھر جب ملک الموت کا فرشتہ باقی رہ جائے گا تو اللہ رب العزت فرمائیں گے اے ملک الموت! تو وہ جواب دے گا ”سبحانک رہی تبارکت و تعالیت یا ذا الجلال والاكرام“ پھر جبرئیل و میکائیل علیہم السلام رہ جائیں گے۔ پھر ملک الموت سے کہا جائے گا کہ میکائیل علیہ السلام کی روح قبض کر لے۔ پھر وہ میکائیل علیہ السلام کی روح قبض کر لیں گے، وہ پہاڑ کی طرح گر جائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا، اب کون باقی ہے؟ ملک الموت عرض کرے گا جبرئیل اور ملک الموت۔ اللہ فرمائے گا اے موت کے فرشتے! تو مر جا موت کا فرشتہ مر جائے گا۔ اللہ فرمائے گا جبرئیل اب کون باقی ہے؟ جبرئیل علیہ السلام کہیں گے تبارکت و تعالیت یا ذا الجلال والاكرام وجھک الباقی الدائم وجبریل المیت الفانی تیری ذات کریم لافانی اور جبرئیل میت فانی۔ اللہ فرمائے گا موت تو تجھے بھی آتی ہے، مرے بغیر چارہ نہیں۔ جبرئیل علیہ السلام فوراً سجدہ میں گر جائے گا، دونوں بازو پھڑ پھڑانے لگیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جبرئیل علیہ السلام کی جسمانی ساخت میکائیل کی جسمانی ساخت پر ایسی ہے جیسے بڑے پہاڑ کی بڑائی چھوٹے ٹیلے پر۔

روایت میں آتا ہے کہ یہ چار فرشتوں کے ساتھ حاملین عرش بھی باقی بچ جائیں گے۔ پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام کی روح قبض کر دی جائے گی۔ پھر میکائیل علیہ السلام کی، پھر عرش کے اٹھانے والے فرشتوں کی، پھر حضرت اسرافیل علیہ السلام کی، پھر ملک الموت کی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”ینفخ فی الصور فصعق من فی السموات ومن فی الارض الا من شاء اللہ“ پھر دوسری باری صور پھونکا جائے گا۔ جب میں قبر سے اٹھوں گا تو دیکھوں گا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام عرش کے پائے پکڑے ہوئے ہوں گے۔ مجھے معلوم نہیں کہ اللہ رب العزت نے ان کو بیہوشی سے مستثنیٰ رکھا ہے یا وہ مجھ سے پہلے قبر سے اٹھالیے گئے اور

جس نے کہا کہ میں یونس بن متی (حضرت موسیٰ علیہ السلام) سے افضل ہوں اس نے جھوٹ بولا۔  
 ”وکل موت کے بعد جو زندہ کیے گئے۔ ”اتوہ“ اعمش، حمزہ، حفص ”اتوہ“ مقصور پڑھا ہے۔ تاء کے فتح کے ساتھ وہ آئے۔ دوسرے قراء نے م کے ساتھ اور طاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان  
 ”وكلهم اتيه يوم القيامة فردا“..... ”داخرین“ د بے جھکے رہنا۔

وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ صُنِعَ اللَّهُ الَّذِي اتَّقَنَ كُلَّ شَيْءٍ  
 إِنَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَفْعَلُونَ 88 مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ خَيْرٌ مِنْهَا وَهُوَ مِنْ فَزَعٍ يَوْمَئِذٍ آمِنُونَ  
 89 وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وَجُوهُهُمْ فِي النَّارِ هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ 90

تجربہ اور تو پہاڑوں کو دیکھ رہا ہے (اور) ان کو خیال کر رہا ہے کہ یہ (اپنی جگہ سے) جنبش نہ کریں گے حالانکہ وہ  
 بادلوں کی طرح اڑے اڑے پھریں گے یہ خدا کا کام ہوگا جس نے ہر چیز کو (مناسب انداز پر) مضبوط بنا رکھا ہے یہ  
 یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب افعال کی پوری خبر ہے جو شخص نیکی (یعنی ایمان) لاوے گا سوسا شخص کو اس  
 (نیکی کے اجر) سے بہتر (اجر ملے گا) اور وہ لوگ بڑی گھبراہٹ سے اس روز امن میں رہیں گے اور جو شخص بدی  
 (یعنی کفر و شرک) لاوے گا تو وہ اوندھے منہ آگ میں ڈال دیئے جاویں گے اور (ان سے کہا جاوے گا کہ تم کو تو  
 ان ہی عملوں کی سزا دی جا رہی ہے جو تم (دنیا میں) کر رہے تھے۔

تفسیر 88 ”وتری الجبال تحسبها جامدة“ وہ ایک جگہ مضبوطی سے کھڑے رہیں گے۔ ”وہی تمر  
 مر السحاب“ حالانکہ وہ بادلوں کے چلنے کی طرح چلیں گے۔ پھر وہ زمین پر آجاتے ہیں اور زمین کے برابر ہوجاتے ہیں۔ اس  
 کی وجہ یہ ہے کہ بڑے بڑے جسم بھی اگر تیزی کے ساتھ ایک طرف کو حرکت کر رہے ہوں گے تو ان کی حرکت محسوس نہیں ہوتی۔  
 ”صنع الله“ منصوب ہے مصدر ہونے کی وجہ سے۔ ”الذی اتقن کل شیء“ نے ہر چیز کا اندازہ لگایا ہے۔ ”انہ خبیر بما  
 تفعلون“ ابن کثیر، اہل بصرہ نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔

89 ”من جاء بالحسنة“ جو ایک نیکی لائے گا اخلاص کی نیت کے ساتھ اور وہ کلمہ شہادت ”اشهد ان لا اله الا الله“  
 ہے۔ ابو محشر کا قول ہے کہ ابراہیم بلا استثناء قسم کھا کر کہتے تھے کہ ”الحسنة“ سے مراد لا اله الا الله ہے۔ قتادہ نے کہا کہ اخلاص  
 مراد ہے۔ بعض علماء نے کہا کہ طاعت مراد ہے۔ ”فله خیر منها“ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ جو شخص خیر کی طرف آئے  
 گا تو اس کے لیے ایک نیکی قیامت کے دن بہتر ہوگی، وہ ثواب اور عذاب سے امن کی صورت میں ہوگا۔ اگر ایمان میں کوئی  
 بہترین چیز ہوتی تو لا اله الا الله کے علاوہ کوئی چیز نہ ہوتی۔ بعض نے کہا کہ ”خیر منها“ سے مراد اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے۔

جیسا کہ ارشاد باری ہے: ”وَرِضْوَانٍ مِنَ اللَّهِ اَكْبَرُ“ محمد بن کعب اور عبدالرحمن بن زید نے کہا کہ من تفضیلیہ ہے۔ اس سے مراد ہے دس گنا سے سات سو گنا تک ثواب اور اس سے آگے جتنا اللہ چاہے۔ یہی قول بہتر ہے کیونکہ دس گنا ملنا یہ کسی کسی کی خصوصیات میں سے ہے کیونکہ بندہ اپنے اعمال کے متعلق تو سوال کرتا ہے لیکن اضعاف کے متعلق سوال نہیں کرتا۔ اسی وجہ سے شیطان انسان کو اس کے اعمال سے تو روکتا ہے نہ کہ اس کے اعمال کے دگنے ثواب سے۔

نیکی کرنا بندے کا حق ہے اس پر ثواب عطا کرنا خواہ ایک نیکی عطا کرے یا اس کا دس گنا یہ اللہ تعالیٰ کے اپنے فضل پر ہے وہ جس پر چاہے جتنا فضل عطا فرمائے۔ ”وَهُمْ مِنْ فِرْعَ وَیَوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ“

اہل کوفہ نے ”من فروع“ تنوین کے ساتھ پڑھا ہے میم کے فتح کے ساتھ اور دوسرے قراء نے اضافت کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ یہ اعم ہے کیونکہ یہ امن تمام گھبراہٹ کے لیے ہو اس دن اور تنوین کے ساتھ ہو تو اس کا مطلب ہوگا کہ گویا کہ وہ ایک گھبراہٹ سے دوسری گھبراہٹ میں مبتلا ہو گئے اور اہل مکہ اس کو فتح سے موسوم کرتے ہیں۔

⑩ ”وَمِنْ جَاءَ بِالسَّيْئَةِ“ اور جو شرک لے کر آئے گا۔ ”فَكَبْتُ وَجُوهَهُمْ فِي النَّارِ“ ان کو آگ میں چہروں کے بل ڈالا جائے گا۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے ”كَبَتِ الرَّجُلُ اِذَا الْقَيْتَهُ عَلٰی وَجْهِهِ فَانْكَبَ وَاَكْبَ“ اور کہا جائے گا جہنم کے داروغے سے ”اهل تجزون الا ما كنتم تعملون“ دنیا میں شرک سے۔

اِنَّمَا اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلَدَةِ الَّذِيْ حَرَّمَهَا وَلَهُ كُلُّ شَيْءٍ وَّ اُمِرْتُ اَنْ  
اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ⑪ وَاَنْ اَتْلُوَ الْقُرْآنَ. فَمَنْ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ  
وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ اِنَّمَا اَنَا مِنَ الْمُنْدَرِيْنَ ⑫ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا  
وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ⑬

⑪ مجھ کو تو یہی حکم ملا ہے کہ میں اس شہر (مکہ) کے مالک (حقیقی) کی عبادت کیا کروں جس نے اس (شہر) کو محترم بنایا ہے اور (اس کی عبادت کیوں نہ کی جائے جبکہ وہ ایسا ہے کہ) سب چیزیں اسی کی ملک ہیں اور مجھ کو یہ بھی حکم ہوا ہے کہ میں فرمانبردار رہوں اور (مجھ کو) یہ (بھی حکم ملا ہے) کہ میں قرآن (کریم) پڑھ کر سناؤں سو (میری تبلیغ کے بعد) جو اور جو شخص گمراہ رہے گا تو آپ کہہ دیجئے کہ (میرا کوئی ضرر نہیں کیونکہ) میں تو صرف ڈرانے والے پیغمبروں میں سے ہوں اور آپ (یہ بھی) کہہ دیجئے کہ سب خوبیاں خالص اللہ ہی کے لئے ثابت ہیں وہ تم کو عنقریب اپنی نشانیاں (یعنی قیامت کے واقعات) دکھلا دے گا سو تم (وقوع کے وقت) ان کو پہچانو گے اور آپ کا رب ان کاموں سے بے خبر نہیں جو تم سب لوگ کر رہے ہو۔

**تفسیر** 91 "انما امرت" اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے رسول سے حکم فرماتے ہیں کہ کہیں کہ مجھے اللہ نے اس کا حکم دیا ہے۔ "ان اعبد رب هذه البلدة" اس سے مکہ شہر مرا ہے۔ "الذی حرمها" اللہ تعالیٰ نے اس کو حرم بنایا اور اسن والا بنایا نہ اس میں کسی کا خون بہایا جائے گا اور نہ ہی اس میں کسی کے ساتھ ظلم کیا جائے گا اور نہ ہی یہاں پر شکار کیا جائے گا اور نہ ہی کوئی گھاس اکھاڑی جائے گی۔ "وله کل شیء مخلق کے اعتبار سے ہو یا ملکیت کے اعتبار سے۔" و امرت ان اکون من المسلمین

92 "و ان اتلوا القرآن" اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں قرآن کی تلاوت کروں۔ "فمن اهتدى فانما يهتدى لنفسه" اگر کسی کو ہدایت کے ذریعے نفع عطا کرو گے تو اس کا فائدہ تمہیں ہی پہنچے گا۔ "ومن ضل" اور جس نے کسی کو ایمان سے یا ہدایت کے طریقے سے گمراہ کیا۔ "فقل انما انا من المنذرين" آپ انہیں کہہ دیں کہ میں تو صرف ڈرانے والا ہوں اور میرے اوپر صرف پہنچا دینا ہے۔ یہ آیت قتال والی آیت سے منسوخ ہے۔

93 "وقل الحمد لله" ان کی نعمتوں پر "سیریکم ایاتہ" بدر کے دن قتل ہونے، قید ہونے اور فرشتوں کا ان کے چہروں پر مارنے اور ان کی پیٹھوں پر مارنے کی نشانیاں اس کی نظیر اللہ رب العزت کے اس فرمان میں ہے "ساریکم آیاتی فلا تستعجلون" مجاہد کا قول ہے کہ ہم تمہیں آسمان و زمین میں اور تمہارے اندر ہی ایسی نشانیاں پیدا کر دیں گے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "سنریہم آیاتنا فی الافاق و فی انفسہم"..... "فتعرفونہا" تم نشانیاں اور دلائل کو پہچان لو گے۔ "و ما ربک بغافل عما تعملون" ان کے لیے وعید ہے کہ ان کے اعمال کے مطابق ان کو بدلہ دے گا۔



## سُورَةُ الْقَصَصِ

صرف اس میں ایک آیت ”الذین اتیناہم الكتاب“ سے لے کر ”لا نبغی الجاہلین“ تک مدنی ہے۔ اس سورت کی آیت ”ان الذی فرض علیک القرآن لراذک الی معاد“ مکہ و مدینہ کے درمیان نازل ہوئیں۔ اس میں ۸۸ آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

طَسَمَ ① تِلْكَ آيَاتِ الْكِتَابِ الْمُبِينِ ②

تسم یہ (مضامین جو آپ پر وحی کئے جاتے ہیں) کتاب واضح (یعنی قرآن) کی آیتیں ہیں

تفسیر ① ”طسم“..... ② ”تلك آیات الكتاب المبين“

تَلُّوْا عَلَیْكَ مِنْ نَبِیِّ مُوسَى وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ③ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِیْعًا یَسْتَضِعُّ طَائِفَةً مِنْهُمْ یُدْبِحُ اَبْنَاءَهُمْ وَیَسْتَحِی نِسَاءَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ ④ وَنُرِیْدُ اَنْ نُّنَمَّ عَلَى الَّذِیْنَ اسْتَضِعُّوْا فِی الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَیْمَةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِیْنَ ⑤ وَنَمَكِّنْ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ وَنُرِی فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا مِنْهُمْ مَا كَانُوْا یَحْذَرُوْنَ ⑥ وَاَوْحِیْنَا اِلٰی اُمِّ مُوسٰی اَنْ اَرْضِعِیْهِ. فَاِذَا خِفْتِ عَلَیْهِ فَالْقِیْهِ فِی الْیَمِّ وَلَا تَخَافِی وَلَا تَحْزَنِی اِنَّا رَاٰوْهُ الْیَكْبَ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ⑦

تسم ہم آپ کو موسیٰ (علیہ السلام) اور فرعون کا کچھ قصہ ٹھیک ٹھیک پڑھ کر (یعنی نازل کر کے) سناتے ہیں ان لوگوں کے (نفع کے) لئے جو کہ ایمان رکھتے ہیں فرعون سرزمین (مصر) میں بہت بڑھ چڑھ گیا تھا اور اس نے وہاں کے باشندوں کو مختلف قسمیں کر رکھا تھا کہ ان (باشندوں) میں سے ایک جماعت (یعنی بنی اسرائیل) کا زور گھٹا رکھا تھا (اس طرح سے) کہ ان کے بیٹوں کو ذبح کراتا تھا اور ان کی عورتوں (یعنی لڑکیوں) کو زندہ رہنے دیتا تھا واقعی وہ بڑا مفسد تھا (غرض فرعون تو اس خیال میں تھا) اور ہم کو یہ منظور تھا کہ جن لوگوں کا زمین (مصر) میں زور گھٹایا جا رہا تھا ہم ان پر (دنوی و دینی) احسان کریں اور (وہ احسان یہ کہ) ان کو (دینی) پیشوا بناویں اور (دنیا میں) ان کو (ملک کا) مالک



بنائیں اور (ملک ہونے کے ساتھ) ان کو زمین میں حکومت دیں اور فرعون اور ہامان اور ان کے تابعین کو ان (بنی اسرائیل) کی جانب سے وہ (ناگوار) واقعات دکھلائیں جن سے وہ بچاؤ کر رہے تھے اور (جب موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو) ہم نے موسیٰ کی والدہ کو الہام کیا کہ تم ان کو دودھ پلاؤ پھر جب تم کو ان کی نسبت (جاسوسوں کے مطلع ہونے کا) اندیشہ ہو تو (بے خوف و خطر) ان کو دریا (نیل) میں ڈال دینا اور نہ تو (غرق سے) اندیشہ کرنا اور نہ (مفارقت پر) غم کرنا (کیونکہ) ہم ضرور ان کو پھر تمہارے ہی پاس واپس پہنچادیں گے اور (پھر اپنے وقت پر) ان کو پیغمبر بنا دیں گے۔

**تفسیر 3** "تتلوا علیک من نبا موسیٰ و فرعون بالحق" حق سے مراد صدق ہے۔ "للقوم یؤمنون" اور وہ

قرآن کی تصدیق کرتے ہیں۔

**4** "ان فرعون علا" اس نے تکبر کیا، مغرور ہو گیا اور ظالم بن گیا۔ "فی الارض" مصر کی زمین میں "وجعل اہلہا شیعا" فرقے فرقے کہ سب فرعون کے تابع تھے، فرعون جو کام لینا چاہتا تھا وہ کرتے تھے۔ "یستضعف طائفة منهم" طاقت سے مراد بنی اسرائیل ہے۔ پھر استضعاف کی وضاحت کردی اور فرمایا "یلدیح ابناء ہم ویستحی نساء ہم" ان کو استضعاف اس لیے فرمایا کیوں کہ یہ اس سے عاجز تھے یا اپنے آپ سے اس ظلم کو دور کرنے سے عاجز تھے۔ "انہ کان من المفسلین"

**5** "ونرید ان نمین علی الذین استضعفوا فی الارض" اس سے مراد بنی اسرائیل ہے۔ "ونجعلہم آئمة" جو نیک راستے پر چلنے والے اور ان کی اقتداء کرنے والے۔ قہادہ کا قول ہے کہ اس سے مراد والیان ملک اور بادشاہ مراد ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے متعلق اور آیت میں فرمایا "وجعلکم ملوکا" مجاہد کے نزدیک دینی پیشوا اور داعیان خیر مراد ہیں۔ "ونجعلہم الوارثین" یعنی فرعون اور اس کی قوم کے گھروں اور ملک و مالک کے وارث بنا دیں گے۔

**6** "ونمکن لہم فی الارض" اور تمہیں ارض مصر اور شام میں ٹھکانہ عطا کر دیں گے اور تمہارے لیے مکان بنائیں گے جس میں تم ٹھہرو گے۔ "ونروی فرعون" اعمش، حمزہ، کسائی نے (یری) کی یاء کے ساتھ مفتوح پڑھا ہے۔ "وہامان و جنودہما" ان سب کو مرفوع پڑھا ہے کیونکہ یہ ان کے لیے فعل ہے۔ دوسرے قراء نے نون کے ساتھ مضموم پڑھا ہے راء کے کسرے یاء کے نصب اور اس کے مابعد کو بھی نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ "منہم ما کانوا یحذر وں" حذر کا معنی ہے ضرر سے بچنا کیونکہ فرعون اور اس کے ساتھیوں کو (نجومیوں سے) اطلاع ملی تھی کہ بنی اسرائیل میں سے ایک آدمی کے ہاتھوں سے اس کی تباہی ہوگی اس لیے ان کو بنی اسرائیل کی طرف سے اندیشہ لگا رہتا تھا لیکن اللہ ان کے سامنے وہی بات لے آیا جس سے وہ بچاؤ کرنا چاہتے تھے۔

**7** "واوحینا الی ام موسیٰ" یہاں پر وحی سے مراد الہام ہے۔ نبوت والی وحی نہیں جو وحی انبیاء کرام پر نازل ہوا کرتی ہے۔ قہادہ کا قول ہے کہ ہم نے ان کے دل پر ڈال لی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا نام یوحا بذبت لاوی بن یعقوب ہے۔ "ان ارضعیہ"

## حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے موسیٰ علیہ السلام کو کتنا عرصہ دودھ پلایا

دودھ پلانے کی مدت رضاعت میں آئمہ مفسرین کرام کا آپس میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ آٹھ ماہ اور بعض نے کہا چار ماہ اور بعض نے تین ماہ۔ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ موسیٰ علیہ السلام کو گود میں لیے دودھ پلاتی رہتی تھیں اور نہ وہ روتے تھے اور نہ حرکت کرتے تھے۔ ”فاذا خفت علیہ“ اور جب اس کی طرف سے جاسوسوں کے مطلع ہونے کا خوف ہوا اور اندیشہ ہوا کہ کہیں فرعون کے کارندے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ذبح ہی نہ کر دیں۔ ”فالقیہ فی الیم“ الیم سے مراد سمندر ہے۔ یہاں اس سے مشہور دریائے نیل ہے۔ ”ولا تخافی“ اور اس کے غرق ہونے سے نہ ڈریں۔ بعض نے کہا کہ اس کے ضائع ہونے سے نہ گھبرائیں۔ ”ولا تحزنی“ اور اس کی جدائی کی وجہ سے غمگین نہ ہوں۔

”انا وادوہ الیک وجاعلوہ من المرسلین“ عطاء اور ضحاک سے مروی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا مصر میں جب بنی اسرائیل کی تعداد زیادہ ہو گئی اور لوگوں پر انہوں نے دراز دتی شروع کر دی، اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں کرنے لگے، نہ بھلائی کا کسی کو حکم دیتے ہیں اور نہ گناہ سے کسی کو روکتے ہیں۔ آخر اللہ نے ان پر قبطیوں کو مسلط کر دیا۔ قبطیوں نے ان کا زور توڑ دیا اور بہت زیادہ کمزور بنا دیا۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے قبطیوں کے تسلط سے ان کو رہا کر دیا۔

## حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بچپن میں فرعون کے پاس کیسے پہنچے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا زمانہ قریب آ گیا تو موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے ایک دایہ کو بلوایا اور یہ دایہ انہی دایوں میں سے تھی جو فرعون کی طرف سے بنی اسرائیل کی حاملہ عورتوں کے لیے مقرر تھی لیکن موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی دوست تھی، دروزہ ہوئی تو اسی کو بلوایا وہ آگئی اس سے کہا میری جو حالت ہے تجھے معلوم ہے آج تیری دوستی سے فائدہ حاصل کرتا ہے۔ دائی اپنے کام میں لگ گئی۔ جب موسیٰ علیہ السلام پیدا ہو گئے اور دائی کے ہاتھوں میں آ گئے تو موسیٰ علیہ السلام کی دونوں آنکھوں کے درمیان سے نکلتا ہوا نور دیکھ کر دائی حیرت زدہ ہو گئی۔ اس کا ہر جوڑ لرز اٹھا، پورے بدن میں سنسنی پیدا ہو گئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی محبت اس کے دل میں جم گئی۔ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ سے کہنے لگی تو نے جب بلوایا تھا اور تیرے پاس آئی تھی اس وقت میرے پیچھے تیرے بیٹے کو قتل کرنے والے تھے۔ (میرا ارادہ تھا کہ تیرے بیٹے کو قتل کرنے والوں کے حوالے کر دوں گی) لیکن اب میرے دل میں تیرے بیٹے کی محبت ایسی معلوم ہوتی ہے کہ ایسی محبت میں نے کسی کی نہیں پائی۔ اس لیے میں کہتی ہوں کہ اپنے بیٹے کی حفاظت رکھنا۔ پھر دائی کو موسیٰ علیہ السلام کی ماں کے گھر سے نکلتے کسی جاسوس نے دیکھ لیا۔ فوراً سب دروازے پر آ گئے اور اندر گھسنا چاہا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن دوڑی ہوئی آئی اور کہنے لگی اماں دروازہ پر سپاہی آ گئے، فوراً موسیٰ علیہ السلام کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر بہن نے تنور میں ڈال دیا، تنور میں آگ روشن تھی لیکن اس

کے اوسان خطا ہو گئے، اس کو پتہ بھی نہ چلا کہ میں کیا کر رہی ہوں، سپاہی اندر آ گئے، تور بھڑک رہا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے چہرہ پر کوئی تغیر نہیں تھا نہ چہرے کے رنگ میں کوئی فرق آیا تھا نہ دودھ اترتا تھا، کہنے لگی دائی یہاں کیوں آئی تھی؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے کہا وہ میری دوست ہے ملاقات کے لیے آئی تھی۔ غرض وہ لوگ واپس چلے گئے۔

اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو یاد آیا اور موسیٰ علیہ السلام کی بہن سے پوچھا بچہ کہاں ہے؟ موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں اتنے میں تور سے بچہ کے رونے کی آواز آئی، ماں نے جا کر دیکھا کہ تور کی آگ موسیٰ علیہ السلام کے لیے ٹھنڈی پڑ چکی ہے اور ٹھنڈی بھی اتنی جو باعث سلامتی تھی۔ ماں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اٹھایا۔ پھر مدت کے بعد موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے دیکھا کہ فرعون کو لڑکوں کی بے حد تلاش ہے ان کو اپنے بچہ کا خطرہ محسوس ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ ایک صندوق لے کر موسیٰ علیہ السلام کو اس میں رکھ کر دریا میں ڈال دے۔ اس خیال کے پیدا ہوتے ہی وہ ایک بڑھئی کے پاس آئیں جو فرعون کی قوم میں سے تھا اور اس سے ایک صندوق خریدا۔ بڑھئی نے پوچھا تجھے کس کام کے لیے ضرورت ہے، موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے جھوٹ بولنا پسند نہیں کیا، سچ بتا دیا، میرا ایک بچہ ہے، میں صندوقچہ کے اندر اس کو چھپاؤں گی، بڑھئی نے پوچھا کیوں؟ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے کہا فرعون کے خوف سے۔ غرض صندوقچہ خرید کر اٹھالائی، وہ بڑھئی کے پاس سے چلی ہی تھی کہ بڑھئی قاتلوں کو اس واقعہ کی اطلاع دینے پہنچ گیا اور کچھ بولنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے زبان روک دی اور بولنے کی طاقت سلب ہو گئی، کچھ نہ بول سکا اور ہاتھ سے اشارے کرنے لگا لیکن سپاہی کچھ نہ سمجھ سکے۔ جب اشاروں سے سمجھنے سے عاجز آ گئے تو ان کے سردار نے حکم دیا کہ اس کو مار کر نکال دو۔ بڑھئی پٹائی کھا کر اپنی جگہ پہنچا تو پھر اللہ تعالیٰ نے زبان میں گویائی عطا فرمادی، پھر مخبری کرنے کے ارادہ سے سپاہیوں کے پاس پہنچا۔ اس مرتبہ زبان بھی بند ہو گئی اور نظر بھی جاتی رہی نہ بول سکا اور نہ ہی کچھ دیکھ سکا۔ آخر پھر مار کر لوگوں نے نکال دیا۔ بڑھئی حیران پریشان گرتا پڑتا ایک وادی میں جا پہنچا اور اس نے پختہ نیت کرنی کہ اگر اللہ نے میری نگاہ اور قوت گویائی واپس کر دی تو وہ موسیٰ علیہ السلام کی نشاندہی نہیں کرے گا بلکہ موسیٰ علیہ السلام جہاں ہوں گے ان کے ساتھ رہے گا اور ان کی حفاظت کرے گا، اللہ نے اس کو سچا جانا اور بیٹائی اور گویائی واپس دے دی، فوراً سجدہ میں گر گیا اور دعا کی کہ اے میرے رب! مجھے اس نیک بندہ کا پتہ بتا دے، اللہ تعالیٰ نے اس کو موسیٰ علیہ السلام تک پہنچنے کا راستہ بتلا دیا، وہ وادی سے نکل آیا اور موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آیا، وہ سمجھ گیا کہ یہ بات اللہ کی طرف سے ہے۔

وہب بن منبہ نے بیان کیا کہ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ جب حاملہ ہو گئیں تو انہوں نے اپنی حالت پوشیدہ رکھی، کوئی بھی اس کے حمل سے واقف نہیں ہوا چونکہ بنی اسرائیل پر اللہ کو احسان کرنا مقصود تھا اس لیے حمل پر پردہ ڈال دیا۔ موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا سال وہی تھا کہ فرعون نے تفتیش کے لیے دانیوں کو بنی اسرائیل کی عورتوں پر مامور کر دیا تھا اور ایسی تفتیش کرائی تھی کہ اس سے پہلے کبھی ایسی جستجو نہیں ہوئی۔ موسیٰ علیہ السلام کی ماں حاملہ تو ہو گئی تھی مگر پیٹ میں کوئی ابھار ہی نہیں ہوا تھا نہ رنگ بدلے تھا اور نہ ہی دودھ اترتا تھا، دانیوں اس سے کوئی تعرض ہی نہیں کرتی تھیں۔ جب شب ولادت آ گئی

تو موسیٰ علیہ السلام پیدا ہو گئے اس وقت نہ کوئی چوکیدار تھا اور نہ کوئی دانی سوائے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن کے۔

موسیٰ علیہ السلام کے پیدا ہونے کی اطلاع کسی کو نہیں ہوئی، بہن کا نام مریم تھا، اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی ماں کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ اس کو دودھ پلاتی رہ جب تجھے خطرہ ہو جائے تو اس کو دریا میں ڈال دینا۔ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ بچہ کو تین ماہ تک گود میں چھپائے دودھ پلاتی رہیں۔ موسیٰ علیہ السلام روتے بھی نہیں تھے اور حرکت بھی نہیں کرتے تھے۔ بلا آخر جب موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو قوی اندیشہ ہو گیا تو انہوں نے ایک سر بند صندوق بنوایا۔ بعض کا خیال ہے کہ ایک صندوقچہ لیا جس کے اندر تارکول کی پالش کر دی اور خالی جگہیں تارکول سے ہر کر دیں اور اس کے اندر چھوٹا بچھا دیا اور موسیٰ علیہ السلام کو اندر رکھ کر صندوقچہ بند کر کے رات کو دریا میں ڈال دیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ فرعون کی ایک لڑکی تھی اور کوئی اولاد نہیں تھی۔ لڑکی سے فرعون کو بہت محبت تھی۔ ہر روز فرعون سے وہ اپنے تین کام پورے کراتی تھی۔ اس لڑکی کو سخت برص تھا، فرعون نے اس کے علاج کے لیے مصر کے تمام اطباء اور ساحروں کو جمع کیا۔ ساحروں نے کہا کہ اس کو صحت دریا کی طرف سے ہوگی، کوئی چیز انسان کی شکل میں دریا میں پائی جائے گی۔ اس کے منہ کا لعاب لیا جائے گا اور برص کے داغوں پر لگا دیا جائے تو یہ اچھی ہو جائے گی۔ ایسا فلاں دن فلاں ساعت میں سورج نکلنے کے بعد ہوگا۔

چنانچہ دوسرا دن دو شنبہ کا تھا۔ فرعون نے نیل کے کنارے اپنے بیٹھنے کی جگہ تیار کروائی اور جا کر بیٹھا ساتھ میں اس کی بیوی آسیہ بنت مزاحم بھی تھی۔ فرعون کی لڑکی بھی اپنی خادماؤں کے ساتھ آ کر نیل کے کنارے بیٹھ گئی اور لڑکیوں کے منہ پر پانی کے چھینے مار مار کر کھیلنے لگی، اچانک نیل میں بہتا ہوا سامنے سے ایک صندوق نظر آیا، لہریں طمانچے مار مار کر اس کو لارہی تھیں۔ فرعون نے کہا کہ نیل میں یہ چیز درخت سے آگئی ہے اس کو لاؤ، ہر طرف سے کشتیوں نے جا کر اس کو گھیر لیا اور لا کر فرعون کے ساتھ رکھ دیا۔ لوگوں نے ہر چند کھولنے کی تدبیریں کیں لیکن کھول نہ سکے، پھر توڑنا چاہا تو بڑھی نہ سکے۔ آخر آسیہ قریب آئی اس کو صندوق کے اندر ایک نور دکھائی دیا جو کسی اور کو نہیں دکھائی دیا، کوشش کر کے اس نے صندوق کو کھول دیا، اندر ایک چھوٹا سا بچہ بچھونے پر لیٹا تھا، اس کی دونوں آنکھوں کے بیچ میں ایک نور تھا اور اللہ تعالیٰ نے اس کا رزق دونوں انگلیوں میں پیدا کر دیا تھا جن کے اندر سے وہ دودھ چوس رہا تھا، اللہ نے بچہ کی محبت آسیہ کے دل میں ڈال دی، فرعون بھی اس سے محبت کرنے لگا اور دل سے مہربان ہو گیا۔ صندوقچہ سے بچہ کو نکالا گیا۔ فرعون کی لڑکی بھی آگئی اور اس نے بچہ کے منہ کا لعاب لے کر اپنے داغوں پر ملا فوراً اچھی ہو گئی۔ لڑکی نے بچہ کو چوم لیا اور سینہ سے چسلا لیا، جا دو گروں نے کہا اے بادشاہ! ہمارا خیال ہے کہ یہ وہی بچہ ہے جس سے تجھے خطرہ تھا۔ یہ بنی اسرائیل کا بچہ ہے، تیرے خوف سے اس کو دریا میں پھینک دیا گیا ہے۔ فرعون نے بچہ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو آسیہ نے کہا ”قوة عين لي ولك لا تقتلوه عسى أن ينفعنا أو نتخذه ولذا“ یہ میری اور آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، اس کو قتل نہ کرو، امید ہے کہ یہ میرے کام آئے گا یا ہم اس کو بیٹا بنا لیں گے۔ آسیہ کی اولاد نہیں ہوتی تھی۔ فرعون نے آسیہ سے کہا موسیٰ علیہ السلام کو مجھے دے دو، فرعون نے آسیہ کو موسیٰ علیہ السلام بہہ کر دیا اور کہنے لگا مجھے اپنے لیے اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اگر اس روز فرعون کہہ دیتا یہ جیسے تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے ویسے ہی میرے لیے بھی تو اللہ نے جس طرح آسیہ کو ہدایت یاب کر دیا اسی طرح فرعون کو بھی ہدایت یاب کر دیتا۔ آسیہ سے کہا گیا کہ اس کا کچھ نام رکھو، آسیہ نے کہا میں نے اس کا نام موسیٰ رکھ دیا ہے کیوں کہ ہم نے اس کو پانی اور درختوں کے درمیان پایا تھا۔

فَالْقَطْعَةُ آلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُونَ لَهُمْ عُلُوًّا وَّحَزْنًا ۗ إِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا كَانُوا خَاطِئِينَ ③  
 وَقَالَتِ امْرَأَتُ فِرْعَوْنَ قُرْتُ عَيْنٍ لِي وَلَكَ ۗ لَا تَقْتُلُوهُ عَسَىٰ أَنْ يَنْفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ④ وَأَصْبَحَ فُؤَادُ مُوسَىٰ فَرِيحًا ۗ وَإِن كَادَتْ لَتُبْدِي بِهِ لَوْلَا أَنْ رَبَّنَا عَلَىٰ قَلْبِهَا لِتَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ⑤ وَقَالَتْ لِأُخْتِهِ قُصِّيهِ فَبَصُرَتْ بِهِ عَنْ جُنُبٍ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ⑥ وَحَرَمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاصِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ أَهْلِ بَيْتٍ يَكْفُلُونَهُ لَكُمْ وَهُمْ لَهُ نَاصِحُونَ ⑦  
 (تجلی) تو فرعون کے لوگوں نے موسیٰ کو (یعنی مع صندوق کے) اٹھالیا تاکہ وہ ان لوگوں کے لئے دشمن اور غم کا باعث بنیں بلاشبہ فرعون اور ہامان اور ان کے تابعین (اس بارے میں) بہت چو کے اور فرعون کی بی بی (حضرت آسیہ) نے (فرعون سے) کہا کہ یہ (بچہ) میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک اس کو قتل مت کرو جب نہیں کہ (بڑا ہو کر) ہم کو کچھ فائدہ پہنچا دے ہم اس کو (اپنا) بیٹا ہی بنا لیں اور ان لوگوں کو (انجام کی) خبر نہ تھی اور (ادھر یہ قصہ ہوا کہ) موسیٰ کی والدہ کا دل (خیالات مختلفہ کے جھوم بھٹے) بے قرار ہو گیا قریب تھا کہ وہ موسیٰ کا حال (سب پر) ظاہر کر دیتیں اگر ہم ان کے دل کو اس غرض سے مضبوط نہ کئے رہیں کہ یہ (ہمارے وعدہ پر) یقین کئے (بیٹھی) رہیں انہوں نے موسیٰ کی بہن (یعنی اپنی بیٹی) سے کہا کہ ذرا موسیٰ کا سراغ تو لگا سواتیوں نے موسیٰ کو دور سے دیکھا اور ان لوگوں کو (یہ) خبر نہ تھی (کہ یہ ان کی بہن ہیں اور اسی فکر میں آئی ہیں) اور ہم نے پہلے ہی سے موسیٰ پر دو دھ پلانیوں کی بندش کر رکھی تھی سو وہ (اس موقع کو دیکھ کر) کہنے لگیں کیا تم لوگوں کو کسی ایسے گھرانے کا پتہ بتاؤں جو تمہارے لئے اس بچہ کی پرورش کریں اور وہ (دل سے) اس کی خیر خواہی کریں۔

تفسیر ③ "فالقطة آل فرعون" التقاط کہتے ہیں کہ چیز کو بغیر طلب کے حاصل ہو جانا۔ "لیکون لہم عدوا و حزنًا" لام عاقبت کا ہے یا لام صیرورۃ کا ہے کیونکہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس لیے سمندر سے نہیں اٹھایا تھا کہ وہ ان کے دشمن بنیں یا ان کو غمزدہ کریں لیکن انجام ان کا یہی ہونا تھا۔ حمزہ اور کسائی نے حزنًا حاء کے ضمہ کے ساتھ بڑھا ہے اور زاء کے سکون کے ساتھ۔ دوسرے قراء نے حاء کے فتح کے ساتھ اور زاء کے فتح کے ساتھ۔ اس میں دونوں لغات صحیح ہیں۔ "ان فرعون و ہامان و جنودہما کانوا خاطئین" نافرمان گنہگار ہوں گے۔

④ "وقالت امرأة فرعون قرة عين لي ولك" وہب بن منبہ نے بیان کیا کہ جب فرعون کے سامنے صندوق چرکھا گیا

اور لوگوں نے اس کو کھولا اور اس کے اندر سے موسیٰ علیہ السلام برآمد ہوئے تو فرعون نے ان کو دیکھ کر کہا یہ تو عبرانی ہے، دشمنوں میں سے ہے، موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر اس کو غصہ آیا اور کہنے لگا یہ لڑکا کیسے بچ گیا؟ فرعون نے ایک اسرائیلی عورت سے شادی کر لی تھی جس کو آسیہ بنت مزاحم کہا جاتا تھا، یہ عورت بہت نیک تھی اور انبیاء کی نسل سے تھی، مسکینوں کے لیے تو ماں تھی ان پر بڑا ترس کھاتی تھی، بہت خیرات دیتی تھی، جب آسیہ فرعون کے پاس بیٹھی تھی تو اس نے فرعون سے کہا کہ یہ لڑکا ایک سال سے زائد کا ہے اور آپ کا حکم اس سال کے لڑکوں کو قتل کرنے کا ہے اس لیے اس کو چھوڑ دیجئے یہ میری اور تمہاری آنکھوں کے لیے ٹھنڈک بنے گا۔

”لا تفتلوه“ روایت میں آتا ہے کہ آسیہ نے کہا کہ یہ دوسرے شہر سے آیا ہے بنی اسرائیل میں سے نہیں آیا۔ ”عسلی ان ینفعنا او نتخذہ ولذا وہم لایشعرون“ ان کو معلوم نہیں تھا کہ ان کی ہلاکت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں ہی سے ہوگی۔ فرعون نے ان کو زندہ رکھا اور ان کی محبت ان کے دل پر ڈال دی اور اس کی بیوی نے کہا کہ شاید کہ یہ ہمیں نفع دے تو فرعون نے کہا کہ مجھے اس سے نفع کی امید نہیں ہے۔

وہب کا بیان ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اگر اللہ کا دشمن آسیہ کی طرح موسیٰ علیہ السلام کی بابت ”عسلی ان ینفعنا“ کہہ دیتا تو اللہ اس کو بھی فائدہ پہنچا دیتا لیکن اللہ نے اس کے لیے بدبختی لکھ دی تھی وہی بد نصیبی غالب آگئی اور اس نے انکار کر دیا۔

10 ”واصبح فؤاد ام مونسى فارغاً“ ان کا دل ہر چیز کے خوف سے خالی ہو گیا، صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یاد سے غافل نہیں ہوتیں۔ اکثر مفسرین نے اس کا قول یہ نقل کیا ہے کہ حضرت حسن کا قول ہے کہ اس کا دل خالی ہو گیا، وہ اس الہام کو بھول گئی جو اللہ نے ان کے دل میں پیدا کر دیا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کو دریا میں ڈال دینا اور کچھ خوف و غم نہ کرنا، ہم ضرور اس کو لوٹا کر تیرے پاس پہنچا دیں گے اور اس کو پیغمبر بنائیں گے مگر شیطان نے اس سے آکر کہا کیا تجھے یہ بات تو پسند نہیں کہ فرعون تیرے بچے کو قتل کر دے اور تجھے اس کا اجر و ثواب ملے اور تو خود بچہ کو قتل کرنے کے درپے ہو رہی ہے اور اس کو دریا میں ڈال کر غرق کر رہی ہے۔ جب اس کو اطلاع ملی کہ فرعون نے نیل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پالیا تو اس مصیبت نے اس کو اللہ کا وعدہ فراموش کر دیا۔

ابوعبیدہ کا قول ہے کہ اس کا دل غم سے خالی ہو گیا کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اللہ کا وعدہ ضرور سچا ہے۔ قسبی نے کہا کہ ابو عبیدہ کی یہ تاویل غلط ہے کیونکہ اللہ نے آگے فرمایا ہے ”ان کادات لتبدی بہ لولا ان ربطنا علی قلبہا“ پہلا قول راجح ہے۔ ”ان کادات لتبدی بہ“ ہا ضمیر موسیٰ علیہ السلام کی طرف راجح ہے۔ قریب تھا کہ وہ ظاہر کر دیتی جب انہوں نے اس کو دیکھا شدت کی وجہ سے۔ عکرمہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ قریب تھا کہ وہ کہہ دیتی ہائے بیٹا۔ مقاتل کا بیان ہے کہ جب اس نے صندوق کو دیکھا کہ دریا کی لہر اس کو اوپر اٹھا کر پھر نیچے پٹک رہی تھیں اور وہ لہروں میں پھنسا ہوا ہے تو اس کو ڈوب جانے کا خطرہ اتنا ہوا کہ قریب تھا کہ وہ چیخ پڑے۔ کلبی کا بیان ہے کہ جو ان ہونے کے بعد جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کا بیٹا کہا جانے لگا تو آپ کی والدہ نے بھی یہ بات سنی تو اس کو یہ بات اتنی شاق گزری کہ قریب تھا کہ وہ ظاہر کر دیتی کہ موسیٰ علیہ السلام میرا بیٹا ہے۔



بعض اہل تفسیر کا بیان ہے کہ ہاء ضمیر وحی کی طرف لوٹ رہی ہے تو اس کا یہ مطلب بیان کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا دل غم و فکر سے خالی ہو گیا اور اس کو اللہ کے اس وعدہ پر اتنا اعتماد تھا کہ قریب تھا کہ وہ بتا دے کہ موسیٰ علیہ السلام میرا بیٹا ہے یا یہ ظاہر کر دے کہ مجھے وحی سے اللہ کا یہ وعدہ معلوم ہو چکا ہے کہ اللہ اس کو میرے پاس لوٹا کر ضرور لائے گا اور اس کو تغیر بنائے گا۔ ”لو لا أن ربطننا علی قلبہا“ ہم اس کے دل کو محفوظ کر لیتے صبر اور ثابت قدمی کے ساتھ۔ ”لتكون من المؤمنین“ تاکہ تم اللہ کے وعدے کی تصدیق کرنے والے ہو جاؤ، اس وقت کو بھی یاد رکھو گے جس وقت ہم نے کہا تھا ”انا رادقوہ الیک“

11 ”وقالت لاختہ“ حضرت مریم علیہا السلام جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن تھیں ”قصیہ“ اس کے پیچھے پیچھے چلی جا تا کہ تجھے اس کا علم ہو جائے۔ ”لبصرت بہ عن جنب“ اس کو دور سے دیکھتی رہے۔ قصہ میں آتا ہے کہ مریم الگ الگ جا رہی تھی اور نظر چرا کر دیکھتی جاتی تھی تاکہ لوگوں کو پتہ نہ چلے کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ رہی ہے۔ ”وہم لایشعرون“ کہ یہ اس کی بہن ہے اور اس کے تعاقب میں جا رہی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ فرعون کی بیوی چاہتی تھی کہ کسی طرح کسی دودھ پلانے والی کا دودھ موسیٰ علیہ السلام پی لیں۔ چنانچہ ایک کے بعد ایک دودھ پلانے والیاں آئیں مگر موسیٰ علیہ السلام نے کسی کا دودھ نہیں پیا، موسیٰ علیہ السلام کی بہن دور کھڑی یہ کیفیت دیکھ رہی تھی، آٹھ راتیں یوں ہی گزر گئیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے کسی دودھ پلانے والی کا دودھ نہیں پیا اور چلا تے رہے۔

12 ”وحرمنا علیہ المراضع“ تحریم سے مراد بندش کرنا، مراضع جمع مراضع کی۔ ”من قبل“ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے آنے سے پہلے جب موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو ڈھونڈنے کے لیے سپاہیوں کو بھیج رہے ہیں تو انہوں نے کہا ”هل ادلکم“ کیا میں تمہیں اس پر دلالت نہ کروں۔ ”فقالت“ موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے کہا۔ ”هل ادلکم علی اهل بیت یکفلونہ“ جو اس کو اپنے ساتھ چٹائے اور ”لکم“ اس کو دودھ پلائے، وہ ایسی عورت ہے جس کے بچے کو قتل کر دیا گیا اور وہ چاہتی ہے کہ چھوٹا بچہ اس کو ملے تو وہ اس کو دودھ پلائے۔ ”وہم له ناصحون“ نصیح کھوٹ کی ضد ہے۔ یعنی کسی کام کو بگاڑ اور خرابی کی آمیزش سے پاک صاف رکھنے کو نصیح کہتے ہیں۔

## وہم له ناصحون کی تفسیر

ابن جریر اور سدی کا قول ہے کہ ”ہم له ناصحون“ کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ وہ لوگ بادشاہ کے خیر خواہ ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے ”وہم له ناصحون“ کہا تو لوگوں نے اس کو پکڑ لیا اور کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ تو اس کے گھر والوں کو جانتی ہے بتاؤ کون ہے؟ موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے کہا مجھے تو اس کے گھر والے معلوم نہیں، میں نے یہ کہا تھا کہ وہ لوگ بادشاہ کے خیر خواہ ہیں۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی بہن سے جب باز پرس ہوئی تو اس نے کہا کہ میں یہ بات بادشاہ کی خوشی کے لیے کہہ رہی تھی اور اس بات کو ظاہر کرنا تھا کہ ہمارا تعلق بادشاہ سے ہے۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ جب حضرت

موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے ”هل اذلکم“ کہا تو لوگوں نے کہا ایسا کون ہے؟ اس نے کہا میری ماں ہے۔ لوگوں نے پوچھا کیا تیری ماں کا کوئی لڑکا ہے۔ ہمیشہ موسیٰ نے کہا ہاں ہارون ہے۔ لوگوں نے کہا تو نے ٹھیک کہا اس کو ہمارے پاس لے آ۔ لڑکی نے اپنی ماں سے جا کر پوری بات کہہ دی اور اس کو اپنے ساتھ لے آئی۔ موسیٰ علیہ السلام نے جو اپنی ماں کی خوشبو سونگھی تو پستان کو منہ لگا دیا اور پینے لگے اور اتنا پیا کہ دونوں کو کھیں بھر گئیں۔ سندی کا قول ہے کہ روز کی اُجرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو ایک دینار ملتی تھی اور وہ اس لیے لے لیتی تھیں کہ وہ حربی کا فر کا مال تھا۔

فَرَدَدْنَاهُ إِلَىٰ أُمِّهِ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ۗ وَلِتَعْلَمَ أَنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۵﴾ وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَاسْتَوَىٰ آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا ۗ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۶﴾ وَدَخَلَ الْمَدِينَةَ عَلَىٰ حِينٍ غَفْلَةٍ مِّنْ أَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلَانِ. هٰذَا مِنْ شِيعَتِهِ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهِ. فَاسْتَعَاثَهُ الَّذِي مِّنْ شِيعَتِهِ عَلَى الَّذِي مِّنْ عَدُوِّهِ فَوَكَرَهُ مُوسَىٰ فَقَضَىٰ عَلَيْهِ. قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ۗ إِنَّهُ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِينٌ ﴿۱۷﴾

﴿تفسیر﴾ غرض ہم نے موسیٰ کو ان کی والدہ کے پاس (اپنے وعدہ کے موافق) واپس پہنچا دیا تاکہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور تاکہ (فراق کے غم میں نہ رہیں اور تاکہ اس بات کو جان لیں کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہوتا) ہے لیکن (انفوس کی بات ہے کہ) اکثر لوگ (اس کا) یقین نہیں رکھتے اور جب (پرورش پا کر) اپنی بھری جوانی (کی عمر) کو پہنچے اور (قوت جسمانیہ عقلیہ سے) بادرست ہو گئے تو ہم نے ان کو حکمت اور علم عطا فرمایا اور ہم نیکو کاروں کو یونہی صلہ دیا کرتے ہیں (یعنی عمل صالح سے فیضان علم میں ترقی ہوتی ہے) اور موسیٰ شہر میں (یعنی مصر میں کہیں باہر سے) ایسے وقت پہنچے کہ وہاں کے (اکثر) باشندے بے خبر (پڑے سو رہے) تھے تو انہوں نے وہاں دو آدمیوں کو لڑتے دیکھا ایک تو ان کی برادری میں کا تھا اور دوسرا مخالفین میں سے تھا سو وہ جوان کی برادری میں کا تھا اس نے موسیٰ سے اس کے مقابلہ میں جو کہ ان کے مخالفین میں سے تھا مدد چاہی تو موسیٰ نے اس کو (ایک) گھونسا مارا سو اس کا کام ہی تمام کر دیا موسیٰ (علیہ السلام) کہنے لگے یہ تو شیطانی حرکت ہو گئی بیشک شیطان (بھی آدمی کا) کھلا دشمن ہے غلطی میں ڈال دیتا ہے۔

﴿تفسیر﴾ ﴿۱۵﴾ ”فَرَدَدْنَاهُ إِلَىٰ أُمِّهِ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ“ موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی رکھیں۔ ”وَلَا تَحْزَنَ“ تاکہ تو اس پر غم نہ ہو۔ ”وَلِتَعْلَمَ أَنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ“ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو واپس لوٹانے کا وعدہ حق ہے۔ ”وَلٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ“ اللہ تعالیٰ نے اس کا وعدہ کیا تھا کہ وہ ضرور اس کو آپ کی طرف لوٹائیں گے۔

﴿۱۶﴾ ”وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ“ کلبی کا بیان ہے کہ اشد کہتے ہیں ۱۸ سے ۳۰ سال کی عمر تک مجاہد وغیرہ کا قول ہے کہ اس سے مراد ۳۳ سال کی عمر اشدہ ہے۔ ”وَاسْتَوَىٰ“ جب ان کی عمر چالیس سال کی ہو گئی۔ یہی سعید بن جبیر ابن عباس کے حوالے سے نقل

کرتے ہیں۔ بعض حضرات کے نزدیک استوی کا یہ مطلب ہے کہ وہ اپنی جوانی کی انتہاء کو پہنچ گئے۔ ”اتیناہ حکمًا وعلما“ اس سے مراد سمجھ، عقل و دانش اور دین کا علم ہے۔ ”و کذلک نجزی المحسنین“

15 ”ودخل المدينة“ حضرت موسیٰ علیہ السلام شہر میں داخل ہوئے۔ سدی کا قول ہے کہ شہر سے مراد ہے مدین کا شہر جو حدود مصر میں تھا۔ مقاتل کا بیان ہے کہ اس سے حامین کا قصبہ مراد ہے جو مصر سے دو فرسخ پر تھا۔ بعض نے کہا کہ شہر ”مدینۃ الشمس“ مراد ہے۔ ”علیٰ حین غفلة من اهلها“ تیلولے کے وقت میں عین دوپہر کے وقت۔ محمد بن کعب قرظی نے کہا کہ مغرب و عشاء کا درمیانی وقت مراد ہے۔ اس وقت شہر میں داخل ہونے کے سبب کے متعلق آئمہ مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔ سدی کا بیان ہے کہ چونکہ موسیٰ کو فرعون کا بیٹا کہا جاتا تھا۔ آپ کی سواری فرعون کی طرح ہوتی تھی اور لباس بھی شاہانہ ہوتا تھا۔ ایک روز فرعون سوار ہو کر نکلا۔ موسیٰ علیہ السلام اس وقت موجود نہیں تھے، جب واپس آئے تو فرعون چاچکا تھا۔ آپ اس کے پیچھے سوار ہو کر روانہ ہو گئے۔ منف میں پہنچے تو دوپہر کا وقت ہو گیا۔ اس وقت راستوں میں کوئی نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ”ودخل المدينة علی حین غفلة من اهلها“ محمد بن اسحاق نے کہا کہ بنی اسرائیل میں کچھ لوگ موسیٰ علیہ السلام کے پیرو تھے۔ آپ کی نصیحتیں سنتے اور ان پر چلتے بھی تھے۔ جب آپ کی حق پرستی ظاہر ہو گئی تو آپ نے فرعون اور اس کی قوم کے مذہب کی مخالفت کی، اس کا ذکر فرعون سے بھی کیا گیا، لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ڈرایا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ جس بستی میں جاتے تو چھپتے چھپاتے اور ڈرتے ڈرتے جاتے۔ ایک روز جو شہر میں گئے تو ایسی حالت میں گئے کہ لوگ بے خبر تھے، عید کا دن تھا، لوگ کھیل کود اور تفریح میں مشغول تھے۔

ابن زید کا قول ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے بچپن میں جب فرعون کے اوپر لامٹی اٹھائی تو فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو اس کی بیوی نے کہا وہ چھوٹا ہے اس کو قتل کرنے سے چھوڑ دیا اور موسیٰ علیہ السلام کو شہر سے نکلنے کا حکم دے دیا۔ جب موسیٰ علیہ السلام بڑے ہو گئے اور جوانی کی عمر تک پہنچ گئے تو اپنے اہل والوں کی غفلت سے شہر کی طرف نکل پڑے۔ یعنی موسیٰ علیہ السلام کو حکم دینے کے بعد وہ بھول گئے تھے یا ان کے حکم کو کئی دن گزر گئے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ”حین غفلة“ کے متعلق روایت کیا ہے کہ یہ ان کے لیے عید کا دن تھا۔ وہ لوگ اپنے لہو و لب میں مشغول تھے۔

## قبطی کے قتل کا واقعہ

”فوجد فیہا رجلین یقتلان“ کہ وہ جھگڑتے اور لڑتے ہیں۔ ”ہذا من شیعته“ ان میں سے ایک بنی اسرائیل میں سے تھا۔ ”وہذا من عدوہ“ وہ قبطی تھا۔ بعض نے کہا کہ جو بنی اسرائیلیوں میں سے تھا اس کا نام سامری تھا اور وہ موسیٰ علیہ السلام کے دشمنوں میں سے تھے۔ بعض نے کہا وہ فرعون کا باورچی تھا اس کا نام فاتون تھا۔ بعض نے کہا کہ ”ہذا من شیعته وہذا من عدوہ“ سے مراد مؤمن اور کافر ہے۔ قبطی بنی اسرائیل کو یہ کہہ رہا تھا کہ یہ لکڑیوں کا گٹھا اٹھا کر مطبخ خانے تک لیجا۔ سعید بن جبیر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بڑے ہو گئے تو بنی

اسرائیلیوں کو بالکل یہ کسی سے چھکارا نہیں دلواسکتا تھا لیکن جب موسیٰ علیہ السلام بڑے ہوئے تو لوگوں کو ظلم سے بچاتے تھے اور ان کو معلوم ہو جاتا تھا کہ یہ بنی اسرائیلیوں میں سے ہے اور قلاں قبیلوں میں سے۔ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دو آدمیوں کو لڑتے ہوئے دیکھا، ان میں سے ایک بنی اسرائیلیوں میں سے تھا اور دوسرا فرعون کی قوم میں سے تھا۔ ”فاستغاثہ الذی من شیعته علی الذی من عدوہ“ اسرائیلی نے فرعون کی مقابلے میں مدد طلب کی۔ استغاثہ کہتے ہیں کہ مدد کے لیے کسی کو پکارنا موسیٰ علیہ السلام کو غصہ آیا اور بہت شدید ہو گیا۔ قبیلی اسرائیلی کو پکڑے ہوئے تھا اور وہ اتنی بات جانتا تھا کہ موسیٰ بنی اسرائیل کی نظر میں محترم ہیں اور موسیٰ علیہ السلام بھی اس کی پاسداری کرتے ہیں اور عام لوگ اتنا ہی جانتے تھے کہ موسیٰ علیہ السلام کو ایک اسرائیلی عورت نے دودھ پلایا ہے اس لیے موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیلیوں کا لحاظ رکھتے ہیں۔

آپ نے فرعون کے آدمی سے کہا کہ اس کو چھوڑ دے۔ اس نے کہا کہ ہم تو اس کو اس لیے پکڑ رہے ہیں کہ یہ لکڑیاں اٹھا کر آپ کے والد کے باورچی خانہ میں پہنچا دے۔ موسیٰ علیہ السلام اس سے جھگڑنے لگے۔ فرعون بولا اب تو میں نے یہ ارادہ کر لیا ہے کہ لکڑیاں تیرے اوپر لاد کر پہنچاؤں گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام قد آور بھی تھے اور بہت زیادہ طاقت ور بھی، آپ نے اس کو ایک ہی مکارا وہ مرگیا۔ ”فلکذہ موسیٰ“

ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ”فلکذہ موسیٰ“ پڑھا ہے۔ دونوں کا معنی ایک ہی ہے پورے دونوں ہاتھوں سے مارنا۔ بعض نے کہا کہ (وکز) کہا جاتا ہے سینے پر مارنے کو اور (لکوز) کہا جاتا ہے پیٹھ پر مارنے کو۔ فراء کا قول ہے ان دونوں کا ایک ہی معنی ہے دور کرنا۔ ابو عبیدہ کا قول ہے (وکز) کا معنی ہے انگلیوں کے سروں سے دھکا دینا۔ بعض تفاسیر میں آیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے تراسی کا عقد بنا کر قبلی کے سینے پر ضرب رسید کی۔ ”فقضی علیہ“ اور اس کو قتل کر دیا اور اس کے کام سے فارغ ہو گئے۔ ہر وہ چیز جس سے فراغت حاصل کی جائے اس کے لیے قضیت علیہ بولا جاتا ہے۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ندامت ہوئی کیونکہ موسیٰ علیہ السلام نے اس کو قتل کرنے کا ارادہ نہیں کیا تھا، پھر اس کو ریت میں دفن کر دیا۔ ”قال هذا من عمل الشيطان انه عدوٌ مُضِلٌ مبین“ کھلی گمراہی میں ڈال دیتا ہے۔

قَالَ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي فَغَفَرْتَهُ ۖ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿١٥﴾ قَالَ رَبِّ بِمَا أَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ أَكُونَ ظَهِيرًا لِّلْمُجْرِمِينَ ﴿١٦﴾ فَاصْبَحَ فِي الْمَدِينَةِ خَائِفًا يَتَرَقَّبُ فَإِذَا الَّذِي اسْتَنْصَرَهُ بِالْأَمْسِ يَسْتَصْرِخُهُ ۚ قَالَ لَهُ مُوسَىٰ إِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِينٌ ﴿١٧﴾

عرض کیا کہ اے میرے پروردگار مجھ سے قصور ہو گیا آپ معاف کر دیجئے سو اللہ تعالیٰ نے معاف فرمایا بلاشبہ بڑا غفور رحیم ہے موسیٰ نے (یہ بھی) عرض کیا کہ اے میرے پروردگار چونکہ آپ نے مجھ پر بڑے بڑے انعامات فرمائے ہیں سو کبھی میں مجرموں کی مدد نہ کروں گا پھر موسیٰ کو شہر میں صبح ہوئی خوف اور وحشت کی حالت میں

کہ اچانک (دیکھتے کیا ہیں) کہ وہی شخص جس نے کل گذشتہ میں ان سے مدد چاہی تھی وہ پھر ان کو (مدد کے لئے) پکار رہا ہے موسیٰ اس سے فرمانے لگے بیشک تو صریح بدراہ (آدمی) ہے۔

**تفسیر** 16 "قال رب انى ظلمت نفسى" قبلى کو قتل کرنے کی وجہ سے کہ اس کو میرا قتل کرنے کا ارادہ نہیں تھا۔

"فاغفر لى فغفر له انه هو الغفور الرحيم"

17 "قال رب بما انعمت علىّ" مغفرت کے ساتھ مجھ پر انعام فرما۔ "فلن اكون ظهيرا" مددگار "للمجرمين" ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا، الجرمین سے مراد کافرین ہیں۔ یہ بات اس پر دلالت کرتی ہے کہ جس بنی اسرائیلی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مدد کے لیے پکارا تھا وہ کافر تھا۔ مقاتل کا یہی قول ہے۔ عقادہ نے کہا آیت کا معنی یہ ہے کہ آئندہ میں کسی مجرم کا مددگار نہیں بنوں گا۔

18 "فاصبح فى المدينة" اس شہر میں جس شہر میں قبلى کو قتل کیا۔ "خائفاً" قبلى کو قتل کرنے کی وجہ سے وہ خوف زدہ تھے۔

"يتربص" وہ مقتول کے وارثوں کی طرف سے انتقام کا اندیشہ کر رہے تھے۔ تربص کہتے ہیں ناپسندیدہ کام کی انتظار کرنا۔ کلبی کا بیان ہے کہ وہ منتظر تھے کہ ان کو کس وقت گرفتار کیا جائے گا۔

"فاذا الذى استصره بالامس يستصرخه" اور اگلی صبح کے بعد وہی شخص فریاد کر رہا ہے، مدد مانگ رہا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ لوگ فرعون کے پاس آئے اور کہا کہ بنی اسرائیل نے ہمارا ایک آدمی مار ڈالا، ہمیں حق دلوائیے، فرعون نے کہا کہ قاتل کو تلاش کرو اور گواہوں کو پیش کرو، بغیر شہادت کے تو فیصلہ نہیں کیا جاسکتا، لوگ تلاش میں گھومنے لگے لیکن کوئی یقینی شہادت نہ مل سکی، اتفاقاً دوسرے روز موسیٰ علیہ السلام جا رہے تھے کہ کل والے اسرائیلی کو کسی فرعونی سے لڑتے دیکھا۔ اسرائیلی نے فریاد کی اور فرعونی کے خلاف موسیٰ علیہ السلام سے مدد مانگی۔ موسیٰ علیہ السلام کل کے فعل پر ہی نادم تھے کہ ان کے ہاتھ سے ایک قبلى مارا گیا تھا، اسرائیلی سے کہا تو یہی کج راہ ہے۔ تیری کج راہی کھلی ہوئی ہے، کل ایک شخص کے مارے جانے کا تو ہی سبب بنا اور آج ایک اور آدمی سے لڑ رہا ہے اور مجھ سے مدد مانگ رہا ہے۔ "قال له موسى" موسیٰ علیہ السلام نے اسرائیلی سے کہا "انک لغوى مبین" بعض نے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرعونی سے کہا کہ تو کھلی کج روی کا سبب بنا ہے۔ پہلا زیادہ صحیح ہے کہ وہ ایک شخص فرعونی نہیں تھا اسرائیلی تھا۔

فَلَمَّا أَنْ أَرَادَ أَنْ يَبْطِشَ بِالَّذِي هُوَ عَدُوٌّ لَهُمَا. قَالَ يَمْوَسَىٰ آتِرِيدُ أَنْ تَقْتُلَنِي كَمَا قَتَلْتَ

نَفْسًا بِالْأَمْسِ. إِنْ تُرِيدُ إِلَّا أَنْ تَكُونَ جَبَّارًا فِي الْأَرْضِ وَمَا تُرِيدُ أَنْ تَكُونَ مِنَ الْمُصْلِحِينَ 19

وَجَاءَ رَجُلٌ مِنْ أَقْصَا الْمَدِينَةِ يَسْعَى. قَالَ يَمْوَسَىٰ إِنَّ الْمَلَآئِمَآةَ يَأْتَمِرُونَ بِكَ لِيَقْتُلُوكَ

فَأَخْرَجَ إِيَّانِي لَكَ مِنَ النَّصِيحِينَ 20 فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ

الظَّالِمِينَ 21 وَلَمَّا تَوَجَّهَ تَلْقَاءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسَىٰ رَبِّي أَنْ يَهْدِيَنِي سَوَاءَ السَّبِيلِ 22

سوجب موسیٰ نے اس پر ہاتھ بڑھایا جو دونوں کا مخالف تھا وہ اسرائیلی کہنے لگا اے موسیٰ کیا (آج) مجھ کو قتل

کرنا چاہتے ہو جیسا کل ایک (آدی) قتل کر چکے ہو (معلوم ہوتا ہے کہ) بس تم دنیا میں اپنا زور بٹھلانا چاہتے ہو اور صلح (اور ملاپ) کروانا نہیں چاہتے اور (اس مجمع میں) ایک شخص شہر کے (اس) کنارہ سے (جہاں یہ مشورہ ہو رہا تھا) دوڑے ہوئے آئے (اور) کہنے لگے کہ اے موسیٰ اہل دربار آپ کے متعلق مشورہ کر رہے ہیں کہ آپ کو قتل کر دیں سو آپ (یہاں سے) چل دیجئے میں آپ کی خیر خواہی کر رہا ہوں پس (یہ سن کر) موسیٰ وہاں سے (کسی طرف کو) نکل گئے خوف اور وحشت کی حالت میں (اور چونکہ راستہ معلوم نہ تھا دعا کے طور پر) کہتے لگے کہ اے میرے پروردگار مجھ کو ان ظالم لوگوں سے بچالینے اور جب موسیٰ مدین کی طرف ہوئے کہتے لگے کہ امید ہے کہ میرا رب مجھ کو (کسی مقام امن کا) سیدھا راستہ چلا دے گا۔ (چنانچہ ایسا ہی ہوا اور مدین جا پہنچے۔)

**تفسیر 19** "فلما ان اراد ان يبطلش بالذی هو عدو لهما" جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسرائیلی کی کمزوری اور آہ و بکا کو سنا تو اپنا ہاتھ آگے بڑھایا تاکہ اس کی مدد کروں اور فرعون کو چکڑوں۔ اسرائیلی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہاتھ بڑھتا دیکھ کر خیال کیا کہ موسیٰ علیہ السلام مجھے چکڑنا چاہتے ہیں کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وہ غصہ میں دیکھ ہی چکا تھا اور آپ کا یہ قول "انک لغوی مبین" بھی سن چکا تھا۔ "قال یا موسیٰ اترید ان تقتلنی کما قتلت نفسا بالامس ان ترید" آپ ارادہ کرتے ہیں۔ "الا ان تکون جبارا فی الارض" شدت غضب کی وجہ سے بڑا قاتل۔

"وما ترید ان تکون من المصلحین" جب قبیلی نے اسرائیلی کی بات کو سنا تو اس کو معلوم ہو گیا کہ کل فرعون کو جس شخص نے قتل کیا تھا وہ یہی ہیں، وہ بھاگتا ہوا فرعون کے پاس پہنچا تاکہ اس کو خبر دے اور فرعون موسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیں۔ جب فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کے لیے بھیجا تو انہوں نے تمام راستوں پر فوج بھیج دی۔

**20** "وجاء رجل" موسیٰ علیہ السلام کی جماعت سے "من اقصی المدینة" شہر کے آخری حصہ کا رہنے والا اکثر اہل تفسیر نے اس کا نام حزقیل بتایا ہے۔ بعض نے کہا کہ اس کا نام شمعون تھا۔ بعض نے کہا کہ اس کا نام سمعان تھا۔ "یسعی" وہ چلنے میں تیزی کے ساتھ آیا اور اس نے قریب والا راستہ اختیار کیا۔ یہاں تک کہ وہ ان سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچ گیا اور ان کو خبر دی اور کہا کہ آپ فوراً یہاں سے نکل جائیں اور کوئی راستہ اختیار کر لیں۔

"قال یا موسیٰ ان الملاء یاتمرون بک" کہ فرعون کے درباری آپ کو قتل کرنے کا مشورہ کر رہے ہیں۔ "لیقتلوک" زجاج کا قول ہے کہ وہ ایک دوسرے کو قتل کرنے کا حکم دے رہے ہیں۔ "فاخرج" شہر سے نکل جائیے۔ "انی لک من الناصحین" نکلنے کا حکم دینے میں خیر خواہ ہوا۔

**21** "فاخرج منها" موسیٰ علیہ السلام نے کہا "خائفا یترقب" ٹوہ لگاتے ہوئے نکلے کہ کوئی ان کے پیچھے تو نہیں آ رہا۔ "قال رب نجنی من القوم الظالمین" اس سے مراد کافر ہیں۔ قصہ میں آتا ہے کہ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طلب میں ہر راستے پر سپاہی بھیج دیئے اور کہا کہ تمام راستوں پر چلے جاؤ کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کسی راستے سے واقف نہیں۔



22 "ولما توجه تلقاء مدين" جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مدین کی طرف جانے کا ارادہ کیا۔ زجاج کا قول ہے کہ اس راستے پر چل پڑے جو مدین پر پہنچتا تھا۔ مدین ایک بستی کا نام تھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صاحبزادے مدین کے نام پر آباد کی گئی تھی۔ موسیٰ علیہ السلام پیدل نکلے تھے نہ سواری تھی نہ کھانے پینے کا سامان ساتھ تھا، مدین مصر سے آٹھ منزل کے فاصلے پر تھا اور فرعون کی حکومت سے خارج تھا۔

## مدین کے سفر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا درختوں کے سبز پتے نوش کرنے کا واقعہ

"قال عسَىٰ رَبِّي أَن يَهْدِيَنِي سَوَاءَ السَّبِيلِ" مدین کے راستے کا ارادہ کیا تھا لیکن راستے سے واقفیت حاصل نہیں تھی۔ یہ اس وجہ سے کہا کہ وہ مدین جانے کا راستہ پتے نہیں تھا۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے یہ الفاظ کہے کہ ایک فرشتہ بصورت انسانی ہاتھ میں چھوٹا برچھالیے نمودار ہوا اور موسیٰ علیہ السلام کو لے چلا۔ مفسرین نے لکھا کہ موسیٰ علیہ السلام جب مصر سے نکلے تو کھانے کے لیے آپ کو صرف درختوں کے پتے اور سبزیاں ہی ملیں، انہی کو کھاتے کھاتے آپ کو حاجت بھی سبز ہونے لگی۔ جب مدین پہنچے تو ناخن گر چکے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اللہ کی طرف سے موسیٰ علیہ السلام کی یہ پہلی آزمائش تھی۔

وَلَمَّا وَرَدَ مَاءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةٌ مِّنَ النَّاسِ يَسْقُونَ وَوَجَدَ مِنْ دُونِهِمُ امْرَأَتَيْنِ تَذُودَانِ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا قَالَتَا لَا نَسْقِي حَتَّىٰ يُصَدِرَ الرِّعَاءَ ۖ وَأَبُونَا شَيْخٌ كَبِيرٌ 23  
فَسَقَىٰ لَهُمَا ثُمَّ تَوَلَّىٰ إِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ إِنِّي لِمَا أَنْزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ 24

23 اور جب مدین کے پانی (یعنی کنوئی) پر پہنچے تو اس پر (مختلف) آدمیوں کا ایک مجمع دیکھا جو پانی پلا رہے تھے اور ان لوگوں سے ایک طرف (الگ) کو دو عورتیں دیکھیں کہ وہ (اپنی بکریاں) روکے کھڑی ہیں موسیٰ نے (ان سے) پوچھا تمہارا کیا مطلب ہے وہ دونوں بولیں کہ (ہمارا معمول یہ ہے) کہ ہم (اپنے جانوروں کو) اس وقت تک پانی نہیں پلاتیں جب تک کہ یہ چرواہے پانی پلا کر (جانوروں کو ہٹانے لے جاویں اور ہمارے باپ بہت بوڑھے ہیں پس (یہ سن کر) موسیٰ نے ان کے لئے پانی (کھینچ کر ان کے جانوروں کو) پلایا پھر (وہاں) سے ہٹ کر سایہ میں جا بیٹھے پھر (جناب باری میں) دعا کی کہ اے میرے پروردگار (اس وقت) جو (نعمت) بھی آپ مجھ کو بھیج دیں میں اس کا (سخت) حاجت مند ہوں۔

## موسیٰ علیہ السلام کا حضرت شعیب علیہ السلام کی بکریوں کو کنوئیں سے پانی پلانے کا واقعہ

25 "ولما ورد ماء مدين" اور یہ ایسا کنواں تھا جس سے وہ اپنے جانوروں کو پانی پلایا کرتے۔ "وجد عليه أمة" اس پر ایک جماعت تھی۔ "من الناس يسقون" جو اپنے جانوروں کو پانی پلاتی تھی۔ "ووجد من دونهم" اس جماعت کے علاوہ دوسرے لوگ تھے۔ "امراتين تذودان" وہ رُکے ہوئی کھڑی تھیں تاکہ لوگ پانی پلا کر فارغ ہو جائیں اور کنواں فارغ ہو جائے تو وہ

اپنے مویشیوں کو پانی پلائیں۔ حسن کا قول ہے وہ اپنے بھیڑوں کو روکے ہوئے تھے تاکہ ان کی بھیڑیں لوگوں کی بھیڑوں کے ساتھ نہ مل جائیں۔ بعض نے کہا کہ وہ اپنی بکریوں یا بھیڑوں کو روکے ہوئے تھیں تاکہ وہ بھاگ نہ جائیں۔ پہلا قول زیادہ صحیح اور راجح ہے۔

”قال“ موسیٰ علیہ السلام نے ان دونوں عورتوں سے کہا ”ما خطبکما“ تمہارا کیا واقعہ ہے؟ کیا وجہ ہے کہ تم اپنے مویشیوں کو پانی سے روک رہی ہو اور مویشیوں کو لوگوں کے ساتھ پانی کیوں نہیں پلاتی ہو۔ ”قالتا لا تسقی“ ہم اپنے مویشیوں کو پانی نہیں پلاتیں جب تک ”حتی یصدر الرعاء“ ابو جعفر اور ابو عمر و اور ابن عامر ”یصدر“ یا اے کے فتح دال کے ضمہ کے ساتھ۔ جب تک کہ یہ چرواہے کنویں سے چلے نہ جائیں۔ رعاء جمع راع، جیسے تاجر اور تاجر ہیں۔ آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم اس وقت تک اپنے مویشیوں کو پانی نہیں پلاتیں جب تک کہ یہ چرواہے یہاں سے چلے نہ جائیں کیونکہ ہم عورتیں طاقت نہیں رکھتیں کہ ہم اس رش میں پانی پلائیں اور نہ ہی ہمیں اتنی طاقت ہے کہ ہم لوگوں کو ہٹائیں تو جب وہ چلے جائیں گے تو بچا کھچا پانی ہم اپنے مویشیوں کو پلا دیں گے۔

”و ابو ناسیح کبیر“ وہ بوڑھے ہیں اس کی قدرت نہیں رکھتے کہ وہ آ کر ہمارے مویشیوں کو پانی پلا سکیں۔ اس لیے ہم خود ان مویشیوں کو پانی پلانے کے لیے آتی ہیں۔ ان کے والد کے نام کے بارے میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔

مجاہد، ضحاک، سدی، اور حسن کا قول ہے کہ ان کے والد کا نام حضرت شعیب علیہ السلام تھا۔ وہب بن منہبہ وسعید بن جبیر رحمہ اللہ کے نزدیک ان کے والد کا نام بیرون بن انخی شعیب، حضرت شعیب علیہ السلام کی وفات تو اس واقعہ سے پہلے نابینا ہونے کی حالت میں ہو چکی تھی اور آپ کو مقام ابراہیم اور زمزم کے درمیان دفن کر دیا گیا۔ بعض اہل علم کا قول ہے کہ ایک مرد مؤمن تھا جو حضرت شعیب پر ایمان لے آیا تھا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان دونوں کے کلام کو سنا تو ان دونوں پر رحم آیا، وہاں قریب ہی دوسرے کنویں پر ایک بڑی چٹان تھی جس کو اٹھانے کی کسی شخص میں طاقت نہیں تھی اس کے پتھر کو اکھاڑ کر الگ کر دیا۔ یہ کنواں پہلے کنویں کے برابر تھا اور اس پتھر کو ایک جماعت اٹھاتی تھی۔ بعض لوگوں نے کہا کہ دس آدمی اس کو اٹھاتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وہ پتھر اکیلے اٹھا کر ایک طرف کر دیا اور دونوں عورتوں کی بکریوں کو پانی پلایا اور کہا گیا کہ انہوں نے اتنے بڑے ڈول کو اکیلے کھینچا اور ان کے لیے برکت کی دُعا کی۔ اس پانی سے ان کی تمام بکریاں سیر ہو گئیں۔

24 ”فسقی لہما ثم تولی الی الظل“ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام شدت گرمی کی وجہ سے درخت کے نیچے سایہ میں جا کر بیٹھ گئے۔ ”فقال رب انی لِمَا اَنْزَلْتَ الَیّ من خیر“ خیر سے مراد کھانا ہے۔ ”فقیر“ اہل لغت کے نزدیک لام بمعنی الی کے ہے جیسے کہا جاتا ہے ”هو فقیر له و فقیر الیه“ یعنی آپ میرے لیے خیر نازل فرمائیں جس کا میں سخت حاجت مند ہوں یعنی فقیر محتاج ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سخت بھوک کی وجہ سے کھانا طلب کیا کرتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے ایک لقمہ طلب کیا جس سے اپنی کمر سیدھی کر سکیں۔

امام باقر علیہ الرحمۃ نے فرمایا موسیٰ علیہ السلام اس وقت چھوہارے کے ایک ٹکڑے کے محتاج تھے۔ سعید بن جبیر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ تحقیق موسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ”رب انی لما اَنْزَلْتَ الَیّ من

خیر لقبیر“ اور وہ اپنی مخلوق پر مہربان تھے اور وہ مجبور کے ایک حصہ کے محتاج تھے۔

مجاہد کا قول ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خیر کا ہی سوال کیا۔ جب وہ دونوں اپنے والد کے پاس پہنچیں، جلدی سے اور لوگ ابھی نہیں پہنچے تھے انہوں نے اپنی بکریوں کو باندھ دیا تو ان دونوں سے پوچھا کہ آج کے دن آپ دونوں جلدی کیسے آگئیں؟ وہ دونوں کہنے لگیں کہ ہماری آج ایک نیک شخص سے ملاقات ہوئی، اس نے ہم پر رحم کیا اور ہماری بھینٹوں کو پانی پلا دیا۔ انہوں نے ان دونوں میں سے ایک کو بھیجا، کہا کہ اس کو بلا کر لے آؤ۔

فَجَاءَهُ تَهُ إِحْدَاهُمَا تَمْشِي عَلَى اسْتِحْيَاءٍ قَالَتْ إِنَّ أَبِي يَدْعُوكَ لِيَجْزِيَكَ أَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا فَلَمَّا جَاءَهُ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقِصَصَ قَالَ لَا تَخَفْ نَجَوْتَ مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿٢٥﴾  
قَالَتْ إِحْدَاهُمَا يَا بَتِ اسْتَجِرْهُ إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَجِرْتَهُ الْقُرَى الْأَمِينُ ﴿٢٦﴾ قَالَ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ نَمُنَّ بِكَ إِحْدَى ابْنَتِي هَتَيْنِ عَلَى أَنْ تَأْجُرِنِي ثَمْنِي حِجْحَجٍ فَإِنْ أَتَمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ وَمَا أُرِيدُ أَنْ أَسْأَلَكَ مَا سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿٢٧﴾

﴿٢٥﴾ سوموسیٰ کے پاس ایک لڑکی آئی کہ شرماتی ہوئی چلتی تھی (اور آ کر کہنے لگی کہ میرے والد تم کو بلاتے ہیں تاکہ تم کو اس کا صلہ دیں جو تم نے ہماری خاطر (ہمارے جانوروں کو) پانی پلا دیا تھا سو جب ان کے پاس پہنچے اور ان سے تمام حال بیان کیا تو انہوں نے (تسلی کی اور) کہا کہ (اب) اندیشہ نہ کرو تم ظالم لوگوں سے بچ آئے (پھر) ایک لڑکی نے کہا ابا جان! آپ ان کو نوکر رکھ لیجئے کیونکہ اچھا نوکر وہ شخص ہے جو مضبوط (ہو اور) امانت دار (بھی) ہو وہ (بزرگ موسیٰ علیہ السلام سے) کہنے لگے کہ میں چاہتا ہوں کہ ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک کو تمہارے ساتھ بیاہ دوں اس شرط پر کہ تم آٹھ سال تک میری نوکری کرو پھر اگر تم دس سال پورے کر دو تو یہ تمہاری طرف سے احسان ہے اور میں (اس معاملہ میں) تم پر کوئی مشقت ڈالنا نہیں چاہتا تم مجھ کو ان شاء اللہ تعالیٰ خوش معاملہ پاؤ گے

﴿تفسیر﴾ ﴿٢٥﴾ ”فجاءته احداهما تمشی على استحياء“ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ عورت بے باک نہیں تھی کہ بے جھجک مردوں میں گھستی پھرتی بلکہ موسیٰ کے پاس دیتی، لہجی، گرتے کی آستین منہ میں ڈالے شرماتی ہوئی آئی۔ ”قالت ان ابی يدعوك ليجزيك اجر ما سقيت لنا“ ابو حازم سلمہ بن دینار کا بیان ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ بات سنی تو جانے کا ارادہ نہیں کیا لیکن بھوک لگی ہوئی تھی مجبوراً جانا پڑا، عورت آگے آگے چلی اور موسیٰ علیہ السلام اس کے پیچھے پیچھے ہوا کے جھونکے سے عورت کی پنڈلی سے کپڑا ہٹ جاتا تھا اور پنڈلی کھل جاتی تھی، موسیٰ علیہ السلام کو یہ بات بری محسوس ہوئی، آپ نے عورت سے کہا کہ تم میرے پیچھے چلو، اگر راستے سے ہٹ جاؤں تو بتلا دینا، عورت نے ایسا ہی کیا۔ حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس پہنچے تو اس وقت شام کے کھانے کے لیے تیار بیٹھے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا جو ان بیٹھو اور کھانا

کھاؤ۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔ شعیب علیہ السلام نے کہا کیوں کیا بھوک نہیں لگی ہے؟ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کیوں نہیں مگر مجھے اندیشہ ہے کہ یہ کھانا اس نیکی کی مزدوری ہو جو میں نے عورتوں کے مویشیوں کو پانی پلانے کی شکل میں کی تھی اور میں ایسے خاندان کا فرد ہوں جو آخرت والے اعمال میں سے کسی عمل کے کرنے سے دنیا میں اس کا بدلہ نہیں طلب کرتے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے کہا نہیں جو ان، بخدا یہ بات نہیں ہے بلکہ میرے اور میرے باپ دادا کا معمول ہی یہ ہے کہ ہم مہمان کی میزبانی کرتے اور کھانا کھلاتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام بیٹھ کر کھانے لگے۔

”فلما جاءه و قص عليه القصص“ جو پورا واقعہ ان کے ساتھ پیش آیا تھا وہ سارا بیان کر دیا۔ قبلی کا قتل ہونا، پھر فرعون کا ان کے قتل کے درپے ہونا۔ ”قال لا تخف نجوت من القوم الظالمين“ فرعون اور اس کی قوم۔ یہ اس وجہ سے فرمایا کہ فرعون کی حکومت اہل مدین پر نہیں تھی۔

26 ”قالت احدهما يا ابت استاجره“ ان کو اجیر رکھ دیں تاکہ یہ ہمارے مویشیوں کو چرائے۔ ”ان خیر من استاجرت القوی الامین“ یعنی جس کو آپ کام پر رکھیں اس کا کام پورا کرنے کی طاقت رکھنا اور امانت دار ہونا ضروری ہے، اس لڑکی سے اس کے باپ نے پوچھا تھے اس کی قوت و امانت کا حال کیسے معلوم ہوا؟ لڑکی نے کہا کنویں کے منہ سے اتنا بھاری پتھر اٹھا دیا جس کو دس آدمیوں سے کم (یا چالیس سے کم) نہیں اٹھاتے یہ تو اس کی طاقت ہے اور امین ہونے کا یہ ثبوت ہے کہ اس نے مجھ سے پیچھے پیچھے رہنے کو کہا تھا تاکہ ہوا کی وجہ سے میری کھلی پنڈلی پر اس کی نظر نہ پڑے۔

## حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹیوں کے نام کے متعلق مختلف اقوال

27 ”قال“ ان کے پاس حضرت شعیب علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ”انی ارید ان انکحک احدی ابنتی ہاتین“ ان دونوں میں سے ایک کا نام صفوراء ہے اور دوسری کا نام یثا ہے۔ شعیب جب انکی کا قول یہی ہے۔ ابن اسحاق نے صفوراء اور شرقا نام ذکر کیے ہیں۔ بعض نے کہا کہ بڑی صفوراء اور چھوٹی صفیراء تھی۔ بعض نے کہا کہ بڑی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نکاح میں آئی اور اکثر مفسرین کے نزدیک چھوٹی کے ساتھ آپ علیہ السلام کا نکاح ہوا اور اس کا نام صفوراء تھا۔ یہ وہ عورت تھیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو گھر بلانے کے لیے گئی تھیں۔ ”علیٰ ان تاجرنی ثمانی حجج“ یہ کہ آپ آٹھ سال ہماری ملازمت کریں۔ فروراء کا قول ہے کہ نکاح کے عوض تم آٹھ سال میرا کام کرو یعنی اس نکاح کے عوض آٹھ سال تم میری بکریاں چراؤ۔

حج سالوں کو کہتے ہیں اور اس کا واحد حجہ ہے۔ ”فان اتممت عشرا فمن عندک“ اور اگر تم اس کے بعد دس سال پورے کر دو گے تو یہ تمہاری طرف سے تبرع (حسن سلوک) ہوگا۔ البتہ یہ دو سال آپ پر لازم نہیں۔ ”وما ارید ان اشق علیک“ اور تم پر دس سال پورے کرنا لازم نہیں مگر یہ کہ وہ تبرع ہے۔ ”ستجدنی ان شاء اللہ من الصالحین“ ہر مرضی اللہ عنہ نے کہا یعنی حق صحبت کی نگہداشت اور قول کے وفا میں تم مجھے صالح پاؤ گے۔

قَالَ ذَلِكَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ أَيَّمَا الْأَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ وَاللَّهُ عَلِيمٌ مَا نَقُولُ وَكَيْلٌ ﴿۲۵﴾  
 (تجوید) موسیٰ (علیہ السلام رضامند ہو گئے اور) کہنے لگے کہ (بس تو) یہ بات میرے اور آپ کے درمیان (پکی) ہو چکی ان دونوں مدتوں میں سے جس (مدت) کو بھی پورا کر دوں مجھ پر کوئی جبر نہ ہوگا اور ہم جو (معاملہ کی) بات چیت کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ اس کا گواہ (کافی) ہے۔

## بکریاں چرانے کو نکاح کا مہر مقرر کرنا

**تفسیر** ﴿۲۵﴾ ”قال“ موسیٰ علیہ السلام نے کہا ”ذلک بیننی و بینک“ یہ ہمارے اور آپ کے درمیان معاملہ طے پایا، وہ ٹھیک ہے جو حق آپ نے مقرر کیا ہے وہ میں ادا کروں گا اور جو میرا حق آپ نے مقرر کیا ہے وہ آپ ادا کریں۔ پھر فرمایا ”ایما الاجلین قضیت“ ماصلہ ہے یعنی پورا کرنا۔ ان دونوں مدتوں میں سے کوئی ایک پوری کر دوں۔ ”فلا عدوان علی“ جب یہ مدت پوری ہو جائے تو اس سے زائد مدت کام کرنے پر مجھے مجبور نہ کریں۔ ”واللہ علی ما نقول وکیل“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مقاتل کا بیان ہے وہ ہمارے درمیان گواہ ہے اور بعض نے کہا کہ وہ ہماری حفاظت کرنے والا ہے۔ سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ایک یہودی نے اہل الحیرہ سے پوچھا کہ موسیٰ علیہ السلام نے ان دونوں مدتوں میں سے کون سی مدت پوری کی؟ انہوں نے کہا ہمیں معلوم نہیں۔ حمر العرب کے پاس جو عرب کے بڑے عالم ہیں ان سے پوچھ کر بتاؤں گا، ان کے پاس آئے اور اس سے اس کے متعلق پوچھا تو وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما تھے اور اس کے بارے میں پوچھا تو فرمایا انہوں نے اکثر مدت اچھی طرح پوری کی۔ حضرت ابو زر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ جب کسی سے پوچھا جائے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی دونوں مدتوں سے، کون سی مدت پوری کی تو تم ان کے بارے میں بہتر بات کہو اور ان کو اس بات سے بری کر دے اور جب تم سے پوچھا جائے کہ ان دونوں عورتوں میں سے کون سی عورت نے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ نکاح کیا تو کہنا کہ ان میں سے چھوٹی نے نکاح کیا، یہ وہی تھیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو گھر بلانے کے لیے گئی تھیں اور کہا تھا ”یا ابت استاجرہ“ تو انہوں نے ان کی شادی چھوٹی بہن سے کر دی تھی اور اپنا کیا ہوا وعدہ پورا کر دیا۔ وہب کا قول ہے کہ بڑی سے شادی ہوئی تھی۔

## حضرت شعیب علیہ السلام کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لاٹھی عطا کرنا

حضرت شداد بن اوس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا شعیب علیہ السلام اتنا روئے کہ بیٹائی جاتی رہی۔ اللہ تعالیٰ نے دوبارہ بیٹائی عطا فرمائی، پھر بھی اتنا روئے کہ آنکھیں جاتی رہیں۔ اللہ نے پھر بیٹائی عطا کر دی اور فرمایا کہ اس رونے کی کیا وجہ ہے؟ کیا جنت کے شوق میں روتے ہو یا دوزخ کے خوف سے؟ شعیب علیہ السلام نے عرض کیا نہیں اے میرے رب! بلکہ تیرے دیدار کے شوق میں روتا ہوں، اللہ نے وحی بھیجی کہ اگر یہ بات ہے تو میرا دیدار تم کو مبارک ہو۔ اے شعیب! میں نے تمہارے کام کے لیے موسیٰ علیہ السلام کو تمہارا خادم بنا دیا ہے۔

## لاٹھی کہاں سے آئی تھی

سہی کا بیان ہے کہ ایک فرشتہ نے آدی کی شکل میں آ کر وہ لاٹھی حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس امان رکھی تھی۔ جب حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی لڑکی کو لاٹھی لانے کا حکم دیا تو لڑکی وہی لاٹھی اٹھالائی۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا: یہ لاٹھی واپس لے جاؤ، دوسری لا کر دو۔ لڑکی نے وہ لاٹھی لے جا کر ہاتھ سے ڈال دی اور دوسری اٹھانی چاہی مگر سوائے اس کے اور کوئی لاٹھی ہاتھ میں نہ آئی۔ آخر اسی کو اٹھالائی۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے پھر واپس کر دی۔ یہ لوٹنا پھیرنا تین مرتبہ ہوئی۔ بالآخر حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وہی لاٹھی دے دی اور آپ اس کو لے کر چلے آئے۔ حضرت شعیب علیہ السلام کو اس کے بعد پشیمانی ہوئی اور آپ نے کہا: وہ تو ایک شخص کی امانت تھی، میں نے یہ کیا حرکت کی؟ یہ خیال آتے ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیچھے گئے اور ان سے لاٹھی واپس مانگی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دینے سے انکار کر دیا کہ یہ لاٹھی تو میری ہو چکی۔ دونوں میں اختلاف ہوا، آخر دونوں اس بات پر راضی ہو گئے کہ جو شخص بھی سامنے سے آئے گا اس کے فیصلہ کی ہم دونوں پابندی کریں گے۔ ایک فرشتہ بصورت انسانی سامنے سے آیا۔ اس شخص نے فیصلہ کیا کہ اس لاٹھی کو زمین پر پھینک دو پھر جو اٹھالے لاٹھی اسی کی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے لاٹھی زمین پر ڈال دی۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے اس کو (اٹھا) لینے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو اٹھالیا۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے وہ لاٹھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس چھوڑ دی۔

## حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کچھ بکریاں عنایت کرنا

اس کے بعد جب موسیٰ علیہ السلام نے مدت مقررہ پوری کر دی اور حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی لڑکی ان کو دے دی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بی بی سے کہا کہ تم اپنے والد سے کہو کہ کچھ بکریاں ہم کو دے دیں۔ بیوی نے جا کر اپنے باپ سے بکریاں طلب کیں۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا: اس سال جو دو روز گا بچہ ہوگا وہ تم دونوں کا ہوگا۔ حضرت شعیب موسیٰ علیہ السلام کو حسن خدمات کا بدلہ دینا چاہتے تھے اور اپنی لڑکی پر تقاضا خون مرحمت کرنے کے خواہش مند تھے، اسی لیے اپنی لڑکی سے فرمایا: اس سال جو نرمادہ چت کبریٰ (ابلق دورنگے) بچے پیدا ہوں گے وہ میں نے تم کو دیئے۔ اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو خواب میں بتا دیا کہ بکریوں کے پانی پینے کی جگہ پر لاٹھی ماریں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بیدار ہو کر پانی میں لاٹھی ماری، پھر بکریوں کو وہی پانی پلایا جس جس بکری نے وہ پانی پیا اس کا بچہ ابلق ہی پیدا ہوا۔ حضرت شعیب علیہ السلام سمجھ گئے کہ یہ خدا داد نصیب ہے، اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کے لیے یہ رزق بھیجا ہے۔ چنانچہ آپ نے اپنا قول پورا کیا (اور سب ابلق بچے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دے دیئے)۔

فَلَمَّا قَضَىٰ مُوسَى الْأَجَلَ وَسَارَ بِأَهْلِهِ آنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّورِ نَارًا. قَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا إِنِّي آنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّي آتِيكُمْ مِنْهَا بِخَبَرٍ أَوْ جَنُودٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُونَ ﴿۲۰﴾ فَلَمَّا آتَاهَا نُودِيَ مِنْ



شَاطِئِ الْوَادِ الْأَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبْرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ أَنْ يُمُوسَىٰ إِنِّي أَنَا اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿30﴾  
 غرض جب موسیٰ اس مدت کو پورا کر چکے اور (باجازت شعیب کے) اپنی بی بی کو لے کر (مصر یا شام) کو روانہ ہوئے تو ان کو کوہ طور کی طرف سے ایک (روشنی بھل) آگ دکھائی دی انہوں نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ تم (یہاں ہی) ٹھہرے رہو میں نے ایک آگ دیکھی ہے (میں وہاں جاتا ہوں) شاید میں تمہارے پاس وہاں سے (رستہ کی) کچھ خبر لاؤں یا کوئی آگ کا (دہکتا ہوا) انگارے آؤں تاکہ تم سینک لو سو وہ جب اس آگ کے پاس پہنچے تو ان کو اس میدان کی داہنی جانب سے (جو کہ موسیٰ علیہ السلام کی داہنی جانب تھا) اس مبارک مقام میں ایک درخت سے آواز آئی کہ اے موسیٰ میں اللہ رب العالمین ہوں۔

**تفسیر** ﴿29﴾ ”فلما قضیٰ موسیٰ الاجل“ جب موسیٰ علیہ السلام نے مقررہ مدت پوری کی اور اپنی مزدوری سے فارغ ہو گئے ”وسار باہلہ“ مجاہد کا بیان ہے کہ جب وہ مدت پوری ہو گئی تو اس کے بعد اچھے سر کے پاس دس سال اور قیام پذیر رہے۔ کل بیس سال رہے۔ اس کے بعد مصر کو واپس جانے کی اجازت طلب کی۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے اجازت دے دی اور آپ روانہ ہو گئے۔ ”انس“ انہوں نے دیکھا ”من جانب الطور نازا“ اور رات تاریک تھی اور سردیوں کی راتیں تھیں، شدید سردی تھی۔ ”قال لاهله امکنوا انی انست نازا لعلی آتیکم منها بخبر“ تاکہ راستہ معلوم کر آؤں کیونکہ وہ راستہ بھول چکے تھے۔ ”او جذوة من النار“ کوئی آگ کا ٹکڑا یا آگ کا شعلہ اس میں تینوں لغات درست ہیں۔ ”جذوة“ جیم کے فتح کے ساتھ حمزہ نے ”جذوة“ پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے ”جذوة“ جیم کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔  
 قنادر اور مقاتل کا بیان ہے کہ جذوة اس جلتی ہوئی لکڑی کو کہتے ہیں جس کا کچھ حصہ جل چکا ہو اس کی جمع جذئی آتی ہے۔  
 ”لعلکم تصطلون“ تاکہ تم اس سے گرمی حاصل کر سکو۔

﴿30﴾ ”فلما آتاه نودی من شاطی الوادی الایمن“ اس وادی کی جانب جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دائیں جانب تھی۔ ”فی البقعة المباركة“ موسیٰ علیہ السلام کے لیے بڑی مبارک جگہ ہے۔ یہیں موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اللہ نے کلام کیا اور اسی جگہ پیغمبری عطا فرمائی۔ عطاء کا قول ہے کہ مبارک سے مراد ہے مقدس ”من الشجرة“ درخت وادی کے کنارے پر۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا یہ ایک سرسبز درخت تھا جو چمک رہا تھا۔ قنادر، بکلی اور مقاتل کا بیان ہے کہ یہ عجب کا درخت تھا۔ وہب کا بیان ہے کہ یہ علق کا درخت تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ یہ عذب کا درخت تھا۔ ”ان یا موسیٰ انی انا اللہ رب العالمین“

وَأَنْ أَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَلَمَّا رَآهَا تَهْتَزُّ كَأَنَّهَا جَانٌّ وَلَّى مُدْبِرًا وَلَمْ يُعَقِّبْ ۚ يَمْشِي أَكْبَلُ وَلَا تَخَفْ ۚ إِنَّكَ مِنَ الْآمِنِينَ ﴿31﴾ أَسْلُكَ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ تَخْرُجُ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سَوْءٍ ۚ وَأَضْمَمُ إِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ ۚ فَلْيَنْكِحْ بُرْهَانًا مِنْ رَبِّكَ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا

قَوْمًا فَسِيقِينَ ﴿۳۲﴾ قَالَ رَبِّ إِنِّي قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَأَخَافُ أَنْ يَقْتُلُونِ ﴿۳۳﴾ وَأَخِي هَارُونُ هُوَ أَفْصَحُ مِنِّي لِسَانًا فَأَرْسَلْهُ مَعِيَ رِدْءًا يُصَدِّقُنِي إِنِّي أَخَافُ أَنْ يُكَذِّبُونِ ﴿۳۴﴾ قَالَ سَنُنَصِّرُكَ بِأَخِيكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا يَصِلُونَ إِلَيْكُمَا بِأَيِّمَانِنَا إِنَّتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُونَ ﴿۳۵﴾

﴿۳۲﴾ اور یہ (بھی آواز آئی) کہ تم اپنا عصا ڈال دو سو انہوں نے جب اس کو لہراتا ہوا دیکھا جیسا پتلا سانپ (تیز) ہوتا ہے تو پشت پھیر کر بھاگے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا (حکم ہوا کہ) اے موسیٰ (علیہ السلام) آگے آؤ اور ڈرو مت تم (ہر طرح) امن میں ہو تم اپنا ہاتھ گریبان کے اندر ڈالو (اور پھر نکالو) وہ بلا کسی مرض کے نہایت روشن ہو کر نکلے گا اور خوف (رفع کرنے) کے واسطے اپنا (وہ) ہاتھ (پھر) اپنے (گریبان اور بغل) سے (بدستور سابق) ملا لینا سو یہ (تمہاری نبوت کی) دو سندیں ہیں تمہارے رب کی طرف سے فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس جانے کے واسطے (جس کا تم کو حکم کیا جاتا ہے کیونکہ) وہ بڑے نافرمان لوگ ہیں انہوں نے عرض کیا کہ اے میرے رب میں نے ان میں سے ایک آدمی کا خون کر دیا تھا سو مجھ کو اندیشہ ہے کہ (کہیں اول ہی وہلہ میں) وہ لوگ مجھ کو قتل کر دیں اور میرے بھائی ہارون کی زبان مجھ سے زیادہ رواں ہے تو ان کو بھی میرا مددگار بنا کر میرے ساتھ رسالت دیدتے تھے کہ وہ میری (تقریر کی تائید اور) تصدیق کریں گے کیونکہ مجھ کو اندیشہ ہے کہ وہ لوگ (یعنی فرعون اور اس کے درباری میری تکذیب کریں ارشاد ہوا کہ) بہتر ہے) ہم ابھی تمہارے بھائی کو تمہارا قوت بازو بنائے دیتے ہیں (ایک درخواست تو یہ منظور ہوئی) اور ہم تم دونوں کو ایک خاص شوکت (وہیبت) عطا کرتے ہیں جس سے ان لوگوں کو تم پر دسترس نہ ہوگی (پس) ہمارے عجزے لے کر جاؤ تم دونوں اور جو تمہارے پیروکار ہوگا (ان لوگوں پر) غالب رہو گے۔

﴿۳۱﴾ تفسیر ”وَأَنَّ الْقَصَاكَ فَلَمَّا رَاها تَهْتَزُّ“ وہ حرکت میں آ گیا۔ ”كَانَهَا جَانٌ“ گویا کہ وہ چھوٹا سا سانپ ہے جو سر بلع الحركت ہے۔ ”وَلَمَّا يَمْشِي“ اس سے خوف کھا کر بھاگ گئے۔ ”وَلَمَّا يَعْقِبُ“ وہ نہیں لوٹے یہاں تک کہ ان کو آواز دی گئی۔ ”يَا مُوسَى اِقْبِلْ وَلَا تَخَفْ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ“

﴿۳۲﴾ ”اَسْلِكْ“ داخل کیجئے۔ ”يَدْكُ فِي جَيْبِكَ تَخْرُجُ بَيْضًا مِنْ غَيْرِ سَوْءٍ“ بغیر کسی بیماری کے یعنی کوئی برص وغیرہ کی بیماری نہیں ہوگی اور وہ چمکتا ہوئے سورج کی طرح ہوگا۔ ”وَاضْمَمَ إِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ“ اہل کو فوفہ شام نے راء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے اور ہاء کے سکون کے ساتھ اور راء کے فتح کے ساتھ حفص رحمہ اللہ نے پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے ان دونوں کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ ان تمام لغات میں اس کا معنی خوف ہی آتا ہے۔ یہ ایک نشانی ہے۔ جب آپ اپنے بازو کی چمک دیکھیں اور اس کو واپس اپنی حالت پر جب لانا چاہیں تو دوبارہ بغل میں داخل کیجئے تو وہ اپنی حالت پر آجائے گا۔ جناح کا لفظ پورے ہاتھ پر بولا جاتا ہے۔

بعض نے کہا کہ اس کا معنی بازو ہے۔ عطاء نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنا ہاتھ اپنے سے مالاوتا کہ خوف دور ہو جائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا موسیٰ کے بعد جو خوف زدہ آدمی بھی اپنا ہاتھ اپنے سینے پر رکھ لیتا ہے اس کا ڈر جاتا رہتا ہے۔ مجاہد کا بیان ہے کہ جو شخص بھی اپنے دونوں جناح اپنے بدن سے ملا لے گا اس کا خوف دور ہو جائے گا اور جناح پورا ہاتھ ہے۔ بعض نے کہا ضم جناح سے بطور استعارہ مراد ہے سکون ثبات، استقامت اور جرأت، پرندہ خوف کے وقت اپنے دونوں بازو پھیلا دیتا ہے اور اس واسطیٰ ان کے وقت سینے رکھتا ہے۔ ”واخفض لهما جناح الذل من الرحمة“ اس سے مراد نرمی ہے اور ان کا فرمان ”واخفض جناحک لمن اتبعک من المؤمنین“ ان کے ساتھ نرمی اختیار کرو اور ان کے لیے پہلو جھکا لو۔ فراء کا قول ہے کہ جناح سے مراد عصا ہے یعنی اپنی لاٹھی کو اپنے پاس جمع کر لو۔ بعض اہل لغت نے کہا قبائل حمیر کے محاورہ میں دہب کا معنی آستین ہے۔ اصمعی کا بیان ہے کہ میں نے بعض عربوں سے سنا ”اعطنی مافی رھبک“ جو کچھ تمہاری آستین میں ہے مجھے دے دو۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ آستین سے ہاتھ نکال کر اپنے بدن سے چٹا لو کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس وقت آستین میں ہاتھ ڈالے اور ہاتھ میں لاٹھی پکڑے ہوئے تھے۔ ”لذانک“ یہ دونوں نشانیاں عصا اور ید بیضا۔ ”برہانان“ دونوں نشانیاں ہیں۔ ”من ربک الی فرعون وملائہ انہم کانوا قوما فاسقین“

③ ”قال رب انی قتلت منهم نفسا فاحاف ان یقتلون“

④ ”واخى ہارون هو افصح منی لساناً“ یہ اس وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا کہ بچپن میں انہوں نے جلتا ہوا انگارہ منہ میں رکھ لیا تھا۔ ”فارسلہ معی رداء“ بمعنی مددگار۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے ”رداءہ امی اعنتہ“ میں نے اس کی مدد کی ”رداء“ دال کے فتح کے ساتھ تخفیف کے ساتھ۔ باقی قراء نے دال کے سکون کے ساتھ۔ ”یصدقنی“ ابن عمر، عامر اور حمزہ نے رفع کے ساتھ قاف پر حال ہونے کی وجہ سے اور دوسرے قراء نے مجزوم پڑھا ہے۔ جواب الدعا ہے حضرت ہارون علیہ السلام کی تمام باتوں میں تصدیق کی۔ مقاتل کا بیان ہے کہ ”یصدقنی“ کی ضمیر فرعون کی طرف راجع ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تو میرے ساتھ ہارون کو پیغمبر بنا کر بھیج دے گا۔ ”انی اخاف ان یکذبون“ یعنی فرعون اور اس کی قوم۔

⑤ ”قال سنشدک باخیک“ اور ہم آپ کو مضبوط کریں گے۔ آپ کے بھائی کے ساتھ اور اس وقت آپ کے بھائی ہارون مصر میں تھے۔ ”ونجعل لکما سلطاناً“ حجت اور برہان۔ ”فلا یصلون الیکما بآیاتنا“ فرعون اور اس کی قوم والے تم دونوں کو ضرر نہیں پہنچا سکیں گے۔ بعض نے کہا کہ اس میں تقدیم و تاخیر ہے، تقدیری عبارت یوں ہے ”ونجعل لکما سلطاناً بآیاتنا بما نعطیکما من المعجزات فلا یصلون الیکما“..... ”انما ومن اتبعکما الغالبون“ فرعون اور اس کی قوم والے تم دونوں کو ضرر نہیں پہنچا سکیں گے۔

فَلَمَّا جَاءَهُمْ مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا بَيِّنَاتٍ قَالُوا مَا هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرَىٰ وَمَا سَمِعْنَا بِهَذَا فِي آبَائِنَا الْأَوَّلِينَ ⑥ وَقَالَ مُوسَىٰ رَبِّي أَعْلَمُ بِمَنْ جَاءَ بِالْهُدَىٰ مِنْ عِنْدِهِ وَمَنْ تَكُونُ لَهُ عَاقِبَةُ

الدَّارِ ۛ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ﴿۳۷﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ يَا أَيُّهَا الْمَلَأَ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرِي فَأَوْقِدْ لِي يَا هَامَنْ عَلَى الطِّينِ فَاجْعَلْ لِي صَرْحًا لَعَلِّي أَطَّلِعُ إِلَى إِلَهِ مُوسَى وَإِنِّي لَأَظُنُّهُ مِنَ الْكٰذِبِينَ ﴿۳۸﴾ وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُودُهُ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوا أَنَّهُم إِلَيْنَا لَا يُرْجَعُونَ ﴿۳۹﴾

﴿۳۷﴾ غرض جب ان لوگوں کے پاس موسیٰ (علیہ السلام) ہماری صریح دلیلیں لے کر آئے تو ان لوگوں نے (معجزات دیکھ کر) کہا کہ یہ تو محض ایک جادو ہے کہ (خواہ مخواہ) خدا تعالیٰ پر افترا کیا جاتا ہے اور ہم نے ایسی بات کبھی نہیں سنی کہ ہمارے اگلے باپ دادوں کے وقت میں بھی ہوئی ہو اور موسیٰ (علیہ السلام) نے (اس کے جواب میں فرمایا کہ میرا پروردگار اس شخص کو خوب جانتا ہے جو حج دین کے پاس سے لے کر آیا ہے اور جس کا انجام اس عالم سے اچھا ہونے والا ہے) اور) بالیقین ظالم لوگ کبھی فلاح نہ پائیں گے اور (دلائل موسویہ دیکھ کر) فرعون کہنے لگا کہ اے اہل دربار مجھ کو تو تمہارا اپنے سوا کوئی خدا معلوم نہیں ہوتا تو اے ہامان تم ہمارے لئے مٹی (کی اینٹیں بنا کر ان) کو آگ میں (پڑا دے لگا کر) پکواؤ پھر ان پختہ اینٹوں سے (میرے واسطے ایک بلند عمارت بناؤ تاکہ میں) (اس پر چڑھ کر) موسیٰ کے خدا کو دیکھوں بھالوں اور میں تو (اس دعویٰ میں کہ میرے سوا کوئی اور خدا ہے) موسیٰ کو جھوٹا ہی سمجھتا ہوں اور فرعون اور اس کے تابعین نے ناحق دنیا میں سرائدار کھا تھا اور یوں سمجھ رہے تھے کہ ان کو ہمارے پاس لوٹ کر آنا نہیں ہے۔

﴿۳۷﴾ "فلما جاء هم موسى باياتنا بينات" واضح دلائل۔ "قللوا ما هذا الا سحر مفسرى" گھڑا ہوا تراشیدہ "وما سمعنا بهذا" جس کو تم پکارتے ہو۔ "لی اباہ نا الاولین" ﴿۳۷﴾ "وقال موسى" مٹی نے بغیر واؤ کے پڑھا ہے۔ اسی طرح ان کے مصاحف میں بھی مذکور ہے۔ "ربی اعلم بمن جاء بالهدى من عنده" وہی جانتا ہے کہ میں حق پر ہوں اور تم لوگ باطل پرست۔ "ومن تكون له عاقبة الدار" آخرت میں اچھا گھر۔ "انه لا يفلح الظالمون" ظالم سے مراد کافر ہیں۔

﴿۳۸﴾ "وقال فرعون يا ايها الملاء ما علمت لكم من اله غيري فاوقد لى يا هامان على الطين" اس مٹی کی میرے لیے اینٹیں بناؤ۔ بعض نے کہا کہ سب سے پہلے جس نے اینٹیں پکوائیں وہ فرعون ہی تھا۔ "فاجعل لى صرحا" بلند محل اور بعض نے کہا کہ منارہ تیار کروائیں۔ اہل تفسیر کا قول ہے کہ جب فرعون نے حکم دیا اپنے وزیر ہامان کو کہ میرے لیے محل تیار کرو، ہامان نے بکثرت راجوں اور مزدوروں کو جمع کیا یہاں تک کہ مزدوروں کے علاوہ پچاس ہزار معمارا کٹھے ہو گئے، اینٹیں پکانے والے چونہ تیار کرنے والے، لکڑی کا کام کرنے والے، کیلیں بنانے والے اور دوسرے کار گزار ان کے علاوہ تھے۔ چنانچہ سب نے مل کر اتنی مضبوط اور اونچی عمارت بنا دی کہ کسی شخص کی عمارت اتنی اونچی نہیں بنی تھی، اللہ ان لوگوں کی آزمائش کرنا چاہتا تھا، عمارت سے فارغ ہو کر فرعون اور اس کے ساتھی اوپر چڑھ گئے۔ فرعون نے اوپر پہنچ کر تیر اندازوں کو حکم دیا کہ اوپر کی طرف تیر برسائیں۔ تیر اندازوں

نے اوپر کی طرف تیر پھینکے تو تیر خون آلود ہو کر واپسی لوٹے، فرعون بولا میں نے موسیٰ علیہ السلام کے خدا کو قتل کر دیا۔ (نعوذ باللہ) فرعون کو خنجر پر سوار کر کے اوپر چڑھایا گیا تھا، اللہ نے غروب آفتاب کے وقت جبرئیل علیہ السلام کو بھیجا، جبرئیل علیہ السلام نے اپنا ایک پر خنجر پر مار کر اس کے تین ٹکڑے کر دیئے، ایک ٹکڑا فرعون کے لشکر میں گرا جس سے لاکھوں آدمی مارے گئے، ایک ٹکڑا سمندر میں جا کر گرا اور ایک ٹکڑا مغرب میں جن جن لوگوں نے عمارت بنانے میں کچھ بھی کام کیا تھا سب ہی ہلاک ہو گئے۔ لعلی اطلع الی اللہ موسیٰ اس کی طرف نظر کریں کہ وہ کیسے ہے۔ ”وانی لاظنہ موسیٰ علیہ السلام“ من الکاذبین“ ان کے گمان کے مطابق زمین میں بچے نہیں یعنی اس کا دعویٰ جھوٹا کہ آسمان وزمین میں ایک خالق ہے اور یہ اس کا رسول ہے۔

38) ”واستکبر هو وجنوده فی الارض بغیر الحق وظنوا انہم الینا لایرجعون“ نافع، حمزہ، کسائی، یعقوب نے یاء پر فتح پڑھا ہے اور جیم کے کسرہ کے ساتھ اور باقی قراء نے یاء کے ضمہ کے ساتھ اور جیم کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔

فَاخَذْنَاهُ وَجُنُوْدَهُ فَنَبَذْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ. فَاَنْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِيْنَ ۝۱۰ وَجَعَلْنَاهُمْ اٰيْمَةً يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا يُنصَرُوْنَ ۝۱۱ وَاتَّبَعْنَاهُمْ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ هُمْ مِنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ ۝۱۲ وَلَقَدْ اتَيْنَا مُوسٰى الْكِتٰبَ مِنْۢ مَّ بَعْدِ مَا اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُولٰٓئِيْ بِصٰٓئِرٍ لِلنَّاسِ وَهٰدٰى وَرَحْمَةً لِّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝۱۳ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغُرُبٰى اِذْ قَضٰىنَا اِلٰى مُوسٰى الْاَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشَّٰهِيْدِيْنَ ۝۱۴ وَلٰكِنَّا اَنْشَاْنَا قُرُوْنَا فَتَطَاوَلْ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًّا فِيْ اَهْلِ مَدِيْنَةٍ تَتْلُوْا عَلَيْهِمُ الْاِنشَا وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ۝۱۵

تو ہم نے (تکبر کی سزا میں) اس کو اور اس کے تابعین کو پکڑ کر دریا میں پھینک دیا (یعنی غرق کر دیا) سو دیکھئے ظالموں کا کیا انجام ہوا اور ہم نے ان لوگوں کو ایسا نہیں بنایا تھا جو (لوگوں کو) دوزخ کی طرف بلا تے رہے اور (اسی واسطے) قیامت کے روز ایسے یکس رہ جاویں گے کہ) کوئی ان کا ساتھ نہ دے گا اور (یہ لوگ دونوں عالم میں جتلانے خسران ہوئے چنانچہ) دنیا میں بھی ہم نے ان کے پیچھے لعنت لگا دی اور قیامت کے دن بھی وہ بد حال لوگوں میں سے ہوں گے اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو اگلی امتوں (یعنی قوم نوح و عااد و ثمود) کے ہلاک کے پیچھے کتاب (یعنی توریت) دی تھی جو لوگوں کے (یعنی بنی اسرائیل کے) لئے دانشمندیوں کا سبب اور ہدایت اور رحمت تھی تاکہ وہ (اس سے) نصیحت حاصل کریں اور آپ (طور کی) مغربی جانب میں موجود نہ تھے جبکہ ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو احکام دیئے تھے اور (وہاں خاص تو کیا موجود ہوتے) آپ (تو) ان لوگوں میں سے (بھی) نہ تھے جو (اس زمانہ میں) موجود تھے (لیکن بات یہ ہے کہ) ہم نے (موسیٰ کے بعد) بہت سی نسلیں پیدا کیں پھر ان پر زمانہ دراز گزر گیا اور آپ اہل مدین بھی قیام پذیر نہ تھے کہ آپ (وہاں کے حالات دیکھ کر ان حالات کے متعلق) ہماری

آیتیں ان لوگوں کو پڑھ پڑھ کر سنار ہے ہوں (لیکن ہم ہی) (آپ کو) رسول بنانے والے ہیں۔

**تفسیر** 40 "فَاخْلَنَاهُ وَجَنَدَهُ فَبَدَّنَاهُمْ" پس ہم نے ان کو ڈال دیا۔ "فِي الْيَمِّ فَاَنْظَرَ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِينَ" 41 "وَجَعَلْنَاهُمْ اٰثِمَةً" ان کے پیشوا اور رئیس "يَدْعُونَ اِلَى النَّارِ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا يَنْصُرُونَ" ان سے عذاب کو کوئی بھی روک نہیں سکے گا۔

42 "وَاتَّبَعْنَا هُم فِي هَذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً" رسوائی اور عذاب۔ "وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ هُم مِنَ الْمَقْبُوحِينَ" ملعونین سے دور، ابو عبیدہ کا قول ہے کہ اس کا معنی ہے ہلاکت والے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ان کے چہرے کالے ہوں گے، آنکھیں ان کی نیلی ہوں گی، عرب کہتے ہیں، قبحہ اللہ، اللہ نے اس کی صورت بگاڑ دی اور ہر بھلائی سے اگر کسی کو دور کر دیا گیا ہو تو عرب کہتے ہیں "قبحہ، قبحا و قبحا" جب وہ ہر بھلائی اور خیر سے دور ہو۔

43 "وَلَقَدْ اتَيْنَا مَوْسَى الْكِتَابَ مِنْ بَعْدِ مَا اَهْلَكْنَا الْقُرُونَ الْاُولَى" اس سے مراد قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود اور اس کے علاوہ جو موسیٰ علیہ السلام سے پہلے آئیں۔ "بَصَائِرَ لِلنَّاسِ" بسا کہ وہ اس کتاب کو دیکھیں اور اس سے ہدایت حاصل کریں۔ "وَهَدَى" مگر اسی سے ہدایت جو اس پر عمل کرے۔ "وَرَحْمَةً" جو اس پر عمل کرے گا اور اس پر ایمان لائے گا۔ "لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ" جو کچھ اس میں نصائح ہیں ان پر خوب غور و فکر کر۔

44 "وَمَا كُنْتَ" اے محمد! "بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ" مغرب کی جانب پہاڑی۔ یہی قنادہ اور سدی کا قول ہے۔ کلبی کا بیان ہے مغرب کی جانب وادی میں، ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے اس سے مراد موسیٰ علیہ السلام کا اپنے رب سے مناجات کرنا ہے۔ "اِذْ قَضَيْنَا اِلَى مَوْسَى الْاَمْرَ" یعنی ہم نے ان کی طرف عہد کیا اور ہم نے ان کو فرعون کی طرف رسالت کا پیغام دے کر بھیجا اور اس کی قوم کی طرف۔ "وَمَا كُنْتَ مِنَ الشَّاهِدِينَ"

45 "وَلَكِنَّا اَنْشَاْنَا قُرُونًا" ہم نے موسیٰ علیہ السلام کے بعد اُمم کو پیدا کیا۔ "فَتَطَاوَلُ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ" اس پر مہلت طویل ہوگئی، اللہ تعالیٰ کے عہد کو بھول گئے اور اس کے حکم کو بھول گئے اور کیونکہ اللہ عزوجل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عہد کیا اور ان کی قوم سے عہد کیا کہ اگر وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پالیں گے تو ان پر ایمان لے آئیں گے لیکن جب ان کی عمریں طویل ہو گئیں، ان کے بعد دوسرے زمانے والے لوگ آ گئے تو یہ اپنا عہد بھول گئے اور اس کو پورا کرنے سے ہٹ گئے۔ "وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا" اور وہ قیام کرنے والے نہیں تھے۔ "فِي اَهْلِ مَدْيَنَ" حضرت شعیب علیہ السلام کے ملک میں تھے کہ وہاں آپ ہماری آیات کو پڑھ کر سنار ہے تھے۔ "تَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا" تمہیں وعدہ اور وعید یاد دلاتے تھے۔ مقاتل نے کہا کہ تم اہل مدین میں موجود نہ تھے کہ ان کی خبر اہل مکہ کو پڑھ کر سنار ہے ہو۔

"وَلَكِنَّا كُنَّا مَرْسَلِينَ" ہم نے آپ کی طرف رسول بنا کر بھیجا اور ہم نے آپ پر کتاب نازل کی جس میں پہلی قوموں کی خبریں موجود تھیں تو آپ ان پر پڑھیں۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو تم ان کے واقعات ان لوگوں کو نہ سنا سکتے۔



وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّورِ إِذْ نَادَيْنَا وَلَكِنْ رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ لِتُنذِرَ قَوْمًا مَّا أَتَهُم مِّن نَّذِيرٍ  
مِّن قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿46﴾ وَلَوْلَا أَن تَصِيبَهُم مُّصِيبَةٌ مِّمَّا قَدَّمْتَ أَيْدِيَهُمْ لَفِيضُوا  
رَبَّنَا لَوْلَا أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُولًا فَنَتَّبِعَ إِلَيْكَ وَنَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿47﴾ فَلَمَّا جَاءَهُمُ  
الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا لَوْلَا أُوتِيَ مِثْلَ مَا أُوتِيَ مُوسَىٰ أَوَّلَمْ يَكْفُرُوا بِمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ  
مِن قَبْلُ قَالُوا سِحْرَانِ تَظْهَرَا وَقَالُوا إِنَّا بِكُلِّ كَفِيرُونَ ﴿48﴾

**ترجمہ** اور (اسی طرح) آپ طور کی جانب (مغربی مذکور) میں اس وقت (بھی) موجود تھے جبکہ ہم نے موسیٰ کو پکارا تھا  
(لیکن اس کا علم بھی اسی طرح حاصل ہوا کہ آپ اپنے رب کی رحمت سے نبی بنائے گئے تاکہ آپ ایسے لوگوں کو ڈرائیں جن  
کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نبی) آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا (نبی) نہیں آیا کیا عجب ہے کہ صحیح قبول  
کریں اور ہم رسول نہ بھی سمجھتے اگر یہ بات نہ ہوتی کہ ان پر ان کے کرداروں کے سبب (جو کہ عقلاً قبیح ہیں) کوئی مصیبت  
(دنیا میں یا آخرت میں) نازل ہوتی تو یہ کہنے لگتے کہ اے ہمارے پروردگار آپ نے ہمارے پاس کوئی پیغمبر کیوں نہ بھیجا  
تاکہ ہم آپ کے احکام کا اتباع کرتے اور (ان احکام اور رسول پر) ایمان لانے والوں میں ہوتے سوجب ہماری طرف سے  
ان لوگوں کے پاس امر حق پہنچا (تو اس میں شہ نہ نکالنے کے لئے یوں) کہنے لگے کہ ان کو ایسی کتاب کیوں نہ ملی۔ جیسی موسیٰ  
(علیہ السلام) کو ملی تھی کیا جو کتاب موسیٰ کو ملی تھی اس کے قتل یہ لوگ اس کے منکر نہیں ہوئے یہ لوگ تو یوں کہتے ہیں کہ دونوں  
جادوگر ہیں جو ایک دوسرے کے موافق ہیں اور یوں بھی کہتے ہیں کہ ہم دونوں میں سے کسی کو نہیں مانتے۔

**تفسیر** ﴿46﴾ ”وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّورِ“ اور نہ ہی آپ اس وقت کوہ طور پر موجود تھے کہ آپ نے ان کا کلام سنا  
ہے۔ ”اذ نَادَيْنَا“ کہا گیا ہے کہ جب ان کو آواز دی کہ کتاب کو مضبوطی سے تھام لو۔ وہب کا بیان ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے  
کہا اے میرے رب! مجھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کرادے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم ہرگز وہاں تک نہیں پہنچ سکتے۔ اگر تم چاہو  
تو میں ان کی اُمت کو پکاروں اور ان کی آواز تم کو سنادوں، موسیٰ علیہ السلام نے کہا بہت خوب، اللہ نے فرمایا، اے اُمت محمد!  
اُمت والوں نے اپنے باپوں کی پشت میں لپیک کہا۔

ابوزرعه، عمرو بن جریر کا قول ہے کہ اللہ نے ندا دی، اے اُمت محمد! اس کے کہ تم مجھ سے دُعا کرو، میں نے تمہاری دُعا قبول  
کر لی اور مانگنے سے پہلے تم کو دے دیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ اللہ نے فرمایا، اے اُمت محمد! لوگوں نے باپوں کی پشتوں اور ماؤں کے رحموں  
سے جواب دیا: ”لِيَكِ اللَّهُمَّ لِيَكِ انْ الْحَمْدُ وَالنِّعْمَةُ لِكِ وَالْمَلِكُ لِكِ لَا شَرِيكَ لِكِ“ اللہ تعالیٰ نے  
فرمایا: اے اُمت محمد! میری رحمت، میرے غضب سے اور میری معافی میرے عذاب سے آگے ہے، میں نے مانگنے سے پہلے تم

کو دے دیا اور دُعا کرنے سے پہلے تمہاری دُعا قبول کر لی اور گناہ کرنے سے پہلے تمہاری مغفرت کر دی جو شخص قیامت کے دن یہ گواہی لے کر آئے گا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم میرے بندے اور رسول ہیں، وہ جنت میں داخل ہو جائے گا، خواہ اس کے گناہ سمندر کے جھاگوں سے بھی زیادہ ہوں۔ ”ولکن رحمة من ربك“، لیکن ہم نے تمہارے اوپر رحمت کی، تجھے اپنا محبوب بندہ بنا کر اور تجھ پر وحی بھیج کر اور تجھ پر اقبل انبیاء کی خبریں نازل کر کے۔ ”لتنذر قومًا من نذیر من قبلک“ اس سے مراد اہل مکہ ہیں۔ ”لعلہم یتذکرون“

① ”ولولا ان تصیہم مصیبة“ یعنی عذاب اور سزا۔ ”بما قدمت ایدیہم“ کفر اور نافرمانی کے سبب ”فیقولوا ربنا لولا“ بمعنی ہلا کے ہے۔ ”ارسلت الینا رسولاً فنتبع آیاتک ونکون من المؤمنین“ جواب لولا محذوف ہے۔ ”ای لعاجلنا بالعقوبة“ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ بدکاری کی وجہ سے نازل ہونے والی مصیبت کے وقت یہ لوگ کہنے لگے کہ ہمارے پاس کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا گیا کہ ہم ایمان لاتے اور احکام کا اتباع کرتے تو ہم کوئی پیغمبر نہ بھیجتے۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے آپ کی طرف رسول نہ بھیجے ہوتے تو پھر تم عذر خواہی کرتے لیکن پھر ہم نے تمہاری طرف رسول بھیجے تاکہ ان پیغمبروں کی بعثت کے بعد لوگوں کو کفر و معصیت کا کوئی عذر پیش کرنے کا موقع باقی نہ رہے۔

② ”فلما جاء ہم الحق من عندنا“ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ”قالوا“ کفار مکہ کہنے لگے ”لولا“ بمعنی ہلا کے ہے۔ ”اوتی“ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کیوں نہیں دیئے گئے۔ ”مثل ما اوتی موسیٰ“ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ید بیضا اور عصا کا معجزہ دیا گیا، اسی طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو معجزات کیوں نہ دیئے گئے اور کفار مکہ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ جس طرح موسیٰ علیہ السلام کو ایک ہی بار کتاب عطا کی گئی اسی طرح آپ پر ایک بار کیوں نازل نہیں کی گئی؟ ”اولم یکفروا بما اوتی موسیٰ من قبل“ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا انکار کیا تھا جس طرح آپ کے معجزات کا انکار کر رہے ہیں۔ ”قالوا سحران تظاہرا“ اہل کوفہ نے (سحران) پڑھا ہے۔ اس سے مراد توریت اور قرآن لیا ہے۔ تظاہر یعنی محمد اور موسیٰ علیہما السلام دونوں متفق ہو گئے ہیں۔ ایک کی کتاب دوسرے کی کتاب کی تائید کر رہی ہے۔

کلبی کا بیان ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ والوں کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے مدینہ کے علماء یہود کے پاس کچھ آدمی بھیجے۔

تاکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق اور کذب ہونے کو پہچان سکیں۔ یہودیوں نے بتایا کہ پیغمبر آخر الزمان یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف توریت میں موجود ہیں، قاصدوں نے واپس آ کر مکہ والوں سے یہودیوں کا جواب نقل کر دیا لیکن انہوں نے اس جواب کو بھی نہیں مانا اور جو کتاب موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی تھی اس کا بھی انکار کر دیا اور کہنے لگے ”سحران تظاہرا“ اور دوسرے قراء نے (ساحران) پڑھا ہے۔ اس سے مراد حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام دونوں میں۔ ”وقالوا انا بكل کافرون“

قُلْ فَاتُوا بَكْتَبٍ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ هُوَ أَهْدَىٰ مِنْهُمَا اتَّبِعْهُ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۴۹﴾ فَإِنْ لَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكَ فَاعْلَمْ أَنَّمَا يَتَّبِعُونَ أَهْوَاءَهُمْ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِنَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿۵۰﴾ وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿۵۱﴾ الَّذِينَ اتَّبَعْتَهُمُ الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِهِ هُمْ بِهِ يُؤْمِنُونَ ﴿۵۲﴾ وَإِذَا يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ قَالُوا آمَنَّا بِهِ إِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّنَا إِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهِ مُسْلِمِينَ ﴿۵۳﴾

﴿۴۹﴾ آپ کہہ دیجئے کہ اچھا تو (علاوہ توراہ و قرآن کے) تم کوئی اور کتاب اللہ کے پاس سے لے آؤ جو ہدایت کرنے میں ان دونوں سے بہتر ہو میں اسی کی پیروی کرنے لگوں گا اگر تم (اس دعویٰ میں) سچے ہو پھر (اس احتجاج کے بعد) اگر یہ لوگ آپ کا (یہ) کہنا نہ کر سکیں تو آپ سمجھ لیجئے کہ یہ لوگ محض اپنی نفسانی خواہشوں پر چلتے ہیں اور ایسے شخص سے زیادہ کون گمراہ ہوگا جو اپنی نفسانی خواہش پر چلتا ہو بدوں اس کے کہ منجانب اللہ کوئی دلیل (اس کے پاس) ہو (اور) اللہ تعالیٰ ایسے ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں کیا کرتا اور ہم نے اس کلام (یعنی قرآن) کو ان لوگوں کے لئے وقتاً فوقتاً کے بعد دیکرے بھیجا تا کہ یہ لوگ (بار بار تازہ تازہ سننے سے) نصیحت مانیں اور جن لوگوں کو ہم نے قرآن سے پہلے (آسانی) کتابیں دی ہیں (ان میں جو مصنف ہیں) وہ اس (قرآن) پر ایمان لاتے ہیں اور جب قرآن ان کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے بیشک یہ حق ہے (جو) ہمارے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے (اور) ہم تو اس (کے آنے) سے پہلے بھی مانتے تھے۔

﴿۴۹﴾ ”قل“ کہہ دیجئے اے محمد! ”فاتوا بکتاب من عند اللہ هو اهدیٰ منہما“ یعنی توریث اور

قرآن۔ ”اتبعہ ان کنتم صادقین“

﴿۵۰﴾ ”فان لم یتجیبوا لک“ آپ جو ان سے ایسی کتاب پیش کرنے کی کہہ رہے ہیں وہ یہ کتاب ہرگز نہیں لاسکتے۔

”فاعلم انما یتبعون اہواءہم وامن اضل من اتبع ہواہ بغیر ہدی من اللہ ان اللہ لا یہدی القوم الظالمین“

## آیت ولقد وصلنا لهم القول کی تفسیر

﴿۵۱﴾ ”ولقد وصلنا لهم القول“ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ”وصلنا“ کا ترجمہ ”بینا“ سے کیا ہے۔ ہم نے اس کو

کھول کر بیان کر دیا ہے یعنی بعض آیات دوسری آیت کے مضمون کو کھول کر بیان کرنے والی ہیں۔ فراء نے کہا کہ یعنی ہم نے قرآن کی آیات کے بعد دیکرے اتاریں۔ قناد نے کہا کہ اس قرآن میں اللہ تعالیٰ نے بار بار بیان کیا ہے کہ گزشتہ لوگوں سے کیا سلوک کیا گیا۔ مقاتل رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ ہم نے کفار مکہ کے لیے قرآن میں گزشتہ امتوں کے واقعات بیان

کردیے اور بتا دیا کہ تکذیب و کفر کی وجہ سے ان پر کیسے عذاب آئے گا۔ ابن زید نے کہا کہ ہم نے خبر دُنیا کے ساتھ خبر آخرت کو ملا لیا۔ اس قدر کہ گویا انہوں نے دُنیا میں آخرت کا معائنہ کر لیا۔ ”لعلہم يتذكرون“

## آیت کا شان نزول

② ”الذین اتیناہم الكتاب من قبلہ“ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے۔ بعض نے کہا کہ قرآن سے پہلے۔ ”ہم بہ یؤمنون“ یہ آیت اہل کتاب کے مؤمنوں پر نازل ہوئی، اس سے مراد عبد اللہ بن سلام اور اس کے ساتھی ہیں۔ مقاتل کا بیان ہے بلکہ اس سے اہل الانجیل مراد ہیں جو حبشہ سے آئے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے۔ سعید بن جبیر کا قول ہے کہ حبشہ سے ہجرت کر کے آنے والے چالیس افراد تھے۔ وہ جعفر کے ساتھ حبشہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو انہوں نے مسلمانوں کی حالت زار دیکھی تو کہنے لگے آپ ہمیں اجازت دیں ہم ان کو اپنا مال لا کر مسلمانوں کی مالی ہمدردی کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت دے دی۔ وہ اپنا مال لے کر آگئے اور ان کو دے دیا۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ ”الذین اتیناہم الكتاب“ سے لے کر ”مما رزقہم ینفقون“ تک۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ یہ آیت اسی (۸۰) اہل کتاب کے حق میں نازل ہوئی۔ بیس نجرانی تھے، بیس حبشی اور آٹھ شامی تھے۔ اس کے بعد اللہ تبارک و تعالیٰ نے مؤمنین کے اوصاف بیان فرمائے ہیں۔

③ ”واذا بتلی علیہم“ اور جب ان پر قرآن پڑھا جاتا ہے۔ ”قالوا ائنا بہ انہ الحق من ربنا“ یہ اس وجہ سے تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات توریت اور انجیل میں موجود تھیں۔ ”انا کنا من قبلہ مسلمین“ قرآن سے پہلے بھی مخلصین مؤمنین تھے کہ اللہ کا ایک ہونا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا پیغمبر ہونا برحق ہونے پر ایمان رکھتے تھے۔

أُولَئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوا وَيَدْرَءُ وَنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةِ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ④ وَإِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ أَعْرَضُوا عَنْهُ وَقَالُوا لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ سَلِّمْ عَلَيْكُمْ لَا تَبْتَغِي الْجَاهِلِينَ ⑤ إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ⑥ وَقَالُوا إِنْ تَتَّبِعِ الْهْدَىٰ مَعَكَ نُنْخِطُفُ مِنْ أَرْضِنَا أَوْ لَمْ نُمَكِّنْ لَهُمْ حَرَمًا آمِنًا يُجْبَىٰ إِلَيْهِ ثَمَرَاتُ كُلِّ شَيْءٍ رِزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ⑦

④ ان لوگوں کو ان کی پختگی کی وجہ سے دو ہر اثواب ملے گا اور وہ لوگ نیکی (اور تحمل) سے بدی (اور ایذا) کا دنیہ کر دیتے ہیں اور ہم نے جو کچھ ان کو دیا ہے اس میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں اور جب (کسی سے اپنی نسبت) کوئی لغو بات سنتے ہیں تو اس کو (بھی) ٹال جاتے ہیں اور (سلامت روی کے طور پر) کہہ دیتے ہیں کہ (ہم کچھ جواب نہیں دیتے) ہمارا کیا ہمارے سامنے آوے گا اور تمہارا کیا تمہارے سامنے آوے گا (بھائی) ہم تم کو سلام

کرتے ہیں ہم بے سمجھ لوگوں سے الجھنا نہیں چاہتے آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے بلکہ اللہ جس کو چاہے ہدایت کر دیتا ہے اور ہدایت پانے والوں کا علم (بھی) اسی کو ہے اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر ہم آپ کے ساتھ ہو کر (اس دین کی) ہدایت پر چلنے لگیں تو فی الفور اپنے مقام سے مار کر نکال دیئے جاویں کیا ہم نے ان کو امن و امان والے حرم میں جگہ نہیں دی وہاں ہر قسم کے پھل کھنچنے چلے آتے ہیں جو ہمارے پاس (یعنی ہماری قدرت اور رزاقی سے) کھانے کو ملتے ہیں (لیکن ان میں اکثر لوگ (اس کو) نہیں جانتے۔

## دوہرا اجر ملنے والے افراد

**تفسیر 54** "اولئک یؤتون اجرہم مرتین" پہلے نازل ہونے والی کتاب پر ایمان لائے اور قرآن پر بھی ایمان لائے۔ "بما صبروا" اپنے دین پر ثابت قدمی کے ساتھ رہے۔ مجاہد کا قول ہے کہ یہ آیات اہل کتاب کے ان افراد کے بارے میں نازل ہوئیں جو ایمان لائے، پھر ان کو اذیت دی گئی۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، تین اشخاص وہ ہیں جن کو دوہرا اجر دیا جاتا ہے۔ ایک وہ شخص جس کے پاس باندی ہو تو اس کی تادیب کرے اور اچھی تادیب سکھائے، پھر اس کو آزاد کر کے اس کی شادی کروادے۔

دوسرا وہ شخص جو اہل کتاب میں ہو، وہ اپنے نبی کی کتاب پر بھی ایمان لایا ہو اور پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لایا ہو۔ تیسرا وہ غلام جس نے اللہ کی خوب عبادت بھی کی اور اپنے آقا کو نصائح بھی کیے اس کا کہنا بھی مانا۔ "ویدرؤن بالحسنة السینة" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا لا الہ الا اللہ کی شہادت دے کر شرک کو دفع کرتے ہیں۔ مقاتل کا بیان ہے مشرکوں کی طرف سے گالیاں اور برا بھلاسن کر غفور و درگزر سے کام لیتے ہیں۔ "و مما رزقہم ینفقون" اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں خرچ کرتے ہیں۔

**55** "واذا سمعوا اللغو" اس سے مراد یہ وہ بات ہے۔ "اعرضوا عنہ" مشرکین مؤمنین اہل کتاب کو گالیاں دیتے اور کہتے تھے کہ تم مرو کہ تم نے اپنا مذہب چھوڑ دیا، مؤمن ان سے منہ پھیر لیتے، ان کو کوئی جواب نہیں دیتے تھے۔ "وقالوا لنا اعمالنا ولکم اعمالکم" ہمارا دین ہمارے لیے اور تمہارا دین تمہارے لیے۔ "سلام علیکم" اس سے سلام تحیہ مراد نہیں بلکہ اس سے سلام متار کہ مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم گالیاں نہیں دیں گے برا نہیں کہیں گے، تم کو جواب نہیں دیں گے۔ "لانیبغی الجاہلین" یعنی ہم جاہلوں کے دین کو نہیں چاہتے جس دین پر تم ہو اس دین کو ہم پسند نہیں کرتے۔ بعض حضرات نے کہا کہ ہم جاہلوں کے ساتھ نہیں رہنا چاہتے۔ یہ مسلمانوں کو قتال کرنے سے پہلے کا حکم تھا۔

**56** "انک لاتہدی من احببت" جس کو ہدایت یاب کرنا آپ پسند کریں یا جن کی قرابت داری کی وجہ سے آپ کو محبت ہو۔ "ولکن اللہ ینہدی من یشاء وهو اعلم بالمہتدین" مجاہد اور مقاتل کا بیان ہے یعنی ان لوگوں کو اللہ ہی خوب

جانتا ہے جن کے لیے ہدایت مقرر کر دی گئی ہے۔ یہ آیت ابوطالب کے بارے میں نازل ہوئی، ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ لا الہ الا اللہ کہہ دیں تاکہ میں قیامت کے دن آپ کے لیے گواہی دے سکوں۔ ابوطالب نے کہا اگر قریش مجھے عار نہ دلاتے کہ کہیں خوف سے ابوطالب نے کلمہ پڑھ کر تمہاری آنکھ ٹھنڈی کر دی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿۵۶﴾ "وقالوا ان ننبع الهدی معک نتخطف من ارضنا" اس سے ارض مکہ ہے۔ یہ حارث بن عثمان بن نوفل عبد مناف کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہ اس وجہ سے حارث نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ بھی لائے ہیں ہم جانتے ہیں جو کچھ آپ لائے ہیں یہ حق ہے لیکن اگر ہم آپ کے کہنے پر چلیں گے تو ہم کو اندیشہ ہے کہ عرب ہم کو مکہ کی سرزمین سے نکال دیں گے۔ "نتخطف من ارضنا" کا یہی مطلب ہے۔ "اختطاف" جلدی سے چھیننا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"اولم نمکن لہم حرمًا آمنًا" دور جاہلیت میں عرب باہم قتل و غارت کیا کرتے تھے، لوٹ مار کا عام دستور تھا، کسی جگہ امن نہ تھا لیکن مکہ والے حرمت کی وجہ سے امن و چین سے رہتے تھے۔ مشہور بات ہے کہ ہرن بھیڑیوں سے اور کبوتر شکاری چیلوں سے محفوظ رہتے۔ حرم کے اندر کوئی جانور بھی کسی جانور کا شکار نہیں کرتا تھا۔ "یحییٰ" قراء اہل مدینہ اور یعقوب نے "یحییٰ" تاء کے ساتھ پڑھا ہے کثرت پھلوں کی وجہ سے۔ دوسرے قراء نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ "الیہ" کہا جاتا ہے۔ "جبت الماء فی الحوض ای جمعتہ" کہ پانی کھینچا گیا حوض میں یہاں تک کہ اس میں جمع ہو گیا اس کو حرم کے لیے لاوا جاتا ہے۔ "ثمرات کل شی رزقًا من لدنا ولكن اکثرہم لا یعلمون" جو وہ کہتے ہیں وہ حق ہے۔

وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ بَطَرَتْ مَعِيشَتَهَا فَبَلَغَتْ مَسْكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِنْ مَّ بَعْدِهِمْ إِلَّا قَلِيلًا  
 ۵۷ وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَىٰ حَتَّىٰ يَبْعَثَ فِي أُمِّهَا رَسُولًا يَتْلُو  
 عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرَىٰ إِلَّا وَأَهْلُهَا ظَالِمُونَ ۵۸ وَمَا أُرْسِلْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ  
 الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَزِينَتِهَا وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ ۵۹ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۶۰ أَفَمَنْ وَعَدْنَاهُ وَعْدًا حَسَنًا  
 فَهُوَ لَا يَفِيهِ كَمَنْ مَتَّعْنَاهُ مَتَاعَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنَ الْمُحْضَرِينَ ۶۱

﴿۵۷﴾ اور ہم بہت سی ایسی بستیاں ہلاک کر چکے ہیں جو اپنے سامان عیش پر نازاں تھے (سودیکھ لو) یہ ان کے گھر (تمہاری آنکھوں کے سامنے پڑے) ہیں کہ ان کے بعد آباد ہی نہ ہوئے مگر تھوڑی دیر کے لئے اور آخر کار (ان کے سامانوں کے) ہم ہی مالک رہے اور آپ کا رب بستیوں کو (اول ہی بار میں) ہلاک نہیں کیا کرتا جب تک کہ ان (بستیوں) کے صدر مقام میں کسی پیغمبر کو نہ بھیج لے کہ وہ ان لوگوں کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنائے اور ہم ان بستیوں کو ہلاک نہیں کرتے مگر اسی حالت میں کہ وہاں کے باشندے بہت ہی شرارت کرنے لگیں اور جو کچھ تم کو دیا دلا یا گیا ہے وہ محض (چند روزہ) دنیوی زندگی کے برتنے کے لئے ہے اور یہیں کی (زیب و زینت) ہے اور جو (اجرو



ثواب) اللہ کے یہاں ہے وہ بدرجہا اس سے بہتر ہے اور زیادہ (یعنی ہمیشہ) باقی رہنے والا ہے سو کیا تم لوگ (اس تفاوت کو نہیں سمجھتے بھلا وہ شخص جس سے ہم نے ایک پسندیدہ وعدہ کر رکھا ہے پھر وہ شخص اس (وعدہ کی چیز کو) پانے والا ہے کیا اس شخص جیسا ہو سکتا ہے جس کو ہم نے دنیوی زندگی کا چند روزہ فائدہ دے رکھا ہے پھر وہ قیامت کے روز ان لوگوں میں ہوگا جو گرفتار کر کے لائے جاویں گے۔

**تفسیر** 53 "وَكَمْ اهلَكنا من قرية" اسی بستی والوں کو "بظرت معيشتها" ان کی معیشت میں۔ عطاء کا قول ہے ان کو خوب عیش و عشرت حاصل ہوئی، اللہ کا رزق کھایا اور جنوں کی پوجا کی۔ "فتلك مساكنهم لم تسكن من بعدهم الا قليلا" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ان کھنڈروں میں ایک دن یا ایک گھنٹہ کے لیے مسافر اور راہ گیر ٹھہرے اور کوئی ان میں نہ رہا۔ بعض نے کہا کہ کوئی شخص بھی سوائے تھوڑے سے لوگوں میں وہاں نہیں رہا اور یہ ان کے گناہوں کی نحوست کا نتیجہ ہے۔ "وَكنا نحن الوارثين" یہ اس آیت کی طرح ہے "انا نحن نورا الارض ومن عليها"

53 "وما كان ربك مهلك القرى" کافروں کی بستی اور اس کے رہنے والے۔ "حتى يعث في امها رسولا" یعنی ان کی بستی بڑی تھی اور بڑے پیغمبر تھے، اس کو اعظم اس لیے کہا کیونکہ اس میں نبی کو مبعوث کیا گیا چونکہ انبیاء کرام علیہم السلام بھی اشراف لوگوں کی طرف بھیجے جاتے ہیں اور اشراف لوگ ایسے ہی شہروں میں سکونت اختیار کرتے ہیں اور سردار لوگ عام طور پر بڑے شہروں میں ہی رہتے ہیں اور مرکزی مکانات ہی ان کے مکان ہوتے ہیں۔ "يتلوا عليهم اياتنا" مقاتل اور محمد بن کعب قرظی کا قول ہے کہ اس آیت کا نزول حضرت حمزہ اور ابو جہل یا حضرت علی یا ابو جہل کے حق میں ہوا۔ بعض نے کہا کہ حضرت عمار اور ولید بن مغیرہ کے متعلق اس کا نزول ہوا۔ "وما كنا مهلكي القرى الا واهلها ظالمون" ظالم سے مراد مشرکین ہیں، ان کو ان کے ظلم کے بسبب ہلاک کر دیا گیا۔

54 "وما اوتيتم من شيء فمتاع الحيوۃ الدنيا وزينتها" یعنی دنیاوی سامان ہے جس کو تم برتتے ہو اور دنیاوی سجاوٹ ہے جس سے زندگی بھر زینت حاصل کرتے ہیں۔ "وما عند الله خبير وابقى افلا تعقلون" جو باقی رہنے والا ہے وہ فنا ہونے والے سے بہتر ہے۔ عام قراء نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابو عمرو تاء اور یاء کے درمیان اختیار دیتے ہیں۔

55 "افمن وعدناه وعدًا حسنًا" اس سے مراد جنت ہے۔ "لهو لاقبه" وہ مصیبت کے مطابق اس کو پائے گا۔ "كمن متعناه متاع الحيوۃ الدنيا" اور وہ عنقریب زائل ہونے والا ہے۔ "ثم هو يوم القيامة من المحضرين" اس سے مراد آگ ہے۔ قناده کا قول ہے کہ اس سے مراد مؤمن اور کافر ہے۔ مجاہد کا قول ہے کہ اس کا نزول نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں اور ابو جہل کے حق میں ہوا۔ محمد بن کعب کا قول ہے کہ اس آیت کا نزول حمزہ اور ابو جہل کے متعلق ہوا۔ سدی کا قول ہے کہ اس آیت کا نزول عمار اور ولید بن مغیرہ کے بارے میں ہوا۔

وَيَوْمَ يناديهم فيقول اَيْنَ شركاءِ اِي الدِّينِ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ 56 قَالَ الدِّينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ

رَبَّنَا هَؤُلَاءِ الَّذِينَ أَغْوَيْنَا أَغْوَيْنَهُمْ كَمَا غَوَيْنَا تَبَرَّأْنَا إِلَيْكَ مَا كَانُوا إِيَّانَا يَعْبُدُونَ ﴿۵۳﴾ وَقِيلَ  
 ادْعُوا شُرَكَاءَ كُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ وَرَأَوُا الْعَذَابَ لَوْ أَنَّهُمْ كَانُوا يَهْتَدُونَ ﴿۵۴﴾  
 وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ مَاذَا أَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِينَ ﴿۵۵﴾ فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْأَنْبَاءُ يَوْمَئِذٍ فَهُمْ لَا  
 يَتَسَاءَلُونَ ﴿۵۶﴾ فَأَمَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسَىٰ أَنْ يَكُونَ مِنَ الْمُفْلِحِينَ ﴿۵۷﴾  
 وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ ۚ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ۚ سُبْحٰنَ اللَّهِ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿۵۸﴾

﴿۵۳﴾ اور (وہ دن قابل یاد کرنے کے ہے) جس دن خدا تعالیٰ ان کافروں کو (تو بے جا) پکار کہے گا کہ وہ میرے شریک کہاں ہیں جن کو تم (ہمارا شریک) سمجھ رہے تھے جن پر بوجہ گمراہ کرنے کے (خدا کافر مودہ (یعنی استحقاق عذاب) ثابت ہو چکا ہو گا وہ بول انھیں گے کہ اے ہمارے پروردگار بیشک یہ وہی لوگ ہیں جن کو ہم نے بہکایا ہم نے ان کو دیا ہی (بلا جبر و کراہ) بہکایا جیسا ہم خود بہکے تھے اور ہم آپ کی پیشی میں ان (کے تعلقات) (سے دستبرداری کرتے ہیں اور یہ لوگ درحقیقت) ہم کو نہ پوجتے تھے اور (اس وقت ان مشرکین سے حکماً) کہا جاوے گا کہ (اب) اپنے شرکاء کو بلاؤ چنانچہ وہ (فرط حیرت سے بلا ضرر) ان کو پکاریں گے سو وہ جواب بھی نہ دیں گے اور (اس وقت) یہ لوگ (اپنی آنکھوں) عذاب کو دیکھ لیں گے اے کاش یہ لوگ (دنیا میں) راہ راست پر ہوتے (تو یہ مصیبت نہ دیکھتے) اور جس دن ان کافروں سے پکار کر پوچھے گا کہ تم نے پیغمبروں کو کیا جواب دیا تھا سو اس روزان (کے ذہن) سے سارے مضامین گم ہو جاویں گے تو وہ (نہ خود سمجھیں گے اور) آپس میں پوچھ پچھ بھی نہ کر سکیں گے البتہ جو شخص (کفر اور شرک سے دنیا میں) توبہ کر لے اور ایمان لے آئے اور نیک کام کیا کرے تو ایسے لوگ امید ہے کہ (آخرت میں) فلاح پانے والوں میں سے ہوں گے اور آپ کا رب جس چیز کو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور (جس حکم کو چاہتا ہے) پسند کرتا ہے ان لوگوں کو تجویز (احکام) کا کوئی حق (حاصل) نہیں اللہ تعالیٰ ان کے شرک سے پاک اور برتر ہے۔

﴿۵۴﴾ ”وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ لِيَقُولَ أَيْنَ شُرَكَاءِ الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ“ ”دنیا میں کہ وہ ان کے شریک ہیں۔“

﴿۵۵﴾ ”قَالَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ“ ”ان پر عذاب واجب ہو چکا اور وہ گمراہوں کے سردار ہیں۔“ ”رَبَّنَا هَؤُلَاءِ الَّذِينَ أَغْوَيْنَا“ یعنی ان کو ہم غمی کی طرف بلائیں گے اور وہ ان کے تابع داروں میں سے ہوں گے۔ ”أَغْوَيْنَاهُمْ كَمَا غَوَيْنَا“ یہ وہی لوگ ہیں جن کو ہم نے بہک دیا تھا۔ ”كَمَا غَوَيْنَا“ جس طرح ہم بہک گئے تھے، خود اپنے اختیار سے گمراہی میں پڑ گئے تھے۔ ”تَبَرَّأْنَا إِلَيْكَ“ وہ ان میں سے ”مَا كَانُوا إِيَّانَا يَعْبُدُونَ“ وہ اس وقت بعض بعض سے برأت اختیار کریں گے اور وہ ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کافرمان ”الْاِخْلَاءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ“

﴿۵۶﴾ ”وَقِيلَ“ ”کفار کے لیے کہا۔“ ”ادْعُوا كُمْ شُرَكَاءَ كُمْ“ ”وہ بتوں کو پکاریں گے تاکہ ان کو عذاب سے چھٹکارا حاصل

کرائیں۔ ”فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ“ وہ ان کو جواب نہیں دیں گے۔ ”وَرَأَوْا الْعَذَابَ لَوْ أَنَّهُمْ كَانُوا يَهْتَدُونَ“ جواب ”لو“ محذوف ہے۔ تقدیری عبارت یوں ہوگی ”لو انہم کانوا یہتدون فی الدنیا ماراً و العذاب“ یعنی اگر یہ لوگ آپ کو دنیا میں ہدایت دے سکتے تو اس وقت وہ عذاب کو نہ دیکھتے۔

65 ”و یوم ینادیہم“ اس دن کفار ان سے سوال کریں گے۔ ”فیقول ماذا اجبتم المرسلین“.....

66 ”فعمیت“ جواب دینے میں وہ اندھوں کی طرح ہو جائیں۔ ”علیہم الانباء“ اس سے مراد اخبار اور ان مشرکین و کفار کا ایمان نہ لانے کے اعذار۔ مجاہد نے کہا کہ ان کے پاس دلائل نہیں ہوں گے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ کچھ بھی نہ کر سکیں گے اور کوئی دلیل پیش نہیں کر سکیں گے کیونکہ ان کے پاس کوئی دلیل ہی نہیں ہوگی۔ ”یومئذ“ اس دن ان کے پاس نہ کوئی عذر ہوگا اور نہ ہی کوئی دلیل۔ ”فہم لایتساء لون“ ان کو جواب نہیں دیں گے۔ قنادہ کا بیان ہے وہ دلائل نہیں دے سکیں گے۔ بعض نے کہا کہ وہ خاموش رہیں گے، وہ ایک دوسرے سے سوال نہیں کر سکیں گے۔

67 ”فاما من تاب و آمن و عمل صالحا فہسی ان یکون من المفلحین“ نیک بخت، نجات یافتہ لوگوں میں سے ہوں گے۔

68 ”وربک یخلق ما یشاء ویختار“ یہ آیت مشرکین کے جواب میں نازل ہوئی۔ جب انہوں نے یہ کہا تھا کہ یہ قرآن دونوں بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں اتارا گیا یعنی ولید بن مغیرہ پر یا عروہ بن مسعود ثقفی پر، اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کو جواب دیا کہ تمہارے اختیار سے اللہ تبارک و تعالیٰ رسول نہیں بھیجتے۔ ”ما کان لہم الخیرة“ بعض نے کہا کہ ما اثبات کے لیے ہے اس کا معنی یہ ہے کہ بندوں کے لیے جس چیز میں بہتری ہوتی ہے اللہ اس کو اختیار کرتا ہے۔ بعض نے کہا کہ مافی کے لیے ہے یعنی ان پر اختیار نہیں یا ان کو اللہ تعالیٰ پر کوئی اختیار حاصل نہیں کہ یہ لوگ جو چاہیں کروائیں جیسا کہ ارشاد باری ہے ”وما کان لمؤمن ولا مؤمنة اذا قضی اللہ ورسولہ امر ان یکون لہم الخیرة“ خیرہ اسم ہے اختیار سے اور یہ صدر کے قائم مقام ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے محمد ”خیرة اللہ من خلقہ“ اللہ کی مخلوق میں اللہ کی طرف سے برگزیدہ کیے ہوئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پھر اپنی ذات کو ان سب چیزوں سے پاک کیا اور ارشاد فرمایا: ”سبحان اللہ و تعالیٰ عما یشرکون“

وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُورُهُمْ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿۶۹﴾ وَهُوَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْأُولَىٰ وَالْآخِرَةِ. وَلَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۷۰﴾ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ جَعَلَ اللَّهُ عَلَيْكُمُ الْيَلَّ سَرْمَدًا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مِنْ إِلَهِ غَيْرِ اللَّهِ يَأْتِيكُمْ بِضِيَآءٍ ۚ أَفَلَا تَسْمَعُونَ ﴿۷۱﴾ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ جَعَلَ اللَّهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مِنْ إِلَهِ غَيْرِ اللَّهِ يَأْتِيكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُونَ فِيهِ ۚ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ﴿۷۲﴾ وَمِنْ رَحْمَتِهِ جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۷۳﴾ وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَآءِ

الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿۷۱﴾ وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا فَقُلْنَا هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوا أَنَّ  
الْحَقَّ لِلَّهِ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۷۲﴾

﴿۷۱﴾ اور آپ کا رب سب چیزوں کی خبر رکھتا ہے جو ان کے دلوں میں پوشیدہ رہتا ہے اور جس کو یہ ظاہر کرتے ہیں اور اللہ وہی (ذات کامل الصفات) ہے اس کے سوا کوئی معبود (ہونے کے قابل) نہیں حمد (وشنا) کے لائق دنیا و آخرت میں وہی ہے اور حکومت (قیامت میں) بھی اسی کی ہوگی اور تم سب اسی کے پاس لوٹ کر جاؤ گے آپ (ان لوگوں سے) کہیے کہ بھلا یہ تو بتاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ تم پر ہمیشہ کے لئے قیامت تک رات ہی رہنے دے تو خدا کے سوا وہ کونسا معبود ہے جو تمہارے لئے روشنی کو لے آوے تو کیا تم (توحید کے ایسے دلائل کو) سنتے نہیں آپ کہیے کہ بھلا یہ تو بتاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ تم پر ہمیشہ کے لئے قیامت تک دن ہی رہنے دے تو خدا کے سوا وہ کونسا معبود ہے جو تمہارے لئے رات کو لے آوے جس میں تم آرام پاؤ کیا تم (اس شاہد قدرت کو) دیکھتے نہیں اور (وہ منعم ایسا ہے کہ) اس نے اپنی رحمت سے تمہارے لئے رات اور دن کو بنایا تاکہ تم رات میں آرام کرو اور تاکہ (دن میں) اس کی روزی تلاش کرو اور تاکہ (ان دونوں نعمتوں پر) تم (اللہ کا) شکر کرو اور جس دن اللہ تعالیٰ ان کو پکار کر فرما دے گا کہ جن کو تم میرا شریک سمجھتے تھے وہ کہاں گئے اور ہم ہر امت میں سے ایک ایک گواہ نکال کر لائیں گے پھر ہم (ان مشرکین سے) کہیں گے کہ (اب) اپنی (کوئی) دلیل (صحت شرک کے دعویٰ پر) پیش کرو سو (اس وقت) ان کو معلوم ہو جاوے گا کہ سچی بات خدا ہی کی تھی۔

﴿۷۲﴾ ”وَرَبِّكَ يَعْلَمُ مَا تَكْنُ صُدُورُهُمْ وَمَا يَعْلَنُونَ“ وہ ظاہر ہیں۔

﴿۷۰﴾ ”وَهُوَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْأُولَى وَالْآخِرَةِ“ مؤمن دنیا میں بھی اس کی حمد کرتے ہیں اور آخرت میں بھی کریں گے (جنت میں)..... ”وَلَهُ الْحُكْمُ“ مخلوقات کے درمیان وہ فیصلہ کرنے والا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اہل طاعت کے لیے اس کا حکم مغفرت اور گناہ گاروں کے لیے فیصلہ بدبختی نافذ ہے۔ ”وَالِيهِ تَرْجَعُونَ“

﴿۷۱﴾ ”قُلْ أَرَأَيْتُمْ“ اے اہل مکہ خبر دیں۔ ”إِنْ جَعَلَ اللَّهُ عَلَيْكُمُ اللَّيْلَ سَرْمَدًا“ ہمیشہ ”إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ“ قیامت تک سورج نہیں نکلے گا۔ دن نہ آئے بلکہ رات ہی رات ہو۔ ”مَنْ إِلَهٌ غَيْرُ اللَّهِ يَأْتِيكُمْ بَضِيَاءٌ“ کون ہے جو دن کی روشنی لائے جس میں وہ اپنی معیشت روزگاری تلاش کریں۔ ”أَفَلَا تَسْمَعُونَ“ ایسا سننا جو اس کے لیے سننا اور قبول کرنا بھی ہو۔

﴿۷۲﴾ ”قُلْ أَرَأَيْتُمْ“ خبر دیجئے اے اہل مکہ! ”إِنْ جَعَلَ اللَّهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا“ ایسا سننا جو اس کے لیے سننا اور قبول کرنا بھی ہو۔ ”مَنْ إِلَهٌ غَيْرُ اللَّهِ يَأْتِيكُمْ بَضِيَاءٌ“ کون ہے جو دن کی روشنی لائے جس میں وہ اپنی معیشت روزگاری تلاش کریں۔ ”أَفَلَا تَبْصُرُونَ“ تم خطا پر ہی ہو، تمہیں کچھ بھی سمجھ نہیں آتی۔

﴿۷۳﴾ ”وَمَنْ رَحِمَهُ جَعَلَ لِكُلِّ فِتْنَةٍ لِسْكَوَانًا“ اور جس کو اللہ نے پسند کیا اس کے لئے ہر فتنہ کے لئے سکون بنا دیا۔ ”وَمَنْ كَفَرَ بَعَثْنَا فِيهِ الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا يُشْرِكُونَ“ اور جس کو اللہ نے پسند نہیں کیا اس کے لئے ہر فتنہ کے لئے دشمن بنا دیا۔

74 "وَيَوْمَ يناديهم فيقول أين شركاءي الذين كنتم تزعمون" یہاں پر مشرکین کو بار بار ندا کی گئی، ان کی توبیح اور تفریح کے لیے۔

75 "ونزعنا" ہم نکال کر لائیں گے۔ "من كل أمة شهيداً" ہر امت سے ایک ایک گواہ یعنی پیغمبر جو ان کے خلاف شہادت دیں گے۔ "فلقلنا هاتوا برهانکم" تمہارے لیے کوئی دلیل کہ اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں تو پھر تم کیوں شریک کرتے تھے، اگر بے دلیل تو پیش کرو۔ "فعلموا أن الحق" توحید حق ہے۔ "لله وذل عنهم ما كانوا يفترون" ڈنیا میں۔

إِنَّ قَارُونَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوسَى فَبَغَى عَلَيْهِمْ. وَأَتَيْنَهُ مِنَ الْكُنُوزِ مَا إِنَّ مَفَاتِحَهُ لَتَنُوءُ ۖ  
بِالْعُصْبَةِ أُولَى الْقُوَّةِ إِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ لَا تَفْرَحْ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ ۗ وَابْتَغِ فِيمَا  
آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَأَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ  
إِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ۗ

76 سو وہ (کثرت مال کی وجہ سے) ان لوگوں کے مقابلہ میں تکبر کرنے لگا۔ اور (اس کے مال کی کثرت یہ تھی کہ) ہم نے اس کو اس قدر خزانے دیئے تھے کہ ان کی کنجیاں کئی کئی زور آور شخصوں کو گراں بار کر دیتی تھیں جبکہ اس کو اس کی برادری نے (سمجھانے کے طور پر) کہا کہ تو (اس مال و حشمت پر) اتر امت واقعی اللہ تعالیٰ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا اور (یہ بھی کہا کہ) تجھ کو خدا تعالیٰ نے جتنا دے رکھا ہے اس میں عالم آخرت کی بھی جستجو کیا کر اور دنیا سے اپنا حصہ (آخرت میں لے جانا) فراموش مت کر اور جس طرح خدا تعالیٰ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے تو بھی (بندوں کے ساتھ) احسان کیا کر اور دنیا میں فساد کا خواہاں مت ہو بیشک اللہ تعالیٰ اہل فساد کو پسند نہیں کرتا۔

## قارون کا مختصر تعارف

76 "ان قارون كان من قوم موسى" قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چچا کا بیٹا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے باپ کا نام عمران تھا اور قارون کا باپ۔ ہصر تھا عمران و ہصر دونوں قاہت بن لاوی بن یعقوب علیہ السلام کے بیٹے تھے۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچا اور عمران کا بھائی تھا اور قارون و عمران دونوں ہصر بن قاہت کے بیٹے تھے اور بنی اسرائیل میں کوئی بھی قارون سے زیادہ توریت کا قاری نہیں تھا مگر سامری کی طرح یہ بھی منافق ہو گیا۔ "فبغی علیہم" بعض نے کہا کہ یہ فرعون کی طرف سے قوم بنی اسرائیل پر عامل تھا، وہ ان پر سرکشی اور ظلم کرتا تھا۔ قدادہ کا بیان ہے کہ یہ کثرت مال کی وجہ سے ان پر ظلم کرتا تھا۔ ضحاک کا بیان ہے کہ قارون نے شرک کر کے قوم کے خلاف بغاوت کی۔ شہر بن حوشب کا بیان ہے کہ غرور و تکبر کا مظاہرہ کرنے کے لیے قارون نے اپنے کپڑوں کی لمبائی (دوسرے لوگوں کے مقابلے) میں ایک باشت لمبی رکھی تھی۔

حضرت ابن عمر راوی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص اپنا کپڑا اکبر سے کھینچ کر چلتا ہے اللہ اس کی طرف نظر نہیں کرے گا۔ بعض نے کہا کہ اس نے سرکشی، تکبر کیا بلندی کے باعث۔ ”وَاتَيْنَاهُ مِنَ الْكُنُوزِ مَا ان مَفَاتِحَهُ“ یہ مفتاح کی جمع ہے یہ وہ ہے جس کے ذریعے سے دروازہ کھولا جاتا ہے۔ یہ قول قتادہ مجاہد اور ایک جماعت کا ہے۔ بعض نے کہا کہ اس کے خزانوں کی کنجیاں مراد ہیں۔ جیسا کہ کہا گیا ”وعنده مفاتيح الغيب“ اس کے خزانے ”لتنوء بالعصبة اولی القوة“ ان کے ثقل کے باعث اور اس کی طرف مائل ہونے کے سبب، ابو عبیدہ کا قول ہے کہ آیت میں ترکیب مقلوب ہے۔ اصل عبارت یوں تھی ”ان العصبة لتنوء لهما“ جیسا کہ عرب کہتے ہیں ”لواء فلان بكذا“ نغلاں شخص اس بھاری بوجھ کر لے کر اُٹھا۔

## عصبة کی تعیین میں مختلف اقوال

عصبة کی عددی تعیین میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ مجاہد کا قول ہے دس سے پندرہ تک کی جماعت کو عصبة کہتے ہیں۔ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول بیان کیا ہے کہ تین سے دس تک عصبة ہوتا ہے اور قتادہ کا قول ہے کہ دس سے چالیس تک کی جماعت عصبة ہے اور بعض نے کہا کہ چالیس افراد پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ بعض نے ستر افراد تک مراد لیے ہیں۔

## قارون کے خزانے کی کنجیاں اٹھانے والے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس کی کنجیاں چالیس قوی ترین آدمی اُٹھایا کرتے تھے۔

جریر بن منصور خیمہ کا قول ہے کہ خیمہ نے کہا کہ میں نے انجیل میں دیکھا تھا کہ قارون کے خزانوں کی کنجیاں سات نچروں کا بوجھ ہوتی تھیں، کوئی کنجی ایک انگلی سے بڑی نہ تھی اور ہر کنجی ایک خزانے کی تھی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے قارون جہاں بھی جاتا تھا اپنے خزانوں کی کنجیاں اپنے ساتھ اُٹھا کر لے جاتا تھا اور وہ کنجیاں لوہے کی تھیں۔ جب زیادہ بوجھ ہونے لگا تو اس نے لکڑی کی کنجیاں بنوائیں، پھر ان کنجیوں کا بار بھی زیادہ ہونے لگا تو گائے کے چمڑے کی کنجیاں ایک ایک انگلی کے برابر تیار کرالیں، یہ کنجیاں بھی بھاری ہو گئیں، اس کے ساتھ چالیس نچروں پر لا کر جاتی تھیں۔ ”اذ قال له قومه“ قارون نے ان کی قوم بنی اسرائیل سے کہا ”لا تنفروا“ نہ اتنا اگڑا اور نہ ہی اتنا پھول اور نہ ہی اتنا تکبر کرو۔ ”ان اللہ لایحب الفرحین“ جو دُنیا کی پُر فریب لذتوں سے خوش ہوتے اور غرور و تکبر کرتے ہیں اور اللہ کا شکر ادا نہیں کرتے، اللہ ان کو پسند نہیں کرتا۔

77 ”وابتغ فيما اتاك الله الدار الاخرة“ اللہ نے جو دُنیاوی نعمتیں تجھے عطا فرمائی ہیں ان خدا داد نعمتوں کا شکر کرو اور ان کو اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے راستے میں خرچ کرو۔ ”ولا تنس نصيبك من الدنيا“ مجاہد اور ابن زید کا قول ہے کہ دُنیا کے اندر آخرت کے لیے اعمال کرنے کو مت چھوڑتا کہ تم آخرت کے عذاب سے بچ جاؤ۔ انسان کو دُنیا میں کچھ حصہ اس لیے ملا کہ وہ آخرت کے لیے عمل کرے۔ سدی کا قول ہے کہ اس سے مراد خیرات دینا کنبہ پروری کرنا۔ حضرت علی رضی اللہ



عہ نے فرمایا اپنی صحت، قوت، جوانی اور مال داری کو آخرت کے حصول کے لیے صرف کرنے کو ترک نہ کر۔  
عمرو بن میمون ازدی سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھو، اپنی زندگی کو مرنے سے پہلے، اپنی صحت کو بیماری سے پہلے، اپنی فرصت کو مشغولیت سے پہلے، اپنی جوانی کو بڑھاپے سے پہلے اور اپنی مال داری کو افلاس سے پہلے۔

حسن کا قول ہے کہ حکم دیا گیا تھا کہ ضرورت سے زائد جو چیز ہے اس کو راہِ خدا میں پیش کر دے اور بقدر کفالت روک لے۔  
”واحسن کما احسن اللہ الیک“ اللہ کی طاعت اچھی طرح کر جیسے کہ اس نے تیرے اوپر اچھی نعمت کی۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ تم لوگوں کے ساتھ اچھائی کرو۔ جیسا کہ اللہ نے تمہارے ساتھ اچھائی کی۔ ”ولاتبغ“ اور نہ تلاش کر ”المفساد فی الارض“ جس نے اللہ کی نافرمانی کی وہ زمین میں فساد کا طلب گار ہوا۔ ”ان اللہ لایحب المفسدین“

قَالَ إِنَّمَا أُوتِيَتْهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِنْدِي ۗ أَوَلَمْ يَعْلَم أَنَّ اللَّهَ قَدْ أَهْلَكَ مِن قَبْلِهِ مِنَ الْقُرُونِ مَنْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَأَكْثَرَ جَمْعًا ۗ وَلَا يُسْئَلُ عَنْ ذُنُوبِهِمُ الْمُجْرِمُونَ ﴿٦٨﴾ فَخَرَجَ عَلَى قَوْمِهِ فِي زِينَتِهِ ۗ قَالَ الَّذِينَ يُرِيدُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا يَا لَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَا أُوتِيَ قَارُونُ إِنَّهُ لَذُو حَظٍّ عَظِيمٍ ﴿٦٩﴾

﴿٦٨﴾ قارون (یہ سن کر) کہنے لگا کہ مجھ کو تو یہ سب کچھ میری ذاتی ہنرمندی سے ملا ہے کیا اس (قارون) نے (اخبار متواترہ سے) یہ نہ جانا کہ اللہ تعالیٰ اس سے پہلے گذشتہ امتوں میں سے ایسے ایسوں کو ہلاک کر چکا ہے جو قوت (مالی) میں (بھی) اس سے کہیں بڑھے ہوئے تھے اور مجمع (بھی) ان کا اس سے زیادہ تھا اور مال جرم سے ان کے گناہوں کا (تحقیق کرنے کی غرض سے) سوال نہ کرنا پڑے گا پھر (ایک بار ایسا اتفاق ہوا کہ وہ اپنی آرائش (اور شان) سے اپنی برادری کے سامنے نکلا جو لوگ (اس کی برادری میں) دنیا کے طالب تھے (گومومن ہوں) کہنے لگے کیا خوب ہوتا کہ ہم کو بھی وہ ساز و سامان ملا ہوتا جیسا قارون کو ملا ہے واقعی وہ بڑا صاحب نصیب ہے۔

﴿٦٩﴾ ”قال“ قارون نے کہا ”انما اوتيتہ علی علم عندی“ قارون نے اپنی قوم والوں کی طرف سے تردیدی جواب دیا کہ یہ جو مجھے ملا ہے یہ میرے علم و فضل کی وجہ سے ملا ہے۔ یعنی مجھے بھی ایسے ہی مال ملا ہے جیسے تمہیں مال ملا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ نے میرے ساتھ کوئی احسان نہیں کیا، مجھے اس کا استحقاق تھا، اس کی کوئی مہربانی نہیں۔ بعض علماء نے کہا کہ علم سے مراد ہے کیمیا گری۔ سعید بن المسیب کا بیان ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کیمیا بنا نا جانتے تھے۔ آپ نے علم کیمیا کا ایک حصہ یوشع بن نون کو سکھا دیا اور ایک تہائی حصہ کالب بن یوقا کو اور ایک تہائی قارون کو۔ قارون نے یوشع اور کالب کو فریب دے کر وہ حصہ بھی معلوم کر لیا جو انہوں نے سیکھا تھا۔ اس طرح پورا علم کیمیا اس کو حاصل ہو گیا۔ اس کی مال داری کا یہی گرتھا۔ بعض نے کہا کہ قارون نے جو علم کا لفظ بولا تھا، اس سے اس کی مراد یہ تھی کہ میں تجارت کے گرت جانتا

ہوں، کاشتکاری کے فن سے خوب ماہر ہوں اور کمائی کے دوسرے راستے مجھے معلوم ہیں۔

”اولم يعلم ان الله قد اهلك من قبله من القرون“ کافر قوموں کو ہلاک کر دیا۔ ”من هو اشد منه قوة واكثر جمعا“ اس سے مراد اموال ہیں۔ ”ولا يستل عن ذنوبهم المجرمون“ عقادہ کا قول ہے کہ ان کو دوزخ میں بغیر حساب کے اور بغیر سوال کے داخل کیا جائے گا۔ مجاہد کا قول ہے کہ ان سے فرشتے سوال نہیں کریں گے کیونکہ وہ ان کی علامات سے پہچانتے ہوں گے۔ حسن کا قول ہے کہ دریافت حال اور تحقیق کے لیے ان سے نہیں پوچھا جائے گا بلکہ تو بیخ اور زجر کی غرض سے باز پرس کی جائے گی۔

④ ”فخرج على قومه في زينته“ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ نے کہا کہ قارون اور اس کی قوم والے سبز اور سرخ لباس پہن کر نکلے۔ ابن زید نے کہا کہ قارون ستر ہزار آدمیوں کو جو عفرانی لباسوں میں تھے، ساتھ لے کر نکلا۔ مجاہد کا قول ہے کہ قارون اپنے ساتھیوں کو جو عفرانی لباسوں اور سفید خچروں پر سوار تھے جن پر ارغوانی رنگ کی زینیں کسی ہوئی تھیں ساتھ لے کر نکلا۔ مقاتل کا بیان ہے کہ قارون پر سفید خچر پر نکلا، خچر پر سنہری ارغوانی زین تھی، چار ہزار سوار تھے، ان سواروں کے گھوڑے ارغوانی تھے، تین سو بانندیاں بھی سفید خچروں پر ساتھ سوار تھیں، بانندیاں گوری گوری، زیور اور سرخ لباس سے آراستہ تھیں۔ ”قال الذين يريدون الحياة الدنيا يلبت لنا مثل ما اوتى قارون انه للوحظ عظيم“ یعنی قارون کے مال کی طرح ہم کو بھی دولت مل جاتی۔ وہ لوگ اس بات کی خواہش رکھتے تھے۔

وَقَالَ الَّذِينَ اٰتُوْا الْعِلْمَ وَيَلْكُمۡ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنۡ اٰمَنَ وَعَمِلَ صٰلِحًاۙ وَلَا يُلْقٰهَا اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ⑤ فَخَسَفْنَا بِهٖ وِبِدَارِهٖ الْاَرْضَ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِتْنَةٍ يَنْصُرُوْنَہٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنتَصِرِيْنَ ⑥ وَاَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ يَقُوْلُوْنَ وَيَكْفُرُوْنَ ⑦ وَيَكْفُرُوْنَ ⑧

اور جن لوگوں کو (دین کی) فہم عطا ہوئی تھی وہ (ان حریصوں سے) کہنے لگے ارے تمہارا ناس ہو تم اس دنیا پر کیا لپھاتے ہو (اللہ تعالیٰ کے گھر کا ثواب) (اس دنیاوی کردار) سے ہزار درجہ بہتر ہے جو ایسے شخص کو ملتا ہے کہ ایمان لائے اور نیک عمل کرے اور پھر (ثواب کامل طور پر) انہی کو دیا جاتا ہے جو (دنیا) کی حرص و طمع سے صبر کرنے والے ہیں پھر ہم نے اس قارون کو اور اس کے محل سرانے کو اس کی شرارت (بڑھ جانے) سے زمین میں دھنسا دیا سو ایسی کوئی جماعت نہ ہوئی جو اس کو اللہ کے (عذاب) سے بچالیتی اور نہ وہ خود ہی اپنے آپ کو بچاسکا اور کل (یعنی پچھلے قریب زمانہ میں) جو لوگ اس جیسے ہونے کی تمنا کر رہے تھے وہ (آج اس کو زمین میں دھنسا دیکھ کر) کہنے لگے بس جی یوں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے زیادہ روزی دے دیتا ہے اور (جس کو چاہے) تنگی دینے لگتا ہے اگر ہم پر اللہ تعالیٰ کی مہربانی نہ ہوتی تو ہم کو بھی دھنسا دیتا بس جی معلوم ہوا کہ کافروں کو فلاح نہیں ہوتی۔

﴿۶۱﴾ "وقال الذين اوتوا العلم" ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس سے بنی اسرائیل کے بڑے بڑے علماء مراد ہیں۔ مقاتل کا بیان ہے کہ "اوتوا العلم" سے مراد وہ ہے جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے آخرت میں کیا ہے وہ ان لوگوں کے سامنے یہ تمنا کریں گے کہ کاش ہمیں بھی قارون کی طرح مال دیا جاتا جس طرح دنیا میں قارون کو دیا گیا۔ "ویلکم ثواب اللہ خیر" اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو ثواب و اجر پایا گیا وہ خیر ہے۔ "لمن امن" اور اللہ کی توحید کو سچا جانا۔ "وعمل صالحا" جتنا قارون کو دنیا میں دیا گیا۔ "ولا یلقاها الا الصابرون" مقاتل کا بیان ہے کہ ان کو نہیں عطا کیا گیا، نیک اعمال کی توفیق ان کو نہیں دی گئی۔ کبھی نے اس کا ترجمہ کیا ہے کہ ان کو آخرت کے دن نہیں دیا جائے گا۔ بعض نے کہا کہ ان کو یہ کلمہ نہیں دیا گیا اور وہ کلمہ یہ ہے کہ "ویلکم ثواب اللہ خیر الا الصابرون" اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر اور دنیاوی زندگی کی زینت سے۔

## قارون حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے بعد سب سے بڑا قاری تھا

### اس کی سرکشی نے اس کو تباہ کر دیا

﴿۶۲﴾ "فخسفنا به وبداره الارض" اہل علم نے یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کے بعد قارون سب سے بڑا عالم اور توریث کا سب سے بڑا قاری تھا۔ سب سے زیادہ حسین آواز اور مالدار بھی تھا لیکن اس نے سرکشی کی اور حد و خداوندی سے آگے بڑھ گیا۔ سرکشی اور نافرمانی کی ابتداء اس واقعہ سے ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس وحی بھیجی کہ اپنی قوم کو حکم دے دو کہ ہر شخص اپنی چادر کے چاروں کونوں پر ایک ایک نیلا آسمانی رنگ کا دھاگہ باندھ لیں تاکہ دھاگہ کو دیکھ کر آسمانی رنگ انکی نظروں کے سامنے آجائے اور آسمانی رنگ کو دیکھ کر آسمان کی طرف نگاہ اٹھائیں اور ان کو یاد ہو جائے کہ اس آسمان سے اللہ نے اپنا کلام اتارا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے رب! کیا تیرا حکم اس طرح پورا نہیں ہو سکتا کہ وہ اپنی پوری چادریں نیلے رنگ میں رنگ لیں کیونکہ بنی اسرائیل ان دھاگوں کو حقارت کی نظر سے دیکھیں گے۔ فرمایا موسیٰ! میرا چھوٹا حکم بھی چھوٹا نہیں ہوتا اگر وہ میرا چھوٹا حکم بھی نہیں مانیں گے تو بڑا حکم بدرجہ اولیٰ نہیں مانیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو جمع کیا اور فرمایا کہ اللہ کا حکم ہے تم اپنی چادروں پر آسمانی رنگ کے دھاگے باندھ لیا کرو تاکہ ان کو دیکھ کر تم کو اپنے رب کی یاد ہو جائے۔ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حکم کی تابع داری کی اور قارون نے حکم نہیں مانا اور غرور سے کہنے لگا ایسا عمل تو آقا اپنے غلاموں کے ساتھ کرتے ہیں تاکہ اس کے غلام دوسرے غلاموں سے الگ معلوم ہو جائیں۔ قارون کی نافرمانی اور سرکشی کا یہی آغاز تھا۔ پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر دریا کے پار پہنچ گئے تو بنی اسرائیل کی ساری قربانیوں کی نگرانی حضرت ہارون کے سپرد کر دی اور ان کو قربانی کا افسر بنا دیا۔

بنی اسرائیل باری باری اپنی قربانیاں حضرت ہارون علیہ السلام کے پاس لاتے تھے اور حضرت ہارون علیہ السلام ان

قربانیوں کو قربانی کی جگہ رکھ لیتے۔ پھر آسمان سے ایک آگ آ کر کھا جاتی۔ قارون کو حضرت ہارون کی اس سرداری سے بھی بہت رنج ہوا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آ کر کہنے لگا۔ موسیٰ علیہ السلام تمہارے لیے تو رسالت ہو گئی اور ہارون کے لیے قربانی کی ذمہ داری اور میں جو توریت کا سب سے بڑا قاری ہوں مجھے کچھ نہیں ملا، میں اس بات پر صبر نہیں کر سکتا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے ہارون کو از خود یہ عہدہ نہیں دیا بلکہ اللہ نے ان کو یہ عہدہ دیا ہے۔ قارون نے کہا میں تو تمہاری بات اس وقت تک سچ نہیں مانوں گا جب تک تم اس کا ثبوت مجھے دکھانہ دو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ ہر شخص اپنی اپنی لاشی لے کر آئے اور اس خیمہ کے اندر لا کر درخت کی طرح گاڑ دے۔ حسب الحکم سب لوگوں نے اپنی اپنی لاشیاں مقررہ خیمہ کے اندر لا کر کھڑی کر دیں۔ رات یوں ہی گزر گئی، صبح ہوئی تو لوگوں نے دیکھا کہ حضرت ہارون کی لاشی ایک سرسبز درخت کی صورت اختیار کر گئی اور اس میں ہرے بھرے پتے نکل آئے۔ قارون کہنے لگا موسیٰ جو جادو تم بناتے رہے ہو اس سے زیادہ تعجب آفریں جادو نہیں ہے۔ اس کے بعد قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام سے الگ ہو گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام قرابت کی وجہ سے اس سے نرمی کا سلوک کرتے رہے مگر وہ ہر وقت آپ کو دکھ ہی دیتا رہا۔ اس کی سرکشی، دشمنی اور نافرمانی بڑھتی گئی اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے الگ ہو کر ایک مکان تعمیر کیا جس کا دروازہ سونے کا بنوایا اور دیواروں پر سونے کی پتھریں لگوائیں۔ بنی اسرائیل کے بڑے بڑے آدمی روزانہ صبح شام اس کے پاس آتے اور باتیں کرتے، ہنسی مذاق کرتے اور قارون سب کو کھانا کھلاتا۔

## قارون کی تباہی کا آغاز زکوٰۃ نہ دینے کا عزم کیا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا گیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ حکم بنی اسرائیل کو سنایا تو قارون نے ماننے سے انکار کر دیا۔ آخر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک فی ہزار کی شرط پر قارون سے مصالحت کر لی۔ قارون نے وعدہ کر دیا کہ ہزار دینار میں ایک دینار ہزار درہم میں ایک درہم اور ہزار بکریوں میں ایک بکری زکوٰۃ میں ادا کرے گا۔ جب قارون اس اقرار کے بعد اپنے گھر پہنچا اور حساب لگایا تو بڑی رقم ہو گئی اور اس کے دل نے اتنی کثیر رقم دینے کی اجازت نہیں دی۔

آخر اس نے سوچ بچار کے بعد بنی اسرائیل کو جمع کیا اور سب سے خطاب کر کے کہا، لوگو موسیٰ علیہ السلام نے جو حکم بھی تم کو دیا تم نے اس کی تعمیل کی۔ اب وہ تمہارے مال بھی لے لینا چاہتا ہے۔ بنی اسرائیل نے کہا کہ آپ ہمارے بڑے ہیں جو آپ کی منشاء ہو، حکم دیجئے، قارون نے کہا میں حکم دیتا ہوں کہ تم فلاں زانیہ عورت کو لے آؤ، ہم کچھ معاوضہ دے کر اس سے طے کر لیں گے کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کو اپنے ساتھ زنا کرنے کی تہمت لگائے، اگر اس نے ایسا کر لیا تو بنی اسرائیل موسیٰ علیہ السلام کو چھوڑ دیں گے اور اس کے حلقے سے باہر نکل آئیں گے۔ چنانچہ لوگوں نے اس عورت کو بلوایا، قارون نے ایک ہزار درہم معاوضہ دینا منظور کر لیا۔ بعض روایات میں ہزار دینار اور بعض روایات میں سونے کا ایک ٹشت دینا طے کیا۔ بعض اہل روایات نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ قارون نے اس سے

کہا ہے تجھے مال دار بنا دوں گا اور تجھے اپنی بیویوں میں شامل کر لوں گا۔ بشرطیکہ کل صبح بنی اسرائیل موسیٰ علیہ السلام کے پاس جمع ہوں تو موسیٰ علیہ السلام کو اپنے ساتھ زنا کرنے پر تو مجہم کر دے۔ جب دوسرا دن ہوا تو قارون نے بنی اسرائیل کو جمع کیا۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس گیا اور کہا بنی اسرائیل آپ کے برآمد ہونے کا انتظار کر رہے ہیں، آپ باہر آ کر ان کو وعظ و نصیحت کریں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام باہر آئے۔ بنی اسرائیل اس وقت کھلے میدان میں جمع تھے۔ آپ تقریر کرنے کیلئے کھڑے ہوئے اور فرمایا:

اے بنی اسرائیل! (سنو!) جو چوری کرے گا ہم اس کا ہاتھ کاٹ دیں گے جو کسی پرزنا کی تہمت لگائے گا ہم اس کو کوڑے ماریں گے اور جو زنا کرے گا ہم اس کو بھی کوڑے ماریں گے۔ بشرطیکہ اس کی بیوی نہ ہو اور اگر بیوی ہوتے ہوئے زنا کرے گا تو ہم پتھر مار مار کر اس کو ہلاک کر دیں گے قارون بولا خواہ تم بھی ایسے ہو (نعوذ باللہ)..... (تب بھی اپنے کو یہی سزا دو گے) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا خواہ میں ہی ہوں۔ قارون کہنے لگا، بنی اسرائیل کا خیال ہے کہ تم نے فلاں عورت سے زنا کیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا، اس کو بلو او، اگر وہ یہ بات کہہ دے تو اس کی بات صحیح مانی جائے گی۔ عورت آئی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس عورت سے کہا، اے عورت! کیا میں نے تیرے ساتھ ایسا کیا ہے، یہ لوگ کیا کہہ رہے ہیں؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس الزام کا بڑا تاثر لیا اور اس کو خدا کا واسطہ دیا جس نے بنی اسرائیل کے لیے دریا کو پھاڑ دیا اور توریت نازل فرمائی اور فرمایا کیا تو سچ نہیں کہے گی؟ اللہ تعالیٰ نے اس عورت کا خیال پلٹ دیا اور اس نے اپنے دل میں خیال کیا آج تو بہ کر لینا اللہ کے رسول کو دکھ دینے سے بہتر ہے۔ کہنے لگی نہیں یہ لوگ جھوٹ کہتے ہیں بلکہ قارون نے مجھے معاوضہ دینا طے کیا تھا کہ اگر میں آپ پرزنا کی تہمت لگا دوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ سنتے ہی سجدہ میں گر گئے اور رورور کہنے لگے اے اللہ! اگر میں تیرا رسول ہوں تو میری وجہ سے اس پر غضب نازل فرما، اللہ نے وحی بھیجی کہ زمین کو تمہارے زیر حکم کر دیا گیا تم جو حکم چاہو اس کو دو۔ یہ آپ کے حکم کی تعمیل کرے گی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

## موسیٰ علیہ السلام کی بددعا سے قارون کا زمین میں دھنس جانا

اے بنی اسرائیل! اللہ نے جس طرح مجھے فرعون کے پاس بھیجا تھا اسی طرح قارون کی طرف بھی بھیجا تھا۔ اب جو اس کے ساتھ رہنا چاہے وہ اس کے پاس ٹھہرا رہے اور جو میرا ساتھ دینا چاہے وہ اس کے پاس سے الگ ہو جائے۔ یہ سنتے ہی سب لوگوں نے قارون کا ساتھ چھوڑ دیا۔ سب اس کے پاس سے ہٹ گئے صرف دو آدمی اس کے پاس رہ گئے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے زمین کو حکم دیا اے زمین! ان کو لے لے، زمین نے ان کے قدم کھینچ لیے۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ وہ اپنے تخت اور فرش پر اس طرح موجود تھا زمین نے اس کے تخت کو نگل لیا، پھر آپ نے زمین کو حکم دیا کہ لے لے، زمین نے گھٹنوں تک اس کو نگل لیا، پھر آپ نے فرمایا ان کو لے لے، زمین نے ان کو کمر تک نگل لیا۔ پھر آپ نے فرمایا زمین ان کو لے۔ زمین ان کو گلے تک نگل گئی۔ قارون اور اس کے ساتھی برابر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے منت و زاری کرتے رہے اور قارون برابر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا اور قرابت کا واسطہ دیتا رہا یہاں تک کہ ستر بار اس نے واسطہ دیا لیکن شدت غضب کی

وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کی طرف کوئی التفات نہیں کیا اور زمین کو حکم دیا کہ ان کو لے، غرض زمین نے سب کو نگل لیا۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے پاس وحی بھیجی اور فرمایا، تمہارا دل بھی کیسا سخت ہے۔ قارون نے ستر بار تم سے فریاد کی مگر تم نے ایک بار بھی اس کی فریاد رسی نہیں کی، قسم ہے اپنی عزت و عظمت کی اگر وہ مجھ سے ایک بار بھی فریاد کرتا تو میں اس کی فریاد رسی ضرور کرتا۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ اللہ نے فرمایا، آئندہ میں زمین کو کسی کے حکم کا تابع نہیں بناؤں گا۔

قدادہ کا بیان ہے کہ زمین نے قارون کو اپنے اندر دھنسا لیا اور وہ ہر روز بقدر آدم زمین کے اندر دھنس رہا ہے اور یونہی دھنسا رہے گا مگر قیامت تک انتہائی گہرائی کو نہ پہنچ سکے گا۔ قارون کے زمین میں دھنس جانے کے بعد بنی اسرائیل آپس میں کہنے لگے کہ موسیٰ علیہ السلام نے قارون کے لیے بددعا صرف اس لیے کی کہ خود اس کی جگہ اور اس کا مکان اور خزانہ اور سارا مال و متاع لے لیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دُعا کی کہ اللہ نے اس کے ساتھ اس کے گھر، خزانوں اور مال و متاع کو بھی زمین میں دھنسا دیا جائے۔ یہی مطلب ہے اس آیت ”فَنَحْسِفْنَا بِهِ وَبَدَارَهُ الْاَرْضُ فَمَا كَانَ لَهُ مِنْ فِتْنَةٍ يَنْصُرُوهُ مِنْ دُونِ اللّٰهِ“ کا۔ یعنی جو اللہ سے قارون کے عذاب کے روکے۔ ”وَمَا كَانُوا مِنَ الْمُنْتَصِرِينَ“ جو اس پر عذاب نازل ہوا اس کو زمین میں دھنسنے سے روک دیتے۔

② ”وَاصْبِحَ الَّذِينَ يَتَمَنَوْنَ مَكَانَهُ بِالْاَمْسِ“ اور جو لوگ قارون کی طرح اللہ تعالیٰ سے مال و رزق اور زینت کی تمنا کر رہے تھے وہ اس بات پر ندامت کرنے لگے۔

عرب لوگ اس کی تعبیر اٹھی، اسی اور اصح سے کرتے ہیں۔ جیسے کہا جاتا ہے ”اصبح فلان عالماً“ کہ فلاں شخص نے صبح کی عالم ہونے کے ساتھ ”واضحی معدماً“..... اور چاشت کے وقت وہ محروم رہا ”وامسى حزیناً“ اور شام کی غمگینی کی حالت میں۔ ”بقولون ویکان اللہ“ اس لفظ کے معنی میں آئمہ مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔ مجاہد نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ تو نہیں جانتا۔ قدادہ کا قول ہے کہ اس کا معنی ہے کیا تو نے نہیں دیکھا۔ فراء نے کہا یہ کلمہ تقریر ہے جیسے کوئی کہے ”اما تری المی صنع اللہ واحسانہ“ کیا اللہ کے حسن سلوک اور احسان کو تو نہیں دیکھ رہا، یعنی ضرور دیکھ رہا ہے۔

فراء نے کہا میں نے خود سنا کہ ایک بدوی عورت نے اپنے شوہر سے کہا بیٹا کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا: ”ویکانہ وراء البیت“ یعنی کیا دیکھ نہیں رہی کہ وہ گھر کے پیچھے ہے۔ حسن نے کہا کہ ”ویک کلمہ ابتداء ہے۔ اس کی تقدیری عبارت یوں ہے ”اللہ یسط الرزق“ بعض نے کہا کہ یہ کلمہ تشبیہ ہے۔ قطرب نے کہا ”ویک“ اصل میں ”ویلک“ تھا۔ دونوں کا معنی ایک ہی ہے لام حذف کر دیا گیا ہے۔ ظلیل ثعوی کا قول ہے لفظ ”وئی“ اسم فعل ہے تعجب اور ندامت کے اظہار کے لیے اس کا استعمال کیا گیا ہے۔ وہ لوگ اپنی پچھلی تمنا پر پشیمان ہوئے تھے اور انہوں نے پشیمان ہو کر ایسا کہا تھا اور ”کآن“ کا معنی ہے ایسا اندازہ ہوتا ہے، ایسا خیال ہوتا ہے، ایسا لگتا ہے۔



”يسط الرزق لمن يشاء من عباده ويقدر“ وہ رزق کو وسیع کرتا ہے اور تنگ کر دیتا ہے۔ ”لولا ان من الله علينا لنخسف بنا“ حفص اور یعقوب نے خاء کے فتح کے ساتھ اور سین کے فتح کے ساتھ۔ عام قراء نے خاء کے ضمہ کے ساتھ اور سین کے کسرہ کے ساتھ۔ ”ويكافه لا يفلح الكافرون“

تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۖ  
وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ﴿۳۱﴾ مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ خَيْرٌ مِنْهَا وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى  
الَّذِينَ عَمِلُوا السَّيِّئَاتِ إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۳۲﴾ إِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ  
لَرَأَىٰكَ إِلَىٰ مَعَادٍ ۖ قُلْ رَبِّي أَعْلَمُ مَنْ جَاءَ بِالْهُدَىٰ وَمَنْ هُوَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿۳۳﴾ وَمَا  
كُنْتُ تَرْجُو أَنَّ يُلْقَىٰ إِلَيْكَ الْكِتَابُ إِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ ظَهِيرًا  
لِّلْكَافِرِينَ ﴿۳۴﴾ وَلَا يَصُدُّنَكَ عَنْ آيَةِ اللَّهِ بَعْدَ إِذْ أَنْزَلْتُ إِلَيْكَ وَأَدْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ  
وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿۳۵﴾ وَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ ۚ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ كُلُّ شَيْءٍ  
هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ ط لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۳۶﴾

﴿تفصیل﴾ یہ عالم آخرت ہم ان ہی لوگوں کے لئے خاص کرتے ہیں جو دنیا میں نہ بڑا بننا چاہتے ہیں اور نہ فساد کرنا اور نیک نتیجہ متقی لوگوں کو ملتا ہے جو شخص (قیامت کے دن) نیکی لے کر آوے گا اس کو اس سے بہتر (بدلہ) ملے گا اور جو شخص بدی لے کر آوے گا سو ایسے لوگوں کو جو کہ بدی کے کام کرتے ہیں اتنا ہی بدلہ ملے گا جتنا وہ کرتے تھے جس خدا نے آپ پر قرآن (کے احکام اور اس کی تبلیغ) کو فرض کیا ہے وہ آپ کو (آپ کے) اصلی وطن (یعنی مکہ) میں پھر پہنچا دے گا آپ (ان سے) فرمادیتے تھے کہ میرا رب خوب جانتا ہے کہ (اللہ کی طرف سے) کون سچا دین لے کر آیا ہے اور کون صریح گمراہی میں (جہلا) ہے اور آپ کو (اپنے نبی ہونے کے قبل) یہ توقع نہ تھی کہ آپ پر یہ کتاب نازل کی جاوے گی مگر محض آپ کے رب کی مہربانی سے اس کا نزول ہوا سو آپ ان کافروں کی ذرا تائید نہ کیجئے اور جب اللہ کے احکام آپ پر نازل ہو چکیں تو ایسا نہ ہونے پاوے (جیسا اب تک بھی نہیں ہونے پایا) کہ یہ لوگ آپ کو ان احکام سے روک دیں اور آپ (بدستور) اپنے رب (کے دین) کی طرف لوگوں کو بلاتے رہیے اور ان مشرکین میں شامل نہ ہو جائیے اور (جس طرح آپ شرک سے معصوم ہیں اسی طرح آئندہ بھی) اللہ کے ساتھ کسی کو معبود نہ پکارنا اس کے سوا کوئی معبود (ہونے کے قابل) نہیں (اس لئے کہ)

سب چیزیں فنا ہونے والی ہیں بجز اس کی ذات کے اسی کی حکومت ہے (جس کا ظہور کامل قیامت میں ہوگا) اور اسی کے پاس سب کو جانا ہے) پس اس کو ان کے کئے کی جزا دے گا۔

**تفسیر** 83 "تلك الدار الاخرة نجعلها للذين لا يريدون علواً في الارض" مقاتل اور کلبی نے کہا یعنی جو لوگ ایمان سے غرور کی وجہ سے تکبر نہیں کرتے۔ عطاء کا قول ہے کہ لوگوں پر جبر اور چیرہ دستی نہیں کرتے اور ان کو حقیر نہیں جانتے۔ حسن کا قول ہے کہ حاکموں اور سرداروں کے پاس عزت و مرتبہ کے طلبگار نہیں ہوتے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس آیت کا نزول ان حاکموں کے متعلق ہوا جو باوجود قدرت کے تواضع کرتے ہیں۔ آپ کا مقصد یہ ہے کہ جو حاکم اور صاحب قدرت متواضع ہوتا ہے وہ ملک میں خود اونچا اٹھنے کا خواستگار نہیں ہوتا۔ "ولا فساداً" کلبی نے کہا کہ فساد سے مراد اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت کی طرف بلانا۔ عکرمہ کا قول ہے کہ تاق لوگوں کا مال لینا مراد ہے۔ ابن جریر اور مقاتل نے کہا کہ گناہ کرنا مراد ہے۔ "والعاقبة للمتقين" عاقبت سے مراد محمود ہے جو اس سے ڈرا، مطلب اچھا انجام (جنت) ہے جو شخص اللہ کے اوامر اور نواہی پر عمل کرے اور گناہوں سے بچے۔ قتادہ کا قول ہے کہ اس سے مراد متقین کے لیے جنت ہے۔

84 "من جاء بالحسنة فله خير منها ومن جاء بالسيئة فلا يجزيه اللين عملوا السيئات الا ما كانوا يعملون"

85 "ان الذي فرض عليك القرآن" یعنی جس نے آپ پر قرآن نازل کیا۔ یہی اکثر مفسرین کا قول ہے۔ عطاء کا قول ہے کہ جس نے آپ پر قرآن کی تلاوت، تبلیغ اور اس کے مطابق عمل فرض کیا ہے۔ "لرأذك الی معاد" اس سے مراد مکہ ہے۔

## معاد کی تفسیر میں مختلف اقوال

عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ اس وعدہ کے مطابق اللہ نے فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں لوٹا بھی دیا۔ مجاہد کا بھی یہی قول ہے۔ تفسیر کا قول ہے کہ کسی شخص کا معاد اس کا شہر ہوتا ہے جہاں وہ لوٹ کر آتا ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کو چھوڑ کر مدینہ کی طرف جانے کے لیے غار (ثور) سے نکلے تو تعاقب کے اندیشہ سے عام راستہ کو چھوڑ کر دوسرے راستہ پر چل دیئے۔ پھر جب کوئی اندیشہ نہ رہا تو اصل راستہ پر آگئے اور جحفہ کے مقام پر پہنچے جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مقام ہے۔

جہاں سے مکہ اور مدینہ دونوں طرف کو راستہ جاتا ہے۔ مکہ کی جانب والا راستہ دیکھ کر آپ کو مکہ کا شوق پیدا ہوا۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا آپ کے دل میں اپنے شہر اور جس شہر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش ہوئی، اس کا اشتیاق پیدا ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جی ہاں۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "ان الذي فرض عليك القرآن لرأذك الی معاد" فتح مکہ کے دن اللہ نے آپ کو لوٹا کر مکہ پہنچا دیا۔

سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ معاد سے مراد موت ہے۔ زہری اور عکرمہ نے کہا کہ معاد سے مراد قیامت ہے۔ بعض نے کہا کہ اس سے جنت مراد ہے کیونکہ اللہ نے جب صراحت فرمادی کہ عاقبت یعنی اچھا انجام متقیوں کے لیے خاص ہے۔ ”قل ربی اعلم من جاء بالہدیٰ“ وہ جانتا ہے جو ہدایت لے کر آئے۔ یہ کفار مکہ کے جواب میں نازل ہوئی کیونکہ کفار مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ تم کھلی گمراہی میں ہو۔ اس پر اللہ رب العزت نے یہ ایشاد فرمایا ”قل لہم ربی اعلم من جاء بالہدیٰ“..... ”ومن ہو فی ضلال مبین“ اس سے مراد مشرکین ہیں۔ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ دونوں فریقوں کے متعلق بہتر جانتے ہیں۔

﴿66﴾ ”وما کنت ترجو ان یلقى الیک الکتاب“ ان کی طرف قرآن وحی کیا گیا۔ ”الا رحمۃ من ربک“ فرماؤ کہ تم کو قرآن عطا کر دیا۔ ”فلانکونن ظہیرا للکافرین“ ان کے دین کے مددگار نہ بنیں۔ مقاتل کا بیان ہے کہ کافروں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دین آباء و اجداد اختیار کرنے کی دعوت دی تھی اس کے جواب میں اللہ نے آپ کو اپنی نعمتیں یاد دلائیں اور کافروں کی پشت پناہی اور امداد سے روک دیا۔

﴿67﴾ ”ولا یصدنک عن آیات اللہ“ آیات سے مراد قرآن ہے۔ ”بعد اذ انزلت الیک و ادع الی ربک“ یعنی اس کی معرفت اور اس کی توحید کی طرف دعوت دو۔ ”ولا تکونن من المشرکین“ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ بظاہر خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے مگر مراد اس سے دین والے ہیں نہ کفار کے ساتھ رہو اور نہ ہی ان کی موافقت اختیار کرو۔

﴿68﴾ ”ولا تدع مع اللہ الہا اخر لا الہ الا هو کل شیء ہالک الا وجہہ“ صرف وہی ذات مبارک ہے۔ بعض نے کہا کہ سب کی بادشاہت ختم ہو جائے گی مگر اللہ تعالیٰ کی بادشاہت ختم نہیں ہوگی۔ ابو العالیہ کا قول ہے کہ مگر وہ شخص جو اللہ کی رضا مندی چاہے۔ ”لہ الحکم“ اسی کا حکم ہے اور اسی کا فیصلہ ہے۔ ”والیہ ترجعون“ تم لوگ آخرت کی طرف لوٹائے جاؤ گے، وہی تم کو تمہارے اعمال کی سزا اور جزا دے گا۔



## سُورَةُ الْعَنْكَبُوتِ

کئی سورت ہے۔ اس کی ۶۹ آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

۱ اَحْسِبَ النَّاسَ اَنْ يُّتْرَكُوْا اَنْ يَقُوْلُوْا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۚ ۲ وَاَلْقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ۚ ۳ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّئَاتِ اَنْ يُّسْبِقُوْنَآ سَاءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۙ ۴

﴿تفسیر﴾ اُم (بعض مسلمان جو کفار کی ایذاؤں سے گھبراتے ہیں تو) کیا ان لوگوں نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ وہ اتنا کہنے پر چھوٹ جاویں گے کہ ہم ایمان لے آئے اور ان کو (قسم قسم کے مصائب سے) آزما یا نہ جاوے گا اور ہم تو (ایسے واقعات سے) ان لوگوں کو بھی آزما چکے ہیں جو ان سے پہلے (مسلمان) ہو گزرے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو (ظاہری علم سے) جان کر رہے گا جو (ایمان کے دعویٰ میں) سچ تھے اور جھوٹوں کو بھی جان کر رہے گا ہاں کیا جو لوگ بڑے بڑے کام کر رہے ہیں وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم سے کہیں نکل بھاگیں گے ان کی یہ تجویز نہایت ہی بیہودہ ہے۔

﴿تفسیر﴾ (۱- ۲)..... ”الم احسب الناس“ لوگوں نے یہ گمان کیا۔ ”ان یتروکوا“ بغیر امتحان اور بغیر آزمائش کے ان کو چھوڑ دیا جائے گا۔ ”ان یقولوا“ صرف اتنا کہہ دینے سے ”امنا وهم لا یفتنون“ کہ ان کو ان کے اموال کی آزمائش میں اور ان کے نفسوں کی آزمائش میں نہیں ڈالا جائے گا ہرگز نہیں بلکہ ضرور بالضرور ان سے امتحان لیا جائے گا تا کہ مخلص اور منافق کے درمیان جانچ پڑتال ہو جائے، جھوٹے اور سچے انسان میں فرق واضح ہو جائے۔

### آیت کے مختلف شان نزول

اس آیت کے سبب نزول میں مختلف اقوال ہیں۔ امام شعبی کا قول ہے کہ یہ آیت مکہ میں رہنے والے مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ مدنی صحابہ رضی اللہ عنہم نے کئی مسلمانوں کو یہ آیت لکھ کر بھیج دی اور کہا کہ تمہارا اسلام لانا اس وقت تک قابل قبول نہیں سمجھا جائے گا یہاں تک کہ وہ ہجرت نہ کر لیں۔ مسلمانوں نے وہاں سے ہجرت کر دی، راستے میں مشرکین سے جھڑپ

ہوئی، کچھ مسلمان شہید ہو گئے اور کچھ مسلمان بچ کر مدینہ پہنچ گئے۔ ان کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ ”الناس“ سے مراد مکہ میں رہ جانے والے مسلمان سلمہ بن ہشام، عیاش بن ربیعہ، ولید بن ولید، عمار بن یاسر وغیرہ ہیں۔ ابن جریج کا قول ہے کہ اس آیت کا نزول عمار بن یاسر کے متعلق ہوا، آپ کو اللہ کی راہ میں سخت دکھ دیئے جاتے تھے۔

مقاتل کا قول ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام حضرت مہج بن عبد اللہ کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اس اُمت میں آپ پہلے شخص ہوں گے جن کو جنت کے دروازے کی طرف بلایا جائے گا۔ حضرت مہج یوم بدر میں سب سے پہلے شہید ہونے والے صحابی تھے۔ ان کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ”سید الشهداء مہجع بن عبد اللہ“ جب آپ کے والدین اور بی بی بے تابی کے ساتھ گریہ و زاری کرنے لگے تو ان کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ بعض نے کہا ”وہم لا یفتنون“ سے اوامر اور نواہی مراد ہیں کہ شروع میں اللہ تعالیٰ نے صرف ایمان کا حکم دیا تھا۔ پھر نماز، زکوٰۃ اور دوسرے قوانین فرض کیے۔ بعض لوگوں کو اس کی تعمیل میں دُشواری ہو گئی اور ان پر یہ حکم شاق ہوا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

③ ”وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ“ یعنی انبیاء اور مومنین کی سخت آزمائش ہم کر چکے ہیں۔ بعض انبیاء کو آروں سے چیرا گیا، بعض کو قتل کیا گیا، بنی اسرائیل کو فرعون بدترین عذاب دیتا رہا۔ ”فَلْيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا“ ان کے قول ”اھنا“ کہ جو لوگ ایمان لائے اور اپنے وعدے میں سچے ہیں۔ ”وَلْيَعْلَمَنَّ الْكَٰذِبِينَ“ اللہ ان کے امتحان لینے سے پہلے ہی جانتا ہے، آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ سچوں کو جھوٹوں سے الگ کر کے ظاہر کر دے تاکہ اللہ کے ازلی علم کا فعلی ظہور ہو جائے۔ مقاتل نے علم کا ترجمہ دکھانا کیا ہے کہ اللہ دکھا دے گا۔ بعض نے اس طرح معنی بیان کیے کہ اللہ ناپاک کو پاک سے الگ کر دے گا۔

④ ”ام حسب الذين يعملون السيئات“ اس سے مراد شرک ہے۔ ”ان يسبقونا“ کہ وہ ہمیں عاجز کر دیں گے اور وہ ہم سے بچ کر نکل جائیں گے اور ہم ان سے انتقام لینے پر قادر نہیں ہوں گے۔ ”ماء ما يحكمون“ بُرا ہے وہ فیصلہ جو یہ لوگ کر رہے ہیں اور جو انہوں نے گمان کیا۔

مَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ اللَّهِ فَإِنَّ أَجَلَ اللَّهِ لَآتٍ ۖ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ⑤ وَمَنْ جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ ⑥ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَحْسَنَ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ ⑦ وَرَوَّضْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ۚ وَإِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ۚ إِلَّيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ⑧

جو شخص اللہ سے ملنے کی امید رکھتا ہو سو (اس کو تو ایسے ایسے حوادث سے پریشان نہ ہونا چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ (سے ملنے) کا وہ معین وقت ضرور آنے والا ہے) جس سے سارے غم غلط ہو جائیں گے اور وہ سب ستاسب کچھ جانتا ہے اور جو شخص محنت کرتا ہے وہ اپنے ہی (نفع کے) لئے محنت کرتا ہے (ورنہ) تمام جہان والوں میں کسی

کی حاجت نہیں اور (وہ نفع جو طاعت سے پہنچتا ہے اس کا بیان یہ ہے کہ) جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں ہم ان کے گناہ ان سے دور کر دیں گے اور ان کو ان کے (ان اعمال (ایمان و اعمال صالحہ) کا استحقاق سے) زیادہ اچھا بدلہ دیں گے اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے اور (اس کو ساتھ یہ بھی کہہ دیا ہے کہ) اگر وہ دونوں تھے پر اس بات کا زور ڈالیں کہ تو ایسی چیز کو میرا شریک ٹھہرائے جس (کے) معبود ہونے کی کوئی (صحیح) دلیل تیرے پاس نہیں تو ان کا کہنا نہ ماننا تم سب کو میرے ہی پاس لوٹ کر آنا ہے سو میں تم کو تمہارے سب کام (نیک ہوں یا بد) جتلا دوں گا۔

**تفسیر** 5 "من كان يرجوا لقاء الله" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس جگہ رجاء کا معنی ہے خوف یعنی جو شخص حشر نشر، حساب نہیں اور عذاب خدا سے ڈرتا ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا کہ رجاء بمعنی طمع ہے یعنی جو شخص ثواب کا خواہش مند ہے۔ "فان اجل الله لات" یعنی جو اللہ نے ثواب اور عقاب کا وعدہ کیا۔ مقاتل نے کہا کہ اس سے مراد ہے قیامت کا دن یعنی قیامت کا دن ضرور آئے گا اس لیے آدمی پر لازم ہے کہ ایسے کاموں کی طرف پیش قدمی کرے جن سے ثواب کا حصول ہو جس کی اس کو خواہش ہے اور عذاب سے نجات مل جائے جس کا اس کو ڈر ہے۔ جیسا کہ دوسری آیت میں ہے "لمن كان يرجوا لقاء ربه فليعمل عملاً صالحاً ولا يشرك بعبادة ربه أحداً"..... "وهو السميع العليم"

6 "ومن جاهد فلانما يجاهد لنفسه" اس کے لیے ثواب ہے۔ جہاد کا معنی کیا ہے شدت اور سختی پر صبر کرنا اور یہ جنگ کے وقت ہوتا ہے اور کبھی کبھار مخالفت نفس پر بھی ہوتا ہے۔ "ان الله لفتى عن العالمين" ان کے اعمال اور ان کی عبادات سے لا پرواہ ہے۔

7 "والذين امنوا و عملوا الصالحات لنكفرن عنهم سيئاتهم" نیکیوں کے ذریعے سے برائیوں کو دور کر دیں گے۔ گویا کہ اس نے برائی کی ہی نہیں ہوگی، تکفیر کہا جاتا ہے برائی کو نیکی کے ذریعے سے مٹانا۔

"ولنجزيهم احسن اللين كانوا يعملون" احسن اعمالہم سے مراد طاعت ہے۔ بعض نے کہا کہ ہم ان کے اعمال سے زیادہ جزاء ان کو دیں گے، دس گنا سے سات سو گنا تک اور اس سے زائد جتنا اللہ چاہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان

"من جاء بالحسنة فله عشر امثالها"

8 "ووصينا الانسان بوالديه حسناً" ان دونوں کے ساتھ نیکی کرنے کی وصیت فرمائی۔ معنی اس کا یہ ہے کہ ہم نے انسان کو یہ وصیت کی ہے کہ وہ والدین کے ساتھ وہی سلوک کرے۔ جیسا کہ اس کے والدین نے اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا۔

## آیت ووصينا الانسان بوالديه كالشان نزول

اس آیت کا نزول اور سورۃ لقمان کی آیت کا نزول اور احزاب کی آیت کا نزول سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے بیان کیا گیا کہ سعد بن مالک اور ان کی ماں حمنہ بنت ابی سفیان بن عبدالمطلب نے کہا تو نے یہ کیا نئی بات نکال رکھی ہے۔ جب تک تو



اس کا انکار نہیں کرے گا اس وقت تک بخدا میں نہ کھانا کھاؤں گی نہ پانی پیوں گی۔ یہاں تک کہ یونہی مر جاؤں گی۔ دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں جب تک اس مذہب سے جس پر تو قائم ہے لوٹ نہیں جائے گا، میں کچھ کھاؤں گی نہ پیوں گی، یونہی مر جاؤں گی، پھر ہمیشہ تجھے لوگ اس کی عار دلاتے رہیں گے کہ یہ ماں کا قاتل ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ایک روایت میں اس طرح واقعہ لکھا ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد حضرت سعد کی ماں نے ایک دن رات یا تین دن بغیر کھائے پئے گزار دیئے۔ سعد ماں کے پاس گئے اور کہا اماں اگر تیری سوچا نہیں ہوں اور ایک ایک جان نکل جائے تب بھی میں اپنا مذہب نہیں چھوڑوں گا۔ تیرا دل چاہے کھا اور نہ چاہے تو نہ کھا۔ جب ماں نا اُمید ہو گئی تو اس نے کھانا پینا شروع کر دیا۔ اسی پر یہ آیت نازل فرمائی کہ والدین کے ساتھ نیکی اور ان دونوں کے احسان کرو، ہاں شرک میں ان دونوں کی اطاعت نہ کرو۔

”وان جاہداک لتشرک ہی مالیس لک بہ علم فلا تطعمہما“ حدیث شریف میں آتا ہے ”لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق“ خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی فرمائنداری جائز نہیں۔ ”الی مرجعکم فانبکم بما کتتم تعملون“ تمہیں تمہارے اعمال کی خبر دیں گے اور برے اعمال کا بدلہ بھی دیں گے اور نیک اعمال کا بدلہ نیکی سے دیں گے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصَّالِحِينَ ① وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ فَإِذَا أُوذِيَ فِي اللَّهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللَّهِ ۖ وَلَئِن جَاءَ نَصْرٌ مِّن رَّبِّكَ لَيَقُولُنَّ إِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ۖ أَوَلَيْسَ اللَّهُ بِأَعْلَمَ بِمَا فِي صُدُورِ الْعَالَمِينَ ② وَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنْفِقِينَ ③ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا اتَّبِعُوا سَبِيلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطِيئَتَكُمْ ۖ وَمَا هُمْ بِحَامِلِينَ مِنْ خَطِيئَتِهِمْ مِنْ شَيْءٍ ۖ إِنَّهُمْ لَكَذِبُونَ ④

① اور (تم میں) جو لوگ ایمان لائے ہوں گے اور نیک عمل کئے ہوں گے ہم ان کو نیک بندوں (کے درجہ) میں (کہ بہشت ہے) داخل کر دیں گے اور بعض آدمی ایسے ہیں جو کہہ دیتے ہیں کہ اللہ پر ایمان لائے پھر جب ان کو راہ خدا میں کچھ تکلیف پہنچائی جاتی ہے تو لوگوں کی ایذا رسانی کو ایسا (عظیم) سمجھ جاتے ہیں جیسے خدا کا عذاب اور اگر (کبھی) کوئی مدد (مسلمانوں کی) آپ کے رب کی طرف سے آتی ہے تو (اس وقت) کہتے ہیں کہ ہم تو (دین و عقیدے میں) تمہارے ساتھ تھے کیا اللہ تعالیٰ کو دنیا جہاں والوں کے دلوں کی باتیں معلوم نہیں ہیں (یعنی ان کے دل ہی میں ایمان نہ تھا) اور (یہ واقعات اس لئے ہوتے رہتے ہیں کہ) اللہ تعالیٰ ایمان لانے والوں کو معلوم کر کے رہے گا اور منافقوں کو بھی معلوم کر کے رہے گا اور کفار مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ (دین میں) ہماری راہ پر چلو اور (قیامت میں) تمہارے گناہ ہمارے ذمہ حالانکہ یہ لوگ ان کے گناہوں میں سے ذرا بھی نہیں لے سکتے یہ بالکل جھوٹ بک رہے ہیں۔

تفسیر ① ”وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصَّالِحِينَ“ صالحین کے زمرہ میں داخل کر دیں

گے اور وہ انبیاء، اولیاء ہیں۔ یعنی ہم نیکو کار مومنوں کو انبیاء، اولیاء وغیرہ کے ساتھ شامل کر دیں گے۔ بعض نے کہا کہ ان کے ساتھ ان کو جنت میں داخل کر دیں گے اور جنت میں سب ساتھ ہو جائیں گے۔

⑩ ”وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ فَإِذَا أُوذِيَ فِي اللَّهِ لَوْ كَانُوا لَكَفَرُوا بِهِمْ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَهُمْ كَذِبُونَ“۔ ”جعل فتنه الناس كعذاب الله“ کچھ لوگوں کو دکھ کافروں کی طرف سے پہنچتا ہے اور ان کو عذاب پہنچتا ہے۔ جیسا کہ آخرت میں عذاب دیا جاتا ہے۔ یعنی یہ لوگ کافروں کی طرف سے دیئے گئے عذاب پر صبر نہیں کرتے بلکہ جزع فزع کرتے ہیں اور اسلام چھوڑ دیتے ہیں جس طرح کہ مسلمان اللہ کے عذاب آخرت کے خوف سے کفر و معصیت کو ترک کر دیتے ہیں۔ یہ قول سدی اور ابن زید کا ہے۔ یہ منافق کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ جب اس کو تھوڑی سی اذیت دی جاتی ہے تو وہ اسلام چھوڑ دیتا ہے اور کفر اختیار کر لیتا ہے۔

”ولئن جاء نصرٌ من ربك“ جب مسلمانوں کو فتح اور مال غنیمت حاصل ہوتا ہے۔ ”ليقولن“ تو اس وقت یہ منافق کہتا ہے کہ ہم مؤمنین ہیں۔ ”انا كنا معكم“ تمہارے دشمن کے مقابلے میں ہم تمہارے ساتھ ہیں اور ہم یکے مسلمان ہیں۔

”وليس الله بأعلم بما في صدور العالمين“ ایمان اور نفاق سے۔

⑪ ”وليعلمن الله الدين آمنوا“ انہوں نے تصدیق کی اور اسلام پر ثابت قدم رہے مصیبت کے وقت۔ ”وليعلمن المنافقين“ اور منافقین کو بھی جانتے ہیں۔ جنہوں نے مصیبت کے وقت اسلام کو ترک کر دیا۔ اس آیت کے نزول کے بارے میں اختلاف ہے کہ مجاہد نے کہا کہ کفار مکہ نے یہ بات کہی تھی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس آیت کا نزول ان لوگوں کے متعلق ہوا کہ جو زبان سے ایمان لائے لیکن جب ان کو مصیبت پہنچی تو وہ اسلام سے پھر گئے۔

عکرمہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ مکہ کے کچھ لوگ تو مسلمان ہو گئے تھے مگر وہ اپنے ایمان پوشیدہ رکھتے تھے، بدر کی لڑائی میں مشرک ان کو اپنے ساتھ لے گئے، ان میں سے کوئی مارا گیا تو مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یہ لوگ تو مسلمان تھے، مجبوراً ناگواری کی حالت میں مشرکوں کے ساتھ آئے جو لوگ مارے گئے ان کے لیے دُعاے مغفرت کر دیجئے۔ اس پر سورۃ نساء کی آیت ”ان الذين توفهم الملائكة ظالمي انفسهم الاية“ آخر تک نازل ہوئی۔

قنادہ کا بیان ہے کہ یہ سورۃ ان مؤمنین کے حق میں نازل ہوئی جو مکہ سے ہجرت کر کے آ رہے تھے، انہیں مشرکین نے واپس مکہ لوٹنے پر مجبور کیا۔ شععی کا بیان ہے کہ آغا ز سورت سے یہاں تک دس آیات مدنی ہیں اور اس سے آگے اخیر سورت تک ساری آیات مکی ہیں۔

⑫ ”وقال الذين كفروا للذين آمنوا اتبعوا سبيلنا“ مجاہد کا قول ہے کہ کفار مکہ نے یہ بات کہی تھی جو لوگ ایمان لائے تھے ان کو۔ کلبی اور مقاتل کا بیان ہے کہ ابوسفیان نے مومنوں سے کہا تھا کہ ہمارے دین پر اور ہمارے باپ دادا کے دین پر چلو، کفر کو اختیار کرنے کی جرأت پیدا کرنے کے لیے انہوں نے ایسا کہا تھا۔ ”ولنحمل خطياكم“ تمہارا بوجھ بھی اپنے اوپر ڈال دیں گے۔

فراء نے کہا کہ ”ولنحمل“ لفظ کے اعتبار سے امر کا صیغہ ہے لیکن معنی کے لحاظ سے جزاء ہے یعنی اگر ہماری راہ پر چلو گے تو ہم تمہارے گناہ اپنے اوپر اٹھالیں گے۔ دوسری آیت میں بھی اسی طرح آیا ہے۔ فرمایا ہے ”لليلقه اليم بالساحل“ پھر دریا

کو چاہیے کہ اس کو ساحل پر پھینک دے یعنی دریا اس کی لاش کو ساحل پر پھینک دے گا۔ بعض نے کہا کہ یہ امر مجرہم ہے، گویا کہ انہوں نے اپنے آپ کو حکم دیا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب کی۔ ”وما ہم بحاملین من خطایاہم من شیء انہم لکاذبون“ یعنی جو اپنے گناہوں کے ساتھ ساتھ دوسرے کے گناہوں کو اٹھانے کی خبر دے رہے ہیں۔ یہ جھوٹ کہہ رہے ہیں۔

وَلِيَحْمِلُنَّ أَثْقَالَهُمْ وَانْقَالَا مَعَ أَثْقَالِهِمْ وَلَيَسْئَلُنَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَمَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۱۳﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا

نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَلَبِثَ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ عَامًا فَأَخَذَهُمُ الطُّوفَانُ وَهُمْ ظَالِمُونَ ﴿۱۴﴾

فَأَنْجَيْنَاهُ وَأَصْحَابَ السَّفِينَةِ وَجَعَلْنَاهَا آيَةً لِلْعَالَمِينَ ﴿۱۵﴾ وَإِبْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاتَّقُوهُ ۖ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۱۶﴾ إِنَّمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ أَوْثَانًا وَتَخْلُقُونَ إِلَهًا إِنَّا أَلَيْنَ

تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوا عِنْدَ اللَّهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوهُ وَاشْكُرُوا لَهٗ ۖ إِلَهِهُ

تُرْجَعُونَ ﴿۱۷﴾ وَإِن تَكذَّبُوا لَقَدْ كَذَّبَ أُمَمٌ مِّن قَبْلِكُمْ ۖ وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلْغُ الْمُبِينُ ﴿۱۸﴾

اور (البتہ یہ ہوگا کہ) یہ لوگ اپنے گناہ اپنے اوپر دے ہوں گے اور اپنے (ان) گناہوں کے ساتھ (عی) کچھ

گناہ اور (بھی لادے ہوں گے) اور یہ لوگ جیسی جیسی جھوٹی باتیں بتاتے تھے قیامت میں ان سے باز پرس (اور پھر

سزا) ضرور ہوگی اور ہم نے نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کی طرف (پیغمبر بنا کر) بھیجا سو وہ ان میں پچاس سال کم

ایک ہزار برس رہے اور قوم کو سمجھاتے رہے (پھر جب اس پر بھی وہ باز نہ آئے تو) ان کو طوفان نے آدبایا اور وہ بڑے

ظالم لوگ تھے پھر (اس طوفان آنے کے بعد) ہم نے ان کو اور کشتی والوں کو (اس طوفان سے) بچالیا اور ہم نے اس

واقعہ کو تمام جہان والوں کے لئے موجب عبرت بنایا اور ہم نے ابراہیم کو (پیغمبر بنا کر) بھیجا جبکہ انہوں نے اپنی قوم

سے (جو کہ بت پرست تھے) فرمایا کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اسی سے ڈرو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم کچھ سمجھ رکھتے

ہو تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر محض بتوں کو پوج رہے ہو اور (اس کے متعلق) جھوٹی باتیں تراشتے ہو تم خدا کو چھوڑ کر جن کو پوج

رہے ہو وہ تم کو کچھ بھی رزق دینے کا اختیار نہیں رکھتے سو تم لوگ رزق خدا کے پاس سے تلاش کرو اور اسی کی عبادت کرو

اور اسی کا شکر کرو اور تم سب کو اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے اور اگر تم لوگ مجھ کو جھوٹا سمجھو تو (میرا کچھ نقصان نہیں کیونکہ)

تم سے پہلے بھی بہت سی امتیں (اپنے پیغمبروں کو) جھوٹا سمجھ چکی ہیں اور پیغمبروں کا کچھ بھی نقصان نہیں ہوا جب اس کی یہ

ہے کہ پیغمبروں کے ذمہ تو صرف (بات کا) صاف صاف طور پر پہنچا دینا ہے۔

﴿۱۳﴾ ”وَلِيَحْمِلُنَّ أَثْقَالَهُمْ“ یعنی دوسروں کو گمراہ کرنے کا بار گمراہ ہونے والوں کا بار ہلکانہ ہو سکے

گا۔ ”وَانْقَالَا مَعَ أَثْقَالِهِمْ“ یعنی وہ بوجھ جو دوسروں کا گمراہ کرنے کا تھا اور ان کو سیدھے راستے سے روکا، ساتھ ان کے

بوجھوں کے اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا فرمان ”لِيَحْمِلُوا أَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمِنْ أَوْزَارِ الَّذِينَ يُضِلُّونَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ“..... ”وليسئلن يوم القيامة عما كانوا يفترون“ یہ سوال بطور توخیخ اور تفریح کے لیے ہے۔

14 ”ولقد ارسلنا نوحًا الى قومه فلبث فيهم ألف سنة الا خمسين عامًا فاخلمهم الطوفان“ طوفان نے ان کو غرق کر ڈالا۔ ”وهم ظالمون“ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کا ترجمہ مشرکوں سے کیا ہے کہ وہ مشرک تھے۔

15 ”فانجيناہ و اصحاب السفينة“ غرق ہونے سے اصحاب سفینہ کو بچالیا۔ ”وجعلناہا“ اور ہم نے بنایا اس کشتی کو ”ایۃ“ عبرت کے لیے نشانی ”للعالمین“ تمام جہانوں کے لیے، وہ کشتی دراز مدت تک جو دی پہاڑ پر ٹھہری رہی اور بعض نے کہا کہ کشتی کو غرق ہونے والوں کے لیے عبرت کا نشان بنائے رکھا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ چالیس سال کی عمر میں حضرت نوح علیہ السلام کو نبوت ملی، پھر ساڑھے نو سو برس قوم کو ہدایت کرتے رہے اور طوفان کے بعد ساٹھ برس زندہ رہے۔ جب لوگوں کی تسلیں بڑھ گئیں اور پھیل گئیں اور آپ کی عمر ایک ہزار پچاس سال کی ہو گئی تو آپ کی وفات ہو گئی۔

16 ”و ابراهيم“ پھر ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔ ”اذ قال لقومه اعبدوا اللہ واتقوه“ اس کی اطاعت کرو اور اس سے ڈرو۔ ”ذکم خیر لکم ان کتم تعلمون“

17 ”انما تعبدون من دون اللہ اوثانًا“ اس سے مراد بت ہیں۔ ”وتخلقون الہکا“ اور تم لوگ جھوٹ گھڑتے ہو۔ مقاتل کا بیان ہے کہ وہ بتوں کو اپنے ہاتھوں سے تراشتے تھے، پھر ان کو اپنے الہ کہلاتے تھے۔ ”ان الذین تعبدون من دون اللہ لایملکون لکم رزقًا“ وہ اس بات پر قادر نہیں کہ وہ تمہیں رزق دیں۔ ”فابتغوا“ پس تم طلب کرو۔ ”عند اللہ الرزق واعبدوه واشکروا لہ الیہ ترجعون“

18 ”وان تکذبوا فقد کذب امم من قبلکم“ جیسے قوم عاد، قوم ثمود وغیرہ نے انبیاء کو جھٹلایا اور پھر ان قوموں کو ہلاک کر دیا گیا۔ ”وما علی الرسول الا البلاغ المبین“

أَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللَّهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ ۚ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ۝ قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ بَدَأَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللَّهُ يُنشِئُ النَّشْأَةَ الْآخِرَةَ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ يُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ وَيَرْحَمُ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَإِلَيْهِ تُقْلَبُونَ ۝ وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ۝ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَلِقَائِهِ أُولَٰئِكَ يَسْأَوْنَ مِنْ رَحْمَتِي وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا اقْتُلُوهُ أَوْ حَرِّقُوهُ فَأَنْجَاهُ اللَّهُ مِنَ النَّارِ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝

﴿عَنْكَبُوْتِ﴾ کیا ان لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کس طرح مخلوق کو اول بار پیدا کرتا ہے (کہ عدم محض سے وجود میں لاتا ہے) پھر وہی دوبارہ اس کو پیدا کر دے گا یہ اللہ کے نزدیک بہت ہی آسان ہے آپ (ان لوگوں سے) کہئے کہ تم لوگ ملک میں چلو پھرو اور دیکھو خدا تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو کس طور پر اول بار پیدا کیا ہے پھر اللہ پچھلی بار بھی پیدا کرے گا بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے جس کو چاہے عذاب دے گا (یعنی جو اس کا مستحق ہوگا) اور جس پر چاہے رحمت فرما دے گا (یعنی جو اس کا اہل ہوگا) اور تم سب اسی کے پاس لوٹ کر جاؤ گے اور تم نہ زمین میں (چھپ کر خدا کو) ہرا سکتے ہو اور نہ آسمان میں (اڑ کر) اور خدا کے سوا نہ تمہارا کوئی کارساز ہے اور نہ کوئی مددگار اور جو لوگ خدا تعالیٰ کی آیتوں کے اور (بالخصوص) اس کے سامنے جانے کے منکر ہیں وہ لوگ (قیامت میں) میری رحمت سے ناامید ہوں گے اور یہی ہیں جن کو عذاب دردناک ہوگا سو (ابراہیم کی اس تقریر دلپذیر کے بعد) ان کی قوم کا (آخری) جواب بس یہ تھا کہ (آپس میں) کہنے لگے کہ ان کو یا تو قتل کر ڈالو یا ان کو جلا دو (چنانچہ جلانے کا سامان کیا) سو اللہ نے ان کو اس آگ سے بچالیا بیشک اس واقعہ میں ان لوگوں کے لئے جو کہ ایمان رکھتے ہیں کئی نشانیاں ہیں۔

**تفسیر** ﴿19﴾ "اولم یروا کیف یدعی اللہ الخلق" کیسے اللہ رب العزت نے انسان کی تخلیق ابتداء سے کی۔ شروع میں وہ نطفہ کی شکل، پھر لوتھڑا، پھر گوشت کا ٹکڑا۔ "تم یہ عیدہ" پھر آخرت میں دوبارہ اس کو زندہ کیا جائے گا۔ "ان ذلک علی اللہ یسیر" ﴿20﴾ "قل سیروا فی الارض فانظروا کیف بدأ الخلق" ان کے گھروں اور ان کے مکانات کو دیکھو اور دیکھو کہ اللہ نے ان کو کیسا پیدا کیا۔ "ثم اللہ ینشی النشأة الاخرة" پھر وہ ذات ان کو آخرت میں دوبارہ زندہ کرے گی موت کے بعد۔ جیسا کہ اللہ کو پہلی مرتبہ پیدا کرنا محذو نہیں تھا تو اسی طرح دوبارہ پیدا کرنا بھی محذو نہیں ہوگا۔ یہ قرأت ابن کثیر، ابو عمرو کی ہے۔ "النشأة" شین کے فتح اور مد کے ساتھ اور دوسرے قرآن نے شین کے سکون کے ساتھ۔ اس کی مثال "الرافة والرافة" ہے۔ "ان اللہ علی کل شیء قلیر"

﴿21﴾ "یعذب من یشاء ویرحم من یشاء والیہ تقلبون" اور اس کی طرف لوٹ کر جاتا ہے۔

﴿22﴾ "وما انتم بمعجزین فی الارض ولا فی السماء"

سوال:- کیا جائے کہ آیت میں فی الارض کی قید تو درست ہے لیکن فی السماء کی قید درست نہیں کیونکہ خطاب تو صرف آدمیوں کو ہے اور آدمیوں کا ٹھکانا زمین ہے نہ کہ آسمان؟

جواب: فراء نے اس کا یہ جواب دیا کہ "ولا فی السماء" کا معنی ہے "ولا من فی السماء" یعنی اللہ کے ان ملائکہ کو بھی عاجز نہیں بنا سکتے جو آسمان میں ہیں۔ جیسا کہ حسان بن ثابت کا شعر ہے:

فمن یرجو رسول اللہ منکم ویرمدہ وینصرہ سوائے

تم میں سے جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھوکریں اور وہ لوگ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح اور مدد

کریں، دونوں فریق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے برابر ہیں۔

مراد اس سے وہ شخص جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کرے اور وہ شخص جو بھوکے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ معنی یہ ہوا کہ جو زمین والے زمین والوں کو عاجز نہیں کر سکتے تو وہ آسمان والوں کو بھی عاجز نہیں کر سکتے۔

قطرب نے اس کا مطلب یہ بیان کیا کہ تم اہل زمین والوں کو عاجز نہیں کر سکتے اور آسمان والوں کو بھی عاجز نہیں کر سکتے۔ اگر تم آسمان میں رہنے والوں میں سے ہو۔ ”وَمَالِكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ“ نہ تو ان کا کوئی مددگار ہوگا جو ان کو مجھ سے روکے اور نہ ہی کوئی مددگار ہوگا جو میرے عذاب سے ان کی مدد کرے۔

23 ”وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَلِقَائِهِ“ اللہ کی آیات سے مراد قرآن پاک اور قیامت کے دن دوبارہ جی اٹھنے پر یقین۔ ”وَلَنْكَ يَنْسُوا مِنْ رَحْمَتِي“ رحمت سے مراد جنت ہے۔ ”وَأُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ“ یہ تمام آیات اہل مکہ کے تذکرہ پر ہیں اور ان کو ڈرانے کے لئے ہیں۔ یہ جملہ مترضہ ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کلام کے درمیان ذکر کر دیا گیا اور اس کے بعد پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ کی طرف رجوع کیا۔ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

24 ”لَمَّا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ الْأَنْ قَالُوا ائْتِنَا قُلُوبَهُمْ أَوْ حُرُوفَهُ فَانجَاهُ اللَّهُ مِنَ النَّارِ“ اور ہم نے اس آگ کو آپ پر ٹھنڈی اور سلامت والی بنا دی۔ ”إِنَّ فِي ذَلِكَ لآيَاتٍ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ“

وَقَالَ إِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَوْلِيَانَا مَوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا. ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا. وَمَأْوَاكُمُ النَّارُ وَمَالِكُمْ مِنْ نَصْرِينَ 25 فَاَمَنْ لَهُ لُوطًا 26 وَقَالَ إِنِّي مُهَاجِرٌ إِلَى رَبِّي إِنَّهُ هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ 27 وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ وَآتَيْنَاهُ أَجْرَهُ فِي الدُّنْيَا وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ 28 وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ إِنَّكُمْ لَأنتُونَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِنَ الْعَالَمِينَ 29 إِنَّكُمْ لَأنتُونَ الرِّجَالَ وَتَقَاطِعُونَ السَّبِيلَ وَتَأْتُونَ فِي نَادِيكُمُ الْمُنْكَرَ 30 فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللَّهِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ 31

30 اور ابراہیم (علیہ السلام) نے (وعظ میں یہ بھی) فرمایا کہ تم نے جو خدا کو چھوڑ کر بتوں کو (معبود) تجویز کر رکھا ہے بس یہ تمہارے باہمی دنیا کے تعلقات کی وجہ سے ہے پھر قیامت میں (تمہارا یہ حال ہوگا کہ) تم میں ایک دوسرے کا مخالف ہو جاوے گا اور ایک دوسرے پر لعنت کرے گا اور (اگر تم اس بت پرستی سے باز نہ آئے تو) تمہارا ٹھکانا دوزخ ہوگا اور تمہارا کوئی حمایتی نہ ہوگا سو (اتنے وعظ دلپذیر کو بھی ان کی قوم نے نہ مانا اور) صرف لوط (علیہ



السلام) نے ان کی تصدیق فرمائی اور ابراہیم نے فرمایا کہ میں اپنے پروردگار کی (بتلائی ہوئی جگہ کی) طرف ترک وطن کر کے چلا جاؤں گا بیشک وہ زبردست حکمت والا ہے اور ہم نے (ہجرت کے بعد) ان کو اسحاق (بیٹا) اور یعقوب (پوتا) عنایت فرمایا اور ہم نے ان کی نسل میں نبوت اور کتاب (کے سلسلہ) کو قائم رکھا اور ہم نے ان کا صلہ ان کو دنیا میں بھی دیا اور آخرت میں بھی (بڑے درجہ کے) نیک بندوں میں ہوں گے اور ہم نے لوط (علیہ السلام) کو پیغمبر بنا کر بھیجا جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم ایسی بے حیائی کا کام کرتے ہو کہ تم سے پہلے کسی نے دنیا جہان والوں میں نہیں کیا کیا تم مردوں سے فعل کرتے ہو (وہ بے حیائی کا کام یہی ہے) اور تم ڈاکے ڈالتے ہو اور (غضب یہ ہے کہ) اپنی بھری مجلس میں نامعقول حرکت کرتے ہو سو ان کی قوم کا (آخری) جواب بس یہ تھا کہ تم ہم پر اللہ کا عذاب لے آؤ اگر تم (اس بات میں) سچے ہو (کہ یہ افعال موجب عذاب ہیں)

**تفسیر** 25 "وقال" حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا "انما اتخذتم من دون الله اوثانا مودة بينكم" ابن کثیر اور کسائی نے ابو عمرو و یعقوب نے "مودۃ" رفع کے ساتھ بغیر تنوین کے پڑھا ہے۔ "بینکم" اضافت کے ساتھ۔ معنی یہ ہوگا کہ جن لوگوں نے بتوں کو اپنا معبود بنا رکھا ہے دنیاوی فائدے کے لیے۔ "فی الحیوة الدنیا" پھر یہ فائدے دنیا میں ختم ہو جائیں گے۔ آخرت میں کچھ فائدہ نہیں دیں گے۔

حزہ اور حفص نے "مودۃ" نصب کے ساتھ پڑھا ہے بغیر تنوین کے اضافت کی وجہ سے۔ دوسرے قراء نے منصوب تنوین کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس آیت کا معنی یہ ہوگا کہ انہوں نے اپنے بتوں کو دنیاوی زندگی کی عیش و عشرت کے لیے معبود بنا رکھا ہے ان پر عبادت کرنے کے لیے بار بار لوٹتے ہیں اور دنیا میں ان سے فوائد کی امید رکھتے ہیں۔ "ثم یوم القیامة یکفر بعضکم ببعض ویلعن بعضکم بعضاً" اس دن یہ بتوں کی عبادت کرنے سے برأت اختیار کر لیں گے اور باہم ایک دوسرے کی اتباع کے منکر ہو جائیں گے اور ہر ایک دوسرے پر لعنت بھیجے گا۔ "وماواکم" ان سب کا ٹھکانا یعنی عبادت کرنے والوں کا اور معبودوں کا۔ "النار وما لکم من ناصرین"

26 "فامن له لوط" حضرت لوط علیہ السلام نے ان کی تصدیق کی اور ان پر ایمان لے آئے۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھائی ہاران کے بیٹے تھے۔ "وقال" اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا "انی مہاجر الی ربی" یعنی اللہ نے مجھے جہاں چلے جانے کا حکم دیا وہاں چلا جاؤں گا۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کوئی علاقہ کوفہ سے حران کی طرف ہجرت کی، پھر حران سے شام کو چلے گئے۔ حضرت لوط علیہ السلام اور آپ کی بیوی حضرت سارہ دونوں آپ کے ساتھ تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پہلے ہی وہ شخص تھے جنہوں نے اپنے آبائی گاؤں سے ہجرت کی۔ مقاتل کا بیان ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہجرت کی تو اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر کمتر (۷۵) سال تھی۔ "انہ هو العزیز الحکیم"

27 "ووهبنا له اسحاق و یعقوب وجعلنا فی ذریئہ النبوة والکتاب" کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی بھی نبی ایسا نہیں

جو ابراہیم علیہ السلام کے بعد انہی کی نسل میں سے نہ ہو۔ ”وَاتِيْنَاهُ اُجْرَهُ لِي الدنْيَا“ وہ ہے اچھی تعریف۔ اس وجہ سے ہرادیان والے اپنے دین کو دین ابراہیمی سے موسوم کرتے ہیں۔ سدی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس سے مراد نیک اولاد ہے۔ بعض نے کہا کہ انہوں نے دُنْیَا میں اپنا مکان جنت کے اندر دیکھ لیا تھا۔ ”وانه لفي الاخرة لمن الصالحين“ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا شمار اہل صلاح میں سے ہوگا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ ان کا شمار ہوگا۔

28) ”ولو طأ اذ قال لقومه انكم“ ابو عمرو، حمزہ اور کسائی اور ابو بکر نے ”انکم“ استفہام کے ساتھ پڑھا ہے۔ دوسرے قراء نے بغیر استفہام کے پڑھا ہے۔ انہوں نے دوسرے استفہام پر قیاس کیا۔ ”لتاتون الفاحشة“ فاحشہ سے مراد مردوں کے پاس آنا برائی کے لیے۔ ”ما سبقکم بها من احد من العالمين“

29) ”انکم لتاتون الرجال ونقطعون السبيل“ یہ اس وجہ سے کہ جو شخص بھی ان کے راستے سے گزرتا مسافرین میں سے۔ پھر لوگوں نے وہاں سے گزرتا ترک کر دیا۔ بعض نے کہا کہ ”نقطعون“ سے مراد نسل کا قطع کرنا ہے کہ جب عورتوں کے پاس آنے کے بجائے مردوں کے پاس آئیں گے تو تو اللہ تعالیٰ نہیں ہوگا؟ تو نسل قطع ہو جائے گی۔ ”وتاتون لفي نادیکم المنکر“ النادی والندی والمنتدی اس مجلس کو کہتے ہیں جس میں اہل مجلس موجود ہوں۔

ابوصالح نے اُم ہانی کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت اُم ہانی نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آیت ”وتاتون لفي نادیکم المنکر“ کے متعلق دریافت فرمایا اور عرض کیا کہ وہ بری بات کوئی تھی جو قوم لوط والے اپنی مجلسوں میں کرتے تھے۔ فرمایا وہ لوگ آنے جانے والوں کے غلے مارتے اور ان کا مذاق بناتے تھے۔ روایت میں آتا ہے کہ قوم لوط والے اپنی مجلسوں میں بیٹھے ہوئے ہر شخص کے پاس ایک پیالے میں کچھ پھریاں ہوتی تھیں، کوئی مسافر ادھر سے گزرتا تو وہ آپس میں کہتے تھے۔ لو چنانچہ ہر شخص مسافر کو نشانہ بنا کر کنکری مارتا تھا جس کی کنکری مسافر کو لگ جاتی وہی مسافر کا مستحق قرار پاتا تھا۔ پہلے اس کا سب سامان چھین لیتا، پھر اس کے ساتھ بد فعلی کرتا تھا اور تین درہم اس کو دے کر چلتا کر دیتا تھا، اس کا سر براہ تین درہم دینے کا فیصلہ کرتا تھا۔

قاسم بن محمد نے کہا وہ جلسوں میں بیٹھ کر آواز کے ساتھ ریاح خارج کرتے تھے۔ حضرت عبد اللہ بن سلام نے فرمایا ایک دوسرے پر تھوکتے تھے۔ کھول کا بیان ہے قوم لوط کی بری حرکتوں میں سے یہ باتیں بھی تھیں کہ وہ عکک چباتے، مہندی سے انگلیاں رنگتے، لنگیاں کھول دیتے تھے، بیٹیاں بجاتے، کنکریاں مارتے اور بد فعلیاں کرتے تھے۔ ”فما کان جواب قومہ“ جب حضرت لوط علیہ السلام کے منع کرنے کے باوجود ان بری حرکتوں سے نہ رکے۔ ”لا ان قالوا“ تو وہ بطور استہزاء یہ کہنے لگے ”انتا بعداب اللہ ان کنت من الصادقین“ کہ ہم پر عذاب نازل کر اگر تو اپنی نبوت میں سچا ہے۔

قَالَ رَبِّ انصُرْنِي عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِينَ 29) وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا اِبْرٰهِيْمَ بِالْبَشْرٰى قَالُوْا اِنَّا مُهْلِكُوْا اَهْلَ الْاَرْضِ الْاَقْرَبِۃِۙ اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ 30) قَالَ اِنَّ فِيْهَا لَوْطٰٓءًا قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا.

لَنْجِيَنَّهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ ۗ كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ ﴿۳۰﴾ وَلَمَّا أَنْ جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِيءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَقَالُوا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ إِنَّا مُنْجِيُكَ وَأَهْلِكَ إِلَّا امْرَأَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ ﴿۳۱﴾

﴿۳۰﴾ لوط (علیہ السلام) نے دعا کی کہ اے میرے رب مجھ کو ان مفسد لوگوں پر غالب (اور ان کو عذاب سے ہلاک) کر دے اور ہمارے (وہ) بھیجے ہوئے فرشتے جب ابراہیم (علیہ السلام) کے پاس بشارت لے کر پہنچے تو (ایشاء گفتگو میں) ان فرشتوں نے (ابراہیم سے) کہا کہ ہم اس بستی والوں کو ہلاک کرنے والے ہیں (کیونکہ) وہاں کے باشندے بڑے شریر ہیں ابراہیم نے فرمایا کہ وہاں تو لوط (علیہ السلام) بھی موجود ہیں فرشتوں نے کہا کہ جو جو وہاں (رہتے) ہیں ہم کو سب معلوم ہیں ہم ان کو اور ان کے خاص متعلقین کو بچالیں گے بجز ان کی بی بی کے کہ وہ عذاب میں رہ جانے والوں میں سے ہوگی۔ (یہ گفتگو ابراہیم سے ہوئی) اور (پھر وہاں سے فارغ ہو کر) جب ہمارے فرستادے لوط کے پاس پہنچے تو لوط (علیہ السلام) ان (کے آنے) کی وجہ سے مغموم ہوئے اور ان کے سبب متکدل ہوئے اور (فرشتوں نے جو یہ حال دیکھا تو) وہ فرشتے کہنے لگے (کسی بات کا) آپ اندیشہ نہ کریں اور نہ مغموم ہوں ہم آپ کو اور آپ کے خاص متعلقین کو بچالیں گے بجز آپ کی بی بی کے کہ وہ عذاب میں رہ جانے والوں میں ہوگی۔

﴿تفسیر﴾ ﴿۳۰﴾ ”قال“ حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو کہا ”رب انصرنی علی القوم المفسدین“ ان پر عذاب کا آنا یہ اس کے مستحق ہیں۔ ﴿۳۱﴾ ”ولما جاءت رسلنا ابراهیم بالبشری“ جب اللہ کی طرف سے ان کو خوشخبری دینے والے فرشتے آئے اور ان کو اسحاق و یعقوب علیہما السلام کی خوشخبری دی۔ ”قالوا انا مهلكوا اهل هذه القرية قوم لوط اور قریہ سدوم کو ہلاک کرنے کے لیے آئے ہیں۔“ ان اهلها كانوا ظالمین“

﴿۳۲﴾ ”قال“ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں سے کہا ”ان فیہا لوطا لالوا“ فرشتوں نے جواب دیا۔ ”نحن اعلم بمن فیہا لننجینہ“ حمزہ، کسائی، یعقوب نے اس کو تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے اس کو تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ ”واہلہ الا امراتہ کانت من الغابریں“ یہ لوگ عذاب سے بچ کر رہنے والے ہوں گے۔

﴿۳۳﴾ ”ولما جاءت رسلنا لوطا“ انہوں نے یہ گمان کیا کہ یہ انسان ہیں۔ ”سیء بہم“ ان کو دیکھ کر غمگین ہوئے۔ ”وضاق بہم“ اور ان کے آنے کی وجہ سے ان کے دل میں گھٹن محسوس ہوئی (کہ ان کو کوئی تکلیف نہ پہنچا دے)۔ ”ذرعا وقالوا لا تخف“ اپنی قوم سے ہمارے بارے میں خوف نہ کھائیے۔ ”ولا تحزن“ اور ہمارا ان کو ہلاک کر دینا تمہیں غمگین نہ کرے۔ ”انا منجوک و اہلک الا امراتک کانت من الغابریں“ ابن کثیر، حمزہ، کسائی، ابو بکر، یعقوب نے ”منجوک“ تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔

إِنَّا مُنْزِلُونَ عَلَىٰ أَهْلِ هَذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿۳۴﴾ وَلَقَدْ تَرَكْنَا

مِنْهَا آيَةٌ مِّنْ بَيِّنَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿۳۵﴾ وَاللّٰى مَدِيْنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَارْجُوا  
 الْيَوْمَ الْآخِرَ وَلَا تَعْتُوا فِى الْاَرْضِ مَفْسِدِيْنَ ﴿۳۶﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِى  
 دَارِهِمْ جثِيْمِيْنَ ﴿۳۷﴾ وَعَادًا وَّ قَوْمًا وَّ قَدْ تَبَيَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسْكِنِهِمْ وَزَيْنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ  
 اَعْمٰلَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَّكَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ ﴿۳۸﴾ وَقَارُوْنَ وَّ فِرْعَوْنَ وَهٰمَانَ وَّلَقَدْ  
 جَآءَهُمْ مُّوسٰى بِالْبَيِّنٰتِ فَاَسْتَكْبَرُوْا فِى الْاَرْضِ وَمَا كَانُوْا سٰبِقِيْنَ ﴿۳۹﴾ كَلَّا اَخَذْنَا بِذُنُبِهِ  
 فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حٰصِبًا وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذْتَهُ الصَّيْحَةُ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهٖ الْاَرْضَ  
 وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا. وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۴۰﴾

﴿تفسیر﴾ (اور آپ کو مع متعلقین اس سے بچا کر) ہم اس بستی کے (بقیہ) باشندوں پر ایک آسانی عذاب ان کی  
 بدکاریوں کی سزا میں نازل کرنے والے ہیں اور ہم نے اس بستی کے کچھ ظاہر نشان (اب تک) رہنے دیئے ہیں ان  
 لوگوں (کی عبرت) کے لئے جو عقل رکھتے ہیں اور مدین والوں کے پاس ہم نے ان (کی برادری) کے بھائی  
 شعیب (علیہ السلام) کو پیغمبر بنا کر بھیجا سو انہوں نے فرمایا کہ اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو (اور شرک چھوڑ دو)  
 اور قیامت سے ڈرو اور سر زمین میں فساد مت پھیلاؤ سو ان لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا پس زلزلہ نے ان کو آ پکڑا پھر وہ  
 اپنے گھروں میں اوندھے گر کر رہ گئے اور ہم نے عاد اور ثمود کو بھی (ان کے عناد و خلاف کی وجہ سے) ہلاک کیا اور یہ  
 ہلاک ہونا تم کو ان کے رہنے کے مقامات سے نظر آ رہا ہے (اور حالت ان کی یہ تھی کہ) شیطان نے ان کے اعمال  
 (بد) کو ان کی نظر میں مستحسن کر رکھا تھا اور (اس ذریعہ سے) ان کو راہ (حق) سے روک رکھا تھا اور وہ لوگ (ویسے)  
 ہشیار تھے اور ہم نے قارون اور فرعون اور ہامان کو بھی (ان کے کفر کے سبب) ہلاک کیا اور ان (تینوں) کے پاس  
 موسیٰ (علیہ السلام) کھلی دلیلیں (حق کی) لے کر آئے تھے پھر ان لوگوں نے زمین میں سرکشی کی اور (ہمارے عذاب  
 سے) بھاگ نہ سکے تو ہم نے ہر ایک کو اس کے گناہ کی سزا میں پکڑ لیا سو ان میں سے بعضوں پر تو ہم نے تند ہوا بھیجی  
 اور ان میں بعضوں کو ہولناک آواز نے آدبا یا اور ان میں بعض کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور ان میں بعضوں کو ہم  
 نے (پانی میں) ڈبو دیا اور اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا لیکن یہی لوگ (شرارتیں کر کے) اپنے اوپر ظلم کیا کرتے تھے

﴿تفسیر﴾ ﴿۳۵﴾ ”انا منزلون“ ابن عامر نے تشدید کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے تخفیف کے ساتھ پڑھا  
 ہے۔ ”علی اهل هذه القرية رجزا“ اس سے مراد عذاب ہے۔ ”من السماء“ مقال کا بیان ہے کہ اس سے  
 حسف اور نصب مراد ہے۔ ”بما كانوا يفسقون“

35 "ولقد تركنا منها" حضرت لوط علیہ السلام کی بستیوں میں سے۔ "ایة بینة" ظاہری عبرت "لقوم یعقلون" قرآن کی آیات کی تدبیر کرنے والی قوم وہی تدبیر کر سکتی ہے جو ذوی العقول میں سے ہو یعنی عقل و شعور والی ہو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک "آیة بینة" سے مراد ہے قوم لوط کی بستیوں کے ویران کھنڈر۔ قنادہ کا قول ہے کہ اس سے مراد وہ پتھر ہیں جو ان پر برسائے گئے تھے، اللہ نے وہ پتھر باقی رکھے، اس امت کے ابتدائی دور تک وہ پتھر موجود تھے اور اگلے لوگوں نے ان کو دیکھا تھا۔ مجاہد کا قول ہے کہ زمین کے اندر سے سیاہ پانی برآمد کرنا "آیة بینة" سے مراد ہے۔ بعض نے کہا کہ ان کے قصہ کی شہرت مراد ہے۔ یعنی ہم نے قوم لوط کی تباہی کے قصہ کو ایک نشانی کر کے چھوڑ دیا۔

36 "والی مدین اخاهم شعیباً" اور ہم نے مدین کی طرف ان کے بھائی حضرت شعیب علیہ السلام کو بھیجا۔ "فلقال یاقوم اعبدوا اللہ وارجوا الیوم الاخرة" اور آخرت کے دن سے، اللہ سے ڈرو۔ "ولا تعشوا فی الارض مفسدین" 37 "فکذبوه فاخذتهم الرجفة فأصبحوا فی دارهم جاثمین"

38 "وعاداً و ثمود" اور ہم نے قوم عاد اور قوم ثمود کو ہلاک کر دیا۔ "وقد تبین لکم" اے اہل مکہ ہم نے تمہارے لیے سب کچھ کھول کر بیان کر دیا۔ "من مساکنهم" ان کے کچھ مقامات سکونت یا یہ مطلب ہے کہ جب ان کے ویران مقامات کی طرف جاتے اور ادھر سے گزرتے ہو تو ان کے کھنڈروں سے تم پر ان کو تباہ ہو جانا واضح ہو جاتا ہے۔ "وزین لهم الشیطان أعمالهم فصدہم عن السبیل" سیدھے راستے سے۔ "وکانوا مستبصرین" مقاتل، قنادہ اور کلبی نے اس جملہ کی تشریح میں کہا کہ وہ لوگ اپنے مذہب کو اور حق سے گمراہ ہونے کو پسند کرتے تھے اور اپنے آپ کو راہ راست پر خیال کرتے تھے۔ اس تشریح کی بناء پر آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ اپنی نظر میں بڑے ہوشیار تھے۔ فراء نے مستبصر ہونے کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ وہ لوگ اہل دانش اور ہوش تھے بصیرت مند تھے، غور و فکر کر سکتے تھے لیکن انہوں نے غور و فکر سے کام نہیں لیا۔

39 "وقارون و فرعون و هامان" اور اسی طرح ہم نے ان سب کو ہلاک کر دیا۔ 40 "ولقد جاء ہم موسیٰ بالبینات" واضح دلیلیں دے کر "فاستکبروا فی الارض وما کانوا سابقین" وہ ہمارے عذاب سے بچ نہ سکے۔

41 "فکلاً اخذنا بدنہ فممنہم من ارسلنا علیہ حصباً" یہ قوم لوط تھی جن پر ہم نے پتھر برسائے۔ صاحب اس ہوا کو کہتے ہیں جس کے ساتھ چھوٹے چھوٹے پتھر بھی ہوں۔ "وممنہم من اخذتہ الصیحة" اس سے مراد ثمود ہے۔ "وممنہم من خسفنا بہ الارض" قارون اور اس کے دوست احباب "وممنہم من اغرقنا" قوم نوح فرعون اور اس کی قوم "وما کان اللہ لیظلمہم ولكن كانوا أنفسهم یظلمون"

مَثَلُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ أَوْلِيَاءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوتِ. اتَّخَذَتْ بَيْتًا وَإِنَّ أَوْهَنَ الْبُيُوتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوتِ مَ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ 41 إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُدْعُونَ مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ م

وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۴۲﴾ وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ لِنَاسٍ لِّمَّا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ ﴿۴۳﴾

خَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴿۴۴﴾

﴿تجملہ﴾ جن لوگوں نے خدا کے سوا اور کارساز تجویز کر رکھے ہیں ان لوگوں کی مثال مکزی کی سی مثال ہے جس نے ایک گھر بنایا اور کچھ شک نہیں کہ سب گھروں میں زیادہ بودا مکزی کا گھر ہوتا ہے اگر وہ (حقیقت حال کو) جانتے تو ایسا نہ کرتے اللہ تعالیٰ (تو) ان سب چیزوں (کی حقیقت اور ضعف) کو جانتا جس کو وہ لوگ خدا کے سوا پوج رہے ہیں (پس وہ چیزیں تو نہایت ضعیف ہیں) اور وہ (اللہ تعالیٰ) زبردست حکمت والا ہے اور ہم ان (قرآنی) مثالوں کو لوگوں کے (سمجھانے کے) لئے بیان کرتے ہیں اور ان مثالوں کو بس علم والے لوگ ہی سمجھتے ہیں اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو مناسب طور پر بنایا ہے ایمان والوں کے لئے اس میں (اس کے) استحقاق عبادت کی) بڑی دلیل ہے۔

﴿تفسیر﴾ ﴿۴۱﴾ ”مثل اللذین اتخذوا من دون اللہ اولیاء“ اس سے مراد بت ہیں کہ جو لوگ ان کی پرستش کرتے ہیں وہ انہی سے مدد اور نفع مانگیں گے۔ ”کمثل العنکبوت“

”انخذت بیتا“ اپنے لیے وہ جالا بناتی ہے تاکہ اس میں ٹھکانا اختیار کرے۔ بے شک اس کا گھر ضعیف اور کمزور ہوتا ہے وہ جالا نہ تو اس کو سردی سے بچاتا ہے اور نہ ہی گرمی سے۔ یہی مثال بتوں کی ہے کہ وہ اپنے عبادت گاروں کے نفع کے مالک ہیں اور نہ ہی نقصان کے مالک۔ ”وان اوھن البیوت لیبیت العنکبوت لو کانوا یعلمون“

﴿۴۲﴾ ”ان اللہ یعلم ما یدعون من دونہ من شیء وھو العزیز الحکیم“ قراء اہل بصرہ اور عاصم نے ان کو یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ مراد اس سے ما قبل کی اُمّتیں ہیں اور دوسرے قراء نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔

﴿۴۳﴾ ”وتلک الامثال“ اس سے مراد مشابہ ہے۔ مثل کہا جاتا ہے پورے کلام کو دوسرے کلام کے ساتھ تشبیہ دینا۔ قرآن پاک نے اس اُمّت کے کفار کے احوال کو ما قبل اُمّتوں کے کفار کے احوال کے ساتھ تشبیہ اور تمثیل بیان کی۔ ”نضربھا“ ہم ان کو بیان کریں گے ”للناس“ عطاء اور مقاتل کا بیان ہے کہ اس سے مراد کفار مکہ ہے ”وما یعقلھا الا العالمون“ ان امثال کو عقل والے ہی جانتے ہیں یعنی علماء۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی ”وتلک الامثال نضربھا للناس وما یعقلھا الا العالمون“ اور فرمایا عالم وہ ہے جس کو اللہ کی طرف سے سمجھ ملی ہو اور سمجھنے کے بعد وہ اللہ کی اطاعت کرے اور اس کی نافرمانی سے پرہیز کرے۔

﴿۴۴﴾ ”خلق اللہ السموات والارض بالحق“ حق کے لیے یا اظہار حق کے لیے۔ ”ان فی ذلک“ اس کے پیدا کرنے میں ”لایۃ“ نشانی ہے۔ ”للمؤمنین“ اس کی قدرت اور توحید پر۔



أَتْلُ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ ۚ إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ  
وَالْمُنْكَرِ ۚ وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُونَ ﴿۴۵﴾

جو کتاب آپ پر وحی کی گئی ہے آپ اس کو پڑھا کیجئے اور نماز کی پابندی رکھیے بیشک نماز (اپنی وضع کے اعتبار سے) بے حیائی اور ناشائستہ کاموں سے روک ٹوک کرتی رہتی ہے اور اللہ کی یاد بہت بڑی چیز ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کو جانتا ہے۔

## نماز بے حیائی اور برائی سے بچاتی ہے

تفسیر ﴿۴۵﴾ ”أتل ما اوحى اليك من الكتاب“ اس سے مراد قرآن مجید ہے۔ ”واقم الصلوة ان الصلوة تنهى عن الفحشاء والمنكر“ فحشاء وہ بُری بات جس کی برائی شرعاً اور عقلاً کھلی ہوئی ہو۔ بعض نے کہا کہ فحشاء وہ ہے جو اعمال میں قبیح ہو اور منکر وہ اعمال جن کو شریعت میں نہ پہچانا گیا ہو۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا نماز میں گناہوں سے بازداشت اور روک دینے کی طاقت ہے اس لیے جس کی نماز اس کو بھلائی کا حکم نندے اور بُری باتوں سے نہ روکے اس کی نماز اللہ سے دوری ہی پیدا کرتی ہے۔ حسن اور قادہ کا قول ہے کہ جس کی نماز اس کو فحشاء اور برائی سے نہ بچا سکے تو اس کی نماز اس پر وبال ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک انصاری جوان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پانچوں نمازیں پڑھتا تھا لیکن اس کے باوجود کوئی کھلا ہوا گناہ ایسا نہ تھا جس کا وہ ارتکاب نہ کرتا ہو۔ اس کی یہ حالت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی گئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی دن اس کی نماز اس کو ان گناہوں سے روک دے گی۔ چنانچہ کچھ ہی مدت کے بعد اس نے توبہ کرنی اور اس کی حالت ٹھیک ہو گئی۔

ابن عون نے اس کا معنی یہ بیان کیا ہے کہ نماز روتی ہے اس کے پڑھنے والے کو فحشاء اور منکر سے جب تک کہ وہ نماز میں مسلسل رہتا ہے۔ بعض نے کہا کہ اس ”صلوة“ سے مراد قرآن ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”ولا تجہروا بصلاحتکم“ اس سے مراد قرأت ہے اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد نماز میں قرآن کی قرأت کرنا ہے۔ قرآن اس کو برائی اور بے حیائی سے بچاتا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گزارش کی کہ ایک آدی رات میں قرآن پڑھتا ہے اور صبح کو چوری کرتا ہے۔ فرمایا عنقریب اس کا قرآن پڑھنا اس کو روک دے گا اور ایک روایت میں آیا ہے کہ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) فلاں شخص دن میں نماز پڑھتا ہے اور رات کو چوری کرتا ہے، فرمایا عنقریب نماز اس کو روک دیگی۔

## ذکر اللہ کے فضائل

”ولذکر اللہ اکبر“ اللہ کا ذکر تمام نیکیوں میں افضل ہے۔ حضرت ابو الدرداء سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

فرمایا، کیا میں تم کو ایسا عمل نہ بتاؤں جو تمہارے مالک کے نزدیک سارے اعمال سے بہتر اور پاکیزہ اور ہر عمل سے زیادہ اونچے درجے پر پہنچنے والا، سونے چاندی کو راہ خدا میں خرچ کرنے سے تمہارے لیے بہتر اور بھی تمہارے لیے افضل ہے جس میں دشمن کے مقابلے میں تم دشمنوں کی گردنیں مارو اور وہ تمہاری گردنیں ماریں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا، کیوں نہیں، فرمایا، اللہ کا ذکر۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ سے دریافت کیا گیا کہ کون سا بندہ سب سے افضل اور اللہ کے نزدیک اعلیٰ مرتبے والا ہے۔ فرمایا بکثرت یاد کرنے والے اور یاد کرنے والیاں۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! کیا مجاہد فی سبیل اللہ سے بھی افضل ہے؟ فرمایا اگر مجاہد اپنی تلوار سے کافروں کو اتنا مارے کہ تلوار ٹوٹ جائے اور خون سے رنگین ہو جائے تب بھی اللہ کی بکثرت یاد کرنے والے اس سے افضل درجے والے ہیں۔

ایک اعرابی سے مروی ہے، فرمایا اے اللہ کے رسول! کون سا عمل سب سے افضل ہے؟ فرمایا کہ تو دنیا سے جدا ہو اس حال میں کہ تیری زبان اللہ کے ذکر سے تر ہو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے راستے پر جا رہے تھے، ایک پہاڑ کی طرف سے گزرے۔ اس پہاڑ کا نام حمدان تھا۔ فرمایا چلے چلو، یہ حمدان ہے۔ اہل تفرید آگے بڑھ گئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، یا رسول اللہ! اہل تفرید سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: اللہ کا بکثرت ذکر کرنے والے اور ذکر کرنے والیاں۔

ابو اسحاق سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے الاغر سے سنا فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا اور ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے تو ارشاد فرمایا کہ کوئی قوم جو بیٹھتی ہے اور اللہ کا ذکر کرتی ہے تو ان کو فرشتوں کی جماعت ڈھانپ دیتی ہے اور ان پر رحمت اور سکینہ ڈال دی جاتی ہے اور ان لوگوں پر جو ان کے پاس اللہ کا ذکر کرتے ہیں اور بعض قوم نے کہا کہ ”ولذکر اللہ اکبر“ کا معنی یہ ہے کہ اللہ جو تمہارا ذکر کرتا ہے وہ اس ذکر سے زیادہ افضل ہے جو تم اس سے کرتے ہو۔ یہی قول ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے اور مجاہد، عکرمہ اور سعید بن جبیر رحمہم اللہ کا ہے۔

موسیٰ بن عقبہ حضرت نافع سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مرفوعاً تفسیر نقل کی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم خدا کی یاد میں کمی نہ کرو کیونکہ جب تم خدا کو یاد کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارا ذکر کرے گا اور اللہ جب تمہارا ذکر کرے تو اس کا درجہ تمہارے ذکر خدا کرنے سے بہت بڑا ہے۔ ”واللہ یعلم ما تصنعون“ عطاء کا قول ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اس سے کوئی چیز بھی پوشیدہ نہیں۔

وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ وَقُولُوا آمَنَّا بِالَّذِي أُنزِلَ إِلَيْنَا  
وَأَنْزَلَ إِلَيْنَا الْيَقِيْنُ وَالْهِنَا وَالْهَيْكُمُ وَاحِدٌ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿٤٦﴾ وَكَذَلِكَ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ  
فَالَّذِينَ آمَنُوا مِنْهُمْ كُفِرُوا بِهِ وَمَنْ هُوَ ظَالِمٌ لِنَفْسِهِ إِنَّ اللَّهَ يَجْعَلُ لِلَّذِينَ آمَنُوا مِنْهُمْ كُفْرًا بِآيَاتِهِ إِلَّا الْكَافِرُونَ ﴿٤٧﴾

﴿۱۷﴾ اور تم اہل کتاب کے ساتھ بجز مہذب طریقہ کے مباحثہ مت کرو ہاں جو ان میں زیادتی کریں اور یوں کہو کہ ہم اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو ہم پر نازل ہوئی اور ان کتابوں پر بھی جو تم پر نازل ہوئیں (اور یہ تم بھی تسلیم کرتے ہو کہ) ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہے اور ہم تو اس کی اطاعت کرتے ہیں اور اسی طرح ہم نے آپ پر یہ کتاب نازل فرمائی سو جن لوگوں کو ہم نے کتاب (کی نافع سمجھ) دی ہے وہ اس (آپ والی) کتاب پر ایمان لے آتے ہیں اور ان (اہل عرب مشرک) لوگوں میں بھی بعض ایسے (منصف) ہیں کہ اس کتاب پر ایمان لے آتے ہیں اور ہماری آیتوں سے بجز (ضدی) کافروں کے اور کوئی منکر نہیں ہوتا۔

﴿تفسیر﴾ 46 "ولا تجادلوا اهل الكتاب" یعنی نہ جھگڑو۔ "الا بالتی ہی احسن" قرآن اور آیات قرآنیہ کے ذریعہ سے اللہ کی طرف آنے کی دعوت دو اور قرآن کے پیش کردہ دلائل پر متغیبہ کرو۔ یہ حکم جزیہ کے نافذ ہونے سے پہلے کا ہے۔ "الا الذین ظلموا منہم" وہ جزیہ دینے سے انکار کر دیں تو ان سے لڑو، یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو جائیں یا ذلیل ہو کر جزیہ عطا کریں۔ مجازاً آیت یوں ہوگی "الا الذین ظلموکم" چونکہ یہ سب کفر کی وجہ سے ظالم ہیں۔

سعید بن جبیر نے کہا کہ اس سے مراد اہل حرب ہیں اور وہ لوگ جن کے ساتھ کوئی عہد وغیرہ نہیں ہوا۔ قتادہ اور مقاتل اس آیت کو منسوخ قرار دیتے ہیں۔ اس آیت سے "قاتلوا الذین لا یؤمنون باللہ"..... "وقولوا امنا باللذی انزل الینا وانزل الیکم" اگر ان میں سے کوئی ایک تمہیں اس بات کی خبر دے جو جزیہ سے پہلے تھی اور ان کی کتابوں میں موجود تھی پھر ان کے ساتھ اس معاملے میں جھگڑا مت کرو۔ یعنی نہ تو تم ان کی تصدیق کرو اور نہ ہی تکذیب کرو اور ان کو تم کہو کہ ہم اس پر ایمان لائے جو ہم پر نازل کی گئی اور جو تم پر نازل کی گئی۔

"والہنا والہکم واحد ونحن لہ مسلمون" حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اہل کتاب عبرانی زبان میں توریت پڑھتے تھے اور مسلمانوں کے سامنے اس کی تشریح عربی میں کرتے تھے۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم اہل کتاب کی تصدیق کرو نہ تکذیب اور کہو ہم ایمان لائے اس کتاب پر جو ہماری طرف اتاری گئی اور اس پر جو تمہاری طرف اتاری گئی۔ حضرت ابو سلمہ انصاری کا بیان ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک یہودی آیا اور اسی وقت ایک جنازہ بھی ادھر سے گزرا۔ یہودی نے کہا اے محمد! یہ میت کیا کلام کرتی ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مجھے معلوم نہیں۔ یہودی بولا یہ کلام کرتی ہے اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اہل کتاب اگر تم سے کچھ بیان کریں تو تم نہ ان کی تصدیق کرو نہ تکذیب اور کہو "امنا باللہ وکتبہ ورسلہ" اب اگر وہ بات صحیح ہے تو تم نے اس کی تکذیب نہیں کی اور اگر وہ بات غلط ہے تو تم نے اس کی تصدیق نہیں کی۔ (اس لیے مجرم نہیں ہو گے)

﴿۱۸﴾ "وکذلک" ایسے ہی آپ پر کتاب نازل کی جس طرح آپ سے پہلے کتابیں نازل کیں۔ "انزلنا الیک الكتاب فالذین اتیناہم الكتاب یؤمنون بہ" اس سے مراد مؤمن و اہل کتاب مراد ہیں۔ عبد اللہ بن سلام اور ان کے ساتھی۔ "ومن ہولاء"

یعنی مکہ والے ”من یؤمن بہ“ اس سے مراد مکہ کے مؤمنین ہیں۔ ”وما یجحد بایتنا الا الکافرون“ یہ اس وجہ سے کہ یہود اور اہل مکہ اس بات سے جان گئے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نبی برحق اور قرآن بھی حق ہے۔ پھر انہوں نے اس سے انکار کر دیا۔ قنادہ کا بیان ہے کہ خود کسی چیز کے پچھاننے کے بعد اس کا انکار کر دینا۔

وَمَا كُنْتُمْ تَقُولُوا مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكَ إِذَا لَارْتَابَ الْمُبْطِلُونَ ﴿۴۸﴾ بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ ۚ وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا الظَّالِمُونَ ﴿۴۹﴾ وَقَالُوا لَوْلَا أَنْزَلَ عَلَيْهِ آيَاتٌ مِّن رَّبِّهِ ۚ قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِنْدَ اللَّهِ ۚ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿۵۰﴾ أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَرَحْمَةً وَذِكْرَىٰ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۵۱﴾ قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ شَهِيدًا يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوا بِاللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ ﴿۵۲﴾ وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ ۚ وَلَوْلَا أَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَاءَهُمُ الْعَذَابُ ۚ وَلِيَأْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۵۳﴾

اور آپ اس کتاب سے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھے ہوئے تھے اور نہ کوئی کتاب اپنے ہاتھ سے لکھ سکتے تھے کہ ایسی حالت میں یہ ناحق شناس لوگ کچھ شبہ نکالتے بلکہ یہ کتاب خود بہت سی واضح دلیلیں ہیں ان لوگوں کے ذہن میں جن کو علم عطا ہوا ہے اور ہماری آیتوں سے بس ضدی لوگ انکار کئے جاتے ہیں اور یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ ان پر ان کے رب کے پاس سے نشانیاں کیوں نہیں نازل ہوئیں آپ یوں کہہ دیجئے کہ وہ نشانیاں تو خدا کے قبضہ میں ہیں اور میں تو صرف ایک صاف صاف ڈرانے والا ہوں کیا ان لوگوں کو یہ بات کافی نہیں ہوئی کہ ہم نے آپ پر یہ کتاب نازل فرمائی ہے جو ان کو سنائی جاتی رہتی ہے بلاشبہ اس کتاب میں ایمان لانے والے لوگوں کے لئے بڑی رحمت اور نصیحت ہے آپ یہ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے اس کو سب چیز کی خبر ہے جو آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے اور جو لوگ جھوٹی باتوں پر یقین رکھتے ہیں اور اللہ کے منکر ہیں تو وہ لوگ بڑے زیاں کار ہیں اور یہ لوگ آپ سے عذاب کا تقاضا کرتے ہیں اور اگر (علم الہی میں عذاب آنے کی) میعاد معین نہ ہوتی تو ان پر عذاب آچکا ہوتا اور وہ عذاب ان پر دفعہ آچپنے گا اور ان کو خبر بھی نہ ہوگی۔

تفسیر ﴿۴۸﴾ ”وما کنت تلتلوا“ اے محمد! ”من قبلہ من کتاب“ اس سے پہلے جو ان پر کتاب نازل فرمائی۔ ”ولا تخطہ بيمينک“ وہ اس کو نہیں لکھتے تھے اور اس وقت نہ پڑھتے تھے اور نہ ہی لکھتے تھے، وحی سے پہلے۔ ”اذا لارتاب المبتلون“ اگر آپ اس کو لکھو گے یا پڑھو گے وحی سے پہلے مشرکین اہل مکہ شک و شبہات میں پڑ جائیں گے اور وہ کہیں گے کہ یہ

تو قابل اُمتوں کے قصے کہانیاں ہیں ان کو منسوخ کر دیا گیا ہے۔ قتادہ نے یہی تفسیر بیان کی ہے کہ کافروں کو اہل باطل کفر سے یا شک میں پڑنے کی وجہ سے کہا گیا حالانکہ بکثرت معجزات کی کثرت کی موجودگی میں کفر میں یا شک میں پڑنے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔

مقاتل کا بیان ہے کہ مبطون سے مراد ہے اہل کتاب یعنی اہل کتاب چونکہ اپنی کتاب میں نبی آخر الزمان کی صفت امی پاتے ہیں اس لیے ان کو کوئی شک نہ تھا اس مطلب پر اہل کتاب کا مظل ہونا واقعی ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امی تھے اور ان کی کتابوں میں آخری نبی کا امی ہونا ہی لکھا ہے۔

49 "بل هو آیات بینات" حسن کا قول ہے کہ اس سے مراد آیات بینات ہیں۔ "فی صدور اللدین اوتوا العلم" مؤمنین جنہوں نے قرآن کو اُٹھایا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ کا بیان ہے "بل هو" یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور "اللدین اوتوا العلم" سے مراد ہیں اہل کتاب یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت انہی واضح علامات کی حامل ہے جو اہل کتاب کے سینوں میں محفوظ ہیں یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو اوصاف ان کی کتابوں میں مذکور ہیں اور اہل کتاب ان سے واقف ہیں وہ اوصاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت میں موجود ہیں۔ "وما یجحد بایاننا الا الظالمون"

50 "وقالوا لولا انزل علیہ ایة من ربہ" جیسا کہ ما قبل انبیاء پر ہم نے نشانیاں اُتاریں۔ یہ قرأت ابن کثیر، جزہ، کسائی، ابو بکر کے ہاں ہے، اللہ کی توحید پر ایک نشانی ہے۔ دوسرے قراء نے اس کا معنی بیان کیا کہ یہ سب رب کی طرف سے نشانی ہے۔ جیسا کہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے "قل انما الایات عند اللہ" اور وہ پیغمبروں کو رسول بنا کر بھیجنے پر قادر ہے جب وہ چاہے۔ "وانما انا نذیر مبین" اہل معصیت کو آگ سے ڈرایا اور یہ ڈرانا ان کے پاس نہیں۔

51 "اولم یکفہم" یہ ان کے اس کلام کا جواب ہے۔ "لولا انزل علیہ ایة من ربہ" تو فرمایا "اولم یکفہم انا انزلنا علیک الکتاب یتلى علیہم" کیا یہ آیات تمہارے لیے کافی نہیں کہ تمہارے سامنے اس کی تلاوت کی جاتی ہے۔ "ان فی ذلک" قرآن کے نازل کرنے میں "لرحمة و ذکرى لقوم یؤمنون" یہ نصیحت ہے اس شخص کے لیے جو ایمان لایا اور نیک عمل کیے۔

52 "قل کفی باللہ بینى و بینکم شہیذا" کہ یہ رسول خدا ہیں اور قرآن ان کی کتاب ہے۔ "یعلم ما فی السموات والارض واللدین امنوا بالباطل" ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ باطل سے مراد اللہ کے علاوہ پر ایمان لانا۔ قتادہ کا بیان ہے کہ شیطان کی عبادت کرنا "وکفروا باللہ اولئک ہم الخاسرون"

53 "ویستعجلونک بالعذاب" اس آیت کا نزول نضر بن حارث کے متعلق ہوا جب اس نے کہا تھا "اللہم ان کان هذا هو الحق من عندک فامطر علینا حجارة من السماء" اے خدا! اگر یہ تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر اوپر سے پتھروں کی بارش کر دے۔ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔

"ولولا اجل مسمى" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا مطلب یہ ہے کہ اگر آپ سے میرا وعدہ نہ ہوتا کہ آپ کی قوم کو عذاب نہیں دوں گا اور اس کی جزا نہیں اُکھاڑوں گا بلکہ قیامت تک کے لیے ان کے عذاب کو ملتوی رکھوں گا، تو

عذاب آچکتا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”بل الساعة موعدهم“ بلکہ قیامت کی گھڑی ان کے عذاب کے لیے مقرر ہے۔  
یعنی جب وہ مرجائیں گے تو عذاب میں مبتلا ہو جائیں گے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ اس سے مراد جنگ بدر ہے۔ ”لجاء  
ہم العذاب وليأتينهم“ اس سے مراد عذاب ہے۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد اجل ہے۔ ”بغثة وهم لا يشعرون“  
جب ان پر عذاب آئے گا تو یہ کچھ شعور نہیں رکھیں گے۔

يَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ ۚ وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ ۝۵۴ يَوْمَ يَغْشَاهُمْ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ  
تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ وَيَقُولُ ذُو قُرْآنٍ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝۵۵ يٰعِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ أَرْضِي وَاسِعَةٌ فَإِيَّايَ  
فَاعْبُدُونِ ۝۵۶ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَرْيَةِ ۚ ثُمَّ الْبِنَا تُرْجَعُونَ ۝۵۷ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ  
مِنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ أُولَٰئِكَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ ۝۵۸ أَلَيْسَ صَبْرًا وَعَلَى  
رَبِّهِمْ يَرْتَكِبُونَ ۝۵۹ وَكَانَ مِنْ ذَاتِهِ لَا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اللَّهُ يَرْزُقُهَا وَإِيَّاكُمْ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝۶۰

یہ لوگ آپ سے عذاب کا تقاضا کرتے ہیں اس میں کچھ ٹمک نہیں کہ جہنم ان کافروں کو گھیر لے گا جس دن  
کہ ان پر عذاب ان کے اوپر سے اور ان کے نیچے سے گھیر لے گا اور تن تعالیٰ فرماوے گا کہ جو کچھ کرتے رہے ہو  
(اب اس کا مزہ) چکھو اے میرے ایماندار بندو میری زمین فرانج ہے سو خالص میری ہی عبادت کرو ہر شخص کو موت کا  
مزہ چکھنا ہے پھر تم سب کو ہمارا پپاس آنا ہے اور جو لوگ ایمان لائے اور اچھے عمل کئے ہم ان کو جنت کے بالا خانوں  
میں جگہ دیں گے جن کے نیچے نہریں چلتی ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے کام کرنے والوں کا کیا اچھا اجر ہے  
جنہوں نے صبر کیا اور وہ اپنے رب پر توکل کیا کرتے تھے اور بہت سے جانور ایسے ہیں جو اپنی غذا اٹھا کر نہیں رکھتے  
اللہ ہی ان کو (مقدر) روزی پہنچاتا ہے اور تم کو بھی اور وہ سب کچھ سنتا ہے سب کچھ جانتا ہے۔

**تفسیر ۵۴** ”یستعجلونک بالعذاب“ دوبارہ اعادہ کرنا تاکید کے طور پر ہے۔ ”وان جہنم لمحیطة  
بالکافرین“ ان سب کو جمع کرنے والا ہے، ان میں سے کوئی ایک بھی باقی نہیں رہے گا جو اس میں داخل نہ ہو جائے۔  
۵۵ ”یوم یغشاهم“ جب ان کو عذاب پہنچ جائے گا۔ ”العذاب من فوقہم ومن تحت ارجلہم“ یعنی جب ان کو  
عذاب جہنم ڈھانپ لے گا۔ جیسا کہ اللہ رب العزت نے ان کے لیے فرمایا ”نہم من جہنم مہاد ومن فوقہم غواش“  
..... ”ویقول ذو قرآن“ نافع اور اہل کوفہ نے ”ویقول“ یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ جہنم کا داروغہ ان سے کہے گا چکھو جہنم کا عذاب  
اور دوسرے قراء نے (نقول) کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ جب بھی وہ کسی کام کا حکم کرتے ہیں تو اس کو اپنی طرف منسوب کر دیتے  
ہیں۔ ”ما کنتم تعملون“ بدلہ ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔

۵۶ ”یا عبادی الذین امنوا ان ارضی واسعة فایای فاعبدون“



## آیت کا شان نزول

مقاتل اور کلبی نے کہا اس آیت کا نزول ان کمزور مسلمانوں کے حق میں ہوا جو کمزوری کی وجہ سے مکہ میں رہ گئے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ مکہ کے اندر رہ کر اگر تم ایمان کا اظہار نہیں کر سکتے ہو تو وطن چھوڑ کر کسی دوسری جگہ چلے جاؤ جہاں آزادی کے ساتھ اظہار ایمان کر سکتے ہو جیسے مدینہ وغیرہ کیونکہ میری زمین تنگ نہیں ہے۔

مجاہد کا قول ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ میری زمین وسیع ہے ترک وطن کر کے چلے جاؤ اور وہاں پہنچ کر جہاد کرو۔

سعید بن جبیر نے کہا کہ جب کسی بستی میں گناہ کیے جاتے ہوں تو وہاں سے نکل جاؤ، میری زمین وسیع ہے۔

عطاء نے کہا کہ جب تم کو اپنی سرزمین میں گناہوں کا حکم دیا جاتا ہو تو وہاں سے بھاگ جاؤ، میری زمین وسیع ہے، اگر کسی ایسی بستی میں ہو جہاں گناہ کیے جاتے ہوں اور گناہوں سے بندش ممکن نہ ہو تو اس جگہ کو چھوڑ کر کسی ایسے مقام پر چلا جانا واجب ہے جہاں اللہ کی عبادت کی تیاری کی جاسکے۔

بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ اس آیت کا نزول ان لوگوں کے حق میں ہوا جنہوں نے ہجرت نہیں کی تھی، مکہ میں ہی رہ گئے تھے اور انہوں نے کہا تھا کہ اگر ہم ہجرت کر جائیں گے تو بھوکے مر جانے کا خوف ہے۔ اللہ نے ان کا یہ عذر قبول نہیں فرمایا۔ مطرف بن عبد اللہ نے کہا کہ زمین فراخ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ میرا رزق وسیع ہے تم وطن چھوڑ دو۔

57 "کل نفس ذائقة الموت" ان کو موت کا خوف دلایا تاکہ ان کے لیے ہجرت کرنے میں مشکل نہ آئے۔ یعنی ہر ایک نفس کو مرنا ہے جہاں کہیں بھی ہو۔ لہذا تم موت کے خوف سے شر کے مقام میں نہ پڑے رہو۔ "ثم الينا ترجعون" پھر ہم تمہارے اعمال کا بدلہ دیں گے۔ ابو بکر نے "یرجعون" پڑھا ہے۔

58 "والذين امنوا و عملوا الصالحات لبوننهم" حمزہ اور کسائی نے ثناء ساکنہ کے ساتھ بغیر حمزہ کے پڑھا ہے اور فرمایا "نوی الرجل اذا اقام واثوبته" جب وہ کسی پڑاؤ کی جگہ اترتے ہیں اور دوسرے قراء نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے اور فتح کے ساتھ واؤ کی تشدید اور اس کے بعد حمزہ کے ساتھ۔ "ای لَنَنْزِلُنَّهُمْ"

"من الجنة عرفاً" وہ بلند ہوں گے۔ "تجرى من تحتها الانهار خالدين فيها نعم اجر العاملين"

59 "الذين صبروا" وہ لوگ جنہوں نے سختیوں اور مصائب میں صبر اختیار کیا اور اپنے دین کو ترک نہیں کیا۔ "وعلی ربهم یتوکلون" اور وہ اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔

60 "و کاین من دابة لا تحمل رزقها" یہ اس وجہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مؤمنین کے لیے فرمایا جو مکہ میں رہتے تھے (ان کو مشرکین اذیتیں دیتے تھے) کہ وہاں سے ہجرت کر کے مدینہ آ جاؤ، وہ مؤمنین کہتے کہ ہم کس طرح مدینہ کی طرف نکلیں نہ وہاں ہمارے لیے کوئی مال ہے اور نہ ہی گھر اور کوئی نہیں وہاں جو ہمیں کھانا کھلائے اور پلائے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے

یہ آیت نازل فرمائی۔ ”و کاتین من دابة“ اپنی حاجت کے لیے صبح نکلتے ہیں۔ ”لا تحمل رزقها“ نہ تو وہ اپنے ساتھ رزق اٹھاتے ہیں اور نہ ہی وہ ذخیرہ کرتے ہیں دوسرے دن کیلئے، جیسے چوپائے اور پرندے ہیں۔

”اللہ یرزقها وایاکم“ جہاں کہیں بھی وہ ہوتے ہیں۔ ”و هو السميع“ وہ ان کی باتوں کو سننے والے ہیں کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم نہیں پاتے کہ مدینہ میں ہم پر کون خرچ کرنے والا ہے۔ ”العلیم“ وہ جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہے۔ سفیان بن علی بن ارقم نے کہا سوائے انسان اور چوہے اور چوٹی کے اور کوئی مخلوق روزی جمع کر کے نہیں رکھتی۔

## لا تحمل رزقها کی تفسیر

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انصار کے باغات میں سے ایک باغ میں گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ سے کھجوریں چن چن کر کھانے لگے اور فرمایا ابن عمر! تم بھی کھاؤ۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے خواہش نہیں ہے۔ فرمایا مجھے تو کھانے کی خواہش ہے۔ یہ چوتھی رات کی صبح ہے چار دن ہو گئے کہ میں نے کھانا نہیں کھایا نہ مجھے ملا۔ میں نے کہا ”انا لله، اللہ المستعان“ فرمایا، ابن عمر! اگر میں اپنے رب سے مانگتا تو وہ مجھے کسریٰ اور قیصر کے ملک سے بھی کتنے ہی زیادہ عنایت کر دیتا لیکن میں ایک دن بھوکا رہتا ہوں اور ایک دن پیٹ بھرتا ہوں اور ایک دن نہیں کھاتا۔ ابن عمر! اگر یہ تمہاری عمر ہوئی تو اس وقت تمہاری حالت کیا ہوگی؟ جب تم ایسے لوگوں میں رہو گے جو سال بھر کا رزق چمپا کر رکھیں گے اور ان کا یقین کمزور ہوگا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: ”و کاتین من دابة لا تحمل رزقها“

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے دن کے لیے کچھ جمع کر کے نہیں رکھتے تھے اور ایک روایت میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اگر تم اللہ پر توکل رکھو جیسا کہ توکل رکھنے کا حق ہے تو اللہ تعالیٰ تمہیں ایسے رزق عطا فرمائیں گے جیسے پرندوں کو رزق دیتے ہیں کہ وہ صبح خالی پیٹ نکلتے ہیں اور شام کو لوٹتے ہیں پیٹ بھرے ہوئے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کوئی چیز تم کو جنت سے قریب کرنے والی اور دوزخ سے دور رکھنے والی ایسی نہیں رہی کہ میں نے اس کو کرنے کا تم کو حکم نہ دے دیا ہو اور کوئی چیز دوزخ سے قریب کرنے والی اور جنت سے دور رکھنے والی ایسی نہیں رہی کہ اس کو کرنے کی تم کو ممانعت نہ کر دی ہو۔ روح القدس نے میرے دل میں یہ بات پھونک دی ہے کہ کوئی شخص بھی جب تک اپنا رزق پورا نہ کر لے گا ہرگز نہیں مرے گا۔ پس تم لوگ متنبہ ہو جاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو اور رزق کی طلب میں اچھائی اختیار کرو۔ رزق ملنے میں دیر ہو جانے سے تم کو گناہوں کے راستہ سے تحصیل رزق پر آمادہ نہ ہو جانا چاہئے کیونکہ اللہ کے پاس جو چیز ہے اس کو بغیر ان کی طاعت کے حاصل نہیں کیا جاسکتا۔

وَلَيْنُ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ. فَأَنَّى يُؤْفَكُونَ ﴿٥١﴾ اللَّهُ يَسْطُرُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ لَهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٥٢﴾ وَلَيْنُ سَأَلْتَهُمْ مَنْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُولُنَّ اللَّهُ ۚ قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿٥٣﴾ وَمَا هِيَ إِلَّا الْحَيَوَةُ الدُّنْيَا ۖ إِلَّا لَهُوَ وَعَلِبٌ ۚ وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۚ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿٥٤﴾ فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلِكِ دَعَاوُ اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ. فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ ﴿٥٥﴾ لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَهُمْ وَلِيَتَمَتَّعُوا فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿٥٦﴾ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا آمِنًا وَيَتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ۚ أَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُونَ وَبِنِعْمَةِ اللَّهِ يَكْفُرُونَ ﴿٥٧﴾ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَى عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُ ۚ أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكَافِرِينَ ﴿٥٨﴾ وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٥٩﴾

﴿٥١﴾ اور اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ وہ کون ہے جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اور جس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے تو وہ لوگ یہی کہیں گے کہ وہ اللہ ہے پھر کدھرا لے چلے جا رہے ہیں اللہ ہی اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہے روزی فراخ کر دیتا ہے اور جس کے لئے چاہے تنگ کر دیتا ہے بیشک اللہ ہی سب کے حال سے واقف ہے اور اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ وہ کون ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس سے زمین کو بعد اس کے کہ خشک پڑی تھی تر و تازہ کر دیا تو وہ لوگ یہی کہیں گے کہ وہ بھی اللہ ہی ہے آپ کہیں کہ الحمد للہ بلکہ ان میں اکثر سمجھتے بھی نہیں اور یہ دنیوی زندگی (فی نفسہ) بجز لہو و لعب کے اور کچھ بھی نہیں اور اصل زندگی عالم آخرت ہے اگر ان کو اس کا علم ہوتا تو ایسا نہ کرتے پھر جب یہ لوگ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو خالص اعتقاد کر کے اللہ ہی کو پکارنے لگتے ہیں پھر جب وہ ان کو نجات دے کر خشکی کی طرف لے آتا ہے تو وہ فوراً ہی شرک کرنے لگتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ ہم نے جو نعمت ان کو دی ہے اس کی ناقدری کرتے ہیں اور یہ لوگ چندے اور حظ حاصل کر لیں پھر قریب ہی ان سب کو سب خیر ہوئی جاتی ہے کیا ان لوگوں نے اس بات پر نظر نہیں کیا کہ ہم نے امن والا حرام بنایا ہے اور ان کے گرد و پیش میں لوگوں کو نکالا جا رہا ہے پھر کیا یہ لوگ جھوٹے معبود پر تو ایمان لاتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں اور اس شخص سے زیادہ کون ناانصاف ہوگا جو اللہ پر جھوٹ افترا کر کے اور جب سچی

بات اس کے پاس پہنچے تو وہ اس کو جھٹلا دے کیا ایسے کافروں کا جہنم میں ٹھکانا نہ ہوگا اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم ان کو اپنے (قرب و ثواب یعنی جنت کے) راستے ضرور دکھائیں گے اور بیشک اللہ تعالیٰ (کی رضا و رحمت) ایسے خلوص عمل والوں کے ساتھ ہے۔

**تفسیر 61** ”ولئن سألنهم“ اس سے مراد کفار مکہ ہیں۔ ”من خلق السموات والارض وسخر الشمس والقمر ليقولن الله فأنى يؤفكون“

**62** ”اللّٰهُ يَسِطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ لَهُ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ“

**63** ”ولئن سألنهم من نزل من السماء ماء فأحيا به الارض من بعد موتها ليقولن الله قل الحمد لله“ یہ تمام کام اللہ تعالیٰ کرتا ہے، اہل مکہ اس کے مقرب ہیں۔ ”بل اكثرهم لا يعقلون“ بعض نے کہا کہ ”قل الحمد لله“ تاکہ ان کے اقرار پر حجت تام ہو جائے۔ وہ توحید کے منکر ہیں حالانکہ انہوں نے اس کا اقرار کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے یہ سب اشیاء پیدا کی ہیں۔

**64** ”وما هذه الحيوة الدنيا الا لهو ولعب“ لہو کہتے ہیں دنیاوی لذات کو سنا۔ اور لعب عبث (بے کار) کو کہتے ہیں۔ اس کو یہ نام اس لیے موسوم کیا کیونکہ یہ فانی ہیں۔ ”وان الدار الاخرة لهي الحيوان“ دائمی حیات جو ہمیشہ کے لیے ہے۔ حیوان حیاة سے ہے وہاں پہنچنے والی زندگی ہے۔ ”لو كانوا يعلمون“ کہ دنیا فانی ہے اور آخرت باقی رہنے والی ہے۔

**65** ”فاذا ركبوا لى الفلك“ اور ان کو غرق ہونے کا خوف لاحق ہوتا ہے۔ ”دعوا اللّٰه مخلصين له الدين“ اور بتوں کو چھوڑ دیتے ہیں۔ ”فلما نجاهم الى البر اذا هم يشركون“ ان کے عناد کی خبر دے رہے ہیں کہ وہ نختیوں کے وقت اس کا اقرار کر لیتے ہیں کہ ہمیں اس مشکل سے دور کرنے والا اللہ قادر مطلق ہے۔ جب ان سے وہ مشکل دور ہو جاتی ہے تو وہ دوبارہ کفر کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔

عکرمہ کا بیان ہے کہ دور جاہلیت والے جب سمندر میں سفر کرتے تھے تو اپنے بتوں کو ساتھ رکھتے تھے لیکن جب ہوا میں طوفان آتا تھا تو بتوں کو سمندر میں پھینک دیتے تھے اور پکارتے تھے اے رب! اے رب! مطلب یہ کہ سخت مصائب کے وقت تو خالص طور پر دل سے اللہ کے اطاعت گزار ہو جاتے تھے اور شرک چھوڑ دیتے تھے اور نجات پا جاتے تو شرک کی طرف لوٹ آتے تھے۔

**66** ”ليكفروا بما اتيناهم“ یہ لام امر ہے یہ معنی بطور تہدید اور وعید کے لیے ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ”اعملوا ما شئتم“ وہ اللہ کی نعمتوں کا انکار کر رہے تھے ”وليتمتعوا“ حزمہ اور کسائی نے لام ساکن کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی قراء نے کسرہ کیساتھ پڑھا ہے اس صورت میں اس کا عطف لیکفروا پر ہوگا (فسوف يعلمون) بعض نے کہا کہ جنہوں نے لام کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے وہ اس لام کو لام ”کی“ کہتے ہیں اور اسی طرح ”ليكفروا“ میں لام ہے۔ اس کا

معنی یہ ہوگا کہ اس کے ساتھ شریک ٹھہرانے میں کوئی فائدہ نہیں مگر کفر میں اضافہ ہوگا اور دنیاوی زندگی میں فائدہ حاصل کرتے ہیں آخرت کی زندگی کے بدلے میں۔

⑦ "اولم یروا انا جعلنا حرما امننا ویتخطف الناس من حولہم" اور وہ بعض بعض سے قتل و قید سے امن میں نہیں ہیں اور اہل مکہ امن میں ہیں۔ "افبالباطل" اس سے مراد بت اور شیطان ہیں۔ "یؤمنون وبنعمة اللہ" محمد اور دین اسلام "یکفرون"

⑧ "ومن اظلم ممن الفتری علی اللہ کذباً" انہوں نے گمان کیا کہ اللہ کے ساتھ کوئی شریک نہیں اور یہ کہ ان کو برائی کا حکم دیا۔ "او کذب بالحق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مراد ہے۔ "لما جاءہ الیس فی جہنم معوی للکافرین" یہ استفہام بمعنی تقریر کے ہے اس کا معنی یہ ہے کہ ان کا کذب کافروں کا ٹھکانہ تو جہنم ہی ہے۔

⑨ "والذین جاہدوا لینا" وہ لوگ جنہوں نے مشرکین کے ساتھ جنگ کی، دین کی مدد کے لیے "لنہدینہم سبلنا" ہم ان کو ان راستوں پر ثابت قدم رکھ دیتے ہیں جس راستے پر وہ قتال کرتے ہیں اور بعض نے کہا کہ ہم ان کے لیے مزید ہدایت کے راستے آسان کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ دوسری آیت میں ہے "ویزید اللہ الذین اہتدوا ہدی" سفیان بن عیینہ نے کہا کہ جن لوگوں میں اختلاف ہو تو تم سرحد والوں کو دیکھو کیونکہ اللہ نے فرمایا "والذین جاہدوا لینا لنہدینہم سبلنا"۔ بعض نے کہا کہ مجاہدہ طاعات پر صبر کرنے کا نام ہے۔ حسن نے کہا سب سے اعلیٰ جہاد نفسانی خواہشات کی مخالفت ہے۔

فضیل بن عیاض نے کہا جن لوگوں نے طلب علم میں جہاد کیا ہم ان کو علم کے مطابق عمل کرنے کے راستے بتا دیتے ہیں۔ سہیل بن عبد اللہ نے کہا جن لوگوں نے سنت قائم کرنے کی کوشش کی ہم ان کو اپنے ثواب کے راستے بتا دیتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جن لوگوں نے ہماری طاعت کی کوشش کی ہم ان کو اپنے ثواب کے راستے بتا دیتے ہیں۔

"وان اللہ لمع المحسنین" یعنی دنیا میں اللہ کی مدد و اعانت اور آخرت میں ثواب اور مغفرت نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

الحمد لله تفسیر بغوی کی چوتھی جلد مکمل ہوئی۔ پانچویں جلد سورہ روم سے شروع ہے۔



اضافہ مفیدہ از ناشر

الدررالنظیم فی فضائل القرآن

والآیات والذکر الحکیم

قرآن کریم کے فضائل اور حیرت انگیز خواص

از امام ابو محمد عبداللہ بن اسد یافعی رحمہ اللہ

فضائل و خواص سورہ مریم تا سورہ عنکبوت

اٹھارہویں صدی کے معروف عالم اور جماعت اولیاء کے فرد فرید ہیں ان کے دست مبارک سے لکھی ہوئی مستند کتب میں سے الدررالنظیم بھی ہے جو قرآن کریم کے ائوار و برکات اور فضائل و خواص اور اس کے روحانی و جسمانی فیوض اور تیر بہدف مجرب عملیات پر مشتمل ہونے کی وجہ سے بطور اضافہ جزو کتاب بنایا جا رہا ہے



## سورہ مریم

- ① رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص سورہ مریم اور سورہ طہ پڑھتا ہے اس کو اتنا ثواب ملتا ہے جتنا مہاجرین کو ہجرت کرنے سے اور انصار کو نصرت کرنے سے ملا ہے۔
- ② جو شخص سورہ مریم کو لکھ کر شیشی میں بند کر کے رکھ چھوڑے اس گھر میں خیر و برکت ہوتی ہے اور اس خوشحالی آتی ہے۔
- ③ اگر کوئی خوف زدہ آدمی اس سورہ کو پانی میں گھول کر پی لے تو اس کا خوف جاتا رہتا ہے۔
- ④ اگر اس سورہ کو لکھ کر گھر کی دیوار پر لگایا جائے تو وہ گھر آنٹوں سے محفوظ رہتا ہے۔

## کھیعص

جو آدمی جمعرات کے دن پہلی ساعت میں چاندی کی انگٹھی کے نمینے پر کھیعص اور حمعسق اور باقی حروف مقطعات کندہ کرا کے پہن لے اس کی سب ضرورتیں پوری ہوتی ہیں اور سب لوگ اس سے محبت کرتے ہیں۔

خاصیت آیت ۲۶۲۵

وَهَزَىٰ إِلَيْكَ بِجُدْعِ النَّخْلَةِ تُسْقِطُ عَلَيْكَ رَطْبًا جَنِيًّا لَكُلْبِي وَشُرْبِي وَقَرِي عَيْنًا فَمَا تَرَيْنَ مِنَ الْبَشَرِ  
أَحَدًا فَقَوْلِي إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَنِ صَوْمًا فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنْسِيًّا

تین کھجور کے تین مختلف رنگوں کے زرد سبز اور سرخ لے کر ہر پتہ پر لوہے کے قلم سے ان آیتوں کو لکھے اور ہر ایک پتہ کو ایک کھجور کی ٹہنی سے باندھ دے تو ان کھجوروں کو بہت زیادہ اور عمدہ پھل لگے گا۔

## سورہ طہ

- ① رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جنت میں جنتی صرف طہ اور یس کی تلاوت کریں گے۔
- ② جو شخص کہیں شادی کرنا چاہتا ہو تو ریشم کے سبز کپڑے پر اس سورہ کو لکھ کر اپنے پاس رکھ کر ان کے پاس جائے تو وہ رشتہ کی درخواست منظور کریں گے۔
- ③ اگر اس طرح لکھی ہوئی سورہ طہ کو پاس رکھ کر لڑنے والے لوگوں کے پاس صلح کے لئے جائے تو صلح کر لیں گے۔
- ④ اگر اسے لے کر ظالم بادشاہ کے پاس جائے تو وہ بھی نرمی کرے گا۔

## خاصیت آیت ۱۰۷ تا ۱۰۵

وَيَسْتَلْزِمَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّي نَسْفًا لَيْدُرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا لَا تَرَىٰ فِيهَا عِوَجًا وَلَا أَمْتًا  
اگر کسی کے جسم پر پھوڑے ہوں تو وہ کسی پاک صاف برتن میں فارسی سیاہی سے اس آیت کو لکھ کر روغن بنفشہ سے دھو ڈالے  
اور پھر اسی روغن کو ان پھوڑوں پر لگائے تو پھوڑے ختم ہو جائیں گے۔

## خاصیت آیت ۱۱۲ تا ۱۰۸

يَوْمَئِذٍ يُبْعَثُونَ الدَّاعِيَ لَأَعِوجَ لَهٗ. وَخَشَعَتِ الْأَصْوَاتُ لِلرَّحْمَنِ فَلَا تَسْمَعُ إِلَّا هَمْسًا يَوْمَئِذٍ لَا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ  
إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا يَلْمَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا وَعَنَتِ الْوُجُوهُ لِلْحَيِّ  
الْقَيُّومِ. وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخْفَىٰ ظُلْمًا وَلَا هَضْمًا  
① اس آیت کو ہرن کی کھال پر لکھ کر تانبے کے تعویذ میں بند کر کے بچے کے گلے میں ڈالیں تو بچہ روئے گا نہیں اور اس کا  
رنگ و روپ اور زبان اچھی ہو جائے گی۔

② جو شخص اس آیت کو لکھ کر اپنے بازو پر باندھے اس کے دشمن کی زبان اس کے خلاف بند ہو جائے گی اور وہ اس سے ڈرے گا۔

## خاصیت آیت ۱۳۱ تا ۱۳۲

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا لِنَفِثَنَّهُمْ فِيهِ. وَرِزْقٌ رَّبِّكَ خَيْرٌ  
وَأَبْقَىٰ وَأَمْرٌ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا. لَا نَسْأَلُكَ رِزْقًا. نَحْنُ نَرْزُقُكَ. وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوَىٰ  
یہ آیات لکھ کر جس کے گلے میں پہنائی جائے اگر وہ رنڈو ہے تو اس کی شادی ہو جائے گی اگر اسے نسیان کی بیماری ہے تو  
جاتی رہے گی جو بھی مرض ہے اس سے شفا ملے گی۔ اگر فقیر ہے تو مالدار ہو جائے گا۔

## سورہ انبیاء

## خاصیت آیت ۸۷

① رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے جو آدمی سورہ انبیاء پڑھتا رہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کا  
حساب جلدی سے لے لیں گے اور جن انبیاء کا اس سورہ میں نام آیا ہے وہ اسے سلام کریں گے۔

لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ مُبْحَنُكَ. إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ

① رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا حضرت ذوالنون علیہ السلام کی دعا جو انہوں نے مچھلی کے پیٹ میں مانگی تھی۔  
لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ مُبْحَنُكَ. إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ ہے جو مسلمان اس سے دعا مانگے اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرماتے ہیں۔

② کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں اللہ تعالیٰ سے ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں۔ آپ ارشاد فرمائیں اس کے طلب کرنے میں کس چیز کو وسیلہ بناؤں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ سے اپنی کسی حاجت کی درخواست کرنا چاہتا ہو اسے چاہیے کہ وضو کر کے سجدہ کرے اور چالیس بار اپنی انگلی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پڑھے۔ **لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ. إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ** تو اس کی دعا قبول ہوگی۔

③ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم جس کی برکت سے دعا قبول ہوتی ہے اور جو مانگا جائے ملتا ہے وہ یونس بن متی کی دعا ہے۔ صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا یہ دعا یونس بن متی کے ساتھ خاص ہے یا تمام مسلمان اس سے دعا مانگ سکتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یونس بن متی کے لئے خاص ہے اور تمام مسلمانوں کے لئے عام ہے وہ جس وقت چاہیں اس سے دعا مانگ سکتے ہیں۔ کیا تم نے سنا نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”جب یونس نے تہہ بہ تہہ تاریکی میں ان کلمات سے ہم کو پکارا تو ہم نے اس کی دعا قبول کی اور اسے غم سے نجات بخشی اور ہم اسی طرح ایمان والوں کو نجات بخشتے ہیں۔“ پس یہ دعا مانگنے والے کے لئے اللہ تعالیٰ کے رازوں میں سے ہے۔

④ ایک روایت میں ہے جو مریض ان کلمات کو چالیس دفعہ پڑھ کر ہر بار ساتھ دعا مانگے وہ اگر اس مرض میں مر جائے تو اسے ایک شہید کا ثواب ملے گا اگر تندرست ہو جائے تو اس کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔

⑤ جو شخص اس آیت کو بہن کی کھال میں لکھ کر کمر سے باندھ کر سو جائے تو جب تک یہ نہ کھولیں گے وہ بیدار نہ ہوگا۔ یہ عمل اس آدمی کیلئے ہے جو بیماری ڈر یا فکر کی وجہ سے سو نہ سکا ہو۔

### خاصیت آیت ۳۰

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مَا مِثْلَهُمَا مِن مَّاءٍ كُلِّ شَيْءٍ حَيٍّ مَّا أَفَلَا يُؤْمِنُونَ

① جب عورت وضع حمل کے وقت بہت تکلیف میں مبتلا ہو اور بچہ پیدا نہ ہو رہا ہو تو اس آیت کے ساتھ یہ لکھے۔

مَرِيْمٌ وَلَدَتْ عِيسَىٰ سَيِّجَعُلُ اللَّهُ بَعْدَ غَمْرِ يُسْرًا اللَّهُمَّ كَمَا شَقَقْتَ الْأَرْضَ بِالنَّبَاتِ وَالسَّمَاءَ بِالْمَطَرِ فَكَذَلِكَ يَسِّرْ لِفَلَانَةٍ بِنْتِ فُلَانَةٍ الْوَضْعَ فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ إِلَىٰ طَعَامِهِ..... خَقًا  
اور گھول کر اسے پلا دے۔ (خط کشیدہ جگہ پر عورت اور اس کی ماں کا نام لکھے)

② جو عورت دروزہ میں مبتلا ہو اس کے لئے مذکورہ بالا آیت یمنون تک پڑھ کر اس کے شکم پر اور پیٹھ کے نیچے طرف پھونک دے۔

### خاصیت آیت ۸۸/۸۷

وَذَا النُّونِ إِذْ ذَهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ أَنْ لَنْ نَقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادَىٰ لِي الظُّلُمَاتِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ. إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْغَمِّ وَكَذَلِكَ نُنَجِّي الْمُؤْمِنِينَ

جو آدمی کسی دنیاوی کام سے غمناک ہو اور کامیاب نہ ہو رہا ہو تو اسے چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر توبہ کرے ۷۰ بار استغفار پڑھے۔ درود شریف بھی پڑھے پھر وضو کر کے دو رکعتیں پڑھے اور جہاں سے چاہے ان میں قرآن کریم پڑھے سلام پھیر کر پہلے کی طرح استغفار اور درود شریف پڑھے پھر سجدہ میں جا کر یہ پانچ آیتیں پڑھے اور غم کی دوری کی دعا مانگے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کے سب غم اور آفتیں دور کر دے گا۔ وہ پانچ آیتیں یہ ہیں۔

قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَانًا وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ  
وَأَيُّوبَ إِذْ نَادَى رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَكَشَفْنَا مَا بِهِ مِنْ ضُرٍّ وَآتَيْنَاهُ أَهْلَهُ  
وَمِثْلَهُمْ مَعَهُمْ رَحْمَةً مِنْ عِنْدِنَا وَذِكْرَى لِلْعَبِيدِينَ • وَذَا النُّونِ إِذْ ذُهِبَ مُغَاصِبًا لَفْظُنْ أَنْ لَنْ نَقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادَى  
لِي الظُّلُمَاتِ أَنْ لَّا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ . إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْغَمِّ وَكَذَلِكَ  
نُنَجِّي الْمُؤْمِنِينَ فَسْتَذَكِّرُونَ مَا أَقُولُ لَكُمْ . وَالْفَوْضُ أَمْرِي إِلَى اللَّهِ . إِنَّ اللَّهَ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ لَوْ أَنَّ اللَّهَ سَبَّاتِ  
مَا مَكَرُوا وَخَاقٍ بِالْفُوعُونَ سُوءَ الْعَذَابِ أَنِّي مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ  
② جو شخص غم یا تنگی میں مبتلا ہو یا کسی اور مصیبت میں تو ان کلمات کو کاغذ پر لکھ کر جاری پانی میں چھوڑ دے اللہ تعالیٰ اس کا غم اور تنگی وغیرہ دور کر دے گا۔ کلمات یہ ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ مِنَ الْعَبْدِ الْفَقِيرِ الدَّلِيلِ إِلَى الرَّبِّ الْجَلِيلِ رَبِّ إِنِّي مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَأَنْتَ  
أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ اللَّهُمَّ بِحُرْمَةِ مُحَمَّدٍ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ اكْشِفْ ضُرِّي وَهِمِّي وَفَرِّجْ عَنِّي غَمِّي  
يَا رَبَّ الْعَالَمِينَ أَلَّتِي أَحْصَنْتَ فَرَجَهَا ..... كُلُّ إِلَيْنَا رَاجِعُونَ .  
اگر حاملہ عورت کو چالیس دن سے پہلے پہلے ان آیتوں کو لکھ کر گلے میں ڈال دے تو لڑکا پیدا ہوگا اور جب بچہ پیدا ہو جائے تو  
یہ تعویذ بچہ کے گلے میں پہنادیں تو بچہ ہر قسم کی آفتوں سے محفوظ رہے گا۔

خاصیت آیت ۱۰۳ تا ۱۰۱

إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ لَا يَسْمَعُونَ حَسِيسَهَا . وَهُمْ فِي مَا اشْتَهَتْ  
أَنْفُسُهُمْ غُلَادُونَ لَا يُخْرَجُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ وَتَتَلَقَّهُمُ الْمَلَائِكَةُ هَذَا يَوْمُكُمْ الَّذِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ  
① اگر کسی کو بخار ہو یا کوئی اور بیماری تو کسی پاک برتن میں ان آیتوں کو روشنائی سے لکھ کر اس کونوں کے پانی سے  
جس پر دھوپ نہ پڑتی ہو دھولے اور مریض کو تین گھنٹے پلائے اور باقی اس کی پیٹھ پر چھڑک دے تین دن اسی طرح  
کرے مریض تندرست ہو جائے گا۔

② اگر کسی کی کمر میں یا گھٹنے میں درد ہو تو اس آیت کو پاک برتن میں لکھ کر روغن بابونہ سے مٹا کر درد کی جگہ پر وہ  
روغن لگائے درد جاتا رہے گا۔

## سورة الحج

خاصیت آیت ۴۶ تا ۴۴

ثُمَّ اخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ لَكَائِنَ مِنْ قَرِيَةِ اَهْلَكْنَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَبِهِمْ خَاوِبَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَبَشْرٍ مُّعْتَلِبَةٌ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَتَكُوْنُ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَعْقِلُوْنَ بِهَا اَوْ اَذَانٌ يُّسْمَعُوْنَ بِهَا. فَاِنَّهَا لَا تَعْمٰى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمٰى الْقُلُوْبُ الَّتِىْ هِىَ الصُّدُوْرُ

اگر کسی ظالم فرعون کو ہلاک کرنا مقصود ہو تو درخت مدار کے پتے چاند کے آخری ہفتے میں نانا شروع کرے ہر روز سورج طلوع ہونے سے پہلے پہلے ایک پتہ لائے پھر ان پتوں کو سایہ میں سکھائے ان کے سوکھنے سے پہلے ان کے اوپر اندر باہر دونوں طرف یہ آیتیں لکھے۔ جب وہ پتے سوکھ جائیں تو انہیں اچھی طرح کوٹے کوٹے وقت اس ظالم اور اس کی ماں کا نام لے جب کوٹ لے تو اس سفوف کو اس گھر میں ڈال دے جس میں اس ظالم کی آمدورفت ہے۔ ظالم ذلیل و ہلاک ہو جائے گا۔

خاصیت آیت ۴۳ تا ۴۲

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاَسْتَمِعُوْا لَهُ اِنَّ الدِّيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَخْلُقَ ذُبَابًا وَّلَوْ اٰجْتَمَعُوْا لَهُ وَاِنْ يُسْئَلُوْهُمْ الذُّبَابُ شَيْئًا لَا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبِ وَالمَطْلُوْبِ مَا قَدَرُوْا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهِ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ

① یہ آیت بھی ظالم کو پریشان کرنے کے لئے مفید ہے۔ خرئوب کی لکڑی کے برتن میں اس پانی سے جس میں شکر حل کی گئی ہو۔ ہفتے کے دن سورج نکلنے سے پہلے لکھے اور کسی بے کار دویران کنوئیں کے پانی سے دھو کر اس ظالم کے بیٹھنے کی جگہ میں چھڑک دے ظالم ہلاک ہو جائے گا۔

② اگر کوئی شخص پوری سورۃ الحج ہرن کی باریک کھال میں لکھ کر اس پیالہ میں دھوئے جو کہ اس جہاز کی لکڑی سے بنایا گیا ہو جسے ہواؤں نے چاروں طرف سے گھیر کر غرق کر دیا ہو۔ پھر اس پانی کو ظالم بادشاہ کی جگہ میں چھڑک دے وہ ظالم جب تک اس جگہ میں رہے گا پریشان و بد حال رہے گا۔

## سورة المؤمنون

اس سورۃ کو اگر رات کے وقت سفید کپڑے کے ٹکڑے میں لکھ کر شرابی کے گلے میں ڈال دیا جائے تو وہ ہمیشہ کے لئے شراب چھوڑ دے گا۔

خاصیت آیت ۱۲ تا ۱۳

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِنْ طِيْنٍ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً هِىَ فَرَارٍ مَّكِيْنٍ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا

الْعَلْفَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظْمًا فَكَسَوْنَا الْعِظْمَ لَحْمًا. ثُمَّ أَنْشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ فَتَبَرَّكَ اللَّهُ أَحْسَنَ الْخَالِقِينَ

① اگر کسی عورت کو حمل نہ ہوتا ہو تو یہ آیت ریحان کے سات چوں پر لکھ کر عورت کو یکے بعد دیگرے ہر ایک پتہ نگلوا کر اوپر سے ہر ایک پتہ کے ساتھ زرد رنگ کی گائے کے دودھ کا ایک گھونٹ پلوائے۔ تین دن تک اسی طرح کرے بہت جلد اس عورت کو امید ہو جائیگی۔

② اگر اس آیت کو روئی کے کپڑے پر توت کے شیرہ سے لکھ کر مرد اپنی پگڑی میں اور عورت اپنی اوڑھنی کے نیچے رکھے تو ہر ایک کے ہاں اسے قبولیت اور عزت ملے گی۔

### خاصیت آیت ۲۸، ۲۹

فَإِذَا اسْتَوَيْتِ أَنْتَ وَمَنْ مَعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي نَجَّانَا مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ وَقُلِ رَبِّ انزِلْنِي مُنْزَلًا مُبْرَكًا وَأَنْتَ خَيْرُ الْمُنزِلِينَ

دریا میں کشتی کی روانگی کے وقت تین بار سورہ فاتحہ اور تین بار ان آیتوں کو پڑھ کر یہ دعائیں بار پڑھے۔

یمن فلق البحر لموسیٰ بن عمران و نجی یونس من بطن الحوت و سحر الفلک و العالم بعد قطر البحر ورمالہ و خالق اصنافہ و عجائبہ الکفایۃ یا کالی من استکفاه یا مجیب من دعا و یاقبل و من رجاہ انت الکافی لا کالی الا انت تین دن تک اسی طرح کرے تو کشتی یا جہاز ہر قسم کی دریائی آفت اور حادثہ سے محفوظ رہے گی۔

### خاصیت آیت ۶۳، ۶۵

بَلْ قُلُوبُهُمْ فِي غَمْرَةٍ مِنْ هَذَا وَلَهُمْ أَعْمَالٌ مِنْ دُونِ ذَلِكَ هُمْ لَهَا عَمِلُونَ حَتَّىٰ إِذَا أَخَذْنَا مُتْرَفِيهِمْ بِالْعَدَابِ إِذَا هُمْ يَجْتَرُونَ لَا تَجْتَرُوا الْيَوْمَ إِنكُمْ مَنَا لَا تُنصَرُونَ

اگر یہ آیت اس کنوئیں کے پانی پر پڑھ کر دم کی جائے جس کنوئیں پر دھوپ نہ پڑتی ہو اور وہ پانی ہفتہ کے دن دشمن کے دروازے اور اس کے اس بستر پر جس پر وہ سوتا ہے چھڑک دے تو دشمن ذلیل و خوار ہو گا وہ راستہ بھول جائے گا۔

### خاصیت آیت ۱۱۵، ۱۱۶

الْحَسْبُ بِيَدِ اللَّهِ الْمَلِكِ الْحَقِّ. لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ. رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ

اگر یہ آیت مصیبت زدہ کے کان میں پڑھی جائے تو اس کی مصیبت جاتی رہے گی۔

## سورۃ نور

① اگر اس سورۃ کو لکھ کر آب زمزم کیساتھ دھو کر پی لی جائے تو جماع کی شہوت ختم ہو جائیگی۔



## خاصیت آیت ۱۸۳۱۶

وَلَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ قُلْتُمْ مَا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَتَكَلَّمَ بِهَذَا سُبْحَانَكَ هَذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ يَعِظُكُمُ اللَّهُ أَنْ تَعُودُوا لِمِثْلِهِ أَبَدًا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ وَيُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ. وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ

• اگر کوئی آدمی جھوٹ بولتا ہو، غیبت کرتا ہے یا کسی کی جھوٹ کرنے والا شاعر ہے تو ان آیتوں کو سفید انگوٹوں کے ٹیڑھ پر پڑھ کر اس میں کچھ شکر ملائے اور اس سے حلوہ یا کوئی اور میٹھی چیز بنا کر کھلا دے پھر ان آیتوں کو اس شہد سے جس کو آگ کی حرارت نہ پہنچی ٹھیکری پر لکھ کر اور پانی سے دھ کر وہ پانی اس آدمی کو پلا دے۔

## خاصیت آیت ۳۳۳۳۳

وَلَا تَكْرِهُوا فِيكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ إِنْ أَرَدْتُمْ تَحَصُّنًا لِمَبْغُضَاتِ الْغَيْبَةِ الدُّنْيَا. وَمَنْ يُكْرِهْهُنَّ فَإِنَّ اللَّهَ مِنْكُمْ بَعْدَ إِكْرَاهِهِنَّ عَفُورٌ رَحِيمٌ وَلَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ آيَاتٍ مُبِينَاتٍ وَمَثَلًا مِنَ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ

جو شخص زنا کا عادی ہو تو خالص صاف پانی پر ان آیتوں کو پڑھ کر اس پانی سے آٹا گوندھ کر روٹی پکائے ۷ روز تک اسی طرح پکا کر کھائے تو وہ آدمی یہ عادت چھوڑ دے گا۔

## خاصیت آیت ۳۸۳۳۵

اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ. مَثَلُ نُورِهِ كَمِشْكَاةٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ. الْمِصْبَاحُ فِي زُجَاجَةٍ. الزُّجَاجَةُ كَأَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُوقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُبْرَكَةٍ زَيْتُونَةٍ لَا شَرْقِيَّةٍ وَلَا غَرْبِيَّةٍ يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ. نُورٌ عَلَى نُورٍ. يَهْدِي اللَّهُ لِنُورِهِ مَنْ يَشَاءُ. وَيَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ. وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ فِي بُيُوتٍ إِذِنَ اللَّهُ أَنْ تَرْفَعَ وَيُذَكِّرَ فِيهَا اسْمُهُ يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ رِجَالٌ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَابُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ لِيَجْزِيَهُمُ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَيَزِيدَهُمُ مِنْ فَضْلِهِ. وَاللَّهُ يَرِزُقِي مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ

① جو آدمی چاہے کہ اسے لوگوں میں عزت اور قبولیت ہو یا رزق وافر حاصل ہو یا عقل و سمجھ بڑھ جائے یا اچھا مذہب ہاتھ آئے تو وہ پاک صاف ہو کر جمعرات اور جمعہ کو روزہ رکھے اور جمعہ کے دن نماز عصر سے پہلے قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر سورۃ السبین پڑھے پھر ان آیتوں کو بہرن کی کھال پر کسی باعمل نیک آدمی کی دوات کی روشنائی سے لکھ کر لپیٹ دے اور نماز عصر پڑھ کر سورۃ کہف پڑھے اور پڑھتے وقت پہلے لکھے ہوئے کو کھول کر ہاتھ میں رکھے پھر لپیٹ لے اور ہمیشہ اسے اپنے پاس رکھے تو اس کا مقصود حاصل ہو جائے گا۔

② اور اگر کسی کی آنکھیں دکھنے لگیں تو پڑھے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ دَخَلَ الرِّمَّةُ بِسَلَامِهِ وَيَخْرُجُ بِسَلَامِهِ وَانْكَفَتِ الْمُنْعَةُ وَانْجَلَّتِ الْحُمْرَةُ وَارْتَحَلَتِ

النِّقْمَةُ وَنَزَلَتْ الرُّحْمَةُ بِأَلْفِ لَاحَوْلٍ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ..... نُورٌ تَكَ  
ہر صبح کے وقت ۳ بار پڑھ کر دم کرے رہ جاتی رہے گی۔

③ جو شخص اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ کی تکسیر بنا کر اپنے پاس رکھے اس کا سینہ کھل جائے گا اور رزق بے شمار ہو جائے گا۔

## سورہ فرقان

① رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو شخص سورہ فرقان پڑھتا ہے وہ بغیر حساب کے بہشت میں داخل ہوگا۔

② جو شخص اس سورہ کو تین بار لکھ کر اپنے گلے میں ڈال لے پھر وہاں جائے جہاں سانپ یا اور کوئی موزی جانور ہوں تو وہ اسے کوئی تکلیف نہ پہنچا سکیں گے۔ بلکہ وہ موزی جانور وہ جگہ چھوڑ کر چلے جائیں گے۔

خاصیت آیت ۲۸، ۲۹

وَهُوَ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيحَ بُشْرًا مِّمَّنْ يَدَى رَحْمَتِهِ. وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا لِنُحْيِيَ بِهِ بَلْدَةً مِّمَّنَّا  
وَنُسْقِيَهُ مِمَّا خَلَقْنَا أَنْعَامًا وَأَنَاسِي كَثِيرًا

اگر کوئی یہ چاہے کہ درختوں کو بہت پھل آئے یا کنوئیں میں پانی بہت ہو جائے تو بہتی نہر کے نیچے سے ریت لے کر اس پر  
ان آیتوں کو پڑھے پھر اس کو جہاں چاہے درخت کی جڑ میں یا کنوئیں میں پھینک دے تو برکت و کثرت ہو جائے گی۔

## سُورَةُ شَعْرَاءِ

① رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو آدمی صبح شام اپنے گھر سے نکلتے ہوئے آیت اَلَّذِي خَلَقَنِي  
فَهُوَ يَهْدِينِ پڑھے تو اللہ تعالیٰ اسے نیک اعمال کی توفیق دیتا ہے اور جب وَالَّذِي هُوَ يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِ پڑھے تو اللہ تعالیٰ  
اسے رزق آسان عطا فرماتا ہے اور جب وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ پڑھے تو اگر اس کی موت نہیں آئی تو اللہ تعالیٰ اسے ہر  
مرض سے شفاء دیں گے اور اس کی اس مرض کو گزشتہ گناہوں کا کفارہ بنا دیتے ہیں اور جب وَالَّذِي يُمَيِّتُنِي ثُمَّ يُحْيِينِ پڑھے  
تو اللہ تعالیٰ اسے شہیدوں کی موت دیتا ہے اور نیک بختوں کی سی زندگی عطا کرتا ہے اور جب وَالَّذِي أَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ لِي  
خِطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ پڑھے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی بخشش فرمادیں گے اگرچہ اس کے گناہ سمندر کی جھاگ کے برابر  
ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس کو ایسا کر دے گا گویا آج ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے اور جب رَبِّ هَبْ لِي حُكْمًا وَ الْاِحْقَانِي  
بِالصَّلٰحِيْنَ پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کے نامہ اعمال میں اس کا ایمان لکھ دیتا ہے پھر وہ اس کا ایمان عرش کے نیچے رکھ دیا جاتا ہے اور  
کہہ دیا جاتا ہے کہ صادقین میں سے فلاں شخص روز جزا کی تصدیق کرتا ہے اس کے بعد وہ ہمیشہ سچ بولنے کا شیوہ اختیار کر لیتا ہے  
اور جب وَاجْعَلْنِي مِنْ وِرْدِيَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ پڑھے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے جنت میں ایک خاص جگہ عنایت فرمائے

گا اور فرشتے اسے مل کر کہیں گے اے بندے تو جنت میں داخل ہو جا اپنے قول و عمل کے سبب جن کے عوض تجھے وہ ملے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَتُؤَدُّوْا اَنْ تِلْكُمْ الْجَنَّةُ اَوْ رُثِمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ  
 ② جو شخص اس سورہ کو لکھ کر ایک سفید رنگ کے گنبجے مرغے کے گلے میں جس کے سر کے اوپر سے تاج اتر گیا ہو ڈال کر چھوڑ دے تو وہ مرغا اسی جگہ پر جا کھڑا ہوگا جہاں جادو دفن ہو۔

### خاصیت آیت اتا ۵

طَسَمَ يَلِكَ اَيْتُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ اِنْ نُّسَا نُنَزَّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اَيَّةٌ فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خَاضِعِيْنَ وَمَا يَأْتِيهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحَدِّثٍ اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ  
 اگر دشمن کو ذلیل و رسوا کرنا مقصود ہو تو یہ آیت ایسی زمین کی مٹی بھر مٹی پر پڑھ کر دم کرے جس زمین پر دھوپ نہ پڑی ہو اور دشمن کے منہ کی طرف پھینک دے دشمن ذلیل و مقہور ہو جائے گا۔

### خاصیت آیت ۸ تا ۸۹

اَلَّذِيْ خَلَقْنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِيْ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ وَالَّذِيْ يُؤْتِيْنِيْ ثُمَّ يُخِيْبُنِيْ وَالَّذِيْ اَطْمَعُ اَنْ يُغْفِرَ لِيْ خَطِيْئَتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّ اَلْحَقْنِيْ بِالصَّالِحِيْنَ وَاَجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِى الْاٰخِرِيْنَ وَاَجْعَلْنِيْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ  
 اگر کوئی آدمی وضو یا تیمم کر کے دو رکعت نفل نماز پڑھے اور ۷ بار یا ۲۱ بار یا ۲۸ بار اس آیت کو پڑھے تو اس کی بھوک پیاس مٹ جائے گی۔ راستہ بھول گیا ہے تو راستہ مل جائے گا اگر وحشت طاری ہے تو وہ دور ہو جائے گی اور اس عمل سے وہ بھاگنے میں نہیں تھکے گا۔

### خاصیت آیت ۱۹۲ تا ۱۹۷

وَ اِنَّهٗ لَنَزِيْلٌ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ نَزَلَ بِهٖ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنذِرِيْنَ بِلِسٰنٍ غَرِيْبٍ مُّبِيْنٍ وَاِنَّهٗ لَفِيْ ذُرِّ الْاَوَّلِيْنَ اَوْلَمْ يَكُنْ لَهُمْ اَيَّةٌ اَنْ يَعْلَمَهٗ عُلَمٰؤُا بَنِيْ اِسْرٰءِيْلَ  
 اگر کوئی خزینہ یا دفتینہ معلوم کرنا ہو تو ایک سفید گنجا مرغ یا نیلگوں مرغالے لے کر اور ان آیات کو کیلے کے پتے پر لکھ کر تابالغ کنواری لڑکی کے کپڑے کے کٹڑے میں کپڑے کے تار سے باندھ کر اس مرغے کے بازو سے باندھ دے اور جہاں خزانہ کا شہہ ہو اتوار کے دن سورج ڈھلے اس مرغے کو چھوڑ دے جہاں خزانہ ہوگا مرغاد وہیں جا کر کھڑا ہوگا اور اس جگہ کو اپنے پاؤں اور چونچ سے کریدنے لگے گا اگر جادو کے دفن کی جگہ معلوم کرنی ہو تو بھی یہی طریقہ ہے۔ اسی مقصد کے لئے آیت  
 فَاٰخِرُ جَنَّتِهِمْ مِّنْ جَنَّتٍ وَّغِيُوْنٍ وَّكُنُوْا وَّمَقَامٌ كَرِيْمٌ بھی مفید ہے۔

## سورة نمل

جو شخص اس سورۃ کو لکھ کر فوراً رگی ہوئی ثابت کھال میں جس سے کوئی ٹکڑا کاٹا نہ گیا ہو ڈال کر صندوق میں بند کر دے جس مکان میں وہ صندوق ہوگا اس کے قریب کوئی سانپ بچھونہ آئے گا اور نہ ہی کوئی اور سوزی جانور درندہ وغیرہ آئے گا۔

خاصیت آیت ۱۰ تا ۱۳

يٰمُؤْمِنِي لَا تَخَفْ. اِنِّي لَا يَخَافُ لَدٰى الْمُرْسَلُوْنَ اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلْ حُسْنًا بَعْدَ سُوءٍ لَّيِّنِيْ عَفُوْرًا رَّحِيْمًا وَاذْعَلْ يَدَكَ فِى جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضًا مِّنْ غَيْرِ سُوءٍ لِّىْ تَسْعَ اِلَيْهِ لِرُغْوٰنٍ وَّقَوْمِهِ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا لِّسِيْنٍ فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ اٰيٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا. فَاَنْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ اور لَا تَخَفْ دَرَكًا وَّلَا تَخْشَى اور قَالَ لَا تَخَفْ. نَجُوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِيْنَ اور قَالَ لَا تَخَافَا اِنِّيْ مَعَكُمْ اَسْمَعُ وَاَرٰى اور فَلَمَّا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى

جو شخص ان آیات کو انگلی کے عقبی تکیے پر جب کے سینے کے پہلے جمع کے دن کندہ کرا کر پہنے تو لوگ اسے اپنا دوست بنائیں گے اس کی نارنگی سے ڈریں گے اور مرد عورت سب اس کی عزت کریں گے۔

خاصیت آیت ۷ تا ۸

وَ اِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُلُوْرُهُمْ وَّمَا يُعْلِنُوْنَ وَّمَا مِنْ غَآبِيَةٍ لِّى السَّمٰوٰتِ وَاَلْاَرْضِ اِلَّا لِّىْ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقْضٰى عَلٰى بَنِيْ اِسْرٰءِيْلَ اَكْثَرَ الْيَدٰى هُمْ فِيْهِ يَخْلِفُوْنَ وَاِنَّهُ لَهْدٰى وَّرَحْمَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضٰى بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهِ وَّهُوَ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ فَتَوَكَّلْ عَلٰى اللّٰهِ. اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ اِنَّكَ لَا تَسْمَعُ الْمَوْتٰى وَلَا تَسْمَعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وُلُوْا مُدْبِرِيْنَ وَّمَا اَنْتَ بِهٰدِي الْعُمٰى عَن ضَلٰلَتِهِمْ. اِنَّ تَسْمَعُ اِلَّا مَنْ يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ

اگر کسی مرد یا عورت سے اس کا کوئی راز معلوم کرنا ہو اور وہ نہ بتا تا ہو تو اس آیت کو مرضی کی پوٹ میں بارش کے پانی اور گلاب و زعفران سے لکھے جب وہ آدی سویا ہوا ہو تو اس کے سینہ پر رکھ دے تو اس شخص نے جو کام کیا ہوگا بتانے لگے گا مگر خود اسے اس کا کوئی علم نہ ہوگا۔

خاصیت آیت ۹۳

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَبْرِنُكُمْ اِيْهِ فَتَعْرِفُوْنَهَا. وَّمَا رَبَّكَ بِغَآلِبٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ اگر کسی چیز کا کھرایا کھوٹا ہوتا معلوم نہ ہوتا ہو تو اس آیت کو اس چیز پر پڑھے اور اسے الٹا پلٹا کر غور سے دیکھے تو اس کی حقیقت واضح نظر آنے لگے گی۔

## سورة قصص

① رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے جو شخص سورہ قصص پڑھے فرشتے اس کے صدق کی گواہی دیتے ہیں۔

② جو شخص سفر پر نکلے اور اس کے پاس کڑوے بادام کی لاشی ہو اور وہ ان آیتوں کو پڑھے۔

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تَلْقَاءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسَى رَبِّي أَنْ يَهْدِيَنِي سَوَاءَ السَّبِيلِ وَلَمَّا وَرَدَ مَاءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُونَ. وَوَجَدَ مِنْ دُونِهِمْ امْرَأَتَيْنِ تَذُودَانِ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا قَالَتَا لَا نَسْقِي حَتَّى يُصَدِرَ الرِّعَاءَ. وَأَبُونَا شَيْخٌ كَبِيرٌ فَسَقَى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلَّى إِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ إِنِّي لِمَا أَنْزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ فَجَاءَهُ تَهُ إِحْلَاهُمَا تَمْشِي عَلَى اسْتِحْيَاءٍ قَالَتْ إِنَّ أَبِي يَدْعُوكَ لِيَجْزِيَكَ أَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا فَلَمَّا جَاءَهُ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقِصَصَ. قَالَ لَا تَخَفْ. نَجَوْتُ مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ قَالَتْ إِحْلَاهُمَا يَا بَتِ اسْتَأْجِرُهُ إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِينُ قَالَ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أَنْكِحَكَ إِحْدَى ابْنَتَيَّ هَاتَيْنِ عَلَى أَنْ تَأْجُرَنِي ثَمْنِي حِجْحِج. فَإِنْ أْتَمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ. وَمَا أُرِيدُ أَنْ أَشُقَّ عَلَيْكَ سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّالِحِينَ قَالَ ذَلِكَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ أَيَّمَا الْأَجْلِينَ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ وَاللَّهُ عَلَى مَا نَقُولُ وَكِيلٌ

اللہ تعالیٰ اسے ہر ظالم دلدے اور چورڈاکو اور زہریلے موذی جانور سے گھر واپس ہونے تک محفوظ رکھے گا۔ اور جب وہ اس سفر سے واپس گھر کی طرف لوٹتا ہے تو سرفرشتے اس کے ساتھ ہوتے ہیں جو اس کے لئے استغفار کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ وہ گھر پہنچ جاتا ہے اور شیطان اس کے بالکل قریب نہیں آتا۔ ③ اگر اس آیت کو لکھ کر اس آدمی کے گلے میں لٹکایا جائے جو پیٹ یا تلی یا جگر کی کسی بیماری میں مبتلا ہو یا پیٹ میں درد و تواسے شفا ہو جائے گی۔ اور اگر اسے لکھ کر بارش کے پانی سے دھو کر پیالے مریض کی ہر بیماری اور درد اور رم اور یہاں جاتی رہے گی۔

خاصیت آیت ۲۳ تا ۲۵

وَلَمَّا وَرَدَ مَاءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُونَ. وَوَجَدَ مِنْ دُونِهِمْ امْرَأَتَيْنِ تَذُودَانِ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا قَالَتَا لَا نَسْقِي حَتَّى يُصَدِرَ الرِّعَاءَ. وَأَبُونَا شَيْخٌ كَبِيرٌ فَسَقَى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلَّى إِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ إِنِّي لِمَا أَنْزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ فَجَاءَهُ تَهُ إِحْلَاهُمَا تَمْشِي عَلَى اسْتِحْيَاءٍ قَالَتْ إِنَّ أَبِي يَدْعُوكَ لِيَجْزِيَكَ أَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا فَلَمَّا جَاءَهُ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقِصَصَ. قَالَ لَا تَخَفْ. نَجَوْتُ مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ

علوم حاصل کرنے اور دل میں یقین بٹھانے اور حافظہ کو بڑھانے کے لئے مہینہ کی نوچندی جمعرات سے تین دن روزے رکھے اور ان آیتوں کو شیشہ کے پیالہ میں لکھ کر جاری نہر کے پانی سے دھو کر اس میں ہر رات سورج طلوع ہونے سے پہلے اور ایک نسخہ میں ہے کہ طلوع فجر سے پہلے پی لیا کرے۔ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعَالٰی عَمَّا يُشْرِكُوْنَ وَرَبِّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُلُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ وَهُوَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَهُ الْاِحْمَدُ فِي الْاَوَّلٰی وَالْاٰخِرَةِ. وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ اگر حجّ حاکم یا افر کے پاس جانا ہو اور اندیشہ ہو کہ وہ کوئی سخت حکم سناے گا یا دشمن وہاں جھوٹی گواہی دے گا یا ناحق سزا کا خطرہ ہو تو اس کے پاس جانے سے پہلے ان آیات کو سات بار پڑھے لے اس کے بعد تین بار یہ پڑھے وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰی اَمْرِهِ تُو اللّٰهُ تَعَالٰی اس کی حفاظت فرمائیں گے۔

خاصیت آیت ۶۸ تا ۷۰

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعَالٰی عَمَّا يُشْرِكُوْنَ وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا

تَكُنْ صُدُورَهُمْ وَمَا يُعْلِنُونَ وَهُوَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْأُولَى وَالْآخِرَةِ. وَلَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ  
 اگر حج، حاکم یا سفر کے پاس جانا ہو اور اندیش ہو کہ یہ وہ کوئی سخت حکم سنائے گا یا دشمن وہاں چھوٹی گواہی دے گا یا ناحق سزا کا خطرہ ہو تو اس کے  
 پاس جانے سے پہلے ان آیات کو سات بار پڑھ لے اس کے بعد تین بار یہ پڑھے وَلِلَّهِ غَالِبٌ عَلَى أَمْرِهِ تُوَاثِقُ تَعَالَى اس کی حفاظت فرمائیں گے۔

## سُورَةُ عَنكَبُوت

خاصیت آیت ۶۸ تا ۷۰: ۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اس سورۃ کو پڑھتا ہے اسے دس نیکیاں یا  
 مسلمانوں کی تعداد کے برابر نیکیاں ملتی ہیں۔ ۲۔ اگر اس سورۃ کو لکھ کر اور دھو کر بخار کے مریض کو پلایا جائے تو بخار اتر جائے  
 گا۔ دل میں فرحت و راحت محسوس ہوگی۔ سستی و کاہلی جاتی رہے گی۔

وَلَا تَجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ وَقُولُوا آمَنَّا بِالَّذِي أُنزِلَ إِلَيْنَا وَأَنْزَلَ  
 إِلَيْنَا وَالْهَذَا وَالْحُكْمُ وَاحِدٌ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ اور سورہ روم کی آیت فَسُبْحَانَ اللَّهِ حِينَ تُمْسُونَ وَحِينَ تُصْبِحُونَ  
 وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَعَشِيًّا وَحِينَ تُظْهِرُونَ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ  
 وَيُخْضِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا. وَكَذَلِكَ نُخْرِجُكَوْنُ وَبَيْنَ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ إِذَا أَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُونَ  
 اگر کسی مریض کے مرض کی پہچان نہ ہو سکے تو ان آیات کو کوڑیا لوبان پر تین رات اور دن تک ہر روز سات ۶۳ یا ۷۳ بار پڑھے جب چوتھی  
 رات آئے تو مریض کو سحری کے وقت آسمان کے نیچلنا کر اس لوبان کو ایک ہی انگور کی ٹکڑی پر چار انگلیٹھیوں کو رکھ کر ایک انگلیٹھی اس کے سر کے  
 پاس ایک اس کے پاؤں کے پاس ایک اس کے دائیں طرف اور ایک اس کے بائیں طرف سلگائے حتیٰ کہ جب سحری کا وقت گزر جائے تو اسے  
 اپنی جگہ پر لٹائیں۔ بیماری جو بھی ہے ختم ہو جائے گی اور اگر جاوے ہو تو ان آیات کو کثرت سے ہمیشہ پڑھا جائے تو جاوے گا اور ختم ہو جائے گا۔

## ”تفسیر میرٹھی“ سے منتخب آیات کے فضائل و خواص

فضیلت سورہ طہ:۔ فضائل۔ سورہ طہ الخ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ طہ مجھ کو موسیٰ علیہ السلام  
 کی الواح توریت سے جو زبرد کی تھیں عنایت ہوئی ہے۔

## سورہ طہ آیت 25 تا 28 کی خاصیت

خواص۔ رب اشرف لی سے قولی تک کشادگی سینہ اور تیزی ذہن کے واسطے سات بار ہر روز پڑھے اور جس کی زبان میں  
 کنت ہو اس کو اس آیت مقدس کا ورد کثرت سے کرنا مفید ہے اور چاہئے کہ ایک چھوٹی کنکر اپنے منہ میں ڈالے رکھے۔

## سورہ انبیاء آیت 87 کی خاصیت

خواص۔ لا الہ الا انت بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت اسم اعظم ہے جس کے وسیلے سے دعا مقبول ہوتی ہے اور بندہ



جو کچھ مانگتا ہے رب العزت سے فوراً ملتا ہے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقدس آیت کی فضیلتیں بیان فرمائیں تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ اسمِ اعظم کیا خاص حضرت یونس علیہ السلام کے لئے ہے یا اور مسلمان کے لئے بھی ہے؟ آنحضرت نے فرمایا کہ یونس کے لئے خاص نہیں بلکہ تمام مسلمانوں کے لئے ہے جو کوئی در ماندہ اور جتلا اس تسبیح کو پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اس درد و آفت سے نجات دیتا ہے۔ مشائخ رحمۃ اللہ اس کے پڑھنے کو اندوہ و غم کے لئے تریاقِ مجرب فرماتے ہیں۔ اس کے پڑھنے کے دو طریقے ہیں ایک تو یہ کہ ایک مجلس یا تین مجلسوں میں چند آدمی مشفق ہو کر اس آیت کو سو الاکھ مرتبہ پڑھ لیں۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ خود وہ حاجتمند مصیبت زدہ بعد نماز عشاء تنہا اکیلے اندھیرے گھر میں با وضو رو قبلہ بیٹھ کر ایک پیالہ پانی کا اپنے پاس رکھ لے اور تھوری تھوڑی دیر کے بعد اس پانی میں ہاتھ ڈال کر اپنے بدن یا منہ پر پھیرتا رہے۔ اس طرح تین سو مرتبہ پڑھے اور تین روز یا سات روز یا چالیس روز برابر پڑھے اور اول و آخر دو شریف دونوں طریقوں میں گیارہ بار یا اکیس بار پڑھے اور درمیان میں گفتگو نہ کرے۔ اور شرائط و آداب دعا کو ملحوظ رکھے۔

### سورہ مومنون خاصیت آخری چار آیات

خواص۔ المحسبم الخ کسی جتلا کے کان میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کچھ پڑھ کر دم کر دیا فوراً ہی اس کو اتفاق ہو گیا سرور عالم نے دریافت فرمایا کہ اے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کیا پڑھا تھا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ حضور المحسبم سے لے کر آخر سورہ تک پڑھ کر دم کر دیا تھا۔ سرور عالم نے فرمایا کہ اگر سچے دل سے اس آیت کو پہاڑ پر پڑھا جاوے تو وہ بھی یقیناً اپنی جگہ سے ٹل جاوے۔ ثابت ہوا کہ یہ آیت معظم ہر مرض، ہر مصیبت، رنج، غم، تکلیف، صدمہ، امید، حاجت کے لئے تیر بہدف ہے۔ البتہ خلوص نیت اور یقین و صدق دل شرط ہے۔

فضیلت سورہ نمل:- فضائل۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جن سورتوں کے شروع میں طس ہے وہ مجھ کو الواحِ موسیٰ سے عطا ہوئی ہیں۔ سورہ نمل خاصیت آیت 62:- خواص۔ امن، بحیب الخ ہر مشکل امر اور مصیبت نازلہ کے لئے اول و آخر درود شریف اکتالیس بار اور یہ آیت بارہ ہزار مرتبہ پڑھے نہایت مجرب ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ



## اغلاط نامہ جلد چہارم

معذرت:.....طباعت سے پہلے صحیح کا اہتمام کرنے کے باوجود

بعض اغلاط طباعت کے بعد نظر آئیں جو پیش خدمت ہیں

صفحہ نمبر	غلاط	صحیح
34	وما تنتزل	وما لتنزل
45	ولا تعجل	فلا تعجل
61	بنی اسرائیل	بنو اسرائیل
73	لَهُمْ هَرُونَ	لَهُمْ هَارُونَ
114	وارادو	وارادوا
148	السجل المكتب	السجل للمكتب
225	كان فریقاً	كان فریق
238	بالله ان	بالله انه
279	ويخلق الله	يخلق الله
299	ثبورا كثيره	ثبورا كثيرا
299	انتم اضللتهم	انتم اضللتم
304	وننزل الملائكة	ونزل الملائكة
317	لبيها فاكهة	لبيهما فاكهة
405	شَاءَ اللهُ	شَاءَ اللهُ
425	قالنا لانسقى	قالنا لانسقى
453	وما كانوا	وما كان
469	كُلًّا اَخَذْنَا	وَكُلًّا اَخَذْنَا